DATA ENTERED

ایامِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف

ڈاکٹر نعیم احمد

شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

۲۹۷۶۹۹۳۱
ن ۲۸۴
۴۵۳۴۳
ر ا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب ..... ایامِ حبیب ﷺ

مؤلف ..... ڈاکٹر نعیم احمد

مطبع ..... ذی نائن ایڈورٹائزنگ

15-A لنک وحدت روڈ لاہور

فون: 042-7569477

سنہ اشاعت ..... جولائی 2004ء

ناشر ..... چوہدری محمد ایوب

صفحات 914

قیمت مجلد ..... -/1075روپے (بیرون ملک -/$17.30)

واحد تقسیم کار: خان بک کمپنی C-25 لوئر مال لاہور فون: 7325463

Marfat.com

تعارف

ڈاکٹر نعیم احمد کی زیرِ نظر تالیف ایام حبیب سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے ایک منفرد کاوش ہے۔ منفرد اس اعتبار سے کہ اس میں پیش کردہ مباحث سیرت نگاری کے عمومی اسلوب سے جداگانہ آہنگ لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے احوال وآثار پر مشتمل ہے اور اس میں نہایت خوش اسلوبی سے تاریخی تسلسل کے ساتھ حالات وواقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ مگر ضمناً اس میں بہت سے علمی، فکری، تمدنی، جغرافیائی اور لسانیاتی موضوعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سوانح حیات پر مختلف زبانوں میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ پورے وثوق سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا بھر میں کسی بھی موضوع پر اس سے زیادہ لٹریچر موجود نہیں ہے۔ چنانچہ حیاتِ مطہرہ کا کوئی گوشہ اوجھل نہیں رہا۔ آپ ﷺ کی انفرادی نجی اور عائلی زندگی کی تفصیلات سے لے کر اجتماعی، دینی، تمدنی، سیاسی، عسکری اور قائدانہ حیثیات تک کے تمام شعبوں کے بارے میں سب جزئیات محفوظ ہو چکی ہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ، آپؐ کے اعمال افکار اور فیصلے، یہاں تک کہ آپ کا حلیہ مبارک، آپ کا لباس، آپ کی پسند و ناپسند گویا ہر رخ سے وسیع ذخیرۂ معلومات فراہم ہو چکا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر عظیم اور جامع سرمایۂ معلومات کی موجودگی کے باوجود کتب سیرت کی تعداد میں مسلسل اضافہ کیوں ہو رہا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نت نئی کتابیں کیوں لکھی جا رہی ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر مصنف کا اپنا ایک منفرد اسلوب اور زاویۂ نگاہ ہوتا ہے۔ جس کے مطابق وہ انہی معلومات وواقعات کو ایک جدید تر لہجے میں دہراتا ہے۔ ان سے نئے مفاہیم اخذ کرتا ہے اور قارئین کو اپنے ساتھ

Marfat.com

ایک مخصوص فضا میں لے جانا چاہتا ہے۔ جہاں قلب نظر کو نئی روشنی میسر آ سکے۔ ڈاکٹر نعیم احمد کی زیرِ نظر کتاب اسی مقصد اور اسی ذوق وشوق کی تخلیق ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف خوش نصیب ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سیرت نگاروں میں اپنا نام شامل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے کہ وہ بجا طور پر اس پر فخر کر سکتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ فلسفے کے ایک کہنہ مشق استاد ہیں اور اپنے مخصوص اندازِ تدریس کے باعث ایک نمایاں مقام پر فائز ہیں۔ ان کے شاگردوں کا دائرہ نسل در نسل پھیلا ہوا ہے۔ کئی عمدہ کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بہت سے تحقیقی مقالات بین الاقوامی شہرت کے حامل جرائد میں چھپ چکے ہیں۔ فکر اقبال کی تفہیم اور نشر واشاعت اور اس فکر کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں انہوں نے بڑا موثر کردار کیا ہے۔ ایام حبیبؐ کے منظر عام پر آنے سے ان کی فکری شخصیت کی ایک نئی جہت بڑے بھرپور انداز سے سامنے آئی ہے۔ اس تحریر سے انہوں نے جہاں اپنی عاقبت کو سنوارا ہے۔ وہاں اربابِ علم وبصیرت کے لئے ایک گرانقدر خزینہ بھی مہیا کیا ہے جس کی جتنی بھی قدر افزائی کی جائے کم ہے۔

ایام حبیبؐ کئی لحاظ سے لائق ستائش ہے۔ تاہم جس حقیقت نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے، وہ اس کی علمی وجاہت اور اس کا فکری مقام ومرتبہ ہے۔ مولف نے اگر جغرافیائی ماحول اور طبعی عوامل کی بات کی ہے تو ایک ماہر ارضیات کی سی وژن کے ساتھ ضروری تفصیلات یکجا کر دی ہیں۔ توحید رسالت، آخرت، تقدیر، ملائکہ، جنت ودوزخ جیسے عقائد پر بحث کی ہے تو علم کلام کی طویل بحثوں کو اجمالاً ذہن نشین کرانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ وحی والہام اور اس طرح کی دیگر اصطلاحات کے مفہوم کی توضیح کی ہے تو فلسفیانہ نکات کو آسان اور عام فہم الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اختلافی موضوعات کو محققانہ اسلوب کے مطابق سامنے لا کر فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مشن کو ایک تحریک ایک انقلاب انگیز فکر وفلسفہ اور ایک ازلی

Marfat.com

وابدی صداقت کے طور پر پیش کرنے میں ادبی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ مصنف کو عربی زبان پر جو عبور حاصل ہے، اس کا اظہار ان حوالہ جات کی تشریح سے بخوبی ہوتا ہے جو قرآن و حدیث اور دیگر معتبر کتب سے اخذ کئے گئے ہیں۔ علمی اور فقہی مسائل کی گتھیاں جس بلند سطح پر جا کر سلجھائی گئی ہیں، اس سے کتاب کی فضیلت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں کہ یہ کتاب سیرت کے ساتھ ساتھ کئی علوم پر مبنی ایک مفید فکر انگیز اور ایمان افروز دستاویز ہے۔ جسے ہر صاحب علم کے پاس موجود ہونا چاہیئے۔

میں ڈاکٹر نعیم احمد کو اس قدر بلند مرتبت کتاب کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے صاحب کتاب کے لئے موجب خیر و برکت اور قارئین کے لئے منبع فیض ہدایت بنائے۔ آمین

30 جولائی 2004ء

(ڈاکٹر عبدالخالق)

سابق صدر شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب،

وصدر پاکستان فلسفہ کانگریس

Marfat.com

پیش لفظ

نبی کریم ﷺ کے حضور ہر مسلمان نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ یہ نذرانہ کسی بھی صورت میں ہوسکتا ہے۔ نعتیہ اشعار ہوں، مصورانہ خطاطی ہو، آپ ﷺ کے محاسن وفضائل کا زبانی تذکرہ ہو یا درود و سلام ہو، سب آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے عقیدت ومحبت کے مختلف انداز ہیں۔

میں نے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اردو نثر میں پیش کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔ تاریخِ عالم کے واقعات اور مشاہیر کی زندگیوں کے مطالعہ کا مجھے بچپن سے ہی شوق تھا۔ یہ کہنا محض از راہِ عقیدت نہیں بلکہ یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ وہ ہستی جس کی زندگی لغزشوں سے مبرا اور تمام نوعِ انسانی کیلئے مشعلِ راہ ہے، وہ حضور ﷺ ہی ہیں۔ میں شروع سے ہی سیرتِ مبارکہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اس دوران بعض سوالات بھی ذہن میں ابھرتے رہے اور میں ان کے جوابات بھی تلاش کرتا رہا ہوں۔ زیرِ نظر کتاب میں میں نے ان تمام نکات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے جو میرے ذہن میں سیرتِ طیبہ کے حوالے سے وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب سیرت طیبہ پر پہلے ہی لاتعداد اور ثقہ کتب موجود ہیں تو یہ کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک حالات وواقعات کا تعلق ہے وہ تو ایک دفعہ ضبطِ تحریر میں آ گئے۔ اب وہ تاریخی اعتبار سے کافی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان پر چند ایک شروح یا ان کی توجیہات کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ جو ہر عہد میں سیرتِ طیبہ پر لاتعداد کتب لکھی جاتی ہیں، انکا کیا جواز ہے؟ کیا یہ کم وبیش ایک تکراری عمل نہیں؟ ظاہر ہے کہ معروضی حالات وواقعات اور انکی ترتیب ونوعیت میں تو کسی طرح کا ردّوبدل نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر ایک ہی داستان کو بار بار دہرانے سے کیا فائدہ؟

میرے نزدیک اسکا جواب یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے تو واقعات بلاشبہ غیر مبدّل وغیر متغیر رہتے ہیں۔ تاہم انہیں دیکھنے اور ان کی تشریح وتعبیر کے انداز بدلتے رہتے ہیں۔ بعض واقعات کسی ایک

Marfat.com

عہد میں یکسر غیر متعلق اور غیر اہم ہوتے ہیں۔ لیکن کسی دور میں یکا یک وہ انتہائی اہم اور متعلق معلوم ہونے لگتے ہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ رہتی دنیا تک تمام نوع انسانی کے لیے مثل اعلیٰ ہے۔ اس اعتبار سے یہ ضروری ہے کہ ہر دور میں اس کا تذکرہ جاری رہے اور زمانے کی بدلتی ہوئی کروٹوں کے ساتھ ایک ہی تاریخ نت انداز میں دہرائی جاتی رہے تاکہ ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے راستے کھلتے چلے جائیں۔ حیات طیبہ کے واقعات تو دراصل بکھرے ہوئے موتیوں یا پھولوں کی طرح ہیں۔ ان سے ہر کوئی اپنی مرضی اور ذوق کے مطابق کوئی ہار پرو سکتا ہے یا کوئی گلدستہ بنا سکتا ہے۔ ان موتیوں یا پھولوں سے بننے والا ہر ہار یا گلدستہ ندرت و جدت کا حامل ہوگا۔

ڈیڑھ ہزار سال قبل کے تاریخی واقعات کو میں نے اپنے نقطۂ نظر سے دیکھا ہے اور اسے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے سے موجود مستند سیر و سوانح سے تقابل تو چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے تاہم یہ دعویٰ ضرور کروں گا کہ دیگر کتب سے آپ اسے کسی حد تک مختلف پائیں گے۔

اس کتاب میں میں نے اولین کوشش یہ کی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے کو قاری کے سامنے اس طرح پیش کروں جیسے کہ وہ تھا۔ کتاب کا پہلا حصہ ''طلوع سے پہلے'' اسی مقصد کے تحت لکھا گیا ہے اور ان تمام مآخذ و آثار سے استفادہ کیا گیا ہے جن تک میری رسائی تھی۔ کتاب کا عنوان ''ایام حبیب ﷺ'' بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ حضور ﷺ کا زمانہ اور عہد قاری کی نظروں کے سامنے اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ابھر آئے۔ دوسری کوشش میں نے یہ کی ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال قبل پیش آنے والے واقعات کو انکے عمرانی و تاریخی اور سیاسی تناظر میں پیش کروں تاکہ جدید ذہن کو انکی تفہیم میں سہولت رہے۔ اس ضمن میں میں نے ضروری جگہوں پر فلسفیانہ اور نفسیاتی تعبیرات و توجیہات سے بھی مدد لی ہے اور جہاں کہیں ضروری محسوس ہوا ہے میں نے تاریخ کے اہم واقعات کے بارے میں اپنا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دور حاضر کا انسان سیرت رسول اللہ ﷺ سے اپنے مخصوص حالات میں راہنمائی حاصل کر سکے۔ قرآن حکیم اور تعلیمات رسول ﷺ کا یہی سب سے بڑا اعجاز

Marfat.com

ہے کہ یہ تمام بنی نوع انسان اور تمام ادوار لیلئے ایک مینارِ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ انہیں انکے صحیح تناظر میں دیکھا جائے اور انکی آفاقیت اور افادیت سے آگاہی حاصل کی جائے۔

''ایام حبیب ﷺ'' کی تدوین چند سال قبل مکمل ہوگئی تھی۔ لیکن بعض حالات کے تحت اسکی اشاعت کا کام معرض التوا میں پڑا رہا۔ اب جب کہ حالات کچھ سازگار ہوئے ہیں، یہ آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

مجھے شدت سے یہ احساس ہے کہ باوجود میری تمام کوشش کے اس میں خامیاں اور غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ قارئین کرام سے میری درخواست ہے کہ وہ بلاتوقف مجھے ان سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں انکی اصلاح ہو سکے۔

آخر میں میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کسی بھی طور پر مجھے اس کتاب کی تکمیل میں مدد فراہم کی۔

نعیم احمد

۲۵ فروری ۲۰۰۴ء

صدر شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب

قائدِ اعظم کیمپس لاہور

Marfat.com

ترتیب

(حصہ اوّل)

طلوع سے پہلے

پہلا باب	محلِ وقوع اور جغرافیہ	7
دوسرا باب	موسم، پیداوار اور نباتیہ و حیوانیہ	17
تیسرا باب	قدیم عرب نسلیں	27
چوتھا باب	قدیم عرب ریاستیں	37
پانچواں باب	قدیم عرب بدویت اور مدنیت	75
چھٹا باب	جاہلیت کی سماجی، اخلاقی اور مذہبی زندگی	93
ساتواں باب	حضرت اسمٰعیل اور مکہ معظمہ	119
آٹھواں باب	عام الفیل	143

(حصہ دوم)

طلوع عالمتاب

نواں باب	ولادتِ مبارکہ	163
دسواں باب	چالیس برس	195

گیارہواں باب	وحی اور صاحب وحی	245
بارہواں باب	تیرہ برس	295

(حصہ سوئم)

مہر نیمروز

-------دس برس-------

تیرہواں باب	رسول اللہ ﷺ کی ہجرت	377
چودہواں باب	عہدِ نو کی تاسیس	395
پندرہواں باب	نوزائیدہ شہری ریاست کا منظر نامہ	433
سولہواں باب	دفاعی انتظامات اور سرحدی مہمات	455
سترہواں باب	یومِ بدر	479
اٹھارہواں باب	بدر سے احد تک	511
انیسواں باب	یومِ احد	533
بیسواں باب	احد کے اثرات مابعد	561
اکیسواں باب	یومِ خندق یا غزوۂ احزاب	577
بائیسواں باب	خندق اور حدیبیہ کا درمیانی وقفہ	599
تئیسواں باب	معاہدۂ حدیبیہ	623

Marfat.com

چوبیسواں باب	حکمرانوں سے مراسلت	647
پچیسواں باب	یومِ خیبر	667
چھبیسواں باب	۷ھ کے چند مزید واقعات	691
ستائیسواں باب	یومِ موتہ	697
اٹھائیسواں باب	یومِ فتح مکہ	709
انتیسواں باب	یومِ حنین	737
تیسواں باب	۹ھ کے اہم واقعات	753
اکتیسواں باب	یومِ تبوک	775
بتیسواں باب	قبول اسلام کی ملک گیر لہر	787
تینتیسواں باب	انقلابِ مصطفوی ﷺ پر ایک نظر	807

(حصہ چہارم)

منزلِ مہر درخشاں

چونتیسواں باب	حجۃ الوداع	815
پینتیسواں باب	رسول اللہ ﷺ کی علالت اور رحلت	825
	حواشی	841
	کتابیات	.....

Marfat.com

طلوع سے پہلے

جزیرۃ العرب

حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں

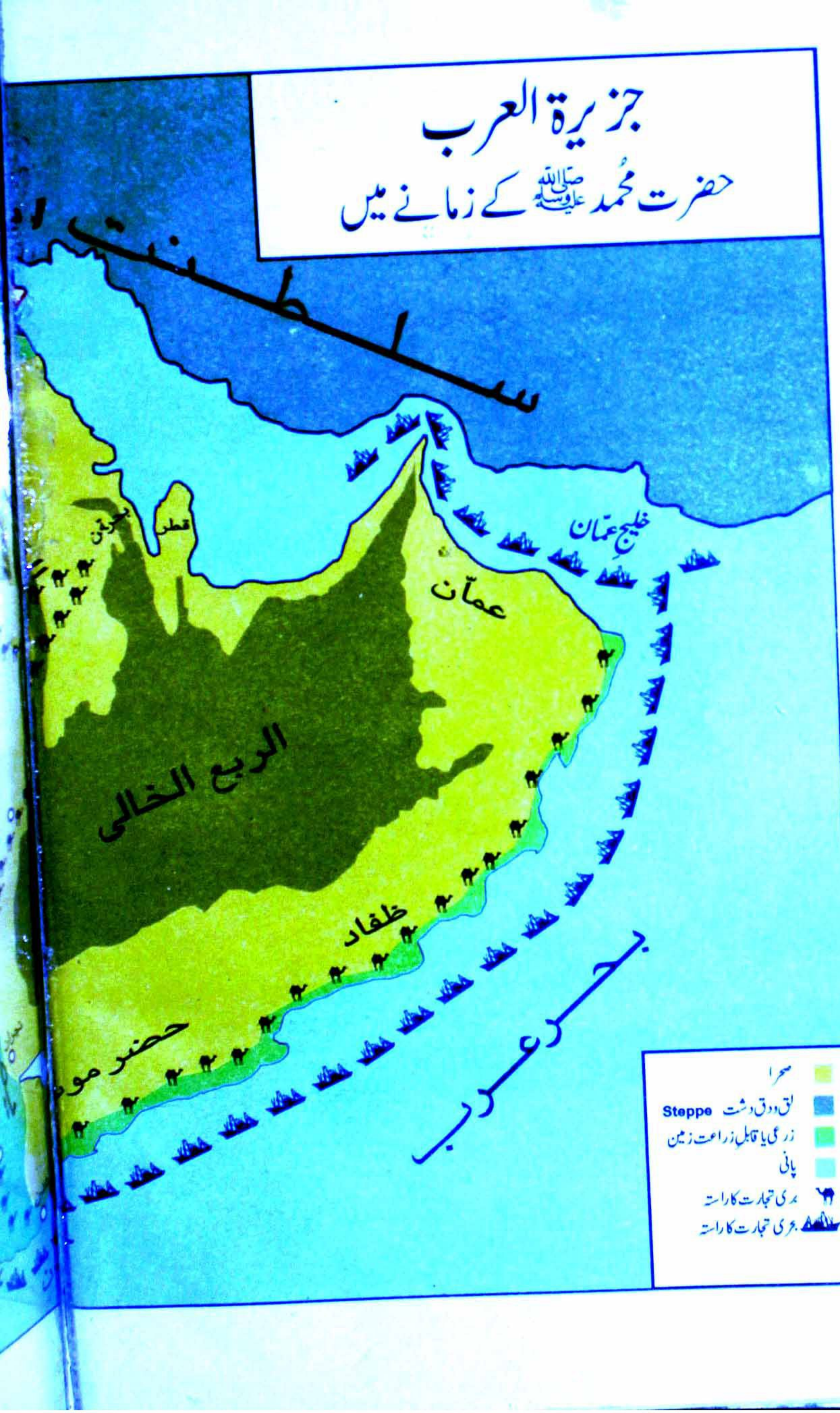

Marfat.com

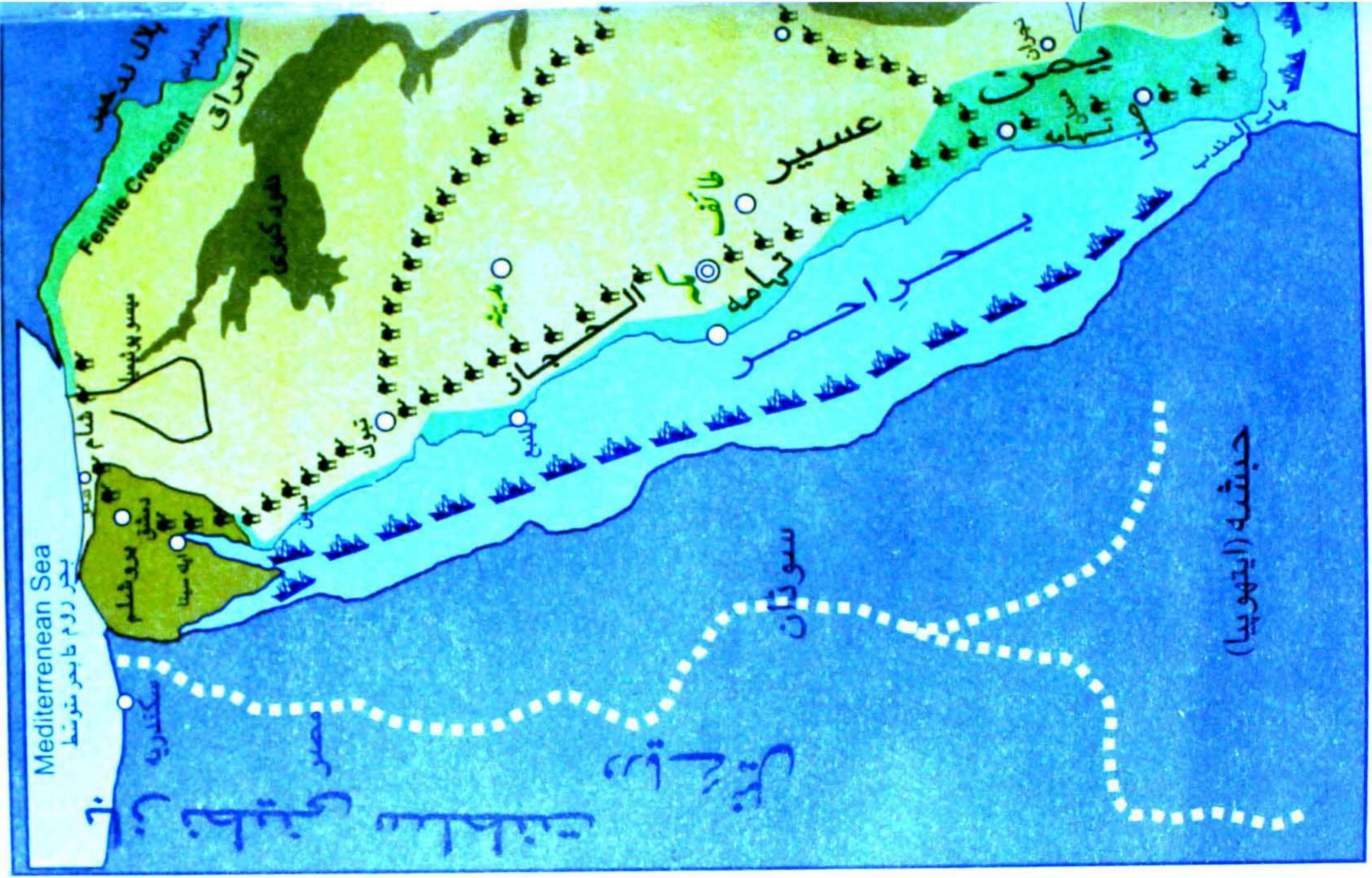
Mediterrenean Sea
بحر روم یا بحر سفید
Fertile Crescent
هلال خصیب
العراق
شام
دمشق
بیروت
اردن
مدینہ
تبوک
حجاز
صحرائے
عسیر
طائف
مکہ
تہامہ
بحرِ احمر
یمن
تہامہ
باب المندب
سکندریہ
مصر
سوڈان
حبشہ (ایتھوپیا)

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

محل وقوع اور جغرافیہ

ماہرین ارضیات اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ افریشیا کے میدانی علاقے انسانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھے۔ آج سے ہزاروں برس قبل ہندوستان' ایران' عراق' شام' فلسطین' عرب اور افریقہ ایک ہی وسیع وعریض اور سرسبز وشادب خطۂ زمین تھا جس میں بارشوں کی کثرت کے باعث گھاس کے بڑے بڑے میدان اور ہرے بھرے جنگل وجود میں آ چکے تھے۔ لیکن چوتھی برف باری کے دوران قطبِ شمالی بادوباراں کا مرکز بنا' چنانچہ بارشوں کی فراوانی کی وجہ سے یورپ میں ہرے بھرے جنگل معرضِ وجود میں آنے لگے اور افریشیا کے سرسبز علاقے بتدریج خشک سالی کا شکار ہو کر صحراؤں میں بدلنے لگے اور کئی جگہوں پر پہاڑ ابھر آئے۔ صحرائے اعظم' صحرائے عرب' دشت لوط' صحرائے راجپوتانہ وغیرہ اسی موسمی تغیر کی وجہ سے نمودار ہوئے۔

ماہرین ارضیات کا خیال ہے کہ جزیرۃ العرب جو کہ ایشیا کا جنوب مغربی جزیرہ نما ہے' دراصل صحرائے اعظم کا ہی قدرتی سلسلہ تھا جسے بعدازاں وادی نیل اور بحیرۂ عرب نے جدا کر دیا۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ جزیرۃ العرب اس عظیم ریگستانی سلسلے کا حصہ تھا جو کہ ایشیا میں وسطی ایران اور صحرائے گوبی سے ہوتا ہوا گزرتا ہے۔

جدید تحقیق میں جتنا نظرانداز جزیرۃ العرب کو کیا گیا ہے' اتنا شاید کسی اور علاقے کو نہیں کیا گیا۔ خود عرب مورخین نے بھی اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ البتہ چند ایک یورپی محققین نے عرب سرزمین اور عرب تمدن کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کا کام اگرچہ قابلِ قدر اور وقیع

Marfat.com

ہے' تاہم یہ بھی انتہائی نا کافی اور کئی اعتبار سے سقیم ہے۔

اگر نقشے پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عرب کے مغرب میں بحرِ احمر اور سینا' مشرق میں خلیجِ فارس' جنوب میں بحرِ ہند اور بحرِ عمان ہیں۔ تین اطراف سے پانی میں گھرے ہونے کی وجہ سے اسے جزیرہ نما (Peninsula) کہا جاتا ہے لیکن عرب اسے جزیرۃ العرب ہی کہتے ہیں۔ اس کی چوتھی سمت یعنی شمالی حد کو حتمی طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شام اور کسی حد تک شمالی عراق کا علاقہ شامل ہے۔ بعض مصنفین جزیرہ نمائے سینا (التیہ) کو مصر میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن ارضیاتی اعتبار سے شام و عراق (Syria-Mesopotemia) کا تمام صحرا اور جزیرہ نمائے سینا' سب عربستان ہی کا حصہ ہیں۔

جزیرۃ العرب یا عربستان بجائے خود ایک برِ صغیر کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ پورے یورپ کا ایک چوتھائی اور ریاستہائے متحدہ کا ایک تہائی ہے۔ اس کا طول تقریباً پندرہ سو میل' عرض چھ سو میل اور مجموعی رقبہ تقریباً 2 لاکھ مربع میل ہے۔ (1) خارجی اعتبار سے جزیرۃ العرب تمام بڑے بڑے براعظموں اور دنیا کی بڑی ثقافتوں اور تمدنوں سے بری یا بحری طور پر مربوط ہے۔ اس کے شمال مغرب میں افریقہ ہے اور شمال مشرق سے براعظم یورپ کو راستہ جاتا ہے۔ مشرقی سمت میں سلطنتِ ایران واقع ہے جہاں سے وسطی ایشیا مشرق بعید ہندوستان اور چین تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ مزید برآں بحری راستوں سے بھی مختلف ملکوں سے سیاسی اور تجارتی روابط قائم کئے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرۃ العرب کے تجارتی تعلقات دنیا کے کئی ممالک سے ازمنہ قدیم ہی سے چلے آ رہے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم کچھ دیر بعد دیکھیں گے' شدید موسمی حالات کی وجہ سے خارجی حملہ آوروں کو یہاں طالع آزمائی کا حوصلہ نہ ہوا

اوپر یہ کہا جا چکا ہے کہ آخری برفانی دور (Ice Age) تک جزیرۃ العرب افریشیا کے دیگر علاقوں کی طرح سرسبز شاداب رہا ہوگا۔ اس وقت بحرِ اوقیانوس (Atlantic) سے

Marfat.com

اٹھنے والی مغربی ہوائیں، جو آج کے دور میں شام اور فلسطین کے پہاڑی علاقوں کو سیراب کرتی ہیں، عرب کے دور دراز علاقوں کو بھی جل تھل کر دیتی ہونگی۔ آج بھی سرزمین عرب میں ایسی خشک وادیاں (2) موجود ہیں جو دراصل کسی زمانے میں پانی کے تیز رفتار ریلوں کی گزرگاہیں تھیں۔ ایسی وادیوں میں پانی کے بہاؤ اور کٹاؤ کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سارا علاقہ خشک سالی کا شکار ہو گیا اور اکثر حصہ ریگستان میں بدل گیا۔ اب بھی عرب کے بعض علاقوں میں دس دس سال تک بارش نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی موسمی تغیر کے تحت کسی علاقے میں سخت طوفانی بارشیں ہو جاتی ہیں جس سے وقتی طور پر روئیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور نشیبی علاقوں میں پانی ذخیرہ ہو جاتا ہے۔

تمام ملک میں اونچے نیچے پہاڑوں کا جال سا پھیلا ہوا ہے۔ ایک کوہستانی سلسلہ "جبل السّراۃ" ریڑھ کی ہڈی کی طرح مغربی ساحل کے متوازی شمال کی طرف بڑھتا چلا گیا ہے اور مدین تک پہنچتے ہوئے اسکی بلندی نو ہزار فیٹ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کوہستانی سلسلے کی مشرقی ڈھلوان نسبتاً طویل ہے جبکہ مغربی سمت کا نشیب جو کہ بحیرۂ احمر کی طرف جاتا ہے مختصر اور عمودی ہے۔ یہ سلسلہ جنوب میں یمن کے علاقے میں چودہ ہزار اور الحجاز میں دس ہزار فیٹ بلند ہے۔ الحجاز کو الحجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ نے عرب کے دو حصوں کے درمیان پردہ سا تان دیا ہے۔ عرب کی جنوبی سمت میں سمندر سالانہ 72 فیٹ کی شرح سے پیچھے ہٹتا رہا ہے اور ایک نشیبی علاقے میں بدل گیا ہے، جو "تہامہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نجد شمالی وسطی علاقہ ہے جس میں پہاڑیوں کی اوسط بلند تقریباً اڑھائی ہزار فیٹ تک ہے۔ اسکی ایک چوٹی "آجا" جو کہ شمر کے علاقے میں ہے پانچ ہزار فیٹ تک بلند ہے اور اس میں سرخ گرینائٹ پتھر بکثرت پایا جاتا ہے۔ ساحلی نشیبی علاقوں کے پیچھے تینوں سمتوں میں اونچے نیچے کئی پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ مشرقی ساحل پر عمان میں "جبل الاخضر" کی بلندی نو ہزار نو سو فیٹ تک جا پہنچتی ہے۔

پہاڑی سلسلوں اور سطوحِ مرتفعہ کے علاوہ جزیرۃ العرب کا بیشتر حصہ ریگستان ہے اور لق ودق اور بے شجر زمین پر مشتمل ہے۔ steppe وہ چٹیل اور بنجر قطعات ارض ہوتے ہیں جو کہ پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان واقع ہوتے ہیں اور ابھرے ہوئے ڈھال نما شکل کے ہوتے ہیں۔ایسے ڈھال دار اور بنجر قطعاتِ ارض کو ریت اوپر سے ڈھانک دیتی ہے۔لیکن ان کے نیچے پانی موجود ہوتا ہے۔بادیۃ الشام اور میسوپوٹیمیا کا صحرا زیادہ تر ایسی ہی زمین پر مشتمل ہے۔ جنوبی بادیۃ الشام کے steppe علاقہ کو الحماد کہتے ہیں جبکہ بادیۃ العراق کا steppe علاقہ السماوہ کہلاتا ہے۔

جزیرۃ العرب کا ریگستانی علاقہ تین طرح کا ہے:-

(ا) نفود:- نفود الکبریٰ سفید اور سرخی مائل ریت پر مشتمل ہے۔طوفانی ہوائیں ریت کے بڑے بڑے تودوں اور ٹیلوں کو ادھر ادھر اڑاتی پھرتی ہیں۔عرب کا بیشتر شمالی علاقہ ایسے ریگستان پر مشتمل ہے۔تاہم کہیں کہیں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔یہاں موسم بالعموم گرم اور خشک رہتا ہے۔لیکن کبھی کبھار اتفاقاً سرمائی بارشیں ہو جاتی ہیں جنکی وجہ سے دور دور تک صحرائی میدان گھاس جھاڑیوں اور پھل پھول سے بھر جاتے ہیں۔اسطرح ہلاکت خیز صحرا میں انسانوں اور جانوروں کیلئے رزق کی فراوانی ہو جاتی ہے۔

(ب) الدّھنا:- ایک لمبی ریگستانی پٹی نفود سے شروع ہو کر ربع الخالی تک ایک تنگ قوس کی شکل میں چلی گئی ہے۔یہ تقریباً ساڑھے چھ سو میل لمبی پٹی ہے جو الدّھناء کہلاتی ہے۔ طوَیق اور العرمہ کے مشرق میں واقع یہ دونوں صحرا یعنی نفود اور الربع الخالی' الدھناء کی وجہ سے دنیا کا سب سے بڑا مسلسل ریگستان قرار پاتے ہیں (3)۔الدّھنا کی ریت سرخ ہے۔اسکا مغربی حصہ الاحقاف کہلاتا ہے کیونکہ اسمیں بے شمار ٹیلے ہیں۔یہاں بھی کبھی کبھار موسم سرما میں بارش ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بدوی قبائل کو کئی کئی مہینوں کیلئے وافر مقدار میں پانی اور چرا

Marfat.com

گاہیں میسر آجاتی ہیں۔ البتہ موسم گرما اتنا شدید ہوتا ہے کہ زندگی تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔

(ج) الحارّہ:- یہ کٹا پھٹا آتش فشانی علاقہ ہے۔ مغربی اور وسطی عرب میں ایسے علاقے موجود ہیں۔ مغربی حوران میں بھی ایسے کئی علاقے پائے جاتے ہیں جو کہ آتش فشانی لاوے کی وجہ سے چٹیل اور کٹے پھٹے میدانوں میں بدل گئے ہیں۔ یاقوت ایسے تیس علاقوں کی فہرست دیتا ہے۔ (4) ایک عرب مورخ کے بقول یہاں آخری آتش فشاں ۱۲۵۴ء میں پھٹا تھا۔ (5)

'دردی ریگستانوں کے حلقے کے اندر نجد کی سطوح مرتفعہ ہیں۔ یہاں چونے کے پتھر کی بہتات ہے۔ متعدد مقامات پر ریگستانی پٹیاں بکھری ہوئی ہیں۔ شمر کی چوٹی پر گرینائٹ پتھر اور سیاہ سنگ مرمر (Basalt) کی چٹانیں موجود ہیں۔

خطہ سرطان مکہ' مدینہ' الخرج' الافلاح' مسقط' اور راس الحد کے درمیان میں سے گزرتا ہے اسلئے ملک عرب دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً نجد کے بیشتر حصوں کی آب و ہوا معتدل رہتی ہے۔ جنوب کی طرف بھی بلندی اتنی ہے کہ موسم بالعموم قابل برداشت ہوتا ہے۔ موسم گرما تمام جزیرۃ العرب کیلئے بہت شدید ہوتا ہے۔ جنوب کی طرف سے بلاشبہ بخارات سے لدی ہوئی ہوائیں اٹھتی ہیں تاہم بادِ سموم جسکے وقفے وقفے سے جھکڑ چلتے ہیں فضا سے ساری نمی ختم کر دیتی ہے۔ خلیج فارس اور بحیرہ احمر سے اٹھنے والی مرطوب ہوائیں بھی ملک کی خشکی اور گرمی کو کم کرنے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔ یہ پانی کے اگرچہ بڑے ذخائر ہیں تاہم علاقے کی آب و ہوا پر دور رس اثرات مرتب نہیں کر سکتے۔ نتیجتاً عرب تین اطراف سے پانی میں گھرا ہوا ہونے کے باوجود افریشیا کے اس خطے کا حصہ ہی قرار پاتا ہے جو غیر بارانی ہے۔ موسم گرما میں بعض مقامات پر حرارت ۵۰ درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتی ہے۔ ساحلی علاقوں میں گرم مرطوب موسم بعض اوقات مضمحل کر دیتا ہے۔ ایسے علاقوں میں اوس اور کہر بہت عام ہے۔ تاہم اندرون

Marfat.com

ملک سورج سال بھر چمکتا ہے اور صرف اتفاقی بارش یا طوفانی آندھی کی صورت میں کچھ دیر کے لئے چھپ جاتا ہے۔ موسم سرما میں اکثر مقامات پر موسم قابلِ برداشت اور معتدل ہو جاتا ہے اور بلند مقامات پر برفباری بھی ہو جاتی ہے۔

عرب میں ایسے دریا نہیں جو سارا سال جاری رہیں۔ طوفانی بارشوں کی صورت میں وادیوں میں پانی دریاؤں اور ندیوں کی صورت میں جاری ہو جاتا ہے اور صحرا میں ہی جذب ہو جاتا ہے۔ تاہم بعض وادیوں میں پانی سارا سال موجود رہتا ہے۔ جنوب مغرب میں ایسی وادیوں کو "غَیل" کہتے ہیں۔ عرب میں مستقل جھیلیں بھی موجود نہیں۔ بارشوں کا پانی جوہڑوں اور تالابوں کی صورت میں اکٹھا ہو جاتا ہے۔ البتہ شمال کی طرف بعض ایسے نشیب پائے جاتے ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے تو وہ دس دس مربع کلومیٹر جھیلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں پانی اکٹھا ہوتا ہے تو تیزی سے اڑنے والی ریت ان کی سطح کو ڈھانپ دیتی ہے۔ صحرا کے لوگ ایسے گڑھوں سے ایک دو میٹر کی گہرائی سے پانی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان اتھلے گڑھوں کے علاوہ صحرا میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے کنوئیں (بئر، جمع آبیار) بھی ہیں جن کی گہرائی ۷۰ میٹر سے زائد ہے۔ ایسے کچے پکے کنوئیں صحرا میں انسانی اور حیوانی زندگی کی ضمانت بنتے ہیں۔ الربع الخالی کے مرکزی حصوں میں بھی ایسے کنوئیں موجود ہیں۔ جن سے خانہ بدوش قبائل اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ہمیشہ جاری رہنے والے پانی کے چشمے عیون (واحد عین) کہلاتے ہیں۔ ایسے چشموں کے گرد کئی نخلستانی قصبے وجود میں آ جاتے ہیں جہاں کھجوروں وغیرہ کے علاوہ کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے۔ الحسا کے نخلستان میں کئی شہر اور قصبے مثلاً الہفوف، المبیشہ، الروشن، نمران وغیرہ آباد ہیں۔ (6)

اگر جزیرۃ العرب کے ساحلی نقشے پر ایک نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسی پٹی موجود ہے جہاں موسمی حالات خاصے سازگار رہتے ہیں

اور یہاں کی زمین بھی قابلِ زراعت ہے۔ بحرِ احمر کے ساحل کے ساتھ الحجاز کا علاقہ ہے اور پھر یمن کا خطہ ہے۔ یمن کی سرزمین تو زمانہ قدیم سے بڑی زرخیز چلی آ رہی ہے۔ حجاز اور یمن کے درمیان دیارِ اثیر ہے جو کہ ایک کافی بڑا خطہ ہے۔ اس میں متعدد دیہات اور قصبے ہیں یہاں کے باشندے درشت مزاج رکھتے ہیں۔ حجاز کا کچھ حصہ قابل زراعت ہے لیکن اکثر حصہ بنجر اور خشک ہے۔ یمن کا بیشتر حصہ شاداب ہے۔ صنعاء میں تو موسم سرما میں برف بھی پڑ جاتی ہے۔ صنعاء سے تیرہ میل مشرق کی طرف قوم سبائین کا وہ علاقہ ہے جہاں مارب نامی بند باندھا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں ملکہ سبا کا تذکرہ حضرت سلیمانؑ اور سیلِ عرم کے حوالے سے آتا ہے۔ بارہویں صدی کے مورخ ادریسی (7) کے بقول عدن یمن کی ایک اہم بندرگاہ تھی جہاں سمندری راستے سے ہندوستان چین اور سندھ سے انواع و اقسام کی بیش قیمت اشیاء مثلاً تلواریں، چمڑے کی مصنوعات، مشک، گھوڑوں کی زین، مصالحہ جات، ناریل، ادویات، مخمل اور دیگر قیمتی کپڑے، ہاتھی دانت وغیرہ آیا کرتے تھے۔ پھر یہاں سے تجارتی قافلے درآمد شدہ مال اور مقامی مال قہوہ، مُر، لوبان وغیرہ لے کر شمالی علاقوں کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ عرب کے جنوب میں حضرموت کا علاقہ ہے جس کے بحرِ احمر کے اس پار حبشہ والوں سے دیرینہ تجارتی اور ثقافتی مراسم چلے آ رہے تھے۔ اسی طرح عمان کا ملک بھی عرب کی سرحدی پٹی پر واقع ہے جس کا ایک حصہ بحرِ ہند پر اور ایک حصہ خلیجِ فارس پر ہے۔ نقشے پر نظر ڈالی جائے تو عرب کی سرزمین ایک بے قاعدہ مستطیل کی طرح نظر آئے گی جس کا ایک حصہ بے ہنگم سے انداز میں خلیج فارس کی طرف نکل آیا ہے۔ یہی بے ہنگم قطعہ عمان ہے تاہم اس میں جا بجا سرسبز و شاداب گھاٹیاں بھی ہیں۔ الحساء کا علاقہ عمان سے لے کر خلیج فارس کے اس مقام تک چلا گیا ہے۔ جہاں دریائے فرات اس میں آ کر گرتا ہے۔ اس مقام سے ایک قوس شروع ہوتی ہے جو خم کھاتی ہوئی اوپر بحیرۂ روم کی طرف چلی گئی ہے۔ یہ قوس نما خطہ جسے دجلہ و فرات سیراب کرتے ہیں۔ ہلال زرخیز

Marfat.com

(Fertile Crescent) کہلاتا ہے۔

اس کے شمال میں ایشیائے کوچک اور مشرق میں ایران کا کوہستانی سلسلہ ہے۔ جدید تحقیقات کی رو سے انسانی تہذیب وتمدن کا آغاز اسی ہلالِ زرخیز کے علاقے میں ہوا تھا۔ گندم کی کاشت کے قدیم ترین آثار وشواہد اسی علاقے میں ملتے ہیں۔ کوہستان طورس کے دامن میں آج بھی خودرو گندم کے چھوٹے چھوٹے پودے پائے جاتے ہیں جو اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ انسان نے سب سے پہلے دانہ گندم کا مزہ اسی علاقے میں چکھا ہوگا۔ بعدازاں اس نے شکاری زندگی اور خانہ بدوشی کو خیرباد کہہ کے یہیں ڈیرے ڈال دیئے ہونگے۔ یوں اغلباً متمدّن زندگی کی ابتداء اسی علاقے سے ہوئی ہوگی۔ مورخین کے بقول وادیٔ نیل بھی دجلہ و فرات کی وادی کی طرح انسانی تہذیب وتمدن کا قدیم ترین گہوارہ ہے لیکن اولیت "ہلالِ زرخیز" کو ہی حاصل ہے۔ (8)

اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جزیرۃ العرب کی بیرونی سرحدوں کے ساتھ ایک ایسی تنگ سی پٹی موجود ہے جو کہ انسانی آبادی اور کاشت کاری کے لئے موزوں ہے۔ اس سرحدی پٹی پر ازمنہ قدیم سے ہی اہم بندرگاہیں اور بڑے بڑے تجارتی شہر آباد تھے۔ قدیم زمانے میں دو بڑی شاہراہیں بھی سرحدی پٹی کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف جاتی تھیں۔ ایک تجارتی شاہراہ خلیج فارس سے اوپر دریائے دجلہ کے ساتھ ساتھ شام اور فلسطین کو جاتی تھی۔ اس کو "طریق الشرق" کہا جاتا تھا۔ اسی طرح بحیرۂ احمر کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ حضرموت یمن اور حجاز سے ایک شاہراہ گزرتی تھی۔ یہ بھی شمال میں یروشلم اور دمشق سے ہوتی ہوئی شام اور عراق کی طرف جاتی تھی۔ اس کو عرب "طریق الغرب" کہتے تھے۔ اس سرحدی پٹی پر متمدن عرب قبائل آباد تھے اور یہاں ہمیشہ تجارتی قافلوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ لیکن اس سرحدی پٹی کے باہر تین طرف پانی کا حصار تھا۔ چنانچہ آبادی کا پھیلاؤ باہر کی طرف ناممکن تھا۔ اندر کی

Marfat.com

طرف الربع الخالی اور الدّ ھناء کا ہلاکت خیز صحرا تھا جس میں صرف بدوی زندگی ممکن تھی' متمدن زندگی کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ اس طرح اگر کوئی مشرقی سرحد سے نقل مکانی کرنا چاہتا تو وہ یا جنوب کی طرف حضر موت وغیرہ کی طرف آ سکتا تھا یا اوپر دجلہ وفرات کی سرزمین کی طرف جا سکتا تھا۔ اسی طرح مغربی سرحد پر آبادی کے پھیلاؤ کا ایک ہی راستہ تھا جو اوپر جزیرہ نمائے سینا سے ہوتا ہوا نیل کی سرسبز و شاداب وادی میں داخل ہوتا تھا۔

ساڑھے تین ہزار سال قبل اسی راستے سے سامی مہاجرین کی ایک لہر جزیرۃ العرب کے شمالی علاقوں میں داخل ہوئی تھی۔ اور ایک لہر عرب علاقے میں آنے کی بجائے مشرقی افریقہ کی طرف چلی گئی تھی۔ اس طرح سامی تہذیب مصر کی "حامی" (Hamitic) تہذیب میں گھل مل گئی۔ اس اختلاط سے مصر کی عظیم ثقافت ابھری۔ بلاشبہ عصر حاضر کے تمدن کی بنیادیں اسی مصری ثقافت میں مدفون ہیں۔ بڑے بڑے اہرام کی تعمیر' شمسی کیلنڈر کی ایجاد اور علم ہندسہ میں عدیم المثال پیش رفت اسی ثقافت کے مظہر ہیں۔

سامی مہاجرین کی وہ لہر جو دجلہ وفرات کی وادی میں داخل ہوئی' وہاں کی مقامی ثقافت میں مدغم ہو گئی۔ دجلہ وفرات کی وادی میں سمیریوں کی تہذیب وثقافت پہلے ہی بامِ عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ اجڈ اور وحشی خانہ بدوش سامیوں نے سمیریوں سے متمدن زندگی کی خو بو سیکھ لی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ سمیری اصلاً غیر سامی تھے۔ سمیریوں اور سامیوں کے اختلاط سے بابلی ثقافت متشکل ہوئی۔ مصریوں کی طرح بابلیوں کی ثقافت بھی بہت طاقتور ثابت ہوئی جس نے جدید دنیا کی ثقافت پر دوررس اثرات مرتب کئے۔

قدیم ترین عرب کے تمدن' روایات' قبائل اور مذاہب کے بارے میں حتمی اور یقینی علم حاصل نہیں۔ زمانہ قدیم کے حالات وکوائف کا کچھ ذکر تورات میں ملتا ہے۔ کچھ عربوں کی پرانی روایات، قصائد اور رزمیہ شاعری میں مل جاتا ہے۔ کچھ معلومات ہم تک مورخینِ یونان وروم

Marfat.com

کے حوالے سے پہنچتی ہیں۔ ہرودوط (Herodotas) استرابو اور ڈیوڈور نے عرب کے حالات کا انتہائی اختصار سے ذکر کیا ہے۔ مزید برآں وہ اندرونِ عرب کے حالات سے پوری طرح واقف بھی نہ تھے۔ البتہ بطلیموس جو کہ سکندریہ کا مشہور فلسفی اور ہیئت دان تھا' قدرے تفصیل سے عرب کے حالات لکھتا ہے۔ (9) بطلیموس نے ہی عرب کا پہلا نقشہ بھی بنایا تھا۔ ان ذرائع کے علاوہ کھدائی کے دوران نکلنے والے قدیم کتبوں سے بھی اس زمانے کے حالات و کوائف کے بارے میں اندازہ لگایا گیا ہے۔ اس ضمن میں اسیری کتبے یا وہ کتبے جو وما (عمان کا نواحی قصبہ) اور صفا (بحرین کا ایک قلعہ) سے دستیاب ہوئے ہیں' خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ حضر موت اور الیمن کے ویرانوں میں کھدائی کی جائے تو امید ہے کہ وہاں سے قدیم عرب کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم ہونگی۔ الیمن کی قدیم ترین تہذیب وثقافت کا اعلیٰ معیار تو مسلمہ ہے۔ سدِ مارب کی تعمیر سے ہی سبائیوں کے کمالِ صنعت وفن کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس بند کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

دوسرا باب

موسم، پیداوار اور نباتیہ و حیوانیہ

عرب دنیا کے خشک اور گرم ترین ممالک میں سے ہے۔ موسمِ سرما میں ہونے والی بارشیں، عرب کے جلتے تپتے ریگزاروں میں زندگی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ سرمائی بارشوں میں قدرتی نباتات کی افراط ہو جاتی ہے۔ ایسے میں بدوی صحرا میں دور دور نکل جاتے ہیں اور بعض اوقات مہینوں پانی سے دور محض اونٹ کے دودھ وغیرہ پر گزارہ کر لیتے ہیں۔ (۱) جیسے کہ گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے، عرب کے ساحلی علاقوں میں موسم اتنا گرم اور خشک نہیں ہوتا اور وہاں وقفے وقفے سے بارشیں بھی ہوتی رہتی ہیں، اس لئے وہاں زراعت ہو جاتی ہے اسی لئے وہاں شہر اور قصبے بھی آباد ہو گئے ہیں۔ لیکن اندرونِ ملک موسم گرما میں موسم ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ موسمِ سرما میں صحرائی علاقوں میں اتفاقی بارشیں ہو جاتی ہیں اور بلند مقامات پر بعض اوقات برفباری بھی ہو جاتی ہے۔

اردگرد کے سمندروں کے زیرِ اثر ہواؤں کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ مشرقی عرب میں ہوا کا رجحان ایک ہی سمت چلنے کا رہتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ قوس کی صورت میں اپنا رخ بدلتی چلی جاتی ہے۔ نجد کے علاقے میں ہوا تھوڑے تھوڑے وقفے سے رخ بدل لیتی ہے اور قطب نما کو گویا جھنجوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ بحرِ ہند سے اٹھنے والی موسمی ہوائیں جنوبی عرب کے بعض حصوں تک پہنچ جاتی ہیں اور وہاں کے باشندوں کے مزاج اور طرزِ حیات پر دوررس اثرات مرتب کرتی ہیں۔ (2)

Marfat.com

عرب کے ریگستانی علاقوں میں دو چیزوں نے انسانی زندگی مشکل بنادی ہے۔ اولاً پانی کی کم یابی اور دوسرے بادِ سموم! پہلے یہ کہا جاچکا ہے کہ ریگستانی علاقوں میں بھی متعدّد جگہوں پر کنوئیں اور نخلستان موجود ہیں۔ لیکن ان کا علم بدوی خانہ بدوشوں کو ہی ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر کوئی پانی کا کنواں یا گڑھا وغیرہ بدویوں کو مل جائے تو وہ اس پر جھاڑیاں اور ٹہنیاں وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیتے ہیں۔ اس طرح اجنبی قافلے پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہو سکتے ہیں خواہ پانی ان سے کچھ دور ہی موجود کیوں نہ ہو۔ قافلوں اور جانوروں کی ہلاکت کی دوسری وجہ بادِ سموم یا بادِ خمسین ہے۔

موسیو دیورژے جس نے کہ ابولفدا کی سوانحِ حضرت محمد ﷺ اور ابنِ خلدون کی تاریخِ افریقہ کو سترھویں صدی میں ترجمہ کر کے چھپوایا تھا اور خود بھی طویل عرصے تک عرب میں تحصیلِ علم کرتا رہا تھا، عرب کی بادِ سموم کے بارے میں یوں رقمطراز ہے:

"آسمان پر جانب افق پہلے ایک سرخی آتی ہے، اس کے بعد تاریکی اور پھر زردی، آفتاب شعاعوں سے معرّا مثل ایک کرۂ خون کے نظر آنے لگتا ہے۔ سارا جَو ایک باریک ریتی (ریت) سے بھر جاتا ہے جسے ہوا اس طرح پھیلاتی ہے جیسے طوفان سمندر کے جھاگ کو اڑاتا ہے۔ یہی وقت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے کا ہے۔ کیونکہ ایک دم میں زمین و آسمان خمسین کی لپیٹ میں آنے والے ہیں۔ صحرا کی ریتی ہوا کے زور سے اڑ اڑ کر لہریں پیدا کر رہی ہے۔ مسافر کا نفس تنگ ہو رہا ہے۔ آنکھیں سرخ ہیں، ہونٹ خشک اور مشتعل، اونٹوں کا یہ حال ہے کہ کبھی تو وہ گھبرا کر دوڑنے لگتے ہیں اور

Marfat.com

کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی لمبی گردنوں کو ریت کے اندر چھپاتے ہیں اور جوں جوں طوفان بڑھتا ہے، اپنی تھوتھنیوں کو زمین پر ٹیکتے ہیں اور جان بچانے کی ہزار کوشش کرتے ہیں۔ اگر طوفان کی گرد باد میں قافلے نے راہ گم نہ کی تو وہ کسی پتھر کے نیچے یا کسی غار میں جا چھپتا ہے اور طوفان کے گزر جانے کا انتظار کرتا ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ اس بادیہء لامتناہی میں ملجا و مامن سے دور قافلہ راہ بھول گیا یا طوفان بڑھتا گیا تو پھر انسان اور چار پایہ دونوں کے حواس گم ہو جاتے ہیں۔ طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ جان بچانے کی عقل بھی جو ہر ذی روح میں نظر آتی ہے، زائل ہو جاتی ہے۔ اس وقت گرمی کی شدّت سے خستہ و پریشان، دورانِ سر میں گرفتار، ہاتھ پاؤں جواب دے دیتے ہیں اور قافلے کا قافلہ ریت میں بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں ریت کی موجیں ہوا سے اڑ کر اسے تہِ خاک کر دیتی ہیں اور اس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا، یہاں تک کہ سالہائے دراز میں پھر کسی روز ویسا ہی طوفان اٹھے اور ریت کو ہٹا کر ان کی سفید ہڈیوں کی داستان ہمارے سامنے کھول کر دکھا دے۔" (۳)

صحراؤں میں چلنے والی یہ بادِ سموم کبھی مختصر دورانیہ کی ہوتی ہے لیکن کبھی مسلسل کئی دنوں تک چلتی رہتی ہے۔ قرآن حکیم میں احقاف (ریگستان) کے اندر ہوا کے طوفان سے تباہ ہونے والی قومِ عاد کا ذکر یوں آیا ہے:

Marfat.com

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحاً صَرْصَراً فِىْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى (حٰمٓ السَّجدہ: ١٦)

ہم نے ان پر منحوس دنوں میں بادصرصر بھیجی تاکہ ہم انہیں عذابِ ذلّت کا مزہ اِسی زندگی میں چکھائیں اور عذاب اُخروی سب سے زیادہ ذلّت والا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضاً مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىْءٍ م بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا اِلَّا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف ٢٥ ٢٤)

اور پھر جب ان کو بادِ صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جن کا رخ ان وادیوں کی طرف تھا نظر آیا، بولے یہ ہم کو سیراب کرنے والا بادل ہے۔ نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اے گنہگارو! تم کو جلدی تھی، یہ ہوا ہے جس میں (دردناک عذاب ہے) اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے، پھر وہ ایسے نیست و نابود کر دیئے گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔

اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْماً فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝ (الحاقہ: ٥ تا ٨)

لیکن عاد، تو وہ تند بادِ صرصر سے برباد کر دیئے گئے۔ خدا نے جڑ کاٹنے والی سات رات اور آٹھ دن تک ان پر اس ہوا کو لگا دیا، تم دیکھتے ہو اس ہوا میں اس قوم کو افتادہ، جیسے وہ کھوکھلے درخت کی جڑ تھے، کیا ان میں کا کوئی اب تم کو نظر آتا ہے؟

Marfat.com

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ○ مَاتَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ (ذاریٰت ۴۱ ۱۲)

اور عاد میں عبرتیں ہیں جب ہم نے بے فائدہ نحس ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اس کا گزر ہو جاتا اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی

غیر معمولی خشکی اور گرمی اور ہلاکت خیز بادِ سموم کا خطرہ یہ دو سبب تھے جن کی بنا پر یہ خطۂ غیر ملکیوں کی عام آمد و رفت اور حملہ آوروں کی یلغار سے محفوظ رہا۔ آج کے دور میں اگرچہ سعودی حکومت نے بدویوں کو متمدّن بنانے کے لئے کئی اقدامات کئے ہیں اور متعدد سہولتیں فراہم کی ہیں۔ تاہم اندرونِ ملک آج بھی قدیم ترین زمانے کا رہن سہن اور بدویانہ طور طریقے نظر آتے ہیں۔ ان بدویوں کا اگر کچھ بدلا ہے تو مذہب بدلا ہے۔

عرب کی پیداوار میں کھجور اور قہوہ سرفہرست ہیں۔ کھجور اور اونٹنی کا دودھ عربوں کے لئے بنیادی خوراک کا درجہ رکھتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی تعمیراتی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہے اور اس کی شاخوں سے ٹوکریاں اور پتوں سے چٹائیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ کھجور کی گٹھلیوں کو پیس کر عرب اونٹوں کی غذا تیار کرتے ہیں جسے وہ بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔ کھجور سے نبیذ بھی تیار کی جاتی ہے۔ بعض عرب مصنفوں نے مدینہ کے گرد و نواح میں پائی جانے والی کھجوروں کی سو سے زائد اقسام کا ذکر کیا ہے۔ (۴) بعض محققین کی رائے ہے کہ کھجور کا اصل وطن شمالی میسو پوٹیمیا کا علاقہ ہے۔ کھجور کا درخت زیادہ بلندی پر نہیں اگتا۔ اس لئے سطح مرتفع پر بسنے والے عرب قبائل اپنی ضروریات کے لئے مختلف قسم کے اناج اور پھل وغیرہ اگاتے ہیں۔

ساحلی علاقوں میں وقفے وقفے سے بارشیں ہو جاتی ہیں۔ اس لئے یہاں کئی قسم کی فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ گیہوں، جوار اور جَو یہاں کے قابلِ ذکر اناج ہیں۔ قَصَب یا برسیم عموماً وہاں کاشت کی جاتی ہے جہاں کھجوروں کے جُھنڈ ہوں۔ کپاس، چاول اور تمباکو بھی محدود پیمانے

Marfat.com

پر اگائے جاتے ہیں۔ یمن اور عسیر کی سطوحِ مرتفعہ کافی (قہوہ) کے لئے مشہور ہیں۔ بعض طبقات میں قہوہ کی جگہ لوگ "قات" نامی فصل اگانے لگے ہیں۔ جو قدرے نشہ آور اور زیادہ منفعت بخش ہے۔ لوگ اس کے پتے چبا کر سرور حاصل کرتے ہیں۔ (۵)

لوبان اور دیگر خوشبویات کو عرب کی پیداوار میں خصوصی مقام حاصل ہے۔ عرب کے جنوبی علاقے میں زمانہ قدیم سے ہی لوبان کی کاشت ہوتی آئی ہے اور اسے باہر کے ممالک میں بھیجا جاتا رہا ہے۔ اسی علاقے میں "حَوِیْر" نامی درخت اُگتا ہے جس کے رنگ سے نیل تیار کیا جاتا ہے۔ اِملی اور کیکر کے درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ عرب کے مختلف علاقوں میں ایک درخت "دَوم" اگتا ہے جسے لذیز بیر لگتے ہیں۔ خروب (Carob) اور عناب (Zizyphus Spina) کے درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ ایلوا (Aloe) اور فریبون (آملے کی قسم) کے درخت بھی ہیں۔ فریبون بڑی حد تک ناگ پھنی یعنی کیکٹس (Cactus) سے ملتا ہے۔ (۶) عرب میں کہیں بھی گھنے جنگلات نہیں پائے جاتے، نہ ہی کوئی باقاعدہ دریا مستقلاً بہتا ہے۔ البتہ وادیوں میں بعض چشمے سدا جاری رہتے ہیں اور بعض وادیاں اتفاقی بارشوں سے دریاؤں اور نہروں کی صورت میں بہنے لگتی ہیں۔ اگرچہ گھنے جنگلات کہیں نہیں، البتہ گھنی جھاڑیوں کے سلسلے عام طور پر مل جاتے ہیں۔

جانوروں میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو یورپ اور ایشیاء میں بھی پائے جاتے ہیں مثلاً پینتھر (نمیر)، چیتا (فہد)، بھیڑیا، لومڑ، گوہ (الضب) وغیرہ۔ الیمن میں بندر کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ شیر کا تذکرہ اکثر شعرائے کلام میں ملتا ہے۔ مثلاً کعبؓ بن زہیر معافی کے لئے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ کی مدحت کے کچھ اشعار پڑھے جو کہ قصیدۂ بُردہ یا قصیدہ بانت سعاد کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اس قصیدے میں وادی عثر کے شیروں اور ان کے سردار کا ذکر ہے۔

۷۵۳۶۳

Marfat.com

مِنْ خَادِرٍ مَنْ لُيُوثِ الْاُسْدِ مَسْكَنُهٗ
مِنْ بَطْنِ عَثَّرَ غِيْلٌ دُوْنَهٗ غِيْلٌ

کعبؓ بن زہیر نبی کریم ﷺ کے رعب و دبدبہ کے بارے میں کہتے ہیں: اس وقت آپ صلعم کچھار میں موجود شیروں کے ایک (بادشاہ) شیر سے بڑھ کر ہیبت و جلال والے تھے۔ خصوصاً ایسا شیر جو مقام عثّر کے درمیان میں رہنے والا ہو اور اس کے اردگرد درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہوں"۔ اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اور ان سے قبل شیروں کی نسل عرب میں موجود تھی۔ لیکن بعد ازاں یہ نسل کم ہونا شروع ہوگئی اور بالآخر عنقا ہوگئی۔

پالتو جانوروں میں گدھا، خچر، بھیڑ، بکری وغیرہ عام ہیں۔ پرندوں میں عقاب، اُلو، تکدر یا تغادر (Bustard)، گِدھ (نُسر)، بھٹ تیتر کی قسم کے پرندے "قطا" اور "غطاط" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ساحلی علاقوں میں سرخ ٹانگوں والے لم ڈھینگ اور بگلے وغیر بھی پائے جاتے ہیں۔ ہُدہُد، کبوتر اور کوّے عام پرندے ہیں۔ چنڈول (ام سالم) صحرا میں تقریباً ہر جگہ مل جاتا ہے۔ صحراؤں اور مزروعہ علاقہ میں بعض اوقات ٹِڈّیاں بہت نقصان کرتی ہیں۔ لیکن جن علاقوں میں خوراک کی قِلّت ہوتی ہے، وہاں یہ کھانے کے کام بھی آ جاتی ہیں اور مسافروں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوتی ہیں۔

عرب کے پالتو جانوروں میں اونٹ اور گھوڑا دو ایسے جانور ہیں جو اس علاقے میں انتہائی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اونٹ کو "ریگستان کے جہاز" کا نام بالکل بجا طور پر ملا ہے۔ زمانہ قدیم میں اونٹ کے بغیر صحرائی سفر کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اونٹ کی خوراک بہت کم ہوتی ہے۔ ایک دفعہ پانی پی لے تو کئی دن بغیر پانی پیے سفر کر سکتا ہے۔ حلب سے بصرہ تک کے صحرا کا سفر اونٹ چھ من وزن اٹھا کر قلیل مقدار میں پانی اور خوراک کے سہارے باآسانی طے کر سکتا ہے (۷)۔ کہا جاتا ہے کہ صحرائے عرب کا اونٹ موسم گرما میں پانچ دن اور موسم سرما میں پچیس

Marfat.com

دن پانی کے بغیر سفر کر سکتا ہے۔ خانہ بدوش بدویوں کے لئے اونٹ نہ صرف گوشت اور دودھ کی صورت میں غذا فراہم کرتا ہے بلکہ دیگر کئی معاملات میں بھی کام آتا ہے۔ مثلاً لین دین میں ذریعۂ مبادلت ہے، دلہن کا جہیز ہے، خوں بہا کی قیمت ہے، قمار بازی کا ذریعہ ہے، لمبے اور دشوار سفر کا ساتھی ہے بدوی اونٹ کے چمڑے سے کئی چیزیں تیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بال، خیمے اور کمبل بنانے کے کام آتے ہیں۔ اس کا فضلہ جلانے کے لئے اُپلے بنانے کے کام آتا ہے۔ اس کے پیشاب سے کئی طرح کی ادویہ تیار کی جاتی ہیں۔ اگر اونٹ کو پانی پیئے دو تین دن بھی گزر چکے ہوں تو ہنگامی ضروریات کے پیش نظر اس کے پیٹ سے پینے کے قابل پانی نکالا جا سکتا۔ اگر اونٹ بوڑھا ہو تو اسے ذبح کر کے پانی حاصل کرتے ہیں ورنہ اس کی گردن کے نیچے لکڑی اُڑس کر زور لگاتے ہیں جس سے اونٹ پیا ہوا پانی قے کر دیتا ہے۔ موصل کا قول ہے کہ اس کے قبیلہ "روالاہ" کا شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جس نے اونٹ کا اگلا ہوا پانی نہ پیا ہو۔ آج کے دور میں بھی بدوی خود کو "اہل الوبر" (اونٹوں والے) کہلانا پسند کرتے ہیں۔ اونٹ نے اسلامی فتوحات میں خاص کردار ادا کیا تھا۔ آج بھی صحرائے عرب دنیا میں اونٹوں کی افزائش کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ تاریخی لحاظ سے اونٹ نے عرب کی معیشت میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں "تلوار" کی طرح "اونٹ" کے لئے بھی ایک ہزار سے زائد مترادفات استعمال ہوتے ہیں۔

اونٹ کی طرح گھوڑا صحرائی جانور نہیں۔ عرب میں اس کی آمد کا زمانہ کافی بعد کا ہے۔ قدیم سامیوں کو گھوڑے کا پتہ نہ تھا۔ ابتدائی زمانے میں گھوڑے کی افادیت کا علم، بحر کیسپین کے مشرقی ساحلوں پر آوارہ گردی کرنے والے انڈو یورپین خانہ بدوشوں کو ہوا۔

حِتّی (Hittites) اور Kassite قبائل گھوڑے کو لے کر تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح عرب کے علاقے میں آئے۔ قدیم ترین لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ عرب اصلاً شُتربان

Marfat.com

(Cameleer) تھے نہ کہ گھڑسوار (Cavaleir) اسلامی فتوحات میں اونٹ کے ساتھ ساتھ گھوڑے نے بھی خاص کردار ادا کیا۔ بلکہ اپنی تیز رفتاری کے باعث بعض حالات میں اونٹ سے بازی لے گیا۔

ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے:۔

" عربستان کے بدوی گھوڑوں کی پانچ نسلوں کو بہت مانتے ہیں جو حضرت رسالتمآب ﷺ کی پانچ گھوڑیوں کی اولاد ہیں۔ جب کوئی عمدہ نسل کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو خیمے میں چند اشخاص گواہی کے لئے جمع کئے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے پیدائش کی تاریخ اور ماں کا نام اور اس کا خاندان' ایک کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ اس شجرے پر گواہی کی مہریں ہونے کے بعد وہ ایک تانبے کی ڈبیا میں بند کر کے بچہ کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ اس تاریخ سے وہ بچھیرا بھی منجملہ بیش بہا صبا رفتاروں کے گنا جاتا ہے جن کی وجہ سے بارہا دو قبائلِ عرب میں باہم جنگ واقع ہوئی ہے۔ "(8)

عربی گھوڑا اپنی چستی' خوبصورتی اور برق رفتاری کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں یہ براستہ اسپین یورپ میں پہنچا جہاں اس نے مقامی نسلوں سے اختلاط کے بعد کئی جدید نسلوں کو فروغ دیا۔ عرب میں گھوڑے کی افادیت کا بنیادی سبب اس کی تیز رفتاری تھی۔ اونٹوں اور گدھوں کی نسبت جنگوں (غزووں) میں یہ کہیں زیادہ موثّر تھا۔ عرب بالعموم لمبے سفر اونٹوں پر طے کرتے لیکن جنگیں گھوڑوں پر بیٹھ کر لڑتے تھے۔ لیکن اس امر سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عوام النّاس اور بادیہ نشینوں کے لئے گھوڑے پالنا بہت مہنگا شوق تھا۔ اس لئے گھوڑوں کی افزائش جنگی مقاصد کے لئے ہوتی تھی یا امراء کے شوق کے لئے۔ گزشتہ صدیوں میں گھوڑے پالنے کا رجحان بتدریج کم ہوتا آیا ہے۔ موٹر کاروں کی آمد سے تو اب گھوڑے پالنے کا رواج جدید عرب میں تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے۔ صرف امیر لوگ شکار یا

کھیلوں وغیرہ کے کے لئے گھوڑے پالتے ہیں۔

اونٹ اور گھوڑے کے علاوہ گدھے اور خچر بھی عرب کی سرزمین میں اہمیت رکھتے ہیں۔ الحسا اور بحرین کے بڑے قد کے سفید خچر بار برداری کے لئے مشہور ہیں۔ قدیم زمانے میں ہرن (ظبی) صحراؤں اور میدانوں میں بکثرت پائے جاتے تھے مگر اب ان کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے کیونکہ شکاری اس کے شکار سے خاص شغف رکھتے ہیں۔ بدویوں کے پاس انتہائی تیز رفتاری شکاری کتا (سلوقی) ہوتا ہے جو بعض اوقات ہرن کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ پہاڑی بکرا (وعل) کوہستانی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ چھوٹے جانوروں میں بلی، خرگوش، چوہا، کانٹوں والی سیہ اور جھاڑ چوہا (قُنفُذ) وغیرہ عام پائے جاتے ہیں۔ کنگرو سے ملتا جلتا جانور "جَرْبوع" صحرائی علاقوں میں اپنی پچھلی ٹانگوں پر ادھر ادھر پھدکتا نظر آجاتا ہے۔ (۹) پہاڑی علاقوں اور ریتلے میدانوں میں سانپ بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض زہریلے ہوتے ہیں۔ لارنس (Lawrence) نے وادیٔ سرحان میں پائے جانے والے سینگدار افعی (Viper) کا ذکر کیا ہے۔ (۱۰) جسے دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوگیا تھا۔ عربی ناگ (Cobra) کی ایک قسم "تَیم" ہے جس کے بارے میں بدویوں کی رائے ہے کہ یہ اڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چھپکلیاں، گرگٹ اور دموسہ (Skink) بھی اکثر جگہوں پر نظر آجاتے ہیں۔ شترمرغ (النعامہ) بتدریج ناپید ہوتا جارہا ہے۔

Marfat.com

تیسرا باب

قدیم عرب نسلیں

جزیرۃ العرب کے اصل باشندے کون تھے؟ وہ کس نسل سے تعلق رکھتے تھے اور کب عرب کی سرزمین میں داخل ہوئے تھے؟ ان سوالات کے متعلق انتہائی ناکافی معلومات ہم تک پہنچی ہیں۔ تحقیق و تفتیش کے بے شمار گوشے ابھی تک دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں اگر کھدائی کی جائے تو ایسے قدیم آثار دریافت ہونگے جن کی روشنی میں عرب کی ناپید نسلوں کے بارے میں گراں بہا معلومات فراہم ہوسکتی ہیں۔

لیکن موجودہ معلومات کی بنا پر جو بات وثوق کے ساتھ عربوں کی اصل کے بارے میں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ بحرِ روم کے علاقے میں بسنے والی سامی نسل کی ہی کوئی شاخ عرب میں آکر بس گئی تھی۔ خود سامیوں کے بارے میں بھی ابھی تک یہ پتہ نہیں چلایا جاسکا کہ ان کی مختلف شاخیں کن کن اطرافِ عالم میں پھیلی تھیں۔

عرب ماہرینِ انساب عربستان کے باشندوں کو تین زمروں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) عرب البائدہ (۲) عرب العاربہ (۳) عرب المستعربہ

(۱) عرب البائدہ:

یہ وہ قدیم نسلیں ہیں جو حضرت نوحؑ کے سات بیٹوں سے ارتقاء پذیر ہوئی تھیں: یہ ساتوں نسلیں مرورِ زمانہ سے ناپید ہوگئیں۔ ان کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات قدیم کتبوں اور روایتوں کے علاوہ تورات سے حاصل ہوئی ہیں۔ بعض کے بارے میں قرآن حکیم

Marfat.com

میں بھی اشارات ملتے ہیں۔ (مثلاً عاد، ثمود وغیرہ)۔ حضرت نوحؑ کے سات بیٹے یہ ہیں:

(۱) کوش بن سام بن نوح (۲) عیلام بن سام بن نوح (۳) لور بن سام بن نوح (۴) عوص بن سام بن نوح (۵) حول بن سام بن نوح (۶) جدیس بن گو بن سام بن نوح (۷) ثمود بن گو بن ارم بن سام بن نوح

نبی کوش کے بارے میں عرب مورخین بالکل خاموش ہیں۔ اس طرح عیلام کی اولاد کے بارے میں بھی زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ لور کے تین بیٹے تھے طسم، عملیق اور امیم۔ یہ خلیج فارس کے ساحلی علاقوں میں آباد تھے۔ عوص کے بیٹے عاد کی اولاد عرب کے مشرق اور جنوبی علاقوں کی مالک بن گئی۔ یہ بڑے قدر آور شان و شوکت والے لوگ تھے اور عالیشان مکانوں میں رہتے تھے۔ لیکن خدا کی نافرمانی کی وجہ سے بادِ صرصر کے طوفان میں نیست و نابود ہو گئے۔ حول کے بیٹے کا نام ارم تھا۔ اس کے حالات کا بھی پتہ نہیں چلا۔ جدیس کا حال بھی سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں کہ یہ خاندان بیاباں میں آباد ہوا اور وہیں نیست و نابود ہو گیا۔ ثمود کو عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ گو، ارم، سام اور نوح کی لڑی میں سے تھے۔ ثمود کی اولاد شام کی جنوبی شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ الحجر اور القریٰ کی وادیوں میں پھیل گئی۔ یہ بھی بڑی زبردست قوم تھی۔ پہاڑوں کو کھود کر ان کے اندر گھر بناتی تھی اور انہیں نقش و نگار سے مزیّن کرتی تھی۔ در و دیوار پر کھدے ہوئے یہ نقش و نگار "اثالیب" کہلاتے ہیں۔ اس قوم کا مذہب بت پرستی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا۔ اس قوم کا تذکرہ بھی قرآن حکیم میں چند مقامات پر آتا ہے۔ انہیں بھی نافرمانی کی سزا ملی۔ رعد کی کڑک اور زلزلے کی گرج نے اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ صرف ان کے مکانات باقی رہ گئے۔ غالباً یہ واقعہ ۱۸۹۷ ق م میں پیش آیا ہوگا جب کہ سدوم، گمارہ، ادباب اور زہائین شہر آسمانی بجلی سے جلائے گئے تھے (۱)

Marfat.com

(۲) عرب العاربہ:

یہ وہ نسلیں ہیں جو یعرب بن یشجب بن قحطان کی اولاد میں سے ہیں۔ بعض مورخین کے نزدیک کتب خمسہ موسیٰ میں جو یقطان کا نام آیا ہے' وہ دراصل قحطان ہی ہے۔ اسے یونانی انجیلوں میں "قطان" بھی کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عرب البائدہ اور عرب العاربہ کو ایک ہی نسل گردانتے ہیں۔ یوں ان کے نزدیک عرب میں دو قومیں آباد ہوئیں' عرب البائدہ اور عرب المستعربہ۔

یقطان یا قحطان کے تیرہ بیٹے تھے جن کی مناسبت سے تیرہ سامی خاندان اطراف عرب میں آباد ہوئے:

(۱) المودادد: اس شخص کا خاندان الیمن یا عرب المعمور میں مقیم ہوا۔

(۲) شلف: اس کی اولاد جسے عرب بنی سالف کہتے ہیں' کاظم اور مدینہ کے درمیانی میدان میں آباد ہوئی۔

(۳) حضرماؤث: خلیج عرب کا ملحقہ علاقہ (حضرموت) اس کے خاندان کی آماجگاہ بنا۔

(۴) یرح: یرح اور اس کی اولاد حجاز کے علاقے میں آباد ہوئی۔

(۵) بدورام: آل بدورام مشرق کی طرف آباد ہوئے جہاں اس قوم کی بہت سی یادگاریں ہیں اور قصبہ بدرمہ بھی ہے۔

(۶) اوزال: یہ خاندان الیمن کے علاقے الصنعاء میں آباد ہوا۔

(۷) وقلاہ: وقلاہ کی اولاد یمن میں مقیم ہوئی' اسے ذوالخلاعہ کہا جاتا ہے۔

(۸) عوبال: یہ خاندان فقید الآثار ہے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ بنی عوبال ہجرت

Marfat.com

کر کے افریقہ چلے گئے تھے۔

(۹) ابیمائیل: یہ خاندان بھی بنی سالف کے قرب وجوار میں آباد ہوا۔

(۱۰) شبا: یہ شخص اپنے خاندان کے ساتھ الیمن میں سکونت پذیر ہوا۔ واضح رہے کہ یمن کے سبائی سلاطین کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ شہر سبا ایک دوسرے شخص عبدالشمس نے آباد کیا تھا جسے شبا بھی کہا جاتا تھا۔

(۱۱) اوفر: صوبہ عمان میں شہر اوفر کے کھنڈرات آج بھی اس خاندان کی داستان بیان کرتے ہیں۔

(۱۲) حویلاہ: یہ شخص سد مارب کے شمال میں جا کر بسا۔

(۱۳) یوباب: مارب کے نواح میں آباد ہوا۔ اس کی اولاد بنی حوبار کہلاتی ہے۔

یہ عرب خاندان ملک کی مختلف اطراف میں بس گئے۔ ان میں سے بعض نے اپنی تعداد اور قوت میں بے پناہ اضافہ کر لیا اور تاریخ کے صفحات میں اپنا مخصوص مقام بنا لیا۔ بعض قبائل کسی ایسے شخص کی وجہ سے مشہور ہوئے جس نے کوئی بڑا کام سرانجام دیا۔ جو قبائل ان دو خصوصیات سے محروم رہے وہ بتدریج گمنامی کی دھند میں غائب ہو گئے۔

مورّخینِ عرب یقطان کے متعدد لڑکوں میں سے بالعموم دو کا ذکر کرتے ہیں، یعنی یعرب اور جرہم کا۔ بعض کے نزدیک یعرب اور یرح ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یعرب اور جرہم سے بھی ایک ہی شخص مراد ہے۔ (2) اصل کچھ بھی ہو، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عرب عاربہ میں قحطان ہی وہ شخص ہے جو اولین بادشاہ بنا۔ اس کی مملکت یمن کی سرسبز و شاداب سرزمین تھی۔ اس کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م قرار دیا جا سکتا ہے۔ قحطان کے بعد جرہم یا یعرب بادشاہ بنا۔ اس کے دائرۂ حکومت میں یمن اور حجاز کے صوبے شامل تھے۔ جرہم کی

Marfat.com

وفات کے بعد یشجب تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالشمس جو "سبا" کے نام سے جانا جاتا تھا' بادشاہ بنا۔ یہی بادشاہ تاریخ میں سلطنت سبا کا بانی سمجھا جاتا ہے جس نے سدِّ مارب تعمیر کروایا تھا۔

عربِ عاربہ کے دو قبیلے بڑے نامور ہوئے' حمیر اور کہلان' انہیں کی آل اولاد عرب کی تمام اطراف میں پھیل گئی اور خوب پھلی پھولی۔

حمیرؔ عبدالشمس عرف سبا کا بیٹا تھا اور باپ کی وفات کے بعد یمن کا بادشاہ بنا اس کی مشہور شاخیں زیدالجمہور' قضاعہ اور سکاسک ہیں۔

کہلان کی مشہور شاخیں ہمدان' انمار' طے' مَذحج' کِندہ' لخم' جذام' ازد' اوس' خزرج اور اولاد جَفنہ ہیں۔ انہوں نے بعد ازاں شام میں آل غسان کی بادشاہت قائم کی۔ کہلانی قبائل حمیرؔی خاندانوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تے۔ مزید برآں اسی زمانے میں یمن رومی تسلط میں آ جانے کی وجہ سے معاشی بدحالی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لئے کہلانی قبیلے یمن چھوڑ کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ بنو حمیرؔ بدستور یمن کی سرزمین پر مقیم رہے۔ جن کہلانی قبائل نے ترکِ سکونت کی وہ درج ذیل ہیں۔

(ا) ازد: اس قبیلے کی مختلف شاخیں عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئیں۔ ثعلبہ بن عمرو خزرج سے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ازد کی اولادیں جو مختلف جگہوں پر مقیم ہوئیں یہ ہیں:

(ا) حارثہ بن عمرو: خزاعہ کی اولاد آوارہ گردی کرتے ہوئے بالآخر مکہ میں آ بسی اور بنو جرہم کو وہاں سے باہر نکال دیا۔

(ب) عمران بن عمر: یہ خاندان عمان کی طرف چلا گیا۔

(ج) نصر بن ازد: یہ قبائل تہامہ میں آباد ہوئے۔

Marfat.com

(د) جفنہ بن عمر: اس نے ملک شام کی طرف ہجرت کی اس کی اولاد نے وہاں غسانی سلطنت قائم کی۔

(۲) لخم و جذام: نصر بن ربیعہ لخمیوں کا مورثِ اعلیٰ تھا جنہوں نے حیرہ میں آلِ منذر کی حکومت قائم کی تھی۔

(۳) بنو طَی': شمال میں اجاء اور سلمٰی نامی دو پہاڑیوں پر قبیلہ طَے آباد ہوا۔

(۴) کِندہ: بحرین' احسا اور حضرت موت میں قیام پذیر ہونے کی ناکام کوششوں کے بعد نجد میں آئے۔ کچھ عرصہ ان کی حکومت یہاں قائم رہی لیکن اس کے بعد یہ لوگ مفقود الآثار ہو گئے۔

کہلان کے علاوہ حِمیر کا بھی ایک قبیلہ ایسا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نقل مکانی کر کے عراق کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کا نام قبیلہ قضاعہ ہے (۳)

(۳) عرب المستعربہ:

ان عرب خاندانوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کلدانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جو کہ عراق کے شہر بابل میں آباد تھا۔ حضرت نوحؑ کے پانچ بیٹوں میں ایک ارفکسد نامی تھا۔ ارفکسد کے بیٹے سلح سے عبر پیدا ہوا۔ عبر کے دو بیٹے تھے قحطان اور فلح!

قحطان کی اولاد مختصر ذکر ہم پڑھ آئے ہیں جو کہ جنوبی عرب میں پھلی پھولی تھی۔ اب ہم فلح کی اولاد کے احوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو کہ شمالی عرب کی مالک بنی۔ فلح سے پانچویں پشت پر آزر (حضرت ابراہیمؑ کا والد) پیدا ہوا۔ یہ سلسلہ نسب یوں بنتا ہے: حضرت ابراہیمؑ بن تارح (آزر) بن نحور بن سروج بن رعو بن فلح۔ حضرت ابراہیمؑ دریائے فرات کے کنارے ایک مقام "اُز" پر پیدا ہوئے۔ بعد ازاں وہ اپنے بھتیجے لوط کے ساتھ فلسطین آئے اور وہاں حکمِ خداوندی کے تحت دعوت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ ایک دفعہ آپ خشک سالی کی وجہ سے مصر بھی

Marfat.com

تشریف لے گئے تھے۔آپ کی زوجہ حضرت سارہ آپ کے ہمراہ تھیں۔شاہِ مصر کی نیت حضرت سارہ کے بارے میں خراب ہوگئی۔لیکن اللہ تعالی کی مدد سے سارہ محفوظ رہیں۔بادشاہ کو عبرت ہوئی اور اس نے توبہ کی۔وہ حضرت سارہ کے زہد وتقویٰ سے بہت متاثر ہوا۔اس نے اپنی ایک بیٹی (ہاجرہ) حضرت ابراہیمؑ سے بیاہ دی۔بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ اصلاً عرب تھا جو مصر جا کر ترقی کرتا ہوا فرعون بن گیا تھا۔اس کا قدرے تفصیلی ذکر آگے حضرت اسماعیلؑ کے ذیل میں آئے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے کئی بیٹے تھے۔حضرت سارہ میں سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے جو شام وفلسطین کے حکمران بنے۔آپ کے بیٹے قطور کا بیٹا مدین حجاز کے قریب بحر احمر کے ساحل پر آباد ہوا۔حضرت اسمٰعیلؑ جو کہ مصر کی شاہزادی حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے مدین سے کچھ دور فاران کے علاقے میں مقیم ہوئے۔حضرت اسحاق کے دو بیٹے تھے' حضرت یعقوب (ملقب بہ اسرائیل) اور عیساؤ (ملقب بہ دوم) جب حضرت یوسفؑ نے مصر کی حکومت کا انتظام و انصرام سنبھالا تو حضرت یعقوب بھی وہیں چلے آئے۔بعد ازاں حالات بدل گئے اور ان کی اولاد سال ہا سال تک وہاں غلامی کی زندگی گزارتی رہی۔پھر اسی سرزمین میں حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے اور وہ بنی اسرائیل کو واپس کنعان لے کر آئے۔عیساؤ کی اولاد شمالی عرب کے کوہِ سروات میں دومی قبائل کے نام سے آباد ہوئی۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے: (۱) نابت یا نبایوط (۲) قیدار (۳) ادب ایل (۴) میشام (۵) میشمع (۶) دومہ (۷) مسا (۸) عدد (۹) تیما (۱۰) جطور (۱۱) نفیش (۱۲) قدمہ یا قیدمان۔

یہ بارہ خاندان کافی عرصے تک مکہ میں قیام پذیر رہے۔ان کا پیشہ تجارت تھا۔بعد ازاں تلاشِ رزق میں یہ خاندان عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ان میں سے کچھ

Marfat.com

بیرون ملک بھی چلے گئے۔ یہ خاندان بتدریج گمنامی کی دھند میں غائب ہوتے گئے۔ ان میں سے صرف قیدار اور نابت کا نام تاریخ کے صفحوں میں محفوظ رہ گیا۔ نابت کی اولاد النباط کے نام سے شمالی علاقوں کی حکمران بنی۔ قیدار کی اولاد سے عدنان اور پھر معد پیدا ہوئے۔ بنی قیدار شروع سے مکہ میں ہی مقیم رہے تھے۔ معد کے بیٹے نزار کے چار بیٹے ہوئے (۱) ایاد (۲) انمار (۳) ربیعہ (۴) مضر۔ ربیعہ اور مضر سے آگے نسل کی بڑی فراوانی ہوئی اور یہ شمالی عربوں کی دو بڑی شاخوں کے مورثِ اعلیٰ بنے۔ ربیعہ سے اسد، غنزہ، عبدالقیس، وائل، بکر، تغلب اور بنو حنیفہ وجود میں آئے۔ مضر کی نسل آگے دو شاخوں میں منقسم ہوگئی، قیس میلان بن مضر اور الیاس بن مضر۔ قیس میلان کی شاخ اتنی اہم تھی کہ قیس کا اطلاق بالعموم شمال کے عربوں کیلئے ہونے لگا تھا۔ (4)

اس شاخ میں ہوازن اور سُلَیم شامل تھے۔ ہوازن میں ثقیف اور عامر بن صعصعہ کا پورا گروہ (قشیر، عقیل، جعدہ، کلاب، ھلال) شامل تھا۔ مضر کی دوسری شاخ خندف ہے۔ ھذیل، تمیم، اور سب سے بڑھ کر تمام کنانہ قبیلہ اس میں شامل تھے۔ کنانہ کی ایک ذیلی شاخ قریش تھے۔ قریش کا قبیلہ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ فہر کا لقب قریش تھا۔ جمح، سہم، عدی، مخزوم، تیم، زہرہ اور قصی بن کلاب مشہور قریشی خاندان تھے۔

جنوبی عرب کے باشندے عام طور پر شمالی عربوں کو خالص عرب نہیں سمجھتے تھے۔ شمال کی طرف سے آنے والوں کو وہ ایسے پردیسی قرار دیتے تھے جو عرب بن گئے ہوں (یعنی مستعرب یا متعرب ہوگئے ہوں) اس ضمن میں علامہ سید سلمان ندوی لکھتے ہیں:

"اہل عرب عموماً نبط کو قوماً اور اصلاً غیر عرب سمجھتے تھے ان کے نزدیک عرب و عجم دو متقابل نام ہیں۔ اسی طرح نبطی اور عربی کو باہم متقابل سمجھتے تھے۔ اس کا سبب صرف معاشرت، طرزِ زندگی اور زبان کا اختلاف ہے ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی

Marfat.com

عرب ہیں۔لیکن چونکہ انہوں نے عموماً حدودِ عرب اور حدودِ عرب سے باہر کی قوموں میں اپنا مسکن بنایا' اس لئے وہ اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے۔"(۵)

سامی قبائل جو کہ جزیرۃ العرب میں آ بسے تھے' بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے۔ پانی اور چارے کی تلاش میں برابر نقل وحرکت کرتے رہتے تھے۔عدنان کی اولاد بھی جب زیادہ ہو گئی تو حصولِ رزق کے لئے ادھر ادھر پھیل گئی۔قیس' بکر اور تمیم کے خاندان بڑے زبردست تھے۔ یہ رزق کی تلاش میں بحرین کی طرف جا نکلے۔ان کے ایک رکن حنیفہ کا خاندان یمامہ اور حجر کی طرف چلا گیا۔بکر بن وائل کی بقیہ شاخیں یمامہ بحرین اور اطرافِ عراق میں پھیل گئیں۔ بنوتغلب نے ہلالِ زرخیز کی وادی کو اپنے قیام کے لئے پسند کیا۔بنوتمیم بصرہ میں اقامت گزیں ہوئے۔بنوسلیم نے مدینہ کا رخ کیا اور وادی القریٰ اور اس کے اردگرد کا علاقہ ان کا مسکن بنا۔ بنوثقیف طائف میں جا بسے۔بنوہوازن مکہ کی مشرق وادی اوطاس میں متوطن ہوئے۔بنواسد کوفہ کے قریب تیما میں آباد ہوئے۔بنوذبیان حوران کی اطراف میں سکونت پذیر ہوئے۔(6)

بنوکنانہ کے خاندان تہامہ میں رہ گئے تھے۔ان میں سے قریش کے خاندان مکہ میں آباد تھے۔قصیّ بن کلاب قریشیوں میں سربرآوردہ شخصیت کی حیثیت سے ابھرا۔اس نے بکھرے ہوئے قریشی خاندانوں کی تنظیم نو کی اور بنوکنانہ کی اس شاخ کو بہت مضبوط اور معزّز بنا دیا۔قصیّ کے تین بیٹے تھے' عبداللہ ار'اسد بن عبدالعزیٰ اور عبدمناف۔عبدمناف کے چار بیٹے ہوئے: عبدشمس' نوفل' مطلب اور ہاشم۔قریش کی ذیلی شاخ بنوہاشم میں ہی خاتم المرسلین ﷺ کا ظہورِ قدسی ہوا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آلِ ابراہیمؑ میں حضرت اسماعیلؑ خدا تعالیٰ کے منتخب کردہ ہیں۔بنواسماعیل میں کنانہ باری تعالیٰ کا انتخاب ہیں۔پھر کنانہ کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو چنا۔پھر قریش میں سے بنوہاشم کو چنا اور بنوہاشم سے میرا انتخاب کیا۔

اعرابِ مستعربہ کا سلسلہ اولادِ سام سے ترح بن ناحور سے سیدالانبیا ﷺ تک پہنچتا

Marfat.com

ہے۔آپ ﷺ سے عدنان تک کا سلسلہ حتمی طور پر معلوم ہے۔عدنان سے حضرت ابراہیم تک کے سلسلہء نسب کو بڑی حد تک یقینی قرار دیا جا سکتا ہے۔تاہم حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کے سلسلہ نسب کو اتنا حتمی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس میں زیادہ تر روایاتِ توریت پر انحصار کیا گیا ہے۔

عدنان حضرت محمد ﷺ سے اکیس پشتوں پر ہیں جب کہ عدنان اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان چالیس پشتوں کا فاصلہ حائل ہے جو کہ کم و بیش دو ہزار سال قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔

Marfat.com

چوتھا باب

قدیم عرب ریاستیں

سبا:

سبائین کو سرزمین عرب کے اوّلین معمارِ تہذیب و تمدن کہا جا سکتا ہے۔ اس قوم کا پتہ قدیم اشوری کتبوں، شعروں اور توریت سے چلتا ہے۔ خود قرآن حکیم میں بھی اس قوم کا واضح تذکرہ ملتا ہے۔ یونانی لٹریچر میں بھی اس قوم کے بارے میں حوالے موجود ہیں (مثلاً Theophastus ۲۸۸ ق م)۔ یہ قوم جزیرۃ العرب کے جنوب مغربی کونے میں آباد تھی اور اس کا دورِ حکومت آخری عہدِ ہزار سالہ ق م کے آغاز سے مسیحی دور کی ابتدائی صدیوں تک پھیلا ہوا ہے۔

جنوب مغربی گوشہ جس میں کہ یمن کے صنعا، مارب، عدن وغیرہ جیسے شہر آباد ہیں پورے جزیرۃ العرب میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں مناسب وقفوں سے بارشیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے نباتات اور درختوں وغیرہ کی افزائش فراواں ہوگئی ہے۔ مزید برآں سمندر (بحر احمر) بھی زیادہ فاصلے پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیحؑ سے ایک ہزار سال پہلے یہاں کے لوگ کھیتی باڑی، باغبانی اور ماہی گیری کے پیشوں میں طاق ہو چکے تھے۔ ساحلوں کے قرب و جوار میں کشتی رانی بہت مشکل کام تھا کیونکہ سمندر میں جگہ جگہ چٹانیں وغیرہ پوشیدہ تھیں جن سے ٹکرا کر کشتیاں یا جہاز پاش پاش ہو سکتے تھے۔ مزید برآں اس علاقے میں بحری سفر کرنے کے لئے ملاحوں کو سمندروں کے مزاج اور مون سون کا پورا علم ہونا ضروری تھا۔ خوش قسمتی سے سبائی

Marfat.com

قوم کو اپنے اردگرد کے سمندروں میں جہاز رانی کے تمام لوازم کا پتہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی سمندری حدود میں ان کی مکمل اجارہ داری قائم ہو چکی تھی۔

یمن کے علاقے میں گرم مصالحہ' لوبان' قہوہ اور دیگر خوشبویات بکثرت پائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ سونے چاندی کی بھی فراوانی تھی۔ مزید برآں حبشہ سے شتر مرغ کے پَر' غلام' ہاتھی دانت اور دیگر مال یمن کی بندرگاہوں پر اترتا۔ ہندوستان سے تلواریں' مصالحے' ادویہ اور دیگر مصنوعات آتیں۔ چین سے ریشم اور خلیج فارس سے موتی آتے یمن سے یہ سارا مال شمال کی جانب شام' فلسطین اور مصر وغیرہ بھیجا جاتا۔ وہاں سے آگے اس کی ترسیل مغربی ممالک کو بھی کی جاتی تھی۔ بحرِ احمر میں ایک ہی آبی گزرگاہ تھی جو باب المندب سے شروع ہو کر وسطی مصر کے ساحل پر وادی الحمامہ تک جاتی تھی۔ اگرچہ اس آبی گزرگاہ پر سبائیوں کا مکمل تسلّط تھا، تاہم انہوں نے بحر احمر میں جہاز رانی کی مشکلات اور خطرات کے پیشِ نظر تجارت کے لئے ایک متبادل برّی راستہ تیار کیا جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ الحجاز اور پیٹرا (Petra) کی سرزمین سے ہوتا ہوا مصر' شام اور عراق کی طرف چلا جاتا۔ یہ تجارتی شاہراہ وقت کے ساتھ ساتھ بہت ترقی کر گئی اور اس پر سبائیوں نے مختلف جگہوں پر اپنی آبادیاں بھی تعمیر کر لی تھیں۔

یمن کی سرزمین قہوہ کے لئے بہت مشہور تھی۔ بخور اور دیگر خوشبودار مصالحوں کی مانگ نہ صرف شام و فلسطین میں تھی بلکہ مصر کا ملک اس کا سب سے بڑا خریدار تھا۔ مصریوں کو لاشیں حنوط کرنے کے لئے متعدد مصالحوں بالخصوص بخور کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ازمنہ قدیم میں سبا سے شام اور مصر جانے والی تجارتی سڑک کو "شاہراہِ بخور" (Incense Route) کہا جاتا تھا۔ یمن کی سرزمین دیگر ملکوں سے اتنی دور دراز اور پر صعوبت سفر طے کرنے کے بعد آتی تھی کہ بیرونی حملہ آور یہاں پہنچنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس پر حملہ کیا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور جلد ہی واپس چلے گئے۔ اس لئے مجموعی طور پر یہ

Marfat.com

سرزمین محفوظ و مامون تھی۔ کبھی کبھی صحرا کے بدوی قبائل حملہ آور ہوتے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔ ان سے بچنے کے لئے سبائیوں نے پختہ قلعے اور مضبوط فصیلوں کے اندر محلّات تعمیر کر لئے تھے۔ ان کی مملکت بیرونی خطرات سے محفوظ اور اندرونی طور پر نہایت پر فضا اور مختلف النوع پیداوار سے مالا مال تھی۔ یہ قوم امن پسند، متمدّن اور صلح جو تھی۔ بنیادی طور پر تاجر ہونے کی وجہ سے یہ لوگ جنگجو نہ تھے۔ ذیل میں ہم علّامہ سلمان ندوی کی ارض القرآن کے حوالے سے دو یونانی مورخوں کے اقتباس درج کرتے ہیں جن میں مملکتِ سبا کی دلکش تصویر کھینچی گئی ہے:

"سبا عرب آبادان (Arabia Flex) میں رہتے ہیں، جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں، زمین جو سمندر سے متّصل ہے اس میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات، دارچینی اور چھوہارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جھنڈ ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے۔ درختوں کی اقسام کی کثرت اور تنوّع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے۔ جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے، وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں، اور کاٹ کر ان کا انبار نہیں لگاتے۔

لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں' اس لئے جو شخص اس ساحل سے گزرتا ہے' آبِ حیات کا گویا لطیف اٹھاتا ہے۔ یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و طاقت کے لحاظ سے ناقص ہے۔

سبا میں حکومت وراثتہً منتقل ہوتی ہے۔ ان کا بڑا شہر مآرب ہے جو کہ ایک پہاڑی پر واقع ہے (جبل البلق)۔ بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے جو لوگوں کو فیصلہ دیتا ہے' لیکن اس کو کبھی اجازت نہیں کہ وہ قصر چھوڑ کر نکل سکے۔ اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ حکم مذہبی کے مطابق سنگسار کر دیا جاتا ہے۔ سبا میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے۔ بُعد کے سبب سے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا ہے۔ اس لئے خصوصاً ان کے درالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں' تخت اور پیش گاہیں ہیں جن کے ستون زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقّش ہیں۔ اس قسم کی زیب و زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہیں۔" (یونانی مورخ اگاتھرشیڈس (Agatherchides)

(۱۴۵ ق م)

ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے۔

"سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان مارب میں ہے جو کہ ایک پراشجار پہاڑی پر زمانہ خوشحالی (عیش و آرائش و مسرت)

Marfat.com

میں واقع ہے۔ میووں کی کثرت کے سبب لوگ سُست اور ناکارہ ہو گئے ہیں۔ خوشبودار درختوں کی جڑوں میں لیٹے پڑے رہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے اور کچھ ملکی و غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔ قرب و جوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور اپنے ہمسائیوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح وہ دست بدست شام اور جزیرہ تک پہنچتے ہیں۔" (مورخ آرٹی میڈورس (Artimidorus) ۱۰۰ ق م)

مملکت سبا کی دولت دیگر قوموں کے لئے باعثِ رشک تھی۔ اسی لئے زبور میں حضرت داؤد نے یوں دعا مانگی تھی:

"الٰہی اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی ۔۔۔۔۔۔ شبا اور سبا کے بادشاہ اس کو نذریں دیں گے اور شبا کا سونا اسے پیش کیا جائے گا۔ (زبور ۷۲۔ ۱۰/۱۵)

اللہ تعالیٰ نے داؤد کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ جب ان کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ نے سبا کی شاہزادی بلقیس کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا اور عدم تعمیل کی صورت میں ایک ایسی فوج کے حملے کی دھمکی دی جس میں انسان جنات' ارواح اور حیوانات بھی شامل تھے تو ملکہ سبا بے شمار اونٹوں پر قیمتی مال و دولت اور سونا چاندی لے کر یروشلم میں حاضر ہو گئی اور

Marfat.com

اس نے حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

سبا کا پہلا دورِ حکومت ۱۱۰۰ق م سے شروع ہو کر ۵۵۰ ق م پر ختم ہوتا ہے اس دور میں سبا کے بادشاہوں کا لقب " مکرب " ہوا کرتا تھا۔ اس لئے انہیں مکاربِ سبا بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد کی ملکہ سبا (بلقیس) اسی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ "مکا" کا مطلب مذہبی اور " رب " کا مطلب آقا ہے اس لحاظ سے مملکت سبا آغازِ کار میں الٰہیاتی حکومت تھی۔ مملکت سبا کا دوسرا دور ۵۵۰ ق م سے شروع ہو کر ۱۱۵ ق م میں ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں سبا کے بادشاہ ملوک کہلاتے تھے۔

مملکت سبا کا تیسرا دور ۱۱۵ ق م سے شروع ہو کر اواخر ۳۰۰ء پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور کے بادشاہوں کو حمیری بادشاہ کہا جاتا ہے۔ کھدائی کے دوران ملنے والے ایک کتبے کی رو سے حمیری سنہ کی ابتدا ۱۱۵ ق م سے ہوتی ہے۔ حمیری حکومت کا مرکز ریدان (ظفار) تھا۔ ۳۰۰ء سے لے کر ظہورِ اسلام تک سبائی حکومت کا آخری دور ہے جس میں یہ عظیم سلطنت ہمیں زوال و انحطاط کے مدارج سے گزرتی نظر آتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مکاربِ سبا نہ صرف حکمران تھے بلکہ مذہبی پیشوا کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ مکارب کا دارالخلافہ صنعا اور مآرب کے درمیان واقع شہر صرواح تھا۔ (اس کے کھنڈر آج بھی باقی ہیں)۔ دوسرے دور کے حکمران خود کو ملوک سبا کہلواتے تھے۔ ان کا دارالحکومت مآرب تھا۔ مشہور جاہلی شاعر ابن علقمہ ان دو مراکز حکومت کا یوں تذکرہ کرتا ہے۔

من یا من الحد ثان بعد ملوك صرواح و مآرب

(صرواح اور مآرب کے بادشاہوں کے بعد اب کون حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے)

سبا کی حکومت ترقی کرتے ہوئے شمالی عرب اور افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ تجارت

Marfat.com

کے سلسلے میں عرب تجّار حبشہ جایا کرتے تھے۔ وہاں اذینہ کا ضلع ان کے زیر نگیں تھا اور اہلِ سبا نے اپنا ایک نمائندہ "مغافر" کے نام سے وہاں حاکم مقرر کیا ہوا تھا۔

یمن سے جو تجارتی شاہراہ شام کو جاتی تھی اس پر جگہ جگہ سبائی نو آبادیاں قائم تھیں۔ شاہرہ کے دونوں جانب سایہ دار درخت لگائے گئے تھے اور مناسب فاصلوں پر قیام و طعام کے لئے چوکیاں بنائی ہوئی تھیں۔ اس طرح شاہراہ کے ساتھ ساتھ متعدّد بستیاں معرض وجود میں آ گئی تھیں جو عملاً حکومت سبا کے زیر نگیں تھیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں:

> یمن سے براہِ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی شاہراہ تھی اور جس کا ذکر قرآن عزیز نے سورہ قریش میں "رِحْلَةِ الشِّتَاءِ وَالصَّيْف" کہہ کر کیا ہے اور دوسری جگہ جس کو "امام مبین" فرمایا گیا ہے۔ وہ بھی انہی کے قبضہ میں آ گئی تھی۔ شام، فلسطین اور مدین کے نواح میں بھی ان کے متعدد مقبوضات موجود تھے۔ اس طرح تقریباً آٹھویں صدی قبل مسیح میں اہلِ معین پر قبضہ پانے کے بعد سبا کی حکومت عرب کی عظیم الشان متمدّن حکومت تھی"۔ (2)

سبائی حکام نے اپنی حدود مملکت میں مختلف جگہوں پر قلعے تعمیر کر کے وہاں اپنے گورنر مقرر کر رکھے تھے۔ کسی قلعے کے آس پاس کی آبادیاں اس قلعہ دار کے زیر نگیں ہوتی تھیں۔ قلعہ دار کو ذو (بمعنی مالک، صاحب، جمع اذوا) کہا جاتا تھا اور اسکے زیر نگین علاقہ کو "مخفد" کہا جاتا تھا۔ چند "مخفد" مل کر ایک وسیع تر ریاستی ڈھانچہ وضع کرتے جسے سبائی قِیل (بمعنی صوبہ دار۔ جمع اقیال) کہتے تھے۔ تمام اذوا اور اقیال ایک حاکم اعلیٰ (بادشاہ) کے ماتحت ہوتے تھے۔ بادشاہ کا قلعہ اَذْوا اور اَقْیال کے قلعوں سے وسعت، استحکام اور صنّاعی میں وقیع تر ہوتا تھا۔

Marfat.com

سبا کے مکارب اور ملوک ان قلعوں کے حوالے سے جانے جاتے تھے۔مثلاً " ملک سباذو دریدان "یا" ملک سباذو سلحین "۔کھدائی کے دوران جو سکّے ملے ہیں ان پر کندہ عبارت بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔یہ عبارت یوں ہے "ضرب بیت سلحین وحضرمآرب۔"

واضح رہے کہ اَذْوا اور اَقْیال کا یہ نظام نبی کریم ﷺ کے زمانے تک قائم تھا۔ آپ ﷺ نے انہی کو خطوط لکھے تھے جن میں انہیں دعوت اسلام دی گئی تھی اور جس کو انہوں نے بصد خوشی قبول کرلیا تھا۔

مشہور مورّخ ھمدانی نے اپنی کتاب اکلیل میں سبا کی حکومت اور اسکے تمدّن پر بہت تفصیل سے لکھا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ سبائیوں نے یوں تو لاتعداد خوبصورت عمارات بنائی تھیں لیکن ان کے فنِ تعمیر کا بے نظیر مظہر قصرِ غمدان تھا۔اس قصر کی بیس منازل تھیں جن میں بے شمار کمرے تھے۔اس لحاظ سے بقول پروفیسر ہٹی اسے دنیا کی پہلی "فلک بوس عمارت" (sky-scraper) قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کی سب سے اوپر والی منزل کی چھت ایسے پتھر کی بنی ہوئی تھی جس کے پار بآسانی دیکھا جاسکتا تھا۔چنانچہ آسمان پر اُڑتے ہوئے زاغ وزغن وہاں سے صاف نظر آجاتے تھے۔

قصرِ غمدان سے بھی بڑھ کر اہلِ سبا کا کارنامہ سدِ مآرب کی تعمیر تھا جسے آج کے انجینئر بھی فنِ تعمیر کا محیّرالعقول مظہر قرار دیتے ہیں۔گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ عرب میں ہنگامی بارشوں کا پانی گھاٹیوں اور وادیوں میں بہتا ہوا ندی نالوں اور بعض اوقات دریاؤں کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور بالآخر یا تو صحرا میں جذب ہو جاتا ہے یا سمندر میں جا گرتا ہے۔سبا والوں نے ایسے پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے چھوٹے چھوٹے متعدّد بند تعمیر کر رکھے تھے اس طرح کھیتی باڑی کیلئے انہیں سارا سال پانی میسر رہتا۔ان میں سب سے عظیم الشّان بند مآرب کا تھا۔کوہِ البلق کی درمیانی گھاٹی پر جسے کہ وادی اذینہ کہا جاتا تھا' ڈیڑھ سو فٹ لمبی اور

Marfat.com

پچاس فٹ چوڑی مضبوط دیوار تعمیر کر کے بہتے ہوئے پانی کو روک دیا گیا تھا۔ اس بند کے تین درجے تھے۔ ہر درجے میں تیس تیس کھڑکیاں تھیں جو پانی کو روکنے یا چھوڑنے کے کام آتی تھیں۔ مآرب کے دونوں طرف وسیع و عریض نہریں کھودی گئی تھیں جن میں حسب ضرورت پانی کی ترسیل بڑے بڑے آہنی دروازوں سے کی جاتی تھی۔ صنّاعی اور مہندسی کے اس عظیم الشّان کارنامے کی وجہ سے مآرب کے دائیں بائیں تقریباً تین سو مربع میل کا علاقہ انتہائی سر سبز و شاداب ہو گیا تھا۔ خوشبودار اور پھلدار درختوں کی اتنی کثرت اور فراوانی ہو گئی تھی کہ بقول حافظ ابن کثیر اگر ایک عورت اپنے سر پر خالی ٹوکری بھی رکھ کر باغات کے اندر سے گزرتی تو تھوڑی دیر میں ہی پکے ہوئے پھل از خود درختوں سے ٹپک ٹپک کر اس ٹوکری کو بھر دیتے۔ یہ بیان اگرچہ مبالغہ آمیز ہے تاہم اس سے اس بات کی تصدیق ضرور ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں یمن کی سرزمین انتہائی زرخیز تھی اور جنّت نظیر بنی ہوئی تھی۔ مزید برآں وہاں مکھّی، مچھّر، پسّو اور دیگر زہریلے کیڑے مکوڑے عنقا تھے۔ اس طرح مملکتِ سبا حقیقی معنوں میں جنّتِ ارضی بنی ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں اہل سبا کی خوشحالی کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُورٌ (سبا ۱۵)

(بلاشبہ اہل سبا کے لئے ان کے وطن میں قدرت الٰہی کی عجیب و غریب نشانی تھی۔ دو باغوں کا (سلسلہ) دائیں بائیں اور خدا نے انکو یہ فرما دیا تھا: "اے سبا والو اپنے پروردگار کی جانب سے بخشی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا")

مال و دولت اور عیش و آرام کی فراوانی سے سبائین خدا کی طرف سے غافل ہو گئے اور لہو و لعب کی دلدل میں دھنس گئے۔ حُبِّ دنیا نے ان کے دلوں کو کفر و شرک کی آماجگاہ بنا دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و اصلاح کے لئے متعدّد انبیاء ان کی طرف بھیجے۔ محمد بن اسحاق

Marfat.com

کے بقول قوم سبا کی طرف تیرہ انبیاء کرام بھیجے گئے۔ لیکن ان سب کی مساعی رائیگاں گئیں۔ قومِ سبا نے حق وصداقت کی آواز کی طرف سے کان بند کر لئے تھے۔ اللہ تعالی کی حجّت پوری ہوئی اوران پر عذاب نازل ہوا۔

سبا کا تعمیر کردہ بند جس کی وجہ سے انہیں ہر طرح کا عیش وآرام اور بے پناہ خوشحالی حاصل تھی، ٹوٹ گیا۔ یہ عظیم تاریخی سانحہ ۵۴۲ء اور ۵۷۰ء کے درمیان پیش آیا جس کے نتیجہ میں ایک وسیع علاقہ زیرِآب آ گیا (3)۔ بے شمار بستیاں غرقاب ہوگئیں قومِ سبا کے جو لوگ بچ گئے وہ عرب کے دوسرے حصوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ البتہ یمن کے وہ حصے جو سیلاب سے محفوظ رہے ان میں قومِ سبا کے بچے کچھے لوگ آباد رہے۔ قرآنِ حکیم سدِّ مآرب کے ٹوٹنے کا ذکر "سیلِ عَرِم" کے حوالے سے کرتا ہے:

فَاعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا: ۱۶، ۱۷)

(پھر انہوں نے (قومِ سبا نے) ان پیغمبروں کی نصیحتوں سے منہ پھیر لیا۔ پس ہم نے ان پر بند توڑنے کا سیلاب بھیج دیا۔ اوران کے دو (عمدہ) باغوں کے بدلے دو ایسے باغ اگا دیئے جو بدمزہ پھلوں، جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم کفرانِ نعمت کرنے والوں کو ہی سزا دیا کرتے ہیں۔)

تاریخ نے اس کی شہادت دی اور چوتھی صدی کے مورّخ ہمدانی نے بھی یہ لکھا ہے کہ مآرب کے نواح میں پیلو اور جھاؤ کے جتنے درخت ہیں اور کسی جگہ نہیں۔ سیلاب کا پانی جب خشک ہوگیا تو سبا کی جنّت معدوم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ کثیر تعداد میں بدمزہ پھلوں والی بیریاں اور پیلو وغیرہ اگ آئے تھے۔

Marfat.com

اس زمانے میں رومی جو عرصہ سے یمن پر قبضہ کے خواب دیکھتے آ رہے تھے فعّال ہو گئے۔ ماضی کے تجربے نے انہیں یہ بتایا دیا تھا کہ یمن پر قبضہ ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ (4) سدِّ مآرب کی تباہی کے بعد قوم سبا کی کمر ٹوٹ گئی۔ موقع کو غنیمت جان کر رومیوں نے بحر احمر پر اپنی تجارتی اجارہ داری قائم کر لی۔ حبشہ، ایران، ہندوستان اور چین کا مال اب رومی جہازوں میں مصر کی بندرگاہوں تک پہنچنے لگا۔ تجارت کی تباہی نے قوم سبا کی تباہی پر آخری مہر ثبت کر دی۔ ان کی عظیم تجارتی شاہراہ ویران ہو گئی۔ اس کی مختلف منازل پر بسائی گئی بستیاں اُجڑ گئیں۔ اس طرح قوم سبا بھی ثمود و عاد کی طرح تاریخ کے صفحات میں دفن ہو گئی۔ قرآنِ حکیم میں زوالِ سبا کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِىْ بَارَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ط سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِىَ وَاَيَّاماً اٰمِنِيْنَ ٥ فَقَالُوْا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ط اِنَّ فِىْ ذَالِكَ لَاٰيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ٥

(سبا: ۱۸-۱۹)

(اور ہم نے ان کے (ملک) اور برکت والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور ان میں سفروں کی منزلیں مقرّر کی تھیں، چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات بے خوف و خطر، انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا سفر بڑا بنایا (یا اے خدا ہمارے سفر کو دور کر دے) انہوں نے خود اپنی جان پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا۔ حقیقتاً ان میں عبرت کی نشانیاں ہیں، شکر گزار اور صابر بندوں کے لئے!)

اس آیت شریفہ میں قوم سبا کے عروج و زوال کی داستان مضمر ہے۔ اس میں سدّ مآرب کے ٹوٹنے کے بعد جو معاشرتی اور معاشی صورت حال پیدا ہوئی اس کے بارے

میں بلیغ اشارے موجود ہیں۔ برکت والی آبادیوں (ارض شام و فلسطین) ا رقوم سبا کے درمیان تجارتی شاہراہ پر جگہ جگہ پڑاؤ کی منازل تھیں جنہیں قرآن حکیم نے " کھلی آبادیوں " سے موسوم کیا ہے۔اس تجارتی شاہراہ کو "امامِ مبین "(Great Highway)اور "سبیل مقیم "(۷۹،۷۶:۱۵) بھی کہا گیا ہے۔راہ گزر چونکہ راہنما بھی ہوتی ہے اس لئے اسے "امام" کہا گیا ہے۔کوئی قافلہ اگر صبح کے وقت کسی منزل سے روانہ ہوتا تو اسے دوپہر سے پہلے ہی اگلی منزل نظر آنے لگتی۔اسی طرح دوپہر کو روانہ ہونے والا قافلہ شام سے پہلے اگلی منزل پر مقیم ہو جاتا۔سایہ دار درختوں اور جگہ جگہ پڑاؤ کی بستیوں نے قوم سبا کے لئے سفر اتنا آرام دہ اور محفوظ بنا دیا تھا کہ وہ دن رات بے خوف و خطر نہایت سہولت سے اس پر سفر کرتے تھے۔ پڑاؤ کی بستیاں اتنی قریب تھیں کہ راہزنی اور ڈکیتی وغیرہ کا خطرہ بھی نہ تھا۔آسائشوں اور سہولتوں کی فراوانی سے وہ بجائے شکر گزار بننے کے ناشکرے بن گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی سفر ہے۔وہ دیگر مسافروں سے سفر کی صعوبتوں کا حال سنتے تو بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے کہ اس نے کس طرح ان پر رحمت کر رکھی ہے، یہ کہنے لگے کہ اے اللہ ان سفروں کو ہم سے دور کر دے (جن میں سفر کی تکلیف ہی محسوس نہیں ہوتی) قرآن حکیم کے الفاظ ہیں رَبَّنَا بَاعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اے ہمارے ربّ سفروں کے درمیان بُعد پیدا کر دے یعنی کہ ہمارے سفروں کو طویل تر کر دے۔اگر یوں ترجمہ کیا جائے تو اس سے قومِ سبا کے لالچ، طمع اور خودغرضی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس سفر سے مطمئن نہ تھے بلکہ دور دراز کے سفر کر کے زیادہ سے زیادہ مال و دولت کمانا چاہتے تھے۔اللہ نے ان کی ناشکری اور نافرمانی کی وجہ سے سیلِ عَرِم ان پر نازل کر دیا جس کے نتیجے میں ان کی جنّت ارضی تباہ ہو گئی بعد ازاں بحرِ احمر پر رومیوں کا تجارتی تسلّط ہو گیا تو ان کی امامِ مبین پر دھول اڑنے لگی اور پڑاؤ کی بستیاں ویران ہو گئیں۔ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ انہیں پارہ پارہ کر دیا گیا۔رزق اس قوم پر اتنا تنگ ہو گیا کہ تمام

Marfat.com

اہلِ سبا منتشر ہو کر اطراف عرب میں گم ہو گے۔ کہاں ان پر آرام و آسائش کی اتنی فراوانیاں اور کہاں وہ تمدّن کے مقام بلند سے گر کر صحراؤں اور بیابانوں میں عام بدویانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح بتدریج ان کی عظمت و سطوت داستانوں کا حصہ بن کر رہ گئی۔ اعشیٰ کہتا ہے۔

وَفِیْ ذاك لِلْمُؤْ تِسي اسْوَة وَمَارِبُ عَفیَ عَلَیْهَاالْعَرِم

(بندِ مآرب کی بربادی کا واقعہ نمونے کے طالب کیلیئے (عبرتناک) نمونہ ہے اور سیلاب نے مآرب جیسے مقام کی صورت بدل دی۔)

معین:

بعض مورخین کے مطابق معین حکومت ۷۰۰ ق م سے تیسری صدی عیسوی تک قائم رہی۔ معین حکومت کا اولین تذکرہ قبل مسیحی دور کے اسفار یہود میں ملتا ہے۔ بعض قدیم یونانی مؤرخین نے بھی معین حکومت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کھدائی کے دوران ملنے والے کتبوں اور سکوں سے بھی اس قوم کا سراغ ملتا ہے۔

اہلِ معین (Mineaens) کی حکومت جوفِ یمن میں واقع تھی۔ اس کی عمل داری میں جنوبی عرب کا بیشتر حصہ شامل تھا۔ اصل عربی لفظ "معان" (اہل بابل کا ماعون' میعون یا میعین) دراصل جگہ کا نام ہے۔ اسے بعدازاں "ماعین" کہا جانے لگا جس کا مطلب ہے "چشمے کا پانی"۔ یہ نام آج بھی پیٹرا (Petra) کے نواح میں شمال کی طرف جانے والی قدیم تجارتی شاہراہ کی ایک اہم بستی "معان" کی صورت میں موجود ہے۔ العلٰی اور تبوک سے کھدائی کے دوران حاصل ہونے والی الواح سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں اہلِ معین کی متعدد نوآبادیاں اس علاقے میں بکھری ہوئی تھیں جن میں انہوں نے اپنی

Marfat.com

تجارتی چوکیاں اور بڑے بڑے مال گودام تعمیر کئے ہوئے تھے۔اس زمانے کا "قرناؤ" جو کہ اہل معین کا دارالحکومت تھا آجکل 'معین' کہلاتا ہے اور صنعا کے شمال مشرق اور جنوبی الجوف میں واقع ہے۔ان کا مقدّس شہر یا ثیل بھی جنوبی الجوف میں مآرب کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ یہ عصرِ حاضر میں "براقیش" کہلاتا ہے۔اہلِ معین کی زبان اہلِ سبا جیسی ہی تھی لیکن یہ سباوالوں کی طرح محض تاجر ہی نہیں بلکہ جنگجو بھی تھے۔اس علاقے سے جو اَلواح حاصل ہوئی ہیں ان سے قتبان کے بادشاہوں کی تحریروں کے علاوہ شاہانِ حضرموت کی بھی کچھ عبارات کا پتہ چلا ہے۔الجوف کا صوبائی دارالحکومت الحزم تھا۔ یہاں شاہی محلّات کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں۔جن کی دیواروں پر شراب نوشی کے آلات' قربانی کے جانوروں' ناچنے والی لڑکیوں اور شترمرغ وغیرہ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔انہی اَلواح سے جن شاہانِ یمن کے نام پڑھے گئے ہیں ان کی کل تعداد ۲۳ بنتی ہے۔ان میں سے چند نام یہ ہیں: ایل صادق' ابی یفع یاثع، حفنم صادق' تبع کرب' وقہ ایل صادق۔

کھدائی کے دوران ملنے والی الواح اور کتبوں سے اور قدیم شعرا کے کلام سے یہ تو پتہ چل جاتا ہے کہ اہلِ معین کی حکومت یمن کے علاقہ میں قائم رہی تھی' لیکن سنہ اور تاریخوں کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کا دورِ حکومت کب سے کب تک تھا۔ چنانچہ کچھ مؤرخین جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ان کے دور کو حضرت عیسٰیؑ سے چند صدیاں پہلے اور دو تین صدیاں ان کے بعد تک متعیّن کرتے ہیں۔لیکن اس طرح یہ لازم آتا ہے کہ سبا اور معین ایک ہی دور میں پہلو بہ پہلو موجود تھے۔یہ تعبیر قرین قیاس نہیں۔علامہ سلمان ندوی نے تاریخ ارض القرآن میں سیر حاصل بحث کے بعد اور معتبر حوالوں کی بنیاد پر یہ ثابت کیا ہے کہ اہلِ معین سبا کے ظہور سے پہلے ہی اپنے عروج وزوال کی منزلیں طے کر کے گمنامی کے اندھیروں میں کھو چکے تھے۔(5)

قتبان اور حضرموت:

جنوبی عرب میں سبا اور معین کے علاوہ دو اہم حکومتیں بھی ابھری تھیں۔ یہ قتبان اور حضرموت کی حکومتیں تھیں۔ قتبان کی سرزمین عدن کی مشرقی سمت میں واقع تھی۔ حضرموت کی ریاست تقریباً اسی جگہ تھی جہاں وہ آج کل ہے۔ قتبان کی بادشاہی جس کا مرکز تمنا ع (جدید کہلان) تھا' ۴۰۰ق م سے ۵۰ق م تک قائم رہی۔ حضرموت کی حکومت کا مرکز "سبوتا" (جدید شبواۃ) تھا۔ پانچویں صدی ق م کے وسط سے پہلی صدی عیسوی کے اختتام تک یہ حکومت قائم رہی۔ کبھی کبھی یہ حکومتیں معین یا سبا والوں کے زیر نگیں آ جاتی تھیں۔ عرب مورخین کو قدیم الواح سے حاصل ہونے والی ناکافی معلومات یا قدیم شعراء کے کلام میں پائے جانے والے مختصر اشاروں کے علاوہ قتبان اور حضرموت جیسی حکومتوں کے بارے میں کچھ علم نہیں جنہوں نے اس زمانے میں بین الاقوامی تجارت کا مضبوط نظام قائم کر رکھا تھا۔

۱۱۵ق م سے حمیر سلاطین کا دور شروع ہو جاتا ہے (اسی اعتبار سے اگر سنہ عیسوی میں ۱۱۵ جمع کر دیئے جائیں تو حمیری سنہ نکل آتا ہے) حمیر سلاطین کے طبقہ ثانیہ کے وہ سلاطین جو خود کو "ملک سبا در یدان وحضرموت" کہلاتے تھے' عربوں کی اصطلاح میں تبابع (واحد تبع) کہلاتے تھے۔ واضح رہے کہ حمیری سلاطین خود کو سبائی ہی سمجھتے تھے۔ تبع اصلاً حمیری زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے طاقتور' زور آور' صاحب حبروت! قرآن حکیم میں ان جابر و قاہر سلاطین کے لئے تبع کا لفظ دو بار استعمال ہوا ہے۔ (ق: ۱۴ اور دخان: ۳۷)

اہل معین کے حضرموت والوں کے ساتھ قریبی بلکہ نسبی تعلقات تھے۔ شاہانِ حضرموت پر جس قدر بھی تحقیقات ہوئی ہیں' وہ انتہائی ناکافی ہیں۔ شاہان حضرموت "عیابل" لقب کرتے تھے۔ توراۃ میں قحطان کے بیٹوں کے حوالے سے حضرموت کا ذکر آتا ہے۔ یونانی

Marfat.com

مورخین نے بھی حضرموت کے حوالے دیئے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ حضرموت سے ملک سبا چالیس روز کی مسافت پر ہے اور حضرموت میں سبا ہی کی طرح مختلف النوّع میوے، خوشبویات اور شاہی عمارات ہیں۔(6)

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضرموت کا آخری بادشاہ ہشولا وائل بن حجر تھا۔ حضرموت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی۔ حبشہ، سیلون اور متعدّد غیر ملکوں سے حضرموت کے تجارتی تعلقات تھے۔ اس لئے اس کی زبان بھی خالص نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب خاتم الرسل ﷺ کی طرف سے مختلف بادشاہوں کو مکتوب بھیجے گئے تو جو خط وائل کو بھیجا گیا، اس میں حضرموت کی زبان کے الفاظ کی آمیزش کی گئی تھی۔(7)

دعوتِ اسلام پر یمن اور حضرموت کے علاقے مسلمان ہو گئے۔ حضرت معاذؓ جو کہ اصلاً یمنی تھے، یمن کے گورنر مقرر ہوئے جبکہ زیاد بن ولید خزرجی کو حضرموت کا عامل مقرر کیا گیا۔

الانباط:

جنوبی جزیرۃ العرب کی عظیم سلطنتوں کے علاوہ چند نسبتاً چھوٹی لیکن اہم ریاستیں وسطی اور شمالی عرب میں بھی قائم ہوئی تھیں۔ ان میں قدیم ترین ریاست انباط کی تھی۔ نبط یا نابت حضرت اسماعیلؑ کا بیٹا تھا۔ شروع میں نبطی خاندان کے افراد حجاز میں مقیم تھے۔ لیکن بعد ازاں قبیلے کے پھیلاؤ اور وسائل کی تنگی کے باعث انباط ہجرت کر کے ادھر ادھر پھیل گئے بقول علامہ ابن خلدون:

"نابت بن اسماعیل بیت اللہ کا متولی ہوا اور مکّہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مقیم رہا تا آنکہ اس کی نسل نے اس درجہ ترقی کی وہ مکّہ میں نہ سما سکے اور حجاز کی اطراف و

Marfat.com

جوانب تک میں پھیل گئے۔"(۸)

انباط عہد حکومت ۶۰۰ ق م سے ۱۰۶ء تک ہے۔ مکّہ سے آنے کے بعد یہ خلیج ایلہ (عقبہ) سے شام تک اور سواحلِ مصر سے خلیجِ فارس تک کے علاقے میں پھیل گئے۔ انہوں نے مقامی باشندوں سے پیٹرا (Petra) کو ہتھیا لیا۔ پیٹرا کو مرکز بنا کر وہ بتدریج تمام نواحی علاقے پر قابض ہو گئے۔ "پیٹرا" یونانی لفظ ہے جس کا معنی ہے "چٹان"۔ اس کا عربی مترادف "رقیم" ہے۔ جدید دور میں اسے "وادی موسیٰ" کہا جاتا ہے۔ پیٹرا کا قدیم شہر تین ہزار فٹ بلند ایک بنجر پہاڑی پر واقع تھا۔ دراصل یہ شہر "ام البیارہ" نامی ایک بہت بڑی چٹان پر پھیلا ہوا تھا اہل سبا کے تجارتی قافلے بحر روم کے علاقوں کی طرف جاتے ہوئے پیٹرا کے قریب سے گزرتے تھے۔ شہر کے قریب پانی کا چشمہ تھا جس کی وجہ سے قافلے یہاں قیام کرتے تھے۔ اس زمانے میں پیٹرا تجارتی لحاظ سے بہت اہم شہر سمجھا جاتا تھا۔

لیکن اس کی اصل اہمیت دفاعی اور فوجی تھی۔ پیٹرا مشرق، مغرب اور جنوب کی طرف سے عمودی اور ناقابل گزر پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ چوتھی طرف سے ایک تنگ راستہ شہر کی طرف جاتا تھا۔ اس طرف سے بھی بڑی فوج کے ساتھ حملہ ناممکن تھا۔ شہر کے مکین جب چاہتے اس راستے کو مسدود کر کے قلعہ بند ہو جاتے۔ اہل روم کی اہل فارس کے ساتھ ہمیشہ ٹھنی رہتی۔ یہ شہر بحرِ احمر اور دجلہ و فرات کی وادی کے درمیانی علاقہ میں واقع تھا اور شام کے ساتھ ملتا تھا۔ یہ علاقہ بنجر، بے آباد اور اونچی نیچی دشوار گزار پہاڑیوں پر مشتمل تھا۔ یونانی اسے عرب سنگستان (Arabia petria) کہتے ہیں۔ ایسے علاقے سے فوجوں کو صحیح سلامت گزارنا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ رومی اس شہر کو ایران کے خلاف "بفر اسٹیٹ" کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

نبطی جب پیٹرا پر قابض ہوئے تو قدرتی طور پر یہ رومیوں کے مقابل آ گئے۔ دیگر عرب قبیلوں کی طرح انباط بھی شروع میں بدوی تھے۔ لیکن رومیوں کے حریف بننے کی وجہ سے

انہیں بدویت کو خیر باد کہہ کر متمدن زندگی کے انداز و اطوار اپنانے پڑے۔ یونانی مورّخ ڈائیوڈورس سیکولیس (Diodorus Siculus) نبطیوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ انہوں نے سکندر کے جرنیل اور شام کے بادشاہ انٹیگون سے جنگ کی اور "چٹان" (پیٹرا) کی طرف کامیاب لوٹ آئے۔ بعد ازاں نبطی رومیوں کے حلیف بن گئے۔ وہ اس علاقے میں رومی مفادات کا تحفظ کرنے لگے اور چھوٹی موٹی عرب شورشوں کا استیصال کرنے لگے۔ ۴۷ ق میں جولیس سیزر سکندر کے لئے فوجی ساز و سامان اکٹھا کرنے پیٹرا آیا تھا۔ اور نبطی حاکم مالک کو ملا تھا۔ مالک کے جانشیں عبیدہ کی سرکردگی میں رومیوں نے عربوں کے خلاف فوج کشی کی تھی۔

اوپر کہا گیا ہے کہ پیٹرا کا پرانا نام "رقیم" تھا۔ یہ وہی رقیم ہے جسے سورۃ کہف میں اصحابِ کہف کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اصحٰبَ الکَھْفِ وَ الرَّقِیْمِ کَانُوا مِنْ اٰیٰتِنَآ عَجَبًا (کہف:۹) ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ قریش مکہ نے جب محسوس کیا کہ لوگ بتدریج اسلام کی طرف راغب ہوتے جا رہے ہیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے (معاذ اللہ) مدینہ کے یہودیوں سے مشورہ کیا۔ یہودیوں نے انہیں تین سوال بتائے کہ حضرت محمد ﷺ ان کا جواب دے دیں تو وہ سچے ہیں اور اگر نہ دے سکیں تو جھوٹے۔ سوالات یہ تھے (۱) ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟ (۲) اصحاب کہف کون تھے اور ان پر کیا بیتی؟ (۳) روح کی حقیقت کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے وحی آنے پر ان سوالات کے جواب دے دیئے اور سورۂ کہف تلاوت کر کے سنائی جس میں رقیم کا لفظ پیٹرا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"قرآن نے کہف کے ساتھ رقیم کا لفظ بھی بولا ہے اور بعض آئمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے۔ لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر

Marfat.com

مشہور نہ تھا' اس لئے اکثر مفسّر اس طرف چلے گئے کہ یہاں "رقیم" کے معنی کتابت کے ہیں۔ یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ وغیرہ لگا دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ کتبہ والے مشہور ہو گئے۔ لیکن اگر انہوں نے قرآن کی طرف رجوع کیا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ رقیم وہی لفظ ہے جسے تورات میں "راقیم" کہا گیا ہے۔ جو آگے چل کے "پیٹرا" کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے "بطرا" کہنے لگے۔ (۹)

حارث کے زمانے میں نبطی حکومت اپنے عروج کو پہنچی۔ رقیم (پیٹرا) دارالحکومت تھا۔ نبطیوں کی حکومت نہ صرف عرب سنگستان (عریبیا پیٹریا) کو محیط تھی بلکہ عرب آبادان (عریبیا فلیکس) اور عرب ریگستان (عریبیا ڈزرٹا) کے بھی کچھ علاقے اس میں شامل تھے۔ اس مملکت کے پیٹرا کے علاوہ کچھ مشہور شہر یہ تھے: میدابہ' نبالو' لیپنس' ثرابسہ' اغالہ' اثون' صور' اوردن' مریسہ' زوہ' لوسہ' عروبہ' حجر۔ اس زمانے میں حکمرانوں نے اپنی شبیہوں والے سکّے بھی ڈھالنے شروع کر دیئے تھے۔ خوش قسمتی سے نبطیوں کے پہلے حکمران حارث اول (۱۴۹ ق م) سے لے کر آخری حکمران رابیل دوم (۷۵-۱۰۶ ق م) تک تمام حکمرانوں کے نام اور کوائف تواریخ میں محفوظ ہیں۔

۱۰۵ ق م میں شہنشاہ ٹراجان (Trajan) نے انباط سے اختیارِ حکومت چھین لیا اور ان کے تمام علاقوں کو رومی سلطنت میں ضم کر دیا۔ پیٹرا کو رومیوں کے دور میں بے مثال ترقی ملی۔ رومیوں نے پیٹرا کو اپنی سلطنت کا "عربی صوبہ" (Provincia Arabia) قرار دیا۔ اس کے مندر ناچ گھر' تھیٹر اور دیگر عمارات دور دور تک مشہور ہو گئیں۔

حارث کے بعد انباط بتدریج گمنامی کے اندھیروں میں غائب ہوتے چلے گئے۔ پیٹرا کو رومی سلطنت کا حصہ بنا دینے کے بعد انہیں شہر سے نکال دیا گیا تھا۔ انباط اگرچہ منتشر صورت میں ادھر اُدھر موجود تھے' لیکن ان کی مرکزیت تباہ ہو چکی تھی۔ ان میں سے اکثر تو اپنا

حسب نسب بھی بھول چکے تھے اور خود کو عربی کی بجائے عجمی سمجھنے لگے تھے۔ انباط کی اس صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"جب اسلام آیا تو انباط دنیا سے معدوم نہ تھے' ملک شام میں ان کا پیشہ غلّہ اور روغن فروشی رہ گیا تھا۔ اوپر کے شہر تدمر' معان' بصریٰ وغیرہ آل غسّان کے ہاتھ میں اور حجر یتما' خیبر وغیرہ میں جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے' ان سب پر یہود قابض تھے۔ نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں' یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہدِ اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا۔ عربوں نے ہمیشہ ان کو ایک اجنبی قوم سمجھا۔ اور یہ خود بھی اپنے آپ کو (عربوں کی بجائے) نبطی کہتے تھے۔" (10)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ فرمایا: تعلّموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذسئل احدھم عن اصلہ قال من قریۃ کذا. نسب نامہ سیکھو! عراق کے نبطیوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے اس کی اصل (خاندان) کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ جواب دے کہ میں فلاں شہر سے ہوں (عقد الفرید ۳۔ ص ۳۷)

رومیوں نے جب نبطیوں کو رقیم یا پیٹرا سے بے دخل کر دیا تو یہ الحجر (مدائنِ صالح) کے اندر سمٹ آئے۔ پیٹرا شام کی سرحد پر تھا لیکن الحجر عرب کے اندر تھا۔ یہاں انہوں نے پہاڑوں اور چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر اپنے لئے مکانات تعمیر کئے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے قرآن حکیم کے بیان کردہ "اصحاب الحجر" سے مراد ثمود کی قوم لی ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اصحاب الحجر دراصل انباط ہی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو مقام حجر سے گزرے تھے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا تھا: تدخلو مساکن الذین ظلموا انفسھم الا باکین ان یصیبکم مثل ما اصابھم. ان لوگوں کے

Marfat.com

مساکن پر گریہ کرتے ہوئے چلو جنہوں نے کہ اپنی جانوں پر ظلم کیا' مبادا ان پر نازل ہونے والی مصیبت تم پر بھی نازل ہو جائے۔

الحجر میں بڑی بڑی چٹانوں اور پہاڑیوں کے اندر تراشے گئے یہ مساکن و مقابر آج بھی اپنے مکینوں کے عبرت ناک انجام پر نوحہ کناں ہیں۔ ان میں سے اکثر عمارات پر نبطی رسم الخط میں آرامی زبان کی عبارات کندہ ہیں۔ ادھر پیٹرا کا شہر بھی بے آباد ہو گیا فوجی اہمیت وہ پہلے ہی کھو چکا تھا' یمن والوں کی تجارت کی تباہی کے ساتھ ہی اس کی معاشی و تجارتی اہمیت بھی ختم ہو گئی۔ پیٹرا کے کھنڈر آج بھی رومیوں اور نبطیوں کی شان و شوکت کی داستاں دہرا رہے ہیں۔

تَدمُر:

قبل مسیح دور کی آخری صدی رومیوں کے لئے بڑی اہم تھی۔ انہوں نے ایشیائے کوچک' شام اور فلسطین کی تمام ریاستوں کو فتح کر کے رومی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ ادھر یونان کی حکومت اور مصر کے بطلیموسی خاندان کو بھی ختم کر کے اپنی سلطنت میں ضم کر لیا تھا۔ اسی دوران انہوں نے پیٹرا سے نبطیوں کو نکال کر اس شہر کو باقاعدہ سلطنتِ روم کا عربی صوبہ (Provincia Arabia) بنا دیا۔ بحر روم کی تجارت پر بھی رومیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہند' چین' ایران اور حبشہ وغیرہ کا مال بحری راستے سے ایلہ (عقبہ) کی بندرگاہ پر اترتا اور وہاں سے شام اور اسکندریہ وغیرہ بھیج دیا جاتا۔ اسی طرح ایلہ کی بندرگاہ سے متعدّد تجارتی راستے وجود میں آ گئے جن میں سے کچھ دمشق اور یروشلم کی طرف چلے جاتے تھے' کچھ عرب کے وسطی علاقوں کی طرف جاتے تھے اور کچھ دجلہ و فرات کی وادی کی طرف جاتے تھے۔ اکثر تجارتی قافلے بادیۃ الشّام میں سے ہو کر گزرتے۔ بادیۃ الشّام کے وسط میں ایک نخلستان تھا جس میں معدنی پانی کے دو چشمے تھے۔ اس نخلستان کے کنارے قدیم شہر تدمر واقع تھا۔ نئی تجارتی شاہراہیں کھلنے سے اس

شہر کی قسمت جاگ اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بین الاقوامی تجارت کا مرکز بن گیا۔

قدیم کتبوں اور اسفارِ یہود سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر ہزار گیارہ سو قبل مسیح میں موجود تھا اسی شہر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے حضرت سلیمانؑ نے جنّات کی مدد سے تعمیر کروایا تھا۔ بعض عرب مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملکہ سبا اسی شہر میں حضرت سلیمانؑ کے حضور پیش ہوئی تھی اور پھر وہ اسی شہر میں رہنے لگی تھی حتی کہ وہ یہیں فوت ہوئی اور مدفون ہوئی۔

تدمُر (Palmyre) کے لوگ عرصے تک ایران اور روم کے مابین غیر جانبدار بنے رہے اور تجارتی قافلوں سے راہداری کا ٹیکس وصول کرتے رہے۔ رومی اس شہر کو ہیڈریانہ پالمیرا (Hydriana Palmyra) کہتے تھے۔ تدمر کی قسمت صرف اس وجہ سے جاگی تھی کہ دور دور تک پھیلے ہوئے سنسان صحرائے شام میں تجارتی قافلوں کے پڑاؤ کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ تجارتی سطح پر تدمر والے غیر جانبدار رہ سکتے تھے لیکن یہ شہر دو بڑی سلطنتوں ایران اور روم کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے حربی لحاظ سے بھی بہت اہم تھا۔ دونوں سلطنتوں میں عداوت کی سلگتی ہوئی آگ کے پیش نظر یہ شہر مستقلاً غیر جانبدار نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے فیصلہ کرنا تھا کہ ایران کا ساتھ دے دیا یا روم کا حلیف بنے۔

اسی زمانے میں وسط ایشیاء کی پارتھی قوم طاقت پکڑ رہی تھی۔ پارتھی ایران کے میدیوں اور پارسیوں کے بھائی بند تھے ۱۰۰ سنہ ق م میں انہوں نے ایران پر چڑھائی کر دی اور یونان کے سلیوکسی حکمرانوں کو تہہ تیغ کر دیا اور ایران میں "اشکانی" شہنشاہیت کی بنیاد رکھی۔ ادھر رومیوں کا اقتدار بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن پارتھیوں کی طرف سے انہیں ہر وقت خطرہ لاحق رہتا۔ چنانچہ اس خطرے کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنے کی خاطر ۵۳ سنہ ق م میں ایک رومی جرنیل کراسس نے ہلال زرخیز عبور کر کے ایران پر چڑھائی کر دی۔ ایرانیوں کا لشکر پارسیوں، پارتھیوں اور سیتھیوں پر مشتمل تھا۔ اس مخلوط لشکر نے رومیوں کو بری طرح شکست

Marfat.com

دی۔اسی شکست نے رومیوں کے دل میں ایرانیوں کا خوف بٹھا دیا۔عرصہ تک رومی مائیں اپنے بچوں کو پارتھیوں کے شور مچانے والے تیروں سے ڈراتی رہیں۔

ایران و روم کی مخاصمت سن عیسوی کی ابتدائی دو تین صدیوں میں بھی جاری رہی۔ ۲۲۷ء میں اردشیر نے پارتھیوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے ساسانی حکومت بنا ڈالی اور زرتشت کے مذہب کو سرکاری مذہب بنا دیا۔ ۳۶۰ میں اردشیر کے بیٹے شاپور نے شام پر چڑھائی کر دی اور انطاکیہ فتح کر کے رومی قیصر کو گرفتار کر لیا۔اس دوران تدمر والوں نے روم کا ساتھ دیا۔اور شاپور کی افواج کو بہت نقصان پہنچایا۔حتیٰ کہ شاپور جب ایران واپس جا رہا تھا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔اس پر رومی حکومت بہت خوش ہوئی۔قیصر جالیونس (Gallienus) نے "تدمری راس" یعنی تدمر کے حاکم کو نائب شہنشاہ (Vice Emperor) یا (Dux Orientis) بنا دیا۔یہ نائب شہنشاہ اُذَینَہ (Odenathus) تھا جو اس علاقے میں رومی مفادات کی نگرانی کرتا تھا اور اس کی حکومت شام اور انطاکیہ تک پھیل گئی تھی۔جب اُذَینَہ کو قتل کر دیا گیا تو تدمر کی حکمرانی اس کی خوبصورت' بہادر اور با تدبیر بیوی ذنوبیا (عربی میں زینب) کے ہاتھ میں آ گئی۔وہ اپنے بیٹے "وھب اللّات" (لات دیوی کا تحفہ) کی طرف سے حکومت کر رہی تھی۔پھر تدمر کی حدود سلطنت مصر اور ایشیائے کوچک تک پھیل گئیں۔اس توسیع حکومت میں ذنوبیا کی ذہانت کا عمل دخل تھا۔اس نے وہب اللّات کو مصر کا حکمران بنا دیا۔اب ذنوبیا رومیوں کے تسلّط سے آزاد ہونے کی تدبیریں کر رہی تھی۔یہ سب کچھ قیصر اورلیان (Aurelian) کو ناگوار گزرا۔چنانچہ اس نے ۲۷۰ء میں تدمر پر حملہ کر کے ذنوبیا کو شکست دی۔ذنوبیا ایک تیز رفتار ناقہ پر سوار ہو کر صحرا کی طرف فرار ہو گئی۔لیکن اورلیان کے سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور گرفتار کر لیا۔اورلیان نے اسے سونے کی زنجیروں میں جکڑا اور روم کی طرف روانہ ہو گیا۔(۱۱) اورلیان ابھی راستے میں ہی تھا کہ اسے خبر ملی کہ تدمر والوں

Marfat.com

نے بغاوت کر دی ہے اور اس کے نائب کو قتل کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ سن کر اورلیان بہت غضبناک ہوا۔ وہ وہیں سے مڑا اور برق رفتاری سے سفر کر کے تدمر پہنچا۔ اس نے شہر والوں کی بے خبری میں تدمر پر حملہ کیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تمام سرکردہ لوگوں کو قتل کر دیا اور شہر کی اکثر عمارتوں کو منہدم کر دیا۔ سورج دیوتا کا مندر تدمر کی عظیم الشان عمارت تھی۔ اورلیان نے اسے بھی گرا دیا' تاہم یہاں رکھے ہوئے سارے بت اور مورتیاں اس نے روم بھجوا دیں۔ یہ شہر ساڑھے تین سو سال رومیوں کے زیرِ اثر رہا۔ انہوں نے ہی اسے شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا اور انہوں نے ہی اس کے فقید المثال تمدّن کا محل زمین بوس کر دیا۔ رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہونے کے بعد تدمر شہر دوبارہ کوئی قابل ذکر حیثیت حاصل نہ کر سکا۔

اگرچہ تدمر صدیوں پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکا تھا' تاہم اس کے شاندار کھنڈرات آج بھی دیکھنے والوں کو اپنی عظمت رفتہ کا آئینہ دکھاتے ہیں۔ اس شہر کے بارے میں بہت کم تحقیقات ہوئی ہیں۔ عرب مؤرخین نے بھی اس کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ اپنے دور عروج میں یہ شہر ایران' روم اور یونان کی تین عظیم الشّان تہذیبوں کا مرکز رہا تھا۔ اس کے اصل باشندے عرب ہی تھے۔ ان کی زبان آرامی تھی جو نبطیوں اور مصریوں کی آرامی سے ملتی جلتی تھی اور اس میں عربی کے الفاظ کثرت سے شامل تھے۔ (12) یونانی اور رومی اثرات کے تحت تدمر بت پرستی کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں "شمس دیوتا" کی پوجا کی جاتی تھی جو کہ کمتر درجے کے متعدّد دیوی دیوتاؤں کا حاکم تھا۔ یہی شمس دیوتا بابلیوں کے بعل دیوتا کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ رومی دیوتاؤں کے مجسّمے ہیبتناک ہوتے تھے جب کہ یونانی دیوتا حسن اور تناسب کا مرقّع ہوتے تھے۔ اس طرح رومی اور ایرانی ثقافت کے اثرات تدمر پر بہت گہرے تھے۔ جزیرۃ العرب میں پیٹرا کے بعد تدمر میں تہذیب و تمدن کو جو فروغ ملا اس کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن افسوس کہ بلند پایہ ثقافت کا یہ مرکز اسی دور میں اجڑ گیا اور ایسا اجڑا کہ اس کی یادیں بھی آہستہ

آہستہ صحرانشینوں کے ذہن سے محو ہو گئیں۔ بعدازاں عیسائیوں نے جزوی طور پر اس شہر کی تعمیر کی لیکن یہ کوئی نمایاں مقام حاصل نہ کر سکا۔ آمد اسلام کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے جب شمالی عرب پر لشکر کشی کی تو اہلِ تدمر نے ذِمّیوں کی حیثیت قبول کر لی۔ مسلمانوں نے یہاں ایک اہم فوجی چھاؤنی قائم کر لی۔ ملکہ زنوبیا کے حسن و شجاعت کے قصّے اور تدمر کی عظمت و شوکت کی داستانیں بعض عرب مورخوں اور شاعروں (مثلاً یاقوت اور نابغہ ذبیانی) نے بیان کی ہیں' لیکن ان میں تاریخی حقائق کا حصّہ کم اور افسانوی حاشیہ آرائی زیادہ ہے۔

آلِ غسّان:

تدمر کے سقوط کے بعد قدرتی طور پر تجارتی راستوں میں تبدیلی ہوئی اور بعض نئے تجارتی راستے وجود میں آ گئے۔ حوران میں بصریٰ کے علاوہ آلِ غسّان کے کئی شہر نئے تجارتی راستوں کی وجہ سے خوشحال ہو گئے۔

آلِ غسّان کا تعلق جنوبی عرب سے تھا۔ یہ شمالی عرب میں کیسے آئے؟ اس سلسلے میں ابن ہشام مندرجہ ذیل دلچسپ داستان بیان کرتا ہے:

"عمرو بن عامر کے یمن سے نکلنے کا سبب ابوزید انصاری نے مجھ سے اس طرح بیان کیا۔ اس نے ایک جنگلی چوہا دیکھا جو مآرب کے اس بند میں سوراخ کر رہا تھا جس میں ان کے لئے پانی جمع رہتا تھا اور اسی سے وہ پانی لے کر صرف میں لاتے' اور جس زمین کو چاہتے سیراب کرتے تھے۔ عمرو نے سمجھ لیا کہ اس صورت میں بند کا سلامت رہنا مشکل ہے۔ اس لئے ارادہ کر لیا کہ یمن چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جائے قوم اس ارادے میں مانع ہوئی' تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو حکم دیا کہ جب میں تم پر سختی کروں اور طمانچہ ماروں تو مجھ پر حملہ کر دینا اور جواب میں طمانچہ مارنا۔

Marfat.com

بیٹے نے ویسا ہی سلوک کیا جیسا کہ باپ نے اسے حکم دیا تھا۔ اس پر عمرو نے کہا کہ میں ایسے شہر میں ہرگز نہ رہوں گا جس میں میرے سب سے چھوٹے بیٹے نے میرے منہ پر طمانچہ مارا اور اپنا سارا سامان بیچنے کے لئے بازار میں لا ڈالا۔ پھر یمن کے سربرآوردہ لوگوں نے کہا کہ عمرو کے غصّے کو غنیمت سمجھو۔ لوگوں نے اس کا سامان خرید لیا اور وہ وہاں سے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو لے کر چل نکلا۔ اس وقت بنی اَزد نے کہا کہ ہم عمرو بن عامر کے چلے جانے کے بعد یہاں نہ رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنا سامان بیچ ڈالا اور ساتھ ہی نکل گئے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ پھرتے پھراتے عکّ کی بستیوں میں جا نکلے۔ عکّ نے ان لوگوں سے جنگ کی۔ جنگ میں کبھی ایک فریق کو فتح ہوتی تھی اور کبھی دوسرے کو۔

پھر یہ لوگ وہاں سے بھی نکل کر مختلف بستیوں میں منتشر ہو گئے۔ آلِ جفنہ ابن عمر بن عامر شام میں' اوس و خزرج یثرب میں' خزاعہ مرا میں' ازدُالسّراۃ سراہ میں اور ازد عمان عمان میں جا بسے''۔ (۱۳)

عمرو مزیقیاء قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھا اور اپنے کنبے کا سربراہ تھا۔ سدِّ مآرب کے ٹوٹنے کے خطرے کے پیش نظر یہ شام میں آ کر بس گئے۔ جفنہ عمرو کا بیٹا تھا اور اسی نے غسّانی حکومت کی بنیاد رکھی۔ الفدا کہتا ہے کہ اس حکومت کے اکتیس حکمران گزرے ہیں۔ حمزہ الاصفہانی کے نزدیک اس کے بتیس بادشاہ تھے اور ابن قتیبہ کی رو سے اس کے صرف گیارہ بادشاہ تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب مورخین خود بھی غسانی حکومت کے بارے میں بہت کم علم رکھتے تھے۔

آل غسان عرب کی عظیم تجارتی شاہراہ کے شمالی سرے پر اور دمشق کے جنوب مشرقی علاقے پر قابض ہو گئے۔ یہ تیسری صدی عیسوی کے اختتام کا زمانہ تھا۔ اس علاقے میں

Marfat.com

عیسائیت فروغ پذیر تھی۔ آلِ غسّان بھی عیسائی ہو گئے اور اس کے ساتھ ساتھ شامی ثقافت کے رنگ میں رنگے گئے۔ انہوں نے شام کی آرامی زبان سیکھ لی۔ لیکن اپنی مادری عربی کو بھی اپنائے رکھا۔ اس زمانے میں ہلالِ زرخیز کے علاقے میں جتنے بھی عربی قبائل آباد تھے وہ آرامی اور عربی دونوں زبانیں بولتے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی تک آلِ غسّان مکمل طور پر بازنطینی تسلّط میں آ گئے تھے اور نبطیوں اور تدمریوں کی طرح ہی مشرق میں رومی مفادات کے نگہبان بن گئے۔ وہ شام میں رومی سلطنت پر بدویوں کے حملوں کا موثر دفاع کرتے تھے۔ شروع شروع میں ان کا کوئی مخصوص دارالحکومت نہ تھا لیکن بعد ازاں دومتہ الجندل میں انہوں نے دارالحکومت قائم کر لیا۔ تدمر، رقیم، معان، عمان وغیرہ ان کے مشہور شہر تھے۔ اسی زمانے میں رسول ﷺ بغرض تجارت شام تشریف لائے تھے اور اسی علاقے میں بحیرہ راہب آپؐ سے ملا تھا۔

قیصر قسطنینِ اعظم نے عیسائیوں سے نرم رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے عیسائیت مصر سے نکل کر حبشہ تک پھیل گئی۔ شام میں بھی عیسائیت کو بڑی پذیرائی ملی تھی۔ آلِ غسان بھی عیسائی ہو چکے تھے۔ یزدجرد اول نے (۳۲۷۔۳۹۹ء) تک رومیوں سے مفاہمت کی پالیسی اپنائی۔ مگر جب عیسائیت ایران کے اندر بھی مقبول ہونے لگی تو روم و ایران کے درمیان پھر کشیدگی پیدا ہو گئی۔ دونوں سلطنتیں تھوڑے تھوڑے وقفوں سے باہم گرز و رآزمائی کرتیں۔ خسرو نوشیرواں عادل (۵۲۱۔۵۷۹ء) نے ۵۴۰ء میں قیصر جسٹینین کے ساتھ جنگ شروع کر دی لیکن قیصر نے صلح کر لی۔ ان جنگوں میں عرب کے شمالی علاقوں کی ریاستوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ آلِ غسان رومیوں کے حلیف بن چکے تھے۔ جبکہ ان کے رشتہ دار اور حریف حیرہ میں لخمی سلطنت کا کاروبار چلا رہے تھے اور ایرانیوں کی معاونت کرتے تھے۔ آلِ غسّان کی پوری تاریخ روم و ایران کی جنگوں سے عبارت ہے۔ یہ حقیقت رومی بھی تسلیم کرتے

تھے کہ مشرق میں بازنطینی حکومت آلِ غسّان ہی کی مرہونِ منّت تھی۔

چھٹی صدی عیسوی میں حیرہ (عراق) اور آلِ غسّان (شام) کی عرب حکومتیں بڑی اہمیت اختیار کر گئی تھیں۔ روم اور ایران کی سلطنتیں اگرچہ بہت عظیم الشّان تھیں، لیکن ان کے اندر زوال اور انحطاط کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ جرمن، گاتھ اور وینڈل قبیلے رومیوں کو زبردست چرکے لگا رہے تھے۔ ادھر ترکوں نے نہ صرف رومیوں کا ناطقہ بند کیا ہوا تھا بلکہ ایرانیوں کا بھی ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ نوشیرواں عادل کا نالائق بیٹا ہرمز اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اگر اس کا قابل جرنیل بہرام اس کی مدد نہ کرتا تو سلطنت ایران چکی کے دو پاٹوں یعنی ترکوں اور رومیوں کے درمیان پس گئی ہوتی۔ بہرام نے ہرمز کو معزول کر کے قتل کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے خسرو پرویز کو شہنشاہ ایران بنا دیا۔ خسرو پرویز نے سلطنت ایران پر ۵۹۰ء سے ۶۲۸ء تک حکومت کی۔ ادھر قسطنطنیہ میں بھی انقلاب آیا اور قیصر ماریلیس کو معزول کر دیا گیا۔ پرویز نے شام پر لشکر کشی کی اور ادیسہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ۶۱۳ء میں پرویز نے انطاکیہ اور دمشق کے شہر فتح کر لئے۔ ۶۱۴ء میں یروشلم پر قبضہ کر لیا اور وہ مقدّس صلیب جس پر حضرت مسیح کو مصلوب کیا گیا تھا اٹھا کر ایران لے گیا۔ پھر ایرانی فوجوں نے مصر اور ایشیائے کوچک کو بھی روند ڈالا۔

یہ تمام واقعات ہجرت سے کچھ سال پہلے پیش آئے۔ مسلمانوں کی ہمدردیاں قدرتی طور پر عیسائیوں کے ساتھ تھیں اور کفّارِ مکّہ بے دین ایرانیوں کے حق میں تھے۔ جب پرویز نے بیت المقدس کو نذرِ آتش کیا اور عیسائیوں کا قتل عام کیا تو مسلمان رنجیدہ و ملول ہوئے جبکہ کفّار نے خوشیاں منائیں۔ ایسے میں یہ آیات نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئیں:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ (روم: ۱-۳)

(الٓمّٓ رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے۔

Marfat.com

وہ مغلوبی کے بعد عنقریب چند سالوں میں غلبہ پائیں گے)

قرآن کی پیش گوئی کے عین مطابق چند سال بعد صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ ۶۲۱ء میں ایرانیوں کو ہرقل کے ہاتھوں ایشیائے کوچک میں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس کے بعد شام اور شمالی ایران پر بھی رومیوں کا تسلط ہو گیا۔

آل غسان کی تاریخ میں جو چند ایک نامور بادشاہ گزرے ہیں ان کا مختصر ذکر حسب ذیل ہے۔

سب سے پہلے جبلہ کا نام آتا ہے جس نے ۴۹۷ء کی جنگ میں رومیوں کی بھرپور مدد کی اور بدوی قبائل کی لوٹ مار سے بازنطینی حکومت کو بچائے رکھنا۔

جبلہ کا بیٹا حارث عربوں میں بہت مشہور ہوا۔ وہ نہایت شجاع اور جری سردار تھا۔ ۵۲۸ء میں اس نے حیرہ کے خلاف جنگ کی۔ ۵۳۱ء میں روم و ایران کے مابین جنگ میں اس نے رومیوں کی بہت مدد کی۔ حارث کا نام "اعرج" یعنی لنگڑا مشہور تھا۔ حارث آل غسان کا وہ ثقہ اور مستند حکمران ہے جس کے کوائف کی تصدیق یونانی مورخین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ جب اس نے آلِ لخم کے مُنذر رسوم ابن ماء السّما کو عبرتناک شکست دی تو رومیوں نے اسے مشرقی سلطنت میں شہنشاہ کا نائب مقرر کر دیا۔ حارث کا طویل عرصہ حکومت بازنطینی حکومت کی خاطر لڑتے اور اس کے مفادات کی نگہبانی کرتے گزرا۔ ایک لڑائی میں حارث کے بیٹے کو منذر نے گرفتار کر لیا اور عزیٰ دیوی (جو کہ یونانیوں کی ایفروڈائٹ کی ہم مرتبہ تھی) کے چرنوں میں ذبح کر دیا۔ دس سال بعد حارث نے اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ لیا اور اپنے لخمی دشمن کو قنا سرین کے قصبہ میں تہہ تیغ کر دیا۔ اس جنگ کو عرب "یوم حلیمہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ جنگ حلیمہ کی طرف اس لئے منسوب کی گئی کہ حارث کی بیٹی حلیمہ نے اپنے بھائی کے انتقام کے لئے نکلنے والے سپاہیوں کو اپنے ہاتھ سے عطر لگایا تھا اور انہیں سفید لینن کی عبائیں پہنائی تھیں۔

Marfat.com

۵۶۳ء میں حارث نے شہنشاہ جسٹینین کے دربار میں حاضری دی اور اپنے ساتھ مشہور عرب شاعر امراء القیس کو بھی لے گیا۔

حارث کے بعد اس کا بیٹا منذر تخت نشیں ہوا تو اس نے بھی شمالی جزیرۃ العرب میں بازنطینی حکومت کے مفادات کا بڑی وفاداری سے تحفظ کیا۔ لیکن اس کے دور میں ہونے والی بغاوت رومی آقاؤں کو پسند نہ آئی۔ منذر نے رومیوں کی نظر میں اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے حیرہ پر حملہ کر کے اسے نذر آتش کر دیا۔ اس پر رومی آقا بڑے خوش ہوئے۔ اسے قسطنطنیہ مدعو کیا گیا جہاں اس کی بڑی عزت افزائی کی گئی۔ لیکن اس کے باوجود رومیوں کا دل منذر کی طرف سے صاف نہ ہوا۔ چنانچہ ایک موقع پر اسے گرفتار کر کے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ یہاں سے اسے سسلی لے جایا گیا جہاں وہ تمام عمر قید و بند کی صعوبتیں سہتا رہا۔ اس کے بیٹے نعمان کا بھی یہی حال کیا گیا۔

منذر اور نعمان کے بعد غسانی حکومت بہت کمزور ہو گئی۔ پرویز کے حملے کے بعد قبیلے خود مختار ہو گئے۔ اسدی جبلہ غسانی کے دربار میں مسلمان دُعاۃ نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک لے کر پہنچے تھے۔ لیکن اس نے انہیں قتل کرا دیا تھا اور مدینہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگا تھا۔ یہ خبریں جب مدینہ پہنچیں تو اس خطرے کو روکنے کے لئے خود پیش قدمی کرنا مناسب سمجھا گیا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ۶۳۰ء میں تین ہزار کے اسلامی لشکر کو شام کی طرف روانہ کیا۔ مقام مُوتہ پر مسلمانوں اور رومیوں کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی دن کی لڑائی کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکل سکا تو مسلمانوں نے پسپائی کو مناسب سمجھا۔

کچھ عرصے بعد نبی اکرم ﷺ کو خبر ملی کہ رومی دوبارہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس بار نبی کریم ﷺ نے تیس ہزار کا لشکر تیار کیا اور تبوک کے مقام پر پہنچے۔ آپ ﷺ بیس روز تک غسانیوں اور رومیوں کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آئے تب آپ ﷺ نے حوران کے بعض

Marfat.com

قبائل سے معاہدے کئے اور واپس تشریف لے آئے ۶۳۲ء میں حضرت اسامہؓ ایک بھاری لشکر لے کر روانہ ہونے والے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح یہ مہم موخر کر دی گئی۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں شام پر لشکر کشی کی گئی۔ ان دنوں جبلہ ابن ایہم غسانی حکمران تھا۔ غسانی حکومت ویسے ہی کمزور پڑ چکی تھی اور بازنطینی حکومت بھی رو بہ زوال تھی۔ چنانچہ جبلہ بن ایہم نے مسلمان ہو جانے میں عافیت سمجھی۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ مدینہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ اتفاق سے انہی دنوں حج کا موسم آ گیا۔ سارے مسلمان مکّہ پہنچے۔ جبلہ بن ایہم طواف کر رہا تھا کہ اس کے جبّے پر ایک بدوی کا پیر آ گیا جس پر اس نے طیش میں آ کر بدوی کے منہ پر زور سے طمانچہ مار دیا۔ بدوی کو بہت رنج ہوا۔ وہ شکایت لے کر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ بن ایہم کو حکم دیا کہ یا تو وہ بدوی سے معافی مانگے یا پھر جرمانہ ادا کرے۔ جبلہ بن ایہم نے ایک رات کی مہلت طلب کی جو کہ اسے دے دی گئی۔ رات کو موقع پا کر جبلہ بھاگ گیا۔ وہ پہلے شام پہنچا اور وہاں سے قسطنطنیہ چلا گیا اب وہ مرتد ہو چکا تھا۔

آلِ غسّان کی حکومت اپنی ثقافت اور تمدن کے اعتبار سے حیرہ کی ثقافت سے بلند تر مقام رکھتی تھی۔ پیٹرا اور تدمر کی حکومتوں کی طرح ان کے دورِ حکومت میں بھی یونانی، رومی اور عربی تہذیبوں کا ثمر آور اختلاط ہوا تھا۔ شام اور عرب کی سرحد کو حوران کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سرحد پر اس زمانے میں کم و بیش تین سو چھوٹے بڑے شہر اور قصبے آباد تھے جن میں یونانی اور رومی طرز کے تھیٹر، تاج گھر اور مندر وغیرہ بکثرت موجود تھے۔ یہاں عرب، بابل اور یونان کے فنکار آ کر اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ یونانی رقاصائیں، عرب قصّہ گو اور رومی شرابیں بہت مقبول تھیں۔

اکثر عرب شاعر قدر شناسی کی وجہ سے غسّانیوں کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔

Marfat.com

لبید "سبعہ معلقات" کے شاعروں میں سب سے کم عمر تھا۔ جنگِ حلیمہ میں لبید غسّانیوں کی طرف سے لڑا۔ نابغہ ذبیانی کو جب لخمی حکمران نے دربار سے نکال دیا تو اسے بھی غسّانی دربار میں پناہ ملی۔ حسان بن ثابتؓ کا تو غسّانیوں سے نسبی تعلق تھا۔ وہ مشرّف بااسلام ہونے سے پہلے غسّانی دربار میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ان شعراء کے کلام میں غسّانی حکومت کے بارے میں کئی حوالے ملتے ہیں۔ مثلاً نابغہ ذبیانی اپنی تلواروں کی تعریف کرتے ہوئے جنگ حلیمہ کا حوالہ دیتا ہے۔

تُوَرِّثْنَ مِنْ اَزْمَان یَوْمِ حَلِیْمَۃٍ
اِلٰی الْیَومِ قَدْ جُرِّبْنَ کُلَّ التَّجَارِبِ

(جنگ حلیمہ سے لے کر آج کے وقت تک وہ تلواریں ورثے میں چلی آتی ہیں۔ جنہوں نے ہر تجربے کو آزمایا ہے)

حارث کے بارے میں کہتا ہے۔

وَلِلْحٰرِثِ الْجَفَنیِّ سیِّد قَوْمِہ
لَیَلْتَمِسُنَّ بِالْجَیْشِ دارَالْمَحَارِبِ

(اگر یہ) حارث جفنی کی قبر ہے جو اپنی قوم کا سردار تھا (تو کیا ہوا) وہ (آج بھی) اپنے لشکر سے دارالحرب کا تقاضا کرتا ہے۔

آلِ لخم:

جس طرح مغربی سواحل کے ساتھ آبادی کا انتقال شمال کی جانب ہوتا تھا۔ اسی طرح مشرقی ساحلوں سے بھی عرب قبائل آہستہ آہستہ اوپر شمال کی جانب ہجرت کرتے رہتے تھے۔ سدِّ مآرب کے ٹوٹنے کے بعد آل غسان مغربی ساحلوں سے ہوتے ہوئے شام کی سر

Marfat.com

زمین میں جا بسے تو انہی کے بھائی بند آلِ لخم مشرقی ساحل سے ہوتے ہوئے دجلہ وفرات کی وادی میں داخل ہوگئے۔ اس وادی کی مغربی طرف یہ لوگ عارضی خیمہ بستیوں میں مقیم ہوگئے۔ رفتہ رفتہ انکے عارضی خیمے مستقل کیمپوں میں بدل گئے۔ شام کی زبان میں "حرتا" (Herta) کیمپ کو کہا جاتا تھا۔ انکی یہ مستقل آبادی کوفہ سے جنوب کی طرف تھی اور بابل کے قریب تھی۔ اس آبادی کا نام "حیرہ" پڑ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پارتھیوں کی اشکانی پادشاہت ختم کر کے اردشیر نے ساسانی شہنشاہیت کی بنیاد رکھی تھی۔ حیرہ کی بیشتر آبادی نے دین مسیحی قبول کرلیا تھا۔

روایات کی رو سے حیرہ کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم الازدی تھا۔ اسکے بعد اسکا بھائی عمرو تخت نشیں ہوا۔ اسکے بعد جذیمۃ الابرش بادشاہ بنا۔ ابولفدا لکھتا ہے: "اسکے بعد (عمرو کے بعد) جذیمہ بن مالک تخت پر بیٹھا۔ یہ جری مگر طامع بادشاہ تھا۔ اسنے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کرلیا تھا۔ ایک طرف تو دریائے فرات اسکی سلطنت کی حد تھی اور دوسری طرف یہ حدود شام کی طرف پھیل گئی تھیں۔ شام تک سلطنت پھیلانے میں اسے عملیق سے لڑنا پڑا۔ اور ایک سخت اور خوں ریز لڑائی کے بعد انکو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن نے جس کا نام رقاش تھا ایک شخص مسمی عدی سے جو بنی لخم میں سے تھا شادی کی تھی" (ابوالفدا' تاریخ عرب)

عدی اور رقاش کا بیٹا یعنی جذیمہ کا بھانجا عمرو بن عدی بن نصر بن ربیعہ بن لخم تخت پر بیٹھا۔ بعض مورخین عمرو بن عدی کو لخمی سلطنت کا اصل بانی قرار دیتے ہیں اور اس سلطنت کو نصری سلطنت کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ عدی کے بعد امراء القیس بادشاہ بنا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد ایک یا دو حکمران آئے جن کا تواریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ امراء القیس ثانی نے اپنے بھائی کی سلطنت سنبھال لی۔ اسے تاریخ میں امراء القیس ثانی المحرق کہا جاتا ہے کیونکہ یہ انسانوں کو زندہ جلا دیا کرتا تھا۔ امراء القیس کا

Marfat.com

بیٹا نعمان تھا جسے "نعمان الاعور" (ایک آنکھ والا یا کانا نعمان) کہتے تھے۔اس نے تیس برس حکومت کی۔اس نے یزدجرد اول کے بیٹے کے لئے صحرا میں ایک عظیم الشان قصر تعمیر کروایا تھا تاکہ کھلی اور صحت بخش آب وہوا میں اس کی پرورش ہو سکے۔اس قصر کو "خورانق" کہا جاتا تھا۔ نعمان کے بعد اس کا بیٹا منذر اول تخت پر بیٹھا۔اسے ایران کی ساسانی حکومت میں کافی عمل دخل تھا۔۴۲۱ء میں یہ ساسانیوں کے ساتھ بازنطینیوں سے لڑا تھا۔

چھٹی صدی کے پہلے نصف میں حیرہ پر ایک اور منذر نے حکومت کی جسے تاریخ میں المنذر الثالث ملقب بہ ابن ماء السّماء کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ابن ماء السّما کا لقب اسے اس کی ماں کی وجہ سے ملا تھا جس کا نام "ماریہ" یا "مادیہ" تھا۔منذر ماء السما کا دور لخمی حکومت کا عہد زرّیں تھا۔اس نے حقیقی معنوں میں سلطنت روم اور اس کے حلیف آل غسّان کے ناک میں دم کر دیا تھا۔یہ انطاکیہ تک تاخت کرتا چلا جاتا تھا۔رومیوں کو تب سکھ کا سانس نصیب ہوا جب حارث نے غسانی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔حارث ماء السّما کی ٹکر کا حکمران تھا' بلکہ صلاحیتوں میں اس سے کچھ زیادہ ہی تھا۔المنذر ماء السّماء کے بعد اس کا بیٹا عمرو بادشاہ بنا۔اس کی حکومت کے آٹھویں سال میں رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔اس طرح یہ ۵۶۲ء میں تخت نشین ہوا ہوگا۔اس کے بعد اس کا بھائی قابوس اور اس کے بعد اس کا بھائی المنذر الرّابع اور اس کے بعد اس کا بیٹا نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا۔اس نعمان نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور خسرو پرویز کے زمانے میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا۔اس کے بعد ایاس ابن قَبِیصَہ الطّائی بادشاہ ہوا۔لیکن اب سلطنت ایران کی طرف سے اس کے ساتھ ایک ایرانی نگران بھی مقرر کر دیا گیا۔اس طرح انہوں نے بتدریج اور غیر محسوس انداز میں حیرہ کی ماتحت اور باجگزار ریاست کی حیثیت ختم کر دی اور اسے سلطنتِ ایران میں ضم کر لیا۔ اب حیرہ میں ایرانی گورنر مقرر کئے جاتے تھے اور عرب سردار ان کے ماتحت ہوتے تھے۔

Marfat.com

۶۳۳ تک یہی طریق حکومت جاری تھا کہ خالد بن ولیدؓ فتح و نصرت کے پرچم لہراتے ہوئے ہلال زرخیز کے خطے میں پہنچ گئے اور حیرہ کی ریاست نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔

حیرہ کا تمدّن اگرچہ کافی ترقی یافتہ تھا' تاہم یہ وہ مقام حاصل نہ کر سکا جو بازنطینی اثرات کے تحت پیٹرا' پالمیرا یا آل غسّان کے تمدّن نے حاصل کیا تھا۔ اہلِ حیرہ روزمرہ کی زندگی میں عربی بولتے تھے لیکن لکھتے شامی زبان میں تھے۔ یہ بالکل ایسے تھا جیسے الانباط اور اہل تدمر کی بول چال کی زبان عربی تھی لیکن لکھتے آرامی میں تھے۔ جدید دور میں اس کی مثال پنجاب کے عوام سے دی جا سکتی ہے جو گھروں' دفتروں اور بازاروں میں عام طور پر پنجابی بولتے ہیں لیکن لکھتے اردو یا انگریزی میں ہیں۔ حیرہ کے عیسائیوں نے ان پڑھ عربوں کو لکھنے پڑھنے کی تربیت دی۔ بعض مورخین کے نزدیک حیرہ کے توسط سے ہی نجران کے علاقے میں مسیحیت کو فروغ ملا اور اندرون عرب آبادیوں میں لکھنے پڑھنے کی تحریک نے زور پکڑا۔ جزیرۃ العرب کی تہذیب و ثقافت پر جو ایرانی اثرات پڑے' ان میں حیرہ کے تمدن اور اس کی تہذیب نے بڑا کردار ادا کیا۔ عمرو ابن ھند لخمیوں کی تاریخ میں بڑا ظالم بادشاہ گنا جاتا ہے۔ لیکن وہ شاعروں اور فنکاروں کا بڑا قدردان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے نامور شعراء اس کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ ان میں چند نام یہ ہیں: طرفہ ابن العبد' الحارث ابن حلزّہ' عمرو ابن کلثوم وغیرہ نابغہ ذبیانی النّعمان الثّالث ابو قابوس کے دربار سے وابستہ تھا' لیکن نابغہ کو بعض جھوٹے الزامات کی وجہ سے حیرہ سے نکال دیا گیا اور وہ غسانی دربار سے وابستہ ہو گیا۔

کِندۃ الملوک:

کِندہ جنوبی عرب کے ایک قبیلے کا نام تھا جو کہ کثیر التعداد نہ تھا۔ حضرموت کی مغربی سمت میں یہ قبیلہ اسلام کی آمد سے کچھ عرصہ پہلے آباد تھا۔ اس قبیلہ کو کندۃ الملوک کہا جاتا تھا کیونکہ عرب میں پہلی دفعہ کندی سرداروں نے اپنے نام کے ساتھ ملک (بادشاہ) لگایا تھا۔

Marfat.com

کندۃ الملوک اگرچہ جنوبی عرب کی ہی ایک اہم اور طاقتور حکومت تھی، تاہم اس علاقے سے حاصل ہونے والی الواح اور دیگر تاریخی آثار میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ عرب ماہرین انساب ان کا نسب نامہ یوں پیش کرتے ہیں: ثور (یعنی کندہ) بن عفیر بن عدی بن الحارث بن مرہ بن ادد بن زید بن یشجب بن زید بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا۔

حجر الملقّب بہ آکل المرار ایک حمیری بادشاہ تھا۔ وہ حسان ابن تبع کا سوتیلا بھائی تھا۔ جب حسان نے وسطی عرب کے بہت سے قبائل کو بزور شمشیر اپنے زیر نگیں کر لیا تو حجر کو ۴۸۰ء میں ان کا حاکم مقرر کر دیا۔ بعد ازاں حجر نے ایک سازش کے ذریعے حسان تبع کو ہلاک کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اب اس نے اپنا لقب المکسور رکھ لیا۔ حجر کے بعد اس کا بیٹا عمرو اور پھر عمرو کا بیٹا حارث بادشاہ تھا۔ یہ حارث ایران کے بادشاہ قباز کی وفات کے بعد کچھ عرصے کے لئے حیرہ کا حکمران بھی بنا تھا۔ لیکن نوشیرواں کے زمانے میں المنذر الثّالث نے اسے (غالباً ۵۲۹ء میں) وہاں سے نکال دیا۔ حارث کے ساتھ شاہی خاندان کے ۵۲ افراد تھے۔ حارث کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں منقسم ہو گئی۔ بنو اسد کی حکومت بدستور اس کے بیٹے حجر کے پاس رہی۔ حارث کے دوسرے بیٹے شرجیل کے حصے میں بنو بکر، حنظلہ، عمر بن تمیم اور رباب کے قبیلوں کی حکمرانی آئی۔ حارث کے تیسرے بیٹے سلمہ نے بنو تغلب، النمر بن قاسط اور سعد بن منات جیسے قبائل کی زمام اقتدار سنبھالی۔ معدیکرب بنو قیس اور کنانہ کا حاکم ہوا۔ پھر حکومت کے سلسلے میں یہ سب قبائل آپس میں جھگڑنے لگے۔ چنانچہ جب پہلی جنگ کلاب ہوئی تو اس میں تقریباً سبھی عرب قبائل نے حصہ لیا تھا۔ اس میں شرجیل مارا گیا۔ اس جنگ میں قبائلی اتحاد بری طرح سے متاثر ہوا۔ کئی قبیلوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ حجر کافی عرصے تک بنو اسد کا حاکم رہا مگر بعد ازاں بنو اسد نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے قتل کر دیا۔ اسی کا بیٹا مشہور شاعر امراء القیس تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا "ھو اَشعَرُ

Marfat.com

الشعراء وَقائدھم الی النّار "یعنی وہ تمام شاعروں کا شاعر ہے اور ان سب کو جہنّم کی طرف لئے جا رہا ہے۔"

باپ کے قتل کے بعد حکومت امراء القیس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور در بدر کی آوارہ گردی اس کا مقدّر بن گئی۔ اس لئے اسے "الملک الضّلیل" یعنی گمراہ شہزادے کے نام سے جانا جاتا ہے۔ امراء القیس کافی عرصے تک کوشش کرتا رہا کہ اسے بادشاہت مل جائے یا وراثت میں سے ہی کچھ حصہ مل جائے' لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ گزشتہ صفحات میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ شاہ روم جسٹینین (Justinian) سے مدد لینے کے لئے قسطنطنیہ اس کے دربار میں بھی حاضر ہوا تھا۔ لیکن اسے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ الناشاہ کے اشارے پر انقرہ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بادشاہ نے اسے ایک ایسا جُبّہ عطا کیا تھا جو زہر آلودہ تھا۔ اسے پہننے سے امراء القیس کے جسم پر چھالے پڑ گئے اور وہ نہایت تکلیف دہ موت مرا۔ اسی لئے اسے ذوالقروح بھی کہتے ہیں۔ اپنے اس شعر میں وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وَبدّلت قرحاً رامیاً بعد صحته

لعلّ منایا ناتحولن ابوساً

امراء القیس کا زمانہ جناب رسالتمآب ﷺ سے تقریباً چالیس برس پہلے کا ہے۔ کندہ قبیلہ نے کئی ایسی شخصیات کو جنم دیا جو تاریخ میں بہت مشہور ہوئیں۔ اس قبیلہ کا قیس بن معدیکرب ظہور اسلام کے وقت ایک نامور شخص تھا جس کی تصدیق شاعر الاعشٰی بھی کرتا ہے۔ اس کا بیٹا الاشعث مسلمان ہوا۔ لیکن بعد میں مرتد ہو گیا۔ بنو امیہ کے دور میں کئی کندیوں کو بڑے اہم مناصب ملے تھے (۱۴)۔ کہتے ہیں کہ خراسان کا نقاب پوش پیغمبر المقنع بھی کندی تھا۔ لیکن پروفیسر ہٹی اسے کندی نہیں بلکہ ایرانی تسلیم کرتا ہے (۱۵)۔ یعقوب ابن اسحٰق الکندی (۸۰۱ء تا ۸۷۳) مسلمانوں کا پہلا فلسفی تھا جس نے مذہب اور فلسفے میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی

Marfat.com

تھی۔اس کا ہزار سالہ جشن ۱۹۶۲ء میں بغداد میں منایا گیا ہے۔

آل غسان، آل لخم اور کندۃ الملوک میں ایک خصوصیت مشترک نظر آتی ہے۔یعنی یہ سب اپنے سے قوی تر حکومت کے زیر سایہ پھلے پھولے۔آل غسان کے سر پر بازنطینی حکومت کا سایہ تھا تو حیرہ کی پشت پر ایرانی تھے۔اسی طرح وسطی عرب کے قبائل جب ایک حکمران کے تحت متحد اور منظم ہوئے تو انہیں یمن کے آخری تبابع کی تائید و نصرت حاصل تھی۔

کندۃ الملوک کی حکومت میں ہمیں جزیرۃ العرب کے اندر قبائلی تنظیم اور وحدت کا ابتدائی رجحان نظر آتا ہے۔اسی قبائلی وحدت کی وجہ سے کندی ایک طاقتور سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر رہے تھے، مگر جلد ہی جنگ کلاب نے ان کے قبائلی اتحاد کی دھجیاں بکھیر دیں۔

Marfat.com

پانچواں باب

قدیم عرب بدویّت اور مدنیّت

علّامہ ابنِ خلدون وہ پہلے مفکّر ہیں جنہوں نے قوموں کے طبائع اور عادات و خصائل کی توجیہہ و تشریح ان کے جغرافیائی حالات اور موسمی کوائف کے حوالے سے کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اعلیٰ درجے کا تمدّن انہی علاقوں میں فروغ پذیر ہو سکتا ہے جہاں موسم متعدل اور متوازن ہو۔ سخت گرم اور خشک موسم یا انتہائی سرد موسم میں تمدّن پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اس قاعدۂ کلیہ کا اطلاق جب وہ سرزمینِ حجاز پر کرتے ہیں تو یہاں کے انتہائی گرم اور خشک موسم کے باوجود اسلام کے اعلیٰ تمدّن کا ارتقاء ایک سوالیہ نشان بن کر ان کے سامنے ابھر آتا ہے۔ مگر وہ یہ کہہ کر خود کو مطمئن کر لیتے ہیں کہ بحرِ احمر کا ساحل قریب ہونے کی وجہ سے تہامہ کے علاقے کی آب و ہوا اتنی زیادہ خشک نہیں رہتی (۱)۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس توجیہہ سے نہ وہ خود مطمئن ہوئے تھے اور نہ ہی ان کا قاری ہو سکتا ہے۔ ابن خلدون کے اس نظریہ سے انکار بھی ممکن نہیں کہ تمدن کے فروغ کے لئے سازگار موسمی حالات اور مناسب جغرافیائی کوائف کا ہونا بہت ضروری ہے۔ حجاز کی سرزمین اور بالخصوص مکّہ کا "غیر ذی ذرع" علاقہ تو اتنا بنجر اور خشک تھا کہ یہاں کسی بڑی تہذیب و ثقافت کے سوتوں کا پھوٹنا بعید از امکان تھا۔ تو پھر یہ کیسے ہوا کہ یہاں سے ایک عظیم الشان ثقافتی اور تمدّنی روایت کا آغاز ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے چہار دانگِ عالم پر چھا گئی؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ سرزمینِ عرب پر بدویت اور مدنیت نے کیا کیا صورتیں اختیار کیں۔

(ا)بدو: قدیم ترین زمانے میں جب آل سام جزیرۃ العرب میں آ کر آباد ہوئی ہوگی تو اس کی ابتدائی بود و باش خالصتاً بدویانہ ہوگی۔ **بدوی یا بداوی کا مطلب ہے بادیہ یا صحرا کا رہنے** والا۔ صحرا کی بود و باش دیہات اور جنگل کی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ جنگل کی زندگی میں حصولِ خوراک کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح زرعی اور قابل کاشت علاقوں میں حصول خوراک کے لئے فصلیں اگائی جاتی ہیں اور مویشی پالے جاتے ہیں۔ لیکن بادیہ یا صحرا میں میلوں تک پانی اور خوراک کے آثار نظر نہیں آتے۔ چلچلاتی دھوپ اور بے آب و گیاہ دشت کی وسعتیں حیوانی اور انسانی زندگی کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔ لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے برف زاروں میں مخلوقات کو روزی پہنچانے کا سامان کیا ہے اسی طرح ہلاکت خیز ریگ زاروں میں بھی زندگی اور اس کی افزائش کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ جزیرۃ العرب کے اردگرد سمندر موجود ہیں' تاہم ان ذخائرِ آب کی موجودگی عرب کے انتہائی گرم خشک موسم پر دوررس اثرات مترتب نہیں کرتی۔ البتہ صحرا میں کئی جگہ پانی کے کنوئیں اور چشمے مل جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہاں نخلستان بن جاتے ہیں۔ اتفاقیہ بارشوں سے گڑھوں میں پانی بھر جاتا ہے اور نشیبی علاقوں میں گھاس پھوس اور دیگر نباتات اگ آتی ہیں، جن سے اونٹوں اور دیگر جانوروں کو چارہ مل جاتا ہے۔ قدیم عرب مناسب جگہوں پر مصنوعی گڑھے بھی بنا دیا کرتے تھے۔ تاکہ بارش کا پانی ان میں جمع ہو جائے۔ ان گڑھوں کو وہ جھاڑیوں اور مٹی وغیرہ سے ڈھانپ دیا کرتے تھے تاکہ پانی خراب نہ ہو اور کسی دوسرے کو اس کا پتہ بھی نہ چل سکے۔ اتفاقیہ بارشوں کی وجہ سے چراگاہوں کا محل وقوع بدلتا رہتا تھا۔ اسی مناسبت سے بدوی بھی حرکت کرتے رہتے تھے۔ ایک جگہ اگر پانی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا اور چراگاہیں خشک ہو جاتیں' تو وہ کسی ایسی جگہ جہاں پانی اور چارہ میسر ہوتا' ہجرت کر جاتے۔ اس طرح بدویت کے لئے جہاں بادیہ کی بود و باش ضروری ہے' وہاں نقل

Marfat.com

مکانی ہجرت اور خانہ بدوشی بھی اس کے تصور میں شامل ہے۔ بدوی صحرا کی ہولناک اور ہلاکت خیز پہنائیوں میں حصول رزق کے راز سے واقف ہو جاتا ہے جس کی بدولت نہ صرف یہ کہ وہ خود زندہ رہتا ہے بلکہ اپنی نسل کی افزائش بھی کرتا ہے اور کئی اعتبار سے اس کی زندگی شہر کے باسیوں سے بہتر ہوتی ہے۔

(۲) **کھجور اور اونٹ**: قدیم زمانے میں دو ہی محور تھے جن پر عرب کی بدوی زندگی گھومتی تھی۔ یہ تھے کھجور اور اونٹ۔ صحرا میں کھجور اور اونٹ کی بدولت ہی بدوی کو قوتِ لایموت حاصل تھی۔ دوسرے باب (پیداوار اور نباتیہ و حیوانیہ) میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ بدوی اپنی مختلف ضروریات زندگی کس طرح کھجور اور اونٹ سے پوری کرتا تھا۔ کھجور نہ صرف اس کی غذائی ضروریات پوری کرتی بلکہ وہ اس کی لکڑی اور پتّوں وغیرہ سے متعدد اشیائے استعمال تیار کرتا تھا۔ اسی طرح اونٹ کے بالوں سے رہنے کے لئے خیمہ تیار کرتا اور اس کے دودھ پر کئی دنوں تک گزر بسر کر لیتا۔ اس کے گوشت سے ٹھوس غذا حاصل کرتا۔

اونٹ ایک دفعہ سیر ہو کر پانی پی لے تو کئی دن تک اسے پانی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح وہ کئی دنوں تک بغیر کوئی شے کھائے محض اپنی کوہان کی چربی سے ہی رزق کشید کرتا رہتا ہے۔ اپنی اس صلاحیت کی بنا پر وہ صحرا میں انسان کا بہترین ساتھی ہے۔ اس کو کھانے کے لئے تھوڑے سے خار مغیلاں مل جائیں اور پینے کے لئے تھوڑا سا پانی' تو اس سے وہ باآسانی کئی دن گزار لیتا ہے۔ ۱۱۰۰ ق م کے لگ بھگ اونٹ کو عرب باشندوں نے استعمال میں لانا شروع کیا' اور تب سے ہی بدوی زندگی صحرا کے ساتھ مکمل طور پر مطابقت پذیر ہو گئی۔

اونٹ کے ساتھ گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے بدوی کی جسمانی اور نفسیاتی خصوصیات بھی اس جیسی ہو گئیں۔ اونٹ میں صبر کا مادّہ حد سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح بدوی بھی صابر و شاکر رہتا ہے۔ صحرائی زندگی کی صعوبتیں بغیر شکوہ و شکایت کے سہنا' بھوک پیاس کی اذیت

Marfat.com

مستقل مزاجی سے برداشت کرنا اور چراگاہوں اور نخلستانوں کی تلاش میں مسلسل سرگرداں رہنا' بدوی اور اونٹ کا مشترکہ خاصہ ہے۔ اونٹ کی بھوک جب حد برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اور اسے کھانے کو کچھ نہیں ملتا تو وہ اپنی ہی پشت سے بال نوچ نوچ کر چباتا رہتا ہے۔ بدوی کی بھوک جب حد سے سوا ہو جاتی ہے تو وہ اپنے لبادے کے نیچے پیٹ پر پتھر رکھ کر پٹکے سے کس دیتا ہے تاکہ بھوک کا احساس کم ہو جائے۔ اونٹ اور بدوی دونوں میں ایک مخصوص حس مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے جس سے وہ صحرا کے خطرات کو قبل از وقت بھانپ لیتے ہیں اور بھٹک جانے کی صورت میں صحیح سمت کا ادراک کر لیتے ہیں۔ چنانچہ صحرا سے گزرنے والا کوئی بھی قافلہ ان کی راہنمائی اور تعاون کے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بدوی اور اونٹ میں ذہنی ہم آہنگی اس وقت عروج پر نظر آتی ہے جب ہدی خواں کی لے پر اونٹ لہک لہک منزل کی جانب بھاگتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ عرب وہیں پھلتا پھولتا ہے' جہاں اونٹ پھلتا پھولتا ہے۔ بدوی اونٹ کے ساتھ اپنے تعلق کو فخر سے بیان کرتے ہیں اور خود کو "اہل الوبر" یعنی "اونٹوں والے" کہتے ہیں اور شہروں کے ساکنان کو "اہل المدر" یعنی "مکانوں والے" کہتے ہیں اور انہیں خود سے کمتر جانتے ہیں۔

(۳) صحرائی طرز زندگی اور قبائلی عصبیت: اہل الوبر یا بدویوں کا مسلسل نقل مکانی کرتے رہنا کسی طرح بھی یورپ کے جپسیوں کی بے مقصد آوارہ گردی کے مماثل نہیں۔ بدویوں کی خانہ بدوشی آوارہ گردی کے ذیل میں نہیں آتی۔ وہ یونہی منہ اٹھائے صحرا میں مارے مارے نہیں پھرتے' بلکہ تلاش رزق کے سلسلے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتے ہیں۔ اس نقلِ مکانی میں وہ اپنی عقل اور ذہانت کا پورا استعمال کرتے ہیں اور ماضی کے تجربات و مشاہدات سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ہٹی بدوی زندگی کے بارے میں لکھتا ہے۔

Marfat.com

"نفود (کے صحرا) میں خانہ بدوشی اتنی ہی سائنسی طرز زندگی ہے جتنی کہ ڈیٹرائٹ یا مانچسٹر میں صنعتی طرز زندگی!" (۳)

کٹھن اور پرصعوبت صحرائی زندگی کے باعث بدویوں کا مزاج بالعموم درشت اور اکھڑ ہو جاتا ہے۔ صحرا جہاں ان کے لئے قدم قدم پر آزمائشیں رکھتا ہے۔ وہاں انہیں آزادی کے بے پایاں احساس سے بھی نوازتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم بدوی حد درجہ خود پسند بن گئے تھے اور کسی کے آگے گردن جھکانے سے گردن کٹوانا بہتر سمجھتے تھے۔ خارجی حملہ آوروں سے ہراساں نہیں رہتے تھے۔ بڑی سے بڑی فوج صحرا میں داخل ہو کر انہیں مغلوب نہ کر سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بدویوں کے اردگرد بڑی بڑی سلطنتیں بنتی اور مٹتی رہیں۔ لیکن وہ ایک ہی طرز پر زندگی بسر کرتے رہے۔ آزادی پسند تو وہ تھے ہی' اس کے ساتھ ساتھ وہ جدل پسند بھی ہو گئے۔ چشموں' چراگاہوں اور نخلستانوں پر قبضے کے سلسلے میں مختلف قبائل آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ کمزور قبیلہ ہمیشہ خسارے میں رہتا۔ چنانچہ ہر قبیلہ اپنی افرادی قوت بڑھانے کی کوشش کرتا۔ تعددِ ازدواج کی بنیادی وجہ یہی تھی۔ جنگ و جدل میں لوگ قتل ہوتے رہتے تھے اور افرادی قوت میں کمی ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ بدوی جس شدّ و مدّ سے اپنے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی افزائش کرتے' اسی تندہی سے اپنے قبیلے کی افزائش میں مصروف رہتے۔ فرد اپنے گروہ سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ ہندوستان کا رِشی مُنی یا کسی زرخیز علاقے کا راہب ترکِ دنیا کر کے گوشہ نشیں ہو سکتا تھا' لیکن صحرائے عرب کا بدوی اپنے قبیلے کو چھوڑ کر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اپنے قبیلے سے اندھی وابستگی انفرادی بقا کا اصول بن گئی۔ اس وابستگی کو "عصبیہ" کا نام دیا گیا جو کہ قبیلے کی روحِ رواں تھی۔ قبیلہ اچھا کرے یا برا' سیاہ کرے یا سفید' تمام افراد اس کی حمایت کرتے تھے۔ اگر قبیلے کے کسی فرد کے ساتھ کسی دوسرے قبیلے کا کوئی فرد زیادتی کرتا تو پورا قبیلہ اس کا انتقام لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت

کے بدلے دانت کا قدیم اصول ان کا ایمان تھا۔ اسی طرح انتقام در انتقام کا سلسلہ نسلوں تک جاری رہتا تھا۔ شخصی انتقام یا نخلستانوں اور چراگاہوں پر قابض ہونے والے جھگڑے جن خوفناک بین القبائلی جنگوں کو جنم دیتے' انہیں "ایامُ العرب" کہا جاتا تھا۔ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان ایسی ہی جنگ ہوئی تھی جسے "حرب البسوس" کہا جاتا ہے۔

عصبیّت ایک فطری اصول ہے جس کے تحت فرد قبیلے سے منسلک رہتا ہے اور مختلف قسم کے خطروں سے محفوظ رہتا ہے یہ وہی اصول ہے جس کے تحت چیونٹیاں' پرندے اور دیگر غول پسند (Gregarious) جانور جُھنڈ یا جتھّے کی صورت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بدوی معاشرے کی عصبیّت کو واضح کرنے کے لئے جدید دور کے جذبہ حبُّ الوطنی (Patriotism) کی مثال دی جا سکتی ہے جس کے لئے لوگ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ عصبیت فرد کو انفرادی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ لیکن اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ یہ ہر دوسرے قبیلے کو دشمن اور حقیر قرار دیتی ہے۔ چنانچہ عرب کے مختلف قبیلوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کی آگ مستقلاً سلگتی رہتی اور کبھی کبھی اس کے شعلے بھڑک اٹھتے اور زبردست تباہی و بربادی کا سبب بنتے۔ اگرچہ چھوٹے اور کمزور قبائل بڑے اور طاقتور قبیلوں میں ضم ہو جاتے یا ان کے زیر سایہ آ جاتے' تاہم قبل اسلام دور میں کبھی بھی بین القبائلی اتحاد قائم نہ ہو سکا۔ انتشار و افتراق کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایک قبیلہ جب پھیل جاتا تو اس کی ذیلی شاخیں چراگاہوں کی تلاش میں ادھر اُدھر بکھر جاتیں۔ یہ ممکن نہ ہوتا کہ ایک ہی چراگاہ سے کسی بڑے قبیلے کی ضروریات پوری ہو سکیں اسی وجہ سے عرب میں کوئی بڑا سیاسی اتحاد قائم نہ ہو سکا۔ آلِ کندہ میں بین القبائلی اتحاد کی اولین کوشش نظر آتی ہے' تاہم یہ بھی جلد ہی ناکام ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ شاید یہ آپس میں ٹکراتے اور لڑتے جھگڑتے ہمیشہ کے لئے ختم ہو

Marfat.com

جاتے اور عرب البائدہ کی مثال بن جاتے' لیکن اسلام نے انہیں ایک وسیع تر اور مضبوط تر سیاسی و سماجی وحدت میں سمو دیا۔ اس سلسلے میں اسلام نے صرف یہ کیا کہ ان کی وابستگی کو قبیلے سے ہٹا کر خدائے واحد و لایزال سے مشروط کر دیا۔ ان کی قبائلی عصبیت' اسلامی امت میں بدل گئی۔ یہ ایک عظیم روحانی و اخلاقی انقلاب تھا جس کی نظیر نہیں ملتی۔[1]

(۴) غزوہ: بدیوں کی صحرائی معیشت میں لوٹ مار اور راہزنی کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ شروع شروع میں وہ ہر طرح کی جنگ اونٹوں پر لڑا کرتے تھے۔ لیکن جب گھوڑا ان کے زیر استعمال آیا تو ان کی یلغار کا دائرہ وسیع تر اور موثر تر ہو گیا۔ اب وہ لمبے فاصلے اونٹوں پر طے کیا کرتے تھے اور سرعت اور شدت سے حملے کے لئے گھوڑے استعمال کیا کرتے تھے۔ صحرا سے گزرنے والے تجارتی قافلوں کو لوٹنا اور صحرا کی سرحدوں پر واقع شہروں اور قصبوں پر تاخت کرنا بدویوں کا مشغلہ تھا اور اسے وہ "غزوہ" (۴) کا نام دیتے تھے۔ غزوہ ان کے نزدیک ایک قومی کھیل تھا۔ اس کا اصل مقصد قتل و غارت نہیں بلکہ لوٹ مار اور قزاقی تھا۔ ایسی مہمات میں بدوی صرف اسی صورت میں خون بہاتے تھے جبکہ ایسا کرنا ناگزیر ہو جاتا تھا۔ شاید وہ تاجروں کی جاں بخشی اس لئے کرتے تھے کہ وہ دوبارہ بھی ان کے لئے مال و دولت لے کر آئیں۔ لوٹ مار اور راہزنی کے ان معرکوں کو وہ مردانگی اور بہادری کا اظہار سمجھتے تھے۔ جن تجارتی قافلوں کو وہ لوٹتے نہیں تھے' ان سے وہ ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اس طرح ان کی صحرائی معیشت میں راہزنی کے منفی پہلو کے ساتھ ساتھ ٹیکس لے کر صحرا پار کرانے کا مثبت پہلو بھی شامل تھا۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ وہ دونوں کو یکساں طور پر مثبت اور جائز سمجھتے تھے۔ راہزنی اور لوٹ مار کی وارداتوں میں قبیلے کے نوجوانوں کی بہادری اور جرأت کا امتحان ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بدوی قبائل میں رزمیہ شاعری اور قصائد بہت مقبول تھے۔ شاعر جب مزے لے لے کر اپنے قبیلے کے کارنامے بیان کرتا اور اپنے بہادر جنگ بازوں کی تعریفوں کے پُل باندھتا تو سامعین اسے بہت پسند

Marfat.com

کرتے۔

صحرائے عرب کے بدوی اگرچہ شہری ثقافت سے دور زندگی بسر کرتے تھے' تاہم انہیں نہ صرف عرب کی متمدّن ریاستوں کے ثقافتی حاصلات کا پورا علم تھا' بلکہ دیگر ملکوں کے تمدّنی ارتقاء سے بھی آگاہ تھے۔ ان کی بادیہ نشینی اور خانہ بدوشی سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مطلقاً وحشی اور جاہل تھے' درست نہیں۔ متمدّن زندگی کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اندر کافی حد تک توحّش' بدکرداری اور بداطواری پائی جاتی تھی۔ لیکن تہذیب وتمدن کے نشیب وفراز سے وہ خوب واقف تھے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ان میں اعلیٰ درجے کا ادبی ذوق پایا جاتا تھا۔ شعرفہمی اور شعرگوئی میں بعض بدوی شہر کے لوگوں کو مات کردیتے تھے۔ (۵)

جزیرۃ العرب کی سرحدی پٹی پر اکثر جگہیں قابلِ کاشت تھیں اور موسم بہتر ہونے کی وجہ سے یہاں عظیم الشّان تمدّن بھی فروغ پذیر ہو چکے تھے۔ ہلالِ زرخیز کی وادی اور حیرہ کا علاقہ ایرانی ثقافت وتمدن سے متمتّع ہو چکا تھا۔ شام میں رقیم اور تدمر وغیرہ جیسے شہر اپنے اپنے دور میں مراکزِ تمدّن بنے رہے۔ عمان' حضرموت اور یمن میں بھی بڑی بڑی متمدّن حکومتیں قائم ہوئی تھیں۔ جزیرۃ العرب کے گرد جو بڑے بڑے متمدن ممالک تھے مثلاً ہندوستان' ایران' چین' حبشہ وغیرہ ان کا تجارتی مال سمندر کے راستے سے عرب پہنچتا اور وہاں سے مغربی سرحد کے ساتھ یمن' طائف اور حجاز سے ہوتا ہوا مدین اور وہاں سے شام اور مصر پہنچ جاتا۔ پھر وہاں سے اس کی ترسیل مغربی ممالک کو بھی ہوتی۔ اس طرح غور کرنے پر پتہ چلے گا کہ دنیا بھر کے تہذیبی و تمدنی عوامل عرب کی تنگ ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ حرکت پذیر رہتے تھے۔ درمیان میں صحرائے عرب تھا جو کہ بدویوں کا مسکن تھا۔ بعض تجارتی قافلوں کو صحرا کے بے نشاں راستوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ بدوی یا تو ان قافلوں کو لوٹ لیتے تھے یا پھر ٹیکس لے کر انہیں صحرا پار کراتے تھے۔

Marfat.com

(۵) تجارتی میلے: مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے اختلاط کے دو بڑے ذرائع ہیں جنگ اور تجارت۔ جنگ کے نتیجے میں مفتوح قوم نفسیاتی طور پر فاتحین سے متاثر ہو کر ان کے رہن سہن کو اپنا لیتی ہے۔ لیکن فاتح قوم بھی مفتوح قوم کے ثقافتی اور تمدنی اثرات قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ تاجر جب اپنا سامان دوسرے ممالک میں لے جا کر فروخت کرتے ہیں تو اس وقت بھی تہذیبوں اور تمدنوں کی اثر آفرینی اور اثر پذیری کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جزیرۃ العرب کی سرحدی اور ساحلی پٹی پر جہاں بڑے بڑے شہر آباد تھے اور آبادی کا ارتکاز تھا' تجارتی میلے منعقد ہوا کرتے تھے جن میں مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کا بھرپور اظہار ہوتا تھا۔ سید سلمان ندوی ان میلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عرب میں بڑے بڑے بازار تھے' جہاں سال میں ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا اور دور دور سے سوداگر یہاں اسباب لاتے تھے اور فروخت کرتے تھے۔ عرب کے نقشے کو غور سے دیکھو تو نجد کے سوا تمام آبادی عرب کے کنارہ کنارہ دریا (یعنی سمندر) سے متصل ہے۔ یہ میلا شام کے پاس دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عراق کے حدود بحرین اور عمان سے ہوتا ہوا بحر ہند کے مقابل حضرموت و یمن سے گزرتا ہوا حج کا زمانہ مکہ مکرمہ میں گزار کر حجاز سے ہو کر پھر شام میں آ کر ختم ہو جاتا تھا" (۲)

امام مرزوقی نے اپنی کتاب "الازمنہ والامکنہ" میں عرب کے ان تجارتی میلوں کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ سید سلمان ندوی ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"عرب کے ۱۳ مقامات پر بڑے بڑے میلے لگا کرتے تھے'

Marfat.com

دومۃ الجندل' مشقر' صحار' دبا' شحرہ' عدن' صنعاء' حضرموت' عکاظ' ذوالمجاز' منیٰ' خیبر یمامہ۔ سب سے پہلے دومۃ الجندل میں میلہ لگتا تھا۔ دومۃ الجندل شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر ہے۔ یکم ربیع الاول سے ۱۵ تک تو بڑا جمگھٹا رہتا تھا۔ ۱۵ کے بعد سے گھٹنا شروع ہوتا تھا' کلب اور جدیلہ دو قبیلے اس کے پڑوس میں آباد تھے۔ ان میں سے جن کا رئیس قابو پاتا' اس بازار کا حاکم ہو جاتا' عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے اپنے بازار لگاتے تھے۔ رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا اور جب تک اس کا مال نہ بک جاتا' کسی اور کو خرید و فروخت کی اجازت نہ دیتا۔ یہاں خرید و فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ جس کو جو مال پسند آ جاتا' اس پر ایک کنکر ڈال دیتا۔

"دومۃ الجندل سے میلہ اکھڑ کر مشقر و بحرین میں آ کر جمتا تھا۔ جمادی الاول بھر پورے ایک مہینہ رہتا تھا' یہ ایران کے قریب تھا۔ اس لئے یہاں ایران کے تاجر بھی آتے تھے۔ یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری دونوں خاموش رہتے تھے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی تھی۔

"اکیسویں رجب سے صحار (عمان) میں سوداگر جمع ہونے شروع ہو جاتے۔ اگلے بازاروں میں جو لوگ نہیں آ سکے تھے وہ اس میں آتے تھے۔ یہاں خرید و فروخت کا طریقہ یہ تھا' کہ سامان قرینے سے لگا ہوتا' گاہک پتھر پھینکتے جس پر جا پڑتا اٹھا لیتے۔ یہاں سے ہٹ کر رجب کی آخری تاریخ کو عمان کی بندرگاہ دبا میں جہاں ملک ملک کے سوداگر آتے تھے' لوگوں کا میلہ لگتا تھا۔ یہاں ہندوستان' سندھ' چین اور افریقہ سے سوداگر آتے تھے۔ عرب کی چیزیں اور دریا کی چیزیں یہاں بکتی تھیں۔ یہاں سے اٹھ کر سارے سوداگر

Marfat.com

شحر میں جمع ہوتے تھے۔ جو بحر عرب کے ساحل پر حضرت موت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے۔ نصف شعبان سے یہاں میلہ شروع ہوتا تھا' چمڑا' کپڑا اور دیگر عام ضرورت کی چیزیں یہاں بکتی تھیں اور کچھ نباتی دوائیں لوگ یہاں سے خرید کر لے جاتے تھے۔

"شحر سے چل کر عدن میں ان کے ڈیرے لگتے تھے۔ یہاں دریائی (یعنی بحری) سوداگر زیادہ تر جمع ہوتے تھے۔ یکم سے ۲۰ رمضان تک میلہ رہتا تھا۔ جو کچھ بچا کچھا مال رہتا تھا وہ یہاں فروخت ہوتا تھا۔ سلاطین یمن نہایت خوش اسلوبی سے یہاں کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں قسم قسم کے عطر اور خوشبو کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ عربوں کا دعویٰ تھا کہ ان سے سوا دنیا میں خوشبو بنانا کوئی نہیں جانتا۔ براہ دریا (یعنی براہ سمندر) ہندوستان اور سندھ تک اور براہ خشکی ایران اور روم تک یہیں سے یہ چیزیں جاتی تھیں۔

"عدن کے بعد صنعا کے میلہ کا زمانہ آتا تھا' صنعا یمن کا پایہ تخت تھا' یہاں روئی' زعفران اور رنگوں کی تجارت ہوتی تھی۔ کپڑا اور لوہا خرید کر لوگ یہاں سے لے جاتے تھے۔ ۱۵ سے ۲۰ رمضان تک یہاں چہل پہل رہتی تھی' یہاں سے کچھ لوگ لوٹ کر حضرموت چلے جاتے تھے' وہاں بھی میلہ لگتا تھا اور زیادہ تر لوگ عکاظ آتے تھے' عکاظ کا میلہ نجد اور عرفات کے بیچ میں لگتا تھا۔ دونوں مقامات میں ایک ہی وقت میں میلہ شروع ہوتا تھا' یعنی ۱۵ ذیقعد سے۔

"عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا' یہاں قریش ہوازن' غطفان' خزاعہ' حارث ابن عبد مناۃ' عقل' مصطلق وغیرہ جمع ہوتے تھے' شعراء یہاں اپنے قصائد سناتے تھے' خطباء تقریریں کرتے تھے' حکّام اپنے فیصلے

سناتے تھے' شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے تھے' ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر یہ میلہ چھٹ جاتا تھا اور سب لوگ ذوالمجاز کے بازار میں اٹھ آتے تھے اور ۹ تاریخ تک جمتے تھے بعد ازیں حج کر کے لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے۔ پھر نئے سال سے نیا پھیرا شروع ہوتا تھا۔" (۷)

(۶) عربوں کی تجارتی اہمیت: مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ جزیرۃ العرب قدیم زمانے میں تجارتی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ تجارت کی وجہ سے ہی عرب کی عظیم تجارتی شاہراہ دنیا بھر میں مشہور تھی۔ اس کے علاوہ جزیرۃ العرب کے اندر کئی تجارتی راستے پھیلے ہوتے تھے۔ سبا' معین' قتبان اور حضر موت کی ریاستیں تجارت کی وجہ سے ہی بام عروج کو پہنچی تھیں۔ ساحلی پٹی پر چونکہ موسم بھی سازگار تھا اور تجارت کے مواقع بھی زیادہ تھے' اس لئے یہاں بڑے بڑے شہر اور قصبے وجود میں آ گئے۔ عرب کی بیشتر متمدن اور مہذب آبادی اس ساحلی پٹی پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں چونکہ لوگوں کو ایک ہی جگہ سے روزی مل جاتی تھی' اس لئے انہوں نے مستقل سکونت کے لئے پکے مکان تعمیر کر لئے تھے۔ اسی لئے بدوی انہیں "اہل المدر" کہتے تھے۔ آبادی کے پھیلاؤ اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے کئی قسم کی صنعتیں فروغ پذیر ہوئیں۔ پیٹرا' حیرا اور تدمر وغیرہ کی تہذیبیں اگرچہ بنیادی طور پر تجارتی عوامل کے تحت ہی پروان چڑھی تھیں' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی فوجی اور دفاعی حیثیت بھی مستحکم ہو گئی۔ مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تجارتی بازاروں اور میلوں کی صورت میں دراصل دنیا کے بڑے بڑے تمدنوں کے اثرات ایک دائرے کی صورت میں جزیرۃ العرب کے کنارے کنارے گردش کرتے رہتے تھے۔ خود عرب نے بھی اپنے عظیم الشان تمدنی مظاہر پیش کئے تھے۔ سبا' پیٹرا' پالمیرا' حیرہ' عمان وغیرہ کی تہذیبیں ترقی یافتہ ممالک سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ سرزمین عرب پر جتنی بھی تہذیبیں ابھریں کسی نہ کسی وجہ

Marfat.com

سے تباہ و برباد ہو گئیں۔ حتیٰ کہ ان کی محض یادیں ہی باقی رہ گئیں۔ عاد و ثمود اصحاب الایکہ قوم لوط وغیرہ بڑی ہنرمند متمدن اور زور آور قومیں تھیں۔ لیکن یہ سب عذاب الٰہی کا شکار ہو کر فسانہ بن گئیں۔ اسی طرح سبا کی عظیم الشان سلطنت پر سیل عرم کا عذاب نازل ہوا اور وہ قصہ پارینہ بن گئی۔ پیٹرا' حیرہ اور تدمر کی سلطنتیں بھی اپنی شان و شوکت کھو کر تاریخ کے صفحات میں دفن ہو گئیں۔ تاریخ کے انقلابات اور عروج و زوال کے نشیب و فراز سے اگر بچے رہے تو صحرا کے بدوی قبائل' جو اپنے نام و ناموس' حسب نسب اور قبائلی روایات کو سینے سے لگائے ایک ہی حالت میں جی رہے تھے۔

انکی معاشرتی زندگی یکسانیت کا شکار تھی۔ ان کا ماضی حال اور مستقبل ایک ہی حالت کا آئینہ دار تھا۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ ارتقا کی کسی نچلی سطح پر حالت توحش میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تہذیب و تمدن سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ان کے خیموں میں وہ اشیاء موجود ہوتی تھیں جن کا تصور بھی لق و دق میدانوں اور صحراؤں میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صحرا کے قریبی شہروں اور قصبوں پر یہ یلغار کرتے یا کسی قافلے کو لوٹ لیتے اور دیکھتے ہی دیکھتے فرار ہو جاتے۔ بڑے سے بڑا لشکر بھی ان کے تعاقب کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ جب مال غنیمت اکٹھا کر کے پلٹتے تو صحرا مہربان ماں کی طرح انہیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا۔ راہزنی اور لوٹ مار کے علاوہ یہ تجارت بھی کرتے تھے۔ معاوضہ لے کر تجارتی قافلوں کو نہ صرف اونٹ وغیرہ فراہم کرتے بلکہ بحفاظت صحرا بھی پار کرا دیتے۔

(۷) **عربی زبان:** اس زمانے میں اگرچہ بعض علاقوں میں مقامی بولیاں بولی جاتی تھیں' تاہم عربی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی تھی اور پورے ملک میں یہ ابلاغ عامہ کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔ جن شہروں میں غیر ملکی تاجروں کی آمد و رفت رہتی' ان کی زبان میں غیر ملکی الفاظ کی آمیزش ہو جاتی۔ جیسے حضر موت کی زبان میں حبشی زبان کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اسی طرح ہلال

Marfat.com

زرخیز کے علاقے میں فارسی الفاظ کی آمیزش اور بلادِ شام کی عربی میں رومن الفاظ کی آمیزش ہو گئی تھی۔ لہجوں اور بولیوں کے فرق کے باوجود عربی زبان مجموعی طور پر پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ بدوی قبائل میں عربی کی اصل اور خالص صورت قائم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بدویوں میں کچھ عرصے کے لئے لکھنے پڑھنے کا رواج بھی رہا۔ لیکن بعدازاں یہ فن مفقود ہو گیا اور وہ صرف زبانی روایت سے کاروبارِ زندگی چلاتے تھے۔

عرب خود کو دنیا کی فصیح ترین قوم سمجھتے تھے۔ جب کوئی عربی سے ناآشنا غیر ملکی ان کی بات کا جواب نہ دے پاتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور اسے گونگا کہتے۔ جاحظ کہتا ہے کہ مبداء فیض سے کمالِ فن کا نزول تین چیزوں پر ہوا ہے۔ اولاً فرنگیوں کے سر پر (کہ وہ بہت عقلمند ہیں)۔ ثانیاً چینیوں کے ہاتھ پر (کہ وہ اعلیٰ درجے کے دستکار ہوتے ہیں) اور ثالثاً عربوں کی زبان پر (کہ وہ دنیا کے فصیح ترین لوگ ہیں)۔ تجارتی میلوں میں عرب شاعر اپنا کلام سناتے تھے جس میں جنگوں، بہادری کے کارناموں اور عشق و محبت کی داستانوں کو بیان کرتے تھے۔ شاعر ہی وہ شخصیت تھی جو اپنی پوری تاریخ اور فکری و تہذیبی روایت کی امین تھی۔ اس کا کلام بدوی اور شہری یکساں دلچسپی سے سنتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاعر کے پاس پراسرار ساحرانہ قوتیں ہوتی ہیں۔ تجارتی میلوں میں شرکت کرنے اور شاعروں کا کلام سننے کی وجہ سے بدویوں کو بھی ملکی و غیر ملکی حالات کا پتہ چلتا رہتا۔ اس لئے انہیں مطلقاً وحشی اور جاہل سمجھنا درست نہیں۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحراؤں کی پر مشقت زندگی گزارنے اور شہری ضابطوں سے بے نیازی کی وجہ سے ان میں اکھڑ پن اور درشت مزاجی ضروری پیدا ہو گئی تھی۔ قرآن حکیم میں ''اعراب'' کا لفظ انہی بادیہ نشیں بدویوں کے لئے استعمال ہوا۔ (التوبہ ۹۷۔ ۴۹۔ الحجرات: ۱۴) اور ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ عنترہ بن شداد عبسی بدوی تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ شعر سنا ''ولقد ابیت علی الطوی والظلہ + حتی انال بہ کریم المأکل'' تو فرمایا کہ مجھے کسی

Marfat.com

اعرابی کی تعریف سن کر یہ شوق پیدا نہیں ہوا کہ اسے دیکھوں۔ مگر یہ شعر سن کر میرا عنترہ سے ملنے کو جی چاہتا ہے (۹) (وقال ﷺ: ماوصف لی اعرابی قط فاحببت ان أراہ الا عنترہ) نفس المصدر ۱۵۱/۷۔

(۸) بدویوں کے محاسن و معائب: بدویوں کے مزاج میں محاسن و معائب دونوں نمایاں طور پر موجود تھے۔ فرانسیسی مستشرق دیورژے عرب کے بدوؤں کے بارے میں لکھتا ہے:

"ان کے خصائص میں شاید وہ خاصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے جو لوٹنے کے ولولہ اور مہمان نوازی کے جوش سے مل کر پیدا ہوتی ہے۔ غارت گری کا اشتیاق اور اس کے ساتھ فیاض، شدید بے رحمی اور پھر کشادہ دلی، وہ خاصیتیں ہیں جو ان کے اوصاف اضداد کو ہمارے سامنے لاتیں ہیں اور ایک ہی تقریر میں ایک ہی شخص کی نسبت بیس مرتبہ ہم سے آفرین و نفرین کہلاتی ہیں۔ ملک کی کم پیداواری ان کے لئے لوٹ کھسوٹ کا بہانہ بن گئی ہے۔ وہ زرخیز زمینیں جو وافر غلہ اور کافی چارہ پیدا کرتی ہیں، ان کے حصہ میں نہیں آئی ہیں اور قسمت کی اس بے انصافی کی تلافی وہ لوٹ مار سے کرتے ہیں۔ ہر قافلے کو لوٹتے وقت وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی حصہ اس دولت کا ہے جو دنیا کی نعمتیں تقسیم ہوتے ہوئے انہیں ملنا چاہیے تھا۔

"جس مال کو وہ ہتھیار کے زور پر لوٹتے ہیں اسے وہ مال غنیمت سمجھتے ہیں لیکن وہ مردِ کارزار جس کے ہاتھ سے لوٹ کے اشتیاق یا غیرت کے جوش میں شدید سے شدید بے رحمی کے افعال سرزد ہوتے ہیں، جس وقت اپنے خیمہ میں بیٹھتا ہے، تو ایک مہربان میزبان بن جاتا ہے اور اعلیٰ تواضع سے

Marfat.com

پیش آتا ہے۔ جو کوئی مصیبت زدہ اس کی پناہ میں آئے گا جس نے اس کی حمیت پر بھروسہ کیا' تو پھر اس کی مدارات دوستوں کی سی نہیں بلکہ عزیزوں اور قرابت داروں کی طرح مقدّس و محترم ہو جاتی ہے۔ اور میزبان کو اس کی حفاظت خود جان پر کھیل کر بھی واجبات سے ہوتی ہے' اگر چہ اس پر کیوں نہ ثابت ہو جائے کہ جو شخص اس کی پناہ میں بیٹھا ہے' یہ وہ دشمن جانی ہے جس کی تباہی کی وہ سو بار آرزو کر چکا ہے۔ اسے شاید اس میں بھی تامل نہ ہو گا کہ مراسم مہمانداری کو عمدہ طور پر اور کشادہ دلی سے ادا کرنے کے لئے اپنے ہمسایہ کا اونٹ بزور چھین لے یا حُسن تقریر سے مانگ لے۔ سخاوت اور فیاضی وہ خصلت ہے جسے عرب تمام فضائل پر ترجیح دیتے ہیں۔ "(۱۰)

(۹) بدوی اور شہری: یہاں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صحرا کے بدویوں اور شہر کے مستقل باشندوں کے درمیان کوئی واضح خط امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا تھا۔ عربوں کی قدیم تاریخ میں بار بار ایسے مرحلے آتے رہتے تھے جب کہ شہروں اور قصبوں کی مستقل سکونت رکھنے والے یعنی "اہل المدر" خانہ بدوش ہونے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ گزشتہ باب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ جب سدِّ مآرب ٹوٹا تو بہت سے ایسے قبیلے جو کئی نسلوں سے شہری زندگی گزارتے چلے آ رہے تھے' اپنے قدیم ترین طرزِ حیات یعنی "بدویت" کی طرف لوٹ آئے۔ چند اونٹوں اور مختصر ترین ساز و سامان کے ساتھ بادیہ میں بود و باش اختیار کر لینا' ان کے لئے نہایت آسان بات تھی۔ لیکن کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا تھا کہ قحط اور خشک سالی آزاد منش بدوؤں کو بھی شہروں کی طرف لے آتی۔ مجبوری کی بات اور ہے' لیکن بالعموم بدو شہری زندگی سے گریزاں اور نفور تھے۔

بدوؤں یا اہل الوبر نے ہزاروں سالوں سے ایک ہی طریق حیات کو اپنائے رکھا۔

Marfat.com

آزادی کی خاطر انہوں نے شہروں کی پابند اور باضابطہ زندگی کو رد کر دیا تھا۔ صحرا نے ہمیشہ انہیں بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھا۔ حیرہ' پالمیرا اور پیٹرا کی مثالوں کو چھوڑ کر عرب بحیثیت مجموعی آزاد ہی رہے ہیں۔ بلکہ ان ریاستوں میں بھی ایرانیوں اور رومیوں نے ان کی کم و بیش آزاد اور خودمختار حیثیت قائم رکھی تھی۔ محض ان سے بفر اسٹیٹ کا کام لیا جاتا تھا۔ البتہ ۵۲۵ء میں حبشیوں نے حملہ کر کے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد ازیں ایرانیوں نے یمن' حضر موت اور عمان میں اپنے گورنر مقرر کر دیئے جن کی حکومت رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک قائم تھی۔ ابرہہ کے حملے سے آزاد عرب قبائل کو بھی یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے علاقوں پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ مگر مجموعی طور پر عرب کے بیشتر علاقے آزاد اور بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ و مامون رہے۔ یہی وجہ ہے کہ نجد' حجاز' ربع خالی' الدّھنا اور نفود وغیرہ میں عربی زبان خالص رہی اور ان علاقوں میں آلِ سام کی اولین خُو بُو بھی قائم رہی۔ علامہ ابنِ خلدون کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ بدویوں میں بہ نسبت شہریوں کے دعوتِ حق قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی کیونکہ وہ فطرت کے زیادہ قریب تھے۔

تاریخ اس بات کی شہادت فراہم کرتی ہے کہ بدوی خون کو جب بھی مناسب اور سازگار ماحول ملا' اس نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے۔ اسلامی عساکر میں بدوؤں کی اکثریت تھی۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں انہوں نے اسلامی مملکت کے دائرے کو دنیا کے دور دراز علاقوں تک پھیلا دیا۔ بدوی عورت کو جب موقع ملا تو وہ آلِ غسان کی ملکہ زنوبیا کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس کے علاوہ کئی ایسی نامور ہستیاں ہیں جنہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ بدویوں کی خفتہ صلاحیتیں مناسب موقعوں پر خوب پھلتی پھولتی ہیں' مثلاً ایک عرب روم کا بادشاہ (فلپ) بن گیا تھا۔ ہلالِ زرخیز کے علاقے میں حمورابی اور ہارون الرشید جیسی شخصیات ابھریں۔ موجودہ سعودی حکومت نے بدویوں کی اصلاح کے کئی منصوبے بنائے ہیں اور انہیں شہروں میں بسانے کے لئے خصوصی مراعات دی گئی ہیں۔ کئی فرزندانِ صحرا ریاست کے اہم

Marfat.com

مناصب پر بھی فائز ہیں۔ تاہم وہ "ویک اینڈ" گزارنے کے لئے جدید ساز و سامان اور خیمے وغیرہ لے کر اندرون صحرا ایک دو راتیں بسر کرنے کو بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ ایک بدوی شاعر کہتا ہے ۔

لبیت تخفق الارواح فیه

احبّ الیّ من قصر منیف

(وہ خیمہ جس میں ہوائیں سائیں سائیں کرتی ہیں، میرے لئے بلند و بالا محل سے بڑھ کر ہے۔)

Marfat.com

چھٹا باب

جاہلیت کی سماجی، اخلاقی اور مذہبی زندگی

''جاہلیت'' کی اصطلاح اسلامی لٹریچر میں عام طور پر مستعمل ہے۔ یہ مادہ ج ھ ل سے مشتق ہے اور اسم فاعل ''جاہل'' سے صیغۂ نسبت ہے۔ اس سے مراد زمانہ ماقبلِ اسلام ہے جبکہ عرب باشندے سماجی، اخلاقی و مذہبی لحاظ سے انتہائی پست زندگی گزار رہے تھے۔ ''جہل'' بلاشبہ علم کی ضد ہے مگر یہ حلم کی ضد بھی ہے۔ لاعلمی، ناواقفیت کے ساتھ ساتھ درشتی، اکھڑ پن، بداطواری، غیر شائستگی وغیرہ کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے (1)۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ لاعلمی اور ناواقفیت کا حوالہ صرف مذہب و اخلاق کے ساتھ مخصوص ہے۔ قبل اسلام کے عرب بعض علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ فنِ تعمیر، حرب وضرب، سفر وحضر کے تقاضوں اور صحرائی زندگی کے اسرار و رموز سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ اپنی انہی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر انہوں نے مادی اور معاشی طور پر بہت خوشحال ادوار دیکھے تھے۔ لہٰذا جہالت سے مراد دنیوی علم سے ناواقفیت نہیں لی جاسکتی۔ وہ دنیا کے بعض پسماندہ قبائل کی طرح مطلقاً حالتِ توحش میں زندگی بسر نہیں کر رہے تھے بلکہ تمدنی ترقی کے بلند درجے پر فائز تھے جس کا سب سے بڑا ثبوت انکا بین الاقوامی تجارت کا نظام تھا۔ چنانچہ اسلام میں انکے جہل سے مراد انکا کسی الہامی ضابطۂ حیات سے عاری ہونا اور کسی مذہبی و اخلاقی نقطۂ نگاہ سے بے پرواہی ہے جس کی وجہ سے ان میں ہر طرح کے سماجی و روحانی معائب پیدا ہو چکے تھے۔

قرآن حکیم میں چار جگہ پر عربوں کی جاہلیت کا ذکر آیا ہے (2)۔ ایک جگہ ''جاہلیتِ اُولیٰ'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جسکی وجہ سے مسلمان مفسّرین نے ''جاہلیتِ اُخریٰ'' کا بھی

Marfat.com

ایک تصوّر پیش کیا ہے۔ چنانچہ بعض مفسّرین کے نزدیک جاہلیتِ اولیٰ قبل مسیح دور کا حوالہ رکھتی ہے جبکہ جاہلیتِ اُخریٰ کا زمانہ حضرتِ مسیح سے بعثت نبوی ﷺ تک ممتد ہے۔ (3) کچھ مفسّرین کہتے ہیں کہ جاہلیت کا دور نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے سو ڈیڑھ سو سال قبل کا زمانہ ہے۔ (4) واضح رہے کہ جاہلی شاعری کے عروج کا زمانہ بھی اسلام سے سو ڈیڑھ سو سال قبل کا ہے جبکہ عربی زبان اپنی کلاسیکی شکل میں پوری طرح ارتقاء پذیر ہو چکی تھی۔ مزید برآں اسلام سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے کا دور سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر انتہائی زوال کا زمانہ تھا۔ عربوں کی تجارت تباہ ہو چکی تھی۔ رومی سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ سدِّ مآرب کے ٹوٹنے سے سبا کا قصرِ تمدن بھی پہلے ہی زمیں بوس ہو چکا تھا۔ شہروں میں سکونت پذیر قبیلے معاشی بدحالی کی وجہ سے بادیہ نشیں ہونے پر مجبور ہو چکے تھے۔ ادھر یمن پر ایرانیوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا اس صورتِ حال میں عربوں کی اخلاقی پستی اور شرک پسندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

قبیلہ: دیگر معاشروں کی طرح عربوں کی معاشرتی زندگی کی خشتِ اوّل بھی خاندان یا کنبہ (الحی) ہے۔ ایک خیمے میں ایک خاندان مقیم ہوتا تھا، یعنی میاں بیوی اور بچے۔ پھر خاندان بتدریج پھیلتا جاتا اور خیموں کی تعداد بھی بڑھتی جاتی۔ اسطرح قبیلہ وجود میں آتا۔ قبیلہ کے بعد شَعب (جمع شعوب) بنتا۔ جزیرۃ العرب کے باشندے، خواہ وہ اہلُ البدو ہوں یا اہلُ الحضر، بنیادی طور پر قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ بدوات اور حضارت کی انکے نزدیک ثانوی حیثیت تھی۔ سماجی زندگی میں قبیلہ اساسی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اسے انسانی عضویہ کی مثل سمجھتے تھے۔ ایک ہی جدِّ اعلیٰ سے پھوٹنے والے مختلف قبائل باہمد گر عضویاتی وحدت میں مربوط سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیئے قدیم عربوں میں قبیلے کی طبقاتی تقسیم اسطرح تھی: شعب، قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ، فصیلہ۔ شعب یا قبیلہ ایک ہی بات ہے۔ بعض شعب کو ''الحی'' (خاندان) بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ شعب یا قبیلہ انسانی معاشرے کی عمارت میں بنیاد کا کام دیتا ہے۔ بنیاد کے بعد عمارت کی

Marfat.com

ابتدا ہوتی ہے جو کہ عنق اور صدر کی طرح ہے۔ گردن اور سینے کے بعد پیٹ (بطن Clan) آتا ہے۔ پھر ران (فخذ) اور نسبی تقسیم میں آخری درجہ فصیلہ (پنڈلی اور قدم) کا ہے۔ اس بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ قدیم عربوں یا جاہلیتِ اولیٰ میں بھی یہ تقسیم مروّج تھی یا نہیں جاہلیتِ اُخریٰ میں بھی تحریری طور پر اس تقسیم کا سراغ نہیں ملتا، تاہم زبانی روایت سے (تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ) ان طبقاتِ نسب وقبیلہ کا پتہ چلتا ہے۔ (5) عرب اپنے حسب نسب اور خون ونسل کی شرافت ونجابت کے بارے میں جتنے حساس تھے، اتنی شاید دنیا کی کوئی قوم نہ ہو۔ محض زبانی روایت سے وہ اپنا نسب نامہ سام بن نوح بن آدم سے ملا دیتے تھے۔ نسب نامہ کو انہوں تقریباً ایک سائنس کا درجہ دے رکھا تھا۔ خود کو وہ ساری دنیا سے افضل (افخر الامم) کہتے تھے۔

عرب کے قبائل بالعموم اپنے جدِ اعلیٰ کے نام سے پکارے جاتے تھے، جیسے ربیعہ، مضر، اوس، خزرج وغیرہ لیکن کبھی کبھی قبیلہ ماں کی طرف بھی منسوب ہو جاتا تھا جیسے بُجَیلہ، خُثعم وغیرہ۔ کبھی جگہ کے حوالے سے بھی معروف ہو جاتا تھا جیسے غسّان (چشمے کا نام)۔ قبیلے اور افراد کا تعلق اگرچہ خون اور نسب پر مبنی ہوتا تھا، تاہم قبیلے کی نفری بڑھانے اور عددی برتری حاصل کرنے کیلئے بعض اوقات آزاد اشخاص کو بھی قبیلے میں شامل کر لیا جاتا تھا اور انہیں اُلموالی (واحد اُلمولیٰ) کہا جاتا تھا۔ ان میں کبھی کبھار آزاد کردہ غلام بھی شامل کر لیئے جاتے تھے۔ دفاعی یا دیگر مقاصد کیلئے کئی قبائل آپس میں اتحاد یا وفاق بھی کر لیتے تھے۔ ایسے اتحاد کو حِلف یا تحالُف (Confederation) کہا جاتا تھا۔ کمزور قبائل کو خاص طور پر اسکی ضرورت پیش آتی تھی۔ اسلام کے آجانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے ایسے وفاق بنانے کی ممانعت کر دی تھی۔ (لاحِلْفَ فی الْاِسْلَام)۔ چونکہ اسلام نے تمام مسلمانوں کو قبائلی سطح سے اٹھا کر ایک اُمّت کے رشتے میں منسلک کر دیا تھا، لہٰذا قبائلی گروہ بندی کو ختم کر دیا گیا۔ البتہ تحالُف کے تحت

اسلام سے پہلے کیے گئے معاہدے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔

قبیلے کا سردار ''اَلشَّیخ'' کہلاتا تھا اور قبیلے میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب اس شخص کو اپنا سردار چنتے تھے جو عدل پسندی، دانائی، بزرگی اور شرافتِ نسب جیسے اعلیٰ اوصاف کا حامل ہوتا۔ الشیخ مطلق العنان حکمران نہ ہوتا تھا بلکہ اپنے قبیلے کے اہم افراد سے مشاورت کے بعد فیصلے کرتا تھا۔ البتّہ جنگ میں قبیلہ اپنے سرادر کے حکم کی تعمیل غیر مشروط طور پر کرتا تھا۔ عام حالات میں سردار اپنی ذاتی حیثیت میں بہت کم فیصلے کرتا تھا۔ اسکے کوئی مخصوص حقوق و فرائض بھی نہ ہوتے تھے۔ بنیادی اور حقیقی اہمیت مجموعی طور پر پورے قبیلے کی ہوتی تھی۔ اس لیئے عرب شیوخ خود کو ملوک نہیں کہلاتے تھے (باالاستثنا کِندۃُ الملوک)۔ اسی وجہ سے عرب قبائل طبعاً جمہوریت پسند تھے اور ان میں طبقاتی امتیاز بھی نہ تھا۔ قبیلے کا ایک عام فرد اپنے شیخ کے ساتھ ایک چٹائی پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتا تھا اور ایک ہی سطح پر گفت و شنید کر سکتا تھا۔ عرب کے قدیم باشندے جس پُر صعوبت اور پُر مشقت زندگی کے عادی تھے، اس میں طبقاتی تفریق و تخصیص کا پیدا ہونا امرِ محال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے قبائلی نظام میں ویسی طبقاتی تمیز نہیں پائی جاتی جیسی ہندوستان جیسے زرعی ملک میں جاگیردار اور مزارع کے مابین ہے۔

مَرْدُوْدَہ: عرب میں پیداوار اتنی قلیل اور پانی اتنا کمیاب تھا کہ عرب قبائل اپنے نخلستانوں اور ذخائرِ آب کی حفاظت کے لیئے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ زہیر ابن ابی سُلمیٰ کہتا ہے:

وَمَن لَا یَذُدْ عَنْ حَوضِہٖ بِسَلَاحِہٖ
یُھَدَّم، وَمَن لَّا یَظلِمَ النَّاسَ یُظلَم

یعنی جو بزورِ اسلحہ اپنے حوض سے دوسروں کے اونٹوں کو پانی پینے سے نہیں روکتا اسکا حوض منہدم ہو جاتا ہے اور جو لوگوں پر (اپنے حقوق کے بچاؤ کیلئے) ظلم (یعنی سختی) نہیں کرتا، اس پر ظلم کیا جاتا ہے۔ یہ شعر عربوں کی اساسی نفسیات کا غماز ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان

Marfat.com

کی جھگڑالو فطرت اور جدل پسندی کی اصل وجہ اپنے وسائل حیات کی حفاظت کرنا ہے۔ اسی وجہ سے قدیم عربوں میں قبائلی عصبیت نے ''مُرُوءَۃ'' یعنی جوانمردی اور شجاعت کے جاہلی تصور کو فروغ دیا۔ عرب قبائل اپنے بزرگوں اور بہادروں کے کارناموں کو بڑے جوش وخروش سے بیان کرتے تھے، اسی طرح اپنے حسب نسب پر بھی بہت غرور کرتے تھے۔ اس رجحان کو اصطلاح میں ''مفاخرہ'' کہا جاتا تھا جس کا اظہار جاہلی قصائد (Odes) میں بکثرت ملتا ہے۔ ایک دفعہ عکاظ کے میلے پر کنانہ قبیلے کے ایک شخص بدر بن معشر نے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ عرب کا سب سے بہادر آدمی ہے۔ اس پر ہوازن کے لوگوں کو غصہ آ گیا اور دونوں قبیلوں میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور کافی مدت تک کشت وخون کا بازار گرم رہا (6)۔

مہمان نوازی: مہمان نوازی عربوں کا خاص وصف تھا، لیکن جاہلیت نے اسکی صورت بھی بگاڑ دی تھی۔ جاہلانہ ذہنیت کے تحت عرب قبائل مہمان نوازی میں غلو اور بے جا مسابقت کا اظہار کرتے تھے۔ مہمانوں کی آؤ بھگت میں اپنے قیمتی اونٹ ذبح کرنا اور دوسروں کو چڑانے کیلئے میزبانی کے تکلفات میں حد سے گزر جانا، ان کیلئے بڑے فخر کی بات تھی۔ اسے وہ ''تناجد'' یا ''مناجدہ'' کہتے تھے۔ اسلامی تعلیمات میں اگرچہ ایسے رجحانات کی مذمت کی گئی، تاہم تناجد کی رسم عربوں میں دیر تک قائم رہی۔

جاہلی شاعری و دیگر تحریری وزبانی روایات سے قدیم عربوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ اہل البدو اور اہل الحضر، دونوں کا طرزِ معاشرت تقریباً یکساں تھا۔ شہروں کے لوگ تجارت اور کاشتکاری کو پسند کرتے تھے۔ بادیہ کے رہنے والوں کی معیشت کا دارومدار گلہ بانی پر تھا۔ جو بھیڑیئے کا شکار کر لیتا، اسے بہت بہادر آدمی سمجھا جاتا۔ ان کی بیش بہا دولت اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری اور لونڈی غلام تھے۔ مہمان نوازی، ہمسایہ کی خبر گیری اور محتاجوں کی

دستگیری اور امانت داری کو بڑے مستحسن فضائل سمجھا جاتا تھا۔ صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو کا استعمال کرنا نفیس ذوق کی دلالت کرتا تھا۔ چمڑے کی جوتی پہننا امارت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ مٹھی بھر ریت سونگھ کر صحرا کے طول وعرض کا اندازہ لگا لینا معمولی بات تھی۔ گھوڑے کی سواری بچپن سے ہی سیکھی جاتی۔ جو بالغ مرد گھوڑ سواری سیکھتا نظر آتا، اسکا مضحکہ اڑایا جاتا۔ ان تمام فضائل کا تکملہ تھا فصاحت و بلاغت۔ جو اس فن میں طاق ہوتا اس کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ عرب کے مختلف شہروں میں اسواق (میلے) منعقد ہوتے تھے جہاں خطیب اور شاعر اپنے فن کے جوہر دکھاتے اور داد پاتے۔

جدل پسندی:

اسلام سے پہلے عربوں کے اچھے اوصاف بھی جہالت کی وجہ سے افراط وتفریط کا شکار ہو گئے تھے۔ اسپر مستزاد وہ رذائل تھے جنکے زہریلے اثرات انکے معاشرے کے اندر دور تک سرایت کر گئے تھے۔ انکی سب سے بڑی برائی انکی جھگڑالو فطرت تھی۔ صحرائی زندگی میں جُہد للبقا کے تقاضے پورے کرتے کرتے وہ اس حد تک جدل پسند بن گئے تھے کہ بات بات پر مرنے مارنے پر اتر آتے تھے۔ انفرادی عداوتوں کی آگ پھیلتی تو قبیلوں کے قبیلے انکی لپیٹ میں آجاتے۔ بعض حالات میں جنگ و جدل کا سلسلہ کئی نسلوں تک دراز ہو جاتا۔ ''اَیامُ العرب'' ایسی ہی جنگوں کو کہا جاتا تھا اور انہی کی وجہ سے عرب معاشرے میں سیاسی و سماجی مرکزیت پیدا نہ ہو سکی۔

قدیم اصول ''اَلسِّنُّ بِالسِّن ،والعَیْنُ بِالعَیْن'' کی پیروی میں خون کا بدلہ خون افضل اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ انکا عقیدہ تھا کہ اگر مقتول کا بدلہ قتل کر کے نہ لیا جائے تو مرنے والے کے سر سے ایک چھوٹا سا پروں والا کیڑا نکل کر آسمان کی طرف اڑ جاتا ہے اور انتقام کیلئے چیختا رہتا ہے۔ اس عجیب کیڑے کو وہ ''ہامہ'' کہتے تھے۔ فرزدق کہتا ہے:

Marfat.com

وَنَحْنُ ضَرَبنَا هامَتَه ابنِ خَوَيلد
نَزِيدُ علىٰ اُمّ الفِرَاخِ الجَرائِمِ

{اور ہم نے یزید بن خویلد کی کھوپڑی پر ضرب لگائی جس سے کوئی پرند نہیں اڑا (اسکا انتقام نہیں لیا گیا)} دِیَت سے گریز کی یہی وجہ تھی۔ جو شخص انتقامی خونریزی کی بجائے دِیَت قبول کر لیتا اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

موت کے بارے میں روّیہ: کسی مردے کو دفن کرتے تو اسکے اونٹ کو اسکی قبر کے ساتھ باندھ دیتے اور اسکا دانہ پانی بند کر دیتے تا آنکہ وہ بھوک پیاس سے مر جاتا۔ پھر وہ اسکی لاش کو قبر کے پاس ہی دفن کر دیتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اسطرح صاحبِ قبر جب دوبارہ زندہ ہوگا تو یہ اونٹ اسکی سواری کے کام آئے گا۔ ایسے اونٹ یا اونٹنی کو وہ ''بَلِیّہ'' کہتے تھے۔ لبید کے اس شعر میں ایس ہی اونٹنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

تَاوِی اِلیٰ الاَ طنَابِ کُلُّ رَذِیَّةٍ
مِثلُ البَلِیَّةِ قَالِصٍ اَهدَا مُهَا

(میرے لوگ ایسے غریب پرور ہیں کہ ہر ایک ضعیف مصیبت کا مارا جو اسی اونٹنی کی طرح ہو، جسے اسکے مالک کی قبر پر زندہ باندھ دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کے پاس زندہ دفن کر دیا جاتا ہے، اور اس کے کپڑے چھوٹے ہیں، انکے خیموں کی رسیوں کے پاس پناہ لیتے ہیں)

وہ مردوں کو دفن کرتے تھے لیکن لکڑی کی کمیابی کی وجہ سے مردے کو تابوت کی بجائے کپڑے میں ہی لپیٹ کر قبر میں رکھ دیتے تھے۔ جنازہ جاتے دیکھ کر راستے میں بیٹھے ہوئے لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ انسانی روح کو وہ سانس یا ہوا سمجھتے تھے جو کہ مرنے کے بعد جسم سے خارج ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ روح کو ایک ننھا سا پرندہ سمجھتے تھے جو کہ پیدائش کے وقت انسان کے جسم میں گھس جاتا تھا اور تمام عمر انسان کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ مرنے کے بعد یہ انسان کے جسم سے پرواز کر جاتا اور مردے کی قبر کے گرد منڈلاتا اور چیختا رہتا، تا آنکہ یہ ایک

Marfat.com

بڑے اُلّو کے برابر ہو جاتا۔

وہ عرب جو کسی مذہب یا الہامی عقیدے سے متاثر نہیں تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان مٹی میں مل جاتا ہے اور اسکا دوبارہ اٹھنا ممکن نہیں۔ ایسے ہی بے دین اور دہریے عربوں کے عقیدے کو شاعر یوں بیان کرتا ہے:

أَموت" ثُمَّ بَعث" ثُمَّ حَشر"
حَدِيثُ خُرَا فَةٍ يَا أُمّ عَمرو

(کیا موت ہے۔۔۔۔پھر دوبارہ زندہ ہونا۔۔۔۔۔۔۔پھر اکٹھے ہونا، اے امّ عمرو! یہ سب فضول باتیں ہیں۔)

مرنے والے کا ماتم وہ سال بھر کرتے تھے۔ بیوہ اپنے مرحوم شوہر کا سال بھر سوگ منانے کے بعد اونٹ کی چند خشک مینگنیاں اپنے کندھے پر سے پشت کی جانب اچھال دیتی۔ یہ مرحوم شوہر سے کلیۃً انقطاعِ تعلق کی علامت تھی۔

مرد عورت کا تعلق: اعلیٰ خاندان کے مرد اور عورت باقاعدہ نکاح کے ذریعہ سے میاں بیوی کے رشتہ میں بندھتے۔ عقدِ نکاح میں عورت کے اولیاء کی رضامندی بھی حاصل کی جاتی۔ تاہم بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ دو سگی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں لے سکتے تھے اور بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے شادی کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا تھا۔ ان میں حصولِ اولاد کی غرض سے خاوند کی رضامندی سے عورت کیلئے یہ جائز تھا کہ غیر مرد سے زنا کر کے حمل ٹھہرا لے۔ اس رسم کو وہ ''اِستِبضاع'' کہتے تھے۔ یہ ہندوؤں کی ''نیوگ'' کی رسم کی طرح تھی۔ (7)

طلاق دینے کا حق مرد کے پاس ہوتا تھا۔ طلاق دینے کے بعد عدّت کی معیاد مقرر تھی جسکے دوران کسی کو اس عورت سے عقد کرنے کی اجازت نہ تھی۔ معیاد کے بعد اس کا عقد کسی مرد

Marfat.com

سے ہوسکتا تھا یا اسکا خاوند صلح کر کے دوبارہ اسے نکاح میں لے آتا تھا۔ اسطرح وہ بالعموم عورتوں کا بدترین استحصال کرتے تھے یعنی جب معیاد پوری ہونے لگتی، تو اس سے پھر نکاح کر لیتے اور کچھ عرصے بعد پھر طلاق دے دیتے۔ اس طرح وہ عورت کو ذلیل کرتے رہتے اور کسی دوسری جگہ اسکا نکاح نہ ہونے دیتے۔

زنا کاری، بے حیائی اور عورتوں کی دلالی عام تھی۔ رنڈیاں اپنے خیموں کے آگے جھنڈیاں گاڑ دیتی تھیں تا کہ گاہکوں کو ان کی شناخت میں دقت نہ ہو۔ عورتیں بن ٹھن کر نکلنے اور ناکافی لباس میں عشوہ فروشی کو معیوب خیال نہ کرتی تھیں۔ لونڈیاں رکھنے کا رواج عام تھا۔ یہ لونڈیاں بالعموم مفتوحہ قبیلوں سے یا دیگر ذرائع سے حاصل کی جاتی تھیں۔ انکے آقا ان سے خود بھی متمتع ہوتے اور انہیں جسم فروشی کے ذریعے دولت کمانے پر بھی مجبور کرتے تھے۔ اپنے دوستوں کی محفلوں میں وہ ان سے ساقی گری اور ناچ گانے کا کام بھی لیتے تھے۔ لونڈیوں کو وہ قَینَات'' (واحد قَینَۃ'') کہتے تھے۔ شاعر کہتا ہے:

وَانحَرُ لِلشُّربِ الکِرام مَطِیَّتِی
وَاصدَعُ بَینَ القَینَتَینِ رِدَائِیَا

(اور میں معزز بادہ خواروں کیلئے اپنی قیمتی اونٹنی ذبح کر دیا کرتا تھا اور دو گانے والیوں کے درمیان اپنی چادر چاک کر کے تقسیم کر دیا کرتا تھا۔)

سب سے بری رسم وہ تھی جس میں بعض لوگ رسوائی یا تنگدستی سے بچنے کیلئے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قرآن حکیم میں اسکی سخت مذمت کی گئی۔ (قرآن حکیم ۶:۱۰۱ ۱۶:۵۸، ۵۹ ۱۷:۳۱ ۸۱:۸)

شگون پرستی: زمانۂ جاہلیت کے عرب نہایت وہمی اور شگون پرست تھے۔ مصیبت کی گھڑی میں وہ عموماً مٹھی بھر کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے اور انہیں پھینک دیتے۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھتے

Marfat.com

تھے کہ بلا ٹل گئی ہے۔اس طرح وہ جانوروں کے بولنے یا اُڑنے یا کسی جانور وغیرہ کے راستہ کاٹنے سے بھی اچھا یا برا شگون لیتے تھے۔

مردہ جانوروں کا گوشت نہایت رغبت سے کھاتے تھے۔کوئی اونٹنی جو لگاتار دس بچے دیتی اسے باندھ کر نہیں رکھتے تھے بلکہ آزاد کر دیتے تھے کہ جہاں سے چاہے چرے۔ جب وہ مرجاتی تو اسکا گوشت مرد خوب مزے لے کر کھاتے لیکن عورتوں کو یہ گوشت کھانے کی اجازت نہ تھی۔ جو اونٹنی، بکری یا بھیڑ لگاتار پانچ مادہ بچے جنتی، اسکے کان کاٹ کر کھلا چھوڑ دیتے۔اسکو وہ ''بحیرۃ'' کہتے تھے۔اس کا دودھ پینا اور گوشت کھانا حرام ہو جاتا۔اگر کوئی بکری دو بچے ایک نر اور ایک مادہ جنتی تو اسے ''وصیلہ'' کہا جاتا۔ جو اونٹ دس بچوں کا باپ بن جاتا اسے بطور سانڈ چھوڑ دیتے یہ ''حامی'' کہلاتا۔کسی منت کے پورا ہونے پر بھی اونٹ کو کھلا چھوڑ دیتے تھے جو بطور سانڈ پھرتا رہتا تھا۔

قربانی کو دیوتاؤں کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔مقدس پتھروں اور دیوتاؤں کے بتوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے اور قربانیاں کی جاتیں۔قربانی کا گوشت کھانا حلال تھا۔یہ سمجھا جاتا تھا کہ دیوتا مذبوحہ جانور کے خون بہنے سے ہی خوش ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کا سر مونڈھ دیا جاتا اور ایک بھڑ یا بکری ذبح کر دی جاتی۔ یہ رسم آج تک مسلمانوں میں عقیقہ کے نام سے جاری ہے۔وہ تیروں سے فال نکالتے تھے۔ایسے تیروں کو اَزْلَام (واحد زَلَم) کہا جاتا تھا۔ان تیروں پر مختلف علامات بنی ہوتی تھیں جن سے وہ کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں استخارہ کرتے تھے۔خانہء کعبہ میں ایسے سات تیر رکھے ہوتے تھے۔فال کے تیروں کے حوالے سے امراء القیس کا ایک دلچسپ واقعہ کتابوں میں مذکور ہے۔ جب امراء القیس اپنے باپ کا انتقام لینے کیلئے سفر کر رہا تھا تو تبالہ نامی ایک مقام سے گزرا جہاں ایک بت رکھا ہوا تھا۔لوگ اُس بت پر رکھے تین تیروں سے فال نکالا کرتے تھے۔ایک تیر پر 'نہی'

Marfat.com

دوسرے پر 'امر' اور تیسرے پر منتظر رہنے کی ہدایت مندرج تھی۔ امراء القیس نے تین بار فال نکالی تو تینوں بار 'نہی' والا تیر نکلا۔ تب امراء القیس نے تینوں تیر اُٹھا کر بت کے منہ پر دے مارے اور کہا: ''اگر تیرا باپ قتل کیا گیا ہوتا تو تو مجھے کبھی اسطرح منع نہ کرتا۔''

بارش برسانے کے لیئے وہ ایک عجیب وغریب رسم ادا کرتے تھے۔ ایک گائے کی دُم سے خشک گھاس پھونس اور جھاڑیاں وغیرہ باندھ کر آگ لگا دیتے اور اسے پہاڑیوں میں دھکیل دیتے۔ قسم کھانے کیلئے وہ آگ میں نمک اور گندھک ڈال کر اسکے قریب کھڑے ہو جاتے اور قسم کھاتے۔ اس آگ کو وہ ''ہولہ'' کہتے اور اسے فروزاں کرنے والے کو ''مہوّل'' کا نام دیتے۔ گھر دوڑ میں بازیاں لگاتے اور اسے ''وہان'' کہتے۔ شطرنج، جوئے اور شراب سے خاص شغف رکھتے تھے۔

عقائد: زمانۂ جاہلیت کے عرب جہاں دیوی دیوتاؤں پر یقین رکھتے، وہیں جنات اور ارواح خبیثہ پر بھی یقین رکھتے تھے۔ بیابانوں، پرانی منہدم عمارتوں اور صحرا کی سنسان پہنائیوں میں انہیں اکثر خیالی اور وہمی شکلیں نظر آتی تھیں جنہیں وہ جنات اور ارواح سمجھتے تھے۔ جنات اور ارواح انکے نزدیک نیک بھی تھیں اور بَد بھی! جن کا مطلب ہے چھپی ہوئی مخلوق۔ اسی لیئے وہ کسی ایسے شخص کو جو کسی غیر مرئی مخلوق (یعنی جن وغیرہ) کے قبضے میں ہوتا ''مجنون'' کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے قبضے میں ایک جن ہوتا ہے جو اسے غیب کی خبریں لا کر دیتا ہے۔

عرب میں کہانت عام تھی۔ لوگ معبدوں میں جا کر کاہنوں سے اپنی بپتا بیان کرتے اور راہنمائی کے طالب ہوتے۔ یہ کاہن حالت جذب میں کچھ ایسے جملے بولتے جو مقفّٰی، مسجّع اور ذو معنی ہوتے۔ ان سے سائل اپنی فہم کے مطابق تعبیر نکالتے۔ ممکن ہے کہانت شمالی علاقوں سے جہاں روم اور یونان کے اثرات تھے۔ اندرونِ عرب آئی ہو کیونکہ یونانیوں کے ہاں کہانت کا رواج عام تھا اور لوگ ان سے اسی انداز میں پیش گوئیاں حاصل کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

تقدیر کا تصوّر یوں تو ساری دنیا کی قوام میں عام ہے، لیکن عربوں کے ہاں یہ کچھ زیادہ ہی راسخ تھا۔ انکا خیال تھا کہ ''دَہر'' یعنی وقت نے واقعات وحوادث پہلے سے ہی متعیّن کر رکھے ہیں اور انہیں بدلا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ انکی شاعری اور عام گفتگو میں ''صُرُوف الدّھر'' (حوادثِ زمانہ) کی ترکیب عام طور پر مستعمل تھی۔ جزیرۃ العرب میں موسم کی سختیاں اتنی عام اور شدید تھیں کہ کسی وقت بھی کسی بڑی تباہی یا بربادی کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اچانک طوفانی بارش سے برساتی نالے چڑھ آتے اور کچی پکی تعمیرات کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتے۔ بادِ سموم اچانک قافلوں کے قافلے موت کے گھاٹ اتار دیتی، زلزلوں کے جھٹکے بستیوں کی بستیاں تہہ و بالا کر دیتے۔ کچھ نہ ہوتا تو خشک سالی چاروں طرف موت کے سائے مسلّط کر دیتی۔ اس پر مستزاد انکی مسلسل حالتِ جنگ تھی۔ جنگ کی آگ قبائل کے درمیان ہمیشہ سلگتی رہتی اور کبھی کبھی اچانک ہی اسکے شعلے بھڑک اٹھتے اور چشم زدن میں خوشحال گھرانے افلاس و نکبت اور تباہ حالی کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس لیئے عربوں نے تقدیر پر صابر و شاکر رہنا سیکھ لیا تھا۔ لیکن یہ صبر و شکر کوئی انفعالی حالت نہ تھی کہ وہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھے رہتے تھے۔ انکے ہاں صبر شکر کا مفہوم سختیاں اور مصیبتیں سہتے ہوئے جدو جہد کا عمل جاری رکھنا تھا۔ انکے جغرافیائی اور معاشی تقاضے ایسے تھے کہ وہ جدو جہد ترک کر کے آرام سے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ وہ حرکت پذیر ضرور رہتے تھے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ سب کچھ ایک اٹل تقدیر کے تحت وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ اس محدود اور متعیّن آزادی کا تصوّر شاعر طَرَفہ کے اس شعر میں بڑے بلیغ انداز میں کیا گیا ہے:

لَعَمرُكَ اَنَّ المَوتَ مَا اخطَأَ الفتیٰ
لَكَا لطَوَّل المَرخیٰ وَثِنیَاهُ بِاليَدِ

(مجھے تیری جان کی قسم! موت چوکنے (یعنی خطا کرنے) میں ایک لمبی رسی کی طرح ہے جو ڈھیلی چھوڑ دی جائے اور اسکی ڈوریاں ہاتھ میں ہوں۔ یعنی موت ہمیشہ گھات میں ہے۔

Marfat.com

اگر آدمی چند روز زندہ رہے تو اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ موت چوک گئی ہے۔ بلکہ وہ ایک رسّی کی طرح ہے جس سے باندھ کر مویشی کو چرنے کیلئے چھوڑ دیں اور جب چاہے اسے کھسیٹ لیں۔)

ستارہ پرستی: عرب کے ان علاقوں میں جو قابلِ کاشت تھے، سورج کی پرستش کا رجحان پایا جاتا تھا۔ ہلالِ زرخیز اور عراق و شام کے دیگر زرعی علاقوں میں بعل یا شمس دیوتا کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسی طرح جنوبی عرب میں بھی سورج دیوتا کے معبد موجود تھے۔ لیکن صحرائی چراگاہوں میں جہاں زراعت ممکن نہ تھی، چاند کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ بدوی چرواہے چاند تاروں کی روشنی میں رات بھر اپنے اونٹوں اور مویشیوں کو چراگاہوں میں چراتے تھے۔ دن کے وقت سورج کی تمازت اتنی شدید ہوتی تھی کہ وہ دن کا بیشتر حصہ سایہ دار جگہوں پر گزارتے تھے۔ بدوی چرواہوں کا رجحان قمر پرستی اور ستارہ پرستی کی طرف زیادہ تھا۔ شاید اسی لیئے صابی رجحانات ان میں مقبول ہوئے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے اور ستاروں کے طلوع و غروب کے عمیق مشاہدے کی بنا پر ہی ان میں قمری تقویم فروغ پذیر ہوئی۔

دورِ جاہلیت کی مذہبی زندگی کو چار زُمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) بت پرستی (۲) دہریت (۳) خدا پرستی (۴) الہامی مذاہب پر یقین۔

(۱) بت پرستی: دیگر اقوام کی طرح عرب میں بھی بت پرستی عام تھی۔ عرب کے قدیم ترین باشندے عاد، ثمود، جدیس، جرہم الاولیٰ اور عملیق الاولیٰ وغیرہ کے حالات کا بہت کم پتہ چل سکا ہے۔ انکے بارے میں تحقیقات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لیکن جتنی بھی ناکافی معلومات انکے بارے میں حاصل ہو سکی ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بتوں کو پوجنے والے تھے۔ لیکن انکے بتوں کی نوعیت اور انکے اندازِ پرستش کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں۔

اسلام سے پہلے عرب میں جن بتوں (8) کی پوجا ہوتی تھی وہ درج ذیل ہیں:

Marfat.com

(۱) ھُبل: یہ بہت بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ کے اندر خزانہ کے کنویں کے قریب رکھا ہوا تھا۔ بقول سید سلمان ندوی یہ بابل کا بعل ہی ہے جو ہبعل بنا اور شام سے مکہ پہنچتے پہنچتے ھَبل رہ گیا۔ بعل کا ذکر سورہ صافات میں بھی آیا ہے " اَتَد عُونَ بَعلاً وَ تَذرُونَ احسن الخالِقین " (بعل کو پکارتے ہو، اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔) ھبل کو فتح مکہ پر گرایا گیا۔

(۲) وَدّ:۔ یہ بت قبیلہ بنی کلب کا تھا۔ یہ وُدّ (محبت) سے ہے۔

(۳) سواع:۔ یہ قبیلہ ہذیل کا بت تھا جسے فتح مکّہ کے بعد عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر توڑا تھا۔

(۴) یعوق:۔ یہ بنی ہمدان کا بت تھا۔ یعوق کا مطلب ہے مصائب کو روکنے والا۔

(۵) یغوث:۔ بنی مراد کا بت تھا۔ جسے بعد میں بنی عطیف بھی پوجنے لگے۔ اس کا معنی ہے فریاد رسی کرنے والا۔

(۶) نَسر:۔ بنی حمیر آل ذی الکلاع کا بت تھا نسر کا مطلب ہے 'گدھ'' اس سے مراد وہ مجموعہ کوکب بھی لی جاسکتی ہے جو گِدھ کی شکل کا ہے۔

(۷) عزیٰ:۔ اس کی پرستش بنی عطفان کرتے تھے۔ مادہ 'عز'' سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے عزت دینے والی۔ یہ دراصل تین کھجور کے درخت تھے جن میں وہ سمجھتے تھے کہ ذاتِ الٰہی کا حلول ہوگیا ہے۔ چنانچہ ان درختوں کے قریب ایک معبد بنا دیا گیا تھا اور درختوں سے کئی اشیا اور قیمتی کپڑوں کے ٹکڑے وغیرہ لٹکا دیئے گئے تھے۔ اس قسم کی شجر پرستی ہندوستان میں بھی عام ہے۔ عزیٰ کا استھان طائف میں تھا۔

(۸) لات:۔ اس دیوی کو مستشرقین ''اِلٰہ'' کی تانیث قرار دیتے ہیں۔ یعنی الٰہ پر ''ال'' کا اضافہ کر کے مونث بنا دیا گیا ہے۔ لیکن سلیمان ندوی کی تحقیق کی رو سے یہ ایک ناتراشیدہ چٹان

Marfat.com

تھی جس پر بیٹھ کر ایک شخص ستو گھولا کرتا تھا اور حاجیوں کو پلایا کرتا تھا۔ اسطرح اللاّت ملاَ ت لَتَ'' سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے گھولنا۔ اسی مناسبت سے اس گول سفید پتھر کو لات دیوی کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کا استھان تہامہ میں تھا۔ بعض روایات کی رو سے یہ پتھر ناتراشیدہ نہیں بلکہ انسانی شکل میں تھا۔

(۹) مناۃ:۔ یہ ایک بہت بڑا بت تھا۔ اسے عمرو بن لحی نے سمندر کے کنارے قدَید کے قریب نصب کر رکھا تھا۔ اگر چہ یہ ازدو غسان کا خاص معبود تھا لیکن اسے تقریباً تمام قبائل پوجتے تھے۔ یہ مادہ "منا" سے مشتق ہے جسکا معنی ہے تقدیر اور موت۔

مندرجہ بالا تینوں دیویوں کا ذکر قرآن حکیم میں بھی آیا ہے (۵۳:۱۹، ۲۰) قریش انہیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے اَلاٰۃ والعُزّیٰ وَمَنَاۃَ الثّلاٰثہ الاُخریٰ، تِلکَ غَرَانِیقُ العُلیٰ وَاِنَّ شَفَاعَتُھنَّ لَتُرتَجیٰ۔ (لاۃ عزیٰ اور تیسری مناۃ بزرگ ہیں اور انکی سفارش کی امید کی جاتی ہے۔)

(۱۰) دوار:۔ یہ نوجوان عورتوں کا بت تھا جو اس کے گرد طواف کرتیں اور پھر رسوم پرستش ادا کرتیں۔

(۱۱) اساف:۔ کوہِ صفا پر ایک مرد کا بت رکھا تھا۔

(۱۲) نائلہ:۔ ایک عورت کا بت کوہِ مروہ پر تھا۔ عرب اساف اور نائلہ دونوں بتوں پر قربانیاں دیتے اور سفر پر آتے جاتے انہیں بوسہ دیتے۔

(۱۳) عُبعَبْ:۔ ایک بڑا ناتراشیدہ پتھر تھا جس پر اونٹوں کی قربانی دی جاتی تھی۔

ان بتوں کی قربان گاہیں ایک چار دیواری کے اندر تھیں جسے حرم کہا جاتا تھا۔ اسکے باہر اسی کیلئے ایک چراگاہ مختص ہوتی تھی جسے حما کہا جاتا تھا۔ اس کی حدود میں قتل، تشدّد، شکار

وغیرہ ممنوع تھا۔

کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ ان کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے۔ ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت مریم علیہم السلام کی شبیہیں بھی کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت مریم کی گود میں دکھایا گیا تھا۔

شروع شروع میں عرب اپنے بزرگوں اور اسلاف کی تعظیم کیلئے ان کے بت بنا کر ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور قربانیاں دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسطرح انکے بزرگوں کی روحیں خوش ہوکر انکی سفارش کرتی ہیں۔ ان بتوں کو وہ صرف خدا سے تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ لیکن بتدریج بزرگوں کی یہ علامتیں ہی الوہیت کا روپ اختیار کر گئیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ودّ، یعوق، یغوث اور نسر عرب کی مشہور ہستیاں تھیں جن کی یاد میں انکی مورتیاں بنائی گئیں اور پھر ان کی عبادت شروع ہوگئی (9)۔ علامہ سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ بابل میں نسروک دیوتا پوجا جاتا تھا جو گدھ کی شکل کا ستاروں کا جھرمٹ تھا۔ عربوں کا نسر اسی سے ماخوذ تھا۔

عربوں کی بت پرستی کی کئی شکلیں تھیں۔ جو بت مورتیوں کی صورت میں تراشے ہوتے تھے انہیں اَصنام (واحد صنم) کہا جاتا تھا۔ جو پتھر ناتراشیدہ تھے اور محض چٹان اور پتھر کی حیثیت میں ہوتے تھے اَوثان (واحد وَثن) کہلاتے تھے۔ لات ایک گول سفید پتھر تھا (بعض روایتوں میں یہ انسانی شکل کا صنم تھا) جس پر ایک عمارت بنی ہوئی تھی۔ عزیٰ تین درختوں کے نیچے ایک پتھر تھا۔ مناۃ بھی ایک اَن گھڑی چٹان تھی۔ حضرت ابراہیمؑ عموماً ایک لمبا پتھر کھڑا کر کے اس پر قربانی دیا کرتے تھے، اسی طرح وہ جگہ 'بیت اللہ' قرار پاتی۔ پتھر محض ایک علامت ہوتی کہ یہاں اللہ کے نام پر قربانی دی گئی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ پتھر ہی معبود بن جاتا اور خدا کی

Marfat.com

بجائے لوگ اس کی پوجا شروع کر دیتے۔ بت پرستی کے رجحان نے جب تقویت پکڑی تو مٹی اور لکڑی کے بت بھی بنائے جانے لگے۔ قرآن حکیم میں اَصْنام اور اَوْثان کے علاوہ بتوں کیلئے انصاب، نُصب اور تماثیل کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں (10)۔ بعض مشرکین جنات کی پرستش بھی کرتے تھے۔ دیویوں اور فرشتوں کو وہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ دیویوں کی پرستش کا رجحان اس بات کا غماز ہے کہ وہ سلسلۂ نسب کو باپ اور ماں دونوں طرف سے چلاتے تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جن کی ساری زندگی بت پرستی کے خلاف جہاد کرتے اور خدا کی توحید کی تعلیم دیتے گزری، انکی اولاد میں بت پرستی اور شرک کی متعدّد مذموم شکلیں رواج پا گئیں۔ لیکن اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ خدائے واحد کا تصور ہمیشہ عربوں کے اجتماعی لاشعور میں موجود رہا ہے۔ وہ ایک اللہ کو تو مانتے تھے۔ مگر اس کی الوہیت میں دوسری ہستیوں کو بطور مددگار اور شفیع شریک کر لیتے تھے۔ ایک اللہ کا تصور قدیم ترین سامی قبیلوں میں بھی موجود تھا۔ اہلِ معین اور اہلِ سبا کے بعض کتبوں اور العلی کی الواح پر مندرج عبادتوں سے ''ال'' یا ''ایل'' کا لفظ دراصل اِلٰہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جو عرب بت پرستی کے بدترین درجے پر بھی تھے وہ ایک اِلٰہ کو ہی مانتے تھے، بتوں اور دیوی دیوتاؤں کو وہ محض تقرّبِ الٰہی کا وسیلہ سمجھتے تھے اور ان سے شفاعت کے خواستگار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اللہ کا نام لیتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو مشرکین کو سخت غصہ آتا:

اذاذکرت ربك فی القرآن وحده ولّو ادبارهم نفوراً۔ (بنی اسرائیل)

''اور جب تو اپنے پروردگار کا نام قرآن میں تنہا لیتا ہے تو وہ مارے نفرت کے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں''۔ مشرکین کے اس تصوّرِ شفاعت کی سورہ مومن، سورہ یونس، سورہ زمر

Marfat.com

میں بھی مذمت کی گئی ہے۔

(۲) دہریت:

عربوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جسے 'دہریہ' کہا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ نہ خدا کو مانتے تھے اور نہ کسی بت وغیرہ کو۔ ان کے نزدیک ''دہر'' یعنی زمانہ ہی انکو پیدا کرتا اور مارتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح کوئی پودا یا جانور وغیرہ پیدا ہونے کے بعد ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہے اور پھر رو بہ زوال ہو جاتا ہے اور پھر بالآخر ہمیشہ کے لیئے فنا ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان بھی اپنا وقت پورا کرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے معدوم ہو جاتا ہے۔ انکے نزدیک معاد اور آخرت ناممکنات میں سے تھے۔ وہ خود کو کسی قانون قاعدے یا ضابطے کے مکلّف نہ سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان بے دین دہریوں کا یوں ذکر آتا ہے:۔

وَقَالُوا مَاهِيَ اِلّا حَيَاتُنَا الدُّنيَا نَمُوتُ و نَحيَا وَمَا يُهلِكُنَا اِلّا الدّهر (جاثیہ)

(اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی، مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو نہیں مارتا مگر زمانہ!)

ان هِيَ الّا حَيَاتُنَا الدُّنيَا نَمُوت و نَحيىٰ وَمَا نَحنُ بَمَبعُوثين (مومنون)

(یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور بس مرتے ہیں اور جیتے ہیں (یہی سلسلہ ہے) اور ہم دوبارہ نہیں زندہ کیئے جانے والے)

(۳) خداپرستی:

عربوں میں ایک محدود تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو خدا کو ایک ایسی ہستی کے طور پر

Marfat.com

تسلیم کرتے تھے جس نے سارے عالم کو عدم سے وجود پذیر کیا، لیکن ان کا خیال تھا کہ ایک دفعہ تخلیق کر لینے کے بعد خدا کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔ چنانچہ وہ خدا کو تو تسلیم کرتے تھے لیکن باقی سب معاملات میں دہریوں کی طرح تھے۔ جدید اصطلاح میں انکے نظریہ کو Deism کہا جا سکتا ہے۔

عرب کے ان لوگوں میں جو خدا پرست تھے، ایک ایسا گروہ بھی تھا جو خدا کو ماننے کے ساتھ اعمال صالحہ، حشر اور سزا و جزا پر ایمان رکھتا تھا لیکن کسی الہامی کتاب کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ ایسے لوگ مناسب راہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے گمراہی کا شکار ہو چکے تھے۔

(۴) الہامی مذاہب:۔

عرب میں ایسے لوگوں کو جو خدا پرست بھی تھے اور الہامی مذاہب کو بھی مانتے تھے چار بڑے بڑے گروہوں میں تقسیم کیئے جا سکتے تھے۔ اولاً صابئ ثانیاً وہ گروہ انبیاء اور انکے متبعین جس میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (صلوات اللہ علیہم جمیعاً) شامل تھے۔ یہ انبیاء حضرت موسیٰ کو فرامین عشرہ ملنے سے پہلے گزر چکے تھے۔ ثالثاً یہودیوں کا گروہ اور رابعاً عیسائیوں کا گروہ۔ ذیل میں ہم انکا مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

(الف) صابئ مذہب بابل سے شروع ہوا تھا اور قوم سامری میں اس نے فروغ پایا تھا۔ صابئ حضرت شیثؑ اور حضرت اخنوع (حضرت ادریسؑ) کو اپنے نبی مانتے ہیں۔ انکے پاس ایک الہامی کتاب صحیفہ شیثؑ بھی تھی۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے "الرّدُ علی المنطقیین" اور ابن ندیم نے ''الفہرست'' میں ان کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ عراق میں ستارہ پرستی کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ صابئیت بھی اصولی طور پر ستارہ پرستی کا مذہب ہی تھا، لیکن اس میں ایک خدا پر یقین کو بھی اساسی حیثیت حاصل تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر ستارہ ایک روح کا مسکن ہے۔ اور

Marfat.com

ارواح کو وہ خدا اور بندوں کے مابین تقرّب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ سات ستاروں کے حوالے سے انہوں نے سات معبد یا ہیکل بنا رکھے تھے اور ہر معبد کا نام کسی ستارے پر رکھا گیا تھا۔ تین وقت ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی۔ علی الصبح سے طلوعِ آفتاب تک، عین زوالِ آفتاب کے وقت اور شام کو غروبِ آفتاب کے وقت۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قطب شمالی تمام ستاروں کا مرکز ہے اور یہ خود ہلتا نہیں بلکہ تمام سیارہ اجرام سماوی اسکے گرد طواف کرتے ہیں۔ چنانچہ قطب ستارے کو وہ اپنا قبلہ مانتے تھے اور اسکی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ وہ ہیکلوں میں قبلے کے رخ محراب بناتے تھے اور اس میں عشتار دیوی (زہرہ) کا مجسمہ رکھتے تھے۔ صبح کی نماز میں ۸ رکعت ادا کرتے تھے اور باقی دو میں پانچ پانچ رکعتیں ادا کرتے تھے۔ وہ تین سجدے کرتے تھے اور ہر نماز سے پہلے بالالتزام غسل کرتے تھے۔ قبلہ رو ہو کر دعا اور مناجات پڑھتے۔ (اسلام میں نمازوں کی تعداد اور اوقات میں فرق کر دیا گیا تا کہ تشبّہ نہ ہو سکے)۔ وہ کثرت سے روزے رکھتے اور قربانیاں دیتے تھے۔ تاہم روزے میں وہ فاقہ نہیں کرتے تھے اور قربانی کا گوشت کھانے کی بجائے جلا دیتے تھے۔ (واضح رہے کہ یونان میں سوختنی قربانی کا رواج قدیم زمانے سے تھا۔) لہسن، لوبیا اور مسورے سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کے مذہب پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انکے عقائد اور مذہبی رسوم میں کلدان کی قدیم ستارہ پرستی کے ساتھ ایران کے تصوراتِ نور و ظلمت اور یونان کے متصوّفانہ اثرات کی آمیزش ہو گئی تھی۔

علّامہ ابن تیمیہؒ نے صابئین کی دو قسمیں گنوائی ہیں۔ ایک موحّدین جو بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پیروکار بن گئے تھے۔ (11) اور دوسرے وہ جنہوں نے خدا پر یقین کے ساتھ ساتھ شرک کا شیوہ اپنا لیا۔ قرآن حکیم میں بھی صابئین کا تذکرہ انہی دو حیثیتوں میں آیا ہے۔ عام ستارہ پرست صرف ستاروں کو ہی مانتے تھے لیکن صابئین اپنے اور خدائے واحد کے درمیان ستاروں کو واسطہ بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم میں چاند، سورج اور ستاروں کی جو

Marfat.com

قسمیں کھائی گئی ہیں وہ انکی ناقص، نا تمام اور مخلوق حیثیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں:۔

فَلَآ أُقسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ (واقعہ) ستاروں کی جائے غروب کی قسم

فَالنَّجمِ اِذَا هَوٰى (نجم) قسم ہے اس ستارہ کی جو گرے۔

وَالشَّمسِ اِذَا ضُحٰهَا وَالقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (شمس) قسم ہے آفتاب کی اور اسکے دن چڑھنے کی اور چاند کی جب اسکے پیچھے چلے۔

قرآن حکیم نے صابئین کے اس عقیدے کی مذمّت کی جس میں وہ خدائے واحد کے ساتھ ستاروں کی الوہیت کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ فرمایا:

وَمِن اٰيٰتِهِ اللَّيلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمسُ وَالقَمَرُ - لَا تَسجُدُوا لِلشَّمسِ وَلَا لِلقَمَرِ وَاسجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِى خَلَقَهُنَّ اِن كُنتُم اِيَّاهُ تَعبُدُونَ۔ (حٰمٓ السجدہ:۳۷)

اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند اور سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اسکی عبادت کرنے والے ہو۔

(ب) حضرت موسیٰ سے پہلے جو گروہ انبیاء گزرا ہے اس میں ہود، صالح، شعیب، ابراہیم اسماعیل صلواۃ اللہ علیھم جمعیا، شامل ہیں۔ یہ جن قوموں میں مبعوث ہوئے ان کے بارے میں اتنا ہی پتہ چل سکا ہے کہ وہ بت پرست تھے۔ لیکن ان کے بتوں کی نوعیت اور نام وغیرہ کیا تھے؟ ان کے عقائد کی تفصیلات کیا تھیں؟ اس کے بارے مین ہمیں کچھ علم نہیں۔ صرف قبیلہ جدیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بت کو پوجتا تھا جس کا نام ''کثریٰ'' تھا

(12) مندرجہ بالا انبیاء کے بارے میں قرآن حکیم سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انکی تعلیمات کی اساس خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور حیات بعد الموت کا یقین تھا۔

Marfat.com

ان انبیاء میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب کے ان قبائل میں مبعوث ہوئے جو بابل، مصر اور شام میں آباد تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام جنوبی عرب کے قبائل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جبکہ حضرت صالح علیہ السلام شمالی عرب کی قوموں عاد، ثمود وغیرہ میں مبعوث ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے دین کے بارے میں بھی تفصیلات نہیں ملتیں۔ تاہم مندرجہ ذیل باتیں ان کے بارے میں حتمی طور پر کہی جا سکتی ہیں:

بت پرستی کا ابطال اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار۔ داڑھی رکھنے اور ختنہ کرانے کی رسوم کا اجرا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے معبد تعمیر کرنا اور ان میں اللہ کے نام پر قربانیاں دینے کی رسم بھی انہوں نے ہی شروع کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کی مدد سے بہت سی عبادت گاہیں تعمیر کیں۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اسکے گرد طواف کا سلسلہ بھی انہی دونوں پیغمبروں نے شروع کیا تھا۔

(ج) پانچویں صدی قبل مسیح میں جب بخت نصر نے یہودیوں پر مظالم ڈھانے شروع کیئے تو کچھ یہودی بھاگ کر عرب کے خیبر کے علاقے میں آ کر بس گئے۔ جب انہیں یہاں کچھ چین اور سکون ملا تو انہوں نے مقامی قبائل میں اپنے دین کی اشاعت شروع کر دی۔ بنو کنانہ، کندہ اور حارث ابن کعب کے کچھ لوگوں نے ان کا عقیدہ قبول کر لیا۔

۳۵۴ قبل مسیح میں یمن کا بادشاہ ذونواس حمیری بھی یہودی ہو گیا۔ اس نے بالجبر یہودیت کی اشاعت شروع کر دی۔ اس کے زمانے میں یہودیت سرزمین عرب پر بہت پھلی پھولی اور یہودیوں نے اپنے کئی شہر بسا لیے اور قلعے بھی تعمیر کر لیئے۔ اس زمانے کی تجارت میں بھی ان کا بہت عمل دخل ہو گیا۔ چونکہ ان کے پاس ایک اعلیٰ درجے کا تصورِ حکومت سیاسی و سماجی تنظیم کے اصول و ضوابط اور اخلاقی و مذہبی قوانین موجود تھے، اس لیے عرب ان سے بہت متاثر

تھے۔ یہودی طبغابت پرستی سے نفور و گریزاں تھے۔ لیکن تصویر کشی کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لیئے انہوں نے کعبہ کی ایک اندرونی دیوار پر حضرت ابراہیمؑ کی تصویر کھینچ دی تھی جس میں توریت کے بیان کے مطابق انکے پاس ایک بھیڑ کا بچہ کھڑا دکھایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کعبہ کی تعظیم و تکریم یہودی بھی کیا کرتے تھے۔

(د) مسیحیت تیسری صدی عیسوی میں عرب کے اندر داخل ہونا شروع ہوئی۔ حیرہ کی ریاست سے عرب میں نہ صرف ایران کے تمدنی اثرات آئے بلکہ اسی راستے سے آرامی نسطوریوں کا عمل دخل عرب علاقوں میں ہوا۔ اکثر شاہان حیرہ کی بیویاں عیسائی تھیں جو کہ حیرہ میں راہبوں کی سرپرستی کرتی تھیں اور انکے لیئے انہوں نے کئی کلیسائیں بھی تعمیر کروا رکھی تھیں۔ نسطوری عیسائیوں نے جس طرح اسلامی عہد میں ہیلنی تمدن اور اسلامی ثقافت میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں خاص کردار ادا کیا تھا اسی طرح انہوں نے قبل از اسلام دور میں ایرانی اور یونانی تہذیب و تمدن کو اندرون عرب پہنچانے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ شمالی تہذیب و تمدن کے اندرون عرب تک پہنچنے کا ایک بڑ ذریعہ آل غسان بھی تھے۔ عیسائیت شام کا سرکاری مذہب تھی، اس لیئے عرب کے اکثر سرحدی قبائل عیسائی ہو گئے تھے۔ چنانچہ داؤد، سلیمان، عیسیٰ جیسے خالصتاً شمالی نام عربوں میں نہ تھے۔

عیسائیوں کا ''جیکو بائٹس'' (یعقوبی) فرقہ نجران میں مقیم ہوا تھا۔ یہاں کے اکثر عرب باشندے عیسائی ہو گئے تھے۔ شاید نجران ہی ایسا علاقہ تھا جہاں عیسائی اکثریت میں تھے ورنہ حیرہ میں بھی انکی تعداد زیادہ نہ تھی۔ قبائل حمیر کے تھوڑے سے لوگ عیسائی ہوئے۔ عیسائی مورخین کا یہ دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے کہ عیسائی مذہب نے عرب میں فروغ پایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب کے جو باشندے عیسائی ہوئے بھی تھے (اسی طرح جو لوگ یہودی ہوئے تھے) شروع سے آخر تک عادات و خصائل میں عام عربوں جیسے ہی رہے تھے۔ ان پر ان مذاہب کا

رنگ نہیں چڑھ سکا تھا۔ نجران کے مسیحی باشندے ویسے ہی جنگجو اور شمشیر زن تھے جیسے عام عرب تھے۔ تیماء کا رہنے والا اور امراء القیس کا ہمعصر شاعر سموائل عادیا ویسا ہی شاعر تھا جیسے کہ عرب کے دیگر شعراء تھے۔ (یعنی اس نے بذریعہ شاعری یہودیت کا پرچار نہیں کیا) (13)۔ عرب کے جنگجویانہ معاشرے میں عیسائیوں کا راہبانہ اور عدم تشدد کا طرزِ زندگی مقبول نہ ہو سکا۔ البتہ عیسائیوں نے یہ کام ضرور کیا کہ قبائل عرب کے مرکز یعنی کعبہ کی ایک دیوار پر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شبیہیں نقش کر دیں۔

(ہ) آخر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجوسیت کو ذکر بھی کر دیا جائے۔ صابئیت تو عرب میں زمانہ قدیم سے ہی بہت مقبول تھی اور یمن وغیرہ کے علاقوں میں اسکے بڑے بڑے مراکز تھے۔ بعض مورخین تو یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ قصرِ غمدان بھی دراصل ستارہ پرستی کا ایک بڑا ہیکل تھا۔ اسکی مختلف منزلیں مخصوص ستاروں اور برجوں کے حوالے سے بنائی گئی تھیں اور سب سے بالائی چھت بھی اسی لیئے شفاف رکھی گئی تھی کہ رات کو ستاروں کا مشاہدہ ہو سکے۔ صابئیت کے علاوہ یہودیت اور عیسائیت نے بھی اپنے اثر رسوخ اور مقبولیت کے دائرے بنا لیئے تھے۔ لیکن ایران اور عرب کے مابین حیرہ جیسے مقامِ اتصال کے باوجود مجوسیت عربوں میں زیادہ مقبول نہ ہو سکی۔ جاہلیت کے آخری زمانے میں عمان اور یمن وغیرہ کے ساحلی علاقوں پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اس لیئے مجوسیت کے کچھ اثرات وہاں پھیلے۔ امراء القیس کا باپ حجر آکل المرار محض ایرانی حکمرانوں کی نظر میں معتبر قرار پانے کیلیئے مجوسی بن گیا تھا۔ قبیلہ عبس میں زرارہ بن عدس اور اسکا بیٹا حاجب اور اقرع بن حابس اور اسود بھی مجوسی بن گئے تھے۔ مجوسیت کا بانی زرتشت تھا۔ اس مذہب میں خیر اور شر، نور اور ظلمت، یزدان اور اہرمن کی دوئی پائی جاتی ہے۔ لیکن قرآن حکیم الوہیت میں ثنویت کو تسلیم نہیں کرتا:

قَالَ اللهُ لَا تَتَّخِذُوا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَاحِدٌ (نحل) ''اللہ

Marfat.com

نے فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا تو ایک ہی ہے۔ اسی طرح قرآن صرف نور کو اساسی اور الوہی حیثیت قرار دیتا ہے۔ اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (نور) ''اللہ ہی زمین اور آسمانوں کی روشنی ہے۔'' اس سے بھی مجوسیوں کے نظریۂ نور و ظلمت کی تردید ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ یَفْصِلُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ ۝ (الحج) ''جو لوگ ایمان لائے اور یہودی ہوئے۔ اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس، اور جن لوگوں نے شرک کیا، ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر شئے کو نظر میں رکھنے والا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

ساتواں باب

حضرت اسمٰعیلؑ اور مکّہ معظّمہ

سیّدنا حضرت ابراہیم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی، اس میں شرک، بت پرستی، ستارہ پرستی اور اخلاقی بے راہروی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے حضرت ابراہیمؑ کا انتخاب کیا۔ حضرت ابراہیم کی کارگاہِ عمل ہلال زرخیز سے مصر تک اور شام و فلسطین سے اندرون عرب کے مختلف اقطاع تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہی کی اولاد نے جزیرۃ العرب کے مختلف خطّوں کو اپنا مسکن بنایا۔ انہی کی اولاد میں انبیاء مبعوث ہوئے اور صحفِ آسمانی نازل ہوئے اور پھر انہیں کی اولاد پر سلسلۂ نبوّت اور نزولِ صحف منتہی ہو گیا۔ شرقِ اردن میں انکے بھتیجے حضرت لوطؑ رشد و ہدایت کیلئے مامور ہوئے۔ شام و فلسطین میں حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسحٰقؑ نے دعوتِ حق کا بیڑا اٹھایا۔ خلیج عقبہ کے علاقے میں انکی اہلیہ قطورا کے بیٹے آباد ہوئے جو اصحاب الایکہ (اہل دوان) اور اہلِ مدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ حجاز کے علائے میں حضرت اسمٰعیلؑ سکونت پذیر ہوئے اور انکے بارہ بیٹوں نے صحرائے عرب کے اکثر حصے اپنی آل اولاد سے آباد کر دیئے۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کے حالات کا ہمیں بہت کم علم ہے۔ اس زمانے کے بارے میں جو کچھ بھی پتہ چلتا ہے، وہ ان بیانات سے ماخوذ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے توریت اور قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا شجرۂ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:
ابراھیم بن تارح بن ساروغ بن اَرغو بن فالغ بن عابر بن شالخ (یا شالح) بن اَرفخشد بن سام بن نوح۔ توریت کے باب تکوین میں بھی حضرت ابراہیمؑ کا شجرہ نسب تقریباً اسی طرح مندرج

Marfat.com

ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ لگ بھگ ۲۱۰۰ یا ۲۲۰۰ قبل مسیح ہے۔آپ عراق کے شہر ''اُر'' میں پیدا ہوئے جس کی آبادی تقریباً تین چار لاکھ تھی۔اثری اکتشافات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اُر شہر کو ایک اہم صنعتی وتجارتی مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور شہر کے لوگ عیش وآرام اور مال ودولت کے دلدادہ تھے۔بت پرستی،ستارہ پرستی اور فال ورمل وغیرہ کے رجحانات بہت مقبول تھے۔شہر کی آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی:۔

(الف) عمیلو:۔اشراف،فوجی افسر اور مذہبی راہنما اس طبقے میں شامل تھے۔

(ب) مشکینو:۔اس طبقے میں کاروباری،اہل حرفہ،کاشتکار وغیرہ تھے۔

(ج) اردو:۔یہ طبقہ غلاموں اور لونڈیوں وغیرہ پر مشتمل تھا۔

عمیلو وہ طبقہ تھا جس کو بہت زیادہ مراعات حاصل تھیں۔اور انکے جان ومال کی قدر و قیمت بھی بہت زیادہ تھی۔حضرت ابراہیمؑ کے والد کو نمرود کے دربار میں اہم مذہبی و ریاستی منصب ملا ہوا تھا۔پیشے کے اعتبار سے اگر چہ وہ نجار تھا،لیکن بت گھڑ گھڑ کر مندروں میں سجانے کی وجہ سے اسے خاص مذہبی تقدس حاصل ہو گیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا تو انہوں نے اپنی قوم میں توحید الٰہی کی تبلیغ شروع کر دی۔انکی دعوت انکے بت پرست ہم وطنوں کو بہت گراں گزری۔قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کے اندازِ تبلیغ کر نہایت دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے:

وَكَذالِك نُرِىٓ اِبرٰهيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ والاَرضِ وَلِيكُونَ مِنَ المُوقِنينَ o فَلَمَّا جَنَّ علَيه اِلَّيلُ رَاٰكَوكَباً ۚ قَالَ هذَا رَبّي ۚ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الاٰ فِلينَo فَلَمَّا رَاَ القَمَرَ بَازِغاً قَالَ هذَرَبّيْ ۚ

Marfat.com

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ o
فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَا اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ
اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ o اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ
اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
يَّشَآءَ رَبِّىْ شَيْـًٔا ۚ وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ o وَكَيْفَ
اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o
اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
مُّهْتَدُوْنَ o وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ
مَّنْ نَّشَآءُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ o (۷۵ — ۸۳)

(الانعام ع ۹۔۱۰)

(اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھا دیئے، تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اس پر رات کی تاریکی چھا گئی، تو اس نے (آسمان پر) ایک ستارہ (چمکتا ہوا) دیکھا۔ اس نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں)۔ لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا "نہیں میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں۔" (یعنی طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں)۔ پھر ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے"۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو ضرور میں اسی گروہ میں سے ہو جاتا جو

Marfat.com

راہِ راست سے بھٹک گیا ہے۔'' پھر جب صبح ہوئی اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا، تو ابراہیم نے کہا یہ میرا پروردگار ہے، کہ یہ سب سے بڑا ہے، لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا، تو اس نے کہا: ''اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، میں اس سے بیزار ہوں، میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اس ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جو کسی کی بنائی ہوئی نہیں، (بلکہ) آسمان و زمین کی بنانے والی ہے۔ (اور جس کے حکم و قانون پر تمام ارضی و سماوی مخلوقات چل رہی ہیں) اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں!'' اور (پھر) ابراہیم سے اس کی قوم نے ردّ و کدّ کی، ابراہیم نے کہا'' کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردّ و کدّ کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے راہِ حق دکھا دی ہے۔ جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے، میں ان سے نہیں ڈرتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی مجھے نقصان پہنچانا چاہے میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔'' اور (دیکھو) میں ان ہستیوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ، جس کے لیئے اس نے کوئی سند و دلیل تم پر نہیں اتاری؟ بتلاؤ ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی، اگر علم و بصیرت رکھتے ہو، جن لوگوں نے خدا کو مانا، اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنی شرک سے) آلودہ نہیں کیا تو انہی کیلئے امن ہے، اور وہی ٹھیک راستے پر ہیں، اور (دیکھو) یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر دی تھی،

Marfat.com

ہم جس کے مرتبے بلند کرنا چاہتے ہیں، اسے علم و دلیل کا عرفان دے کر بلند کر دیتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت والا علم رکھنے والا ہے۔)

جب حضرت ابراہیمؑ کا استدلالی انداز تبلیغ کارگر نہ ہوا اور انکے ہم وطن بدستور بت پرستی کی دلدل میں پھنسے رہے، تو حضرت ابراہیم نے ان کو اس فریب سے نکالنے کے لیے ایک اور حربہ اپنایا۔ سب لوگ ایک تہوار منانے کیلئے جا رہے تھے۔ حضرت ابراہیم اپنی بستی میں ہی رک گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ تہوار میں شامل ہونے کیوں نہیں جا رہے تو آپ نے بیماری کا عذر کیا۔ بعد ازاں جب بستی لوگوں سے خالی ہوگئی تو انہوں نے کلہاڑا لے کر بڑے مندر کے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور کلہاڑے کو سب سے بڑے بت کے کندھے سے لٹکا دیا۔ بستی کے لوگ جب واپس آئے تو اپنے معبودوں کا یہ حشر دیکھ کر انہیں سخت رنج ہوا۔

سب کا خیال حضرت ابراہیمؑ کی طرف گیا۔ ان سے جب استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ تو تم بڑے بت سے پوچھو، یہ کام اسی کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ کلہاڑا اسی کے کندھے پر لٹک رہا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ بھلا کیسے بتوں کو توڑ سکتا ہے۔ اسطرح حضرت ابراہیمؑ نے ان کی زبانی یہ بات کہلوائی کہ ان کے گھڑے ہوئے بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان (1)۔

جب حضرت ابراہیمؑ کی دعوت لوگوں کی برداشت سے باہر ہوگئی، تو انہوں نے اپنے بادشاہ نمرود سے شکایت کی۔ نمرود نے اپنی طاقت کے غرور میں حضرت ابراہیمؑ سے مکالمہ کیا۔ اس نے ان سے پوچھا: ''تمہارا خدا کیا کر سکتا ہے؟'' حضرت ابراہیمؑ نے کہا: ''میرا خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔'' زندہ کرنے اور مارنے کے مفہوم کو نمرود بھی خوب سمجھتا تھا، لیکن وہ حضرت ابراہیمؑ کو لاجواب کرنے کیلئے کہنے لگا کہ زندہ تو میں بھی کر سکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں۔ پھر اس نے ایک قیدی کو رہا کر دیا جسے کہ موت کا حکم سنایا جا چکا تھا اور ایک ایسے شخص کو مار ڈالا جس نے کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسکی چال کو سمجھ رہے تھے، فرمانے لگے کہ میرا

Marfat.com

ربّ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے، یہ سن کر نمرود ہکا بکا رہ گیا۔

جب دلائل و براہین ختم ہو جاتے ہیں تو تشدّد اور جارحیت کا رویّہ ابھرتا ہے۔ نمرود اور اسکے زعمائے سلطنت نے حضرت ابراہیمؑ کو سزا دینے کیلئے ایک بہت بڑی بھٹّی میں آگ دہکائی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے پائے استقامت میں ذرّہ برابر بھی لغزش نہ آئی اور انہوں نے مشرکین سے مفاہمت کرنے کی بجائے جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ انہیں گوپھن میں بٹھا کر بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔ لیکن جس خالق نے آگ کو جلانے کی تاثیر بخشی ہے، اسکے حکم سے آگ حضرت ابراہیمؑ کے لیئے صفتِ محرقہ سے عاری ہوگئی۔۔۔۔ (یَانَارُ کُونِی بردًا و سلامًا علیٰ اِبراھیم)۔ حضرت ابراہیمؑ آرام سے بھڑکتی ہوئی آگ کے اندر چلتے پھرتے رہے۔ بعدازاں وہ وہاں سے نکل کر فلسطین کی جانب ہجرت کر گئے۔ اپنے باپ آزر کیلئے ان کا دل رنجیدہ ہوتا تھا اور وہ اپنے رب سے اسکی معافی کی دعائیں مانگتے تھے۔ لیکن اللہ نے انہیں بتا دیا کہ آزر کے گناہ ناقابلِ معافی ہیں۔ تب حضرت ابراہیمؑ منشائے الٰہی کو سمجھ گئے اور راضی برضا ہو گئے۔

دجلہ و فرات کی سرزمین چھوڑ کر وہ فلسطین میں آ بسے۔ انکے ہمراہ انکی زوجہ سارہ اور بھتیجے حضرت لوطؑ تھے۔ یہاں بھی انہوں نے رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا ذریعہ معاش گلہ بانی تھا۔ ایک دفعہ خشک سالی کی وجہ سے جانور اور انسان بھوکے پیاسے مرنے لگے تو آپ نے مصر کی طرف ہجرت کی۔ اس زمانے میں جو مصر کا حکمران تھا وہ دراصل ایک عرب ہی تھا جو ہجرت کر کے مصر چلا گیا تھا اور وہاں ترقی کرتے کرتے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ توریت میں اسکا نام 'ابی ملک' درج ہے اور لکھا ہے کہ یہ بڑا ظالم بادشاہ تھا اور ادھر سے گزرنے والے قافلوں سے عورتوں کو اٹھوا کر محل میں ڈال لیتا تھا اور انکے خاوندوں کو قتل کروا دیتا تھا۔ البتہ عورت مرد کا تعلق اگر بھائی بہن کا ہوتا تو تعرض نہ کرتا۔ اسی لیئے حضرت ابراہیمؑ نے مصلحتاً

Marfat.com

حضرت سارہ کو اپنی بہن ظاہر کیا۔ لیکن ابی ملک پھر بھی حضرت سارہ کو اٹھوا کر اپنے محل میں لے گیا۔ جب وہ حضرت سارہ سے دست درازی کرنے لگا تو اس کے بازو مفلوج ہو گئے۔ اس سے اس نے حضرت سارہ کی بزرگی اور روحانیت کا اندازہ لگا لیا اور انہیں حضرت ابراہیم کے حوالے کرتے ہوئے گلہ کیا کہ انہوں نے اسے حقیقت حال سے بے خبر رکھا تھا۔ پھر اسنے اپنی بیٹی ہاجرہ (عبرانی ہاغاں) حضرت ابراہیمؑ کے عقد میں دے دی تا کہ وہ حضرت سارہ کی خدمت کرے اور ابراہیمی خاندان کے فیوض و برکات سے متمتّع ہو سکے۔ اس نے بے شمار بھیڑ بکریاں، اونٹ اور مویشی اور لونڈیاں غلام وغیرہ انہیں دے کر بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ (2)

حضرت ابراہیمؑ واپس فلسطین آئے۔ انہیں اور حضرت سارہ کو اولاد کی بڑی آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بیٹے کی خوشخبری دی گئی۔ لیکن یہ بیٹا ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ سارہ نے حسد محسوس کیا اور گھر میں کشیدگی کی فضا پیدا ہوگئی (3) حضرت ہاجرہ کا بیٹا ابھی شیر خوار ہی تھا کہ حضرت سارہ نے انہیں گھر سے نکالنے کے لیئے اصرار شروع کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ طبعًا نہایت حلیم اور شفیق تھے۔ ان پر سارہ کا یہ اصرار بہت گراں گزرا۔ شروع میں تو انہوں نے سارہ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن جب وحی الٰہی سے بھی یہ اشارہ ہوا کہ سارہ کی بات مان لی جائے تو آپ خاموش ہو گئے۔ پھر ایک دن ہاجرہ اور چھوٹے بچے کو لے کر گھر سے چل دیئے۔ ان کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور تھوڑی سی کھجوریں تھیں۔

حضرت ابراہیمؑ سارہ اور بچے کو مکے کے قریب لے آئے۔ اس زمانے میں نہ مکہ کا نام و نشان تھا اور نہ حجاز و عرب کی اصطلاحات مروّج تھیں۔ توریت نے عبرانی میں اس علاقے کو ''مدبار'' (بادیہ) کہا ہے (4) اور قرآن نے 'وادٍ غیر ذی زرع' سے موسوم کیا ہے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور بچے (اسمٰعیل) کو چھوڑ کر واپس روانہ ہوئے تو حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے لپکیں انہوں نے فریاد کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے واپس چلتے رہے۔ آخر ہاجرہ نے

پوچھا کہ وہ ایسا اپنی مرضی سے کر رہے ہیں یا خدا کے حکم سے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ وہ ایسا خدا کے حکم سے کر رہے ہیں۔ تب ہاجرہ چپ چاپ ایک جگہ بیٹھ گئیں (5)۔

حضرت ابراہیمؑ اگرچہ اللہ کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے، لیکن ان کا دل اندر سے رو رہا تھا۔ پچھلی عمر کی اولاد کو جسے دن رات کی دعاؤں کے بعد حاصل کیا اور اس بیوی کو جس نے اطاعت و فرمانبرداری میں خوئے شہزادگی بھلا دی، یوں بے یار و مددگار اس ویرانے میں چھوڑ کر واپس چل دینا ایک عظیم آزمائش تھی جس میں سے گزرتے ہوئے حضرت ابراہیم جیسے پیغمبر کا بھی کلیجہ کٹ رہا تھا۔ پہاڑی کی اوٹ میں ہوئے تو بچہ اور بیوی نظروں سے اوجھل ہو گئے، تو رک کر ان کی طرف رخ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر رب لایزال سے دعا گو ہوئے:

رَبَّنا اِنِّیٓ اَسکَنتُ مِن ذُرِیَّتِي بَوَادٍ غَیر ذی زرعٍ عِندَ بَیتِكَ المُحَرَّم ۔ رَبَّنا لِیُقِیمُو االصَّلاَ ۃَ فَاجعَل اَفئِدۃً مِنَ النَّاسِ تَھوِی اِلیھِم فَار زُ قھُم مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُم یَشکُرون۔ (ابراہیم ع:٦)

''اے ہمارے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے، تاکہ وہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزارانِ توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل اسکی طرف مائل ہو جائیں۔ اور انکے لیئے زمین کی پیداوار سے سامانِ رزق مہیا کر دے تاکہ تیرے شکر گزار ہوں۔''

ہاجرہ چند دنوں تک تو مشکیزے کا پانی تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کرتی رہیں، لیکن پھر مشکیزہ خالی ہو گیا اور کھجوریں بھی ختم ہو گئیں۔ بھوک پیاس کی وجہ سے ہاجرہ کی چھاتیوں سے دودھ بھی نہ اترتا تھا۔ بچہ رو رو کر ہلکان ہو گیا۔ بچے کی جان کنی دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ ہاجرہ الگ

Marfat.com

ہٹ کر ایک پتھر پر بیٹھ گئیں۔ بچے کی حالتِ زار نے وہاں بھی بیٹھنے نہ دیا۔ قریب ہی صفا کی پہاڑی تھی۔ اس پر چڑھیں کہ شاید ارد گرد کوئی آتا جاتا نظر پڑ جائے۔ لیکن اسی طرح مایوس و نامراد لوٹ آئیں۔ سات مرتبہ انہوں نے دوڑتے ہوئے یہ عمل دہرایا۔ (حج کے موقع پر سعی بین الصفا والمروہ ہاجرہ کی یاد میں ہی کی جاتی ہے)۔ آخر میں جب وہ مروہ کے قریب تھیں تو حضرت جبرائیل نے ظاہر ہو کر انہیں خوشخبری دی کہ اللہ نے ان کی فریاد سن لی ہے۔ جبرائیل نے ایک جگہ ایڑی ماری تو وہاں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا (6) ہاجرہ نے سیر ہو کر پانی پیا اور بچے کو پلایا۔ پھر انہوں نے ابلتے ہوئے چشمے کے گرد مینڈھ باندھ دی۔ جبرائیل نے کہا کہ ہاجرہ! خدا تجھے اور اس بچے کو ضائع نہیں ہونے دے گا، کیونکہ اس بچے اور اسکے باپ نے ''اللہ کا گھر'' تعمیر کرنا ہے۔

پانی کی فراوانی سے وہ جگہ ہاجرہ اور اسمٰعیل کیلئے رہائش کے قابل بن گئی۔ کچھ عرصہ بعد بنو جرھم کا قافلہ ادھر سے گزرا۔ انہوں نے پرندے اڑتے دیکھے تو پانی کی تلاش میں اس طرف پہنچ گئے۔ انہوں نے ہاجرہ سے وہاں قیام کی اجازت مانگی۔ ہاجرہ نے انہیں وہاں رہنے کی اجازت تو دے دی لیکن انہیں پانی کی ملکیت میں شریک بنانے سے انکار کر دیا۔ بنو جُرہم اس پر راضی ہو گئے اور حضرت ہاجرہ کے ساتھ رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو وہاں اکٹھا کر لیا اور پکے مکانات بھی تعمیر کر لیے۔ حضرت ہاجرہ کو بھی اس ویران علاقے میں انکا ساتھ غنیمت لگا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ اب نہایت خوبرو جوان بن چکے تھے۔ بنو جرھم نے ایک لڑکی ان کے ساتھ بیاہ دی۔ انکی شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہ انتقال کر گئیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بڑھاپے کی پہلی اولاد یعنی حضرت اسمٰعیلؑ سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ 'وادِ غیر زی زرع' میں وہ انہیں بسانے کے بعد انہیں بھلا نہیں بیٹھے تھے، بلکہ اکثر

Marfat.com

ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ''ذبحِ عظیم'' کا واقعہ بھی اسی دوران پیش آیا کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو جب ان کی والدہ مکہ لے آئیں تھیں تو وہ شیر خوار بچے تھے لیکن جب حضرت ابراہیمؑ کو انہیں قربان کرنے کا خواب آیا تو وہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ (7)

حضرت ہاجرہ کی وفات کے بعد ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند سے ملنے تشریف لائے تو حضرت اسمٰعیل گھر پر نہ تھے، شکار پر گئے ہوئے تھے۔ بنو جرہم کی خاتون جو کہ ان کی بیوی تھی گھر میں موجود تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسپر اپنا اور حضرت اسمٰعیلؑ کا اصل تعلق ظاہر نہ کیا اور پوچھنے لگے کہ گزر بسر کیسے ہو رہی ہے؟۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی نے شکائیتوں کا دفتر کھول دیا اور کہا کہ سخت پریشانی اور تنگدستی میں گزر بسر ہو رہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا ''اسمٰعیل آئے تو اس سے کہنا ''گھر کی چوکھٹ بدل لے''۔ حضرت ابراہیمؑ یہ کہہ کر تشریف لے گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ جب گھر لوٹے تو انہوں نے گھر کی فضا میں نورِ نبوّت کے اثرات کو محسوس کیا۔ استفسار کرنے پر بیوی نے بتایا کہ کوئی بزرگ آئے تھے اور آپ کے لیئے یہ پیغام دے گئے ہیں کہ آپ گھر کی چوکھٹ بدل لیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے کہا ''وہ میرے والد ابراہیمؑ تھے جو کہ خدا کے رسول ہیں۔ ان کا حکم ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں۔'' چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس خاتون کو طلاق دے دی اور ایک دوسری خاتون سے جو بنو جرہم قبیلے کی ہی تھی، شادی کر لی، کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیمؑ پھر تشریف لائے اتفاق سے اس دفعہ بھی حضرت اسمٰعیلؑ گھر نہ تھے۔ انہوں نے پھر اپنا اصل تعلق ظاہر کیئے بغیر بہو سے پوچھا!'' کھانے کو کیا ملتا ہے؟'' بہو نے کہا ''گوشت'' ابراہیمؑ نے پھر پوچھا ''اور پینے کو؟'' کہنے لگی ''پانی''۔ تب بوڑھے پیغمبرؑ نے دعا کی: ''اللّٰھم بارك لھم فی اللّحم والماء'' اے اللہ! انکے گوشت اور پانی میں برکت دے!'' جاتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے بہو سے کہا ''اسمٰعیل گھر آئے تو اس سے کہنا کہ اپنی چوکھٹ محفوظ رکھے۔'' حضرت اسمٰعیل گھر لوٹے تو بیوی نے سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا

Marfat.com

''وہ میرے والد اور اللہ کے رسول تھے۔ انکے حکم کے بموجب تو ساری عمر میرے بیوی رہے گی''(8)۔

محققین اس بارے میں اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو صفا اور مروہ کے درمیانی درّے میں چھوڑ کر گئے تھے۔ لیکن اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ یہ درّہ پہلے سے آباد تھا یا غیر آباد تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہاں پہلے سے ہی بنو جرہم آباد تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ زمزم کا چشمہ بھی شروع سے ہی یہاں موجود تھا اور یہاں سے گزرنے والے قافلے اس چشمے کے قریب قیام کیا کرتے تھے(9)۔ ہمارے لیئے یہ ساری بحثیں غیر متعلق ہیں کیونکہ جس بات کی ہمارے نزدیک اہمیت ہے اسپر سبھی محققین اتفاق رائے رکھتے اور وہ یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اس علاقے میں نووارد کی حیثیت سے آئے تھے اور مقامی باشندوں یعنی بنو جرہم میں بیاہے گئے تھے۔ حضرت اسمٰعیل کی دوسری بیوی بنتِ مضاض جرہمی العربی انکے بارہ بیٹوں اور ایک بیٹی کی ماں بنی۔ اس طرح عبرانی اور مصری خون کی آمیزش عربی خون سے ہوئی اور عرب مستعربہ کی نسل تیار ہوئی جس میں وجاہت وفصاحت اور شجاعت وسخاوت کی صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہ اسماعیلی عربوں کی نسل رفتہ رفتہ اکثر اطراف واکنافِ عرب میں پھیل گئی۔ چونکہ زوجۂ اسمٰعیل عربی النسل تھیں اور انکے مورثِ اعلیٰ یعرب بن قحطان تھے، اس لیئے آلِ اسمٰعیل خود کو عرب عاربہ بھی کہتی ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

(۱) بنایوت یا نابت یا نبط (اصحاب الحجر) (۲)۔ قیدار (۳)۔ اوبائیل (۴)۔ مستماع (۵)۔ مشا (۶)۔ عدد (۷)۔ تیما (۸)۔ یطور یا جطور (۹)۔ نفیش (۱۰)۔ دوما (۱۱)۔ قدمہ (۱۲) قیدمان (اصحاب الرّس)

اگر ہم حضرت ابراہیمؑ کے ترکِ وطن، قیامِ فلسطین، سفرِ مصر، سیّدہ ہاجرہ سے شادی،

Marfat.com

سارہ اور ہاجرہ کے جھگڑے اور ہاجرہ کو مکّہ کے قریب لا بسانے کے واقعات پر غور کریں تو ہمیں ظاہری حالات وظروف کی تہہ میں ارادۂ الٰہی کارفرما نظر آئے گا۔ یہ اللہ کی مشیت تھی کہ اس کا پرانا گھر جو حضرت آدم نے عبادت کیلئے بنایا تھا اور حوادثِ زمانہ سے جس کا نام نشان مٹ چکا تھا، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السّلام) کے ہاتھ از سرِ نو تعمیر ہو۔

اگر ہم اس دعا پر غور کریں جو حضرت ابراہیمؑ نے سیّدہ ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو 'وادِ غیر ذی زرع' میں چھوڑ کو واپس جاتے ہوئے مانگی تھی تو صاف پتہ چلتا ہے کہ انہیں 'بیتِ محرّم' کی موجودگی اور اسکے محلِ وقوع کا علم تھا۔ اس وقت تو اس علاقے میں نہ پانی اور نہ کسی قسم کی کھیتی کا نام و نشان تھا اور نہ ہی کسی قسم کی تعمیر کا وجود تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ ''اے ہمارے پروردگار! میں اپنی بعض اولاد کو وادِ غیر ذی زرع میں تیرے محترم گھر کے قریب بسا رہا ہوں''، اس بات کا ثبوت ہے کہ وہاں اس وقت کوئی تعمیر اور آثارِ زندگی نہ تھے، لیکن انہیں بیت اللہ کے کی جگہ کا پورا علم تھا۔ قرآنِ حکیم سے یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ تعمیر ابراہیمؑ سے بہت پہلے بیت اللہ شریف کا وجود تھا۔ لیکن بہر حال قرآنِ حکیم نے بیت اللہ کا معاملہ حضرت ابراہیمؑ سے ہی شروع کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہیں ''مجدّدِ انبیاء'' بھی کہا جاتا ہے۔ انکا تذکرہ قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے اور انہیں بار بار ''حنیف'' کہا گیا ہے۔ ان کے نام سے ایک سورہ بھی ہے جو مکّہ میں نازل ہوئی تھی۔ از روئے قرآن انہیں ''کتاب وحکمۃ (10) دی گئیں اور ''ملکِ عظیم'' سے نوازا گیا۔ انہوں نے اپنے سے پہلے کے تمام انبیاء کی شرائع وسنن اور طریقہائے تبلیغ و دعوت میں انقلاب انگیز تبدیلیاں کیں اور حق و باطل کے فرق و امتیاز کو واضح اور بیّن طور پر قائم کیا۔ ''مسلم'' کا لفظ بھی انہوں نے پہلی دفعہ استعمال کیا۔ ''ھُوَ سَمّٰکُم المُسلِمِینَ مِن قَبلِ وَفِی ھَذا'' (الحج)۔ (اس نے ابراہیمؑ نے) پہلے ہی سے تمہارا نام

Marfat.com

مسلمان رکھا ہے اور قرآن میں بھی (یہی پسندیدہ رہا)۔ مزید برآں حنیف کی اصطلاح جو اسلام میں نہایت مقبول و معروف ہے، انہی کی پیش کردہ ہے۔ حنیف کا معنی ہے، جھکنا، مڑنا۔ باطل سے اعراض کر کے حق تعالیٰ کی طرف مڑنے والا حنیف ہے۔ شرک کی ہر شکل کی نفی اور حق تعالیٰ سے براہ راست تعلق عبودیت کا اثبات و اقرار دین ابراہیمی کی اساس ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے، اس میں شرک، گمراہی، ستارہ پرستی اور بداخلاقی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے توحید الٰہی کے اثبات کیلئے ایسا انداز استدلال اختیار کیا، جو نہ صرف عقل سلیم کو اپیل کرتا تھا، بلکہ جس کی منطقی طور پر تردید بھی ناممکن تھی۔ ایسے استدلال کو فرض الباطل مع الخصم' یا معاریض کہا جاتا ہے۔ اس میں بحث کرنے والا اپنے مخاطب کو اسطرح گھیرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خود اپنی زبان سے وہ بات کہہ دیتا ہے جسکا کہ وہ اقرار کروانا چاہتا ہے (11)۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کا ستاروں، چاند اور سورج کو خدا ماننا اور پھر کہنا کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا، دراصل ایک کوشش تھی جو انہوں نے اپنے مشرک ہم وطنوں کے ذہن کو ناقص اور زوال پذیر مظاہر کائنات سے ہٹا کر خدائے فاطر السمٰوٰت والارض کی طرف مبذول کرنے کے سلسلے میں کی تھی۔ اسی طرح انہوں نے میلے میں شرکت میں معذوری ظاہر کی (اِنِّي سَقِيم") اور پھر تمام بت توڑ پھوڑ کر کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب ان کے ہم وطن واپس آئے تو انہوں نے استفسار کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا "بڑے بت سے پوچھو، کلہاڑا اسی کے کندھے پر ہے، اسی نے سارے بت توڑے ہیں۔" یہ ایک ایسی بات تھی جسے مشرکین بھی تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ بعض معترضین یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو مصلحتاً ہی سہی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے تھا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بڑے بت کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ نے جو بات کہی وہ جھوٹ کے ذیل میں نہیں آتی۔ جب کوئی پہلوان دوسرے پہلوان کے سامنے لمحہ بھر کیلئے جھکتا ہے تو ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اسے تعظیم دینے کیلئے جھکا ہے۔ وہ

Marfat.com

تو دراصل اسے اپنی پشت پر اٹھا کر نیچے پٹخ دینے کیلئے جھکتا ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے ایسا طرزِ استدلال اختیار کیا کہ ان کے بت پرست ہم وطن خود اپنے منہ سے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ بڑا بت خود ایسا کام نہیں کر سکتا، یہ کام ابراہیمؑ کا ہے۔ یہ اتمامِ حجت ہے اور یہی حضرت ابراہیمؑ کا مقصود تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرف جو تین جھوٹ 'کذبات ثلاث' (12) منسوب کیے جاتے ہیں ان میں سے بڑے بت والا تو جھوٹ کے ذیل میں آتا ہی نہیں۔ جب انہوں نے ''اِنیّ سقیم'' کا عذر پیش کیا تو کوئی کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ ان کی طبع مبارک واقعی ناساز نہ تھی؟ البتہ تیسرا جھوٹ جو شاہ مصر کے سامنے انہوں نے اپنی بیوی سارہ کو بہن ظاہر کر کے بولا تھا، وہ واقعی ذہن میں کھٹکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جیسا عظیم المرتبت پیغمبر جو رضائے الٰہی کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ میں کود جائے، محض پناہ حاصل کرنے اور تھوڑے سے مالی فائدے کیلئے حضرت سارہ کو بہن ظاہر کر دے، صحیح نہیں محسوس ہوتا۔ بعض حضرت ابراہیمؑ کا دفاع کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کی دینی بہن بھی تھیں لہذا انہیں بہن ظاہر کرنا کذب نہ تھا۔ لیکن طبع سلیم کیلئے یہ جواز بھی قابلِ قبول نہیں۔ دراصل یہ بیان توریت کا ہے۔ حقیقت نہ جانے کیا تھی۔ بنی اسرائیل تو اپنے پیغمبروں پر اس سے بھی زیادہ غیر اخلاقی الزامات لگانے سے نہیں چوکتے۔ مثلاً توریت میں ہے کہ حضرت لوطؑ جب اپنی بیٹیوں کے ساتھ عذاب زدہ بستی سے نکل آئے اور پہاڑی غار میں مقیم ہوئے تو انکی بیٹیوں نے رات کو انہیں شراب پلا کر ان سے ہم بستری کی۔ اس لیئے ہمارے لیئے یہ لازم نہیں کہ توریت کے بیان کو من وعن صحیح تسلیم کر کے حضرت ابراہیمؑ کی طرف کوئی جھوٹ منسوب کر دیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے سے پہلے کی تمام شریعتوں اور سنتوں کی از سرِ نو تدوین کی اور شرک و الحاد کے علی الرغم دینِ حنیف کی ایسی بنیاد رکھی جو آنے والی صدیوں تک قائم رہی اور اس پر سیدنا خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے اپنی شریعت کو استوار کیا۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ فلسطین، شام اور عرب کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کی غرض سے پھرتے رہتے تھے۔ انہوں نے متعدد مقامات پر مساجد تعمیر کی تھیں۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ ایک لمبا پتھر کھڑا کرتے اور اس پر اللہ کے نام کی قربانی دیتے۔ بچھڑے، مینڈھے یا اونٹ کا خون اس پتھر پر پڑتا۔ قربان گاہ کے ساتھ ساتھ پتھروں کی چار دیواری بنا دیتے جس کا آپ طواف کرتے اور اسکے اندر نماز ادا کرتے۔ قربانی کی رسم اگرچہ ان کے پرانے وطن عراق میں عام تھی، لیکن صائبین قربانی کا گوشت جلا دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ گوشت کی چربی دیوتاؤں کو بہت پسند ہے۔ تاہم حضرت ابراہیمؑ سوختنی قربانی کے قائل نہ تھے۔ قربانی کا گوشت وہ غربا میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد رفتہ رفتہ عربوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ خون دیوتاؤں کا پسندیدہ مشروب ہے۔ اس لیئے جس پتھر پر یہ بہتا ہے اس میں بھی الوہیّت پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں عربوں میں ان گھڑے پتھروں کی پرستش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

قربانی کی رسم کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ نے ختنے کی رسم کا اجراء بھی کیا جو قربانی کی طرح آج بھی مسلمانوں اور یہودیوں میں چلی آ رہی ہے۔ توریت میں ہے:

''جب ابرام ننانوے برس کا ہوا، تب خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں o تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو o اور میں تیرے اور اپنے درمیان عہد باندھوں گا اور تجھے بہت زیادہ بڑھاؤں گا۔ تب ابرام سرنگوں ہو گیا۔۔۔۔ پھر خداوند نے ابرام سے کہا ''تو میرے عہد کو ماننا اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت اسے مانے۔ اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے، سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزندِ نرینہ کا ختنہ کیا جائے o اور تم اپنے بدن کی کھلوی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہو گا جو میرے اور

Marfat.com

تمہارے درمیان ہے۔تمہارے درمیان پشت در پشت ہرلڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے ،خواہ وہ گھر میں پیدا ہو یا اسے کسی پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل سے نہیں o لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زرخرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تیرے جسم میں ابدی عہد ہوگا o اور وہ فرزندِ نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔۔۔۔۔۔اور جب خداوند ابرام سے باتیں کر چکا تو اس کے پاس سے اوپر چلا گیا o ۔۔۔۔۔۔۔۔تب ابرام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اور سب خانہ زادوں کو اور سب زرخریدوں کو یعنی اپنے گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق انکا ختنہ کیا o ابرام ننانوے برس کا تھا جب اسکا ختنہ ہوا اور جب اسکے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا o ابرام اور اسکے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ایک ہی دن ہوا o'' (پیدائش باب ۲۔ ۲۴:۴ باب ۲۸_۳۵:۱۳)

حضرت اسمٰعیلؑ اور سیدہ ہاجرہ کو ''وادِ غیر ذی زرع'' میں بسانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی آمد و رفت مسلسل جاری تھی۔ حکمِ خداوندی کے تحت ایک دفعہ انہوں نے حضرت اسمٰعیل کی مدد سے خانۂ کعبہ کی بنیادوں کی تلاش میں کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ جب وہ حضرت اسمٰعیلؑ اور سیّدہ ہاجرہ کو یہاں چھوڑ گئے تھے تب بھی انہیں اندازہ تھا کہ حضرت آدمؑ کا تعمیر کردہ بیت اللہ یہیں کہیں ہے۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بیت اللہ شریف کی پہلی تعمیر حضرت آدم نے ملائکہ کی مدد سے کی تھی۔ لیکن مرورِ زمانہ سے اس کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے انہی بنیادوں کو تلاش کیا تا کہ بیت اللہ کی تعمیر نو کر سکیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

Marfat.com

اِذ بَوَّ انَالاِ بْراهِيْمَ مَكَانَ الْبَيتِ اَنْ لَّا تُشرِكْ بِىْ شَيْئاً وَّطَهِّرْ بَيْتِى لِلطَّا ئِفينَ وَ القَائِمِيْنَ والرُّكَّعِ السُّجُوْدo(الحج ع:۳)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کی دی تھی، (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لیئے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں، رکوع وسجود میں جھکنے والے ہوں۔''

قرآن حکیم نے خانۂ کعبہ کو اولین عبادت کدہ قرار دیا ہے:

انَ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وهُدَ لِلْعٰلَمِيْنَ۔ (آلِ عمران ۹۶) ''بے شک سب سے پہلا وہ گھر جو لوگوں کیلئے (یادِ خدا کی غرض سے) بنایا گیا البتہ وہ ہے جو مکہ میں ہے جو سراسر برکت ہے اور جہان والوں کیلئے ہدایت (کا سرچشمہ)۔''

قرآن حکیم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کی عبادت کیلئے پہلے گھر کے علاوہ اسے پرانے یا قدیم گھر ''بیت العتیق'' سے بھی موسوم کیا ہے۔ قرآن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں نے مل کر کی تھی۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيمُ قَواَعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اسمٰعِيلُ ط ''اور جب ابراہیمؑ خانۂ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہا تھا اور اسمٰعیلؑ بھی اسکے ساتھ تھا۔'' (البقرہ ع ۱۲۷: ۱۵)

حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ اسے ایک پر امن اور آباد شہر بنا دے کہ یہ بنجر اور غیر ذی زرع ہونے کے باوجود اپنے مکینوں کو ہر طرح کی پیداوار، پھل اور رزق مہیا کر دے۔ تب خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ یہاں کے باشندوں کو ہر قسم کا رزق مہیا کیا جائے گا حتیٰ کہ جو کفر کا شیوہ اپنائیں گے وہ بھی ان فوائد سے محروم نہ رہیں گے (اگرچہ آخرت میں جہنم رسید ہی کیوں نہ ہوں)۔

یہاں یہ ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی۔ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے بارہ جری قبیلوں کے سردار بنے۔ انکی خوشحالی مکہ تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ عرب کے جن علاقوں میں بھی وہ جا کر بسے خوشحالی اور افراطِ رزق نے ان کے قدم چومے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے اجداد کی تعلیم و تلقین کو بھولتے گئے۔ دنیاداری، شرک اور بد خصائل انکی فطرت میں شامل ہو گئے۔ انکی خوشحالی اور تموّل کا یہ حال تھا کہ وہ ہندو راجاؤں کی طرح سونے کے زیوارات پہننے لگے۔ حد یہ کہ ان کے اونٹ بھی سونے کے قلاووں سے محروم نہ رہے۔ جب اسرائیلی حملہ آور جدعونؔ نے انکے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا تو اس وقت ان سے صرف کانوں میں پہننے والے جن زیوارات کو اکٹھا کیا گیا، ان کا وزن سترہ سو (۱۷۰۰) مِثقال تھا (13)۔

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیت اللہ کی جو نشاندہی ہوئی تھی وہ جگہ پہاڑی کی گھاٹی میں واقع تھی۔ الازرقی کی, اخبار مکہ، میں تعمیرِ ابراہیمؑ کے بارے میں لکھا ہے:

> ''حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے جو مسجد بنائی کتابوں میں اسکا ارتفاع نو ذرعہ (''ذراع'' کہنی سے کھلے ہاتھ کی لمبی انگلی اور پھر کلائی کے کنگن تک کی لمبائی ہے) اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک طرف کا طول اکتیس اور ایک طرف کا تیس ہے۔ اگر یہ پیمائش صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں پیمائش کے آلات نہ تھے اور قائمہ زاویے نہ نکل سکتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہر مقابل ضلعے مساوی نہ بن سکے۔'' (14)

حضرت ابراہیمؑ نے یہ سادہ سی چوکور عمارت اللہ کی عبادت کیلئے تعمیر کی تھی۔ اس کے نہ کواڑ تھے نہ کوئی کھڑکی اور نہ چھت۔ بس چار دیواری تھی۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ تعمیرِ کعبہ میں مصروف تھے تو حضرت جبرائیلؑ ساتھ والی پہاڑی سے حجرِ اسود نکال کر لائے جسے حضرت

Marfat.com

ابراہیمؑ نے ایک جگہ نصب کر دیا۔ اس پتھر کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جنتؑ سے آیا تھا، تب یہ دودھ کی طرح سفید تھا۔ لیکن بعد ازاں آتش زدگی کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا۔ بعض اسے ایک شہاب الثّاقب قرار دیتے ہیں جو خلا سے کرۂ ارض پر آ گرا تھا اور فضا میں رگڑ کھانے کی وجہ سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب بیت اللہ کی چار دیواری بنائی تو جو لمبا پتھر قربانی کے لیئے کھڑا کیا تھا، وہ حجرِ اسود ہی تھا۔ بہر حال یہ پتھر کعبہ کی چار دیواری میں شروع سے چلا آ رہا ہے۔ طواف کرنے والے اسے لازماً بوسہ دیتے ہیں۔ اس کی غیر معمولی تعظیم و تقدیس سے ہی حضرت عمر فاروقؓ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ لوگ اسکی طرف الوہیت ہی منسوب نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے حجرِ اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ''تو ہے تو ایک معمولی سا پتھر۔۔۔۔۔۔ میں تجھے صرف اس لیئے بوسہ دے رہا ہوں کہ نبی ﷺ نے تجھے بوسہ دیا تھا''۔ کعبہ کی عمارت کو کعبہ اس لیئے کہا گیا کہ یہ ایک مکعب عمارت تھی۔

شروع شروع میں حضرت اسمٰعیلؑ کعبہ کے متولی تھے۔ بعد میں اسکی تولیت انکے سسرال یعنی بنو جُرہم میں آ گئی۔ بنو جُرہم نے تعمیرِ ابراہیمؑ کی تجدید کی اور کعبہ کو انہی بنیادوں پر دوبارہ اٹھایا اور بلندی بھی نو ذرعہ قائم رکھی۔ اسکے بعد بنی حِمیر کا ایک قبیلہ جو کہ عمالیق ثانی کے نام سے مشہور تھا اور مکہ میں ہی عرصہ سے سکونت پذیر تھا، کعبہ پر قابض ہو گیا۔ چونکہ کعبہ کی عمارت پہاڑ کے نشیب میں تھی اس لیئے بارشوں کے سیلابی ریلوں سے اسے بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ چنانچہ عمالیق ثانی نے اسے کافی پختہ بنا دیا۔ عمالیق کی تعمیر کا زمانہ قبل مسیح کا ہے۔ پھر قصیؓ کے زمانے میں ایک دفعہ عمارت کعبہ کو شدید نقصان پہنچا۔ چنانچہ اس نے بھی نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر کروائی۔ قصی جناب رسالتمآب ﷺ سے اکیس پشت پہلے تھا۔ اس لیئے کہا جاتا ہے کہ قصی کی تعمیر آپ ﷺ سے کم و بیش دو سو برس قبل تھی۔ ایک بار یوں ہوا کہ کعبہ کے غلاف کو آگ لگ گئی اور اس کی دیواریں جگہ جگہ سے چٹخ گئیں اور ان میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئیں۔

Marfat.com

اوپر سے برساتی نالے کی باڑھ نے اسے مزید شکستہ کر دیا۔ جدّہ کی بندرگاہ پر جو کہ اس زمانے میں شعیب کی بندرگاہ کہلاتی تھی، ایک شکستہ جہاز آ کر رکا۔ اس جہاز کو یہاں توڑا گیا اور اسکی لکڑی قریش نے خرید لی۔ جہاز کے عملہ میں باقوم نامی ایک رومی انجینئر بھی تھا۔ قریش نے اسکی بڑی خدمت مدارت کی اور اسے تعمیرِ کعبہ پر راضی کر لیا۔ عرب کے علاقے میں عمارتی لکڑی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ جہاز کی لکڑی نے تعمیرِ کعبہ میں مدد کی۔ کعبہ کو ڈھایا گیا اور اصل دیواروں کے ساتھ مصنوعی باڑ لگا دی گئی۔ تعمیرِ نو کیلئے قریبی پہاڑیوں سے پتھر ڈھوئے گئے۔ جناب رسول اکرام ﷺ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اس رومن انجینئر نے کعبہ کی کرسی کو پہلے سے کافی بلند کر دیا تا کہ عمارت بارش کے سیلابی ریلوں سے محفوظ رہے۔ اب سیڑھی لگا کر ہی کعبہ کے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔ باقوم نے کعبہ کے اندر چھ ستون کھڑے کیئے اور چھت ڈالی۔ چھ ستون اس لیے بنائے گئے تھے چھت کے لیئے لکڑی کم پڑ گئی تھی۔ قریش نے تہیہ کر رکھا تھا کہ تعمیرِ کعبہ پر حلال کمائی لگائی جائے گی اور اسے رنڈیوں کے مال اور حرام آمدنی سے محفوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ عمارتی سامان کم ہونے کی وجہ سے احاطہ بھی قدرے چھوٹا کر دیا گیا۔ البتہ اضلاع کافی حد تک سیدھے کر دیئے گئے اب مشرق اور مغرب کی دیواریں ۱۲۔۱۲ میٹر ہو گئیں اور دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہو گیا۔ چھ ذرعہ جگہ چھوڑ دی گئی جو کہ حطیم یا حجر کہلاتی ہے۔

دورانِ تعمیر جب حجرِ اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو جھگڑا شروع ہو گیا کہ کون اسے اسکی جگہ پر نصب کرے گا۔ ابوامیہ نے تجویز پیش کی کہ جو مسجد حرام میں سب سے پہلے داخل ہو گا اسے جھگڑے میں حَکَم بنا لیا جائے۔ یہ تجویز متفقہ طور پر قبول ہوئی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہوا، وہ حضرت محمد ﷺ تھے۔ تمام لوگ خوش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کمال فراست سے کام لیتے ہوئے اپنی چادر بچھائی اور حجرِ اسود کو اسکے وسط میں رکھ دیا۔ پھر انہوں نے قوم کے تمام بڑے سرداروں سے کہا کہ وہ مل کر چادر کو اٹھائیں اور

Marfat.com

اسے دیوار کعبہ کے قریب لے چلیں۔ تمام سرداروں نے یونہی کیا۔ جب وہ اسے دیوار کے قریب لے آئے تو حضرت محمد ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھایا اور دیوار میں اسکی جگہ نصب کر دیا۔ اس طرح انہوں نے اپنی قوم کو کشت وخون سے بچالیا۔

پھر یزید کے زمانے میں عمارت کعبہ کو شدید نقصان پہنچا۔ معاویہ بن سفیان کے بعد جب یزید نے حضرت عبداللہ زبیرؓ سے بیعت لینا چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ یزید نے حُصین بن نُمیر کو فوج دے کر بھیجا جس نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔ وہ قریبی پہاڑ سے کعبہ پر سنگ باری کرتا تھا جسکی وجہ سے غلاف کعبہ جگہ جگہ سے پھٹ گیا اور دیواروں کو سخت نقصان پہنچا۔ عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کعبہ کے اردگرد خیمہ زن تھے۔ اتفاق سے خیموں میں آگ لگ گئی۔ غلاف کعبہ نے بھی جلد ہی آگ پکڑ لی اور پوری عمارت شعلوں میں گھر گئی۔ جب آگ بجھی تو عمارت کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اگر کوئی کبوتر بھی کسی جگہ بیٹھتا تو کئی پتھر وغیرہ نیچے آگرتے۔ اسی دوران یزید مر گیا اور عبداللہؓ بن زبیر کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ انہوں نے کعبہ کا تمام ملبہ صاف کر دیا۔ نیچے سے وہ بنیادیں نکل آئیں جو سیدنا ابراہیم نے رکھی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے نئی تعمیر میں وہ جگہ بھی شامل کر لی جو قریش نے سامان کی عدم دستیابی کی وجہ سے چھوڑ دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ کی مقرر کردہ بنیادوں پر ہی استوار کیا۔ انہوں نے اس دفعہ قریش کی بنائی ہوئی کرسی کو نیچا کر دیا۔ لیکن اصل بنیادوں پر آنے کی وجہ سے کعبہ لمبا ہو گیا۔ تھا، اس لیئے اسے بلند تر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نو ذرعہ کی بجائے اسکی بلندی بھی ستائیس ذرعہ کر دی اور کعبہ کی چھت چھ کی بجائے تین ستونوں پر ڈالی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دروازے بھی ایک کی بجائے دو کر دیئے۔ اندر داخل ہونے کیلئے شرقی دروازہ شروع سے ہی چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے خروج کے لیئے مغربی سمت میں بھی ایک دروازہ بنا دیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

نے کعبہ میں ردّو بدل کا جو بھی کام کیا وہ رسول خدا ﷺ کی اس خواہش کے مطابق کیا جو وہ کعبہ میں ترمیم و اضافہ کے بارے میں رکھتے تھے اور جس کا اظہار انہوں نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے کیا تھا۔

مکہ میں حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی حکومت بھی جلد ہی ختم ہو گئی۔ عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو اس نے حجّاج بن یوسف کو فوج دے کر عبداللہؓ بن زبیر کے مقابلے کیلئے بھیجا۔ عبداللہ بن زبیرؓ اس مقابلے میں شہید ہو گئے۔ حجاج نے عبدالملک کو لکھ بھیجا کہ کعبہ میں ایسی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں جو پہلے نہ تھیں اور ایک نیا دروازہ بھی بنا دیا گیا ہے۔ عبدالملک نے حجّاج کو ہدایت کی کہ نیا دروازہ بند کر دو اور جو کچھ ابن زبیر نے نیا بنایا ہے، اسے مسمار کر دو۔ چنانچہ حجاج نے چھ ذرعہ اور ایک بالشت کعبہ توڑ دیا اور قریش کی بنیادوں پر دیواریں تعمیر کروا دیں۔ نیا دروازہ بھی بند کروا دیا۔ باقی چیزوں کو اسی طرح رہنے دیا۔ صرف وہ دیوار جو حجر کی جانب ہے اور غربی دروازہ کا تیغہ اور شرقی دروازے کی چار ذرعہ اور ایک بالشت انچائی اور کعبہ کے اندر کی سیڑھی اور اسکے دونوں روشندان حجّاج کے بنائے ہوئے ہیں۔ (اخبارِ مکّہ ص ص ۱۴۵۔۱۴۶)

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے کعبہ کی دیواریں بغیر پوشش کے چلی آ رہی تھیں۔ لیکن چھ سو قبل مسیح میں اسعد حمیری نے اس پر پہلی دفعہ غلاف (کسوہ) چڑھایا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کعبہ کی دیواروں کو لباس پہنا رہا ہے۔ چنانچہ جاگنے پر اسنے واقعی کعبہ کی دیواروں کی پوشش کا کام شروع کر دیا۔ بعد ازاں رسولؐ اللہ کے زمانے میں بھی کعبہ پر غلاف چڑھتا رہا ہے اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ نے اس رسم کو پسند کیا تھا۔ خلفائے بنو امیہ و عباسیہ اور دیگر خلفا و سلاطین اسلام کے زمانے میں پوشش کعبہ کا کام بڑے تزک و احتشام سے ہوا کرتا تھا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حکّام نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ ایسے سیاہ

Marfat.com

مخمل کے قیمتی غلاف بھیجتے ہیں جن میں طلائی تاروں سے قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں۔ غلاف میں صرف دو سوراخ ہوتے ہیں۔ ایک پرنالے (میزاب) کیلئے اور دوسرا دروازے کیلئے۔ نبی کریم ﷺ نے کعبہ کو بتوں سے بالکل پاک کر دیا تھا لیکن اسکی تزئین و آرائش پر کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ چنانچہ مسلمان ہمیشہ اپنے ذوقِ جمال کے مطابق کعبہ کی سادہ سی عمارت کو سجاتے رہے ہیں۔ کعبۃ اللہ کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا گیا ہے لہذا اسکا احترام و تقدیس مسلمانوں پر ایسے ہی فرض ہے جیسے دیگر عبادات!

حضرت ابراہیمؑ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ لوگوں کے دل اسکی طرف پھیر دے، اسکو امن اور سلامتی کا شہر بنا اور اسکے باشندوں پر رزق فراواں کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور آلِ اسمٰعیل آنے والی صدیوں میں تمام اقطاعِ عرب میں پھیل گئی۔ اس میں شک نہیں انہوں نے شعائرِ ابراہیمی رفتہ رفتہ فراموش کر دیئے اور شرک والحاد کی دلدل میں بری طرح پھنس گئے لیکن اس امر سے انکار بھی ممکن نہیں کہ خدائے واحد کا تصوّر انکے خون میں برابر گردش کرتا رہا اور بیت اللہ کی تقدیس و عظمت کبھی بھی انکے دلوں سے محو نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جو بھی قبیلہ بیت اللہ کا متولی بنتا اسے بڑا محترم خیال کیا جاتا۔ چنانچہ قریشی تاجروں کے قافلے مال لے کر بلا روک ٹوک پورے عرب میں آتے جاتے تھے۔ نہ کوئی انہیں لوٹتا تھا اور نہ کوئی ان سے ٹیکس وغیرہ وصول کرتا تھا۔ چونکہ کعبہ اس عظیم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو یمن اور حضرموت وغیرہ سے اوپر شام و فلسطین اور مصر وغیرہ کی طرف جاتی تھی، اس لیئے ''وادٍ غیر ذی ذرع'' میں جہاں دور دور تک سنسان اور بنجر میدان پھیلا ہوا تھا، زمزم کا چشمہ عطیۂ خداوندی محسوس ہوتا تھا۔ زمزم کا پانی اگرچہ قدرے کھاری ہے اور اس سے بہتر پانی کے چشمے عرب میں کئی جگہوں پر مل جاتے ہیں، لیکن بیت اللہ کی وجہ سے اسے بڑا تقدس حاصل ہو گیا اور حاجی اس پانی کو مشکوں میں بھر کر دور دور تک لے جاتے ہیں۔ آلِ اسمٰعیلؑ نے اپنے جدِ

Marfat.com

امجد اور ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کردہ مسجد کی ہمیشہ تکریم کی ہے، اس لیئے رفتہ رفتہ یہاں مکّہ کا شہر آباد ہو گیا۔ شروع سے ''مدبار'' یا ''وادِ غیر ذی زرع'' کہلانے والا علاقہ دوسری صدی عیسوی میں پہلی مرتبہ ''مکّہ یا بکّہ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ (15) مکّہ کو اُم القریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ چار حرمت کے مہینوں (رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم) میں اسکے اندر کشت و خون حرام اور ممنوع ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سادہ اور چوکور عمارت کی تعظیم اور تقدیس اتنی بڑھی کہ یہ دنیا کے تمام ہیکلوں، مندروں اور معبدوں سے زیادہ محترم و معزّز بن گئی۔ کعبۃ اللہ سال کے بارہ مہینے مرجعِ خلائق بنا رہتا ہے لیکن حج کے موقع پر یہاں زائرین کا جتنا بڑا اجتماع ہوتا ہے اسکی نظیر پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے کوئی دوسرا معبد اسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

کعبہ کے متعلق پانچ اہم خدمات ہیں جو کہ متولّیانِ کعبہ پر فرض تھیں:۔

اول: سقایہ رفادہ:۔ حاجیوں کو کھلانا پلانا۔ دوم:۔ قیادہ:۔ لڑائی کی صورت میں افواج کی سربراہی کرنا۔ سوم: لوا، علم داری:۔ چہارم: حجاب، کعبہ کی حفاظت پنجم: ذول الندوہ:۔ دارالندوہ یعنی محلّہ مشاورت۔

Marfat.com

آٹھواں باب

عَامُ الْفِیل

جزیرۃ العرب کے جنوب مغربی سواحل کے بالمقابل اور بحرِ احمر کے اس پار افریقہ کا جو علاقہ تھا، وہ حبش یا حبشہ کہلاتا تھا۔ یونانی حبشہ کو ''ایتھوپیا'' کہتے تھے اور حبشہ کا تلفّظ یورپی اقوام نے ''ابی سینیا'' کر دیا۔ خود اہلِ حبش اسے ''جیز'' کہتے تھے۔ لُغت میں ''حبش'' کا مفہوم اختلاط اور امتزاج کا ہے۔ اہلِ حبش خود سامی النّسل نہ تھے۔ یہ افریقہ کے اصل حامی قبائل اور عربوں کے اختلاط سے وجود میں آئے تھے۔ اہلِ سبا کے ضمن میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ان کی نوآبادیاں نہ صرف شمالی عرب میں تھیں، بلکہ بحرِ احمر کے پار حبشہ میں بھی تھیں اور یہ چمڑے کی کشتیوں پر بیٹھ کر وہاں آیا جایا کرتے تھے۔ بحرِ عرب اور بحرِ احمر کے جو حصے یمن اور حبشہ کے مابین تھے، عرب جغرافیہ دانوں اور مورخوں نے انہیں ''بحرِ حبش'' کا نام دیا ہے۔ حبشہ چونکہ مصر سے بَرّی طور پر متصل ہے اس لیئے مصری تہذیب و ثقافت کے اسپر گہرے اثرات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازنطینی حکومت کا مذہب، عیسائیت یہاں کا بھی سرکاری مذہب بن گیا تھا۔ حِمیَرُ (سبا) کے زمانے میں انکی یہاں تجارتی نوآبادیاں قائم تھیں، اس لیئے یمنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ بھی اہلِ حبشہ کا گہرا تعلق تھا۔ اہل حبشہ تجارتی، معاشی اور تمدنی طور پر اہل یمن سے زیادہ متاثر تھے۔ البتہ مذہب کے معاملے میں ان پر مصر کا نمایاں اثر تھا۔

حبشہ کا پایۂ تخت اکسوم تھا۔ یہاں کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا۔ نجوس کا معنی ہے بادشاہ! قلعہ ریدان کے حمیر نے ۱۱۵ ق م میں اپنی حکومت قائم کی۔ اسی زمانے میں اکسوم میں نجاشیوں کی حکومت بھی قائم ہوئی جو حمیر کے متوازی چھٹی صدی بعد مسیح تک قائم رہی۔ اسلام

Marfat.com

کے بالکل ابتدائی زمانے میں حبشہ کے نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور قریش کے اس مطالبے کو مسترد کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا اور اسکی وفات کی اطلاع نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بذریعہ وحی دی تھی اور اسکی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھائی تھی۔ اس نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی تقریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ (1)

گزشتہ صفحات میں ہم اس امر کا تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں کہ عرب کے شمالی علاقے دو بڑی طاقتوں ایران اور روم کی کشمکش کی آماجگاہ بنے رہے تھے۔ انکے جہاں سیاسی و معاشی مفادات میں تصادم ہوتا تھا وہیں انکے مابین مذہبی کشمکش بھی جاری رہتی تھی۔ ماضی میں اہل روم عرب کی تجارتی شاہراہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کر چکے تھے جس میں وہ بری طرح ناکام ہو گئے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے بحری راستے پر اپنی تجارتی اجارہ داری قائم کر لی۔ لیکن تجارتی شاہراہ پر قبضہ کا خواب وہ بھولے نہیں تھے۔ انہوں نے مصر کے توسّط سے حبشہ میں عیسائیت کی جڑیں بڑی مضبوط کر دیں۔ ادھر یمن میں ایرانیوں کا اثر نفوذ تھا اور عرب بالطبع عیسائیت سے گریزاں تھے۔ اس لیئے یمن میں جب مذہب تبدیل ہوا تو یہاں عیسائیت کی بجائے یہودیت فروغ پذیر ہوئی۔

یمن میں لَخنِیعَة ایک نہایت بدکردار انسان تھا جس نے شاہی خاندان کو بھی بے بس کر کے یمن کی حکومت کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔ یہ عملِ قومِ لوط میں مبتلا تھا اور لوگ اسکے فساد سے عاجز آ چکے تھے۔ ایک دفعہ اس نے حسان کے بھائی تبان اسعد کے بیٹے زُرعہ ذونواس کو تخلیہ میں طلب کیا۔ ذونواس تب نہایت خوبرو نوجوان تھا۔ ذونواس اسکے ارادے کو بھانپ کر ایک پتلی سی تیز دھار چھری ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے لَخنِیعَة کا سر کاٹ کر روشندان میں رکھ دیا اور مسواک اس کے منہ میں دے کر خود فرار ہو گیا۔ خاندان، حِمیَر اور یمن کے دیگر قبائل

اسکے اس کارنامے سے بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے متفقہ طور پر اسے اپنا بادشاہ بنالیا۔ ذونواس یا یوسف ہی حمیری خاندان کا آخری حاکم ہے اور قرآن حکیم میں ''اصحاب الاُخدود'' کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نے یمن میں یہودیت کو بہت فروغ دیا اور عیسائیوں پر نا قابل بیان مظالم ڈھائے۔ لمبی لمبی خندقیں کھود کر اس میں اس نے آگ دہکائی اور بے شمار عیسائیوں کو اس میں جھونک دیا۔ اس طرح بے شمار عیسائیوں کو اس نے تہہِ تیغ بھی کر ڈالا۔ بقول ابن اسحٰق خاندانِ حمیر کا ایک شخص جو کہ دَوس ذوثعلبان کہلاتا تھا۔ ذونواس کے چنگل سے نکل کر بھاگ گیا اور دن رات سفر طے کرتا ہوا قسطنطنیہ میں قیصر روم کے دربار میں جا پہنچا اور ذونواس کے مظالم کی تمام داستان سنائی۔ قیصر نے اسے اپنا ایک خط شاہِ حبشہ کے نام دیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ دوس ذوثعلبان کی مدد کرے اور یمن جا کر عیسائیوں پر ظلم وستم کا انتقام لے۔ حبشہ کے نجاشی نے دَوس کے ہمراہ اَرباط سردار کی سرکردگی میں ستّر ہزار کا لشکر دے دیا۔ اس لشکر میں اَبرہۃ اَلاَشرم ارباط کا نائب بھی تھا۔ پھر یہ لشکر یمن کے ساحلوں پر اتر آیا۔ انہوں نے ذونواس کو عبرتناک شکست دی اور اسے بحرِ احمر میں غرق کر دیا۔ ارباط یمن کا حاکم بن گیا۔ دوس جو مصیبت حبشہ سے لے کر یمن پر نازل ہوا تھا، اس کا ذکر اہلِ یمن کے لیئے آج تک ضرب المثل بنا ہوا ہے۔

لَا کَدَوْسٍ وَّ لَا کَاَعلَا قٍ رَحلِہٖ

(یہ معاملہ ۔ ں اور اس کے سفر کی مشکلوں کی طرح کا نہیں (کہ جس کا حل نہ ہو) (2)

ابرہہ ارباط کا نہایت قابلِ اعتماد ساتھی تھا۔ ابرہہ عربی کا ابراہیم ہے اور اشرم کا مطلب نکٹّا ہے۔ ابرہہ کی ناک کسی بیماری سے یا کسی حادثے میں ضائع ہوگئی تھی اس لیئے لوگ اسے نکٹّا ابرہہ کہتے تھے۔ ابرہہ کچھ سال تو ارباط کے زیرِ نگین اسکے احکام کی بجا آوری کرتا رہا، لیکن پھر اس نے اسے قتل کر دیا اور خود حاکم یمن بن بیٹھا۔ حبشہ کے نجاشی الیباسہ (الاصبح) کو

Marfat.com

جب اس بات کا پتہ چلا تو وہ سخت مشتعل ہوا اور اس نے بحالتِ غضب یہ قسم کھائی کہ وہ یمن کی زمین کو ابرہہ کے خون سے سرخ کر دے گا۔ جب اس تک یہ خبر پہنچی تو اس نے بڑی چاپلوسی سے کام لیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چاقو سے چرکا لگایا اور ایک بوتل میں اپنا خون جمع کر دیا۔ پھر ایک پوٹلی میں یمن کی مٹی باندھ دی اور ایک خط میں نجاشی کو لکھا ''حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ اسے بامرِ مجبوری ارباط کو قتل کرنا پڑا اور یہ بھی اس نے نجاشی کی حکومت کے حق میں ہی کیا ہے ورنہ ارباط دراصل باغی ہو چکا تھا۔ اس نے لکھا اب جبکہ جناب والا میرے خون سے یمن کی زمین رنگنے کی قسم کھا چکے ہیں تو میں نے آپ کی قسم پورا کرنے کا سامان کر دیا ہے۔ اس مٹی پر میرا خون گرا دیں۔ میں ہر طرح سے آپ کا وفادار اور تابعدار ہوں۔'' نجاشی نے جب ابرہہ کا خط پڑھا تو وہ مصلحت کے تحت خاموش ہو گیا اور ابرہہ کی یمن میں حکومت کو منظور کر لیا۔

ابرہہ کی یمن میں حکومت کو نہ صرف حبشہ کے نجاشی کی مکمل تائید حاصل تھی بلکہ روم کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ جزیرۃ العرب میں رومی سلطنت کے دو بڑے سیاسی و تجارتی مفادات تھے (3)۔ اوّلاً یہ کہ سلطنت ایران کو زک پہنچائی جائے اور ثانیاً عربوں کی تجارتی شاہراہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ اگرچہ بحرِ احمر میں ان کا بہت بڑا بحری بیڑہ موجود تھا۔ اور اسی بیڑے کے ذریعہ سے ستّر ہزار فوج عرب کے سواحل پر اتاری گئی تھے، تاہم رومی چاہتے تھے کہ کسی طرح عرب کے تجارتی راستے پر انکے قبضہ کا دیرینہ خواب پورا ہو جائے۔ نہ صرف ہندوستان، چین، انڈونیشیا وغیرہ کی درآمدات کو اپنے طور پر مغربی ممالک میں بذریعہ خشکی پہنچاتے، بلکہ انہیں بحری آمدورفت کی نسبت وقت اور اخراجات کی بچت بھی ہوتی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلطنت ایران پر فیصلہ کن ضرب لگانے کیلئے انہیں نہایت عمدہ مواقع میسر آجاتے۔ ظاہر ہے کہ حجاز کی سرزمین اگر رومی تسلط کے تحت آجاتی تو نہ صرف یہ کہ پورے جزیرۃ العرب کے قبائل انکی مٹھی میں آجاتے بلکہ وہ انہی قبائل کو حکومت ایران کے خلاف لڑوا دیتے۔ اس لیئے ابرہہ

Marfat.com

کے عزائم اگرچہ بظاہر مذہبی محسوس ہوتے ہیں مگر در پردہ وہ رومی سلطنت کے معاشی و سیاسی منصوبوں کی تکمیل کر رہا تھا۔

یمن پر اہلِ حبش کا قبضہ ایک عظیم تاریخی واقعہ تھا جس کی صدائے بازگشت اس دور کی روایات اور شاعری میں ملتی ہے۔ سطیح کاہن کی پیشگوئی کا اہلِ عرب عموماً حوالہ دیا کرتے تھے جس کے الفاظ یہ تھے:

''تمہاری سرزمین پہ حبشی نازل ہونگے اور مقامات اَبَین سے جُرش تک تمام شہروں کے مالک ہو جائیں گے۔''(4)

شاعر ذوجَدَن بَنیون سلحین اور غمدان سے قلعوں کی تباہی پر یوں نوحہ کناں ہوا

اَبَعدَ بنیُونَ لَا عَینٌ وَّلَا اَثَرٌ

وَبَعدَ سِلحِینَ یَبنِی النَّاَس اَبیَاتا

(کیا قلعہ بَنیُون وسلحین اور انکی بنیادوں اور نشانیوں کی بربادی کے بعد بھی لوگ گھر بناتے رہیں گے؟)

ابن الذئبہ ثقفی یمن پر چھانے والے موت اور بربادی کے سائیوں کا ذکر یوں کرتا ہے۔

اَبعَدَ قبائِلَ مِن حِمْیَرَ اُبِیَدُ و اصباحاً بذاتِ العبَر

(کیا عبرتوں والے مقام میں صبح کے وقتِ حمیر کے قبیلے والوں کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد بھی کوئی شخص آرام کا امیدوار ہوسکتا ہے؟)

بِاَ لفِ اَلُوفٍ وحُرَّابَةٍ کَمِثَلِ السَّمَآ ءِ قُبَیلَ المَطَر

(جن کی تباہی ان) لاکھوں (افراد) اور جنگ جو (بہادروں) کے

Marfat.com

ذریعے سے (ہوئی) جو بارش سے کچھ پہلے (چھانے والے) ابر کی طرح (چھا گئے) تھے۔

يُصِمّ صِيَاحُهُمُ الْمُقَرَّبَاتِ وَيَنفُونَ مَن قَاتَلُوْ ا بِالذُّفَر

جن کی چیخ پکار تھان پر بندھے ہوئے گھوڑوں کو بہرا بنا رہی تھی اور جن سے وہ مقابلہ کر رہے تھے، انہیں وہ مکروہ بو سے جلا وطن کر رہے تھے یا زرہ بکتر کی زیادتی اور کثرت اسلحہ سے مرعوب ہو کر بھاگے جا رہے تھے۔

سَعَالِيَ مِثْلُ عديدِ التّوابِ تَيَبَّسُ مِنهُم لِطَابُ الشَّجَرُ

(یہ) غول بیابانی شمار میں گرد (کے ذرّات) کی طرح تھا جس (کی کثرت کے سبب) سے درختوں کی چھال خشک ہو گئی۔

ان اشعار اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کی فضا میں بیرونی حملہ آوروں کی کس قدر دہشت پھیل گئی تھی۔ غیر ملکی غلبہ و استیلا کے بادل جس سے وہ ہمیشہ بچے رہے تھے، اب انکی سرحدوں پر منڈلا رہے تھے۔ یمن پر حبشیوں کا حملہ اور انکی فتح سے اندرون صحرا رہنے والے بدّو قبائل اور دیہات اور شہروں کے رہنے والے متمدّن خاندان یکساں طور پر خائف ہو گئے تھے۔ یہ خوف اس وقت دو چند ہو گیا جب اَبرہہ نے مکّہ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔

ابرہہ نے صَنعاء میں ایک عظیم الشّان گرجا تعمیر کروایا اور اسکی تزئین و آرائش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اسکو ''قلیس'' کہا جاتا تھا جو بعد میں کلیسا بن گیا۔ ابرہہ یہ کہتا تھا کہ وہ عنقریب کعبہ کو منہدم کر دے گا پھر عرب میں کعبہ کا کوئی رخ نہ کرے گا۔ تمام قبائلِ عرب حج کرنے کیلئے اسکے تعمیر کردہ ''قلیس'' کی طرف آیا کریں گے۔ اس پر بنی فقیم کے ایک شخص کو بہت طیش آیا۔ اس نے رات کو ابرہہ کے کلیسا میں داخل ہو کر رفع حاجت کر دی اور فرار ہو گیا۔

Marfat.com

قریشی نوجوان کی اس حرکت پر ابرہہ غصے سے پاگل ہوگیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ مکہ پہنچ کر کعبہ کو ڈھا دے گا اور اس قریشی نوجوان کو پکڑ کر عبرتناک سزا دے گا۔ ادھر وہ قریشی نوجوان جب مکہ پہنچا تو اس نے اپنے قبیلے والوں کو بتایا کہ ابرہہ ساٹھ ہزار فوج اور متعدد ہاتھی لے کر مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ابرہہ کی فوج کی تعداد اور ہاتھیوں کا ذکر سن کر مکہ میں قیام پذیر قبائل میں بڑا خوف ہراس پھیلا۔ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ ان کے بس کا روگ نہیں۔

ادھر ابرہہ جب اپنی فوج لے کر نکلا تو اسے ذُونفر نامی ایک شخص سے مقابلہ کرنا پڑا جس نے بعض قبائل عرب اور کچھ یمنی سرداروں کو ساتھ ملا رکھا تھا۔ لیکن ذونفر کو شکست ہوئی اور ابرہہ نے اسے قید کرلیا۔ پھر ابرہہ جب خثعم کے علاقے میں داخل ہوا تو نُفَیل بن حَبیب خثعمی کی سرکردگی میں کچھ قبائل عرب نے متحد ہوکر اسکا مقابلہ کیا۔ لیکن انہوں نے بھی بری طرح شکست کھائی اور نُفیل کو بھی قید کرلیا گیا۔ ابرہہ نے شکست خوردہ قبائل جن میں شہران اور ناہس بھی تھے، پیچھے چھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔ جب ابرہہ طائف کے قریب سے گزرا تو بنی ثقیف کے لوگوں نے اسے اپنی تابعداری اور فرمانبرداری کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ تو معبُدُ الّات کے پجاری ہیں جبکہ ابرہہ کعبہ ڈھانے کے ارادے سے جارہا ہے۔ لہذا وہ لات کے معبد اور اسکے ماننے والوں کی جاں بخشی کردے۔ ابرہہ نے انہیں چھوڑ دیا اور ان سے ابورغال نامی ایک شخص کو بطور گائیڈ اپنے ساتھ لے لیا۔ مکہ سے نو دس میل کے فاصلے پر مُغمس نامی مقام پر جب ابرہہ کا لشکر پہنچا تو ابورغال مرگیا۔ یہاں سے ابرہہ نے اسود نامی حبشی کو جائزہ لینے کیلئے مکہ کی جانب بھیجا۔ اسود جب تہامہ کے علاقے میں پہنچا تو یہاں قریش اور دیگر قبائل کے اونٹ چر رہے تھے۔ وہ انہیں ہانک کر اپنی لشکرگاہ کی طرف لے گیا۔ ان میں وہ دوسو اونٹ بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے دادا جناب عبدالمطّلب کی ملکیت تھے۔ بعدازاں عبدالمطّلب نے ابرہہ سے ملاقات کی۔

Marfat.com

ابرہہ انکی وجاہت اور جلالت سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے تخت سے اتر کر ان کے ساتھ نیچے فرش پر آ بیٹھا۔ عبدالمطّلب نے اپنے دوسو اونٹوں کا مطالبہ کیا جو ابرہہ نے لوٹا دینے کا وعدہ کرلیا۔ پھر ابرہہ نے پوچھا کہ انہوں نے جنگ کی اور کعبہ کو بچانے کی بات کیوں نہیں کی۔ اس پر عبدالمطّلب نے کہا: ''یہ اونٹ میرے تھے، سو میں انہیں لینے آ گیا ہوں۔ کعبہ اللہ کا گھر ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا''۔ ابرہہ نے پوچھا کہ کیا وہ اسے مجھ سے بچالے گا؟ عبدالمطّلب نے جواب دیا ''آپ جانیں اور وہ جانے!''۔ ابرہہ نے عبدالمطّلب کے اونٹ واپس کر دیئے اور وہ اونٹ لے کر واپس آ گئے۔ اب اہلِ مکہ ان کے مشورے پر اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑیوں کے عقب میں چلے گئے۔ مکہ سے جب آبادی کا نخلا ہو چکا تو عبدالمطّلب بیت اللہ میں آئے اور درِ کعبہ کے حلقہ کو تھام کر گویا ہوئے ؎

لَا ھُمَّ اِنَّ العَبدَ یَمنَع لَح رَحلَهُ فَا منَع حلَالك

اے اللہ بندہ اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے حرم پاک کے مال ومتاع کی حفاظت فرما۔

لَا یَغلِبَنَّ صَلِیبَھُمْ ومِحَالُھُم غدواً محالك

ان کی صلیب اور انکی قوّتیں کل صبح تیری قوّتوں پر غالب نہ آ جائیں

اِن کُنتَ تَارِ کَھُمْ وَقِبلَتَنَا فَامر" مَابَدالَك

اگر تو ہمارے قبیلے کو اس حالت پر ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دے اور بیچ بچاؤ نہ کرے تو تجھے اختیار ہے، جو تجھے مناسب معلوم ہو کر۔

پھر عبدالمطّلب کعبہ سے نکلے اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ عبدالمطلب اور ان کے علاوہ جتنے بھی سرداروں نے کعبہ کی سلامتی کی دعائیں مانگیں

Marfat.com

وہ انہوں نے ربِ کعبہ، خدائے واحد سے مانگیں، کسی نے بھی کعبہ میں موجود کسی بت یا ثن کو نہیں پکارا۔ (5)

اگلے دن ابرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر کعبہ کی طرف بڑھا۔ اسکے لشکر میں ایک نہایت قد آور اور جسیم ہاتھی تھا جس کا نام محمود تھا۔ جب ہاتھی کا رخ مکہ کی طرف کیا گیا تو نفیل بن حبیب خثعمی اسکے قریب آ کھڑا ہوا اور اسکا کان پکڑ کر کہنے لگا 'محمود! بیٹھ جا! یا اُدھر کو چلا جا جدھر سے تو آیا ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ تو اللہ کی عظمت اور حرمت والے شہر میں ہے!'' یہ کہہ کر نفیل بن حبیب بھی اوپر پہاڑی گھاٹیوں کی طرف چلا گیا۔ اسکے جاتے ہی ہاتھی بیٹھ گیا۔ لشکر والے اسے اٹھانے کی کوششوں میں اسے زخمی کر بیٹھے۔ لیکن محمود نہ اُٹھا۔ البتہ اس کا رخ جب یمن کی طرف کیا گیا تو وہ اٹھ کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ لیکن جب اسے مکہ کی طرف موڑا گیا تو وہ پھر بیٹھ گیا۔ ابن ہشام لکھتا ہے:

''پھر اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیجے جو ابابیلوں اور بگلوں سے مشابہ تھے۔ ہر پرندے کے ساتھ تین تین کنکر تھے۔ ایک کنکر چونچ میں اور دو دو پاؤں کے پنجوں میں۔ یہ کنکر چنے اور مسور کے برابر تھے۔ کنکر جس پر گرتا، اسے ہلاک کر دیتا۔ لیکن سب پر یہ آفت نہ آئی۔ ان میں سے جو بھاگ نکلے، وہ اس راستے پر تیزی سے چلے جا رہے تھے جدھر سے آئے تھے اور نُفَیْل کو تلاش کرتے جا رہے تھے تاکہ یمن کی جانب راہنمائی کا انتظام ہو سکے۔'' (6)

عبیدہ بن عمیر کے حوالے سے محدث ابن ابی حاتم نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:۔

''جب ابرہہ کا لشکر مکہ کی جانب بڑھا تو تیز ہوا چلی اور سمندر کی جانب سے پرندوں کے غول اڑتے ہوئے لشکر پر چھا گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں پرندوں کا زبردست لشکر پَروں کے پَرے باندھے ہوئے ہے۔ ان کے منہ

اوران کے دونوں پنجوں میں سنگریزے تھے۔انہوں نے اول تو آواز کی اور پھر لشکر پر سنگریزے مارنے لگے۔ساتھ ہی تند و تیز ہوا چلنے لگی جس نے اس سنگ باری کو لشکر کیلئے مصیبتِ عظمیٰ بنا دیا۔ چنانچہ جس شخص پر یہ سنگریزے گرے بدن پھوڑ کر باہر نکل آئے اور بدن گلنے اور سڑنے لگا۔اور اسطرح ان سنگریزوں نے سارے لشکر کو چھلنی کر دیا۔'' (7)

اکثر روایات میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ لوگ گرتے پڑتے خستہ حال یمن واپس پہنچے۔ ابرہہ بھی انکے ساتھ تھا۔اس کا جسم گل سڑ چکا تھا اور وہ گوشت کا ایک لوتھڑا نظر آتا تھا۔ابنِ اسحٰق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سال پہلی دفعہ جزیرۃ العرب میں خسرے اور چیچک کی وبا پھوٹی تھی۔

نُفیل نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

اَینَ المَفَرُّ وَالِا لٰہُ الطَّالِبُ والاَ شرَمُ المَغلُوبُ لَیسَ الغَالِبُ

بھاگ نکلنے کی جگہ کہاں؟ قہرِ خدا تلاش میں ہے اور اشرم (یعنی ابرہہ) مغلوب ہو چکا ہے۔ہرگز غلبہ نہ پا سکے گا۔

نُفیل مزید کہتا ہے۔

حَمِدتُ اللہَ اِذَا البصَرُ تُ طَیراً وَخِفتُ حِجَارَۃً تُلقیٰ عَلَینا

جب میں نے پرندے دیکھے تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔میں ڈر بھی رہا تھا کہ پتھر ہم پر نہ آ گریں۔

وَکُلُّ القوُم یُسئَلُ عَنَ نُفَیلٍ کَانَّ عَلَیَّ لَلحُبشَانِ دَیناً

قوم کا ہر فرد نفیل کو ہی دریافت کر رہا تھا۔(کہ اس سے واپسی کا راستہ پوچھے،

Marfat.com

گویا حبشیوں کا مجھ پر کوئی قرض تھا۔(8)

جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو انہوں نے قریش کو اللہ کے متعدد انعامات اور فضل وکرم کے واقعات یاد دلائے۔ سورہ فیل میں بھی اللہ تعالیٰ نے قریش کو یاد دلایا ہے کہ کس طرح اس نے انہیں حبشیوں کے غلبہ سے بچایا اور متولیانِ کعبہ کی حیثیت سے انکا اعزاز واکرام بحال رکھا۔

اَلَم تَرَ کَیفَ فَعلَ رَبُّکَ بِاَصحٰبِ الْفِیلِ o اَلَم یَجعَلْ کَیدَھُم فِیْ تَضلِیلٍo وَاَرسَلَ عَلَیھِم طَیرًا اَبَابِیل o تَرمِیھِم بِحَجَارَةٍ مِّن سِجِّیلٍo فَجَعَلَھُم کَعَصفٍ مَّاکُوْلٍ o (۱۰۵:۱-۵)

کیا تو نے نہ دیکھا؟ کیا کیا تیرے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ! کیا نہیں بنا دیا ان کے فریب کو ناکارہ۔ اور بھیج دیئے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ۔ وہ پھینک رہے تھے ان پر سنگریزے۔ پھر انہیں کھائے ہوئے بھُس کی طرح کر ڈالا۔

بعض مفسّرین نے سورہ فیل کی تفسیر اس طرح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں کوئی مافوق الفطرت عنصر شامل نہ ہو سکے اور یہ واقعہ عام زندگی کا ایک سیدھا سادا سا واقعہ لگے۔ دراصل مسیحی علماء نے یہ کوشش کی تھی کہ اس واقعہ کی تشریح وتعبیر میں کسی بالاتر ہستی کا عمل داخل ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ اس طرح ابرہہ کے کلیسا کے مقابلے میں بیت اللہ کی عظمت ثابت ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ابنِ اسحٰق کی بیان کردہ اس روایت کو کہ وہاں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی تھی، انہوں نے بنیاد بنایا اور کہا کہ دراصل اس وبا کی وجہ سے ابرہہ کے لشکری اور ہاتھی کھائے ہوئے بھُس کی طرح ہو گئے تھے۔ سر سید احمد خاں اور دیگر عقلیّت پسند مفسّرین نے بھی اسی تشریح کو اپنایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابرہہ دراصل چیچک کی وبا کا شکار ہو جانے کی وجہ

Marfat.com

سے ناکام و نامراد لوٹ گیا تھا۔ پرندوں کی آمد کے بارے میں یہ مفسّرین کہتے ہیں کہ جزیرۃ العرب میں جب فوجیں نقل و حرکت کرتی تھیں تو گوشت خور پرندوں کو پہلے سے ہی پتہ چل جاتا تھا کہ اب انکی وسیع پیمانے پر دعوت کا اہتمام ہوگا۔ چنانچہ وہ میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگنے سے پہلے ہی اردگرد منڈلانے لگتے تھے۔

اسکے علاوہ مولانا حمید الدّین فراہیؒ کے نزدیک تَرمِیھِم کا فاعل "اَنتَ" ہے، طیور نہیں اس طرح یہ فعل گھاٹیوں اور چوٹیوں میں چھپے ہوئے اہلِ قریش کی طرف منسوب ہو جاتا ہے جو کہ ابرہہ کے لشکر پر اوپر سے سنگ باری کر رہے تھے۔ مولانا فراہیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قریش بنیادی طور پر نہایت شجاع لوگ تھے۔ اس لیئے ان سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ میدانِ کارزار سے منہ موڑ کر پہاڑیوں کے عقب میں روپوش ہو گئے ہونگے۔ اصل قصہ یہ تھا کہ وہ پہاڑیوں میں چھپ کر گوریلا انداز میں ابرہہ کے لشکر پر پتھروں سے حملہ کر رہے تھے۔ (9) ان ساری عجیب و غریب تاویلوں کے پیچھے یہ کوشش کارفرما ہے کہ ابرہہ کی ناکامی میں کوئی خارقِ عادت واقعہ شامل نہ ہو سکے۔ اس لیئے اِدھر اُدھر سے دلائل حاصل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ابرہہ کا لشکر چیچک کی وبا کا شکار ہو گیا تھا اور اوپر سے قریشیوں نے سنگ باری کر کے انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ رہے پرندے تو وہ فوجوں کے متوقع تصادم سے پہلے ہی اکٹھے ہو جاتے ہیں تا کہ لاشوں کو نوچ کر آتش شکم بجھا سکیں۔ اس طرح یہ ایک سیدھا سادا واقعہ بن جاتا ہے جس میں کوئی اچنبھا یا اعجوبہ نظر نہیں آتا۔

اس میں شک نہیں کہ بعض شعرائے عرب نے ایسے پرندوں کا ذکر کیا ہے جو فوجوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس توقع پر کہ جنگ کے بعد انہیں انسانوں اور حیوانوں کی نعشیں نوچنے کا موقع مل جائے گا۔ مثلاً نابغہ ذبیانی کہتا ہے ؎

Marfat.com

إذَا مَا غَزَوْا بِالْجَيشِ حَلَّقَ فَو قَهُمْ
عصايبُ الطيرِ تهتدِىْ بِعَصَايِب

اور جب وہ دھاوا بولتے ہیں اپنے لشکر کے ساتھ تو ان کے اوپر پرندوں کی ٹولیاں چکر لگاتی ہوئی اڑتی ہیں جنکی راہنمائی لشکریوں کی پگڑیاں کرتی ہیں۔

تَرَا هُنَّ خَلف القَوم خُزراً عَيُو نُهَا
جَلُوس الشَّيُوخ فِي ثِيَاب اِلمرَانِب

تو انہیں لوگوں کے پیچھے چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے گھورتے دیکھے گا، جیسے بوڑھے بیٹھے ہوں خرگوش کے فر والے کپڑے پہنے ہوئے۔

جَوَا نِع قَدْ اَيَقَّنَ اَنَّ قَبِيلَهُ
اِذَ مَاالتَقَى الجَمعَانِ اَوَّلُ غَالِب

وہ پرندے لاشوں پر یوں جھکے پڑتے ہیں جیسے انہیں اس بات کا یقین ہے کہ جب دونوں لشکر لڑیں گے تو پہلے غالب آنا والا قبیلہ ان کا ہوگا۔

ان اشعار میں نابغہ نے حقیقت سے زیادہ شاعرانہ تعلّی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ گوشت خور پرندے جنگ کے دوران اردگرد بیٹھے انتظار کرتے رہتے تھے تاکہ جب سب لوگ میدان سے چلے جائیں تو وہ جانوروں اور انسانوں کا گوشت کھا سکیں۔ لیکن نابغہ نے جس طرح نقشہ کھینچا ہے کہ گول آنکھوں والے اور خرگوش کی فر سے مشابہ پروں والے پرندے ہمارے لشکر کے ساتھ چلتے ہیں اور وہ لشکریوں کی پگڑیوں کو پہچانتے ہیں جو کہ ان کی راہنمائی کرتی ہیں اور انہیں جیسے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہمارے لوگ ہی فتحیاب ہونگے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی بہادری کی ڈینگیں مار رہا ہے۔ ان اشعار سے پہلے کے شعروں میں بھی اس نے اپنے گھوڑوں اور تلواروں کا تذکرہ مبالغہ آرائی کے ساتھ کیا ہے۔

Marfat.com

یہ مبالغہ آرائی اور تعلّی اسکی شاعری کا حسن ہے جسے عرب کے لوگ بھی بخوبی سمجھتے تھے۔لہذا ان اشعار کو بنیاد بنا کر ''وارسَلنَا عَلَیھِمْ طَیراً اَبَابِیل'' کی تشریح کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔مزید برآں ابرہہ کی ساٹھ ہزار فوج طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد کچھ دن تو مکہ کے نواح میں مقیم رہی ہوگی۔دوران قیام وہ وسیع پیمانے پر جانور اور مویشی ذبح کر کے کھاتے پیتے ہونگے اور مذبوحہ جانوروں کے ناقابلِ استعمال اعضا اور بچا کھچا کھانا وہیں اردگرد پھینک دیتے ہونگے۔اسطرح اس علاقے کے مردار خور پرندوں اور زاغ وزغن کے طعام کا سلسلہ تو کئی دن سے جاری ہوگا۔تو پھر یکا یک بڑی تعداد میں پرندوں کا ظہور سمجھ میں نہیں آتا دریں حالیکہ ابھی جنگ بھی نہیں شروع ہوئی اور کشتوں کے پشتے بھی نہیں لگے۔

دوسری بات بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ قریش عرب بڑے شجاع تھے اور جنگ سے منہ موڑنا ان سے بعید از قیاس ہے۔بعید از قیاس تو ان سے یہ ہے کہ وہ جنگ کا فیصلہ کرتے جو کہ خودکشی کے مترادف تھا۔تمام روایات اور بیانات اس امر کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ اہلِ قریش مقابلے کی طاقت نہ پاکر پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ابرہہ نے ان پر یہ بھی واضح بھی کر دیا تھا کہ وہ ان سے لڑنے نہیں آیا اور وہ اس سے خطرہ محسوس نہ کریں، وہ بس کعبہ ڈھا کر واپس چلا جائے گا۔اگر اہلِ قریش ابرہہ کے لشکر پر پتھراؤ کرتے تو انہیں شدید ردِّ عمل کا سامنا کرنا پڑتا۔دوسری بات یہ ہے کہ بازوؤں کی قوت سے پھینکا ہوا پتھر زیادہ دور نہیں جاسکتا تھا۔البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی روایت میں پتھر پھینکنے کا ذکر بھی ہو۔گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ قدیم عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ کنکریوں پر کچھ پڑھ کر اپنے دشمن کی طرف اچھال دیتے تھے۔یہ ممکن ہے کہ انہوں نے ابرہہ کے لشکر کی تباہی کیلئے اس طرح کا کوئی شگون لیا ہو۔

سورہ کا قرینہ بتا رہا ہے کہ ابرہہ کے لشکر کی تباہی پرندوں کے پھینکے ہوئے ان پتھروں سے ہوئی جنہیں ''حجارۃ من سجیل'' کہا گیا۔سجّیل ''سنگِ گل''، یعنی ''پکی ہوئی مٹی'' سے

Marfat.com

مقرب ہے۔ جیسے کسی گملے یا برتن کی ٹھیکری وغیرہ۔ ایسی ٹھیکریاں تو پہاڑوں پر نہیں پائی جاتیں۔ اگر ابرہہ کا لشکر اہل قریش کے پھینکے ہوئے پتھروں سے برباد ہوتا تو صرف ''حجارۃ'' کہنا کافی تھا ''من سجّیل'' کہنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مزید برآں اس صورت میں ''اَرْسَلَ عَلَیھِمْ طَیراً اَبَابِیل'' والی آیت بعد میں آتی۔ یعنی ابرہہ کے لشکر کا بھُس بن جانے کا ذکر پہلے ہوتا اور پھر پرندے بھیجنے کا ذکر ہوتا۔ (10) ان تمام تشریحات اور توضیحات سے قطعِ نظر، اس واقعہ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو بڑے سے بڑا مخالفِ اسلام بھی اسکی تردید کی جرأت نہ کر سکا۔ اس سورہ میں باری تعالیٰ نے اہلِ قریش پر اپنے احسان کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح پرندوں کے لشکر سے اس نے ابرہہ کے فوجیوں اور ہاتھیوں کو تباہ کر وا ڈالا۔ اگر یہ واقعہ قدرتِ الٰہی کا ایک بیّن ثبوت نہ ہوتا تو اس دور کے مخالفینِ اسلام جو ہر دم موقع کی تاک میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو نیچا دکھائیں، اس پر یوں خاموش نہ رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن مفسرین نے سورہ فیل کی عقلی اور قابلِ فہم تعبیر و تشریح کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے اسے زیادہ محیّر العقول بنا دیا ہے۔ چیچک کی وبا سے یکلخت ساری فوج کسی طرح مفلوج ہو کر رہ گئی؟ یا پہاڑیوں سے ہونے والی سنگ باری سے حبشی حملہ آور کیسے بھُس کا ڈھیر بن کر رہ گئے ساٹھ ہزار فوج اور متعدّد ہاتھیوں میں سے چند ایک فوجی اگر محض ایک ہاتھی اور کچھ کدالیں لے کر کعبہ کو گرانے پہنچ جاتے تو صرف چند گھنٹوں میں اپنا کام مکمل کر کے واپس آ سکتے تھے۔ کعبہ کی مختصر سی عمارت کوئی فوجی قلعہ تو تھی نہیں کہ اسکے انہدام پر ہفتوں صرف ہوتے۔ مزید برآں حرم میں مزاحمت کیلئے ایک متنفّس بھی نہ تھا اور مکہ کے کوچہ و بازار ویسے ہی سنسان پڑے تھے۔ ان حالات میں انسانی ذہن قدرتی طور پر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ابرہہ کے لشکر پر یقیناً کوئی ایسی عظیم آفت ٹوٹی تھی کہ وہ اپنا مقصد فراموش کر کے الٹے پاؤں

Marfat.com

بھاگ نکلے تھے۔

عربوں کا دستور تھا کہ وہ سالوں کو کسی اہم واقعے کے حوالے سے یاد رکھتے تھے۔ اس سال چونکہ ابرہہ نے ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کی تھی، لہذا یہ ''عام الفیل'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ سے پچاس دن پہلے محرّم میں پیش آیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ ہر طرف شرک اور کفر و الحاد کا گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اصحاب الفیل کا واقعہ جزیرۃ العرب کی تاریک فضا میں روشنی کا ایک کوندا تھا جس نے ایک بار ردائے ظلمت کو چیر دیا اور تمام لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ کچھ لمحوں کیلئے فضا اس کوندے سے منوّر ہوئی، اس روشنی کو لوگوں کی آنکھوں نے واضح طور پر محسوس کیا لیکن اس سے ان کے دلوں کی ظلمت نہ دور سکی۔ (فاانها لا تعمی البصار ولکن القلوب التی فی الصدور) (حج:۴۶) دراصل یہ روشنی پیش خیمہ تھی کہ اب ظلمت ختم ہونے والی ہے اور مہرِ درخشاں کے طلوعِ عالمتاب کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ اس سے پہلے بھی عرب کی تاریک فضا میں ہلکا سا اجالا پھیلا تھا۔ کِندۂ الملوک کے قبائلی اتحاد کا ایک کمزور سا رجحان عرب کی سیاسی فضا میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن وہ صبحِ کاذب کے اجالے کی ایک جھلک کی طرح تھا۔ اصحاب الفیل کا واقعہ ایک واضح دلیلِ آفتاب تھی اور اسکے بعد فی الواقع طاغوتی قوتوں کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور تاریکی بتدریج اجالے میں گھلنے لگی۔

حبشیوں کے زوال کے بعد ایرانیوں نے یمن پر اپنا تسلّط جمالیا۔ بیرونی غلبہ و استیلاء کے بادل جو عرب کی سرحدوں پر منڈلا رہے تھے اب حدودِ عرب کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ صدیوں سے آزاد زندگی گزارنے والے بدوی اور شہری یکساں طور پر خوف و ہراس کا شکار ہو چکے تھے۔ آج تک تو رومی اور ایرانی عرب میں 'بفر اسٹیٹس' بنا کر اپنا کام چلاتے آئے تھے۔ تدمر، پیٹرا اور حیرہ وغیرہ میں عربوں نے ہی اپنی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں جو غیر ملکی قوتوں

Marfat.com

کے مفادات کی نگرانی کرتی تھیں۔ لیکن اب روم و ایران نے یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ کسی طرح عرب سرزمین پر اپنا تسلط قائم کیا جائے۔ حبشیوں اور ایرانیوں کی جزیرۃ العرب میں آمد سے تمام قبائل عرب یکساں طور پر شدید عدم تحفظ کا شکار ہو گئے۔ ان حالات میں بین القبائلی اتحاد وقت کا اہم ترین تقاضا تھا۔ قبائلی اتحاد کی علامت صرف کعبۃ اللہ کی عمارت ہی تھی۔ لیکن اس کو بے یار و مددگار چھوڑ کر عرب پہاڑیوں کے عقب میں جا چھپے تھے۔ یہ سب باتیں عرب کے قبائل اپنے طور پر محسوس کر رہے تھے۔ قرآن حکیم نے بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ''کنتم علی شفا حفرۃٍ مِنَ النّار فانقذکم منها'' تم سب آگ گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اس نے تمہیں اس سے بچایا۔'' یہ وہ وقت تھا کہ صحرا میں بیٹھا ہوا ایک بدوی بھی شعوری یا لاشعوری طور پر یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ عربوں میں سیاسی و سماجی مرکزیت پیدا نہ ہوئی تو اغیار کی غلامی ان کا مقدر بن جائے گی۔ بایں ہمہ ان میں جہالت، سرکشی، تمرد اور شرک کی جڑیں اسقدر گہری ہو چکی تھیں کہ ایک عظیم روحانی و اخلاقی انقلاب کے بغیر وہ ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے نہیں ابھر سکتے تھے۔

Marfat.com

Marfat.com

طلوعِ عالمتاب

Marfat.com

نواں باب

ولادتِ مبارکہ

ولادت مبارکہ کی تاریخی حیثیت

یہ قانون قدرت ہے کہ تاریخی لحاظ سے اہم اور فیصلہ کن واقعات کا ظہور مخصوص اور متعین اوقات پر ہی ہوتا ہے اور ان میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ اگر ہم پلٹ کر تہذیب وثقافت کے تاریخی ارتقاء پر نظر ڈالیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ایسے تمام واقعات جنہوں نے انسانی تاریخ پر گہرے اثرات مترتب کیے ہیں، ان مخصوص مواقع پر ہی رونما ہوئے جن پر کہ انہیں رونما ہونا چاہئیے تھا اور اگر ان میں تقدیم وتاخیر ہو جاتی تو تاریخ کی وہ صورت نہ بن سکتی جو کہ آج ہے۔ کچھ یہی صورتِ حال نبی کریم ﷺ کے دورِ مسعود کی ہے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری عین اس موقع پر ہوئی جو کہ تاریخی لحاظ سے مناسب ترین تھا۔ اگر ہم تہذیب وتمدن کے تدریجی ارتقاء اور تاریخی عمل کے تسلسل کو مدِ نظر رکھیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ خاتم النبین ﷺ کا ظہورِ قدسی احسن اور مناسب ترین وقت پر ہوا تھا۔

ظہورِ قدسی کے موقع پر عرب کی جو اخلاقی، سیاسی اور سماجی حالت تھی اسکا ہم جائزہ لے آئے ہیں۔ اب ہم مختصراً عالمی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی مختلف اقوام کی کیا حالت تھی۔

اس میں شک نہیں کہ ولادتِ نبوی ﷺ سے بہت پہلے دنیا میں بڑی بڑی تہذیبیں بامِ عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو چکی تھیں۔ مصر، یونان، روم، ایران، ہندوستان، چین وغیرہ میں تہذیب وتمدن کے بڑے بڑے رفیع الشان قصر تعمیر ہوئے تھے، لیکن بتدریج سب کے سب

زمیں بوس ہو چکے تھے۔ جناب مسیح علیہ السلام سے نبی اکرم ﷺ تک کا زمانہ تقریباً پانچ سو ستّر (۵۷۰) سال بنتا ہے۔ اس دور میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا یہ فَترۃ (انقطاعِ وحی) کا زمانہ ہے۔ جس طرح نبی ﷺ پر تمام تر سلسلۂ نبوّت منتہی ہو جاتا ہے، اس طرح حضرت عیسیٰؑ پر بھی بنی اسرائیل کے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا (1) اس دور میں گزشتہ انبیاء کی تعلیمات کی تجدید کیلئے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے نہایت دیدہ دلیری سے انبیاء کی تعلیمات میں تحریفات کیں۔ حضرت مسیحؑ نے خدا کی وحدانیت کا درس دیا تھا اور بت پرستی سے منع کیا تھا، لیکن لوگوں نے عالیشان کلیساؤں میں حضرت مریمؑ کے بتوں کو سجا کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ مصر اور یونان کے بت پرستوں اور مجسمہ سازوں کو نادر موقع ہاتھ لگا۔ چنانچہ انہوں نے مسیحی عقاید میں بت پرستی کو بھی داخل کر دیا (2)۔ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کا عقیدہ عام ہو گیا تھا۔ یونانی مدرسے بند کر دیئے گئے تھے اور انکی جگہ انجیل اور عیسائی فلسفے کی تعلیم شروع کر دی گئی۔ مسیحی علم الکلام میں ایسی بحثیں شروع کر دی گئیں جن سے باری تعالیٰ کی وحدانیت کا تصور بڑی حد تک دھندلا گیا اور مشرکانہ عقائد کو فروغ ملا۔

اس میں شک نہیں کہ سیاسی طور پر عیسائیت بہت مقبول ہوئی تھی اور اسے سرکاری مذہب کا درجہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ عیسائیت نے لوگوں کے دکھوں کو کم کرنے کی بجائے زیادہ کر دیا تھا۔ راہب اور حکمران مل کر ہر سطح پر غریب اور کمزور عوام کا استحصال کر رہے تھے۔ اسی دور میں عیسائیت کی حامی بازنطینی سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ قیصر جنٹینین (۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک) کے دور میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جس سے رومی سلطنت میں بڑی تباہی پھیلی۔ پھر اسکی وفات کے بعد یورپی ممالک پر سے رومی تسلط ختم ہو گیا اور یورپ کے اکثر ممالک میں خودمختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ کئی قبیلوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ رومی حکمرانوں کو بغاوتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے متعدد محاذوں پر

Marfat.com

شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مجموعی طور پر رومی سلطنت کے سیاسی استحکام میں جگہ جگہ دراڑیں پڑ گئی تھیں۔

ادھر ایران کی ساسانی حکومت بظاہر بڑی مضبوط تھی۔ لیکن رومیوں کے ساتھ اسکی مسلسل محاذ آرائی نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ شمالی عرب میں جو ریاستیں قائم تھیں ان میں کبھی رومیوں کے حامیوں کا پلڑا بھاری ہو جاتا اور کبھی ایرانیوں کے حلیفوں کا! چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی کے شروع تک کا زمانہ دونوں مملکتوں کے مابین پیہم جنگ و جدل کا زمانہ تھا جسکی وجہ سے نہ صرف عرب کے سیاسی و معاشی حالات پر برے اثرات پڑے بلکہ بین الاقوامی تجارت بھی تباہ ہوگئی۔ سرزمین ایران پر اس دور میں اگرچہ ایرانی ہی حکمرانی کر رہے تھے۔ لیکن عوام پر بدترین آمریت مسلط تھی اور وہ خود اپنے ہی حکمرانوں کے ہاتھوں مقہور و مغلوب ہو چکے تھے۔ ایران میں زرتشتی مذہب سرکاری مذہب تھا جس کی رو سے آگ کی پرستش کی جاتی تھی۔ آگ کو اہورا مزدا (نیکی اور روشنی کے خدا) کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔

ہندوستان اگرچہ معاشی لحاظ سے بڑا خوشحال تھا، تاہم یہاں کے سماجی و اخلاقی حالات بہت خراب تھے۔ اس عظیم ملک کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ وسطی ہندوستان میں گپتا خاندان کے راجاؤں کی حکومت تھی۔ دکن میں کئی راجدھانیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ شمالی ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ اس زمانے میں یہاں بدھ مت کو بڑا فروغ حاصل تھا۔ مہاتما بدھ کو اسکے ماننے والوں نے خدا کا درجہ دے رکھا تھا اور اس کے اتنے بت بنائے گئے تھے کہ گمان و شمار سے باہر تھے۔ ان بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ بعد ازاں جب برہمن مت نے بدھ مت کی اہمیت کو کم کر کے ہندستان کے مختلف اقطاع میں اپنی بالادستی قائم کر لی تو بت پرستی نے پہلے سے بھی زیادہ فروغ پایا۔

چین کا خطہ بھی طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ وہاں کے حکمران کنفوشس کی تعلیمات

Marfat.com

بھلا کر عوام کو طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ۲۲۰ء سے لے کر چھٹی صدی کے اواخر تک چین کی سرزمین سیاسی وسماجی عدم استحکام اور افراتفری کا شکار رہی۔ ۶۱۹ء میں تائی تسونگ نے چین کو ازسرِ نو منظّم اور مستحکم کیا۔ ہندوستان میں زوال پذیر ہونے کے بعد بدھ مت کو چین میں قبولِ عام حاصل ہوا اور اسکے ساتھ ساتھ چین میں بت پرستی کو بہت بھی فروغ ملا۔

جناب مسیحؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت تک کے دور پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو لازماً اسے دورِ ظلمت کے نام سے یاد کرنا پڑتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس میں بت پرستی، شرک، ظلم وستم اور استحصال کی ایک زبردست لہر نے عالمی سطح پر تمام اقوام کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات یا تو فراموش کر دی گئی تھیں یا انہیں مسخ کر دیا گیا تھا۔ طرزِ حکومت تقریباً ہر جگہ یکساں تھا۔ بادشاہ تنخواہ دار فوجیوں کے بل بوتے پر کمزور اور غریب عوام کا بدترین استحصال کرتے اور اپنی ہوس ملک گیری کی تکمیل کرتے۔ عوام النّاس ہر جگہ مظلوم اور مجبور تھے۔ انہی کی ہڈیوں پر حکمرانوں کے ایوان تعمیر ہوتے اور انہی کا خون نچوڑ کر اقتدار کے عفریت کو قوت فراہم کی جاتی۔ غلاموں اور لونڈیوں کی خرید وفروخت عام تھی۔ تجارت کا عالمی نظام سونے چاندی کے سکّوں میں رواج پا چکا تھا اور اسکے ساتھ ساتھ سودی کاروبار کو بھی عالمی سطح پر فروغ ملا تھا۔

علم وحکمت کے چراغ جہاں کہیں فروزاں تھے، انہیں گُل کر کے تعصّب اور نفرت کے شعلوں کو بھڑکایا جا رہا تھا۔ وحیٔ الٰہی کے پاکیزہ سرچشموں کو بدفطرت لوگوں نے اتنا گدلا کر دیا تھا کہ تشنہ لب انسانیت ان سے سیراب نہیں ہو سکتی تھی۔ طاغوتی قوتیں جہالت کے اندھیروں میں پوری شدّت سے سرگرمِ عمل تھیں اور اس انسان کی ذلت وخواری پر خندہ زن تھیں جو پتھر کے بے جان اور بے شعور بتوں کے آگے سجدہ ریز تھا۔ انہی عالمی حالات پر قرآن حکیم

Marfat.com

نے کمال اختصار اور بلاغت کے ساتھ یوں تبصرہ کیا ہے:

ظَهَرَ الفَسَادُ فِیْ البَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیدِ ی النَّاسِ لِیُذِ یقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْ جِعُون۔(الروم۔۴۱)

(خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تا کہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔)

علامہ اقبال نے ''تشکیل جدید'' کے چھٹے خطبہ کے آغاز میں جے۔ایچ۔ڈینی سن کی کتاب ''جذبات بطور اساس تمدن'' سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں ظہور اسلام کے وقت دنیا کی حالت کا بڑا موثر نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ذیل میں اس اقتباس کا اردو میں ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

''تب (ظہور اسلام سے قبل) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم تمدن جس کی تعمیر پر چار ہزار سال صرف ہوئے تھے، ٹوٹ کر بکھرنے کے قریب تھا اور (عین ممکن تھا کہ) بنی نوع انسان اس دورِ وحشت کی طرف پلٹ جاتی جس میں ہر قبیلہ اور ہر فرقہ ہر دوسرے قبیلے اور فرقے سے برسرِ پیکار رہتا تھا۔اور جس میں قانون اور امن و امان کا کوئی تصوّر نہ تھا۔ قدیم قبائلی تکالیف (Sanctions) اپنی افادیت کھو چکی تھیں۔لہذا قدیم شاہی طور طریقے ناقابل عمل ہو چکے تھے۔ عیسائیت کی جدید تکالیف (Sanctions) نے بجائے اتحاد اور امن امان کے انتشار و افتراق اور تباہی و بربادی میں اضافہ کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جو بہت ہی پر آشوب تھا۔(اس دور کا) تمدن ایک رفیع الشان درخت کی طرح تھا جسکی شاخیں ساری دنیا پر سایہ فگن تھیں اور جن پر فن، سائنس اور ادب کے سنہرے برگ و بار آئے تھے (اور یہ

Marfat.com

اب) کھڑا لرز رہا تھا۔اس کے تنے میں اب عقیدت اور لگن کا حیات بخش رس نہیں دوڑ رہا تھا (جس سے کہ اسکی زندگی مشروط تھی) ، بلکہ یہ اندر تک کھوکھلا ہو چکا تھا۔ جنگ و جدل کے طوفانوں نے اسے شکستہ کر دیا تھا۔اب یہ صرف قدیم رسوم وقوانین کی ڈوریوں کے سہارے کھڑا تھا جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی تھیں ۔ کیا کوئی جذباتی (یعنی نفسیاتی او رروحانی نوعیت کی) تہذیب ایسی موجود تھی جو اس خلا کو پورا کر سکتی اور انسانیت کو مربوط و متحد کر کے تمدن کو بچا سکتی ؟ ایسی تہذیب کے لیئے ضروری تھا کہ وہ بالکل جدید طرز کی ہو کیونکہ ماضی کی تکالیف (Sanctions) اور رسومات مردہ ہو چکی تھیں اور انکی جگہ اگر نئی Sancions تعمیر کی جاتیں تو اس میں صدیاں لگ جاتیں'' (4)

اس ضمن میں علامہ اقبال نے شہنشاہ جولین کا حوالہ بھی دیا ہے جس نے متعدّد ممالک فتح کرنے کے بعد کسی ایسے اصول کی ضرورت محسوس کی جو اسکے مفتوحہ علاقوں کو ایک مضبوط سیاسی وسماجی بندھن میں باندھ سکتا۔ قبائلی عصبیت ایک نہایت قدیم اور حیوانی غول پسندی سے ملتا جلتا اصول ہے جو انسانی ہجوم کو سیاسی وسماجی تنظیم دیتا ہے۔ اس کو علامہ زمین سے پیوستگی (Earth-rootedness) کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ خونی رشتوں اور قبائلی عصبیت سے ذرا اوپر اٹھیں تو ہمیں کسی بادشاہ کے تخت وتاج سے وابستگی ایک ایسا اصول نظر آتا ہے جو کسی ملک کے طول وعرض میں بسنے والے افراد کو معاشرتی اور سیاسی وحدت عطا کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی بادشاہ کا حیطۂ اقتدار اپنے ملک کے علاوہ متعدد ممالک تک پھیل جائے تو تخت وتاج سے وابستگی والا اصول بھی ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ شہنشاہ جولین کو مختلف رنگوں، نسلوں، طبعیتوں اور زبانوں کے حامل انسانی گروہوں کو ایک معاشرتی وحدت میں منظم کرنے کیلئے کسی ایسے اصول

کی ضرورت تھی جو کہ قبائلی عصبیت اور تخت و تاج کی وابستگی سے کہیں بڑھ کر لچکدار اور پرکشش ہوتا۔ اس نے اسی مقصد کے لیئے عیسائیت کو اپنایا۔ لیکن عیسائیت کا بنیادی درس ہی ترکِ دینا تھا۔ اسکی تعلیمات میں سے سیاسی و سماجی تنظیم کے اصول کیسے وضع کیئے جا سکتے تھے؟ چنانچہ شہنشاہ جولین نے عیسائیت سے مایوس ہو کر دوبارہ رومی دیوتاؤں کی طرف رجوع کر لیا۔ (5)

ڈینی سن کے مندرجہ بالا اقتباس میں زمانۂ ماقبل اسلام کے حالات کی بڑی صحیح اور موثّر تصویر پیش کی گئی ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زمانۂ قدیم کے تمدّن کی عمارت گرنے والی تھی کیونکہ یہ جن رسوم و رواج کی اساس پر قائم تھی وہ بہت فرسودہ ہو چکی تھیں۔ انسانیت کو بڑی شدّت سے کسی ایسے اصول کی تلاش تھی جو نہ صرف انسان کی روحانی و ذہنی بالیدگی کا باعث بنتا، بلکہ سیاسی وحدت کے حصول میں بھی مددگار ہوتا، ڈینی سن اس امر پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ دنیا کو نئی ثقافتی اساس عرب جیسے ملک سے ملی۔ علامہ اقبال اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حیاتِ کائنات اپنی ضروریات سے وجدانی طور پر آگاہ ہوتی ہے اور نازک موقعوں پر خود اپنی راہِ عمل وضع کرتی ہے۔ اس کو مذہب کی زبان میں پیغمبرانہ وحی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ اسلام ان سادہ لوگوں کے اذہان میں ابھرتا جو قدیم تمدنوں کے اثرات سے پاک تھے اور ایک ایسی سرزمین پر بستے تھے جس سے تین برِّ اعظم مَس کرتے تھے۔ (6)

اسلام نے توحید کی صورت میں انسانیت کو ایک ایسا اصول عطا کیا جس کی برکت سے ارتقاء کی بلند تر منزلوں کا حصول آسان ہو گیا۔ توحید نہ صرف انفرادی سطح پر شخصیت کے استحکام اور تنظیم کا باعث بنی، بلکہ اس سے تمدّن کی ایک اہم ضرورت یعنی سیاسی و سماجی وحدت بھی پوری ہو گئی۔ لوگوں کی وابستگیوں کو رنگ و نسل اور تخت و تاج سے ہٹا کر خدائے واحد و

Marfat.com

لایزال سے مشروط کر دیا گیا۔اسطرح لوگوں کیلئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ قبیلے اور ملک کی سطح سے بلند ہو کر ایک وسیع تر اور بین الاقوامی سیاسی و سماجی اتحاد میں منسلک ہو سکیں۔ خدائے واحد سے وفاداری علامہ اقبالؒ کے نزدیک دراصل انسان کی اپنی ہی مثالی فطرت سے وفاداری کے مترادف ہے کیونکہ توحید ایک روحانی اصول ہے اور ذاتِ الٰہیہ ہی تمام حیات و شعور کی روحانی اساس ہے۔

اقرار توحید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: کلمة "واحدة" تعطونیها تملکون بها العرب و تدین لکم بها العجم۔(7)

یعنی ایک کلمۂ توحید اگر تم مجھ سے لے لو (اور اسے اپنے قلب و نظر میں رچا بسا لو تو تم نہ صرف سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے، بلکہ عجم کی طاقتیں بھی تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائیں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جیسے جیسے لوگ اس کلمہ کو اپناتے گئے، ویسے ویسے عرب کے بکھرے ہوئے قبائل متحد ہوتے گئے اور انکے مابین جو ایک مستقل حالتِ جنگ تھی وہ ختم ہو گئی اور وہ رنگ و نسل اور تخت و تاج کی وابستگیوں سے اوپر اٹھ کر توحید کے ایک خالصۃً روحانی اصول کو حرزِ جان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قبائل و شعوب کی رنگا رنگی سے نکل کر ایک یک رنگ امت کی وحدت میں مدغم ہو گئے۔ عرب و عجم کا اقتدار اس امت کے قدموں کی خاک بن گیا۔ لیکن یہ سب کچھ تاریخ کے ایک مخصوص دور میں ہونا تھا اور اسی میں ہوا۔ اندھیری رات اپنا طویل سفر طے کر کے اب ڈھل چکی تھی۔ سراجِ منیر اور مہرِ درخشاں کے طلوع عالمتاب کی گھڑی قریب آ لگی تھی۔۔۔۔۔۔ اس ساعتِ مبارکہ کے انتظار میں نہ جانے زمین نے کتنے چکر لگائے تھے اور آسمان نے کتنا انتظار کیا تھا۔ یہ تاریخ کا فیصلہ کن موڑ تھا۔ راہنمائی اور ہدایت کے قدیم منابع اب سدا کے لیئے بند ہونے والے تھے۔ انسانی تمدّن ایک نئی کروٹ لے رہا تھا۔ جبلّت اور وجدان کی بجائے اب سائنسی فروغ کا دور شروع ہونے والا تھا۔ اسلیئے یہ ضروری تھا کہ آسمانی رشد و ہدایت اور وحی الٰہی کی روایت کے مکمل انقطاع سے

Marfat.com

پہلے ایک دفعہ گزشتہ تمام انبیاء کی تعلیمات کی تجدید اور تدوینِ نو کر کے انہیں آفاقی اور عمومی تناظر میں پیش کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا انتظام بھی کیا جائے کہ صحفِ ماقبل کی طرح آخری صحیفہ میں کسی قسم کی تحریف اور ردّ و بدل نہ ہو سکے۔ مزید برآں آنے والے سائنسی دور کیلئے عقلی و اجتہادی رعایتوں کی گنجائش رکھنا بھی ضروری تھا۔ (اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ ختمِ نبوّت کے ذیل میں کیا جائے گا) الغرض آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت تاریخ کے اس موڑ پر ہوئی جب کہ آپ ﷺ کی ضرورت پوری بنی نوع انسان انتہائی شدّت سے محسوس کر رہی تھی اور بہت جلد سائنسی دور میں داخل ہونے والی تھی۔

ولادتِ مبارکہ فنّ روایت کی روشنی میں

شروع شروع میں نبی ﷺ کی سیرت پر کُتب لکھنے کا رواج نہ تھا اور نہ ہی سیرت نگاری کو فن کو درجہ حاصل تھا۔ البتہ قصیدہ گوئی کی روایت زمانہ جاہلیت سے چلی آ رہی تھی۔ شاعر قبیلے کے غزووں اور اپنے بہادروں کے کارہائے شجاعت کے قصیدے کہتے اور انہیں مجلسوں میں سناتے۔ لوگ جادو بیاں شاعروں کی زبانی بہادروں کی جوانمردی کے واقعات نہایت ذوق وشوق سے سنتے۔ بہادروں کی مدح سرائی اور غزوات کا بیان عربوں کی سماجی زندگی کا اہم حصہ تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد بھی یہ رسم جاری رہی۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں شعرا (مثلاً حسان بن ثابتؓ، کعب بن زہیرؓ) قصائد لکھا کرتے تھے جنہیں آپ ﷺ بھی سنا کرتے تھے اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اس روایت سے غزواتِ اسلامی کے تذکرہ کا رجحان ابھرا۔ لیکن عرصہ تک یہ رجحان محدود اور دبا دبا سا رہا۔ پھر کچھ لوگوں نے مسلمانوں کی جنگی مہمات اور صحابہ کبارؓ کی بہادری اور حمیّت کو تحریری صورت میں پیش کیا۔ ان مجموعوں کو 'مغازی' کا نام دیا گیا۔ چنانچہ سیرۃ کی اولین کُتب کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چونکہ بہادروں کی منقبت اور مدح سرائی عرب کی تہذیبی روایت کا حصہ تھی اس لیئے

Marfat.com

اصولی طور پر 'مغازی' کو صدرِ اسلام میں ہی ارتقاء پذیر ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن ہوا یوں کہ صحابہ کبارؓ کی تمام تر توجہ قرآن حکیم کو محفوظ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و تشریحات اور اقوال و فرامین کو ضبطِ تحریر میں لانے میں جذب ہو چکی تھی۔ اس لیئے غزوات وغیرہ کا اگر ذکر آتا بھی تھا تو ضمناً! صحابہ کبارؓ نے احادیث جمع کرنے اور ان کی صحت کا تعیّن کرنے میں بہت جانفشانی سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آغازِ کار میں جو مرتبہ فقہ و حدیث کا تھا وہ فنِ سیرت کو نہ مل سکا۔

مغازی کی طرف خصوصی توجہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں دی گئی۔ انکے حکم کے بموجب عاصم بن عمر بن قتادہ بن انصاری (المتوفی ۱۲۱ھ) جو کہ فنِ مغازی میں یدطولیٰ رکھتے تھے، جامع مسجد دمشق میں مغازی کا درس دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہی ہدایت پر امام زہری جیسے نامور فقیہ اور محدّث نے مغازی کی پہلی کتاب تحریر کی۔ امام زہری سے محمد بن صالح تمار اور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز نے یہ فن سیکھا اور اسے آگے بڑھایا۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق دو ایسے اصحابِ مغازی ہیں جن کا نام اس فن کے حوالے سے بہت مشہور ہوا۔ اور انہی پر اس فن کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ (8) مغازی پر موسیٰ کی کتاب اب عنقا ہو چکی ہے۔ لیکن چونکہ ایک زمانہ میں یہ بہت مشہور تھی اس لیئے سیرت کی متعدد کتابوں میں اس کے حوالے کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ابنِ اسحٰق کی مغازی البتہ دستیاب ہے اور ابنِ ہشام نے اپنی مشہور کتاب ''سیرت النبی ﷺ'' کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔

سیرت پر باقاعدہ کتابیں لکھنے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی وصال کے سو سوا سو سال بعد شروع ہوا۔ چنانچہ مصنّفین و مولّفین نے یہ کوشش کی کہ جہاں کہیں سے کوئی روایت، قول یا حکایت ملی، اسے انہوں نے اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس صحت اور احتیاط کے ساتھ احادیث اکٹھی کی گئی تھیں اس صحت و احتیاط کو سیرت نگاری میں ملحوظ نہ رکھا جا سکا۔ شروع

Marfat.com

میں سیرت کی چند کتب ہی دستیاب تھیں۔ ابن اسحٰق کی ''کتاب المغازی'' ابن ہشام کی ''سیرت النبی ﷺ'' طبری کی ''تاریخ کبیر'' واقدی کی ''مغازی'' اور ابن سعد کی ''طبقات'' کو کلاسیکی ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔ بعد ازاں جتنی بھی کتبِ سیرت و مغازی لکھی گئیں، وہ انہی کتب کی بنیاد پر لکھی گئیں۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ واقدی وہ شخص ہے جس نے بہت سی غیر ثقہ روایات اور افسانوی حاشیہ آرائی کو سیرت نگاری کا حصہ بنا دیا۔ اس لیئے اسکا پایۂ صحت اتنا نہیں جتنا کہ ابن ہشام، طبری اور ابن سعد کا ہے۔

احادیث کی صحت کا معیار قائم رکھنے کے لیئے 'اسماء الرّجال' کا باقاعدہ ایک نظام وضع کیا گیا تھا۔ کسی روایت یا قول کے درجۂ صحت کے تعین کیلیئے یہ ضروری تھا کہ وہ غیر منقطع ہو ۔یعنی راویوں کا تسلسل ٹوٹے نہیں۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ راوی کون ہیں؟ انکی ذہانت کا معیار کیا ہے؟ ذاتی زندگی میں وہ کس حد تک قابلِ اعتماد اور دیانت دار ہیں، ان راویوں کے بارے میں گھر گھر جا کر اور دور دراز کے سفروں کی تکالیف اٹھا کر معلومات اکٹھی کی گئیں۔ اور انہیں جن کتابوں میں محفوظ کیا گیا انہیں 'کتبِ اسماء الرّجال' کا نام دیا جاتا ہے۔ شبلی لکھتے ہیں:۔

''سینکڑوں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کر دیں۔ ایک ایک شہر میں گئے' راویوں سے ملے' انکے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں۔ جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہ تھے، انکے دیکھنے والوں سے انکے حالات معلوم کیئے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشّان فن تیار ہو گیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر کے حسنِ ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔''(9)

اسماء الرّجال کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ روایات کے تسلسل کا پتہ لگایا جائے اور

Marfat.com

راویوں کے درجۂ استناد اور پایۂ صداقت کا تعین کیا جائے۔ اسکے ساتھ ساتھ ضعیف اور موضوع روایتوں کو الگ کرنے کیلئے درایت کو بھی بروئے کار لایا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑی حد تک ایسی احادیث اکٹھی ہو گئیں جنہیں مستند اور ثقہ کہا جا سکتا تھا۔ چونکہ احادیث کا سلسلہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی تک پہنچتا تھا اور انکی حیاتِ طیبہ کے کسی نہ کسی پہلو اور گوشے کو اجاگر کرتا تھا اس لیئے ذخیرۂ احادیث میں سیرتِ مبارکہ کے بارے میں متفرق اشارات اور متعدد جزئی بیانات بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں۔ حدیث کا علم اصولی طور پر قانون اور شریعت سے متعلق تھا۔ سلطنت کے قیام اور تشریعی امور کی تکمیل کیلئے فقہا اور حکام کو رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور قرآن حکیم کی تشریحات کی اشد ضرورت تھی۔ اس لیئے حدیث کا علم سیرت نگاری سے مختلف سمجھا گیا کیونکہ سیرت نگاری میں ایک خاص نقطۂ نظر سے ایک مخصوص شخصیت کے مزاج، طرزِ فکر و عمل، سماجی اور ذاتی رویوں اور ذہنی و جذباتی انداز و اطوار کا مطالعہ کیا جاتا ہے جب کہ احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے بالعموم قانونی معاملات، عقائد اور عبادات کی تشریح اور دیگر اجتماعی معاملات ملحوظ ہوتے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے شب و روز انکے مشن سے الگ حیثیت نہیں رکھتے تھے جیسے کہ قرآن حکیم میں ہے:

لقد کان فی رسول اللہ اسوۃ" حسنۃ" لّمنُ کان یرجُواالله والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیراً (الاحزاب:۲۱) "بے شک رسول اللہ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیئے پیروی اور اتباع کا بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والے اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے اور کثرت ذکر کرنے والے ہیں" حضرت عائشہؓ نے بھی حضور ﷺ کو قرآن مجسّم قرار دیا تھا۔ (خلقہ القرآن) یہی وجہ ہے کہ نقطۂ نظر کے اختلاف اور منہاجیاتی فرق کے باوجود ذخیرۂ احادیث سے سیرت نگاری کیلئے کافی مواد فراہم ہو گیا۔ احادیث سے جزئی واقعات کا علم حاصل ہوتا تھا۔ اس لیئے احادیث کی روشنی میں حیات طیبہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے

Marfat.com

بعض مقامات پر خلا پیدا ہو جاتا تھا۔ اس خلا کو راوی اپنے تخیل سے پر کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علما سیَر و مغازی کو استناد و تیقن کا وہ درجہ نہیں دیتے تھے جو کہ علم حدیث کو حاصل ہے۔ بلکہ بعض اوقات حدیث اور سیَر و مغازی باہم گر متصادم بھی ہو جاتے ہیں (مثلاً غزوہ ذی قرد کی تاریخ کے بارے میں محدثین اور اہل سیَر میں اختلاف ہے)۔ بایں ہمہ احادیث کی روشنی میں سیرت نگاری کی جو کاوشیں ہوئیں، اس سے کتبِ سیرت میں بھی استناد و تیقن کا درجہ بلند ہو گیا ہے۔ مزید برآں بعض سیرت نگاروں نے علم حدیث کے اصول درایت کو بھی اپنایا اور اس سے فنِ سیرت نگاری کو مزید نکھارا۔

سیرت نگاری کو علم التّاریخ سے بھی کافی مدد حاصل ہوئی۔ واضح رہے کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے فنِ سیرت نگاری علم الحدیث کی طرح علم التّاریخ سے بھی مختلف ہے۔ تاریخ میں مشاہیر اور افراد خواہ وہ کتنے ہی عظیم المرتبت کیوں نہ ہوں ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ میں اصل اہمیت انسانوں کی حیاتِ اجتماعی کے اس دھارے کی ہوتی ہے جس میں ادوار، مقامات اور افراد اُبھرتی مٹتی لہروں کی مانند ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس سیرت نگاری میں زمان و مکان کا پھیلاؤ اور تاریخ کا دھارا ایک شخصیت میں مرتکز ہو جاتا ہے۔ الغرض سیرت نگاروں کو تاریخی واقعات سے بھی مدد ملی اور انہوں نے بہت سے ایسے واقعات جو کتبِ حدیث میں مذکور نہ ہو سکے، تاریخی روایات سے اخذ کر لیئے۔ اس طرح سیرت نگاری میں ضعیف اور موضوع روایات یا پھر ایسے تاریخی واقعات جن کا کوئی ثبوت نہیں، شامل ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآب ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے بارے میں بھی بہت سی ضعیف اور موضوع روایات سوانح نگاروں نے اپنی کتب میں شامل کر لیں جن کی توثیق نہ احادیثِ صحیحہ سے ہوتی ہے، نہ اصول درایت سے اور نہ ہی تاریخی دستاویزات سے! ان موضوع اور منقطع روایات کی شمولیت کی بنا پر میلاد النبی ﷺ کے بارے بعض بے سروپا باتیں مشہور ہو گئیں۔ ان میں سے کچھ درج

Marfat.com

ذیل ہیں:۔

۱۔ جب رسول اللہ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو ایک سفید پرندہ نمودار ہوا اور حضرت آمنہ کے پاس آ کر ان سے بات چیت کی۔ مزید برآں یہ کہ اس رات تمام حیوانات اور طیور نے انسانوں کی مانند باتیں کیں۔

۲۔ حضرت آسیہؑ اور حضرت مریمؑ کا حضور ﷺ کی ولادت سے قبل آنا اور آمنہ کو بشارت دینا۔

۳۔ جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا تو دو سو عورتیں رشک سے مر گئیں۔

۴۔ جناب رسول اللہ کی پیدائش کے دن ایران کے آتشکدے میں ایک ہزار سال سے فروزاں آگ بجھ گئی۔ نوشیرواں کے محل کے کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے اور خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تمام بت اوندھے جا گرے۔

۵۔ حضور ﷺ کی پیدائش کے فوراً بعد ایک بادل سا نمودار ہوا جو آپ ﷺ کو لے کر غائب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد آپؐ سفید کپڑوں میں لپٹے ہوئے حضرت آمنہ کے پہلو میں پائے گئے۔

۶۔ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے تو عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں۔

۷۔ غیبی آوازوں سے بحرِ سادہ کے خشک ہو جانے کی خبر ملی۔

۸۔ مکہ آنے والے بعض لوگوں نے شیاطین و جنات کو مکہ سے فرار ہوتے دیکھا اور انکی خوفناک آوازیں سنیں۔ (11)

یہ اور اسطرح کی متعدّد روایاتِ ولادتِ نبوی ﷺ کے بارے میں کتبِ سیرت میں داخل ہو گئیں۔ اور نقل در نقل کے سلسلے میں یہ متواتر جگہ پاتی رہیں حتیٰ کہ عام مسلمانوں کے اندر یہ اتنی راسخ ہو گئیں کہ ان سے انکار کو کفر کے مترادف قرار دیا جانے لگا۔

Marfat.com

دراصل ایسی ،روایات حافظ ابونعیم ،طبرانی اور بیہقی سے ماخوذ ہیں ۔ یہ روایات چونکہ نہایت دلپذیر اور متاثر کن تھیں ،اس لیئے اصحابِ سیَر نے زیبِ داستاں کیلئے اور واعظین نے گرمیٔ گفتار کیلئے انہیں اپنالیا۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کی پہلی جلد میں ان روایات کو نقل کیا ہے۔لیکن یہ تمام روایات غیر متصل اور منقطع ہیں ۔اس لیئے فنِ روایت کی رو سے انہیں مستند قرار نہیں دیا جا سکتا۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''محدثین نے جو اصول قرار دیئے تھے، سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظر انداز کر دیئے۔ محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ ایک روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے۔لیکن آنحضرت ﷺ کے حالاتِ ولادت کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں۔ اکثر منقطع ہیں۔ صحابہؓ میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کی عمر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو، سب سے معمّر حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ وہ آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو برس کم تھے۔اس بنا پر میلاد کے بارے میں جس قدر روایتیں ہیں ان میں سے اکثر متصل نہیں اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتیں پھیل گئی ہیں۔''(12)۔

مولانا ابوالکلام آزاد بھی ایسی تمام روایات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سرے سے یہ تمام روایتیں ہی از قبیلِ قصص و حکایاتِ موضوعہ ہیں، جن کا کتبِ معتبرۂ حدیث میں نام ونشان تک نہیں۔۔۔۔۔یہ کتنی بدبختی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ شہرت اور عوام وخواص میں جو بیانات سب سے زیادہ مقبول ہیں، وہی سب سے زیادہ غیر معتبر اور نا قابل تسلیم بھی ہیں۔ یہ حال ہر علم وفن کا ہے۔تاریخ میں وہی کتابیں اور انہی کتابوں کی

Marfat.com

حکایتیں مشہور و مقبول ہیں، جن کے بعد ہمارے یہاں خرافات واکاذیب کا کوئی درجہ نہیں۔ سِیَر و فضائل میں بھی انہی کتابوں کو قبولِ عام حاصل ہے جن کے مصنّف محدّثین کی جگہ قصّاص و واعظین تھے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ قدما کی کتابوں پر نظر نہیں اور ہر علم و فن میں تمام دارومدار متاخرین پر ہے۔ یہ لوگ محض حاطب اللّیل تھے اور چند کتابوں سے رطب و یابس روایات کو کسی ترتیبِ تازہ کے ساتھ جمع کر دینا ہی ان کی قوتِ تصنیف کا سدرۃ المنتہیٰ تھا۔ میں نے قصّاص و واعظین کا لفظ کہا یعنی مذہبی قصص و حکایات سے گرمیِ محفل کا کام لینے والے واعظین۔ فی الحقیقت یہ طبقہ ہمارے یہاں ابتدائے سرچشمۂ موضوعات و مبداءِ جمیع اقسام افتراو کذوبات و بدو ع خرافات و حکایات رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے وعظ و بیانات کو انظارِ عوام میں پرکشش بنانے کیلئے مجبور تھے کہ قصص و حکایات کی تلاش و جستجو میں رہیں۔ اور اگر میسر نہ آئیں تو خود وضع کریں۔ "یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عندا للہ" (بقرہ:۷۹) اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر یہ لوگ اس طرح کی تمام روایتوں کو شاعرانہ اغراق و تغلیب اور داستان طرازانہ اضافہ و تحشیہ کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بیان کرتے تھے اور رفتہ رفتہ مرض متعدّی ہو جاتا تھا" (13)

مولانا آزاد آگے چل کر لکھتے ہیں:

"علی الخصوص متاخرینِ ایران میں بعض لوگوں نے وعظ گوئی کو ایک مستقل فن بنا دیا اور چونکہ قابل اور اہلِ قلم بھی تھے، اس لیئے اپنی مجالس کو کتبِ سیر و قصص کی صورت میں مدوّن بھی کر دیا۔ اضلو فاضلو فویل لھم فلاتباء ھم۔ (وہ گمراہ ہوئے، پس وہ گمراہ ہوئے،

Marfat.com

افسوس ان پر اور انکے پیروؤں پر) مثلاً ملا واعظ کاشفی اور ملا معین الدین ہروی انہی لوگوں میں سے تھے۔ علی الخصوص آخر الذکر شخص جو فی الحقیقت انشا پردازی، حکایت طرازی، اقتباس روایات ضعیفہ و موضوعہ، تاویلاتِ رکیکہ قرآن و سنّت اور عبور در سوخ اسرائیلیات و روایات یہود میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

شاید بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں کہ آج اردو زبان میں جس قدر مولود لکھے گئے ہیں اور رائج ہیں، وہ سب کے سب بے واسطہ یا بالواسطہ اسی ملّا معین ہروی کی کتابوں، معارج النبوّۃ، تفسیر سورۂ یوسف موسوم ''بہ نقرہ کار'' قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موسوم بہ ''اعجازِ موسوی'' و غیرہا سے ماخوذ ہیں۔'' (14)

ولادت نبوی ﷺ کے بارے میں روایاتِ موضوعہ کی تردید کے بعد ہمیں چاہیئے کہ اس ضمن میں ایک اہم نکتہ ذہن میں رکھیں۔ ہم جب ان روایات کو ردّ کرتے ہیں تو اس بنیاد پر نہیں کہ یہ خلافِ عقل ہیں، بلکہ اس بنیاد پر کہ یہ اصول روایت کی اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں جس پر احادیث کو پرکھ کر انکی صحت و عدم صحت کا تعین کیا جاتا ہے۔ ہم بحرِ طبریہ کے خشک ہو جانے یا ایرانی آتش کدے کے سرد ہونے کو اس لیئے رد نہیں کرتے کہ یہ خلافِ عقل ہیں اور ہم ولادتِ باسعادت اور ان واقعات کے مابین علّت و معلول کا رشتہ استوار نہیں کر پاتے، بلکہ اس لیئے ردّ کرتے ہیں کہ یہ روایات متصل نہیں اور فنِ روایت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں۔ اسکے برعکس اگر کوئی روایت ان روایات سے بھی زیادہ محیّر العقول اور خارقِ عادت ہو تو اسکو صحیح تسلیم کرنا عین ایمان ہوگا، بشرطیکہ یہ متصل اور غیر منقطع ہو، یعنی یہ فنِ روایت کے تقاضے پورے کرتی ہو۔ اگر کوئی واقعہ ہماری عقل اور فہم سے ماوراء ہے یا ہمیں خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے تو ہم اسکی لازماً تردید و تکذیب نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر بہت سی سائنسی ایجادات ایسی ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، بلکہ ہمیں خلافِ عقل محسوس ہوتی ہیں۔ کیا ہم ان کی تردید کر دیتے

Marfat.com

ہیں؟نہیں۔ہم انہیں تسلیم کر لیتے ہیں،اسی بناپر کہ یہ بعض علمی وفنی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں اور سائنس کے مقرر کردہ اصولِ صداقت پر پوری اترتی ہیں۔

اسی طرح مذہبی معاملات میں بھی بعض معجزات وخوارق پر اس لیئے یقین کرنا پڑتا ہے کہ انہیں پیش کرنے والے ذرائع معتبر ہیں۔مثلاً قرآن حکیم میں بیان کیئے گئے معجزات و خوارق یا احادیثِ صحیحہ کے حوالے سے مذکور محیّر العقول واقعات!اس لیئے یہ تعین کرنا ضروری ہے کہ ہم کسی واقعہ کی تردید کس بنیاد پر کرر ہے ہیں۔محض خلافِ عقل اور نا قابلِ فہم ہونے کی بنیاد پر یا فنِ روایت کی خلاف ورزی کی بنیاد پر۔

علمی بحثیں،فنِ روایات کی باریکیاں اور اصولِ درایت کے حدود و قیود اپنی جگہ،لیکن ایک بات ایسی ہے جسے نہ کوئی مورّخ ردّ کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی محدّث و مفسّر اور وہ یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کے ظہورِ قدسی کے ساتھ ہی کنگرہ ہائے ایوان کسریٰ کا زمین بوس ہو جانا مقدر ہو چکا تھا،آتشکدۂ ایران کی ہزار سالہ آتش فروزاں کا سرد ہو جانا نوشتۂ آسمان بن چکا تھا اور اللہ کے پاک گھر سے شرک کی ناپاک علامتوں کا حرفِ غلط کی طرح مٹ جانا کاتبِ تقدیر طے کر چکا تھا۔

بشارات: رسول اللہ ﷺ کے ظہورِ قدسی کی بشارت یہود و نصاریٰ کی کتب میں مذکور تھیں۔ چنانچہ یہود کے احبار (علماء) اور نصاریٰ کے راہب (پرہیز گار) مزید برآں عربوں کے کاہن ظہورِ قدسی کے بارے میں خبریں دیا کرتے تھے۔قرآن حکیم میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارات توریت اور انجیل میں موجود تھی،سورہ اعراف میں ہے:

" اَلَّذِینَ یَتَّبِعُون الرَّسوَلَ النَّبیَ لُاَمِّیَّ الَّذِیَ یَجِدُوَ نَہٗ مَکُتُوباً عِندَھُمُ فی التَّوُراتہِ وَاُلاِنجِیل" یَامُرُ ھُم بِا لَمَعُروفِ وَ یَنُھٰھُمُ عَن

Marfat.com

Marfat.com

لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔ (15)]

عہد نامہ عتیق کو جس میں حضرت موسیٰ کی پانچ کتابیں اور زبور و صحفِ انبیاء شامل ہیں توریت کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ توریت اس لیئے ہے کہ ان کتب کے سرے پر جو کتاب تھی اس کا نام توریت تھا۔ اور عہد نامہ جدید کی کتابوں کو (ماسوائے عمّال و حواریوں کے ناموں کے) انجیل کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب کتابیں انجیل کے نام سے جانی جاتی تھیں اس لیئے قرآن و حدیث میں بھی انہی معنوں میں لفظ توریت اور انجیل کا وارد ہوا ہے۔ (16)

قرآن حکیم میں مذکور بشارت کے مطالعہ سے مسلمان محققین کو تورات و انجیل کو از سرِ نو کھنگالنے کی تحریک ہوئی چنانچہ انہوں نے باوجود اس کے کہ تورات و انجیل میں کئی جگہ تحریف ہو چکی تھی، بعض ایسی آیات کا سراغ لگا لیا جن میں نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی گئی تھیں۔ ذیل میں چند ایک بشارات درج کی جاتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ سے حضرت اسمٰعیل کے حوالے سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔ میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی۔ ہاں میں نے اسے برکت دی اور اسے بارآور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اس سے بارہ امام پیدا ہونگے اور اس کو بڑی قوم کروں گا'' (توریت کتاب اوّل، باب: ۱۷۔۲۰)

''تجھ میں اور مجھ میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھ کو زیادہ سے زیادہ کروں گا۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا۔ تجھ سے قومیں پیدا ہوں گی۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے۔ اور تیری اولاد سے بھی یہ ہمیشہ کا عہد ہوگا۔'' (توریت کتاب اوّل)

سورہ صف کی محولہ بالا آیت پر غور کیا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس تصدیق کا علم ہوتا ہے جو انہوں نے توراۃ میں مذکور آنے والی نبی ﷺ کی بشارت کے بارے میں کی تھی۔ تورات میں ہے:

Marfat.com

''خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی قائم کرے گا۔تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جوتو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ہی ایسی بڑی آگ کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں۔اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سوٹھیک کہتے ہیں میں ان کیلئے ان کے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی قائم کروں گا،اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔'' (استثناء،باب ۱۸۔آیات ۱۵۔۹۱)

تورات کی اس پیشین گوئی کو اگر قرآن حکیم کی اس آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو صاف پتہ چلے گا یہ بشارت جناب رسول کریم ﷺ کے بارے میں ہے: ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوْحٰی'' (النجم) اور محمد (ﷺ) کوئی بات بھی ہوائے نفس کے تقاضے سے نہ کرتے تھے، بلکہ وہ وحی ہوتی جو ان کی طرف بھیجی جاتی۔

''قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی انی اخاف ان مصیبت عذاب یوم عظیم'' (یونس) کہہ دیجئے مجھے اختیار نہیں ہے کہ اپنی طرف سے قرآن کو بدل ڈالوں۔میں تو صرف اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔میں تو نافرمانی کی صورت میں بڑے دن کے عذاب سے خوف محسوس کرتا ہوں۔

''اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اسکے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا۔'' (توریت کتاب پنجم باب ۳۳۔۲)

Marfat.com

ہیں؟ نہیں۔ ہم انہیں تسلیم کر لیتے ہیں، اسی بنا پر کہ یہ بعض علمی وفنی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں اور سائنس کے مقرر کردہ اصولِ صداقت پر پوری اترتی ہیں۔

اسی طرح مذہبی معاملات میں بھی بعض معجزات وخوارق پر اس لیئے یقین کرنا پڑتا ہے کہ انہیں پیش کرنے والے ذرائع معتبر ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں بیان کیئے گئے معجزات و خوارق یا احادیثِ صحیحہ کے حوالے سے مذکور محیّر العقول واقعات! اس لیئے یہ تعین کرنا ضروری ہے کہ ہم کسی واقعہ کی تردید کس بنیاد پر کر رہے ہیں۔ محض خلافِ عقل اور ناقابلِ فہم ہونے کی بنیاد پر یا فنِ روایت کی خلاف ورزی کی بنیاد پر۔

علمی بحثیں، فنِ روایات کی باریکیاں اور اصولِ درایت کے حدود و قیود اپنی جگہ، لیکن ایک بات ایسی ہے جسے نہ کوئی مورّخ ردّ کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی محدّث و مفسّر اور وہ یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کے ظہورِ قدسی کے ساتھ ہی کنگرہ ہائے ایوان کسریٰ کا زمین بوس ہو جانا مقدر ہو چکا تھا، آتشکدۂ ایران کی ہزار سالہ آتش فروزاں کا سرد ہو جانا نوشتۂ آسمان بن چکا تھا اور اللہ کے پاک گھر سے شرک کی ناپاک علامتوں کا حرفِ غلط کی طرح مٹ جانا کاتبِ تقدیر طے کر چکا تھا۔

بشارات: رسول اللہ ﷺ کے ظہورِ قدسی کی بشارت یہود و نصاریٰ کی کتب میں مذکور تھیں۔ چنانچہ یہود کے احبار (علماء) اور نصاریٰ کے راہب (پرہیز گار) مزید برآں عربوں کے کاہن ظہورِ قدسی کے بارے میں خبریں دیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارات توریت اور انجیل میں موجود تھی، سورہ اعراف میں ہے:

" اَلَّذِینَ یَتَّبِعُون الرَّسوَلَ النَّبیُ لُاَمِّیَّ الَّذِیُ یَجِدُوُ نَه مَکُتُوباً عِندَهُمُ فی التَّوُراتهِ وَاُلاِنجِیل" یَامُرُ هُم بِا لَمَعُروفِ وَ یَنُهٰهُمُ عَن

الْمُنكَرْ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَ غْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ. فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الاعراف:۱۵۷)

[(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی اُمّی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے، ان کیلئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ ایمان لائیں اس پر اور اسکی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔]

مزید برآں سورہ صف میں ہے:

"وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰاتِهٖ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِيَ اسْمُهٗ اَحْمَدُ. فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ"

(الصف:۶)

[اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے۔ اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر جب وہ انکے پاس کھلی کھلی نشانیاں

''آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑوں سے آسمانوں کو جمال سے چھپادیا اس کی ستائش سے زمین بھر گئی۔ (کتاب حبقوق باب ۳۔۳)

ان بشارات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مکہ کے ان پہاڑوں سے آفتاب ہدایت کے طلوع کی خبر دی جارہی ہے جنہیں فاران کے نام سے جانا جاتا تھا۔(17)

توریت کی طرح انجیل میں بھی آپ ﷺ کے ظہور کی بشارات کا تذکرہ ہے۔ مثلاً جب حضرت عیسیٰ ﷺ کو یقین ہوگیا کہ انکا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ گرفتار ہونے والے ہیں تو انہوں نے اپنے حواریوں کو یوں نصیحت فرمائی:

''یہ امور میں نے تم سے کہے، جب کہ تمہارے ساتھ ہوں لیکن پیریکلیطاس پاک روح جس کو باپ بھیجے گا میرے نام سے ہر بات تم کو سکھادے گا اور یاد دلا دے گا تم کو تمام وہ باتیں جو نہ میں نے تم سے کہی ہیں۔'' (انجیل یوحنا باب ۱۴۔۲۵۔۲۶)

''تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں، یہ بھلا ہے تمہارے لیئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو پیریکلیطاس تمہارے پاس نہ آئے گا۔'' (انجیل یوحنا باب ۱۶۔۷)

یہاں یہ بات واضح کر دینی چاہیئے کہ انجیل کے نسخے جو موجود ہیں ان میں لفظ پیریکلیطاس (Paracletus) لکھا ہے جو کہ یونانی زبان کا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ کی زبانی عبرانی تھی۔ چنانچہ جو لفظ حضرت عیسیٰؑ نے استعمال کیا تھا وہ ''فارقلیط'' تھا جس کا ٹھیک ٹھیک معنی ''احمد'' ہے (18) نبی ﷺ اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں دعائے ابراہیمؑ اور نوید مسیح ہوں۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں میں حضرت مسیح کی پیشگوئی کے مطابق ایک نبی موعود کا عقیدہ بڑا پختہ تھا۔ چنانچہ جب مسلمان حضرت جعفرؓ کی سرکردگی میں اصحمہ نجاشی حبشہ کے دربار میں طالب پناہ ہوئے تو انہوں نے اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ اسے سنایا تب نجاشی نے کہا:۔

"مَرحَبَا بِکُمْ وَ بِمَنْ جِئتُمْ مِنْ عِندِہٖ اَشھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْ ل اللہِ وَ اَنَّہُ الَّذِیْ نَجِدُ فِیْ الْاِ نجِیلِ وَ اَنَّہُ الَّذِی لَبشَّرَ بِہٖ عِیسیٰ بْنُ مَرَ یَمَ۔"
(مسند احمد)

یعنی مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں، اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسی ابن مریم نے دی تھی"

بحیرہ راہب کی حکایت تو متعدد کتابوں میں مذکور ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو جب کہ وہ سفرِ شام پر تشریف لے گئے تھے، بعض نشانیوں اور علامتوں کی بنا پر بطور نبیٔ موعود شناخت کرلیا تھا۔

اس طرح یہود میں بھی متعدد روایات پائی جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی ایک آنے والے نبی برحق کے منتظر تھے۔ ابن اسحٰق نے ایک شامی یہودی الہیبان کا ذکر کیا ہے جو ظہورِ اسلام سے چند برس پہلے نبی قریظہ والوں کے پاس آ کر مقیم ہوا۔ وہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا تھا اور نہایت مستجاب الدّعوات تھا۔ وہ کہا کرتا کہ وہ رزقِ فراواں کی سرزمین (یعنی شام) سے ہجرت کر کے بھوک اور تکلیف کی سرزمین پر اس لیئے آیا ہے کہ وہ شہر نئے آنے والے نبی کی ہجرت گاہ ہوگا اور یہ کہ اس کے ظہور کی ساعت قریب آ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں میں ایک نبی منتظر کا تصور شروع سے ہی موجود تھا۔

Marfat.com

یہود و نصاریٰ کے علاوہ عرب میں ایسے کاہن بھی موجود تھے جنہیں بعض جنات غیب کی خبریں لا کر دیا کرتے تھے۔ عربوں میں دستور تھا کہ جب وہ دورانِ سفر کسی سنسان مقام یا کسی ویران وادی وغیرہ میں رات گزارنے کیلئے پڑاؤ ڈالتے تو وہاں کے جنات سے پناہ کے طالب ہوتے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَانَّهٗ كَانَ رِجَال "مِّنَ الْاِنسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجالٍ مِّنَ الجِنِّ فَزادُوهُمْ رَهَقاً"

[بات یہ ہے کہ انسانوں میں کے بعض اشخاص جنوں میں کے بعض اشخاص کی پناہ لیا کرتے تھے تو انہوں نے انہیں جہالت سرکشی اور افترا پردازی میں بڑھا دیا ہے۔] ایسے جنّات اخبارِ سماوی کی سن گن لیتے اور کچھ حصے چرا کر کاہنوں کو بتایا کرتے تھے۔ عرب کے ایسے کاہنوں میں آپ ﷺ کی آمد کے بارے کئی باتیں موجود تھیں جنہیں کہ وہ عوام کو بتایا کرتے تھے لیکن عرب لوگ ان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ آپؐ کی بعثت سے ان کاہنوں کی بھی کچھ پیشین گوئیاں ثابت ہو گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کہانت کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا کیونکہ وحی الٰہی کے نزول کے لیئے آسمانوں پر حفاظتی انتظامات سخت کر دیئے گئے اور شیاطن جنّ کا خبریں چرانا ناممکن نہ رہا

(۴) ولادتِ مبارکہ:۔

اصحابِ فیل کی تباہی و بربادی کے بعد اہلِ مکہ پہاڑیوں کی پناہ گاہوں سے نکل کر اپنے گھروں کو لوٹ آئے تھے۔ کوچہ و بازار کی رونقیں واپس آ چکی تھیں۔ اتنے عظیم لشکر کی بربادی اور خوفناک ہاتھیوں کی تباہی کے بعد مکہ کے بچے بوڑھے اور جوان سبھی فرحاں و نازاں تھے کہ وہ ایک بہت بڑی ہلاکت سے بچ گئے تھے۔ اہل قریش کے سر غرور اور فخر سے بلند تھے کیونکہ خانہء خدا کی تولیت انہی کے ہاتھوں میں تھی اور خدا نے خصوصیت سے انہی کو محترم و معزز بنایا تھا۔ لیکن اہلِ قریش یہ بھول گئے کہ وہ تو کعبہ کی حفاظت سے منہ موڑ کر پہاڑیوں میں جا چھپے

Marfat.com

تھے۔ یہ تو اللہ کا احسان تھا کہ اس نے اپنے گھر کے ساتھ ساتھ ان سب کو بھی بچالیا تھا۔ سمندری پرندوں نے چند گھنٹوں کے اندر کارروائی کر کے ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔ اہل قریش بجائے خدا کے شکر گزار ہونے کے ساری کامرانی و کامیابی کو اپنی طرف منسوب کر رہے تھے۔ انکے سردار شیخ عبدالمطلب نہایت وجیہہ، قد آور اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ان دنوں بہت اداس تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ اہل قریش کا جشنِ شادمانی مصنوعی اور سطحی ہے۔ اصل ذمہ داری اور فرض تو قریشیوں کا یہ تھا کہ وہ کعبۃ اللہ کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑا دیتے۔ اسکے علاوہ ان کے دل پر اپنے فرزند عبداللہ کی وفات کا گھاؤ بھی تازہ تھا۔ عبداللہ کو انہوں نے سو اونٹوں کے بدلے قربانی کی چھری سے بچایا تھا (20)۔ لیکن شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ سفر پر روانہ ہوئے اور واپسی پر بیمار ہو گئے۔ انہیں بجائے مکہ لانے کے مدینہ ان کی ننھیال کے پاس پہنچا دیا گیا جہاں انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ادھر آمنہ بنت وہب کو جن سے کہ حضرت عبداللہؓ نے شادی کی تھی حضرت عبداللہؓ کے سفرِ شام پر روانہ ہونے کے بعد پتہ چلا کہ وہ حمل سے ہیں۔ ابھی وہ عبداللہؓ کی وفات کے صدمہ سے نہیں سنبھلیں تھیں کہ اصحاب فیل کا خطرۂ عظیم سروں پر منڈلانے لگا تھا۔ اس خطرے سے اگرچہ سب لوگ بچ نکلے تھے مگر عبدالمطلب کی طرح حضرت آمنہ بھی اہلِ قریش کی خوشیوں سے الگ تھلگ رہتی تھیں اور ان سوالوں پر غور کرتی رہتی تھیں کہ عبداللہ کو اگر اتنی جلدی فوت ہو جانا تھا تو پھر کیوں اللہ نے انہیں سو اونٹوں کے عوض قربانی کی چھری سے بچایا؟ شادی کے بعد اتنی جلدی سفرِ آخرت پر روانہ ہو جانے کا کیا یہی مطلب تھا کہ وہ بارِ امانت انہیں منتقل کر کے فارغ ہو جاتے؟ وغیرہ۔

ابرہہ کے لشکر کی تباہی کو چالیس پچاس روز گزر چکے تھے۔ مکہ کے لوگوں نے معمول کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرنا شروع کر دی تھیں۔ اہل قریش بھی اپنی تجارت کے حالات کو سنبھالنے میں مصروف تھے۔

Marfat.com

یہ اپریل ۵۷۱ء کی بائیس (۲۲) تاریخ تھی اور دوشنبہ کا دن تھا جب کہ بعد از صبحِ صادق اور قبل از طلوعِ آفتاب حضرت آمنہؓ کے گھر حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ عربوں میں یہ تاریخ ۹ ربیع الاوّل ۱ عام الفیل بنتی ہے جبکہ جیٹھ ۶۲۸ بکرمی کی یکم تاریخ بنتی ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور اپنے ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے عرب کے بہترین قبیلہ بہترین قوم اور بہترین شاخ میں سے تھے۔

پیدائش کے فوراً بعد حضرت آمنہؓ نے دیکھا کہ انکے فرزند نے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے ہیں اور سر کو اوپر بلند کیئے ہوئے مسلسل انہیں دیکھے جا رہے ہیں (2)۔ ولادت با سعادت کی خبر سنتے ہی بہت سی خواتین وہاں پہنچ گیں اور پیدائش سے متعلّقہ ضروری کام سر انجام دینے میں مصروف ہوگئیں۔ سارے کام حیرت انگیز طور با آسانی انجام کو پہنچ گئے۔

حضرت آمنہ اور دیگر خواتین کو اس رات ایک عجیب سی مسّرت اور برکت کا احساس ہوا۔ حضرت آمنہؓ کو روحانی طور پر بہت سکون اور اطمینان ملا۔ انہوں نے واضح طور پر ایک نور کے اثرات ماحول میں محسوس کئے اور خواب میں بھی انہیں شام کے محلّات نظر آئے جو اس نور سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر انہیں ایک روشن شہاب الثّاقب نظر آیا جو آسمان کی وسعتوں کو منوّر کرتا ہوا زمین کی طرف آیا اور اسکی تنویر نے زمین کو چاروں طرف سے روشن کر دیا۔ زچّہ و بچّہ کے اردگرد دیگر خواتین نے بھی اس نور کے اثرات اور خیر و برکت کے نزول کو واضح طور پر محسوس کیا۔

حضرت عبدالمطب اپنی نشست گاہ میں بیٹھے تھے۔ اردگرد اکابرِ قریش اور دیگر مہمان براجمان تھے۔ ایک شخص پوتے کی خوشخبری لے کر پہنچا۔ عبدالمطلب اسی وقت اٹھ کر آمنہ کے گھر آئے۔ پوتے کو دیکھ کر انکا جی خوش ہوگیا۔ ۲۴ سالہ عبداللہ کی فرقت کا زخم گویا مندمل ہوگیا۔ بچے کو اٹھا کر چوما اور کہنے لگے "میں اس کا نام محمّدؐ رکھوں گا"۔

آمنہ نے کہا" مگر مجھے تو خواب میں فرشتۂ غیب نے کہا ہے کہ اس کا نام احمد رکھو"۔

عبدالمطلب نے کہا" یہ محمد بھی ہے اور احمد بھی ----اس کے کئی نام ہیں جن میں یہ دو بھی ہیں"

ایک روایت کے مطابق عبدالمطلب پوتے کو اٹھا کر کعبہ میں لے گئے تھے اور خیر و برکت کی دعاؤں کے بعد پھر گھر چھوڑ گئے تھے۔

شیخ عبدالمطلب نے اس دن سو اونٹوں کی قربانی دی۔غریبوں اور محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رہنے والوں کو بھی کھانا پہنچایا۔

ساتویں یا آٹھویں دن آپ ﷺ کا عقیقہ اور ختنہ کروادیا گیا۔ایک روایت کے مطابق آپ مختون و مسرور (ناف کٹی پیدا ہو) پیدا ہوئے تھے۔مگر اکثر یہی کہتے ہیں کہ پیدائش سے ساتویں آٹھویں دن حسب دستور عقیقہ اور ختنہ کروادیا گیا تھا۔

احمد اور محمد کا مادہ حمد ہے۔حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ، کمالاتِ جمیلہ اور فضائل سن کر محبت و عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے۔احمد کے دو معنی بنتے ہیں۔ایک اسم فاعل کے لحاظ سے اور دوسرا اسم مفعول کے لحاظ سے۔اسم فاعل کے لحاظ سے احمد وہ شخص ہے جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔اسم مفعول کے لحاظ سے احمد وہ شخص ہے جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابلِ تعریف ہو(22)۔حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بقول حضور ﷺ نے فرمایا "انا محمدٌ و احمدُ و حاشرٌ" (میں محمد ہوں احمد ہوں اور حاشر ہوں) حسانؓ بن ثابت کا شعر ہے۔

صلی الا لٰہ ومن یحف بعر شہ والطیبو ن علی المبارک احمد

(اللہ نے اور اس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمد پر درود بھیجا)

Marfat.com

تاریخ سے بھی اس امر کی تحقیق ہو جاتی ہے کہ حضورؐ کا نام صرف محمدؐ ہی نہیں بلکہ احمدؐ بھی تھا اور عرب کا تمام لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ آپؐ سے پہلے کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو ۔(23)۔اسمِ مبارک محمدؐ باب تفعیل (تحمید) سے مشتق ہے۔اس باب کی خصوصیت مبالغہ اور تکرار ہے۔لفظ محمدؐ احمد سے ہی اسم مفعول ہے اور اس سے مقصود وہ ذات بابرکات ہے جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات اور اصلی محامد کو عقیدت و محبت کے ساتھ بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے۔لفظ محمد میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ وہ ذاتِ ستودہ صفات جس میں خصالِ محمودہ اور اوصافِ حمیدہ بدرجہء کمال اور بکثرت موجود ہو۔

عرب کے دستور کے مطابق آپ کو حضرت آمنہ نے سات روز تک اپنا دودھ پلایا۔ اسکے بعد ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے چند روز تک اپنا دودھ پلایا۔اس وقت ثوبیہ کا بیٹا مسروح انکی گود میں تھا۔ثوبیہ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی کو بھی اپنا دودھ پلایا تھا۔اس طرح یہ حضرات بھی آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بن گئے تھے۔یہ واقعات بادیہ بنوسعد جانے سے پہلے کے ہیں۔

آپؐ کی ولادت مبارکہ دوشنبہ کے روز ہوئی۔دوشنبہ کا دن آپؐ کی زندگی میں بہت اہم ثابت ہوا۔دوشنبہ کے روز آپؐ کو مقامِ نبوّت ملا۔دوشنبہ کے روز آپؐ نے مدینہ ہجرت کی۔ دوشنبہ کے روز ہی مدینہ کے مضافات میں مقامِ قبا پر آپؐ نے قیام فرمایا۔حجرِ اسود کی تنصیب جس روز عمل میں آئی تھی وہ دوشنبہ تھا۔واقعہ اسریٰ بھی دوشنبہ کو پیش آیا۔حتیٰ کہ آپ ﷺ کی رحلت بھی دوشنبہ کے روز ہی ہوئی (24)۔

Marfat.com

سفرِ مہرِ درخشاں

استعارہ بعض اوقات ایک ایسی دھندلی مبہم اور غیر واضح صورت حال کو آئینہ کر دیتا ہے جو کسی بھی طور احاطۂ فہم وادراک میں نہیں آرہی ہوتی۔ روحانی حقائق و مشاہدات میں تو معاملہ اوربھی گھمبیر ہوجاتا ہے۔ روحانی معاملات کی تشریح و توضیح کیلئے جب تک مادیات سے کوئی تشبیہ یا استعارہ نہ لیا جائے، انکا کما حقہٗ ابلاغ ممکن نہیں ہوتا۔ اسی لئیے باری تعالیٰ نے لوگوں کے مذہبی و اخلاقی شعور کی تربیت کیلئے جگہ جگہ تشبیہوں، استعاروں، ضرب الامثال بلکہ قصص و حکایات سے بھی کام لیا ہے۔ ایک استعارہ جو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب مصطفٰے ﷺ کے بارے میں استعمال فرمایا "سراج منیر"۔ یعنی" چراغ روشن" ہے

یا ایُّھاالنَّبی انّا ارسلنک شاھداًوّمُبشراًوّنذیراً o وّداعیاالی اللہ باذنہ وسراجاً مُنیراً o (الاحزاب ۴۵۔۴۶)

(اور اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اسکی طرف دعوت دینے والا بنا کر، اور روشن چراغ بنا کر) لیکن چراغ کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو بھی "سراج "کہا ہے۔ "وجعلنا الشّمس سراجاً o (نوح ۱۶) اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خود باری تعالیٰ نے نبی ﷺ کو "مہر درخشاں" کے مفہوم میں سراج منیر کہا ہے۔ اس استعارہ کی خوبی یہ ہے کہ اس کی اہمیت، تابندگی اور تازگی رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

Marfat.com

از منہء قدیم میں جب کہ ذرائع حمل و نقل بہت پسماندہ اور ناکافی تھے اور آبادیاں چھوٹے بڑے قصبوں اور قریوں تک محدود تھیں انبیاءؑ کا دائرۂ عمل و تبلیغ بھی اسی مناسبت سے محدود تھا۔ یہ انبیاء اپنی امّتوں اور اپنے قریوں میں وحیٔ الٰہی کے دیے جلاتے، تاہم انکا نور ہدایت ایک مخصوص دائرے تک محدود رہتا تھا۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کے زمانے تک تمدن اتنا ترقی کر چکا تھا کہ چھوٹے چھوٹے قریوں اور قبیلوں کی سطح سے بلند ہو کر ایک بین المَلی ریاست قائم ہونے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ انسانیت پتھر اور لوہے کے دور کو پیچھے چھوڑ کر بارود اور بھاپ کے دور میں داخل ہونے والی تھی۔ سائنسی عہد کا آغاز ہونے والا تھا۔ اب دیوں اور مشعلوں کی محدود روشنی کی بجائے مہرِ درخشاں کی ہمہ گیر و ہمہ جہت ضوفشانی کی ضرورت تھی جس سے کہ آسمانِ انسانیت کے دور دراز گوشے بھی منور ہو جاتے۔ اسی لیئے نبی ﷺ کو قرآن میں شاہد و مبشر و نذیر و داعی جیسے القابات کے علاوہ سراج منیر بھی کہا گیا۔ مہر درخشاں روشنی کے تمام مرکزوں اور تنویر کے تمام سر چشموں کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا ہے۔ اسکی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس کے نورِ ہدایت سے طالبانِ حق بلا واسطہ بھی فیضاب ہوتے ہیں اور بالواسطہ بھی! یہ آنکھوں سے اوجھل بھی ہو جائے تو اس کا نورِ ہدایت مہ و انجم میں منعکس ہوتا ہے اور ظلمتِ شب میں بھٹکنے والوں کی راہنمائی کرتا ہے۔

Marfat.com

دسواں باب

چالیس برس

حق تعالیٰ کا یہ دستور رہے کہ وہ اپنے جن بندوں کو عزیز رکھتے ہیں، انہیں ابتلا اور آزمائش کے سخت مرحلوں سے گزارتے ہیں۔ جو بندہ نگاہِ ایزدی میں جتنا زیادہ محترم اور معزز ہوتا ہے، اتنے ہی اسکے امتحان سخت ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ اور صالحین کی زندگیوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں مختلف النوع آزمائشوں اور امتحانوں سے گزارا گیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ مقدسہ بھی آزمائشوں مصیبتوں اور سخت جدوجہد کی ایک طویل اور صبر آزما داستان ہے جس کا ایک ایک ورق سفرِ حیات میں لوگوں کیلئے سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے زندگی میں جتنے مصائب سہے اور جتنی تکلیفیں برداشت کیں، اسکی نظیر نہ تو کسی نبی کی زندگی میں ملتی ہے اور نہ ہی کسی مشہورِ عالم ہستی کی زندگی میں۔ آپ ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی والد فوت ہو گئے۔ پیدائش کے بعد ہفتہ دس دن ہی شفیق ماں کی گود میں رہے۔ اسکے بعد انہیں صحرا میں بھیج دیا گیا۔ پانچ سال بعد بادیہ سے واپسی ہوئی تو ماں اپنے مرحوم خاوند کی قبر کی زیارت کیلئے مدینہ ساتھ لے گئیں۔ یہاں وہ خود بھی فوت ہو گئیں۔ پھر بوڑھے دادا نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد ان کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اسکے بعد شفیق چچا کفیل بنے۔ وہ اگرچہ پہلے ہی کثیر العیال تھے، تاہم جیسے تیسے وہ کفالت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اسطرح آپ ﷺ کے ابتدائی ایام جذباتی صدمے سہتے کس مپرسی کے عالم میں گزرے۔ لیکن ان نامساعد حالات سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ ﷺ کے اندر دنیاوی سہاروں سے بے نیازی اور انتہا درجے کی خودداری و خوداعتمادی پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

(1) بادیہء بنوسعد میں:

اس زمانے میں شہروں کے اندر صفائی ستھرائی، نکاسیٔ آب اور حفظانِ صحت کے دیگر انتظامات نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔ مکہ شہر کا بھی یہی حال تھا۔ اور اس کے عفونت زدہ ماحول میں اکثر اوقات بیماریاں پھوٹ پڑتی تھیں۔ چنانچہ اہل قریش بالعموم اپنے نومولود بچوں کو صحرا میں بھیج دیتے تھے جہاں وہ بیماریوں وغیرہ سے محفوظ رہتے اور کھلی آب وہوا اور پر مشقت زندگی انہیں صحتمند اور جفاکش بنا دیتی۔ بدوی عورتیں اونٹوں اور گدھوں پر بیٹھ کر مکہ میں آتیں اور بچوں کو معقول معاوضہ پر دودھ پلانے اور پرورش کرنے کیلئے بادیہ میں لے جاتیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حضرت آمنہ نے کچھ روز آپ ﷺ کو دودھ پلایا پھر ابو لہب کی لونڈی ثوبیہ نے بھی چند روز دودھ پلایا۔ (بعدازاں آپ نے ثوبیہ کی قیمت ادا کر کے اسے آزادی دلا دی تھی۔) انہی دنوں طائف کے نواحی علاقے سے کچھ بدوی عورتیں نوزائیدہ بچوں کی رضاعت کے سلسلے میں مکہ پہنچیں۔ ان عورتوں میں حضرت حلیمہ بھی شامل تھیں۔ لیکن ان کا گدھا کمزور اور لاغر تھا اور ان کے خاوند کی اونٹنی بوڑھی اور کمزور تھی جسکی وجہ سے وہ دیگر عورتوں سے کافی پیچھے رہ گئی تھیں۔ حضرت حلیمہؓ جب مکہ پہنچیں تو تقریباً تمام عورتیں اچھے اچھے مالدار گھرانوں سے انعام واکرام حاصل کر کے بچوں کو وصول کر چکی تھیں۔ چونکہ حضرت آمنہؓ کا گھرانہ اتنا امیر نہ تھا، اس لیے دایہ عورتوں نے اسے عمداً نظر انداز کر دیا تھا۔ تاہم حضرت حلیمہؓ نے خالی ہاتھ جانا مناسب نہ سمجھا اور کم معاوضہ پر ہی آنحضرت ﷺ کو قبول کر لیا۔ آنحضرت ﷺ کو گود لینے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے گھرانے میں خیر و برکت کے اثرات کو محسوس کرنا شروع کر دیا۔ حضرت حلیمہؓ کے الفاظ میں:

> "اس سال فصل ربیع میں بارش نہ ہوئی تھی، میں نے اپنے شوہر سے کہا ہمارے پاس زندگی گزرانے کیلئے کچھ بھی نہیں، مناسب معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ ہم مکہ جائیں اور سردارانِ مکہ میں سے کسی کے بچہ کو لا کر اسکی تربیت کریں۔اس طرح ہم بچہ کے باپ سے کچھ حاصل کر سکیں گے۔میرے شوہر نے اس بات کو قبول کر لیا تو میں اپنے شیر خوار بچے کو لے کر ایک ناقہ پر سوار ہو کر چل کھڑی ہوئی میرے شوہر نے اونٹنی کی مہار تھامی اور ہم مکہ کی راہ پر روانہ ہو گئے۔میرا بچہ بھوک سے رویا کرتا تھا کیونکہ میرا دودھ نہ اترتا تھا۔چھاتیاں خشک ہو گئی تھیں اور اونٹنی بھی خشک سالی کی وجہ سے دودھ سے اتر گئی تھی۔میں اور میرا شوہر ہم دونوں بھوکے تھے۔جب ہم مکہ پہنچے تو ہمارے قبیلے کی عورتوں نے مال داروں کے بچے لے لیے اور واپس جانے لگیں۔انہیں بچوں کے والدین نے بہت سے تحفے دیئے۔مجھے کوئی مالدار بچہ نہ ملا۔صرف ایک یتیم بچے کو جس کا نام محمد ﷺ تھا میرے سپرد کیا گیا اور بچہ کی ماں یا دادا کی طرف سے تحفہ بھی نہ دیا گیا۔میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ بجائے اسکے کہ ہم خالی ہاتھ لوٹیں۔یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بچہ کو قبول کر لیں،آخر یہ قریش کا بچہ ہے۔جب بڑا ہو جائے گا تو قریش کے سرداروں سے ہوگا۔اس وقت ہم اس سے کچھ استفادہ کر سکیں گے۔میرے شوہر نے یہ تجویز پسند کی اور میں اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ واپس چل کھڑی ہوئی۔ابھی میں مکہ سے ایک منزل بھی آگے نہ گئی تھی کہ میرے دونوں پستان دودھ سے بھر گئے،میرے بیٹے اور حضرت محمد ﷺ نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔جب ہم گھر پہنچے تو میرے شوہر نے ناقہ کے تھن دکھائے اور کہا حلیمہ! دیکھ! ہماری اونٹنی کے تھن کسطرح دودھ سے بھر گئے ہیں۔ہم دونوں بھوکے تھے۔ہم نے اونٹنی کا دودھ دوھیا اور خوب پیا۔رات بھر آرام

Marfat.com

سے سوئے، صبح اٹھ کر میرا شوہر کہنے لگا، بلا شک وشبہ یہ بچہ جسے تو قریشیوں سے اپنے ساتھ لائی ہے۔ بڑی برکت والا ہے یہ ہمیں خوش نصیب کر دے گا۔'' (1)۔

بنوسعد بن بکر کے بادیہ میں حضرت محمد ﷺ دایہ حلیمہ کی گود میں پرورش پاتے رہے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ آپؐ اتنے عدل پسند تھے کہ ایک پستان سے دودھ پیتے تھے اور دوسرا اپنے رضاعی بھائی کیلئے چھوڑ دیتے تھے۔ بادیہ کی کھلی آب وہوا میں آپ ﷺ خوب توانا ہو گئے اور زبان بھی بڑی شستہ ہو گئی۔ حلیمہؓ ہر چھ ماہ بعد آپ ﷺ کو ان کی ماں سیدہ آمنہؓ سے ملوالاتی تھیں۔ دو سال گزر گئے۔ مدّتِ رضاعت ختم ہو گئی۔ حضرت حلیمہؓ آپ ﷺ کو مکہ لے آئیں اور ماں کے سپرد کر دیا۔ حضرت آمنہؓ آپؐ کی آمد سے بہت خوش ہوئیں لیکن ساتھ فکرمند بھی ہوئیں کیونکہ مکہ میں ان دنوں کوئی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ ادھر حلیمہ بھی چاہتی تھیں کہ ان کے گھرانے میں آپ ﷺ مزید قیام کریں تاکہ خیر وبرکت کا جو نزول ان پر ہوتا رہا ہے وہ جاری رہے۔ بالآخر باہمی مشورے کے بعد یہی طے پایا کہ آپ ﷺ کو دوبارہ بادیہ میں بھیج دیا جائے۔

بادیہ میں آنے کے بعد آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے چلے جاتے۔ ایک دفعہ ان کا بھائی ہانپتا کانپتا گھر آیا اور حلیمہؓ کو بتانے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے حضرت محمد ﷺ کو پکڑ رکھا ہے اور انہیں قتل کر رہے ہیں۔ حلیمہؓ اور انکے شوہر دوڑتے ہوئے اس جگہ پہنچے تو آپ ﷺ کو وہاں پریشان حال کھڑے پایا۔ استفسار کرنے پر آپ ﷺ نے بتایا کہ دو سفید پوش آدمی آئے تھے۔ انہوں نے لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکال کر چیرا اور اس میں سے خون کا جما ہوا سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا۔ انکے پاس برف سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت تھا۔ اس سے انہوں نے میرے دل کو دھویا اور سینہ اور پیٹ کو بھی دھویا اور پھر دل

Marfat.com

کو سینہ میں رکھ کر سی دیا۔ اسکے بعد انہوں نے مجھے سینہ سے لگایا اور شانوں کے درمیان مہر لگا دی۔ جاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے سینے کو ایمان و حکمت اور رحمت و شفقت سے بھر دیا گیا ہے اور اگر آپ ﷺ کو معلوم ہو کہ اللہ آپ ﷺ کے حق میں کیسی بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ ﷺ بے حد خوشی اور راحت محسوس کریں گے۔

حلیمہ اور انکے شوہر آپ کو گھر واپس لے آئے۔ لیکن اس عجیب واقعہ سے دونوں میاں بیوی بہت پریشان تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ آپؐ کے سینہ مبارک پر ایسے نشانات موجود تھے جیسے ٹانکے لگے ہوں۔

شَقِّ صدر کی روایت کتبِ حدیث و سیرت میں کئی طریقوں سے بیان کی گئی ہے۔ صحیح مسلم میں بھی مستند طریقے سے پیش کی گئی ہے۔ البتہ شقِ صدر کا واقعہ کس عمر میں پیش آیا؟ اس بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ اکثر سیرت نگار اس واقعہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے کہ یہ مادی دنیا کا کوئی امر واقعہ ہو۔ لیکن کچھ سیرت نگار اسے خواب کی نفسی کیفیت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ سر سید احمد خاں کہتے ہیں کہ لوگوں کو باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے غلط فہمی ہوئی تھی "الم نشرح لک صدرک۔" انشراحِ صدر سے شقِّ صدر مراد لے لی گئی (2)۔ شاہ ولی اللہ حجتہ اللہ البالغہ میں کہتے ہیں کہ یہ واقعہ عالمِ مثال اور عالم شہود کے بَیْن بَیْن پیش آیا تھا۔ اسی لیئے نہ تو رسول اللہ ﷺ کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہوا اور نہ ہی وہ صورت حال پیدا ہوئی جو کہ عمل جراحی کے وقت اور بعد میں پیدا ہوتی ہے (3)۔

بادیہ سعد بن بکر میں رسول اللہ ﷺ نے جب پانچ سال پورے کر لیئے تو حضرت حلیمہؓ انہیں لے کر مکہ آئیں۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ میں ان کے ہاتھ سے آپ ﷺ کا ہاتھ چھوٹ گیا اور آپ ﷺ ہجوم میں گم ہو گئے۔ حلیہؓ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئیں اور آپ ﷺ کی گمشدگی کے بارے میں انہیں مطلع کیا۔ عبدالمطلب نے کعبۃ اللہ کے پاس جا کر

Marfat.com

آپ ﷺ کی بازیافت کی دعا کی۔ شام کے وقت غالباً ورقہ بن نوفل آپ ﷺ کو ساتھ لے کر عبدالمطلب کے پاس پہنچ گئے۔ حلیمہ سعدیہؓ کے بیان کے مطابق ایک دفعہ حبشہ کے دو نصرانیوں نے آپؐ کو غور سے دیکھ کر یہ کوشش کی تھی انہیں اپنے بادشاہ کے پاس لے جائیں لیکن حلیمہؓ نے انکا یہ ارادہ ناکام بنا دیا تھا۔ یہ واقعہ تب پیش آیا تھا جب دودھ چھڑائی کے بعد وہ آپ ﷺ کو ماں کے پاس چھوڑنے گئی تھیں۔ بعد ازاں شقّ صدر کا واقعہ پیش آیا۔ پھر مکہ میں گم ہو جانا۔ ان سب واقعات کے پیش نظر حلیمہؓ نے آپ ﷺ کو مزید اپنے پاس رکھنے پر اصرار نہ کیا اور انہیں انکے گھر پہنچا دیا۔

بادیہ بنو سعد کے قیام کے بارے میں آپؐ نے صحابہ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"انا اعربکم انا قرشی" وَاسترضعتُ في بَني سَعد ابنِ بَكرٍ "یعنی میں تم سب سے زیادہ خالص عرب ہوں میں قرشی ہوں اور میں نے بنی سعد بن بکر کے قبیلے میں دودھ پی کر پرورش پائی ہے (4)۔

ایک دفعہ بنو نہد کے قبیلے کے لوگ آپ ﷺ کے پاس ملنے کیلئے اور دوران گفتگو کہنے لگے ''اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ہم ایک ہی ماں کی اولاد ہیں، ایک ہی مقام میں پرورش پائی ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ آپ ﷺ ایسی عربی میں بات کرتے ہیں جسکی (لطافتوں) کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھ سکتے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان الله عزّو جلّ ادبنی فاحسن ادبی و نشات فی بنی بکر بن سعد"

یعنی ''اللہ عزوجل نے خود میری لسانی تربیت فرمائی ہے اور میرے ذوق ادب کو خوش تر بنایا ہے نیز میں نے قبیلہ سعد بن بکر کی فصاحت آموز فضا میں پرورش پائی ہے'' (5)۔

جب حضرت حلیمہؓ نے آنحضرت ﷺ کو واپس انکی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچایا تو

Marfat.com

بقول السہیلی انکی عمر شریف پانچ سال ایک ماہ ہو چکی تھی۔ بادیہ بنو سعد بن بکر میں پانچ سالہ قیام کے بعد دایہ حلیمہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس تب حاضر ہوئیں جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تھا۔ اس وقت قحط اور خشک سالی سے اکثر قبائل عرب بدحالی اور فاقہ کشی کا شکار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلیمہ کی بڑی عزت افزائی کی اور حضرت خدیجہؓ سے کہہ کر انہیں بکریاں اور سواری کیلئے ایک اونٹ دلوایا۔ دوسری ملاقات یوم حنین میں ہوئی۔ اس وقت بھی آپ ﷺ نے ان کی بڑی تعظیم کی اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا اور بڑی خاطر مدارت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر حلیمہؓ کی بہن آپ ﷺ سے ملنے آئی اور آپ ﷺ سے امداد کی درخواست کی۔ آپ ﷺ اپنی رضاعی خالہ کی بھی بہت عزت کی اور دو سو درہم اور بھیڑ بکریاں وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ آپؐ کی رضاعی بہن شیماء کو غزوۂ حنین میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت کا سلوک کیا اور انہیں رہا کر دیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں تو انہیں انہی کی مرضی کے مطابق انکے قبیلے میں واپس بھیج دیا۔

دایہ حلیمہؓ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مسلمان ہوئیں یا نہیں۔ لیکن اکثر سیرت نگار کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ البتہ حلیمہؓ کے خاوند اور آپ ﷺ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کے بارے میں ثقہ روایات ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے اور تمام عمر بڑی مضبوطی سے دین پر قائم رہے تھے۔ اسی طرح آپؐ کے رضاعی بھائی عبداللہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ غزوۂ حنین میں بنو سعد کے تقریباً چھ ہزار مرد و زن گرفتار کر لیئے گئے تھے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو بادیہ بنو سعد میں گزارے ہوئے دنوں اور اپنے رشتۂ رضاعت کا اتنا لحاظ تھا کہ انہوں نے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم جاری کر دیا۔ بعد ازاں یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

آغوش حلیمہؓ میں آنحضرت ﷺ نے پانچ برس گزارے۔ حلیمہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتی ہیں کہ وہ عام بچوں سے مختلف تھے اور انکی طرح کپڑوں میں بول و براز نہیں

Marfat.com

کرتے تھے۔ طبیعت میں شروع سے ہی متانت، نفاست اور پاکیزگی تھی۔ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ لینے کی بجائے تنہائی اور خاموشی کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کے ساتھ مجھے کبھی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوئی بلکہ ان کی موجودگی سے ہمیشہ خیر و برکت کا احساس رہا۔

کہنے کو آنحضرت ﷺ نے پانچ برس بنوسعد کی دایہ حلیمہؓ کی آغوش میں گزارے لیکن درحقیقت یہ پانچ برس آپؐ نے آغوش فطرت میں بسر کیے۔ آپ ﷺ کے قلب و نظر کے ابتدائی خدوخال خود دستِ قدرت نے وضع کیئے۔ مکہ کی سماجی زندگی ہر قسم کے اخلاقی معائب اور کفر و شرک سے مملو تھی۔ کعبۃ اللہ کے احاطہ میں لات و منات و عزیٰ کا نام گونجتا تھا اور گلی کوچوں میں عزت و شرافت کا نام رسوا تھا۔ بے راہروی اور بدعقیدگی وبا کی طرح گھر گھر پھیل چکی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ حضرت محمد ﷺ کے فکری و شعوری ارتقاء کا ابتدائی دور کہ جسکی بنیاد پر انکی آنے والی شخصیت تعمیر ہونا تھی مکہ کی شرک آلود فضا سے دور گزرا۔ بے شک وہ پیدا ہونے سے پہلے ہی سایہء پدری سے محروم ہو گئے اور پیدائش کے کچھ دنوں بعد ہی ماں کی مہربان گود سے بھی جدا کر دیئے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس محرومی کا ازالہ یوں کیا کہ انہیں ایک بھرے پڑے گھرانے کا بھرپور پیار مل گیا۔ حلیمہ سعدیہؓ کے گھر جیسا ماحول انہیں اپنی حقیقی ماں کے گھر بھی نہیں مل سکتا تھا۔ آپ ﷺ کا نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن اور نہ انکی آمد کا امکان تھا۔ باپ تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ حلیمہؓ کے گھر انہیں ماں باپ اور بھائی بہن کا پیار حقیقی رشتوں سے بڑھ کر ملا۔ بنوسعد میں نہ صرف حلیمہؓ کے اہل خانہ آپؐ کی خیر و برکت سے شعوری طور آگاہ تھے بلکہ تمام قبیلے کے لوگ اس بات کے معترف تھے کہ آپ ﷺ کا وجود مبارک خیر و برکت کا باعث ہے۔ ایک بچے کو پہلے پانچ سال میں متوازن جسمانی و نفسیاتی نشوونما کیلئے جس نگہداشت، محبت و شفقت اور دیگر اسباب کی ضرورت ہوتی ہے وہ بنوسعد بن بکر کی دایہ

Marfat.com

حلیمہؓ کے گھر میں آپ ﷺ کو بھرپور انداز میں مل گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فصاحت و بلاغت کی تربیت بھی بطریق احسن حاصل ہوئی جس پر کہ آپؐ ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے۔

(۲) سفر مدینہ اور وفاتِ آمنہؓ:

مائی حلیمہؓ جب آنحضرت ﷺ کو سیدہ آمنہؓ کے حوالے کر کے گئیں تو حضور ﷺ جسمانی طور پر بھی توانا اور جفاکش ہو چکے تھے اور ذہنی طور پر عام بچوں سے زیادہ سمجھدار اور باشعور ہو چکے تھے۔ ویسے بھی وہ بچے جو شروع ہی میں یتیمی اور نامساعد حالات کا شکار ہو جاتے ہیں جلد ہی شعوری طور پر بالغ ہو جاتے ہیں اور زمانے کی اونچ نیچ کو سمجھنے لگتے ہیں۔

سیدہ آمنہؓ نوجوانی میں ہی بیوہ ہو چکی تھیں۔ عبداللہ کی جدائی کا غم انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ بیٹے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انکے زخموں کا مداوا کیا لیکن اسے بھی تربیت کیلئے اپنے سے جدا کرنا پڑا۔ بیٹے کی واپسی پر سیدہ آمنہؓ بہت خوش ہوئیں۔ انکے گھر کی رونقیں واپس آ گئیں تھیں۔ حضرت آمنہؓ نے آپ ﷺ کی دیکھ بھال کیلئے حبشی لونڈی ام ایمن مقرر کر رکھی تھی۔ حضرت محمد ﷺ جب پیدا ہوئے تو انہیں وراثت میں ایک اونٹنی اور ایک لونڈی (ام ایمن) ملی تھی۔ آپؐ ام ایمن سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ بقول ام ایمن آپ ﷺ نے کبھی انہیں تنگ نہیں کیا تھا اور نہ بھوک پیاس کی شکایت کی تھی۔ آپ ﷺ بعض اوقات پانی پی کر ہی سارا دن گزار لیتے تھے۔

اگرچہ حضرت محمد ﷺ کا تعلق قریش کے قبیلے سے تھا جو پورے عرب میں بڑا ممتاز اور محترم سمجھا جاتا تھا۔ پھر بھی سیدہ آمنہؓ نے فیصلہ کیا کہ میکے والوں سے اپنے بیٹے کے بہتر مستقبل کیلئے امداد لی جائے۔ ان کا یہ ارادہ بھی تھا کہ بیٹے کو مرحوم باپ کی قبر کی زیارت کروا دیں۔ چنانچہ سیدہ اپنے بیٹے اور حبشی خادمہ ام ایمن کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ایک

اونٹ پر سیدہ سوار تھیں اور دوسرے پر آنحضرت ﷺ اور ام ایمن۔ یثرب (مدینہ) پہنچ کر سیدہ نے بنوعدی بن النجار کے دارالنابغہ میں ایک ماہ تک قیام فرمایا۔

مکہ کی نسبت مدینہ کی زندگی زیادہ دلچسپ اور پرکشش تھی۔ یہاں مکہ کی طرح پانی کی قلت نہ تھی۔ بنونجار کے ایک تالاب (بادلی) پر بچے نہایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی خوب غوطے لگائے اور شناوری کی مشق کی۔ بعد میں آپ ﷺ صحابہ کو بتایا کرتے تھے کہ میں بنوعدی کے فلاں مکان میں اپنی والدہ کے ساتھ ٹھہرا تھا اور یہیں ایک تالاب پر شناوری کی مشق کی تھی۔ نیز آپ ﷺ نے بنوعدی کے مکانوں کی طرف اشارہ کر کے یہ بھی بتایا کہ یہاں وہ دیگر بچوں کے ساتھ مل کر منڈیروں سے پرندوں کو اڑایا کرتے تھے۔ مدینہ سے واپس آتے ہوئے مقام ابواء پر سیدہ آمنہؓ نے قیام فرمایا۔ یہاں وہ بیمار پڑ گئیں اور کچھ دنوں بعد داعیء اجل کو لبیک کہا۔ یوں حضرت محمد ﷺ مکمل طور پر یتیم ہو گئے۔ آپ ﷺ کو ماں کی وفات پر گہرا صدمہ پہنچا اور وہ دیر تک سیدہ کی قبر پر جا کر روتے رہے۔ پھر ام ایمن آپ ﷺ کو واپس مکہ لے آئیں۔

ام ایمن نے آپ ﷺ کی ابتدائی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ بادیہء بنوسعد سے واپسی پر آپؐ کو ام ایمن کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ ام ایمن حبشہ کی رہنے والی تھیں اور انہوں نے حق خدمت نہایت احسن طریقہ سے ادا کیا۔ ان کا اصلی نام برکت تھا۔ آپ ﷺ کو یہ والدین کی طرف سے ملی تھیں اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ حضور ﷺ کے نکاح تک یہ انکی خدمت کرتی رہیں۔ شادی کے بعد آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا۔ ام ایمن کا پہلے ایک بیٹا عبید بن الحارث الخزرجی سے ہوا تھا جس کا نام ایمن تھا اور اسی کی وجہ سے انہیں ام ایمن کہا جاتا تھا۔ حضورؐ نے ہمیشہ ام ایمن کو ماں کا درجہ دیا۔ بعثت کے بعد آپ ﷺ نے انکا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا۔ ام ایمن حضرت عثمان غنیؓ کے دور تک زندہ رہیں۔

Marfat.com

(۳) دادا کے زیر سایہ:

سیدہ آمنہؓ کی وفات کے بعد ام ایمن حضور ﷺ کو مکہ لے کر آئی تھیں۔ یہاں آپ ﷺ کو دادا عبدالمطلب نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ شیخ عبدالمطلب اپنے پوتے کی بزرگی اور عظمت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ آپ ﷺ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انکی نشست گاہ دیوار کعبہ کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ انکی عدم موجودگی میں آپ ﷺ اکثر اس پر بیٹھ جاتے تھے۔ عبدالمطلب کی مجلس میں بچوں کا کوئی کام نہ تھا۔ لیکن شیخ عبدالمطلب ہمیشہ آپ ﷺ کو اپنی مجالس میں اپنے ساتھ رکھتے۔ عبدالمطلب کے دبدبہ کی وجہ سے کبھی کسی کو اعتراض کی جرات نہ ہوتی تھی۔ شیخ عبدالمطلب کو اپنے پوتے سے اتنا پیار تھا کہ وہ ان کی غیر حاضری میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ لیکن افسوس حضور ﷺ کے سر پر دادا کا سایہ بھی کچھ زیادہ دیر نہ رہا۔ دو سال بعد جب کہ آپ کی عمر مبارک آٹھ برس ہوئی تھی کہ دادا عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنے بوڑھے اور شفیق دادا کے جنازے کے ساتھ روتے ہوئے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے خود دادا کی قبر میں اتر کر انہیں سپردِ خاک کیا۔ وفات کے وقت دادا کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ شیخ عبدالمطلب کے غم میں صرف آنحضرت ﷺ ہی نہیں بلکہ سب لوگ ہی سوگوار تھے۔ کئی دنوں تک شہر پر ماتمی فضا چھائی رہی۔ عبدالمطلب کی چھ بیٹیاں تھیں جنہوں نے باپ کے غم میں ماتمی اشعار کہے۔ وہ اتنے ہر دلعزیز اور محترم سردار تھے کہ اولاد کے علاوہ کئی نامور شعراء نے بھی انکے مرثیے کہے اور انکے فضائل بیان کیے (6)۔ ان کی وفات کے بعد سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) انکے سب چھوٹے بیٹے العباس کو ملی۔ یہ منصب حضور ﷺ کے وقت تک ان کے پاس رہا اور حضور ﷺ نے بھی اسے برقرار رکھا۔ آج تک حضرت عباس کے سبب یہ تولیت آلِ عباس میں ہے (7)۔

Marfat.com

(۴) چچا کی کفالت میں:

شیخ عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ ﷺ کو اپنی کفالت میں لے لیں۔ آپ ﷺ کے کئی چچا تھے۔ عبدالمطلب نے یہ وصیت شاید اس لیے کی تھی کہ عبداللہ اور ابو طالب کے آپس میں بہت اچھے تعلقات رہے تھے۔ ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ یہ حضرت علیؓ کی والدہ تھیں۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی نگہداشت اور پرورش بڑی محبت اور لگن سے کی۔ انہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور بعد ازاں مدینہ ہجرت کر گئیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان سے خاص عقیدت تھی اور اکثر ان کے ہاں دوپہر کو آرام کرنے چلے جاتے تھے۔ جب فاطمہ بنت اسد فوت ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں کفن کے ساتھ اپنی قمیض بھی پہنوادی تا کہ انہیں جنت کا لباس مل سکے۔

ابو طالب کثیر الاولاد تھے۔ لیکن انکے مالی حالات اچھے نہ تھے۔ انکی گزر بسر تنگدستی میں ہو رہی تھی۔ لیکن وہ اپنے بابرکت بھتیجے کی اپنے کنبہ میں شمولیت پر بہت خوش تھے۔ اور اکثر یہ محسوس کرتے تھے کہ دستر خوان پر افراد کی کثرت اور طعام کی قلت کے باوجود سب لوگ سیر ہو کر کھا لیتے تھے۔ ابو طالب آپ ﷺ سے بہت محبت کا سلوک کرتے تھے اور ہمیشہ انہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھتے تھے۔ عبدالمطلب کی طرح انہیں بھی یہ احساس تھا کہ محمد ﷺ غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں۔ ابو طالب کی کپڑے اور عطر کی دوکان تھی۔ آپ ﷺ کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاتے اور دیگر چھوٹے موٹے کاموں میں مدد دیتے۔ گھر کے اخراجات پورے کرنے کیلئے وہ ہمسایوں کی بکریاں بھی اجرت پر چرایا کرتے تھے۔ ابو طالب کو ہمیشہ آپ ﷺ کی موجودگی سے خیر و برکت کا احساس رہتا تھا۔ صبح سو کر جب ابو طالب کے بچے اٹھتے تو انکے چہرے یوست زدہ ہوتے اور آنکھوں میں کیچ بھری ہوتی۔ لیکن آنحضرت ﷺ صبح بیدار ہونے

Marfat.com

پر تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہوتے ۔ چہرہ مبارک صاف اور نکھرا ہوتا اور آنکھیں شفاف اور روشن ہوتیں۔

آنے والے دنوں میں محمد ﷺ کو نبوّت و رسالت کی بھاری ذمہ داریاں اُٹھانا تھیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انکی تربیت بھی ایک مخصوص نہج پر کی ۔ مکہ کی سماجی زندگی بہت زیادہ شرک آلود تھی ۔شرک کے علاوہ بھی کئی قسم کے اخلاقی معائب ان لوگوں کے انداز و اطوار میں راسخ ہو چکے تھے۔ کم عمری میں چھوٹی موٹی لغزشوں کا شکار ہو جانا فطری بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی خطا و لغزش سے محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ اس گناہ آلود ماحول میں یوں معصوم اور پاک صاف رہے جیسے پانی میں رہتے ہوئے بھی مرغابی ''خشک پر'' رہتی ہے۔

بگیر رسم تعلق دلا ز مرغابی!

کہ او از آب چو برخاست خشک پر برخاست

بخاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ شہر میں ایک شادی کا جشن برپا تھا جس میں گانے بجانے کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے تماشے اور کرتب بھی دکھائے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی چرواہے کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ آپ ﷺ کی بکریاں سنبھال لے اور آپ ﷺ خود شادی کا میلہ دیکھنے کیلئے شہر آ گئے ۔ یہاں ابھی شادی کی تقریب شروع نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ سائے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو شادی کا ہنگامہ سرد ہو چکا تھا۔ کچھ عرصہ بعد پھر ایسی ہی صورت حال پیش آئی۔ آپ ﷺ کو احساس ہو گیا کہ انہیں ایسی تقریبات سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عہد کیا کہ آئندہ وہ میلوں میں شرکت کیلئے نہیں جائیں گے۔

لیکن کچھ دن گزرے کہ ابو طالب اپنے خاندان والوں کے ساتھ ایک بت کی زیارت کے لیئے گئے اور اصرار کر کے آنحضرت ﷺ کو بھی ساتھ لے گئے ۔ وہاں خوب جشن

برپا تھا اور چڑھاوے چڑھائے جارہے تھے۔ وہاں آپ ﷺ کو ایک طویل القامت سفید پوش انسان نظر آیا جو سختی سے آپ ﷺ کو منع کر رہا تھا کہ محمد! اس بت کے قریب نہ جانا۔ آپ ﷺ کی طبیعت خراب ہوگئی اور آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ آپ ﷺ کے اعزہ بہت پریشان ہوئے اور آپ ﷺ کو واپس لے آئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی قیمت پر بھی کسی میلے یا جشن وغیرہ میں شرکت نہ کی۔

(۵) سفر شام اور بحیرا راہب:

حضرت محمد ﷺ اپنے شفیق چچا کی زیر نگرانی پروان چڑھتے رہے۔ ابو طالب کاروبار کے سلسلے میں آپ ﷺ پر کافی اعتماد کرنے لگے تھے۔ چند برسوں بعد انہوں نے ارادہ کیا کہ شام کا تجارتی سفر کریں۔ ایک تو انکو حضور ﷺ کی جدائی گوارا نہ تھی، دوسرے وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ انہیں رموزِ تجارت سے آشنا کریں۔ اس لیے وہ آپ ﷺ کو ساتھ لے گئے۔ بیت المقدس کے شمال میں دمشق کے قریب بصریٰ کے مقام پر بہت بڑی تجارتی منڈی تھی۔ ابو طالب کا مختصر سا تجارتی قافلہ یہاں پہنچ کر قیام پذیر ہوا۔ یہاں ایک قدیم صومعہ تھا جس میں ایک پیرانہ سال راہب رہا کرتا تھا۔ اس راہب کا نام بحیرا تھا۔ اور یہ بہت کم اپنے گرجا سے باہر آتا تھا۔ لیکن ابو طالب کے کاروان کی آمد پر اس نے انکی دعوت کی اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ابو طالب سے کہا کہ یہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ ابو طالب نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے جان لیا؟ اس پر بحیرا راہب بولا ''حضرت محمد ﷺ اسی درخت کے نیچے آکر تشریف فرما ہوئے ہیں جس کے نیچے انبیاءؑ بیٹھا کرتے تھے''۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ان کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت ہے اور بادل کا ایک ٹکڑا ان پر سایہ فگن رہتا ہے۔ بقول بحیرا وہ انہی کا منتظر تھا کیونکہ ان کا ذکر مقدّس کتابوں میں ملتا ہے اور ان کی آمد کا زمانہ بھی قریب آن لگا تھا۔ ابو طالب کو بحیرا نے ہدایت کی وہ محمد ﷺ کو آگے ملک شام نہ لے کر جائیں کیونکہ انہیں یہودیوں سے گزند پہنچنے کا

Marfat.com

امکان ہے۔اس پر ابو طالب نے بعض غاموں کی نگرانی میں حضرت محمد ﷺ کو واپس بھیج دیا۔

(۶)ذاتی کاروبار کا آغاز:

سفرِ شام آنحضرت ﷺ کیلئے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔باہر کی دنیا سے انکا پہلی دفعہ رابطہ ہوا۔آپؐ کو رومیوں اور یونانیوں کے طرز ہائے زندگی کا پتہ چلا۔اس سفر سے آپ ﷺ نے بہت کچھ سیکھا۔ویسے بھی آپ ﷺ کا عہدِ طفولیت ختم ہو رہا تھا اور آغاز شباب ہو چکا تھا۔واپس آ کر آپ ﷺ نے اپنے طور پر بھی تجارت اور کاروبار کا سلسلہ شروع کر دیا۔

احادیث و سیر کے مستند حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ شادی سے پہلے آپ ﷺ نے اپنا کاروبار شروع کر دیا تھا۔اور کئی تجارتی سفر کیئے تھے۔لوگ آپ ﷺ کو اپنا مال فروخت کیلئے دیا کرتے تھے۔آپ ﷺ انتہائی دیانت داری سے انکے ساتھ لین دین کرتے تھے۔ایک شخص قیس بن زید آپ ﷺ کو اپنا مال فروخت کیلئے دیا کرتا تھا۔آپ ﷺ اس کے مال کی فروخت کیلئے دور دراز کے علاقوں کا سفر کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اسے ہزار سے ذیادہ ہزار تک طلائی سکّے لا کر دیا کرتے تھے۔اس زمانے میں ایک طلائی سکہ تقریباً پانچ گرام سونے کا ہوتا تھا۔اس طرح یہ رقم آج کے زمانے کے حساب سے بھی کافی خطیر بنتی ہے۔لیکن آپ ﷺ نے کبھی حساب میں فرق نہیں آنے دیا۔چنانچہ قیس بن زید آپ ﷺ کی ایمانداری اور شرافت کا دل سے معترف تھا اور جب آپ ﷺ نے اسکا ساتھ چھوڑا تو اس نے کہا۔''اے محمد ﷺ آپؐ جیسا دیانت دار اور شریف انسان مجھے نہیں مل سکتا۔''

بعض اوقات دیگر تجار بھی اپنے سامان کا کچھ حصہ آپ ﷺ کو دے دیتے اور فروخت کے بعد جو رقم وصول ہوتی اس میں سے آپؐ کو حق المحنت دینے کی کوشش کرتے لیکن آپ ﷺ عموماً انہیں واپس کر دیتے۔

Marfat.com

بقول امام احمد ابنِ حنبل: "جب آپ ﷺ سفر سے لوٹتے، تمام ملاقاتیوں سے ملتے اور اگر یہ دیکھتے کہ ان کی مالی حالت ٹھیک نہیں ہے تو اپنی مزدوری میں سے انہیں بھی کچھ حصہ دے دیتے۔ ایک سوداگر کی طرف سے ایسا ہونا قابلِ توجہ بات ہے۔ "آپ ﷺ عبداللہ بن ابی الحمساء کے بقول اپنے وعدے کی پابندی میں تین دن ایک ہی جگہ پر اس شخص کا انتظار فرماتے رہے جو آپ ﷺ کو وہاں انتظار کرنے کا کہہ کر چلا گیا تھا اور بھول گیا تھا (8)۔ اپنی کاروباری زندگی میں آپ نے نہ بتوں کے نام پر قسمیں کھائیں اور نہ کسی سے جھوٹ بولا۔ آپ انتہائی راست گو، دیانت دار اور ہمدرد انسان تھے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو "الصّادق "اور "الا مین "جیسے خطابات دیئے تھے اور عام گفتگو میں یہ الفاظ عوام کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔

(۷) جنگ فجار:

ابن ہشام کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر چودہ پندرہ سال کی ہوگی جب جنگ فجار پیش آئی۔ اس جنگ کے فریقین قریش اور بنو کنانہ اور انکے مقابل قیس عیلان تھے۔ قریش اور کنانہ حرب بن امیہ کی کمان میں تھے کیونکہ حرب کی شخصیت ایسی بارعب تھی کہ قریش و کنانہ دونوں اسکی بڑی عزت کرتے تھے۔ جنگ کا سبب یہ تھا کہ عروۃ الرّحال بن عتبہ ابن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعۃ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن نے نعمان بن المنذر کے اونٹوں کو پناہ دی تھی جن پر تجارتی مال لدا ہوا تھا۔ کنانہ کے البراض بن قیس نے عروۃ الرحال سے کہا کہ تو بنی کنانہ کے مقابلے میں ان اونٹوں کو پناہ دیتا ہے۔ جواب ملا کہ ہاں، بلکہ تمام لوگوں کے مقابلے میں۔ البراض اور عروۃ الرحال اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ مقابلے پر آ گئے۔ ذی طلال کے مقام پر عروہ پر البراض نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ چونکہ یہ جدال وقتال حرمت والے مہینوں میں ہوا اور اسکا دائرہ حرم تک پھیل گیا اور اس جنگ میں حرم اور حرمت والے مہینے

Marfat.com

دونوں کی بے حرمتی ہوئی اور فریقین نے بعض حرام کاموں کو بھی جائز قرار دے ڈالا تھا اس لیے اسے حرب فجار کا نام دیا گیا۔ بقول ابن اسحٰق رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت بیس برس تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ اس میں شرکت کی تھی اور وہ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

"کُنتُ اُنبِلُ عَلیٰ اَعمامِی"

یعنی: میں اپنے چچاؤں کو وہ تیر دیتا جاتا تھا جو دشمنوں کی جانب سے آتے تھے۔

(۸) حِلفُ الفضول:

جنگ کے فجار کے بعد اہل قریش کے بعض افراد نے یہ ضرورت محسوس کی کہ مکہ میں ایک ایسی تنظیم ہونی چاہیئے جو مظلومین کی حمایت کرے اور کسی کو ان کا حق غصب نہ کرنے دے۔ مکہ میں شہری نظم ونسق کے لیئے نہ فوج تھی اور نہ پولیس۔ صحرائے عرب میں انتقام کا قدیم اصول: اَلسِّنُّ بِالسِّنِّ وَالعَینُ بِالعَینِ: ہر جگہ نافذ تھا۔ جس شخص پر ظلم ہوتا تو وہ خود ہی اپنے مسئلہ کا حل ڈھونڈتا۔ اگر اس کا حق کسی غیر قبیلے والے نے غصب کیا ہوتا تو اپنے قبیلے کی حمایت سے اپنے حق کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

مکہ میں مختلف قبائل عرب حج کی غرض سے آتے تھے۔ اگر کسی نو وارد پر قریش کا کوئی شخص ظلم کرتا تو اسکے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہوتا تھا کہ وہ واپس جائے اور اپنے قبیلے کو دادرسی پر آمادہ کرے۔ لیکن اگر باہر سے کوئی قبیلہ مکہ میں انتقام لینے یا کسی کا حق دلانے آتا تو بیرونی حملہ آور متصوّر ہوتا اور اسکے مقابلے میں قریش کے دس کے دس قبائل اٹھ کھڑے ہوتے۔ ایسی صورت حال میں مظلوم کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہوتا تھا کہ وہ چپ چاپ واپس چلا جائے اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو مقدّر سمجھ کر سہہ لے۔

Marfat.com

مشہور مورّخ سہیلی نے جنوبی عرب سے آنے والے ایک حاجی کا واقعہ بیان کیا ہے جس کی نوجوان اور کنواری بیٹی کو ایک دولتمند مکی تاجر نے اغوا کرلیا تھا۔ اس حاجی میں یہ طاقت نہ تھی کہ اس تاجر سے اپنی بیٹی کو واپس لے سکتا اور نہ اس کا قبیلہ اتنا بڑا تھا کہ اسے لے کر مکہ پر چڑھائی کر سکتا۔ محمد ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حِلف الفضول کے جوانمرد ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور خانہ کعبہ لے جا کر ان سے مظلوم حاجی کی مدد کرنے کی قسم اٹھوائی۔ اسکے بعد انہوں نے مکی تاجر کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ اور لڑکی کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ تاجر نے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ لیکن آپ ﷺ نے اسے کوئی رعایت نہ دی اور لڑکی کو رات سے پہلے بغیر کسی زیادتی کے واپس کروادیا۔ اسی طرح ابوجہل ایک دفعہ ایک تاجر کا مال بغیر دام دیئے اٹھا کر لے گیا۔ حضرت محمد ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے حلف الفضول کے ارکان کی مدد سے ابوجہل کو مجبور کیا کہ وہ اس تاجر کو قیمت ادا کرے۔

اس معاہدے میں بنو ہاشم، بنو زہرہ، اور بنو تیم (قریش) کی تمام شاخیں شامل تھیں۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اس معاہدے کی تحریک پیش کی تھی۔ اور یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہوا تھا۔ اس میں سب نے یک زبان ہو کر یہ عہد کیا تھا کہ ہم ہر مظلوم کی اس وقت تک مدد کریں گے جب تک اسے اپنا حق نہ مل جائے (9)۔ حضرت محمد ﷺ اس پیمان کی روح رواں تھے۔ آپ ﷺ عہد رسالت میں فرمایا کرتے تھے۔ "میں ابن جدعان کے مکان پر جس معاہدے میں شامل تھا اگر اس میں شرکت سے منع کرنے پر مجھے سرخ اونٹوں کا ریوڑ دیا جاتا تو اسے قبول نہ کرتا۔ آج بھی اگر کوئی اس کی دہائی دے تو میں اسکی مدد ضرور کروں گا" (10)۔

حلف الفضول میں ہمیں بدوی اور صحرائی طرز زندگی کے علی الرّغم مدنی طرزِ حیات اپنانے اور شہری نظم ونسق اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کا بھرپور شعور ملتا ہے۔ عرب کے متعدّد قبائل دور دور سے بیت اللہ کی زیارت کیلئے آتے۔ مزید برآں جو قبیلے مختلف

جگہوں پر تجارتی میلوں کا اہتمام کرتے وہ ان میلوں میں دوکانیں لگانے والے تاجروں سے محصول درآمد یا عشر بھی وصول کیا کرتے تھے۔ (11)۔اس لیئے انہوں نے حرمت کے مہینے قائم کرر کھے تھے تا کہ تاجر بے خوف وخطر زیادہ سے زیادہ مال لائیں۔قریش کی معاشی اور معاشرتی زندگی کیلیئے بہت ضروری تھا کہ مکہ میں قیام پذیر زائرین کے جان و مال کی حفاظت ہو۔اگر مکہ میں آ کر حاجی لٹنے لگتے اور انکی جان اور آبرو کو خطرہ لاحق ہو جاتا تو آہستہ آہستہ قبائلِ عرب اس شہر کی طرف آنا چھوڑ دیتے اور قریش کی بالادستی ختم ہو جاتی اور ساتھ ہی بیت اللہ کی زیارت کا ذوق وشوق بھی کم ہو جاتا۔

بیت اللہ کی مرکزی حیثیت برقرار رکھنے اور اہل قریش کے تجارتی و معاشی مفادات کے تحفظ کیلیئے ضروری تھا کہ مکہ میں کوئی ایسی تنظیم موجود ہو جو قبائلی وابستگیوں اور دولتمندوں کے اثر ورسوخ کی پرواہ کیئے بغیر حق وانصاف اور مظلوموں کی دادرسی کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دے۔حلف الفضول کی صورت میں ایسی تحریک کا ابھرنا اس بات کا غمّاز تھا کہ مکہ کے صالح لوگوں میں سماجی تنظیمِ نو کی ضرورت پوری شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔حلف الفضول کی تحریک شاید ایک باقاعدہ ادارے کا روپ دھار لیتی،لیکن اسلام کی اشاعت کے ساتھ ہی اسکی ضرورت اور افادیت ختم ہوگئی۔

(۹) خدیجہؓ سے شادی:

مکہ کی سماجی زندگی میں جگہ جگہ گناہ کی ترغیبات پھیلی ہوئی تھیں۔راتوں کو گانے بجانے اور راگ رنگ کی محفلیں جمتیں۔کچھ لوگ طوائفوں اور شراب پر پیسہ لٹاتے تو کچھ لوگ ان سے پیسہ کماتے۔بیت اللہ کی تولیت کی وجہ سے اہل قریش کی تجارت اور منافع خوری بھی مذہبی لبادہ میں لپٹی ہوئی تھی۔سماجی زندگی میں گناہ کے طاقتور محرکات کے پیش نظر شرافت و عصمت کی زندگی گزارنا اور وہ بھی جب کہ شباب کے تقاضے جوش پہ ہوں، بہت مشکل کام تھا۔

مگر آنحضرت ﷺ کمال صبر اور استقامت کے ساتھ حرص وآز کے کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے بے داغ جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی راست بازی، راست گفتاری، ایمانداری، صداقت وشرافت اور دیگر اوصافِ حمیدہ کی خوشبو کوچہ و بازار میں پھیلی اور پھر رفتہ رفتہ پسِ چلمن پردہ نشینوں تک بھی پہنچ گئی۔

خدیجہ بنت خویلد ایک مالدار بیوہ تھیں جن کے آستانے پر مکہ کے کئی متمول اور با اثر افراد سوالی بن کر حاضری دے چکے تھے اور دھتکارے جا چکے تھے۔ خدیجہؓ کو علم تھا کہ مکہ کے اکثر تاجران سے زیادہ انکی دولت اور تجارت میں دلچسپی رکھتے ہیں خدیجہؓ قریش کے قبیلہ اسد سے تعلق رکھتی تھیں اور انکا نسب نامہ غالب بن فہر تک پہنچتا تھا۔ پانچویں پشت پر نبی ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت خدیجہؓ سے جا ملتا تھا۔ اس طرح وہ سیدہؓ کے عم زاد بھی لگتے تھے۔ خدیجہؓ یکے بعد دیگرے قبیلہ بنی مخزوم کے دو متمول افراد کے نکاح میں رہ چکی تھیں جو قضائے الٰہی سے وفات پا گئے اور ترکے میں خدیجہؓ کے لیئے کثیر مال و دولت چھوڑ گئے تھے۔ خدیجہؓ قریش کے بعض افراد کے تعاون سے تجارت میں سرمایہ لگاتی تھیں۔ انکا مال دور دراز کی منڈیوں تک پہنچتا تھا۔

خدیجہؓ جیسی خاتون جو شریف النسّب ہونے کے ساتھ ساتھ مالدار بھی تھیں طامع تاجروں کیلیئے بہت پرکشش تھی۔ لیکن خدیجہؓ کو بھی زمانے کے نشیب و فراز نے اچھے برے کی پہچان سکھا دی تھی۔ انکی نگاہ انتخاب اس نوجوان پر پڑی جس کی صداقت و امانت اور شرافت و نجابت کے چرچے گھر گھر تھے۔ خدیجہؓ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کو پیشکش کی کہ وہ ان کا مال شام کی منڈی میں لے جائیں اور عام معاوضے کی بجائے دوگنا معاوضہ حاصل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے چچا ابو طالب سے مشورہ کر کے یہ پیشکش قبول کر لی۔

ابو طالب نے بھتیجے کو شام جانے کی اجازت تو دیدی مگر بعد میں وہ بہت پشیماں

Marfat.com

ہوئے۔ انہیں بحیرا راہب کی وہ ہدایت یاد آئی جسکے تحت انہوں نے محمد ﷺ کو بصریٰ کی منڈی سے واپس بھجوا دیا تھا کیونکہ بقول بحیرا وہاں انہیں یہود و نصاریٰ سے گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔ عبداللہ کا داغ جدائی ابھی تازہ تھا جو سفر شام پر گئے تو پھر لوٹ کر نہ آئے۔ بے چینی زیادہ بڑھی تو انہوں نے محمد ﷺ کے پیچھے خود جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ اہل قریش کیا کہیں گے۔ پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے بیٹوں کو انکے پیچھے بھیجیں۔ لیکن بیٹوں نے انہیں سمجھایا کہ تجارت قریش کے نوجوانوں کا پیشہ ہے اور محمد ﷺ نہ صرف یہ کہ خود برا بھلا سمجھتے ہیں بلکہ میسرہ جیسا وفادار اور تنومند غلام انکے ساتھ ہے۔ اسپر ابو طالب خاموش ہو گئے۔

حضرت محمد ﷺ خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ عرب کی قدیم تجارتی شاہراہ پر شام و فلسطین کی منڈیوں کی طرف سفر کر رہے تھے۔ یہ وہی شاہرہ تھی جس پر صدیوں سے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت جاری تھی اسی کو قرآن حکیم میں "امام مبین" اور "سبیل مقیم" کہا گیا۔ اس شاہراہ پر آپ ﷺ قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات دیکھتے اور وادی القریٰ اور مدین کے علاقوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے فلسطین کے قریب بصریٰ کی منڈی میں پہنچے۔ بارہ برس کی عمر میں آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ یہاں آ چکے تھے۔ اگرچہ گزشتہ سفر کے نقوش آپ ﷺ کے ذہن میں تازہ تھے۔ تاہم اس دفعہ ماحول کو آپ ﷺ یکسر مختلف تناظر میں دیکھ رہے تھے آپ ﷺ کو آتش پرستوں، یہودیوں اور عیسائیوں سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے کے مواقع بھی ملے۔ شام و فلسطین کے علاقے اس دور کے متمدن ترین علاقے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ یہاں روم، ایران اور یونان کی ثقافتوں کے گہرے اثرات پائے جاتے تھے۔ اس طرح محمد ﷺ کو اپنے تجارتی دوروں میں اپنے زمانہ کی ترقی یافتہ تہذیب سے رابطہ کا موقع ملا۔ اس سفر سے آپ ﷺ کو نہ صرف مالی فوائد حاصل ہوئے بلکہ قیمتی تجربات و مشاہدات بھی حاصل ہوئے۔

Marfat.com

واپسی پر خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے حضرت محمد ﷺ کو یہ کہا کہ خدیجہؓ انکی مراجعت کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہونگی۔ لہذا وہ سب سے پہلے انہیں مل کر اپنے تجارتی دورے کی تفصیلات بتادیں اور لین دین سے فارغ ہو کر ایک ہی دفعہ اطمینان سے گھر جائیں۔

سیدہ خدیجہ کو حضور ﷺ کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ اپنے گھر میں بے چینی سے آپ ﷺ کی منتظر تھیں اور بار بار اپنے گھر کی بالائی منزل کی کھڑکی میں جا کر آپ ﷺ کی راہ تکتی تھیں۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور خدیجہ کو دور سے دو شتر سوار تیزی سے آتے نظر آئے۔ یہ حضرت محمدؐ اور میسرہ تھے جو تھوڑی ہی دیر میں انکے مکان پر پہنچ گئے۔

حضرت محمد ﷺ نے جب سفر کی تفصیلات اپنی زبانی سنانی شروع کیں تو خدیجہؓ تجارتی معاملات کو بھول کر آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور شیریں کلامی میں کھو گئیں۔ محمد ﷺ کی وجاہت و عظمت کا ان کے دل پر نہایت گہرا تاثر قائم ہوا۔ محمد ﷺ حساب کتاب کے بعد گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ لیکن ان کی یاد نے خدیجہؓ کے دل میں اپنا مستقل گھر بنالیا تھا۔ تین ماہ تک سیدہ خدیجہؓ حرف تمنا لب پر نہ لاسکیں۔ کچھ عمروں کا تفاوت باعث تذبذب رہا ہوگا اور کچھ محمد ﷺ کی شخصیت کا رعب آڑے آتا ہوگا۔ خدیجہؓ اس وقت چالیس برس کی تھیں اور ایک لڑکے اور ایک جوان لڑکی کی ماں تھیں حضور ﷺ کی عمر شریف پچیس برس کے قریب تھی۔

ابن سعد طبقات (حصہ اول ص ۸۴) میں لکھتا ہے کہ بالآخر خدیجہؓ نے نفیسہ بنت منیہ (جو خدیجہ کی سگی بہن یا منہ بولی بہن تھیں) کے توسط سے پیغام نکاح بھجوایا۔ نفیسہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان یوں مکالمہ ہوا:۔

نفیسہ:۔ "آپ ﷺ کو نکاح کر لینے میں کیا امر مانع ہے؟"

فرمایا:۔ "تنگدستی"

نفیسہ:۔ "اگر آپ ﷺ ایسی شریف زادی کی درخواست عقد منظور فرمائیں جو اس قسم کے اخراجات کی کفالت خود کر سکے؟"

استفسار فرمایا:۔ "وہ کون بی بی ہے؟"

نفیسہ:۔ "خدیجہؓ"

فرمایا:۔ "وہ میرے ساتھ کیوں عقد کرنے لگیں؟"

نفیسہ نے وضاحت سے بتایا کہ وہ خود حضور ﷺ سے نکاح کی خواہشمند ہیں اور انکے پیش نظر آپ ﷺ کے فضائل اور اعلیٰ کردار ہے۔اس پر حضور ﷺ راضی ہو گئے۔

دراصل کئی اشرافِ مکہ کی درخواستیں خدیجہؓ رد کر چکی تھیں۔لہذا آپ ﷺ نے خود پیش قدمی فرمانا مناسب نہ سمجھا۔یہ علیٰحدہ بات ہے کہ آپ ﷺ خود بھی خدیجہؓ سے شادی کے متمنّی تھے۔جب نفیسہؓ نے موثر طور پر وکالت کی تو پھر یہ شادی طے پا گئی۔خدیجہؓ کے والد خویلد بن اسد جنگ فجار میں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔خدیجہؓ کیطرف سے انکے چچا عمرو بن اسد ولی بنے اور محمد ﷺ کی طرف سے ابو طالب! نکاح بخیر وخوبی انجام پا گیا۔اکثر لوگوں نے اس عقد پر پسندیدگی کا اظہار کیا کیونکہ خدیجہؓ متمول بھی تھیں اور شریف النسب بھی! ادھر محمد ﷺ اگرچہ مالی لحاظ سے مفلس تھے۔لیکن اخلاقی اور روحانی طور پر نہایت باوقار اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے اور حسب نسب کے لحاظ سے بھی بلند درجے پر فائز تھے۔

شادی کے بعد حضرت محمد ﷺ نے اپنا ذاتی کاروبار جاری رکھا اور حضرت خدیجہؓ کے کاروبار کو بھی بڑھایا۔آپ ﷺ نے زوجہ کے مال کو ذاتی اغراض ومقاصد کیلئے خرچ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔اگر آپ ﷺ خدیجہؓ کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹانا بھی شروع کر دیتے تو خدیجہؓ کو اعتراض نہ ہوتا۔لیکن حضور ﷺ کی خودداری نے کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ زوجہ کے مال کو اپنی مرضی سے خرچ کریں۔شادی کے بعد حلیمہ سعدیہ جب مالی اعانت کیلئے حاضر

Marfat.com

ہوئیں تو آپ ﷺ نے خدیجہؓ سے سفارش کر کے انکی حاجت روائی فرمائی تھی ۔ جب آپ ﷺ کے مالی حالات کچھ سنبھل گئے تو آپؐ نے چچا ابو طالب کے سر سے بڑے کنبہ کا بوجھ کم کرنے کیلئے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور انکے ایک دوسرے بیٹے کو حضرت عباس کی تحویل میں دے دیا۔

اصل میں خدیجہؓ کے ساتھ تزوج میں بھی خاص مصلحت خداوندی کارفرما تھی ۔ خدیجہؓ جناب رسالت مآب ﷺ سے کافی بڑی تھیں ۔آنے والے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضور ﷺ کی شخصیت میں بارِ رسالت اُٹھاتے ہوئے جو نفسیاتی تبدیلیاں رونما ہوئیں انہیں خدیجہؓ جیسی جہاندیدہ اور صاحب بصیرت خاتون ہی سمجھ سکتی تھیں ۔جس لگن ،محبت اور اعتماد کے ساتھ انہوں نے مختلف مراحل پر رسول اللہ ﷺ کو رسالت ونبوت کا بارگراں اٹھانے میں مدد دی ۔وہ ان ہی کا حصہ تھا۔خدیجہؓ کے متمول ہونے میں مصلحت یہ تھی کہ جوں جوں نزول وحی کا وقت قریب آتا جارہا تھا۔ نبی ﷺ گھر بار سے بے تعلق ہوتے جارہے تھے۔ بیوی بچوں کی طرف سے انہیں فکرِ معاش لاحق نہیں تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس لیئے آپ ﷺ کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت وریاضت میں منہمک ہو گئے ۔یوں خدیجہؓ کے معمّر اور متموّل ہونے سے آپ ﷺ کو آغازِ نبوت کے کٹھن اور صبر آزما مراحل سے گزرنے میں دوہری مدد ملی ۔یعنی پریشانی اور اضطراب میں زوجہ کی دلجوئی اور تسکین وتشفی اور گھر گرہستی کی فکر سے بڑی حد تک آزادی!سورۃ الضحیٰ میں انہی امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۝ وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ؕ ۝ (والضحیٰ ۹:۶)

" کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔

خدیجہؓ نے جس طرح محمد ﷺ کی دلجوئی کی اسکے حوالے سے مورّخِ عرب ابن سعد حضرت آدم کا ایک قول نقل کرتا ہے:

"حضرت آدم نے بہشت میں حوا سے کہا کہ منجملہ ان فضائل کے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو عطا کیئے ہیں، یہ ہے کہ انہیں خدیجہؓ جیسی بیوی عطا کی ہے۔ خدیجہؓ ہمیشہ مشیت خداوندی کے پورا کرنے کیلئے حضرت محمد ﷺ کی مدد کرتی رہینگی حالانکہ تو اس بات کا سبب بنی کہ میں بہشت میں رضائے خداوندی کے خلاف عمل کروں" (12)۔

(۱۰) شادی کے بعد:

حضرت محمد ﷺ کی شادی میں حق مہر بیس اونٹ مقرر ہوا تھا جو کہ آپ ﷺ نے اسی وقت ادا کر دیا۔ سیدہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے دو فرزند تولّد ہوئے (13)۔ پہلے بیٹے کا نام آپ ﷺ نے قاسم رکھا تھا اور اسی اعتبار سے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ دوسرے بیٹے چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے تھے۔ حضور ﷺ کی خدیجہؓ سے چار بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں جن پر آپ ﷺ کا سایہ پدری قائم رہا۔ رقیہؓ، زینبؓ اور ام کلثومؓ بے اولاد رہیں۔ تاہم چوتھی بیٹی فاطمہ صاحبِ اولاد ہوئیں۔ صرف فاطمہؓ ہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد (چھ ماہ تک) زندہ رہیں۔ باقی تمام اولادیں ان کی حیات میں ہی فوت ہو گئیں۔ یہ ساری اولادیں بطنِ خدیجہؓ سے ہوئی تھیں۔ پھر کسی بیوی سے اولاد نہ ہوئی۔ صرف ماریہ قبطیہ نامی کنیز سے ابراہیم پیدا ہوئے، لیکن یہ بھی قاسم و عبداللہ کی طرح حالت شیر خوارگی میں ہی فوت ہو گئے (14)۔

(۱۱) زید بن حارثہ:

سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے حباشہ کے میلے میں ایک غلام زید بن حارثہ کو خریدا اور اسے سیدہ خدیجہؓ کو عطا کر دیا۔ خدیجہؓ نے یہ غلام محمد ﷺ کی نذر کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد

Marfat.com

زید کا باپ اسے تلاش کرتا ہوا مکہ آ پہنچا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر فریاد کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ وہ فلاں قبیلے کا سردار ہے۔ اور یہ کہ زید غلام نہیں بلکہ سردار کا بیٹا ہے، لیکن دشمن قبیلے والوں نے اسے جنگ میں پکڑ کر بیچ دیا تھا۔ اس کے باپ نے درخواست کی کہ اسے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضور ﷺ نے زید سے پوچھا "یہ شخص کون ہے؟" "زید نے کہا" یہ میرا باپ ہے!'' فرمایا'' اگر تم اس کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں آزاد کرتا ہوں''۔ لیکن زید نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کہا''میں اپنے باپ کے گھر میں آزاد رہنے سے بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی غلامی میں زندگی بسر کر دوں''۔ حضرت محمد ﷺ اسی وقت اسے لے کر کعبہ میں آئے اور اسکا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آج سے زید آزاد ہے اور میں اسے اپنا متبنٰی بناتا ہوں۔ زید کا باپ اسپر بہت خوش ہوا اور مطمئن ہو کر لوٹ گیا۔

(۱۲) تعمیرِ کعبہ و تنصیبِ حجرِ اسود:

شادی کے بعد نزولِ وحی تک کے دور میں سوائے خانہ کعبہ کی تعمیر کے کوئی اہم واقعہ پیش نہ آیا۔ کعبہ کی عمارت آتش زدگی اور سیلابوں کی وجہ سے کافی خستہ ہو چکی تھی۔ اسے باقوم نامی رومی انجینئر نے از سرِ نو تعمیر کیا تھا۔ ساتویں باب میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اس کی تعمیر کن حالات میں ہوئی تھی۔ شروع میں لوگ اسے مسمار کرنے سے گریزاں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس مقدّس عمارت کو گرا دیا گیا تو ان پر خدا کا قہر ٹوٹ پڑے گا۔ ادھر باقوم کا اصرار تھا کہ اگر عمارت کو صحیح طرح سے تعمیر کرنا ہے تو ایک دفعہ اسے پورا ڈھا دیا جائے تا کہ اسے بنیادوں سے اٹھایا جا سکے۔ ایک روایت کے مطابق خزانے کے کنویں میں ایک خوفناک سانپ رہا کرتا تھا جو کبھی کبھی باہر نکل آتا تھا۔ لوگ اس سے بہت ڈرتے تھے۔ انہی دنوں یہ ایک دفعہ باہر نکلا تو اوپر سے ایک باز اس پر جھپٹا اور اسے اچک کر دور کہیں لے گیا۔ اس سے لوگوں نے یہ شگون لیا کہ اللہ کی طرف سے تعمیرِ کعبہ کیلئے عمارت کو ڈھا دینے کی اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ پوری عمارت کو گرا

دیا گیا اور باقوم کے زیرِ نگرانی اسکی تعمیرِ نو کا کام شروع ہو گیا۔ تعمیر کے کام میں حضور ﷺ نے بھی عام مزدوروں کی طرح حصہ لیا۔ جب حجرِ اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود نصب کرنے کی سعادت اسے ملے۔ چنانچہ ہر قبیلے کے سردار نے خون کے پیالے میں انگلی ڈبو کر قسم کھائی کہ اسے صرف وہی دیوار کعبہ میں نصب کرے گا۔ عین ممکن تھا کہ حدودِ حرم میں کشت وخون کا بازار گرم ہو جاتا کہ یہ تجویز پیش کی گئی کہ جو شخص اگلی صبح حرم میں سب سے پہلے داخل ہو اسے حَکم بنالیا جائے۔ سب لوگ دروازے کی طرف نظریں جما کر بیٹھ گئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سب سے پہلے داخل ہونے والے حضرت محمد ﷺ تھے۔ ان کی آمد سے ہر شخص خوش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے چادر بچھا کر حجر اسود کو درمیان میں رکھا اور پھر تمام قبیلوں کے سرداروں کو ہدایت کی کہ وہ چادر کو کناروں سے پکڑ کر اٹھائیں اور دیوار کعبہ تک لے چلیں۔ سرداروں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ حجر اسود کو کعبہ کی عمارت تک لے آئے تو حضور ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اسے اٹھا کر دیوار کعبہ میں نصب کر دیا۔ اس طرح قبائل قریش ایک بڑی خونریزی سے بچ گئے اور سارا معاملہ حضور ﷺ کی فراست سے خوش اسلوبی کے ساتھ طے پا گیا۔

تعمیر کعبہ و تنصیب حجر اسود کے وقت نبی کریم کی عمر شریف 35 برس تھی۔ شادی کے بعد یہ تمام عرصہ آپ ﷺ گھریلو زندگی کے تقاضوں اور تجارتی امور میں مشغول رہے۔ کتبِ احادیث وسیَر سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ ﷺ نے اس دوران فلسطین وشام کے علاوہ بحرین، عمان اور یمن وغیرہ کے بھی تجارتی دورے کیئے تھے (15)۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کی رو سے آپ ﷺ کا حبشہ جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے بحری سفر بھی کیا تھا (16)۔

Marfat.com

(۱۳) صورت وسیرت کا اجمالی خاکہ:

حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں

واحسن منک لم تر قط عینی
و اجمل منک لم تلد النساء

یعنی! آپ ﷺ سے اچھا میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں، اور آپ ﷺ سے خوبصورت انسان کو عورت نے جنم ہی نہیں دیا۔

حضرت محمد ﷺ کا قد درمیانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ نظر کو اچھا نہ لگے اور نہ اتنا پست کہ دیکھنے میں نہ جچے! یہ ایک عجیب بات تھی کہ ہجوم میں چلتے ہوئے آپ ﷺ کا قد سب سے نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا سر قدرے بڑا تھا اور اس پر سیاہ گھنے بال تھے نہ زیادہ گھونگریالے اور نہ ہی بالکل سیدھے! بلکہ ایک خوشنما اور ہلکا سا خم ان میں کھائی دیتا تھا۔ بال کبھی کان کی لوؤں کو چھورہے ہوتے اور کبھی شانوں تک پہنچ جاتے۔ پیشانی بلند اور کشادہ جس پر اقبال مندی کا نور دمکتا تھا۔ چہرہ مبارک آفتابی، پرشکوہ اور پرنور تھا۔ آنکھیں سیاہ مگر سرخی مائل، پتلیاں بالکل سیاہ اور آنکھوں کی سفیدی کے گرد ہلکی سرخی کا مدوّر سا ہالہ جس سے آنکھوں میں بے انتہا جاذبیت پیدا ہوگئی تھی۔ بھنویں گھنی اور پیوستہ، پلکیں سیاہ اور دراز، ناک ستواں، چونکہ اس پر ایک نور سا چمکتا تھا، اس لیئے دیکھنے والے کو ہلکی سی بلندی مائل لگتی تھی۔ رخسار متوازی تھے، داڑھی کے بال گھنے تھے۔ دہن مبارک کشادہ اور دانت چمکدار اور ہموار تھے۔ سامنے کے دانتوں کے درمیان تھوڑا سا خلا تھا۔ کان متناسب اور خوبصورت تھے۔ شانے پر گوشت اور کشادہ، گردن قدرے لمبی اور سینہ چوڑا تھا۔ سینے کے اوپر والے حصے، شانوں اور کلائیوں پر تھوڑے تھوڑے بال تھے۔ البتہ سینے کا نچلا حصہ اور پیٹ بالوں سے خالی تھا۔ تاہم سینے سے ناف تک بالوں کی ہلکی سی دھاری (اجر دطویل السردہ) تھی۔ دونوں شانوں کے درمیان کبوتر

Marfat.com

کے انڈے کے برابر "مہر نبوّت" تھی جو کہ گوشت کے ابھار (غدہ) کی شکل کی تھی۔ اور اس پر کچھ بال بھی اگے ہوئے تھے۔ ہتھیلیاں چوڑی اور مضبوط اور انگلیاں لمبی اور پر گوشت تھیں۔ مصافحہ کرنے والے کو نرمی، نفاست اور گداز کا احساس ہوتا تھا۔ پیٹ کھنچا ہوا اور سینے کے مساوی تھا اور بقول ابن جوزی ایسے تھا جیسے کاغذوں کی تہہ جمادی گئی ہو۔ پنڈلیاں اور پاؤں نہایت متناسب اور پر گوشت تھے۔ تلوے سپاٹ نہیں تھے بلکہ درمیان سے خمیدہ تھے کہ نیچے سے پانی گزر سکتا تھا۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی شخصیت کا مجموعی تاثر جلال و جمال اور ہیبت و محبت کا تھا، دیکھنے والا مرعوب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی طرف کھنچتا بھی تھا۔ آپ ﷺ کے جسم اور پسینے سے ہر وقت ہلکی سی مسحور کن خوشبو اٹھتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ کبھی پورا منہ کھول کر نہیں ہنستے تھے۔ مسکراتے ہوئے بس دانتوں کی ہلکی سی جھلک نظر آجاتی تھی۔ حالتِ غضب میں چہرہ مبارک اتنا پر جلال ہو جاتا کہ نظر ٹھہرنا مشکل ہو جاتی تھی اور ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو پھڑکنے لگتی تھی۔ لیکن کبھی غصے میں آپے سے باہر نہیں ہوئے تھے۔ ہمیشہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے تھے۔ غصہ پی جانے کی وجہ سے کبھی کبھی چہرہ مبارک پر پسینے کے چند قطرے دمکنے لگتے۔ جس سے ناراض ہوتے، اس سے منہ پھیر لیتے۔ آپ ﷺ کبھی کن انکھیوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ بلکہ جس کی طرف توجہ کرتے مڑ کر پورے وجود سے توجہ کرتے۔

اس دور میں ایک بدوی عورت نے حضور ﷺ کا حلیہ بیان کیا تھا۔ اس عورت کا بیان نہ صرف ایک تاریخی ریکارڈ کی حیثیت سے محفوظ رہ گیا ہے بلکہ یہ ادبی لحاظ سے بھی ایک شہ پارہ ہے۔

حضور ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت کی تو چند روز غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ وہاں سے چوتھی شب وہ آگے روانہ ہو گئے۔ دوران سفر وہ ام معبد کے خیمے کے قریب سے گزرے۔ ام

Marfat.com

معبد مہمان نوازی کیلئے بہت مشہور تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا" کچھ کھانے کے لیے ہے؟'' ام معبد نے کہا: ''اگر کچھ ہوتا تو خود ہی حاضر کر دیتی!'' آپ ﷺ نے ایک طرف ایک مریل سی بکری بندھی دیکھی تو پوچھا: ''یہ یہاں کیوں کھڑی ہے؟ ام معبد نے جواب دیا ''کمزور ہے! ریوڑ کے ساتھ چرنے نہیں جا سکتی!'' آنحضرت ﷺ نے کہا" کیا میں اسے دوھ لوں؟" ام معبد نے کہا'' اگر آپ ﷺ اس سے دودھ حاصل کر سکتے ہیں تو ضرور دوھ لیں''۔ آپ ﷺ نے ایک برتن لیا اور بکری کو دوہنا شروع کر دیا۔ بکری نے اتنا دودھ دیا کہ برتن سے چھلک پڑا۔ یہ دودھ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے پی لیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے پھر بکری کو دوہا برتن پھر لبریز ہو گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں نے دوبارہ جی بھر کر پی لیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ بکری کو دوہا۔ برتن پھر چھلکنے لگا۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے برتن وہیں چھوڑا اور ام معبد کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گئے۔ ام معبد کا شوہر جب واپس آیا تو دودھ کا بھرا ہوا برتن دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ استفسار کرنے پر ام معبد نے بتایا کہ ایک بابرکت شخص آیا تھا، یہ اسی کے درودِ مسعود کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا۔ ''یہ تو وہی قریشی جوان معلوم ہوتا ہے۔ جسکی میں تلاش میں ہوں۔ ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو!'' اس پر ام معبد نے حضرت محمد ﷺ کا یوں نقشہ کھینچا:

"ظاھر الو ضاء ۃ ابلج وجه حسن الخلق ثم تعبه ثجلة
و لم تزربه صلعته وسيم" قسيم فی عينه وعج۔ وفی اشعاره
و طف وفی صو رته صحل وفی عنقه سطح احو ر۔ اكحل
ازج اترن شديد سواد الشعا ر ذا صحت علاه الوقاروان
تكلم ولاه يها اجمل الناس وابها هم من بعيدِوا حسنه وا حلاه
من قريب حلوا لمنطق۔ فصل لا تزر۔ ولا هذركان منطقه خر
زات۔ نظم يتحدون ر بعته : لا يقحم عين من قصر ولا يشناء

Marfat.com

من طو ل غصن بين عصنين فهو نضر الثلثته ضنطرر حسنهم قدرآله رفقاء يحفو ن به اذا قال استعموالقوله واذا مرتبا در وا الیٰ امره محشو دلا عا بس و لا متغد ۔"

(پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ توند نکلی ہوئی، نہ چندیا کے بال گرے ہوئے۔ زیبا، صاحب جمال، آنکھیں، سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے۔ آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھونگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ۔ گویا دلبستگی لیئے ہوئے۔ دور سے دیکھنے میں زیبندہ دلفریب، قریب سے کمال شیریں وکمال حسین، شیریں کلام۔ واضح الفاظ، کلام کمی وبیشی سے معرّیٰ، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آئے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے، زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر، والاقدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت اسکے گردو پیش رہتے۔ جب وہ کچھ کہتا تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ حکم دیتا ہے تو تعمیل کیلئے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو!)

یہ تعریف سن کر امِ معبد کا خاوند کہنے لگا کہ یہ وہی قریش جوان ہے۔ میں اسے ضرور ملوں گا۔(17)

آنحضرت ﷺ بہت کم کھانا کھاتے تھے۔ فاقہ کشی کی زیادتی کے باوجود آپ ﷺ کا جسم دبلا پتلا اور نحیف ونزار نہ تھا، بلکہ مضبوط اور طاقتور تھا۔ آپ ﷺ نے بعض موقعوں پر کشتی میں نامی گرامی پہلوانوں کو بھی پچھاڑا تھا(18)۔ عمرہ ادا کرتے ہوئے حضور ﷺ نے سواونٹوں کو خود ہانکا اور ۶۳ کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بقیہ کو حضرت علیؓ کے حوالہ کر دیا۔ اس سے آپ ﷺ کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسلسل روزے رکھنے کے باوجود آپ ﷺ میں

Marfat.com

نقاہت کے آثار نمایاں نہ ہوتے تھے۔

چلتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپ ﷺ بلندی سے نشیب میں اتر رہے ہوں۔ قدم پوری قوت سے زمین پر رکھتے اور ایسی تیزی سے چلتے کہ صحابہؓ کو ساتھ ملنے میں کوشش کرنا پڑتی۔

کبھی بلاوجہ نہ بولتے۔ عام حالات میں متفکر رہتے۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں اگرچہ خاموشی تفکر اور سنجیدگی کا عنصر غالب تھا تاہم آپ ﷺ کے روئے مبارک پر ہلکا سا تبسم نمایاں رہتا جس سے خشونت کا تاثر پیدا نہ ہوتا۔ جب بات کرتے تو ٹھہر ٹھہر کر ایسے بولتے کہ مخاطب ایک ایک لفظ گن سکتا تھا۔ آپ ﷺ کی زبان نہایت شیریں اور متاثر کن تھی۔ جس بات پر زور دینا مقصود ہوتا اسے کئی بار دہراتے۔ آپ ﷺ کی آواز بھاری اور بارعب تھی۔ گفتگو کے دوران پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے اور کسی نکتے پر زور دینے کیلئے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے۔ تعجب کا اظہار کرنا ہوتا تو ہاتھ پلٹ دیتے۔ کسی بات پر خصوصی زور دینا ہوتا تو ٹیک سے اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ مضبوطی اور جمعیت کا مفہوم ادا کرنا ہوتا تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم گرپھنسا لیتے۔ دوران گفتگو بار بار آسمان کی طرف دیکھتے۔ بات چیت کے نشیب و فراز کی مناسبت سے کبھی سر ہلاتے، کبھی ہونٹوں کو دانتوں میں دباتے اور کبھی ران پر ہاتھ مارتے۔ خود لمبی بات کرنے سے گریز کرتے۔ لیکن دوسرے کی بات بڑے غور اور تحمل سے سنتے خواہ وہ کتنی ہی لمبی ہوتی۔

آپ ﷺ کو سادہ لباس اور سفید رنگ مرغوب تھا۔ لیکن بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے سرخ اور زرد رنگ کے کپڑے بھی زیب تن کیے۔ قمیض اور تہمبند آپ ﷺ کو بہت پسند تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پاجامہ پہنا اور اسے پسند فرمایا۔ کشیدہ کاری والی فارسی عبائیں بھی پہنیں۔ سر پر عموماً سیاہ رنگ کا عمامہ پہنا کرتے تھے۔ لیکن جب نجاشی نے چرمی موزے بھیجے تو

انہیں شوق سے پہنا۔ یمن کی بنی ہوئی دھاری دار چادریں بہت پسند تھیں۔ نعلین چپل سے مشابہ تھے جن میں دو تسمے لگے ہوتے تھے۔ استراحت کیلئے چمڑے کا ایک گدا تھا۔ جس میں خشک گھاس بھری ہوئی تھی۔ ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ بان کی ایک چارپائی تھی جس پر بالعموم آپ سویا کرتے۔

دنیا میں حضرت محمد ﷺ کے علاوہ شاید کسی ایسے انسان کی مثال نہ مل سکے جسکی زندگی کی ایک ایک ادا ایک ایک پہلو اور ایک ایک انداز کو لوگوں نے بنظر غائر دیکھا ہو اور اسے محفوظ کرلیا ہو۔ سیر و احادیث کی کتب نبی کریم ﷺ کے معمولات و عادات اور انداز و اطوار کے بیانات سے بھری پڑی ہیں (19)۔ آپ ﷺ کیسے اٹھتے بیٹھتے، کیسے گفتگو کرتے، کیسے سوتے جاگتے، مختلف حیثیتوں میں آپ ﷺ کا طرزِ عمل کیا ہوتا تھا، یہ سب باتیں چھوٹی چھوٹی تفصیلات کے ساتھ محفوظ کرلی گئی تھیں اور صدیوں کے مرور کے ساتھ ساتھ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہوئی یہ ہم تک پہنچی ہیں۔ اتنا بڑا اشرف آپ ﷺ سے پہلے کسی انسان کو حاصل نہ ہو سکا اور نہ آئندہ کسی کو ہوگا۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں

"وکان احسن الناس، وکان اجود الناس و کان اشجعُ الناس"

(مسلم، باب فی شمائل النبیؐ)

یعنی آپ ﷺ سب انسانوں سے اچھے تھے، سب انسانوں سے زیادہ سخی تھے اور سب انسانوں سے زیادہ بہادر تھے۔ صاحبِ قصیدہ بردہ نے حضور ﷺ کی صورت و سیرت کے جملہ محاسن کو اپنے ایک شعر میں سمیٹ لیا ہے

فھو الذی تَمَّ معناہَ و صُورتہ

ثم اصطفا ہُ حبیباً باری النسم

(وہی ہیں جن کو صورت اور سیرت میں مکمّل کیا گیا۔ پھر ارواح کے پیدا کرنے

Marfat.com

والے نے آپ ﷺ کو دوست چن لیا)

(۱۴) تحنُّف وتحنُّث:

حنیف کا معنی ہے مڑتا یا جھکنا۔ مڑے ہوئے پاؤں کو "رِجل حَنْفَاءُ" کہتے ہیں۔ حنیف وہ ہے جو باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف آجائے۔ اس میں یکسو ہونے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حنیف ہونا دراصل مسلمان ہونا ہے کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ حنیف ہونے کا اعلان ہے چنانچہ وہ جو باطل سے اعراض کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے، تحنّف اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح تحنّث کا معنی بھی گناہوں سے باز رہنے اور باطل سے منہ موڑ کر اور یکسو ہو کر عبادت کیلئے گوشہ گیر ہونا ہے۔ ابن ہشام کہتا ہے کہ عرب "ث" کو "ف" سے بدل دیتے تھے۔ جیسے "اجداث" کو "اجداف" کہہ دیتے تھے۔ دونوں کا معنی قبریں ہے۔ اسی طرح عرب تحنُّف اور تحنُّث کو مترادفات کی حیثیت سے استعمال کرتے تھے۔ اس سے مراد دینِ حنیفی اختیار کرنا اور عبادت کیلئے گوشہ نشیں ہونا ہے (20)۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں کچھ ایسی ہستیاں بھی تھیں جو بت پرستی اور مروّجہ رسوم ورواج سے نفور وگریزاں تھیں۔ ان میں عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو، قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جمادِ لایعقل سے منہ پھیر لیا تھا۔ قس بن ساعدہ نے عکاظ کے میلے میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے کچھ حصے بظاہر قرآن حکیم کی ابتدائی سوتوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس خطبے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قریش کی صنم پرستی سے بیزار اور ہدایتِ خداوندی کا طلبگار تھا۔ زید بھی خدائے واحد سے راہنمائی کی دعا مانگتے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ عثمان عیسائی ہو کر شام چلا گیا۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے عم زاد تھے۔ یہ بھی عیسائی ہو گئے تھے۔ لیکن یہ مکہ میں ہی مقیم رہے۔ انہوں نے انجیل کے بعض حصے عبرانی سے عربی میں ترجمہ کیئے تھے۔ کچھ حنفیوں کے ساتھ حضور کا میل

Marfat.com

ملاپ بھی تھا (21)۔

ان کے علاوہ حضور ﷺ کے کچھ اور احباب بھی تھے جنکے ساتھ آپ ﷺ کے گہرے مراسم تھے۔ ان میں حضرت ابو بکرؓ سرفہرست ہیں۔ خدیجہؓ کے رشتہ دار حکیم بن حزام قریش کے معزز رئیس تھے یہ بھی آپ ﷺ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ الازدی سے بھی آپ ﷺ کی گہری دوستی تھی۔ یہ طبیب اور جرّاح تھے۔ بعثت کے بعد ایک دفعہ یہ مکہ میں آئے تو دیکھا کہ شہر کے اوباش لڑکے آپ ﷺ کے پیچھے آوازے کستے ہوئے آرہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی ذہنی مرض لاحق ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کے قریب آکر کہنے لگے: ''محمد! میرے پاس جنون کے مرض کا شافی علاج ہے۔'' حضرت محمد ﷺ نے انکی طرف دیکھا اور خدا کی تحمید و تقدیس کے بعد چند ایسے مؤثر جملے ادا کیئے کہ ضماد بن ثعلبہؓ نے وہیں اسلام قبول کر لیا۔

محمد ﷺ شادی سے لیکر بعثت تک کیا کچھ سوچتے رہے، کن کن لوگوں سے تبادلہء خیال کرتے رہے، اس کے بارے میں ہمیں تفصیلات کا علم نہیں۔ لیکن کچھ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب کبھی کوئی حنیف آپ ﷺ سے یہ کہتا کہ آپ ﷺ بھی کشفِ حقیقت کی کوشش کریں تو آپ ﷺ یہی فرماتے '' لَا اِلٰہَ اِلا اللہ ''، یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ واضح رہے کہ ایک اللہ کا تصور عربوں کے ذہن میں موجود تھا۔ صرف وہ بتوں اور دیگر ہستیوں کو الوہیت میں شریک کر لیتے تھے۔ محمد ﷺ کو اسی بات سے سخت نفرت تھی۔ وہ بتوں کی قسم کھانا یا ان کی عبادت کرنا تو درکنار، ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ حقیقت کو جاننے کی اپنے اندر شدید خواہش محسوس کرتے تھے لیکن انکے ذہن میں حقیقت کا کوئی واضح تصور نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک حنیف سے گفتگو کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ''حقیقت از خود آشکار ہو گی اور ہر اس شخص کو جو اس کا متلاشی ہے، اپنی نشانی دکھائے گی'' (22)۔

Marfat.com

جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا آپ ﷺ کی جستجو میں شدت آتی جارہی تھی اور آپ ﷺ دنیاوی امور سے بیزار ہوتے جارہے تھے۔ تعمیرِ کعبہ سے بعثت تک کے پانچ سالہ دور میں کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا اور ہمیں آپ ﷺ کے بارے میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ مکہ کی گناہ آلود سماجی زندگی اور اپنے ہم وطنوں کی مشرکانہ روش سے اتنے متنفّر ہو گئے تھے کہ عملی طور پر گھر بار چھوڑ کر زیادہ تر وقت غارِ حرا کی تنہائی میں بسر کرنے لگے تھے۔ کفر و شرک کی فضا میں رہتے ہوئے آپ ﷺ ذہنی اور قلبی طور پر ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے ہم وطنوں سے علیٰحدہ محسوس کرتے تھے۔ لیکن اب آپ ﷺ نے عملی طور پر بھی کفر و شرک کے مرکز سے خود کو الگ کرلیا تھا۔ یہی آپ ﷺ کا تخنث بھی تھا اور تحنث بھی!

حرا کو حراء (ہمزہ کے ساتھ) بھی لکھتے ہیں اور ہمزہ کے بغیر بھی۔ یہ غار کعبہ سے تین میل کے فاصلے پر جبل النّور کی چوٹی پر واقع ہے۔ منیٰ جاتے ہوئے یہ پہاڑ دائیں طرف آتا ہے۔ یہ غار چٹانوں کے ایک دوسرے پر گرنے سے وجود میں آیا ہے۔ اسکے تینوں اطراف میں اور چھت پر چٹانیں ہیں۔ چھت صرف اتنی بلند ہے کہ ایک آدمی باآسانی کھڑا ہو سکتا ہے۔ لمبائی اتنی ہے کہ ایک آدمی لیٹ سکتا ہے۔ غار کا دہانہ قدرۃً کعبہ کی طرف ہے۔ چنانچہ غار میں بیٹھا ہوا آدمی نہایت آسانی سے کعبہ کو مرکزِ نگاہ بنا کر عبادت کر سکتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی عمر شریف جوں جوں بڑھتی جارہی تھی، آپ ﷺ کا دل دنیا اور دنیاوی معاملات سے اچاٹ ہوتا جارہا تھا۔ وہ زیادہ تر وقت خلوت اور تنہائی میں گزارنے لگے تھے۔ اس مقصد کیلئے وہ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی ہفتے وہاں معتکف رہتے۔ کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان جو ساتھ لے جاتے جب ختم ہو جاتا تو کچھ دنوں لیے گھر تشریف لے آتے۔ کچھ عرصہ بعد پھر کھانے پینے کا سامان لیتے اور غارِ حرا میں تخنث (تخلیہ میں عبادت) کیلئے چلے جاتے۔ عموماً رمضان کا پورا مہینہ وہیں قیام رہتا۔ جب واپس آتے تو سب

Marfat.com

سے پہلے کعبہ میں آ کر طواف کرتے اور پھر کبھی وہیں سو رہتے اور کبھی گھر تشریف لے آتے۔ بعض اوقات سیدہ خدیجہؓ خود بھی کھانے پینے کا سامان اور اشیائے ضرورت لے کر غار حرا میں آ جاتیں۔

نزولِ وحی کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ کی روحانی ریاضت عروج پر پہنچ چکی تھی۔ عالمِ مثال سے خوشبو کی لپٹیں آپ ﷺ تک پہنچنا شروع ہو گئیں۔۔۔۔۔۔۔۔ باران رحمت کے ابتدائی جھونکے آپ ﷺ کے وجود اطہر کو مس کرنے لگے۔ آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ بیداری کے عالم میں بعینہٖ سچا ثابت ہوتا۔ غیبی آوازوں اور ماحول میں انوار الٰہی کے اثرات کا ادراک ہونے لگا۔ آپ ﷺ ایک ایسے پتھر کو بھی پہچاننے لگے تھے جو آتے جاتے آپ ﷺ پر سلامتی بھیجتا تھا۔

غارِ حرا میں آپ ﷺ جو عبادت کرتے تھے اسکی نوعیت کیا تھی؟ اسکے بارے میں عینی شرح بخاری میں ہے

"قیل ما کان صفته تعبده اجیبب بان ذالك بالتفکر والا عتبار"

یعنی! یہ سوال کی گیا کہ آپ ﷺ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری (23)۔ ابن کثیر نے بہت سے اقوال نقل کیئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ حضرت نوحؑ یا حضرت ابراہیمؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے طریقے پر عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ قول بھی مندرج ہے کہ آپ ﷺ خود اپنے وضع کردہ طریقے کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے اور یہی زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے (24)۔

(۱۵) نزول وحی 610ء:

ایک دفعہ حضرت محمد ﷺ کمبل اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ کہ نیند اور

Marfat.com

بیداری کی بین بین حالت میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص آپ ﷺ کو ایک ریشمی کپڑا دکھا رہا ہے جس پر کچھ سنہری الفاظ لکھے ہوئے ہیں اور ان سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ جبرائیلؑ تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو یہ الفاظ پڑھنے کیلئے کہا۔ بقول ابن ہشام رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فَجَاءَنِي جِبرِيلُ وَ اَنَا نَائِمٌ بِنَمطٍ مِنْ دِيبَاجٍ فِيهِ كِتَابٌ. فَقَالَ: اِقرَاءْ قَالَ: قُلتُ مَا اَقرَاءُ ، قَالَ : فَغَتَنِي بِهِ حَتّٰى ظَنَنتُ اَنَّهُ الْمَوْتُ ثُمَّ اَرسَلَنِي فَقَالَ : اِقرَاءْ، قَالَ قُلتُ مَا ذَا اَقرَأُ ؟ قَالَ : فَغَتَّنِي بِهِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ الْمَوْتُ ۔ ثُمَّ ارْسَلَنِي ، فَقَالَ : اِقْرَأْ ، قَالَ ، فَقُلْتُ مَا ذَا اَقْرَاءُ مَا اَقُولُ ذَالِكَ اِلَّا افْتِدَاءً مِنْهُ اَنْ يَّعُوْدَ لِي بِمِثْلِ مَاصَنَعَ فَقَالَ:

اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(خط کشیدہ آیات ۹۶: ۱۔۵)

(میرے پاس جبرائیل اس وقت آئے جب میں سو رہا تھا۔ اور وہ ایک ریشمی کپڑا لائے جس پر کچھ لکھا تھا، پھر کہا پڑھیئے میں نے کہا میں پڑھا نہیں (مجھے پڑھنا نہیں آتا) انہوں نے مجھے پکڑ کر بھینچا، یہاں تک کہ میں نے خیال کیا، اب موت ہے۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیئے، میں نے کہا میں پڑھا نہیں۔ فرمایا: پھر مجھے بھینچا، یہاں تک کہ میں نے خیال کیا، اب موت ہے۔ اور چھوڑ دیا اور کہا، پڑھیئے۔ میں نے کہا کیا پڑھوں؟ میں یہ بات صرف اس لیے کہہ رہا تھا کہ ان سے چھوٹ جاؤں کہ پھر ویسا نہ کریں جیسے کہ پہلے انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ پڑھیئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے انسان کو خلق کیا جمے

ہوئے خون سے! پڑھیے آپ کا پروردگار بڑی شان والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن سے وہ ناواقف تھا)(25)۔

حضرت محمد ﷺ جب نیند سے بیدار ہوئے تو قرآن کی یہ آیات آپ ﷺ کو یاد ہو چکی تھیں۔ آپ ﷺ پر خوف اور دہشت کے جذبات کا غلبہ تھا۔ آپ ﷺ نے گھر جانا مناسب سمجھا۔ چنانچہ آپ ﷺ آہستہ آہستہ پہاڑ سے نیچے اترنے لگے۔ ابھی آدھے راستے ہی میں تھے کہ آسمان سے آواز آئی: ''اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں'' آپ ﷺ نے سر اُٹھا کر دیکھا تو انسانی شکل کا ایک فرشتہ آسمان میں ایستادہ تھا۔ جسکے قدم افق میں جمے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اسے دیکھتے رہے۔ وہ پھر بولا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں'' حضور ﷺ نے نظر پھیری تو ادھر بھی یہی فرشتہ کھڑا تھا۔ آپ ﷺ وہیں کھڑے رہ گئے۔ نہ آگے جا سکے اور نہ پیچھے ہٹ سکے۔ کچھ دیر بعد فرشتہ غائب ہو گیا۔

یہ ایک ایسا عجیب و غریب اور پر ہیبت تجربہ تھا کہ اسکی شدّت سے حضور ﷺ کو سنبھلنا مشکل ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے گھر آئے۔ دیوار کا سہارا لیئے خدیجہؓ کے پاس پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کے رعب و جلال سے آپ ﷺ کی رنگت سفید پڑ گئی تھی اور اعصاب شکستہ ہو رہے تھے۔ جس حقیقت کے کشف کیلئے آپ ﷺ نے کئی کئی مہینے سخت مجاہدوں اور طویل مراقبوں میں بسر کئے تھے، وہ آج آپ ﷺ پر ظاہر ہو چکی تھی۔ لیکن یہ اتنا بھاری کشف تھا کہ آپ نے خدیجہؓ سے فرمایا: مجھے اپنی زندگی خطرے میں لگتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ مجھے کمبل اوڑھا دو!؛ خدیجہؓ نے آپ پر کمبل ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد جب آپ ﷺ کی حالت قدرے سنبھلی تو خدیجہؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے ساری رو داد سنائی۔ خدیجہؓ نے نہ صرف آپ ﷺ کو تسلی دی بلکہ مبارکباد دیتے ہوئے کہا:

'' اَبشِر یَا بْنَ عَمّ وَ اَثْبُتْ فَوَ الَّذِی نَفسُ خَدیجَتہِ بِیَدِہ اَنیَ

Marfat.com

لا رجو ا انّ تکونَ نبیّ ھذہ الامّۃ۔"

یعنی: اے میرے عم زاد! خوش ہو جایئے اور ثابت قدمی اختیار فرمایئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی جان ہے، بے شک میں اس بات کی امید رکھتی ہوں کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہوں گے (26)۔

حضرت خدیجہؓ نے سارے حالات سے ورقہ بن نوفل کو آگاہ کیا۔ ورقہ نے سن کر کہا: "خدیجہؓ اگر یہ سچ ہے تو یہ وہی ناموس اکبر (27) حضرت محمد ﷺ پر آیا ہے جو حضرت موسیٰؑ پر آیا تھا"۔ پھر ورقہ نے حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کی اور تفصیلات معلوم کیں۔ اس کے بعد کہا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ بے شک آپؐ کے پاس وہ ناموس اکبر آ گیا جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ اب آپ (ﷺ) کو جھٹلایا جائے گا اور تکلیف پہنچائی جائے گی آپ (ﷺ) کو خارج البلد کیا جائے گا اور آپ (ﷺ) سے جنگ کی جائیگی۔ اگر مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں ضرور اللہ تعالیٰ کے دینِ حق کی مدد کروں گا"۔ پھر ورقہ بن نوفل نے سر جھکا کر رسول اللہ ﷺ کے سر پر بوسہ دیا (28)۔ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے۔

(۱۶) فترتِ وحی:

فترت کا مطلب ہے کسی شئے کے اثر و جوش کا مدھم ہو جانا یا دھیما پڑ جانا۔ اَفتَر الشّرَاب، کا مطلب ہے شراب کا نشہ ختم ہو گیا یا دھیما پڑ گیا۔ سورہ انبیاء میں ملائکہ کے بارے میں ہے:

"یُسَبِّحُوْن اللّیلَ وَ النّھاَرَ وَ لا یَفْتَرون "(۲۱:۲۲)

یعنی! وہ ہمیشہ فرائض کی ادائیگی میں سرگرم رہتے ہیں اور ان میں سستی نہیں آتی۔ اسی طرح 'فَتّر العَذَاب، کا مطلب ہے عذاب کو کم یا دھیما کیا۔

فترت وحی کا مطلب انقطاعِ وحی یا وحی کی بندش لیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضور ﷺ کی بعثت تک کا زمانہ فترتِ وحی کا زمانہ کہلاتا ہے کیونکہ اس دور میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔

حضور ﷺ پر جب اقراء کی (یعنی سورہ علق کی پہلی پانچ) آیات نازل ہوئیں تو یہ ایک قسم کا افتتاحِ وحی تھا۔ حقیقتِ مطلقہ کے سربستہ اسرار کے کشف کے لیئے لوگ ساری عمر کڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مآلِ کار ناکامی اور نامرادی کا داغ لیئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اگر کچھ صوفیا حاصل کرتے بھی ہیں تو نور کی چند کرنیں جنہیں وہ متاعِ زیست جان کر گلے سے لگائے رکھتے ہیں۔ البتہ انبیاء علیہم السّلام پر حقیقت آشکار ہوتی ہے لیکن ان کا بھی کشفِ حقیقت انکی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ جس نبی کے قلب ونظر کی جتنی استعداد ہوتی ہے اسکا ادراکِ حقیقت بھی اتنا ہی ہوتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کو جب ادراکِ حقیقت ہوا تو گویا آپ ﷺ کو حقیقتِ عظمیٰ کی بارگاہ میں براہ راست رسائی حاصل ہوگئی۔ نوعیت کے لحاظ سے حضور ﷺ کا وصالِ الٰہی کا تجربہ حضرت موسیٰؑ کے تجربہ سے ملتا جلتا تھا۔

" فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیo اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیo وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰیo اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْo اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰیo " (طٰہٰ ۱۱ - ۱۵)

(وہ وہاں پہنچا تو پکارا گیا: اے موسیٰ! میں ہی تیرا ربّ ہوں۔ جوتیاں اتار دے تو وادی مقدس طویٰ میں ہے۔ میں نے تجھے چن لیا ہے۔ سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ

ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کیلئے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اسکا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر متنفّس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پالے۔)

وصالِ الٰہی کا تجربہ لمحاتی اور عارضی ہوتا ہے۔ خواہ صوفی ہو یا پیغمبر، حضورِ حق میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ پروانہ شعلہ کے بہت قریب چلا جاتا ہے۔ گویا کہ اسے چھو ہی لیتا ہے، لیکن فوراً واپس پلٹ آتا ہے۔ کیونکہ اگر زیادہ دیر شعلہ کے قریب ٹھہرے تو اسکے پر جل جائیں اور وہ بھسم ہو جائے۔ اسی طرح پیغمبر بھی وصالِ الٰہی کے انتہائی شدید تجربہ کے بعد اپنی معمول کی ذہنی کیفیت میں واپس آجاتا ہے۔

علامہ اقبال نے پیغمبر اور صوفی کی واردات قلبی کی صفات گنواتے ہوئے ایک ایسی صفت کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کی بنا پر صوفی یا پیغمبر کو اپنی ذات کے باہر ایک دوسرے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ یہ دوسرا وجود اس پر ایسے حاوی ہو جاتا ہے کہ اسکی اپنی ہستی بالکل دب کر رہ جاتی ہے۔ تاہم جب لقائے الٰہی کی کیفیت ختم ہوتی ہے تو استناد و تیقن کا ایک گہرا تاثر صوفی یا پیغمبر کی شخصیت پر باقی رہ جاتا ہے۔

اسی لئے حضور ﷺ پر جب پہلی بار وحی کا نزول ہوا تو صرف حق تعالیٰ کی طرف سے مخاطبہ ہوا ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے قلب و نظر کا رابطہ ملاءِ اعلیٰ سے قائم ہو جائے۔ اسلام کا یہ خصوصی امتیاز ہے جو ہمیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتا کہ اس میں آغازِ کار سے ہی علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ نبیٔ امّی ﷺ کو حق تعالیٰ کے ہرکارے (جبرائیل) نے خود تعلیم دی۔ جبرائیل کا حضور ﷺ کو بار بار بھینچنے کا جو عمل تھا وہ دراصل روحانی تعلیم کے ابلاغ اور حضور ﷺ کے ملاءِ اعلیٰ سے ربط قائم کرنے میں جو رکاوٹیں حائل تھیں، انہیں رفع کرنے کا عمل تھا۔ چونکہ حضور ﷺ کا حق تعالیٰ کے ساتھ وصال و کلام کا یہ پہلا تجربہ تھا اس لیئے

Marfat.com

رعبِ الٰہی سے گھبراہٹ اور خوف کا دامن گیر ہو جانا فطری بات تھی۔ یہ اضطراب اور خوف نہایت مقدس اور بابرکت تھا کیونکہ اس کا تعلق خدائے بزرگ و برتر کی ذات اقدس سے تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے خدیجہؓ سے کہا تھا: زملونی! زملونی! یعنی مجھے کمبل اوڑھا دو۔ جیسے کہ اوپر کہا گیا ہے کہ پیغمبر کی واردات قلبی میں اسکی ذات پر انوارِ الٰہیہ کا ایسا غلبہ و استیلا ہوتا ہے کہ اسکی اپنی شخصیت بالکل دب کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ کمبل میں لپٹنے کی خواہش ایسی ہی قلبی کیفیت کا اظہار ہے جس میں رسول اللہ کی شخصیت ذات الٰہیہ کے غلبہ میں دب کر رہ گئی تھی۔ اور چونکہ یہ بالکل ابتدا تھی اس لیے خوفزدہ ہو جانا یا بہت زیادہ بوجھ محسوس کرنا اور اپنی ذات کے خول میں سمٹ آنا فطری امر تھا۔ اسی لیے اسکے بعد وحی کی بندش کر دی گئی تا کہ حضور ﷺ خود کو سنبھال کر بتدریج ایسی وارداتوں کا متحمّل بنا سکیں۔ بندش کے اس وقفہ کو فترتِ وحی کہتے ہیں۔

کمبل میں لپٹ کر آرام کرنے کے بعد آپ ﷺ کو بہت افاقہ ہوا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے غارِ حرا کا اعتکاف پھر شروع کر دیا۔ لیکن اب وحی کا نزول بند ہو گیا تھا۔ اگرچہ پہلی وحی کا گہرا تاثر آپ ﷺ کے قلب و روح پر قائم تھا اور ورقہ بن نوفل نے تو آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ آپ ﷺ پر آنے والی وحی موسیٰ پر آنے والی وحی کی طرح ہے۔ لیکن پھر بھی آپ ﷺ کے دل میں خیال آتا تھا کہ کہیں یہ کسی جنّ یا شیطان کی کارروائی نہ ہو۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجہ خدیجہؓ سے فرمایا ''جونہی میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سنا کرتا ہوں جو مجھے اے محمد کہہ کے پکارتی ہے۔ مجھے نیند میں نہیں، بیداری میں ایک نور سا محسوس ہوتا ہے۔ خدا کی قسم مجھے ان بتوں اور کاہنوں کی غیب گوئیوں سے بڑھ کر کسی چیز سے نفرت نہیں۔ کیا میں بھی کوئی کاہن بن گیا ہوں؟ کیا مجھے آواز دینا والا کوئی جن اور شیطان تو نہیں؟'' حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے روحانی تجربہ کی صداقت کو آزمایا۔ بی بی نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ'' جب فرشتہ نظر آنے لگے تو مجھ سے کہیں!''

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے کچھ عرصہ بعد کہا ''لو وہ مجھے اب نظر آ رہا ہے؟'' بی بی نے کہا! ''آیئے میرے دائیں پہلو میں بیٹھیے'' اور کہا ''کیا اب نظر آ رہا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا 'ہاں'۔ تو بی بی نے کہا، ''اٹھیے اب میرے بائیں پہلو میں بیٹھیے!'' پھر پوچھا، ''اب بھی نظر آ رہا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔ پھر آپ ﷺ کو سامنے بٹھا کر یہ سوال کیا۔ آخر میں آپ ﷺ کو اپنی اوڑھنی کے اندر کھینچ کر بے تکلفی اختیار کی اور پوچھا کہ ''کیا اب بھی نظر آ رہا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''! اب نظر نہیں آ رہا۔ اس پر بی بی نے کہا کہ ''اگر وہ شیطان ہوتا تو ہماری اس شرم کے وقت ہرگز نہ ٹلتا، وہ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے!'' (30)۔

اس بیان سے پتہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بتوں، کاہنوں اور ساحروں سے شدید نفرت تھی اور وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انہیں کاہن یا ساحر سمجھا جائے۔ حضور ﷺ کی چچی اور ابولہب کی بیوی بھی جبرائیل کی آمد سے باخبر ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب فترتِ وحی کو کچھ عرصہ گزر گیا تو اس نے طعنہ دیا کہ محمد (ﷺ) پر آنے والا شیطان بھی اسے چھوڑ گیا ہے۔ آپ ﷺ کو فترتِ وحی میں اس طرح کے طعنے بھی سننے پڑتے۔ ادھر شدید آرزو کے باوجود وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہ ہوا۔ ان حالات میں جب آپ ﷺ کا حزن و ملال زیادہ بڑھ جاتا تو آپ ﷺ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر خود کو گرا دینے کا سوچتے۔ لیکن جب بھی آپ ﷺ ایسا قصد کرتے تو جبرائیل افق پر نمودار ہو کر آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتے۔ اسطرح آپ ﷺ کی ڈھارس بندھ جاتی۔

بعض کہتے ہیں کہ فترتِ وحی کا زمانہ تین برس تک جاری رہا۔ لیکن کچھ سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ وقفہ صرف چھ مہینوں کیلئے تھا اور یہی قرینِ قیاس ہے۔

(۱۷) وحی کی باز آمد:

وحی کی بندش کے بعد آپ ﷺ نے غارِ حرا جانا چھوڑا نہیں بلکہ وہاں حسب سابق جا

Marfat.com

کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ گھر سے آپﷺ کا تعلق برائے نام رہ گیا تھا۔ عبادت کے طویل وقفوں کے بعد آپﷺ حرم میں آ کر طواف کرتے اور کعبہ کے احاطہ میں ہی سو رہتے۔ وہ ملاءِ اعلیٰ سے نوید جانفزا کے منتظر تھے۔ ایکدن آپﷺ غارِ حرا سے اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں آپﷺ نے وہی لا ہوتی آواز سنی جسکے لیے آپﷺ ہمہ تن گوش تھے: ''اے محمدؐ! میں جبرائیل ہوں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' آپﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرائیل کو آسمان میں معلق ایک کرسی پر براجمان پایا۔ وہ آپﷺ کو نبوت و رسالت کی یقین دہانی کرا رہے تھے۔ آپﷺ پر پہلے ہی کی طرح ہیبت طاری ہوگئی۔ آپﷺ لرزاں و ترساں گھر تشریف لائے اور کہنے لگے۔ دَثِّرُونِی! (مجھے اڑھا دو! مجھے اڑھا دہ!) خدیجہؓ نے آپﷺ پر کپڑا ڈال دیا۔ آپﷺ کپڑا اوڑھے لیٹے رہے۔ ہیبت الٰہی کی شدت میں کچھ افاقہ ہوا تو دفعتہً وحی نازل ہوئی: " یا ایّھا المدثر قم فانذر" اس مرتبہ سورہ مدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں (سورۂ مذکور کی بقیہ ۸ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کی دعوت عام کے بعد پہلے حج کا موقع آیا تھا۔)

پہلی وحی کے بعد آپﷺ کے دل میں جہاں خوف و اضطراب کے جذبات انگیخت ہوئے تھے۔ وہیں آتش شوق بھی فروزاں ہوئی تھی۔ اور اسکے ساتھ ساتھ کچھ اندیشے وسوسے اور خطرے بھی سر اٹھانے لگے تھے۔ لیکن فترت وحی کا وقفہ ختم ہونے تک آپﷺ کے تمام خطرے اور وسوسے مٹ چکے تھے۔ صرف شوقِ انتظار کی شدت رہ گئی تھی۔ تعلیمِ الٰہی کا مقدّس بیج آپﷺ کی روح کی زرخیز زمین میں جڑیں پکڑ چکا تھا۔ آپ کے قلب اطہر سے تقاضہ ہائے بشریت کا آخری زنگار بھی صاف ہو چکا تھا عالمِ قدس سے علم و حکمت کا فیضانِ نور شروع ہو گیا اور آپﷺ کے قلب و نظر کو بلا روک ٹوک سیراب کرنے لگا۔ اب آپﷺ کی مبارک زبان سے خطابِ الٰہی کا جو سلسلہ شروع ہوا تو اسکا آہنگ بتدریج بلند ہوتا گیا حتیٰ کہ اللہ کا پیغام چہار

Marfat.com

دانگ عالم میں پھیل گیا اور رہتی دنیا تک کے لیئے محفوظ ہو گیا۔

اگر غور کیا جائے تو پہلی وحی میں علم کی فضیلت پر زور دیا گیا ہے اور دوسری میں طہارت اور یادِ الٰہی پر۔ علم (دینی و دنیاوی)، طہارت (جسمانی و روحانی)، اور تعلق باللہ (جس میں اللہ کی بڑائی بیان کرنا، اللہ کی خاطر ہی احسان کرنا اور اللہ کی خاطر صبر کرنا شامل ہیں) ایسی تعلیمات ہیں جو دینِ اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں (31)۔

مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں کہ محمد ﷺ اقراء کی وحی سے مقام نبوت پر سرفراز ہو ئے تھے۔ لیکن "قم فانذر" کی وحی سے آپ ﷺ کو مقام رسالت ملا۔ اقراء صرف واردۂ نبوت ہے۔ لیکن "قم فانذر" سے باقاعدہ احکام و اوامر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور نزول وحی میں تواتر اور تسلسل آ جاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"جب کبھی انبیاء علیہم السلام پر تنزیل وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو ابتدا میں سلسلہ وحی کھلنے اور مخاطبہ الٰہی کے شروع ہونے کی اولین منزل رونما ہوتی ہے۔ یہ گویا خود وجود نبوت کی تعلیم کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب پردے اٹھ جاتے ہیں اور شخص نبوت کا ربط و علاقہ عالم وحی سے قائم ہو جاتا ہے تو سلسلہ آگے بڑھتا ہے اور حکم انذار و تعلیم قوم و امت کو پہنچتا ہے۔ اس کے بعد جب تک اللہ کی حکمت چاہتی ہے۔ اس سلسلے کو جاری رکھتی ہے" (32)۔

مولانا مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک چیز ہے قرآن حکیم کی پہلی سورت جو صاحب قرآن پر نازل ہوئی۔ ایک چیز ہے سب سے پہلی وحی جس سے سلسلۂ تنزیل و وحی شروع ہوا۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں لیکن بہت سے لوگ اس میں فرق نہیں کرتے۔ اس لیئے جب کبھی ان دونوں حالتوں کے متعلق مختلف بیانات نظر آتے ہیں تو اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ

Marfat.com

ایک ہی حقیقت کے دو مختلف بیان ہیں" (33)

اقراء سے لے کر "مالم یعلم" تک کی پانچ آیات سلسلہ وحی و نبوت کے افتتاحیہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں صرف علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور نبی ﷺ کو نبوت کے منصب عظیم کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ پانچ آیات بعد میں ایک سورہ کا حصہ بنیں۔ اسطرح ان آیات کی اولیت اپنی جگہ اور سورہ فاتحہ کی اولیت اپنی جگہ مسلّم ہے جو کہ سورتوں کی ترتیب میں سے پہلے نازل ہوئی اور اس میں بھی حقیقی اولیت بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم کو حاصل ہے۔

(۱۸) ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نبی ہی کیا جو نزول وحی سے خطرۂ جاں محسوس کرنے لگے اور وحی کی بندش کے بعد شک و شبہ میں پڑ جائے اور خود کو ہلاک کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ حضور ﷺ نے پہلی وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا تھا: قدخشیت علیٰ نفسی؛ یعنی مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ اور جب وحی کی بندش ہوگئی تو آپ ﷺ کا اضطراب و انتظار اس حد تک بڑھ گیا کہ آپ ﷺ نے چاہا کہ پہاڑ کی چوٹی سے خود کو گرا دیں۔

"یتر دیٰ من رؤس شوا هقِ الجبالَ" (صحیح بخاری کتاب التعبیر)۔

حافظ عسقلانی نے اس روایت کے بارے میں محدث اسماعیل کا قول نقل کیا ہے جس کی رو سے معترضین یوں اعتراض کرتے ہیں۔

"کیف یجو ذ لنبیٍ ان یر تا ب لنبو ته حتیٰ یر جع الیٰ ورقه"..... وحتی یر نی بذرته جبل لیطلقی منها نفسه" (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۰۷)

Marfat.com

یعنی ''نبی کے لیے یہ کیونکر جائز ہے کہ اپنی نبوت کے بارے میں شک کرے یہاں تک کہ ورقہ بن نوفل کی طرف رجوع کرنے کی نوبت آ جائے یا پہاڑ پر چڑھ جانے کو تیار ہوتا کہ اپنے آپ کو نیچے گرا دے؟'' یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ ابتدائے وحی کی ان روایات کو جو حضرت عائشہ سے منسوب ہیں اور جنہیں بخاری نے بیان کیا ہے مشکوک سمجھ لیتے ہیں۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے وجود کے بارے میں شبہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان روایات کے بارے میں ہرگز شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شروعات وحی ایک انتہائی اہم نوعیت کا واقعہ تھا اور اگر حضرت عائشہؓ جیسی ہستی اسے صحیح طرح سے بیان نہیں کر سکی، تو پورا فن روایات ہی بے معنی بن جاتا ہے اور فن شہادت کا دنیا میں خاتمہ ہو جاتا ہے (34)۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محولہ بالا نفسی کیفیات بجائے کمزوری اور سقم کے آپ ﷺ کی عظمت و صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی مشیت کو مرحلہ وار اور بتدریج مراحل تکمیل سے گزارتے ہیں۔ ایک تناور درخت گھنی چھاؤں دینے اور بار آور ہونے سے بہت پہلے بیج کی صورت میں زمین کے اندر نمو پاتا ہے۔ پھر کونپل کی صورت میں پھوٹتا ہے۔ پھر ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا شجر سایہ دار بن جاتا ہے۔ اسی طرح نبی بھی اگرچہ روز اول سے نبی ہی ہوتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ بتدریج اسے مراحل نبوت سے گزارتے ہیں۔ مشیت الٰہی شروع سے ہی نبی ﷺ کی خاص محافظ رہی تھی۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے تمام واقعات آپ ﷺ کی شخصیت کو ایک مخصوص انداز میں ڈھالتے رہے تھے۔ اولین وحی کا زبردست جھٹکا بھی آپ ﷺ کو ایک دم نہیں لگا بلکہ اس سے پہلے رویائے صادقہ اور بشارات کا پراسرار سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ خطاب الٰہی کو سن لینا معمولی بات ہے۔ وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں۔ انسانی سماعت و بصارت تو بجلی کی چمک اور کڑک کو برداشت نہیں کر سکتی جو کہ اس دنیائے آب و خاک کا حصہ ہیں۔ وہ آواز جو خالقِ کائنات کی طرف سے آتی ہے۔ ساری آوازوں کو اپنے اندر

Marfat.com

جذب کر لیتی ہے۔ اسکی نہ کوئی سمت ہے نہ جہت اور اسکو پہلے سنا بھی نہیں ہوتا۔ ایسی آواز انسانی اعصاب کی حدِ برداشت سے باہر ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے خوفزدہ ہو جانا فطری بات ہے۔ مزید برآں ہیبتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں رہنا تو انبیاء علیھم السلام کا مستقل شعار ہوتا ہے اور ہر شخص کو ہر دم خدا سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ جو تمام مخلوقات کو عدم محض سے وجود میں لایا ہے ، وہ بغیر کسی وجہ کے انہیں پھر وجود سے عدم میں لے جانے پر قادر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سے خوفزدہ رہنا اور اپنی سلامتی کیلئے دعا گو رہنا عین اقتضائے عقل ہے۔ اس لیئے فرمایا: راس الحکمة مخافة الله.

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کیوں سوچا کہ پہاڑ سے خود کو گرا دیں اس ضمن میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فترت وحی کے زمانے میں حضور ﷺ کا اضطراب و اشتیاق اور حزن و ملال اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے تھے جس میں مطلوب حقیقی سے وصال کا امکان نظر نہ آتا ہو۔ یہ فنا فی اللہ کا مقام تھا۔ جب بھی آپ ﷺ کا اشتیاق و اضطراب حد سے سوا ہونے لگتا، فرشتہ ظاہر ہو کر تسکین و تشفی کے کلمات ادا کرتا۔ فترت وحی کے زمانے میں اگر آپ ﷺ کی نفسی کیفیت اس طرح کی ہوئی تو یہ آپ ﷺ کے شرف و عظمت کی دلیل ہے نہ کہ کسی قسم کی عیب اور سقم کی!

Marfat.com

گیارہواں باب

وحی اور صاحبِ وحی

یہ کائنات جو ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، لاتعداد مظاہر پر مشتمل ہے۔اشیاء و افراد کے تنوع اور کثرت کے باوجود ہم تمام محسوس کائنات کو تین بڑے زمروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ بے جان مادہ، حیات اور شعور۔ کائنات کا اکثر و بیشتر حصہ بے جان مادے (Inert Matter) پر مشتمل ہے۔لیکن بڑے بڑے اجرام سماوی سے لے کر ذراتِ خاک تک تمام جمادات زندگی اور عقل و شعور سے عاری ہونے کے باوجود مخصوص ضابطوں کی پابندی کرتے ہیں۔ سیّارے اپنے اپنے مداروں پر ایک مخصوص زمانی ترتیب کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ اسی طرح جتنے بھی کائناتی مظاہر و عناصر ہیں، سب کے سب اٹل اصولوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ پتھر اچھالا جائے تو زمین کی طرف آتا ہے دھواں فضا میں بلند ہوتا ہے۔ آگ سے حرارت اور روشنی پیدا ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ان کو ہم قوانین فطرت کہتے ہیں اور انہی کا مطالعہ سائنس کہلاتا ہے۔

(ا) جمادات کا منبع ہدایت:

سائنسی اکتشافات اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئے اپنے لیے ایک مخصوص لائحہ عمل رکھتی ہے جس پر وہ سختی سے کاربند ہے۔اسے ان اشیاء کا حکمِ نوعی بھی کہا جا سکتا ہے جس سے وہ سرِ مو انحراف نہیں کر سکتیں۔ یعنی جن جن اشیاء کو جو جو خواص اور جو جو وظائف عطا ہوئے ہیں وہ انکے اظہار اور تکمیل میں ہمہ دم مصروف ہیں۔ آگ حرارت پیدا

Marfat.com

کرتی ہے۔ برف ٹھنڈک خارج کرتی ہے۔ ہوائیں بادلوں کو اپنے دوش پر اڑائے پھرتی ہیں، سورج کی کرنیں حرارت اور روشنی پھیلانے میں مصروف ہیں وغیرہ۔ مولانا رومؒ نے اس حقیقت کو شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

با من و تو مردہ و با حق زندہ اند

یعنی! مٹی، ہوا، پانی اور آگ میرے تیرے لیے تو مردہ ہیں اور عالم جمادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کے احکام کی تعمیل وہ زندہ اور ہمیشہ مستعد رہنے والے غلاموں کی طرح کرتے ہیں۔ تمام مظاہر فطرت کو انکے مخصوص وظائف تفویض کیئے گئے ہیں جنکی ادائیگی میں وہ ہمہ دم مستعد و فعال رہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے۔

" رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَه ثُمَّ هَدٰی "(طٰہٰ:۵۰)

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی بناوٹ دی اور پھر اس پر راہ عمل کھول دی (یا راستہ بتایا)" پھر کہا گیا: ''وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا''(حٰمٓ سجدہ ۱۲)''آسمانوں پر بھی وحی ہوتی ہے جسکے مطابق ان کا سارا نظم چلتا ہے۔ "زمین کے بارے میں فرمایا!

''یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا''۔(الزلزال:۴،۵)

اس روز وہ اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی کیوں کہ تیرے رب نے اسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہوگا۔ مزید برآں یہ بھی کہا گیا۔

کل" قد عَلِمَ صَلَاتَه و تَسْبِیْحَه (نور:۴۱)

''ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے۔''

تمام جمادات لاکھوں کروڑوں سالوں سے انہی قوانین و نوامیس کی پابندی کرتے آرہے ہیں جو کہ خالق کائنات نے ہنگامِ آفرینش انکے لیے مقرر کیے تھے۔ عالم جمادات

بتدریج انحطاط پذیر ہے، یعنی اسکی توانائی آہستہ آہستہ زائل ہوتی چلی جارہی ہے۔ بھاری ایٹم ٹوٹ کر چھوٹے اور ہلکے ایٹموں میں بدل رہے ہیں اور انکا اشعاع (Radiation) بھی کم ہوتا جارہا ہے۔ کرۂ ارض پر حیات بخش تغیرات بھی اسی وجہ سے پیدا ہوئے۔ شروع شروع میں یہ سیارہ ایک دہکتا ہوا کرہ تھا۔ پھر یہ بتدریج ٹھنڈا ہوتا گیا اور اسکی بیرونی خاکستر پر زندگی نے ظہور کیا۔ سورج کی توانائی بھی آہستہ آہستہ زائل ہوتی جارہی ہے اور ایک دن یہ بے نور ہو جائے گا۔ سورج ہی نہیں کائنات میں کئی ستارے منہدم (Collapse) ہوکر بلیک ہول میں تبدیل ہوتے جارہے ہیں۔ یہ سب کچھ قانونِ انتشار (Law of Entrop) کے تحت ہو رہا ہے۔

(۲) نباتات وحیوانات کا ذریعۂ ہدایت:

جمادات کی منتشر یا ضائع ہوتی ہوئی اس توانائی کے علی الرّغم حیات نے توانائی کو ضائع کرنے کی بجائے محفوظ کرنا شروع کر دیا اور اسطرح زوال وانحطاط کے بالمقابل نمو اور ارتقاء کا ایک دوسرا عمل شروع ہوگیا۔ یہ عمل پوری کائنات میں صرف کرۂ ارض پر ہی ظہور پذیر ہوا ہے۔ (کائنات کے کسی دور دراز گوشے میں اگر زندگی موجود ہے تو ابھی تک اس کا سراغ نہیں لگایا جاسکا۔) حیات نے کائنات کی آہنی جبریت میں ابتداء سے ہی آزادی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ بنالیا۔ بیج زمین کا سینہ پھاڑ کر ابھرتا ہے اور ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا تن آور درخت بن جاتا ہے۔ یہ جڑوں سے کاربن، پانی، فاسفورس اور دیگر مادے کھینچتا ہے، پتوں سے ضیائی تالیف (Photosynthesis) کرتا ہے اور جمادات کی زوال پذیر توانائی کو اپنے تنے میں ذخیرہ کرتا ہے۔ یہ کام ایک پتھر نہیں کرسکتا۔ نباتی سطح پر حیات اگرچہ شعور سے عاری ہوتی ہے اور بڑی حد تک جبریت کا شکار رہوتی ہے تاہم یہ حرکت ونمو کا ننھا سا دائرہ تخلیق کر لیتی ہے جس میں خود حفاظتی (Self Defence) اور تناسل (Reproduction) کا مخصوص

Marfat.com

نظام وضع ہو جاتا ہے۔ پھر حیات زمین کے ساتھ اپنی پیوستگی ختم کر کے عضویہ کی صورت میں ایک حد تک خود مختار اور فعّال ہو جاتی ہے۔ حرکت و نمو کے ننھے سے دائرے کے باہر ایک اور دائرہ شعور و آزادی کا وجود میں آ جاتا ہے۔ ماحول سے آگہی کیلئے حواس کام کرنے لگتے ہیں۔ عضویہ کو آگہی حاصل ہو جاتی ہے کہ کہاں کہاں خطرات ہیں اور کہاں کہاں خوراک کے ذخیرے ہیں۔ پھر عضویہ کو متحرک کرنے، خطرات سے بچنے اور خوراک کے حصول کیلئے ۔۔۔۔۔۔۔ جبلّات کا ایک نظام متشکّل ہو جاتا ہے۔ اس طرح عضویہ اپنے ماحول میں سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے۔ خطروں سے اپنا دفاع کرتا ہے۔ مختلف ذرائع سے توانائی حاصل کر کے اپنا وجود برقرار رکھتا ہے اور جنسی تخلیق کے ذریعہ سے اپنی نسل کے متعدّد افراد کو منصۂ شہود پر لاتا ہے۔

جس طرح عالمِ جمادات میں قوانینِ فطرت جاری و ساری ہیں اسی طرح نباتی اور حیوانی سطحوں پر بھی راہنمائی اور ہدایت کے اصول کارفرما ہیں۔ جمادات مجبورِ محض ہیں تو نباتات میں کسی حد تک آزادی پائی جاتی ہے۔ حیوانات نباتات کے مقابلے میں زیادہ فعّال اور آزاد ہیں۔ لیکن یہ آزادی اور فعالیت انہیں مکلّف نہیں کرتی۔ وہ غیر شعوری تحریکات کے تحت شاہراہِ ارتقاء پر سرگرم سفر رہتے ہیں۔

ان کی راہِ عمل کا تعین بھی خالق کائنات نے خود کیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

" وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ " (۱۶:۶۸)؛

''اور دیکھو! تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹیٹوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں پر اپنے چھتّے بنائے؛'' قرآن حکیم میں موجوداتِ کائنات کے راہِ عمل کے تعیّن کے لیئے وحی اور ہدایت کے علاوہ صلاۃ اور تسبیح کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ سورہ نور میں نہایت جامع انداز میں یہ کہہ دیا گیا:

Marfat.com

"اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝" (۲۴:۴۱)

'کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔'

(۳) انسانوں کا سرچشمۂ ہدایت:

انسانوں کی سطح پر حیات آزادی اور آگہی کے علاوہ ایک وسیع تر دائرہ عقل و دانش و اختیار و انتخاب کا بھی ہے۔ نباتات و حیوانات کو محدود شعور و آگہی کے ساتھ ساتھ محدود آزادی ملی ہے۔ تاہم انکے لیے خیر و شر اچھے برے یا صواب و ناصواب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوالات انسانی سطح پر عقل و اختیار کے ساتھ وجود میں آتے ہیں اور اسکے ساتھ ہی اخلاقیات اور مذہب کی ضرورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان اس ہدایت و راہنمائی سے جو کائنات کی رگ رگ میں جاری و ساری ہے اور جس کی اطاعت ہر شئے طوعاً و کرہاً کر رہی ہے، یک لخت محروم ہو جاتا ہے۔ اب اسکے لیے ہدایت و راہنمائی انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں جو براہ راست اللہ تعالیٰ سے علم و حکمت حاصل کرتے ہیں۔ وحی کی یہ صورت جمادات، نباتات اور حیوانات کی سطحوں پر آنے والی وحی سے بہت مختلف ہے کیونکہ یہ جبری ہدایت و رشد نہیں، بلکہ یہ انسان کا اختیاری معاملہ بن جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل آگے 'وحی کے جواز' کے تحت آئے گی۔ یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کر دی جائے۔

Marfat.com

(۴) وحی کا لغوی مفہوم:

'الوحی' وہ اشارہ ہے جس میں تیزی اور سرعت ہو۔ وَحَیْتُ لَکَ بَخَبَرِ کذا ۔ میں نے تمہیں فلاں بات کا اشارہ کر دیا، یا چپکے سے مطلع کر دیا۔ لغت کی رو سے "اَلوَحیُ اَلاِشَارَۃُ والکنایَۃ والرّسالتہ والکلام الخفی وکل القیہ الیٰ غیرک"۔ یعنی وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم کسی کے خیال میں ڈالو۔

اشارہ کرنے کے مفہوم میں قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت پیش کی جا سکتی ہے:۔

"فخرَ جَ علی قوَمہٖ مِنَ المِحرابِ فَاوحیٰ اِلَیھِم اَنْ سَبِّحوُا بُکرَۃً وَّ عَشیاً" (۱۱:۱۹)

"چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کی طرف آیا اور اس نے اشارے سے انہیں ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو"

لفظ "وحی" لکھنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وَحَیتُ الکِتَابَ (میں نے کتاب کو لکھا)۔ مزید برآں لکھنے والے (کاتب) کو واج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جوہری کہتا ہے کہ الوحی کے معنی الکتاب بھی ہیں۔ خط اور کتاب کے مفہوم مین سبع معلقات سے لبید کا دوسرا شعر پیش کیا جا سکتا ہے ؎

فَمَدَافِحُ الرَّیان عُرِّ ی رَسمُھا
خَلقاً کَما ضمنَ الوُحی سِلاَمُھا

{پھر ریان (پہاڑ) کے پانی بہنے کی جگیں (یا نالیاں احباب کے چلے جانے کی وجہ سے ایسی وحشتناک ہو گئیں) جن کے نشانات درانحالیکہ وہ پرانے پڑ گئے تھے، اس طرح واضح کر دیئے گئے جس طرح کہ کندہ پتھر نقوش کتابت کا ضامن ہوتا ہے۔ یعنی نالے اَٹ جانے کے بعد بارش اور سیل سے پھر نمودار ہو گئے جس طرح کہ پتھر پر کندہ کتابت عرصے کے بعد کچھ

Marfat.com

نمایاں رہ جاتی ہے}

ابوذویب 'وحی' کو چھپا کر لکھنے کے مفہوم میں استعمال کرتا ہے:

فقالَ لها وقد اَوحت اِليهِ

الا لِلّٰهِ اُمُّكَ ما تَعِيفَ

''اَوحیٰ'' کے معانی حکم کرنیکے بھی ہیں۔مثلاً و اَوحیٰ فیْ السَّماءِ اَمْرَهَا (۴۱: ۶۱) نیز "وَ اذِ اَوحَیتُ الحَوَا رِینَ " (۵:۱۱۱) میں بھی وحی کو حکم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اہل لغت کے نزدیک وحی کا اصل معنی دوسروں سے چھپا کر چپکے چپکے بات کرنے کا ہے۔'' وَحیتُ الیه بالکلام و اَو حیه الیه هو ان تکلمَ بکلام تخفیه من غَیرهِ'' یعنی'' کسی سے ایسے چپکے چپکے باتیں کرو کہ دوسروں سے چھپاؤ''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ لغت کے اعتبار سے وحی کے کئی معانی ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم میں بھی لغوی اعتبار سے کئی مفاہیم میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً: شیطان کا وسوسہ پیدا کرنا:۔

"یوحی بعضهم الیٰ بعضٍ وَ انّ الشیاطین لیوُحوُن الیٰ اولیاءِ هم" (انکے بعض بعض کو وحی کرتے ہیں اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتے ہیں)

دل میں کسی بات کا ڈالنا:

"وَاَوحَیْنَا اِلیٰ اُمِّ مُوْسیٰ اَنْ اَرْضعِیهِ" (۲۰:۸۳)

ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔

نیز یہ آیت:

"وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلیٰ الْحَوَارِیِینَ اَنْ آمِنُوا بِیْ وَ بِرَسُوْلِي" (۵:۱۱۱)

Marfat.com

''اور جبکہ میں نے (حضرت عیسیٰ) کے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ''۔ حکم کے معنوں میں:

وَاَوحیٰ رَبّك الی النّحل .....یعر شو ن"۔(۶۸:۱۶)

اور "وَاَوحیٰ فیِ کُلّ سماءٍ امر ھاَ" (۱۲:۴۱) اور

''یو مَئذٍ تُحدثُ اخبار ھاَ بانّ ربّك اوحیٰ لھا"

ان آیات میں وحی کو حکم کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

چپکے چپکے بات کرنے یا خفیہ سازش کرنے کے مفہوم میں:

"یوُحی بعضُھم الیٰ بعضٍ نخرُ فَ القوَلِ غُرو راً" (۱۱۲:۶)

''جو ایک دوسرے پر خوش آیند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے ہیں''۔(۱)

(۵) وحی کا اصطلاحی مفہوم:

قرآن حکیم میں بہت سے ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اس دور کی لغت اور عام بول چال کے حوالے سے متعدّد مفاہیم رکھتے تھے اور مختلف مواقع پر استعمال کیئے جا سکتے تھے۔ ایسے الفاظ کو کئی جگہوں پر ویسے ہی استعمال کیا گیا ہے جیسے کہ عام بول چال یا جاہلی ادب میں انہیں استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن قرآن حکیم نے ان الفاظ کو اپنی تعلیمی ضروریات کے حوالے سے مخصوص اصطلاحات کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ اسلامی حکومت کے قیام اور اسلامی شریعت کی ترویج کے بعد ان الفاظ کے اصطلاحی مفاہیم کو تخصّص حاصل ہو گیا۔ مثلاً حج، صوم، صلاۃ، دین وغیرہ۔ انکے اصطلاحی معانی، لغوی معنوں کے تنوّع اور تعداد سے ہٹ کر بعض اعمال و افعال تک ہی محدود ہو کر رہ گئے۔ پھر ان اصطلاحی معنوں میں ان کا استعمال اس کثرت سے ہوا کہ ان کے علاوہ اب کسی اور معانی میں حتیٰ کہ لغوی معانی میں بھی ان کا استعمال جائز نہیں رہا۔ البتہ اگر سیاق و سباق میں کوئی قرینہ موجود ہو تو لغوی معانی مراد لیے جا سکتے

Marfat.com

ہیں (2)۔

صوم وصلوۃ کی طرح وحی بھی ایک ایسا لفظ ہے جس نے اسلامی شریعت میں ایک مخصوص اصطلاحی مفہوم حاصل کرلیا ہے اور کثرت استعمال کی وجہ منقول شرعی بن گیا ہے۔ بطور اصطلاح وحی کا معنی ہے ''وہ ذریعہ غیبی جس سے غور وفکر، کسب ونظر اور تجربہ واستدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کے فضل ولطف خاص سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔'' (3) یعنی اللہ تعالیٰ کسی بندے کو چن لیتا ہے اور کسی قوم کی ہدایت کیلئے اسے اپنا فرستادہ بناتا ہے۔ اس ضمن میں اس بندے کی محنت، ریاضت، کسب یا ذاتی کدوکاوش کام نہیں آتی۔ یہ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے جسکے تحت کسی کو مقام نبوت ورسالت ملتا ہے۔ نبوت ورسالت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس پیغمبر کو اپنے کلام اور علم سے بہرہ مند کرتے ہیں۔ اسطرح وحی انبیاء اور رسل کے علم و ہدایت کا وہ ذریعہ ہے جس سے عام لوگ محروم ہیں اور نہ ہی کوئی اپنی ذاتی مساعی سے اسے حاصل کرسکتا ہے۔

(٦) وحی کا جواز:

اوپر ہم دیکھ آئے ہیں کہ وحی اپنے غیر اصطلاحی مفہوم میں پوری کائنات کے اندر جاری وساری ہے۔ حاملان عرش بریں سے لے کر ذرّاتِ خاک تک وحیٔ الٰہی اور ہدائتِ خدا وندی کے ہمہ گیر و ہمہ وقت سیلان سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ جمادات کے مقابلے میں نباتات وحیوانات کے اندر ہمیں کسی حد تک آزادانہ حرکت نظر آتی ہے۔ لیکن یہ آزادی تمام تر جبلّی تحریکات کے ماتحت ہے۔ کوئی پودا یا کوئی جانور اپنی فطرت اور جبلت کے خلاف عمل نہیں کرسکتا۔ اس لیے ان کی آزادی بھی درحقیقت جبر ہی کی ایک شکل ہے۔ دیکھا جائے تو پوری کائنات میں اگر درحقیقت کسی کو آزادی حاصل ہے تو صرف انسان کو ہے۔ انسان کو اچھے برے کے شعور کے ساتھ ساتھ ایک راہ کو اپنانے اور دوسری کو ترک کردینے کا اختیار بھی ملا ہے۔ یہی

Marfat.com

وہ بوجھ ہے جسے قرآن کے الفاظ میں زمین و آسمان اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن انسان نے اٹھالیا تھا۔

" اِنَّا عَرَضنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الجَبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ہ" (۷۲:۳۳)

"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔"

اکثر علماء نے جن میں غزالی، بیضاوی، شاہ ولی اللہ وغیرہ شامل ہیں، بارِ امانت سے مراد انسان کا مکلف ہونا لیا ہے۔ (4)۔ اختیار و انتخاب کا وہ دائرہ جو حیات نے انسانوں کی سطح پر پیدا کیا وہ صرف انسانوں سے مخصوص ہے، یعنی پوری کائنات کی جبریت میں صرف انسان ہی حقیقی آزادی سے بہرہ مند ہے اور اسی بنا پر وہ مکلف ہے۔ پھر جو اسے ظالم اور جاہل قرار دیا تو گویا اسکی آزادی اور مکلف ہونے کی تصدیق کر دی۔ ظالم و جاہل وہی ہو سکتا ہے جس میں عاقل و عادل ہونے کی استعداد موجود ہو اور اسکے باوجود وہ ناواقفیت اور ظلم کا راستہ اپنائے۔ کائنات میں کچھ مخلوقات تو محض عالم و عادل ہیں اور بالطبع جاہل و ظالم ہو ہی نہیں سکتیں، مثلاً ملائکہ! کچھ مخلوقات ایسی ہیں جو کہ نہ عالم و عادل ہیں اور نہ ان میں علم و عدل کا مادہ موجود ہے مثلاً جمادات، نباتات و حیوانات (5)۔ مکلف صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں کسی کام کے کرنے اور اس سے منحرف ہونے دونوں کی استعداد موجود ہو۔ اس لحاظ سے آزادی اور مکلف ہونیکی امانت صرف انسان ہی اٹھا سکتا تھا۔ اور اسکے جہل و ظلم کا معنی بھی یہی ہے۔

پوری کائنات میں اگر چہ آزادی اور اختیار و انتخاب کا دائرہ صرف انسانیت کے گرد

Marfat.com

ہی وضع ہوا ہے تاہم یہ دائرہ بھی بہت محدود ہے۔ انسانی عضویہ کا ایک معتد بہ حصہ حیوانی اور عضویاتی وظائف پر مشتمل ہے۔ انسانی جسم میں متعدّد اور مختلف نظام از خود کام کر رہے ہیں۔ خون کا دوران، سانس کی آمد و شد، عصبی تحریکات، نظام انہضام، اخراج کا نظام، انعطافات (Reflexes) کا نظام عضویہ میں از خود کام کر رہے ہیں اور اسی ہدایت خداوندی یا وحی الٰہی کے پابند ہیں جس کا نزول تمام حیات و کائنات پر ہو رہا ہے اور جس سے انحراف کی کسی کو مجال نہیں۔ تاہم جبریت کے اس لامحدود سمندر میں انسانی انا یا خودی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ معرض وجود میں آتا ہے جس میں تحریکاتِ جبلّت اور نوامیسِ فطرت کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ روزہ دار بھوک کے خلاف صف آرا ہو جاتا ہے۔ تجرد کی راہ اپنانے والا جنسی داعیات کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ ایثار پیشہ اپنے مفادات کی قربانی دے کر دوسروں کا بھلا کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کسی اَن دیکھے آدرش کے لیے انسان اپنی جان کی بازی تک لگا دیتا ہے۔ یہ وہ افعال ہیں جو حیوانیت سے بالاتر ہیں اور انسانیت کے اعلیٰ و ارفع مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ شرف و عظمتِ انسان کی دلیل ہیں اور انہی کی بنا پر انسان خدا کا نائب اور مسجودِ ملائک بنتا ہے۔ ان افعال و اعمال کا دائرہ اگرچہ بہت محدود ہے، تاہم انکو ترک کرنے یا اپنانے کا انسان کو مکمل اختیار حاصل ہے۔ وحیءِ الٰہی اپنے مخصوص اصطلاحی مفہوم میں انسان کے اسی دائرۂ اختیار و آزادی سے تعلق رکھتی ہے اور انسان کو مکلّف قرار دیتی ہے۔

انسان کا خمیر مادے اور روح کے آمیزے سے اٹھا ہے۔ اسکی فطرت میں مادی تقاضے بھی ہیں جو اسکی جبلی اور حیوانی فطرت کی تخلیق کرتے ہیں اور روحانی تقاضے بھی ہیں جو اسکی ملکوتی فطرت کی تشکیل کرتے ہیں۔ بسیار خوری، شہوت پرستی، غصہ، نفرت، انتقام وغیرہ انسان کی بہیمی فطرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بقول شاہ ولی اللہ جب انکا غلبہ ہوتا ہے تو روح انسانی انکے بوجھ تلے دب کر نیچے کی طرف نزول کرتی ہے۔ لیکن عبادات جن میں صوم و صلوٰۃ سر

Marfat.com

فہرست ہیں انسانی روح کی ملکوتی صفات کو صیقل کرتی ہیں ۔ اس لیے دورانِ عبادت روحِ انسانی اوپر کی طرف صعود کرتی ہے اور اسکا میلان ملاءِ اعلیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ انسان کی خلقت کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

"بَدَاَ خَلقَ الاِنسانِ منِ طِیَنٍ " (۳۲:۷)

''یعنی تخلیق انسان کا آغاز مٹی سے ہوا'' پھر فرمایا:

" وَاللّٰہُ اَنبَتَکُم مِّنَ الاَرضِ نَبَاتاً ۃ (۷۱:۱۷)

یعنی ''اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا ایک طرح کا اگانا''۔ اس آیت میں نباتی سطح کی طرف اشارہ ہے۔ پھر انسان کی حیوانی اور عضویاتی سطح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"خُلِقَ مِنُ مّآءٍ دَافِقٍ " (۸۶:۶)

یعنی اسے پیدا کیا اس پانی سے جو اچھل کر رحم میں گرتا ہے۔ پھر انسان کو دیگر حیوانات سے بلند مقام عطا کیا گیا یعنی اسے الوہی اور ملکوتی صفات عطا کی گئیں:

"نفَخَ فیہِ مِنُ رُّوحِہٖ " (۳۲:۹)

یعنی اس میں اللہ نے اپنی روح یا سانس کا کچھ حصہ پھونک دیا۔ مزید برآں اسے سمع و بصر کے ساتھ ساتھ ''فواد'' (6) یعنی قلب (باطنی بصیرت) بھی عطا ہوئی جس کی وجہ سے وہ عالم قدس سے رابطہ قائم کرسکتا ہے اور وہاں سے راہنمائی حاصل کرسکتا ہے:

" وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمعَ وَ الاَبصَارَ وَالاَفئِدَۃَ" (۳۲:۹)

دراصل سارا ارتقائی سفر ایک ہی روح کا سفر ہے جو کہ مصلحتِ خداوندی کے تحت اسفل السافلین یعنی عالم جمادات میں جاگری اور پھر نباتات سے ہوتی ہوئی حیوانی عضویہ میں آئی اور اسکے بعد انسانی خودی کی صورت میں جلوہ گر ہوئی ۔ انسانی شخصیت میں اگرچہ ارتقاء کی نچلی سطحوں کے تقاضے موجود ہیں، تاہم اس میں فواد کے ظہور کی وجہ سے یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ

یہ اپنی اصل یعنی ملاء اعلیٰ سے رابطہ قائم کر سکے۔ لیکن فواد کی صحیح کارکردگی 'بارِ امانت' اٹھانے سے مشروط ہے۔ انسان کو جو آزادی اور اختیار ملا ہے اسکے صحیح استعمال سے روح بلندیوں کی طرف اٹھتی ہے اور تجلیاتِ الٰہیہ کا مہبط بنتی ہے۔ لیکن اگر اس پر بہیمیت اور حیوانی تقاضوں کا غلبہ ہو تو اسکا آئینہ دھندلا جاتا ہے اور یہ پستی (جمادی سطح) کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ انسان کو آزادی اور اختیار کے ساتھ ساتھ راہنمائی اور ہدایت کے اصول بھی عطا کیے گئے۔ انسان کے جسمانی نظاموں اور انطراری افعال و اعمال کیلئے ہدائت اسی ہمہ گیر و ہمہ جہت فیضان سے آتی ہے جو کہ ساری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ ان کے لیئے انسان مکلّف نہیں۔ لیکن اپنے ارادی افعال و اعمال کیلئے وہ مکلّف ہے۔ اسی لیئے اسے ایک پورا ضابطہ، ہدایت دیا گیا ہے۔ یہ ضابطہ ہدایت اصطلاحی مفہوم میں وحیٔ الٰہی ہے جسے لے کر انبیاء علیہم السّلام مختلف قوموں میں معبوث ہوتے رہے ہیں۔

اس ضابطے کی اطاعت یا اس سے انحراف انسان کے بس کی بات ہے۔ لیکن جو اطاعت کرتا ہے اور جو انحراف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دونوں کو سہولتیں فراہم کرتا ہے:

"كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا" (۲۰:۱۷)

"ان کو بھی اور ان کو بھی دونوں فریقوں کو ہم (دنیا میں) سامان زیست دیئے جا رہے ہیں۔ یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں۔"

غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ پوری کائنات میں ہدایت و راہنمائی کے قوانین کارفرما ہیں۔ مذہب کی زبان میں اسے ہم وحی کہہ سکتے ہیں جو کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور نفوس ملکوتی پر ہمہ وقت نازل ہو رہی ہے۔ چنانچہ ساری کائنات خدا کے ضابطے کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور ہر شئے اپنی صلاۃ و تسبیح میں مشغول ہے۔ سائنس کی زبان میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

Marfat.com

ہر شئے قوانین فطرت کی پابندی کرتی ہے۔اب اگر انسانوں کو آزادی اور اختیار دیا گیا ہے تو یہ ضروری تھا کہ انہیں اچھے برے کا علم بھی دیا جاتا۔اچھائی اور نیکی کا راستہ انبیاء علیہم السّلام وحی ءالٰہی کی بنیاد پر لوگوں کو دکھاتے رہے ہیں جو کہ شریعت کہلاتا ہے۔ جب کوئی شخص شریعت پر عمل پیرا ہوتا ہے تو دراصل اپنے ارادے اور انتخاب کی بنیاد پر خدا کی اطاعت کرتا ہے۔اس طرح وہ داخلی اور خارجی طور پر پوری کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔وحی ءالٰہی اور انبیاء علیہم السّلام کی شریعتوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اسی طرح احکامِ الٰہی کا پابند ہو جائے جسطرح دیگر مخلوقات ہیں۔کائنات کی ہر شئے اپنے طرز عمل کیلئے ایک ضابطۂ ہدایت یا حکمِ نوعی رکھتی ہے، تو انسان ایسے ضابطے سے کیوں محروم رہے؟ یہی وحی ءالٰہی کا سب سے بڑا جواز ہے۔

(۷) وحی اور اخلاقیات:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ علم الاخلاق یا اخلاقیات (Ethics) کا تعلق بھی انسانی شخصیت کے دائرۂ اختیار سے ہے ۔لیکن اولاً تو اخلاقیات کی حدود قیود (Sanctions) کا منبع رسوم ورواج ہیں یا قوانینِ عقل وفکر۔ثانیاً اخلاقیات کے لیئے وہی شخص مکلّف ہے جو سماجی زندگی کے دھارے میں زندگی بسر کر رہا ہو۔کسی پہاڑ کی کھوہ میں رہنے والا رشی مُنی یا جنگلوں میں مارا مارا پھرنے والا تارکُ الدّنیا اسکے حدودِ اطلاق میں نہیں آتا۔لیکن اس کے برعکس وحی الٰہی اس شخص کو بھی مکلّف قرار دیتی ہے جو سماج سے دور ہٹ کر زندگی بسر کر رہا ہو۔اللہ تعالیٰ نے اگرچہ بیشتر حدود ان لوگوں کے لیے مقرر کی ہیں جو معاشرے کے اندر زندگی بسر کر رہے ہیں، تاہم اعتقادات وایمانیات اور بعض حدود اللہ کا معاملہ ایسا ہے کہ انسان خواہ سماج کے اندر ہو یا باہر، انکا ہر حال میں مکلّف ہے۔

Marfat.com

(۸) وحی اور عقل:

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا انسان کے طرزِ عمل کے تعیّن کے لیئے عقل کافی نہیں؟ انسان نے عقل و دانش کی ترقی کے ساتھ ساتھ بے شمار چیزوں کو ایجاد کیا ہے، بیماریوں، وباؤں اور آفاتِ سماوی پر قابو پایا ہے اور فطرت کی رستخیز قوتوں کو تسخیر کیا ہے۔ عقل اگر انسان کو اس قابل بنا سکتی ہے کہ وہ کائنات کے سربستہ اسرار کی نقاب کشائی کرے، کہربائی و جوہری توانائی اپنے تصرف میں لائے اور چاند ستاروں پر کمند ڈال سکے، تو کیا وہ انسان کو زندگی کی راہوں پر سفر کرنے کیلیئے راہنمائی مہیا نہیں کرسکتی؟ (7)۔

یہ ایسا سوال ہے کہ اس کے جواب کے لیے کچھ وضاحتیں ضروری ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں اور حیوانوں میں ایک مشترکہ اصولِ ہدایت ہے اور وہ ہے حسّی ادراک! سننے، دیکھنے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے کی صلاحیتوں کی بنیاد پر حیوانوں اور انسانوں دونوں کو خارجی ماحول کا علم حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حواس کو علم کا ابتدائی درجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سطح پر انسان کو خارجی دنیا کا علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات حواس انسان کو غلط اطلاعات فراہم کرتے ہیں۔ ایک چھڑی جس کا آدھا حصہ پانی میں ڈوبا ہو اور آدھا باہر ہو، ٹیڑھی نظر آئے گی۔ درخت کا سایہ آنکھ کو ساکن نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ متحرک ہوتا ہے۔ ایک سیّارہ یا ستارہ خلا کی بے کراں وسعتوں میں ایک چھوٹا سا نقطہ نظر آتا ہے۔ لیکن عقل ہمیں بتاتی ہے کہ یہ تو ہماری زمین سے بھی بڑا ہے۔ زمین آنکھ کو مسطّح نظر آتی ہے، لیکن عقل کہتی ہے کہ یہ گول ہے۔ اس طرح بے شمار ادراکات ایسے ہیں جن کے بارے میں عقل یہ فیصلہ صادر کرتی ہے کہ وہ غلط ہیں۔ عقل کی بنا پر ہی انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ عقل ہی اسے کائنات کا صحیح فہم اور کائنات کی قوتوں پر تصرف و اختیار بخشتی ہے۔ انسان تعقلات وضع کرتا ہے

اور جزئیات وکلیات اسکے علم کا تانا بانا بنتے ہیں۔لیکن جس طرح حواس کی حدود و قیود ہیں اور وہ ایک حد تک ہماری راہنمائی کر سکتے ہیں، اسی طرح عقل کی بھی اپنی حدود ہیں جن سے باہر وہ کارآمد نہیں ہو سکتی۔ کائنات میں بعض ایسے حقائق ہیں جو زمان و مکان سے ماورا ہیں۔ چنانچہ عقل ان تک رسائی نہیں پا سکتی۔ عقل انہی مظاہر کیلئے فعّال و کارآمد ہو سکتی ہے جو زمانی و مکانی حوالہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی یہ ماورائی اور مابعد الطبیعی حقائق کی اقلیم میں داخل ہوتی ہے، تو لڑکھڑانے لگتی ہے۔اور انسانی ذہن کو فکری اضداد (Antinomies of Thought) کی دلدل میں پھنسا دیتی ہے۔مثال کے طور پر اثباتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جتنے دلائل عقل و خرد کی بنیاد پر پیش کیئے جا سکتے ہیں اتنے ہی دلائل وجود باری کے رد میں تراشے جا سکتے ہیں (8)۔حواس کی راہنمائی ہماری عقل کرتی ہے۔اس لیئے ضروری ہے کہ عقل کی نارسائی کا ازالہ کرنے کیلئے بھی کوئی بالائے عقل ذریعہ موجود ہو۔ یہ ذریعہ وحی ءالٰہی ہے۔

ہم جب نیند کی حالت میں ہوتے ہیں تو خواب کے تمام واقعات، مقامات اور کردار ہمیں حقیقی لگ رہے ہوتے ہیں۔لیکن آنکھ کھل جانے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ تو سارا سحر خواب کا تھا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔اسی طرح مرنے کے بعد جب ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو وہ دنیا ہمیں حقیقی نظر آئے گی اور اس دنیا کی زندگی کی یادیں خواب کی طرح لگیں گی۔لیکن انبیاء کرام کو یہ صلاحیت عطا ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کی حقیقت کا ادراک اسی دنیا میں کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں ماورائی حقائق کا یقینی علم بذریعہ وحی حاصل ہو جاتا ہے جس کی بنا پر وہ لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔اس موضوع پر امام غزالی نے ''المنتقذ مِن الضّلال'' اور ''احیاء العلوم'' میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔''المنتقذ مِن الضلال'' میں امام غزالی لکھتے ہیں:

" بل الایمان لنبو ۃ ان یفر باثبات طو ر و راء العقل تنفتحُ فیه عین

Marfat.com

یدرک بھا مدر کات خاصته والعقل معزول عنها کعزل السمع عن ادراک الالوان" (المنقذ. ص ۳۱)

"بلکہ نبوت پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ یہ اقرار کیا جائے کہ عقل سے بالاتر ایک مقام ہے جس میں آنکھ کھل جاتی ہے اور اس میں خاص خاص مدرکات کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اور عقل ان مدرکات کے ادراک سے ایسے عاجز ہے جیسے کان رنگوں کے ادراک سے!"

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حقیقت وحی سے صرف صاحبِ وحی ہی واقف ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا رابطہ عقولِ مجرّدہ اور حقائقِ قُدسیہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر وحیٔ الٰہی سے وہ علم حاصل کرتا ہے جو کہ عقل و خرد سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس علم کی بنا پر وہ لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ یوں عقل کی نارسائیوں اور کوتاہیوں کا تدارک ہو جاتا ہے اور نبی نوعِ انسان کے لیے ہدایتِ خداوندی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ وحی سے فیض پانے والی عقل فکری اضداد کی دلدل میں پھنستی ہے اور نہ ہی اسے تشکیک کا روگ لگتا ہے۔ یہ عقل مومن کی فراست بن جاتی ہے اور حکمت کہلاتی ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا:

"من یو ت الحکمه فقداو تی خیراً کثیرا"

(۹) اقسامِ وحی:

قرآن حکیم میں نزول وحی کی صورتوں کو یوں بیان فرمایا گیا:

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَن يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْياًاَوْ مِنْ وَّرَآىِٕ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ "حَكِيمٌ" (۵۱:۴۲)

"اور کسی آدمی کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعہ سے

Marfat.com

یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کسی فرشتے کو بھیجے کہ وہ وحی کر دے اس کے اذن سے جو وہ چاہے۔ بے شک وہ سب سے اوپر ہے، حکمت والا ہے''۔ مگر قرآن میں مذکور ان تین اقسام وحی کے علاوہ احادیث سے کچھ اور وحی کی صورتیں بھی ثابت ہوتی ہیں۔ ان کا ذکر حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں کیا ہے۔ وہ وحی کی سات قسمیں گنواتے ہیں:۔

۱۔ سچے خواب (رویائے صادقہ)

۲۔ دل میں کوئی بات ڈال دینا (نفث فی الروع یا القاء فی القلب)

۳۔ گھنٹی کی آواز کی طرح نزول وحی (کصلصلۃ الجرس)

۴۔ فرشتے کا انسانی شکل میں آنا (تمثل)

۵۔ فرشتے کا اپنی اصلی شکل میں آنا۔

۶۔ وہ طریقہ ،مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

۷۔ باواسطہ کلام۔

ذیل میں ہم ان کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(۱)۔ سچے خواب (رویائے صادقہ): عربی میں رویا عام خواب کو نہیں بلکہ سچے خواب کو کہتے ہیں۔ عام خواب کے لیے 'حلم' (جمع احلام) استعمال ہوتا ہے جو کہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور وساوسِ شیطانی کا نتیجہ بھی! بخاری کی ''کتاب الرّویاء'' کے مطابق ''الرو یاءُ من اللہ والحلم من الشیطان ''یعنی! رویا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور حلم شیطان کی طرف سے۔ رویا کی صفت یہ ہے کہ یہ نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں آتا ہے جیسے کہ حضور ﷺ پر پہلی وحی آئی تھی۔ انبیاء علیہم السّلام کی نیند بھی عام لوگوں کی نیند سے مختلف ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تنام عینی و لاینام قلبی ''یعنی میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ مزید برآں عربی زبان میں رویاء کے مفہوم میں کسی شئے کا اعلام واخبار یا اشارہ بھی شامل ہے۔ اسی

Marfat.com

وجہ سے رویائے صادقہ کو نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو قرار دیا گیا ہے (9)۔ جو واقعات اس دنیا میں رونما ہوتے ہیں وہ سب کے سب پہلے عالمِ لاہوت میں مرتب و متشکل ہوتے ہیں اور پھر ان کا اجرا اور ظہور عالمِ ناسوت میں ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یُدبِرُ الاَمرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الاَرضِ ثُمَّ یعرُجُ الیہ" (۳۲: ۵)

انبیاء علیہم السّلام کا رابطہ اپنی ملکوتی صلاحیت کی بنا پر ملاءِ اعلیٰ سے استوار ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ عالم رویاء میں جن امور کو دیکھتے ہیں وہ اگلے دن بعینہٖ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں۔ پہلی وحی رویاء میں اس لیے نازل ہوئی کہ نبی کریم ﷺ اتنے بڑے خارقِ عادت مظہر سے گھبرا نہ جائیں اور وحی سے قدرے مانوس ہو جائیں۔

(۲)۔ دل میں بات ڈالنا (نفث فی الروع): اس صورت میں فرشتہ ظاہر ہوئے بغیر نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر کوئی بات القاء کر دیتا تھا۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا۔ فرشتے نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی کہ کوئی متنفّس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اپنے حصہ کا رزق نہ کھا لے۔

(۳)۔ گھنٹی کی آواز کی طرح (کصلصلۃ الجرس): بعض اوقات آپ ﷺ کو وحی گھنٹی کی آواز کی طرح سنائی دیتی تھی اور جب یہ موقوف ہو جاتی تو حضور ﷺ کو وحی کے تمام الفاظ یاد ہو چکے ہوتے تھے۔ نزول وحی کی یہ صورت آپ ﷺ پر بہت شاق گزرتی تھی۔ بقول حضرت عائشہؓ سردی میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی پسینے سے تر ہو جاتی، سانس تیز چلنے لگتا اور چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے کہ اس طرح نزول وحی شروع ہو گیا۔ اونٹنی یوں بیٹھ گئی جیسے اس پر بہت زیادہ بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کی ران پر سر رکھے لیٹے ہوئے تھے کہ گھنٹے کی آواز کی طرح وحی آنا شروع ہو گئی۔ وہ صحابی کہتے ہیں مجھے

Marfat.com

یوں لگا جیسے میری ٹانگ کچلی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ 'حجتہ اللہ البالغہ' میں کہتے ہیں کہ نبی ﷺ میں بشری اور ملکوتی دونوں صفات موجود تھیں۔ جب صلصلتہ الجرس کی صورت میں وحی آنے لگتی تو صفات ملکوتی کا غلبہ ہو جاتا اور آپ ﷺ کا میلان ملاء اعلیٰ کی طرف معمول سے زیادہ ہو جاتا۔ نتیجۃً جسمانی اعضاء و جوارح کی معمولی کارکردگی متاثر ہوتی اور آپ ﷺ بوجھ محسوس کرتے (10)۔

محی الدین ابن العربی کا خیال ہے کہ گھنٹے کی آواز یا شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی تشبیہ اس لیے دی گئی کہ ان صورتوں میں آواز کسی ایک مرکز سے آتی محسوس نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وحی کی اس صورت میں نبی ﷺ کو خود حق تعالیٰ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ امام بخاری اور ابن العربی کا یہی خیال ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آواز فرشتے کی ہوتی تھی۔

(۴)۔ تمثّل: بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں وحی لے کر آتا۔ وحی کی یہ صورت آپ ﷺ پر بڑی آسان اور خوشگوار ہوتی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اس کے کپڑے غیر معمولی طور پر سفید اور بال بھی بہت زیادہ کالے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یوں بیٹھ گیا کہ اس کے دونوں گھٹنے حضورؐ کے گھٹنوں پر تھے اور اسکے دونوں ہاتھ حضور ﷺ کی رانوں پر تھے۔ پھر اس نے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور قرب قیامت کی علامات کے بارے میں آپ ﷺ سے کچھ سوالات کیئے۔ آپ ﷺ اسکے سوالوں کے جواب دیتے جاتے اور وہ ہر سوال کے جواب میں کہتا ''صدقت'' یعنی آپ ﷺ کی ہر بات کی یوں تصدیق کرتا جیسے اسے جوابات کا پہلے سے علم ہو۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد حضور ﷺ نے صحابہؓ کو بتایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے۔ اس طرح کے کچھ اور واقعات بھی صحابہ سے مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت جبرائیل انسانی شکل میں نبی

Marfat.com

کریم ﷺ کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔

(۵)۔ فرشتے کا اپنی اصل شکل میں آنا: فرشتہ اپنی اصلی اور پیدائشی شکل میں بھی نبی کریم ﷺ پر آیا کرتا تھا اور وحی پہنچایا کرتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جبرائیل کو اصلی شکل میں دو دفعہ دیکھا تھا۔ اسکا حوالہ سورۃ نجم اور سورۃ تکویر میں بھی ملتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ فرشتہ نے خود اپنی زبان سے آپ ﷺ کو وحی کا تلفظ سکھایا تھا۔ مذکورہ سورتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جبرائیل اپنی اصل شکل میں نہایت عظمت اور قوت والے ہیں اور امین ہونا ان کا وصف خاص ہے۔

(۶)۔ وحی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی وسیلے اور آواز کے آپ ﷺ کے قلب مبارک پر کوئی بات القاء کر دیا کرتے تھے۔ شب معراج میں آپ ﷺ پر فرضیت نماز کی وحی اسی طرح نازل ہوئی تھی۔

(۷)۔ وحی کی ساتویں صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی فرشتے یا واسطے کے پیغمبر سے کلام کرے۔ اس طرح حضرت موسیٰ سے کلام کیا گیا تھا۔ نبی ﷺ سے بھی شب معراج اس طرح کلام کیا گیا۔ حافظ ابن قیم نے وحی کے یہ سات طریقے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ایک آٹھواں طریق وحی بھی مذکور ہے جس کے مطابق نبی ﷺ نے روبرو اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کے رویتِ باری تعالیٰ کے حق میں نہیں ہیں۔ اور " لا تدرکه الابصار وهو یدرك الا بصار "والی آیت کے حوالے سے استدلال کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جس نے کہا کہ اس نے اپنی جسمانی آنکھوں سے خدا کو دیکھا، اس نے خدا پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ معتزلہ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ لیکن کئی اہل سنت علماء (اور امام اشعری بھی) یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں رویت باری کا تذکرہ قرآن میں ہے (وجوہ "یو مئذ ناظر ة الیٰ ربها ناظرة" (۷۵: ۲۲،۲۳) اور نبی ﷺ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے حقائق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ " مازا غ البصر و ما طغی"

Marfat.com

''قوت بصری میں نہ تو کجی پیدا ہوئی اور نہ اس نے سرکشی کی'' سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی جسمانی آنکھوں سے ذاتِ احد کو دیکھا تھا (11)۔ شاعر نے اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

(۱۰) فلاسفہ اور صوفیاء کا نقطہ نظر:

اکثر فلاسفہ اور صوفیاء وحی کو ایسا ملکہ سمجھتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام میں وہبی طور پر موجود ہوتا ہے ۔ اور مقررہ وقت پر اپنا اظہار کرتا ہے اور ان کیلئے ذریعہء علم و ہدایت بنتا ہے۔ صوفیا اور فلاسفہ بالعموم اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح وجود کے کئی مدارج ہیں، اسی مناسبت سے کئی مدارجِ علم بھی ہیں ۔ جمادات سب سے نچلا درجہء وجود ہے ۔ پھر نباتات و حیوانات کے درجات وجود ہیں ۔ اسی اعتبار سے علم بھی لاشعوری تحریکات سے ترقی کرتا ہوا حواس خمسہ کی راہنمائی تک پہنچتا ہے اور پھر محسوسات و جزئیات سے بلند ہو کر عقل کے مجردات و کلیات تک پہنچتا ہے ۔ یہاں کچھ فلاسفہ یہ سمجھتے ہیں کہ وحی عقل سے بلند تر ذریعہء علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل کو سرفراز فرماتا ہے ۔ اور کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ وحی عقل کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے ۔ اوّل الذکر فلاسفہ میں امام غزالیؒ ، امام الاشعریؒ ، ابن سینا وغیرہ شامل ہیں جبکہ موخر الذکر فلسفیوں میں معتزلہ اور ابن خلدون وغیرہ شامل ہیں ۔ معتزلہ کا خیال ہے کہ عقل نہایت قابل اعتماد راہنما ہے اور اگر قرانی تعلیمات اور عقل کے مابین تفاوت ہو تو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ آیات قرآنی کی ایسی توجیہہ و تعبیر کی جائے کہ یہ عقل کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جائیں ۔ سرسیّد وغیرہ اسی نقطۂ نظر کے حامی ہیں ۔ پہلا گروہ یہ کہتا ہے کہ عقل اپنی نوعیت کے اعتبار سے محدود اور ناقص ہے ۔ وحی الٰہی اسکے عیوب و اسقام کو رفع کرتی ہے چنانچہ ان مفکرین

Marfat.com

کے نزدیک وحی عقل سے بالاتر ذریعہ علم ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ راہنمائے عقل ہے۔

اکثر فلاسفہ اور صوفیاء یہ سمجھتے ہیں کہ نبی کے اندر ملکوتی قوتیں ہوتی ہیں یہی قوتیں فرشتے کے روپ میں متمثل ہو کر اسکے سامنے آتی ہیں اور اسے وحی والقاء سے بہرہ مند کرتی ہیں۔ اس طرح پیغمبر بذریعہ وحی جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ اپنے باطن کی ہی بے پناہ قوتوں کے انکشاف سے حاصل کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر پیغمبر کا وحی والقاء، مختلف علوم اور تصورات مجردہ سے بہرہ مند ہونا دراصل اسکا اپنا ہی سفر ذات ہے۔ اس نظریہ کو عارف رومی نے اپنی مثنوی میں پیش کیا ہے۔

چیز دیگر ماند اما گفتنش — با تو روح القدس گوید نے منش
نے تو گوئی ہم بگوش خویشتن — بے من و بے غیر اے من ہم تو من
ہمچو آں وقتے کہ خواب اندر روی — تو پیشِ خود بہ پیش خود شوی
بشنوی از خویش و پنداری فلاں — با تو اندر خواب گفت است آں نہاں

مولانا عبدالعلی رومی کے ان اشعار کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

''پس جبرائیل کہ مشہود رسل علیہم السلام است وحی از جانب حق سبحانہ، می رساند آں حقیقت جبرائیلیہ است کہ قوتے از قوائے رسل بود متصور شدہ در عالم مثال بہ صورتے کہ مکنون بود در رسل مشہود می شود و مرسل می گردد و پیغام حق می رساند۔ پس رسل مستفیض از خود اند نہ از دیگرے۔ پس ہر چہ کہ رسل مشاہدہ می کنند مخزون در خزانہ جناب ایشاں بود''

یعنی!

''رسولوں کو جبرائیل کی صورت نظر آتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ وہ انہیں خدا کا پیغام پہنچا رہی ہے وہ حقیقت جبرائیلیہ خود رسولوں کی روحانی قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ عالم

Marfat.com

مثال میں یہ حقیقت ایک صورت اختیار کر لیتی ہے، حقیقت جو کہ روح نبوی میں مکنون اور مخفی ہوتی ہے، وہ متمثل اور مشہود ہو جاتی ہے اور پیغام حق پہنچاتی ہے۔ رسول کسی دوسرے سے نہیں بلکہ اپنی ذات سے مستفیض ہوتا ہے۔ رسول جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے، وہ اس کے اپنے باطن کے خزانے سے ہی نکلتا ہے(12)۔

امام غزالی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

'یبعث من نفسه حقائق الا مو ر دو ن التعلم کما قال الله تعالیٰ یکاد ذیتها یضی ولو لم تمسسه النارّ ۔نو ر "علی نو ر ۔ وَذا ك مثل الا نبیاء علیهم السلا م اذ تنضح لهم فی بواطنهم امو ر غا مضه من غیر تعلم و سماع و یعبر ذالك بالالهام و عن مثله عبر النبی ﷺ حیث قال ان رو ح القدس نفخت فی روعی۔'

یعنی!

''کسی کی طبیعت میں بغیر تعلیم کے کچھ باتیں پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خارج سے کسی آگ کے چھوئے بغیر معرفت کا تیل روشن ہو جاتا ہے۔نور''علی نور۔ (یعنی یہ نورِ بصیرت عام نورِ عقل سے بالاتر ہوتا ہے) انبیاء علیہم السلام کی یہی مثال ہے کیونکہ ان پر باریک باتیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔بغیر اس کے کہ کسی سے سیکھی ہوں یا سنی ہوں اور اسی کا نام الہام ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ پھونکا۔اس سے یہی مراد ہے۔''

فلاسفہ کہتے ہیں کہ خدا سے عقلِ فعال کا ظہور ہوتا ہے۔پیغمبر عقلِ فعال کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔لیکن اسکی بشری حیثیت میں یہ عقل فعال اس سے ماورا بھی ہوتی ہے۔یہ عقلِ فعال دنیائے زمان و مکان سے بھی رابطہ رکھتی ہے اور ذات الٰہی سے بھی! فلاسفہ اسی کو جبرائیل

کہتے ہیں۔ دراصل یہ حقیقت جبرائیلیہ پیغمبر کی باطنی قوتوں میں مضمر ہوتی ہے۔ جبرائیل جب کسی پیغمبر کو خارج میں نظر آتے ہیں تو دراصل یہ اس پیغمبر کی اپنی ہی ملکوتی صفات کا انعکاس ہوتا ہے جو کہ متمثل ہو کر معروضی حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جبرائیل کو افق مبین میں ایک عظیم و قوی ہستی کے روپ میں دیکھا تھا۔ لیکن کبھی جبرائیل آپ ﷺ کے قلب اطہر پر بھی وحی نازل کرتے تھے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نبی ﷺ کو اپنے باطن سے بھی راہنمائی ملتی تھی۔ صوفیا اور فلاسفہ یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر ایک طرف تو ملاء اعلیٰ کے نفوس مقدسہ اور عقول مجردہ سے متحد و متصل ہوتا ہے تو دوسری طرف اسکا رابطہ عالم ناسوت کے جزئیات و محسوسات کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ جس حقیقت کا انکشاف اسکے باطنی تجربے میں ہوتا ہے وہ خارجی اور معروضی حقیقت سے الگ نہیں ہوتی۔ چنانچہ پیغمبر جب اپنی لاہوتی اور ملکوتی فطرت سے فیضیاب ہوتا ہے تو وہ دراصل خارجی حقیقت کے عرفان سے ہی فیضیاب ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حقیقت مطلقہ میں معروض و موضوع کی تخصیص و تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ عالم اکبر (Macrocosm) کے عقب میں جو حقیقت اصلیہ و مطلقہ مضمر ہے، وہی عالم اصغر (Microcosm) کے پیچھے بھی پنہاں ہے۔ صوفیا اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ یہ تشریحات چونکہ عسیر الفہم ہیں اور انکے احاطہ کیلئے مخصوص ذہنی و فکری تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے عوام الناس کی سہولت کی خاطر انہیں مذہب کی عام فہم زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ وحی و الہام کے بارے میں مذہب کی روایتی تعبیر و تفسیر اور صوفیاء و فلاسفہ کی تشریح و توضیح میں کوئی تفاوت نہیں۔

(۱۱) وحی متلو اور وحی غیر متلو:

وحی متلو سے مراد وہ وحی ہے جسکی تلاوت کی جائے یعنی قرآن حکیم۔ قرآن حکیم کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی:

Marfat.com

"فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ" (بقرہ ۹۷) "جبرائیل نے قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے دل پر اتارا ہے۔" مزید برآں ارشاد ہوا:

"نزل بہ الروح الامین ہ علی قلبک لتکون من المنذرین" (شعرا: ۱۹۳،۱۹۴)

"قرآن کو روح الامین آپ کے قلب پر لے کر نازل ہوئے ہیں تا کہ آپ ﷺ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔"

قرآن حکیم کلام الٰہی ہے جو کہ بمع عربی الفاظ کے وحی کیا گیا:

"وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللہ"

"اگر کوئی مشرک آپ سے امن طلب کرے تو آپ اسکو امن دے دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے" "وکذالک انزلنہ قرآنا عربیا" (طٰہٰ: ۱۱۳)

"اور اسی طرح ہم نے اسے قرآن عربی بنا کر اتارا ہے" اسطرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم وہ وحی ہے جو بمع عربی الفاظ کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ اس کے نزول کے وقت خاص حفاظتی اقدامات کیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس میں کوئی خارجی عنصر داخل نہیں ہو سکا۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ کو بھی اس میں ردو بدل کا اختیار نہ تھا:

"قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الی انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم" (یونس۔۱۵)

"کہہ دیجئے مجھے یہ اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے قرآن کو بدل ڈالوں میں تو صرف اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ میں تو نافرمانی کی صورت میں بڑے دن کے عذاب سے خوف محسوس کرتا ہوں"۔ وحی کی یہ صورت وحی متلو کہلاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ پر ہدایتِ خداوندی کا نزول قرآن حکیم کے علاوہ بھی ہوتا تھا۔ کئی معاملات میں آپ جبرائیل کے توسط سے یا براہ راست اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات وارشادات کی روح رواں بھی وحی الٰہی ہوتی تھی لیکن وحی کی یہ قسم وحی غیر متلو تھی جس کی تلاوت کا حکم نہیں تھا۔ یہ آیات قرآنی کے زمرے میں نہیں آتی۔

روزمرہ کے معاملات ومسائل کے بارے میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم توقف فرماتے اور وحی کی راہنمائی کے بعد جواب دیتے۔ یعلی بن امیہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے سلسلے میں مقام جعرانہ میں مقیم تھے کہ ایک شخص نے استفسار کیا کہ اگر کوئی شخص کپڑوں پر خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کرلے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر توقف فرمایا حتیٰ کہ بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کے جواب سے آگاہ کردیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو خوشبو تم مل چکے ہو اسے تین دفعہ دھوڈالو اور اس کپڑے کو اتار دو، پھر عمرہ ادا کر۔''

اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ سے ایک یہودی عالم نے پوچھا: بہترین جگہ کونسی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر فرمایا، میں جبرائیل کے آنے تک خاموش رہوں گا۔ چنانچہ جب جبرائیل آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال انکے سامنے رکھا۔ جبرائیل نے کہا، اس مسئلہ میں میں اور آپؐ دونوں برابر ہیں۔۔۔۔۔لیکن میں اپنے رب سے سوال کروں گا۔ اسکے بعد جبرائیل چلے گئے۔ جب وہ دوبارہ واپس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ سے اتنا قریب ہوگیا تھا کہ ایسا قریب کبھی نہ ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیوں کر ہوا؟ وہ بولے میرے اور خدا کے درمیان نور کے ایک ہزار پردے حائل تھے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ بدترین جگہیں بازار ہیں اور بہترین جگہیں مساجد ہیں۔

احادیث چونکہ صحابہ سے مروی ہیں اور ان میں استناد، تیقن اور حجیت کے مدارج کا فرق ہے، اس لئے انکا مرتبہ ومقام وہ نہیں جو قرآن حکیم کا ہے کہ جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ اور شوشہ بعینہٖ محفوظ کرلیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام

باتیں وحی پر مبنی ہوتی تھیں:

"وما ینطق عن الھوی ۔ اِنْ ھو اِلاّ وَحی یوحیٰ" (النجم:۳۔۴)

بایں ہمہ آپ ﷺ کے فرمودات وارشادات کی روایت کو استناد و تیقّن کا وہ درجہ حاصل نہیں جو کہ آیات قرآنی کو حاصل ہے۔ چنانچہ انہیں وحی تو کہا جاتا ہے لیکن وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

پروفیسر مولانا سعید احمد اکبرآبادی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں میں حکم کے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ وحی متلو یعنی قرآن مجید کا ایک ایک حرف متواتر اً منقول ہے اور اس لیے وہ قطعی اور حتمی طور پر اللہ کا کلام ہے۔ اسکے برعکس وحی غیر متلو یعنی احادیثِ احکام ومسائل کا یہ حال نہیں ہے۔ انکا بہت کم حصہ بتواتر منقول ہے پھر جو متواتر اً منقول ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ نے انکے بھی الفاظ کو خدا کے الفاظ نہیں بتایا اس لیے وہ معنیً تو ارشاد خداوندی ہیں لیکن لفظاً نہیں۔'' (14)۔

(۱۲) صاحبِ وحی کا منصب:

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے پاس ایک عورت گھبرائی ہوئی آئی اور کہنے لگی: ''میں اپنے بچے کو لے کر چھت پر بیٹھی تھی کہ وہ کھسکتا ہوا چھت کے آخری کنارے کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اب میں اسے پکڑنے کے لیے آگے بڑھتی ہوں تو وہ بھی آگے کھسکنے لگتا ہے۔ چھت پر منڈیر نہیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ نیچے نہ گر جائے''۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اسکی عمر کا ایک بچہ لے کر چھت پر سیڑھیوں کے قریب بٹھا دو! اس نے یونہی کیا۔ اسکا بچہ اپنے ہم جنس بچے کو دیکھ کر پیچھے پلٹ آیا۔

اللہ تعالیٰ نے بھی لوگوں کی راہنمائی کیلئے یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے۔ انبیاء اور رسل انسانوں

Marfat.com

میں ہی مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اگر چہ مخالفین انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، تاہم کچھ نفوس صالحہ ان سے متاثر ہو کر ان کا اتباع بھی کرتے تھے۔ بشر ہونا انبیاء علیہم السلام کا پہلا وصف تھا۔ کیونکہ اگر کوئی فوق الانسان ہستی لوگوں کے رشد و ہدایت کیلئے بھیجی جاتی تو اسپر پہلا اعتراض یہ ہوتا کہ انسان اسکی پیروی کیونکر کر سکتے ہیں۔ اسی لیئے قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہوا کہ اگر کرۂ ارض پر فرشتے آباد ہوتے، تو پھر فرشتہ ہی پیغمبر بن کر آتا:

" قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا " (بنی اسرائیل: ۹۵)

"ان سے کہو اگر زمین پر فرشتے آرام سے چل رہے ہوتے (یعنی زمین پر آباد ہوتے) تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے ہی کو ان کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجتے"۔ پیغمبر کی بشریت منطقی اور فطری تقاضا ہے لیکن لوگوں نے ہمیشہ انبیاء کے انسان ہونے ہی کو اعتراض کا نشانہ بنایا:

"مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا " (بنی اسرائیل: ۹۴)

لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اسپر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا مگر ان کے اسی قول نے کہ 'اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا؟'

مخالفین کہتے تھے کہ یہ کیسے پیغمبر ہیں جو کھاتے پیتے ہیں اور کوچہ و بازار میں گھومتے پھرتے ہیں:

" وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

Marfat.com

مسحوراً ۝ (الفرقان: ۷۔۸)

"کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اسکے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اسکے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لیئے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا۔ یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ (اطمینان کی) روزی حاصل کرتا اور ظالم کہتے ہیں کہ 'تم تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو۔'" معترضین اور کفار کی آنکھیں جس حقیقت سے بند رہیں وہ یہ تھی کہ انبیاء اور رسل تھے تو انسان لیکن ایک بنیادی فرق کے ساتھ۔ اور وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انکا اصطفیٰ وارتضیٰ کر کے انہیں صاحب وحی بنایا ہوتا تھا:

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۝"

(الجن ۲۶۔۲۸)

"وہ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا علم دینے کیلئے) چن لیا ہو۔ پس بلاشبہ وہ (خدا) اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان چلا آتا ہے (یعنی اسکو اس بات سے محفوظ رکھتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی خبر میں شیطان یا اس کا نفس ملاوٹ کر سکے اور اس کو شبہ پڑ جائے کہ یہ خدا کی وحی ہے یا کچھ اور) تاکہ خدا یہ ظاہر کر دے کہ انہوں نے (رسولوں نے) بلاشبہ اپنے ربّ کے پیغامات (ٹھیک ٹھیک) پہنچا دیئے۔ اور وہ ان کے پورے ماحول کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔"

کوئی بشر اپنے کسب کمال یا کڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کے نتیجہ میں نبی کے مقام

تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تو سراسر انتخاب الٰہی کا معاملہ ہے، وہ جس کو بھی چن لے:

"اللہ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ" (الانعام:۱۲۴)

''اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کونسا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنائت فرمائے۔''

لیکن انبیاء کا انتخاب لازمی طور پر انسانوں میں سے ہی کیا جاتا رہا:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ" (الانبیاء:۷)

''اور اے پیغمبر! ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن پر وحی نازل کی ہے وہ انسانوں کے سوا اور کچھ نہ تھے۔ پس (اے معترضین) اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھ لو اور نہ ہم نے انہیں بے جان (دھڑ) بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (خدا کی طرح) ہمیشہ رہنے والے تھے۔''

چنانچہ انسان ہونا اور پھر صاحب وحی ہونا پیغمبر کو دیگر انسانوں سے منفرد اور متمیز کر دیتا ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہنمائی کا کام لینا ہوتا ہے۔ لہذا وہ شروع سے ان کا خاص نگہبان ہوتا ہے اور اپنے خاص فضل و کرم سے انہیں تربیت کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے۔ یہ بات نہیں کہ کوئی آگ لینے جائے اور اسے پیغمبری مل جائے (15)۔ تاہم وقت مقررہ پر ہی اسے اسکے منصب سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اسکے فرائض اسکے سپرد کیئے جاتے ہیں۔

یہاں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی کا کام صرف یہ ہے کہ وہ میکانکی انداز میں وحی کو وصول کرے اور لوگوں تک پہنچا دے۔ پیغمبر وحی الٰہی سے یوں فیضیاب ہوتا ہے کہ اسکی پوری

Marfat.com

شخصیت رضائے الٰہی کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اور لوگوں پر نہ صرف وحی الٰہی پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے بلکہ پیغمبر کی غیر مشروط اطاعت بھی فرض ہو جاتی ہے:

حضرت نوحؑ نے فرمایا:

" ان اجری الّا علی ربّ العلمین o فاتّقوُ اللہ واطیعو ن "(الشعرا:۱۰۹)

حضرت ہودؑ نے کہا:

" انّی لکم رسو ل" امین" فا تقو اللہ واطعیون "(الشعرا:۱۰۹)

حضرت لوطؑ کا ارشاد ہے: " فا تقو اللہ فا طیعون " (الشعرا:۱۶۲)

حضرت صالحؑ کا فرمان ہے: " فا تقو اللہ واطیعو ن " (الشعرا:۱۴۴)

حضرت شعیبؑ نے کہا:

" انی لکم رسول امین فا تّقو اللہ فا طیعو ن " (شعرا ۱۷۸)

حضرت مسیحؑ نے فرمایا:

" قد جئتکم با لحکمتہ ولا بیّن لکم بعض الذی تختلفو ن فیہ فا تقوا اللہ واطیعو ن " (الزخرف:۶۳)

نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:

لقد کا ن فی رسو ل اللہ اُسو ۃ حسنتہ" " (احزاب:۲۱)

یعنی! تمہارے لیے پیغمبر خدا کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کے اتباع کو حبِ الٰہی سے مشروط کر دیا گیا:

"قل ان کنتم تحبوُّ نَ اللہ فا تبعو نی یُحببکُم اللہ " (آل عمران:۲۱)

"لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

Marfat.com

صاحب وحی کی اطاعت دین کا بنیادی ستون ہے اور اس سے روگردانی خدا سے روگردانی کے مترادف ہے۔ اس لیئے رسول ﷺ کا منصب صرف وحی پہنچانا نہیں بلکہ زندگی کے معاملات میں لوگوں کی عملی طور پر راہنمائی کرنا بھی ہے۔ صاحب وحی پر دونوں کی طرح کی وحی یعنی وحی جلی اور وحی خفی نازل ہوتی ہے۔ اس لیئے بعض انبیاء ایسے بھی مبعوث ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب نہیں اتری تھی۔ لیکن وہ وحی کے مبداء فیض سے ایسے ہی سیراب ہوئے جیسے کہ دوسرے انبیاء ہوتے رہے۔ اس لیے یہ سمجھنا چاہیئے کہ صاحب وحی حق تعالیٰ کا محض فرستادہ نبی نہیں بلکہ ایسی ہستی ہے جسکے کردار کا ہر پہلو لوگوں کیلئے قابل تقلید ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ پیغمبر کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں۔

ا۔ بشری حیثیت :۔ صاحب وحی عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا، سوتا جاگتا اور کوچہ و بازار میں چلتا پھرتا ہے۔

"قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (حٰمٓ سجدہ:٦)

''کہہ دیجئے کہ بے شک میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں''

"اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ"

(ابراھیم:١١)

''واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔''

مشیت ایزدی اسکے ہر معاملے میں نگہبان ہوتی ہے اور لغزش و خطا سے اسکی محافظت کرتی ہے۔ صاحب وحی کا دائرۂ کار لوگوں کی اصلاح اور انکے ایمان کی آبیاری ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دنیاوی معاملات کے بارے میں ایک رویہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن مختلف علوم و فنون کی باریکیوں کے بارے میں راہنمائی نہیں دیتا۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے دیکھا

Marfat.com

کہ ایک عرب کھجور کے درختوں پر نر مادہ کے بیج ملا رہا ہے (یعنی Pollination کر رہا ہے)۔ حضورؐ نے اسے منع فرمایا۔ لیکن جب اس سال کھجور کی فصل اچھی نہ ہوئی تو انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا: 'انتم اعلم منی بامور دنیا کم'۔ تم امور دنیا کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ اسی طرح جنگ بدر میں آپ ﷺ نے ایک جگہ قیام کیلئے پسند فرمائی۔ لیکن صحابہؓ کے نزدیک تکنیکی اور فنی اعتبار سے یہ جگہ صحیح نہیں تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا'' کیا یہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے یا برنبائے وحی آپ ﷺ اس جگہ کو پسند فرما رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ'' یہ میری ذاتی رائے ہے''۔ اسپر صحابہؓ نے اس جگہ کی بجائے دوسری جگہ پڑاؤ کیلئے تجویز کی جو دفاعی لحاظ سے زیادہ مناسب تھی۔ آپؐ نے ان کا مشورہ قبول کرلیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی معاملے میں اگر نبی ﷺ اپنی شخصی اور بشری حیثیت میں کوئی ایسی رائے دیتے جو مناسب اور موزوں نہ ہوتی تو صحابہؓ اسکی اصلاح کردیا کرتے تھے۔ طب، زراعت، جنگ اور دیگر معاملات زندگی میں آپ ﷺ ماہرین کی آراء کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

۲۔ اجتہادی حیثیت:۔ بعض معاملات میں صاحب وحی کو واضح احکام اور راہنمائی کے اصول نہیں ملے ہوتے۔ ایسی صورت حال میں وہ اپنے اجتہاد اور رائے سے راہِ عمل کا تعین کرتا ہے۔ ایک عام مجتہد کے اجتہاد سے صاحب وحی کا اجتہاد مختلف ہوتا ہے۔ عام مجتہد کوئی ایسی سنگین غلطی کرسکتا ہے جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوں۔ لیکن صاحب وحی سے اول تو غلطی کا امکان ہی نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی لغزش اس سے سرزد ہونے بھی لگے تو اللہ تعالیٰ اس پر فوراً تنبیہہ کردیتے ہیں۔ دراصل وحیٔ الٰہی پیغمبر کے فکر ونظر میں اسطرح سرایت کر جاتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی واضح ہدایت کے نہ ہوتے ہوئے بھی جو فیصلہ کرتا ہے وہ رضائے الٰہی کے عین مطابق ہوتا ہے مثلاً

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِیْ السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا" (البقرہ:۱۴۴)

یعنی! ہم تیری اس ادا کو دیکھتے تھے کہ پلٹ پلٹ کر آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے تو ہم

Marfat.com

اسی قبلہ کی طرف تمہارا رخ کیے دیتے ہیں جو تجھے پسند ہے''۔ اسطرح نبی ﷺ کی یہ خواہش کہ کعبہ ہی بیت المقدس کی بجائے قبلہ بن جائے، پوری ہوگئی۔

لیکن بعض معاملات میں نبی ﷺ کے اجتہاد کی اصلاح بھی کر دی گئی (16) مثلاً بدر کے قیدیوں کے بارے میں دو رائیں تھیں۔ ایک یہ کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ نبی ﷺ عام عفو و درگزر کے تقاضے سے انہیں چھوڑ دینا چاہتے تھے۔ لیکن قرآن حکیم نے دوسری رائے کے حق میں فیصلہ دیا:۔

ما کان لنبیٍّ ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الآخرة والله عزیز الحکیم " (الانفال:۶۷)

یعنی'' نبی کو نہیں چاہیئے کہ وہ اپنے پاس رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ کے ہاں چاہیئے آخرت کا اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔'' مزید برآں عبداللہ بن ام مکتوم کا واقعہ بھی اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسلام کی بہتری کیلئے جو سوچا وہ اگرچہ خلوص پر مبنی تھا لیکن اللہ جو کہ دلوں کے بھید جانتا ہے، آپ ﷺ متنبہ کر دیا کہ کفار کا اسلام لانا مستبعد ہے (17)۔

۳۔ نبی کی حیثیت:۔ صاحب وحی اپنی اس حیثیت میں بشری و اجتہادی حیثیتوں کو بہت نیچے چھوڑ کر نبوت کے ایک ایسے بلند ترین مقام پر ہوتا ہے جہاں اسکے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ رضائے الٰہی کا غمّاز ہوتا ہے۔ صاحب وحی کی اس حیثیت میں کوئی دوسرا آدمی تو درکنار خود صاحب وحی بھی ردّ و بدل یا ترمیم و اضافہ نہیں کر سکتا:۔

" قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ " (یونس:۱۵)

یعنی'' کہہ دیجئے مجھے اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے قرآن کو بدل ڈالوں۔ میں تو

صرف اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ میں تو نافرمانی کی صورت میں بڑے دن کے عذاب سے خوف محسوس کرتا ہوں۔''

صحابہ کبارؓ آپ کی ان تینوں حیثیتوں کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نبی کی حیثیت سے کوئی بات فرماتے تو سبھی سرِ تسلیم خم کر دیتے خواہ وہ بات انہیں کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرتی۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تقسیم بھی محض سمجھنے کیلئے ہے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کے فکر و نظر کو وحیٔ الٰہی نے اسطرح مستنیر کر رکھا تھا کہ ان کے تمام اقوال ویسے ہی واجب الاطاعت ہیں جیسے کہ احکام قرآنی۔ ایک دو موقعوں پر حق تعالیٰ نے جو اصلاح اور تنبیہہ فرمادی اس سے پتہ چلتا ہے کہ باقی تمام معاملات میں فرمودات رسول کو مکمل تائید ایزدی حاصل تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال خطا اور لغزش سے پاک اور منزّہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ کی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا گیا۔ خدا کے بعد جتنا زیادہ احترام، عقیدت اور محبت رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے ہوگی اتنے ہی کسی کے درجات و مقامات بلند ہونگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لغوی مفہوم میں سلسلہء وحی ہمیشہ سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ لیکن اپنے مخصوص اصطلاحی مفہوم میں یہ سلسلہ حضور ﷺ کے بعد ہمیشہ کے لیئے بند کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کی سورہ الاحزاب میں یہ واضح طور پر فرما دیا گیا:

" وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ " اَبَآ اَحَدٍ مِّن رِّجَا لِكُم وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً " (۳۳:۴۰)

''(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!''

Marfat.com

(۱۳) ختم نبوّت:

یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی تھے تمام صحابہ کبار اور تمام علمائے امت کا متفقہ عقیدہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جب کسی نے بھی دعوائے نبوت کیا ہے، مسلمانوں نے اسکے ساتھ جنگ کی ہے (18)۔

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت تب پیدا ہوتی ہے، جب مندرجہ ذیل چار صورتوں میں سے کوئی صورت پیدا ہو جائے:

(ا) کسی نبی کو کسی دوسرے نبی کے ساتھ بطور مددگار بھیجا جائے۔

(ج) کسی قوم میں پہلے کوئی نبی نہ آیا ہو، نہ ہی کسی دوسری قوم کے نبی کا پیغام اس قوم تک پہنچا ہو۔

(د) کسی قوم میں ایک نبی مکمل تعلیم لے کر نہ آیا ہو اور اسکی جزئی ہدایت محتاج تکمیل رہ گئی ہو۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت میں گزشتہ انبیاء کی تعلیمات اپنی تکمیل کی آخری حد کو پہنچ گئی تھیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا جسکی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ قرآن حکیم کے متن میں نہ تو آپ ﷺ کے زمانے میں ذرّہ برابر ردّ و بدل ہو سکا اور نہ ہی بعد کے زمانے میں ہوا۔ بلکہ صدیوں کے مرور کے ساتھ ساتھ اسکی حفاظت کا نظام مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ احادیث کے عظیم الشّان ذخیرے کی تدوین کے علاوہ اسماء الرجال کی بنیاد پر احادیث کے استناد و صحت کے تعین کا بھی ایک بے مثل نظام وضع ہوا۔ چنانچہ قرآن و احادیث کے آئینے میں ہر دور کا مسلمان نبی کریم ﷺ کے زمانے کا عکس دیکھ سکتا ہے اور اپنے مخصوص حالات کیلئے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہذا نبی ﷺ پر سلسلہ نبوت سر بمہر کر دیا گیا یعنی مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔

حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں تمدن و ثقافت میں اتنی ترقی ہو چکی تھی کہ گزشتہ تمام

Marfat.com

جزئی اور نامکمل شریعتوں کو ایک دفعہ مکمل طور پر مدوّن کر کے ابدالآباد کیلئے محفوظ و مامون کر دیا جانا ممکن ہو چکا تھا۔ بقول علامہ اقبال رسول اللہ ﷺ از منہء قدیم اور عہدِ جدید کی درمیانی سرحد پر کھڑے تھے (19)۔ جہاں تک وحی جیسے ذریعہ علم و ہدایت کا تعلق ہے آپ ﷺ از منہء قدیم سے متعلق تھے۔ لیکن جہاں تک آپ ﷺ کی تعلیمات کا تعلق ہے آپ ﷺ دور جدید کے نقیب تھے کیونکہ عقل و خرد کے استعمال، انفس و آفاق پر غور، تجربہ و مشاہدہ سے استفادہ اور تاریخی حقائق سے عبرت پذیرائی ایسے عناصر ہیں جو نہ صرف اسلامی تعلیمات کی اساس ہیں بلکہ جدید انسان کی تعمیر بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا پیغام کسی ایک قوم کیلئے نہیں، بلکہ تمام انسانیت کیلئے ہے اور ایک دور کیلئے نہیں بلکہ قیامت تک کیلئے ہے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ختمِ نبوّت دراصل بنی نوع انسان کیلئے آزادی اور حریتِ فکر کا پیغام ہے۔ قدیم انسانی معاشرے رسوم و رواج اور حکمرانوں کی غیر مشروط اطاعت کی بنیادوں پر قائم تھے۔ قبائلی عصبیّتیں، رنگ و نسل کے امتیازات، علاقائی وابستگیاں اور بادشاہوں سے وفاداریاں ایسے ستون تھے جن پر قدیم معاشرتی ڈھانچہ استوار تھا۔

یہی وجہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتوں میں جس امر پر زیادہ زور دیا جاتا تھا وہ غیر مشروط اطاعت تھی۔ عذاب کا خوف اور آخرت میں اچھی زندگی کی امید ایسے عناصر تھے جو معاشرتی تشکیل و تنظیم میں خاص کردار ادا کرتے تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قدیم حدود و قیود (Sanctions) جنہوں نے سماجی اکائیوں کو سہارا دیا ہوا تھا، آہستہ آہستہ ٹوٹ کر بکھر رہی تھیں۔ اب اس امر کی ضرورت ابھر رہی تھی کہ لوگ بجائے اندھی وابستگیوں، شخصی وفاداریوں، معجزوں اور خارقِ عادت مظاہروں کے عقل و فکر پر زیادہ سے زیادہ انحصار کریں۔ آنے والے زمانے میں دائیں کی بجائے بائیں دماغ کے فروغ و ارتقاء کے امکانات پیدا ہو رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عقلی و فکری روّیوں کو اپنانے پر جتنا زور دیا گیا ہے۔ قدیم

مذاہب میں اتنا نہیں دیا گیا۔ آنے والا زمانہ سائنس اور استقرا کا زمانہ تھا۔ اس لیے جبلّت اور وحی سے راہنمائی کا براہ راست سلسلہ بند کر دیا گیا۔ ختم نبوّت سے سماجی تنظیم کے پرانے طریقوں کو ترک کر کے انسانوں کو عقل وخرد پر انحصار کرنے کی ترغیب دی گئی۔

مسلم اقوام کیلئے یہ سہولت فراہم کر دی گئی کہ وہ توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے کو اپنا کر اپنے اپنے مخصوص حالات وظروف میں مصروف عمل رہ سکیں۔ مسلمان ایک طرف سرچشمہ وحی اور ہدایت خداوندی سے فیضیاب ہو سکتے ہیں اور دوسری طرف عقل وخرد کی رفعتوں کو بھی چھو سکتے ہیں۔ ایمانیات اور اعتقادات کا نظام صدیوں کے مرور سے غیر متاثر رہتا ہے۔ لیکن اجتہاد کی صورت میں ایک ایسا حرکی اصول اسلام کے اندر رکھ دیا گیا ہے کہ یہ دین عہد بعہد اور قرن بہ قرن جدید سے جدید تر بصیرتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا رہتا ہے۔

ختم نبوّت کا عقیدہ اگر نہ دیا جاتا تو وحدت بشری کا نصب العین اور تمام بنی نوع انسان کی نجات کا تصوّر ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ مختلف قوموں میں مختلف نبی آتے اور شریعتوں اور سنّتوں کے اختلافات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ ختم نبوّت سے قدیم سلسلہ رشد و ہدایت کو کلیتہً بند کر دیا گیا۔ کیونکہ پرانی گروہ بندیوں کے رنگ ڈھنگ متروک ہو چکے تھے۔ اور زمانے کی نئی کروٹوں سے سماجی وسیاسی تنظیم کے یکسر نئے تقاضے ابھرنے والے تھے۔ اسی وجہ سے اسلام نے قدیم دور سے رابطہ منقطع کر کے عقل وبصیرت اور تجربہ ومشاہدہ کا نیا باب کھول دیا جس سے عہدِ جدید تک رسائی آسان ہو گئی جدید سائنس کے فروغ کیلئے مسلمان حکماء وفلاسفہ نے جو خدمات سرانجام دی تھیں، انکا اعترِاف اہل یورپ بھی کرتے ہیں۔

(۱۴) وحی کی پرکھ:

رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت ورسالت کی صداقت کو جانچنے کے لیے یوں تو ہر

زمانے میں کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن اس سلسلے میں جتنی زیادہ کوششیں خود رسول ﷺ کے زمانے میں ہوئی تھیں اور کسی زمانے میں نہ ہوئیں اور جو کسوٹی آپ ﷺ کے زمانے میں مقرر کر دی گئی وہی آنے والی زمانے کیلئے بھی کافی ثابت ہوئی۔ نبوت و رسالت کی جو سب سے بڑی پرکھ قرآن نے مقرر کی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء لوگوں کی اصلاح اور فلاح کیلئے کسی قسم کے معاوضے کے طلبگار نہیں ہوئے۔

" اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُم اَجْرًا " (یسین : ۲۱)

''تم ان کی پیروی کرو جو تم سے اجر طلب نہیں کرتے۔''

جب رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت کی خبریں عرب کے علاوہ اردگرد کی بڑی ریاستوں مثلاً شام، مصر، حبشہ، ایران وغیرہ میں پھیلیں تو لوگوں نے اس دعوٰی کو مختلف زاویوں سے جانچنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس ضمن میں ہراقلیوس (ہرقل) کا وہ استفسار خاص اہمیت کا حامل ہے جو اس نے حضور ﷺ کے دعوائے نبوت کو سن کر کیا تھا۔ ۶ھ میں وحیہ کلبی حضور ﷺ کا نامہ مبارک لے کر شام کے بازنطینی فرمانروا ہرقل کے دربار میں پہنچے۔ ہرقل نے نامہ مبارک سننے کے بعد پوچھا کیا شہر میں عربوں کا کوئی تجارتی قافلہ موجود ہے؟ سرکاری عمال نے بتایا کہ ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ ہرقل نے اس قافلے کے سرکردہ ارکان کو دربار میں طلب کیا، اس قافلے کے سربراہ ابوسفیان تھے۔ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا، ''محمد ﷺ تمہارے ہی درمیان پلے بڑھے ہیں۔ کیا تم نے انہیں کبھی دروغ گوئی کا مرتکب پایا ہے؟'' ابوسفیان نے کہا ''نہیں! بلکہ وہ اپنی قوم میں صادق اور امین کے لقب سے جانے جاتے ہیں''۔ تب ہرقل نے کہا:

"سالتك هل كنتم تتهمو نه با لكذب قبل ان تقو ل ماَقال فذ كر ت ان لا: فقد اعرف انه لم يكن ليذد الكذب على النا س ويكذب على الله "
(بخاری ج:۱)

Marfat.com

''میں نے تجھ سے یہ بھی دریافت کیا ہے: کبھی اس کے اس دعوای سے قبل تم نے اس کو جھوٹا پایا ہے؟ تم نے کہا کبھی نہیں! تب میں نے یہ یقین کرلیا کہ جو ہستی انسانوں پر جھوٹ بولنے پر آمادہ نہ ہو وہ کبھی خدا پر جھوٹ نہیں بول سکتی۔''

قرآن حکیم میں بھی نبی کریم ﷺ کے دعوائے نبوت کی تصدیق کے حوالے سے یہ بڑی دلیل دی گئی:

"فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ط اَفَلَا تَعقِلُوْن "(یونس ۱۶)

''میں اس سے (دعوائے نبوت سے) پہلے تم میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟''

صفا کے ٹیلے پر جب آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اگر میں کہوں کہ ٹیلے کے پرلی طرف دشمنوں کی فوج ہے، تو تم مان لو گے؟ ،لوگوں نے کہا کہ ضرور! کیوں کہ آپ ﷺ صادق اور امین ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے خدا نے رسول منتخب کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تبلیغ کروں کہ خدائے واحد کے احکامات کو مانو اور اسکی اطاعت کرو! اگر اطاعت نہیں کرو گے تو تم پر بلا نازل ہوگی۔'' اس پر لوگوں نے آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کردیا اور ناراض ہوکر چلے گئے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ نے شروع ہی سے جو کسوٹی اپنے دعوائے نبوت کی پرکھ کیلئے لوگوں کے سامنے رکھی تھی وہ خود انکے اپنے بے داغ سیرت وکردار کی کسوٹی تھی۔اسی پر ہرقل نے انکی نبوت کے دعوٰی کو پرکھا اور اسی کسوٹی پر لوگ وحی الٰہی کو شعوری یا لاشعوری طور پر پرکھتے رہے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ یہی کسوٹی تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے تمام دنیا کے اصحاب فکر ونظر کے سامنے موجود ہے کہ جو بھی چاہے جسطرح چاہے نبوتِ محمدی کو اس پر پرکھ کر دیکھ لے۔

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ سے پہلے جو انبیاء علیہم السّلام آیا کرتے تھے انہیں خصوصی طور پر کچھ مافوق الفطرت نشانیاں یا معجزے عطا ہوا کرتے تھے۔ معجزہ ساحری، نظری بندی یا کسی قسم کی شعبدہ بازی سے یکسر مختلف ہے کیونکہ موخر الذکر کی تعلیم و تربیت بطور فن کے ممکن ہے، جب کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اللہ کی عادتِ جاریہ کے خلاف رونما ہونے والے کسی واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے لیکن اسکا ظہور انتہائی مخصوص اور استثنائی حالات میں ہوتا ہے۔ اسکے بطورِ فن فروغ پذیر ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعض حالات میں تو خود پیغمبر کو اسکے وقوع پذیر ہونے کا مکمل یقین نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون کے دربار میں جب ساحروں نے اپنے ساحرانہ فن اور نظر بندی کا مظاہرہ کیا تو حضرت موسیٰ قدرے خوفزدہ ہو گئے۔

" فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی "(طٰہٰ:۶۷)

''(اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا''

تب ساحروں نے یہ جان لیا کہ یہ ہماری قبیل کا آدمی نہیں ورنہ یہ ہمارے کرتبوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا اور نظر بندی کے مظاہرے سے خوفزدہ نہ ہو جاتا۔ پھر اللہ نے حضرت موسیٰ ؑ سے فرمایا کہ موسیٰ ڈرو نہیں اور اپنا عصا ڈال دو۔ حضرت موسیٰ ؑ نے ایسا ہی کیا۔ عصائے موسیٰ ؑ فی الحقیقت ایک بڑا اژدھا بن گیا اور جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔ یہاں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو بشری خوف لاحق نہیں ہوا تھا۔ اللہ نے پہاڑ پر ''لاتخف'' کہہ کے ایسے خوف کا پہلے ہی ازالہ کر دیا تھا۔ فرعون کے دربار میں انہیں یہ خوف لاحق ہوا تھا کہ کہیں جادوگروں کے مقابلے میں کلمۂ حق پست نہ رہ جائے۔ اسی لیئے فرمان الٰہی ہوا "لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی "(طٰہٰ:۶۸) ''یعنی! ڈرو مت! تم ہی اونچے ہو کر رہو گے!''

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ معجزہ ہمیشہ اللہ کے فرستادہ نبی کے دعووں کی تصدیق و تائید کے طور پر رونما ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کسی جھوٹے انسان کیلئے معجزہ رونما نہیں کرتے۔ صاحبانِ وحی

علیہم السلام لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اور خدا کی نافرمانی کی صورت میں انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے۔ چنانچہ ان انبیاء کو جہاں نشانیاں اور معجزے ملتے تھے وہیں انکی وعید بھی پوری ہو جاتی تھی یعنی نافرمان قوموں پر عذاب بھی نازل ہوتے تھے۔ یہ سب کچھ فرستادگان خدا کے دعووں کی تصدیق میں ہوتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لوگ معجزات کا مطالبہ کیا کرتے تھے:

" وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۰۔۹۳)

(اور انہوں نے کہا ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیئے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے۔ یا تیرے لیئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے۔ یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیئے سونے کا ایک گھر بن جائے۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اے محمدؐ! ان سے کہو پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟)

Marfat.com

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء ورسل کی بنیادی حیثیت پیغمبر کی ہوتی تھی اور انہیں نظر بندی، ساحری یا کرشمہ سازی سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی وہ اپنی مرضی سے معجزے ظاہر کرتے تھے۔ ان کے ذمہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہوتا تھا۔ لیکن جب دلیل اور ترغیب کے حربے ناکام ہو جاتے یا کافر تمرد وطغیان میں آمنے سامنے چیلنج کر دیتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نہ کوئی معجزہ تصدیق نبوت کے طور پر رونما ہوتا۔

نبی کریم ﷺ سے بھی لوگ معجزوں کیلئے طرح طرح کے مطالبات کیا کرتے تھے۔ لیکن قرآن حکیم کا یہ استدلال بڑا معقول ہے کہ جو سامنے کہ بات تسلیم نہیں کرتا وہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے گا۔ لہذا بالعموم قرآن حکیم نے معجزات کے مطالبوں کی حوصلہ شکنی کی ہے اور لوگوں کے عقل وشعور اور وجدان وادراک کے حوالے سے انکی راہنمائی کی ہے۔ بایں ہمہ متعدد معجزات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ خدائی کام اور خدائی کلام دونوں انسان کے حیطہء قدرت سے باہر ہیں۔ انسان اپنی عظیم الشان ترقی کے باوجود بھوسے کا ایک تنکا، گھاس کی ایک پتّی یا اناج کا ایک دانہ بھی تخلیق کرنے پر قادر نہیں۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ط"

(بقرہ:۲۶)

"اللہ اس سے ہرگز محجوب نہیں ہوتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی مثال دے"

"اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ ط" (حج:۷۳)

"جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے"

جسطرح کوئی خدائی صنعت کی ادنیٰ ترین اور حقیر ترین مثل تیار نہیں کر سکتا اسی طرح کلام الٰہی کے کسی چھوٹے سے ٹکڑے کی نظیر بھی پیش نہیں کر سکتا:

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" (بقرہ ۲۳)

"اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اسکی مانند ایک ہی سُورت بنالاؤ۔"

قرآن کے پیش کردہ چیلنج کا چودہ سو سال سے کوئی جواب پیش نہیں کر سکا۔ قرآن نے معجزات طلب کرنے کی اگر چہ حوصلہ شکنی کی، لیکن ساتھ ہی ایک معجزہ بصورت قرآن حکیم پیش بھی کر دیا۔ لوگوں نے وحی الٰہی کو ہر ہر طرح سے پرکھا لیکن اس نتیجہ کے سوا کوئی اور نتیجہ اخذ نہ کر سکے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے۔ جس وقت نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا تو لوگ اسے طرح طرح سے پرکھتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کو آ کر قرآن سکھا جاتا ہے۔ "اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ الْبَشَرٌ" (النحل: ۱۰۳) کفار کا اشارہ ابن الحضرمی کے نصرانی غلام جبر کی طرف تھا جو تھوڑی بہت انجیل اور تورات پڑھ سکتا تھا۔ قرآن میں کہا گیا کہ اس کی زبان تو عجمی ہے وہ حضور ﷺ کو فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کیسے سکھا سکتا ہے؟ اس الزام کے کھوکھلے پن سے مکہ کا ہر شخص آگاہ تھا۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے سیرت النبی ﷺ ابن ہشام ج: ۴۴۳) پھر وہ اس کو سحر کہتے تھے لیکن عرب کے لوگ سحر سے بھی واقف تھے کیونکہ ان میں جھاڑ پھونک کا رواج عام تھا اور قرآن حکیم تو خود بخود انکے جنتر منتر سے جدا ثابت ہو جاتا تھا۔ کبھی وہ اسکو شاعری قرار دیتے تھے۔ لیکن اس سے بھی بات نہیں بنتی تھی کیونکہ عربوں سے بڑھ کر شاعری کو اور کون پہچان سکتا تھا۔ اسی لیئے ارشاد ہوا:

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" (یٰسٓ: ۶۹)

Marfat.com

''ہم نے انہیں شعر نہیں سکھایا اور یہ (شاعری) انکے شایان شان بھی نہیں۔''

اگر چہ نبی ﷺ کی ذات بابرکات سے متعدد معجزوں کا صدور ہوا لیکن اگر ہم صرف ایک معجزہ 'قرآن حکیم' کو ہی لے لیں تو کافی ہے۔ یعنی وحی الٰہی اپنی تصدیق کی خود ہی کسوٹی ہے۔ وہ لوگ جو کسی مافوق الفطرت مظہر ہی کو اپنے ایمان کی اساس بنانا چاہتے ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ ایک ایسا شخص جو اپنے ہاتھ سے نہ لکھ سکتا ہو اور نہ ہی لکھا ہوا پڑھ سکتا ہو، ایک ایسی لازوال کتاب کیسے تخلیق کر سکتا ہے جو آنے والے تمام زمانوں کیلئے رہنما ہو۔

" وَمَا كُنتَ تَتلوُا مِن قَبلِهِ مَن كِتَابٍ وَّلَاتَخُطُّهِ بِيَمِينِكَ اذَ لاَّ دَتابَ المُبطِلُونَ " (العنکبوت : ٤٨)

''نہ تو تم قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بے شک باطل پرستوں کو کچھ شک وشبہ کی گنجائش ہوتی۔''

عرب میں حضور ﷺ کی بعثت کے وقت نہ مدرسے تھے اور نہ کتب خانے اور نہ ہی کسی طرح کا نظام تعلیم رائج تھا۔ لکھنا پڑھنا بہت کم لوگ جانتے تھے۔ اگر کچھ ایسے لوگ موجود بھی تھے تو انکی لکھنے پڑھنے کی مہارت بڑی سطحی تھی۔ سارے کام زبانی روایت سے چلتے تھے۔ ایسے میں ایک ان پڑھ شخص کی زبان سے اتنا بلند پایہ، بے نظیر اور پُر حکمت کلام جس میں اعلیٰ درجے کے علمی واخلاقی موضوعات کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات بھی پیش کر دیئے گئے ہوں۔ اپنی سچائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

" هُوَ الّذِى بَعثَ فِي الُامِيِّنَ رَسوُلا مّنِهُم يَتلوُا عَليهِم اٰيتِهِ وَ يُزَكّيِهم و يُعَلّمُهُمُ الكتٰبَ وُالحِكمتَ ق وَاِن كاَنُوا مَن قَبلُ لَفِي

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ (الجمعه: ٢)

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

قرآن حکیم میں ان تاریخی واقعات کا حوالہ بھی ملتا ہے جو فراموش کیئے جا چکے تھے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ (هود: ٤٩)

''اور (اے پیغمبر) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو وحی کے ذریعہ سے ہم تم کو پہنچاتے ہیں اس (قرآن کے نازل ہونے) سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ ہی تمہاری قوم کے لوگ۔''

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ (يوسف: ١٠٢)

''(اے پیغمبر!) یہ غیب کی چند باتیں ہیں جن کو ہم وحی کے ذریعہ سے تمہیں معلوم کرواتے ہیں (اور یہ تمہاری صداقت کی دلیل ہے) ورنہ جس وقت یوسف کے بھائیوں نے اپنا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ (کہ یوسف کو کنویں) میں ڈال دیں اور وہ (اسکی ہلاکت) کی تدبیر کررہے تھے تو تم ان کے پاس موجود نہ تھے (یہ حالات تم کو بطورِ خود معلوم ہوجاتے)''

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (شوریٰ: ٥٢)

Marfat.com

''اور اسی طرح ہم نے تیری جانب اپنے 'امر' میں سے 'روحِ امر'' کی وحی بھیجی حالانکہ اس سے قبل تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اسکو (قرآن کو) نور (روشنی) بنایا ہے۔ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اسکو اس کے ذریعہ سے راہ دکھاتے ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) بلاشبہ تو (لوگوں کو) سیدھی راہ کی جانب ہدایت کرتا ہے۔''

قرآن حکیم نے یہاں یہ واضح طور پر بتادیا ہے کہ ماضی کے حالات کا بیان اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر اتارا گیا وہ حق ہے ورنہ آپ ﷺ از خود ماضی کی کہانی بیان نہیں کر سکتے تھے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جو پیش گوئیاں وقت سے بہت پہلے کی گئیں وہ لفظ بہ لفظ درست ثابت ہوئیں۔ مثال کے طور غلبہ روم کی پیش گوئی۔ اور پھر قرآن حکیم کی حفاظت کا دعویٰ جو آج تک صحیح چلا آرہا ہے۔ مزید برآں قرآن حکیم کا اسلوب شروع سے آخر تک ایک جیسا ہے جس سے ایسا لب ولہجہ ہویدا ہے کہ اسے کسی انسان کا کارنامہ نہیں کہا جاسکتا۔ پھر قرآن کے مطالب باہمد گر متعارض نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تائید وتوثیق کرتے ہیں۔ نثر اور شاعری کی تمام اقسام کی نسبت اسے یاد کرنا بہت آسان ہے۔ قرآن کے الفاظ نہایت آسانی سے زبان پر چڑھ جاتے ہیں اور یاد ہو جاتے ہیں۔ ان چند ایک امور کے علاوہ بے شمار ایسی داخلی و خارجی شہادتیں ہیں جن سے وحی الٰہی کی صداقت کی تصدیق ہو جاتی ہے (20)۔ یہ بات نہایت حیران کن ہے کہ ہر زمانے کی بصیرت قرآن حکیم کی تصدیق کے کچھ ایسے گوشے منوّر کرتی رہی ہے جو قبل ازیں نظروں سے اوجھل ہوتے تھے۔ چنانچہ مرورِ ایام سے وحی الٰہی داستان پارینہ بننے کی بجائے جدید تر صداقتوں سے مزیّن ہو کر سامنے آتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ اس بات پر قادر تھے کہ آسمان سے کوئی کتاب بردار فرشتہ اتار دیتے، یا انگوروں

Marfat.com

اور کھجوروں کا کوئی ایسا باغ بنا دیتے۔ لیکن یہ سب وقتی اور عارضی معجزے ہوتے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے حوالے سے انکی ذرا سی بھی قدر و قیمت نہ تھی۔ یہ کتنے ہی مخیر العقول اور خارقِ عادت کیوں نہ ہوتے، زمانے کی ایک ہی کروٹ انہیں فراموش کی تاریکی میں دھکیل دیتی۔ لیکن اس کے برعکس جو معجزہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا وہ نہ صرف دائمی خیر و برکت کا سرچشمہ ثابت ہوا بلکہ اسے قیامت تک کیلئے زندہ و جاوید اور ہدایت و راہنمائی کا مینارِ نور بنا دیا۔ یہ معجزہ قرآن حکیم ہے، جسے پڑھنا، سننا، پڑھانا، اپنے پاس رکھنا، اسے مس کرنا، اسکی حفاظت کرنا حتیٰ کہ اسکی طرف دیکھنا بھی عبادت میں شامل ہے۔ اس سے بڑا خارقِ عادت معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی صدیوں سے خون بن کر مسلمانوں کے رگ و پے میں گردش کر رہی ہے، دل بن کر انکے سینوں میں دھڑک رہی ہے اور نورِ ہدایت بن کر انکے فکر و نظر کو روشن کر رہی ہے۔

آخر میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے بیان کردہ اس دہرے معیار کا ذکر کر دیا جائے جو انہوں نے وحی الٰہی کو پرکھنے کے لیئے پیش کیا ہے۔ علامہ اقبال اپنے خطبات میں کہتے ہیں کہ وحی الٰہی کو جانچنے کیلئے ایک عقلی آزمائش (Intellectual Test) ہے اور ایک افادی یا نتائجیتی آزمائش (Pragmatic Test) ہے۔ عقلی آزمائش سے علامہ کی مراد یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے علمی اکتشافات بالآخر ہمیں انہی نتائج کی طرف لے جاتے ہیں جو کہ وحی الٰہی کی بنا پر پیش کیئے جاتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ ثابت کیا جائے کہ ظاہری اختلافات کے باوجود مذہب اور عقل و فکر کے مابین اساسی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ افادی آزمائش سے انکی مراد وہ عملی نتائج ہیں جو کہ وحی الٰہی کے اتباع میں معاشرے کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر اور عقلی و فکری توجیہہ و تعبیر عقلی آزمائش سے تعلق رکھتی ہے جو فلاسفہ اور حکماء کا مابہ الامتیاز ہے اور اسکی افادی آزمائش انبیاء علیہم السلام معاشرے کے اندر

Marfat.com

صحت مند انقلاب لا کر عملی طور پر پیش کرتے رہے ہیں (21)۔

O

Marfat.com

بارہواں باب

تیرہ برس

فترت وحی کے بعد جب تجدید وحی ہوئی تو پھر تواتر سے ہدایت الٰہی کا نزول شروع ہو گیا۔ جمیلہ زوجہ، ابولہب نے حضور ﷺ کو طعنہ دیا تھا کہ محمد (ﷺ) پر آنے والا شیطان بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دلاسہ دیا کہ نہ تو اس نے آپ ﷺ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ آپ ﷺ سے ناراض ہے (سورہ والضحیٰ ملاحظہ ہو) اس سے آپ ﷺ کو بہت تسکین ہوئی اور تائید ایزدی کے یقین نے آپ ﷺ کے حوصلے بلند کر دیئے۔ بھری دنیا میں آپ ﷺ کی زوجہ خدیجہؓ ہی تھیں جو آپ ﷺ کی غمگسار تھیں اور راہ حق پر آپ ﷺ کی ہمسفر تھیں۔ چنانچہ خدیجہؓ ہی وہ ہستی ہیں جو نہ صرف سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں بلکہ جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے ہی آپ ﷺ کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی تھی اور نبوت و رسالت کے بارگراں کو اٹھانے میں آپ ﷺ کی مدد کی تھی۔ اس لیئے خدیجہؓ کا درجہ اتنا بلند ہے کہ ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ جبرائیل نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ نے خدیجہؓ کے لیئے سلام بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سلام سیدہ کو پہنچایا تو وہ کہنے لگیں: ''اللہ تو خود سلام ہے! جبرائیل کو بھی میری طرف سے سلام!''

نبی کریم ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاءؑ 'امّی' نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس لیئے حضرت موسیٰؑ کو ایک دفعہ ہی سارے فرامین عطا کر دیئے گئے۔ مزید برآں انبیاء ماقبل کا مشن بھی نبی ﷺ کے فرائض سے نسبتاً آسان ہوا کرتا تھا۔ ایک نبی کے ذمہ کوئی نہ کوئی مخصوص کام ہوا کرتا تھا۔ مثلاً موسیٰؑ کے ذمہ اپنی قوم کو نکال کر لے جانا تھا یا حضرت عیسیٰؑ کے ذمہ صرف حکمِ

Marfat.com

الٰہی قوم تک پہنچا دینا تھا۔ ایک نبی اپنی قوم کی کسی ایک اخلاقی برائی کی اصلاح کیلئے آتا تو دوسرا نبی کسی دوسری برائی کی اصلاح کیلئے بھیجا جاتا۔ لیکن نبی ﷺ کے ذمہ تو بنی نوع انسان کے مجموعی کردار کو سنوارنا تھا۔ امی ہونے کے ناتے ہدایات بھی یکلخت نہیں بھیجی گئیں بلکہ تدریجاً موقع محل کی مناسبت سے ان کا نزول ہوتا رہا۔ اس ضمن میں ہم تبلیغ کے تین دائرے مقرر کر سکتے ہیں۔

(ا) پہلا دائرہ:

جب آپ ﷺ کو حکمِ انذار ملا ہے تو آپ ﷺ کے سامنے اتنا مشکل اور حوصلہ شکن کام تھا کہ اس کے تصور سے ہی آدمی دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ اہلِ قریش کو جو انتہائی ضدّی، سرکش اور تند خو لوگ تھے اسلام کی طرف مائل کرنا یونہی تھا جیسے بنجر چٹانوں اور بھاری پتھروں سے اَٹی ہوئی سنگلاخ وادی کو ہری بھری کھیتی میں بدل دینے کا عزم کر لیا جائے۔ نبی ﷺ نے ایک عمر ان لوگوں میں بسر کی تھی۔ وہ ان کے رنگ ڈھنگ اور عادات واطوار سے خوب واقف تھے۔ انہیں علم تھا کہ مذہبی رسوم اور کعبہ کی تولیت کو انکی معاشی زندگی میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیئے بت پرستی سے روکنا اور جاہلانہ رسوم سے باز رکھنا ان کے منہ سے نوالہ چھین لینے کے مترادف تھا۔ یہ وہ عرب تھے جو جہالت کی رسموں میں اتنے راسخ ہو چکے تھے کہ انتقام در انتقام کے چکر میں وہ بچے پیدا کرتے، انہیں جوان کرتے اور پھر انہیں اپنی عداوتوں کی آگ میں جھونک دیتے۔ ان لوگوں کی اصلاح ۔۔۔۔۔۔۔ اور وہ بھی ایک برائی کی نہیں بلکہ پوری سیرت وکردار کی قلبِ ماہیت ۔۔۔۔۔۔ یقیناً ایسے ہی تھا جیسے پتھر کی رگوں سے آبِ حیواں نچوڑ لینے کا عزم کر لیا جائے۔ آپ ﷺ جب اپنے مفوّضہ کام کی نوعیت پر غور فرماتے تو آپ ﷺ کو اس میں کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر نظر آتے۔ سوچ سوچ کر آپ ﷺ بیمار پڑ گئے۔ لیکن خدیجہؓ جو پہلے بھی آپ ﷺ کی حقیقی مونس وغمگسار تھیں اور زندگی

Marfat.com

کے اس نئے سفر میں بھی آپ ﷺ کے شانہ بہ شانہ چل رہی تھیں، تکمیلِ فرائض کے سلسلے میں برابر آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ پر ایمان لانے والی پہلی خاتون ہیں اسکے بعد مردوں میں حضرت علیؓ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ حضرت علیؓ حضور ﷺ کے پاس ہی رہتے تھے۔ ایک دن وہ باہر سے آئے تو خدیجہؓ اور آپ ﷺ کو نماز ادا کرتے دیکھا۔ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو دعوتِ اسلام دی۔ علیؓ کہنے لگے کہ میں کل والد ابو طالب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ اسکے بعد وہ سو گئے۔ صبح اٹھے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور کہا:

"لقد خلقنی الله من غیران یشاور ابا طالب فماحاَجتی الیٰ مشا ورته لاء عبد الله"

''اللہ نے مجھے ابو طالب سے مشورہ کیئے بغیر پیدا کیا۔ میں اسکی عبادت کیلئے اپنے باپ سے کیوں مشورہ حاصل کروں۔''

اسکے بعد زیدؓ بن حارث جو کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ جو زمانہ جاہلیت سے ہی آپ ﷺ کے رفیق خاص تھے، مسلمان ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کی شخصیت مکہ میں بہت اہم اور با اثر تھی۔ اسلام لانے سے قبل ہی وہ بہت عفیف اور راست گو تھے۔ وہ جب اسلام لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ انہی کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (فاتح ایران) اور حضرت طلحہؓ ایمان لائے۔

اسکے بعد کچھ اور لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے جن کے نام مورخین نے یوں لکھے ہیں:۔

ابو ذر غفاری، ابو عبیدہ، ابو سلمہ، الارقم بن ابی الارقم، عثمان بن تعضون، عبیدہ بن الحارث، سعید بن زید، فاطمہ بنت خطاب، اسماء بنت ابی بکر، قدامہ بن مضعوف، عبداللہ بن تضعون،

ابن الارث ،عمیر بن ابی وقاص ، عبداللہ بن مسعود، مسعود بن قاری ،سلیط بن عمر ،عیاش بن ابی ربیعہ ،اسماء بنت سلمہ ،خنس بن قذافہ ،عامر بن ربیعہ ،عبداللہ بن جحش ،ابواحمد جحش ،جعفر ابن ابی طالب ،اسما بنت عمیس ،خالد بن البکر ، عامر بن البکر ، عمار بن یاسر ،جہیت ابن سنان ، حاطب بن الحارث ، ازہر بن عبد مناف ، ابوحذیفہ ،واقد بن عبداللہ ،نعیم بن عبداللہ ،مطلب بن ازہر بن عبد مناف ،نکیہ بن یسار ، رملقہ بنت ابی عوف ،السائب بن مضعون ، عامر بن فہیرہ ، خالد بن سعید ۔

تبلیغ کا کام نہایت احتیاط سے خفیہ طور پر جاری رکھا گیا ۔نماز کی ادائیگی کے لیئے یہ لوگ شہر کے باہر گھاٹیوں میں چلے جاتے ۔ایک دفعہ ابو طالب نے کچھ مسلمانوں کے ساتھ آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو بہت حیران ہوئے ۔لیکن انہوں نے آپ ﷺ کو اپنا کام جاری رکھنے کی اجازت دے دی اور خود مسلمان ہونے سے معذرت کر لی ۔شروع شروع میں دو رکعت نماز صبح اور دو رکعت نماز شام فرض ہوئی تھی ۔صبح کی نماز آپ ﷺ عموماً حرم کعبہ میں ادا کرتے کیونکہ یہ نماز قریش بھی پڑھا کرتے تھے ۔

مسلمان ہونے والے اکثر لوگ وہ تھے جو پہلے سے ہی تلاش حق میں سرگرداں تھے یا پھر نبی ﷺ کی شخصیت و کردار سے متاثر تھے ۔تاہم ان میں کوئی بھی کعبہ کا منصب دار نہ تھا ۔یہ سلسلہ تین برس تک جاری رہا ۔چنانچہ خفیہ تبلیغ کا یہ پہلا دائرہ تھا جس میں اسلام کے پنپتے ہوئے پودے کی نہایت احتیاط اور محنت سے آبیاری کی گئی ۔

(۲) دوسرا دائرہ:

جب خفیہ تبلیغ کے تین برس گزر گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

" وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

Marfat.com

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۱۴ ۲۱۶)

''(اے پیغمبر!) اپنے رشتہ داروں (نزدیک ترین قرابتداروں) کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے اور اپنے مومن پیروؤں کیلئے حسن سلوک جاری رکھیئے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے کہنے پر عمل نہ کریں تو اس عمل میں ان سے بے زاری کا اعلان فرما دیجئے۔''

نبی کریم ﷺ نے اس حکم کی تعمیل میں جب اپنے قریبی رشتہ داروں پر نگاہ ڈالی تو اپنے چچاؤں میں سے ابو طالب کو ہمدرد پایا۔ لیکن وہ عمر کے اس حصے میں تھے کہ تبدیلی مذہب انکے لیئے اب ممکن نہ تھی۔ ابو طالب کا بھائی ابولہب مکہ کا نہایت مالدار تاجر تھا۔ وہ ہر معاملے کو نفع و نقصان کے حوالے سے دیکھتا تھا۔ اسکی بیوی کا نام اارد یٰ تھا اور کنیت ام جمیل تھی۔ یہ نہایت بد دماغ، خودسر اور لالچی عورت تھی، البتہ شاعری (بالخصوص ہجو گوئی) میں اسے ناموری حاصل تھی۔ ام جمیل کا مکان نبی ﷺ کے مکان سے متصل تھا اور آپ ﷺ کی دو بیٹیاں ابولہب کے بیٹوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ دونوں بیٹیوں رقیہ اور کلثوم کو ام جمیل اور ابولہب کے دباؤ پر انکے شوہروں نے طلاقیں دے دیں۔ حضرت خدیجہ کو اس کا سخت صدمہ ہوا۔ نبی کریم ﷺ کو امید نہ تھی کہ انکا یہ حریص اور طامع چچا آپ ﷺ کی دعوت کا کوئی مثبت جواب دے گا۔ آپ ﷺ کے تیسرے چچا حمزہ تھے جو پہلوان تھے۔ زندگی کا مطلب انکے نزدیک ورزش، کشتی اور شکار تھا۔ وہ ہر اس شخص کو حقیر سمجھتے تھے جو ورزش اور پہلوانی سے شغف نہ رکھتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے امید نہ تھی کہ وہ اخلاقی اور روحانی معاملات کی طرف متوجہ ہونگے۔ چوتھے چچا عباس تھے جنہیں سودی لین دین سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اپنے سرکردہ اعزہ سے کسی مثبت ردعمل کی امید نہ تھی، پھر بھی آپ ﷺ نے سب کو فرمانِ الٰہی پہنچانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس مقصد کے لیئے انہوں نے حضرت علیؓ کو دعوت طعام کا اہتمام کرنے کا حکم دیا۔ چالیس آدمیوں کو آپ ﷺ نے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے خدا کی

Marfat.com

حمد وثنا کی اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ آپ ﷺ کے خطاب کے دوران ابولہب بڑبڑاتا رہا اور پھر وہ سب کو ورغلا کر وہاں سے لے گیا۔ کچھ دنوں بعد آپ ﷺ نے دوبارہ ایسی دعوت کا اہتمام کیا اور کھانے کے بعد فرمایا:

"ما اعلم انساناً فی العرب جاء قو مه بافضل مما جئتکم به قد جئتکم بخیر الدّنیا والآخر ة وقد امر نی ربیّ ان ادعو کم الیه فا یکم یو ازدنی علیٰ هذاالامر؟"

''اہل عرب میں سے آج تک کوئی مجھ سے بہتر پیغام نہیں لایا۔ یہ پیغام دنیا اور عقبیٰ دونوں کی بھلائی کا ہے۔ اس پیام میں اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں آپ میں سے کون میرا پیام قبول کرتا ہے؟''

آنحضرت ﷺ کے اس خطاب پر تمام حاضرین بڑبڑاتے ہوئے اپنے گھروں کو جانے کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صرف حضرت علیؓ رہ گئے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہر طرح کی مدد کرنے کا اعلان کیا۔ مہمان رسول اللہ اور حضرت علیؓ کا مضحکہ اڑاتے ہوئے چلے گئے۔

آپ ﷺ نے سوچا کہ اسطرح بات نہیں بنی تو مجھے کسی اور طرح سے لوگوں کو اکٹھا کر کے پیغام الٰہی دینا چاہیئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر تمام بطون قریش کو نام لے لے کر پکارا۔ اہل مکہ میں یہ طریقہ تھا کہ کسی نے کوئی اہم اعلان کرنا ہوتا تو وہ صفا پر چڑھ کر منادی کرتا۔ صفا مکہ میں ایک ٹیلہ ہے جسے اہل عرب پہاڑ کہتے ہیں اس زمانے میں یہ قدرتی اسٹیج کا کام دیا کرتا تھا۔ جب نبی ﷺ نے قریش کے سرکردہ لوگوں اور خاندانوں کو وہاں بلایا تو سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اس دفعہ آپ ﷺ نے طریق کار تھوڑا سا بدل دیا اور انکے منہ سے اپنے بارے میں حق بات کہلوائی۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف دشمن کی

Marfat.com

فوج ہے تو تم یہ تسلیم کرلو گے؟ سب نے بالاتفاق کہا ''ضرور! اس لیئے کہ ہم نے ہمیشہ آپ ﷺ کو صادق اور امین پایا ہے۔'' اسکے بعد آپ ﷺ نے انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی اور کہا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ اس مرتبہ بھی آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا اور کہنے لگا:

" تباً لك سائر هذا ليوم ! الهذا جمعتنا ؟ "

''ارے تو سدا برباد رہے! ایسے کام کے لیئے تو نے ہمیں بلایا ہے؟

آپ ﷺ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ کو شاید امید نہ تھی کہ آپ ﷺ کی دو بیٹیوں کا سسر اور آپ ﷺ کا چچا یوں کہے گا۔ مجمع ابولہب کے کہنے پر منتشر ہوگیا۔ اسکے تھوڑی دیر بعد ہی آپ ﷺ پر وحی آئی (1)۔

"تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَاكَسَبَ ؕ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ" (۱۱۱:۱-۳)

''اے پیغمبر! ابولہب خود ہی سدا کے لیئے برباد ہوگیا۔ اسکا مال اور اسکی کوشش کوئی اسکی یاوری نہ کرسکیں گے۔ اس کو عنقریب ایسی آگ سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے شعلے اسے بھسم کرڈالیں گے۔''

(۳) تیسرا دائرہ:

شروع میں مکہ کے مشرکین نے آنحضرت ﷺ کے پیغام کو سنجیدگی سے نہ لیا۔ کچھ لوگ خاموش رہے، کچھ نے تمسخر اڑایا اور کچھ نے سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کا سلسلۂ تبلیغ چند دنوں بعد خود ہی ختم ہو جائے گا۔ دراصل اب تک نبی ﷺ نے محدود حلقوں میں تبلیغ کی تھی۔ لیکن اب نیا حکم آیا:

" فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ " (١٥ : ٩٤)

Marfat.com

''آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کیجئے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجئے۔''

آپ ﷺ نے اب برملا تبلیغ شروع کر دی۔ مختلف مقامات پر جا کر خدا کا پیغام پہنچاتے۔ جہاں کچھ لوگ اکٹھے نظر آتے، آپ ﷺ وہاں پہنچ کر کچھ آیات قرآنی تلاوت فرماتے اور انہیں خدائے واحد کی طرف بلاتے۔ انہی دنوں حج کا موسم قریب آ گیا تھا۔ مشرکین کو فکر لاحق ہوئی کہ عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ حج کیلئے آئیں گے تو انہیں نئے دین کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ لہذا انہوں نے ایک ہنگامی اجلاس بلا کر نبی ﷺ کی تبلیغ کے بڑھتے ہوئے اثرات کو زائل کرنے کیلئے مختلف تجاویز پر غور کیا۔ کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو کاہن مشہور کر دیا جائے۔ کسی نے کہا کہ انہیں شاعر کہا جائے۔ کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو پاگل قرار دے دیا جائے۔ کسی نے تجویز پیش کی آپ ﷺ کو ساحر کی حیثیت دے دی جائے۔ وہ لوگ خود بھی یہ بات خوب سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ پر کوئی الزام بھی صادق نہیں آتا۔ تاہم ولید بن مغیرہ کی تجویز پر کہ آپ ﷺ کو جادوگر قرار دیا جائے سب کا اتفاق ہو گیا کیونکہ بقول انکے اس شخص نے گھر گھر پھوٹ ڈلوا دی تھی اور باپ بیٹے کو لڑوا دیا تھا (2)۔ سورۂ مدثر کی آیات (11 تا 26) اس وقت نازل ہوئی تھیں، ان میں ولید بن مغیرہ کی پریشانی کا تذکرہ ہے۔

حج کے زمانے میں حسب سابق لوگ دور دور سے آئے۔ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں میلے لگے۔ نبی ﷺ نے حاجیوں کے درمیان تبلیغ کا کام نہایت تن دہی سے جاری رکھا۔ ابو لہب خود آپ ﷺ کا پیچھا کرتا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے پیغام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک شخص کو انہوں نے خاص طور پر حیرہ بھیجا تھا جہاں سے وہ ایرانی لوک کہانیاں سیکھ کر آیا تھا۔ آپ ﷺ جہاں تبلیغ کیلئے جاتے یہ وہاں پہنچ کر ایرانی قصے کہانیوں میں انہیں الجھانے کی کوشش کرتا۔ مزید برآں انہوں نے خوبصورت رقاصاؤں اور مغنیاؤں کا انتظام بھی کیا تاکہ وہ ہر اس جگہ جہاں نبی ﷺ جائیں، راگ رنگ محفل برپا کریں تاکہ لوگوں کی توجہ پیغام حق سے

Marfat.com

منعطف ہو جائے۔ لیکن اس مہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جتنی تبلیغ نبی ﷺ نے مثبت پیرائے میں فرمائی، اس سے کہیں زیادہ تبلیغ منفی انداز میں ہی سہی خود مشرکین مکہ نے کر دی۔ چنانچہ حج کے بعد جب لوگ اپنے اپنے علاقوں کی طرف لوٹے تو ایک نئے دین کی اطلاع لے کر گئے جس کے داعی محمد ﷺ تھے۔ دعوت اسلام اب مقامی دائرے سے نکل کر قومی بلکہ بین الاقوامی دائروں میں پھیلنے لگی تھی۔

اعلانیہ اور عام تبلیغ سے مکہ کی سماجی زندگی میں ہلچل مچ گئی۔ اہل قریش صدیوں سے جن بتوں کی پرستش کرتے چلے آئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کی پرزور اور کھلم کھلا تکذیب شروع کر دی۔ بات صرف بتوں کی نہ تھی۔ دراصل ان بتوں سے ان کے معاشی مفادات وابستہ تھے۔ لوگ دور دور سے انکی زیارت کو آتے اور ان کے سامنے نذریں مانتے، مرادیں مانگتے اور چڑھاوے چڑھاتے۔ اس سارے عمل میں قریش کی سیادت کو تقویت پہنچتی تھی۔ نبی ﷺ کی تعلیمات سے اہل قریش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی۔ شروع شروع میں تو وہ صرف آوازیں کستے، مضحکہ اڑاتے یا اوباش لڑکوں کو پیچھے لگا دیتے۔ لیکن جب بتدریج مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو انہیں حقیقی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حرم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ کہ کئی لوگ تلواریں سونت کر آپ ﷺ پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن حارث بن ابی ہالہ آپ ﷺ کے اور قاتلوں کے درمیان آ گئے اور سارے وار اپنے اوپر سہے۔ خون زیادہ بہہ گیا اور حارث شہید ہو گئے۔ اسطرح یہ راہ حق کے پہلے جاں نثار بنے۔ (اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ)

(۴) قتلِ نبی ﷺ سے گریز کی وجوہ:

یہاں قدرتی طور پر ایک غیر عرب قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اہل قریش کو نبی ﷺ کی تعلیمات سے اتنا ہی خطرہ محسوس ہو رہا تھا تو وہ آپ ﷺ کو بآسانی قتل

Marfat.com

کروا سکتے تھے۔ مکہ میں انکا اختیار و اقتدار مسلّمہ تھا۔ وقتی اشتعال کے تحت اگر ایک دفعہ ان پر قا
تلانہ حملہ ہوا تو اس کے بعد کیوں نہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قریش کے لیئے آپ ﷺ کا قتل کوئی آسان بات نہ تھی۔ ورنہ وہ جس طرح کے سرکش اور تند خو لوگ تھے اپنے اتنے بڑے مخالف کو ایک لمحہ کیلئے برداشت نہ کرتے۔ آپ ﷺ کے قتل سے گریز کی پہلی وجہ تو عرب کے قبائلی نظام کی وہ ساخت تھی جس پر صدیوں سے عرب کی سیاسی و سماجی زندگی استوار تھی۔ قبائلی نظام میں فرد معاشرے کے ساتھ قبائلی عصبیت کی ڈور میں بندھا ہوتا ہے۔ گزشتہ باب ''قدیم عرب بدویت اور مدنیت'' میں ہم یہ تفصیل سے جائزہ لے آئے ہیں کہ ایک عرب کی سماجی زندگی کا تمام تر دارومدار قبائلی عصبیت پر ہوتا تھا۔ اگر کسی قبیلے کا کوئی شخص مارا جاتا یا اس پر ظلم ہوتا تو اس کی حمایت میں پورا قبیلہ اٹھ کھڑا ہوتا اور ''العَینُ بالعین'' اور ''السِّنُّ بالسِّن'' کے قدیم ترین اصول کے تحت جنگ شروع ہو جاتی۔ جنگ کے یہ شعلے بعض اوقات سالہا سال بھڑکتے رہتے اور متحارب قبیلوں کے افراد ان میں بھسم ہوتے رہتے۔ انتقام لینا قبائلی زندگی کی سب سے بڑی سماجی قدر تھی۔ اس لیئے قبیلہ بدر کر دینے کی سزا قتل سے بھی بدتر اور شدید تر سمجھی جاتی تھی۔ قبیلے سے نکالے ہوئے شخص کو کہیں بھی امان نہ مل سکتی۔ اسے یا تو تپتا ہوا صحرا مار دیتا یا اسے بے یارہ مددگار پا کر کوئی شخص ہلاک کر دیتا۔ لیکن یہی شخص اگر کسی قبائلی سردار کے خیمے کی طناب پکڑ کر امان طلب کرتا اور اسے موالی یا حلیف کا درجہ حاصل ہو جاتا تو یہ اسکی خوش قسمتی ہوتی کیونکہ اسطرح ایک پورا قبیلہ اسکی پشت پناہی پر آ جاتا اور اسکے خون کی حرمت دوبارہ قائم ہو جاتی۔ صحرا میں سفر کرتے ہوئے اگر کوئی اس سے اسکی قبائلی نسبت پوچھتا تو وہ فخر سے بتا سکتا تھا۔ قبائلی نسبت عرب کی سماجی زندگی میں ایک قسم کے تحفظ کی ضمانت یا پاسپورٹ کا درجہ رکھتی تھی۔ جس شخص کی پشت پر کسی قبیلے کی حمایت نہ ہوتی، اسے اگر کوئی تفریحاً بھی مار ڈالتا تو اسکا بدلہ لینے کوئی نہ آتا۔ اسکے برعکس اگر کسی قبیلے کا کوئی رکن

Marfat.com

مارا جاتا تو اس سے اہل قبیلہ کی خواہ کتنی ہی رنجش ہوتی ،اسکا انتقام لینے کے لیئے پورے قبیلے کے افراد کمر بستہ ہو جاتے ۔ان حالات میں قریش کیلئے نبی ﷺ کو قتل کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ کیونکہ بنو ہاشم کی حمایت انکی پشت پر تھی بلکہ آپ ﷺ کو ان قبائل کی حمایت بھی حاصل ہوتی جا رہی تھی جن کے افراد بتدریج آپ ﷺ کی تحریک میں شامل ہو رہے تھے۔

جنگ فجار نے پہلے ہی قریش کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی ۔اب وہ ایک نئی بین القبائلی جنگ کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ابھی اس عظیم مصیبت کی یاد بھی انکے حافظہ میں تازہ تھی جو ابرہہ کے لشکر کی صورت میں ان پر نازل ہوئی تھی ۔اس سے اگرچہ وہ معجزانہ طور پر بچ نکلے تھے لیکن انہیں اپنی کمزوری کا شدت سے احساس ہو چکا تھا۔خانہ جنگی کا مطلب تھا مکمل تباہی ۔ادھر انکی معیشت بھی بڑی مشکل سے مستحکم ہوئی تھی ،اس لیئے بھی وہ باہمی عداوت کے شعلوں کو نہیں بھڑکانا چاہتے تھے۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر جو امر اہل قریش کو انتہائی اقدام سے باز رکھ رہا تھا۔وہ نبی ﷺ کا ذاتی وقار اور پختہ کردار تھا۔اکثر لوگ آپ ﷺ کے ساتھ دلی عقیدت رکھتے تھے اور جمادلایعقل کے پرستار ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا احترام کرتے تھے۔انہی لوگوں کی طرف قرآن حکیم میں اشارہ کیا گیا ہے:

"وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ" (انعام ۲۶)

"یعنی آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی سے تو لوگوں کو منع کرتے لیکن آپ ﷺ کے دعوائے نبوت سے دور رہتے تھے۔

ان حالات میں اہل قریش نے آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی حوصلہ شکنی کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اقدام قتل سے باز رہے۔

Marfat.com

(۵) ابو طالب سے شکوہ:

جب آوازے کسنے اور تمسخر اڑانے سے بھی کام نہ چلا تو ابو طالب کے پاس شکایت لے کر پہنچے۔ ابو طالب نے نرم سمجھاؤ اختیار کیا اور انہیں دم دلاسہ دے کر واپس بھیج دیا۔ لیکن جب اسلام کا دائرۂ اثر مسلسل پھیلتا گیا تو اہل قریش کی ایک باقاعدہ سفارت ابو طالب کے پاس پہنچی۔ اکثر رئیس اس سفارت میں شامل تھے مثلاً عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ۔ انہوں نے سختی سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکیں۔ ابو طالب نے جب یہ دیکھا کہ پانی سر سے گزرنے والا ہے تو وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور دبے لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھ میں اکیلے قریش کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں۔ شفیق چچا کو سرپرستی سے ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"عمّ والله لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یسادی علیٰ ترك هذا الامر حَتی یظهر الله واهلك فیه مَا ترکته"

''اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو جب تک یہ کام غالب نہ ہو جائے یا میں خود ہلاک نہ ہو جاؤں میں اسے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔''

آپ ﷺ کے عزم و ارادہ اور صداقت سے ابو طالب بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے ''جا! کوئی شخص بھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

(۶) تحریر و تدوین قرآن:

نبی ﷺ نے نزولِ قرآن کے شروع دنوں سے ہی اسے ضبطِ تحریر میں لانے کے

لیے خصوصی اہتمام و انتظام شروع کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے گزشتہ صحف کی طرح اس میں تحریفات ہوں یا یہ کلیۃً تلف ہو جائے۔ چنانچہ بقول ابن اسحٰق:

" اذا نزل القرآن علی رسول اللہ ﷺ قراہ علی الرجال ثم علی النساء "

"یعنی جب بھی آپ ﷺ پر کوئی آیت قرآنی نازل ہوتی تو آپ ﷺ پہلے اسے مردوں کو پڑھ کر سناتے پھر عورتوں کو۔"

نبی ﷺ نے عورتوں کو خصوصیت سے تعلیم قرآن دینے کا بندوبست کیا تھا۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ جو تعلیم بچوں کو اپنی ماؤں کی گود میں ملتی ہے اسکا مقابلہ کوئی اور تعلیم نہیں کر سکتی۔

عرب میں اکثر معاملات زبانی روایت سے چلتے تھے۔ بعض عورتوں اور مردوں کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ ان میں کچھ تو ایک دفعہ سننے سے یاد کر لیتے تھے اور بعض کو دو تین دفعہ سننے کے بعد یاد ہو جاتا۔ مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں طور پر حفظِ قرآن کا اہتمام کیا گیا۔ آپ ﷺ کسی کاتب کو بلا کر اسے خود املا کراتے، پھر اس سے سنتے اور اگر ضرورت محسوس کرتے تو اسکی تصحیح فرماتے اور سورتوں کی ترتیب بھی متعین کرتے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ قرآن کے کتابت شدہ اوراق کو اپنے گھروں میں رکھیں۔ مسلمانوں کو مزید ہدایت یہ بھی کی گئی تھی کہ نمازوں میں قرآن کی سورتوں کی تلاوت کیا کریں۔ ہر رمضان میں جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ سے دورۂ قرآن کرواتے۔ ادھر آپ ﷺ نے اہل افراد کو یہ اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ لوگوں سے قرآن سنیں، انہیں پڑھائیں اور اسکی املا کرائیں۔ اسطرح قرآن حکیم جتنا جتنا نازل ہوتا گیا فوراً ہی لوگوں کے سینوں میں اور کاغذ اور چمڑے وغیرہ کے ٹکڑوں پر محفوظ ہوتا چلا گیا۔ مزید احتیاط کیلئے نبی ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب وہ رمضان میں دورۂ قرآن کریں تو لوگ اپنے اپنے نسخے ساتھ لائیں اور انکی اصلاح کرتے رہیں۔ چنانچہ لوگ

Marfat.com

اپنے مخطوطات لاتے اور اصلاح کرتے۔اس عمل کو''عرضہ'' کہا جاتا تھا(3)۔آخری عرضہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ نے اپنی وفات سے چھ ماہ قبل پورا قرآن حکیم پڑھ کر سنایا تھا(4) (بخاری کتاب ا۔باب اص ٦)۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ لوگوں نے آپ ﷺ کے فرامین کو ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیا تھا۔لیکن اوّلاً آپ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرما دیا کہ مبادا تحریر قرآن سے یہ خلط ملط ہو جائے۔پھر اس وقت جب قرآن ضبط تحریر میں آچکا اور ہر اعتبار سے محفوظ ہو گیا تو آپ ﷺ نے تحریر حدیث کی اجازت دے دی(5)۔

(۷) تحریص وترغیب:

جب استہزا،نفرت اور رشتہ داری کا دباؤ بھی نبی ﷺ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکا تو قریش نے ایک اور حربہ آزمایا۔تجارت اور نفع ونقصان کا کاروبار کرنے والوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ تھی کہ ہر شخص کی کوئی قیمت لگائی جا سکتی ہے۔چنانچہ انہوں نے نہایت غور وخوص کے بعد عتبہ بن ربیعہ کے ذریعہ سے حضور ﷺ کو تحریص وترغیب دینے کا فیصلہ کیا۔عتبہ کی خاندانی وجاہت اور فہم وفراست کے سب قائل تھے۔رؤسائے قریش کو قوی امید تھی کہ عتبہ کے توسط سے معاملہ طے ہو جائے گا اور محمد ﷺ کو منہ مانگی قیمت ادا کر کے اسلام کے بڑھتے ہوئے خطرہ کا ہمیشہ کیلئے استیصال کر دیا جائے گا۔عتبہ حضور ﷺ کے پاس جا کر کہنے لگا:

"یا بن اخی!انك مناحیث قدعلمت اتیت من المکان فی النّسب وقد اتیت قو مك بامر عظیم فر قت به جما عا تهم فا سمع منیّ اعراض علیك امو ر٦ لعلك تقبل بعضها۔"

''اے برادرزادۂ من!آپ تمام قریش میں عالی نسب تو ہیں مگر آپ نے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔امید ہے کہ آپ ان

Marfat.com

میں سے کوئی ایک منظور فرمالیں گے:

۱۔ ان کنت انك تر يد بهذا ا لا مر مالاً جمعنا لك من اموا لنا حتى تكون اكثر نا مالا.

۱۔ ''اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا مقصد مال سمیٹنا ہو تو ہم لوگ آپ کے لیئے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ عرب میں آپ سے بڑا کوئی تونگر نہ ملے۔''

۲۔ ''وا و ان كنت ترید تشر يفا سو د ناك علينا فلا نقطع امرا دونك.''

۲۔ ''اگر یہ نیت ہو کہ آپ ﷺ سارے عرب کے سردار بن جائیں تو ہم برضا و رغبت آپکی سیادت قبول کرنے پر تیار ہیں۔''

۳۔ ''وان كنت ملكا ملكناك علينا.''

۳۔ ''اگر آپ ﷺ بادشاہت کے طلبگار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔''

۴۔ ''وان كان الذى يا تيك رئيا تراه لا تستطيتع ردّه عن نفسك طلبنا ك الطبّ و بذ لنا فيه امو النا حتى تبرأ.''

۴۔ ''اگر آپ ﷺ آسیب زدہ ہیں اور اسکے علاج کے طالب ہیں تو فرمایئے ہم لوگ از خود طبیب اور اسکا معاوضہ مہیا کر سکتے ہیں'' (6)۔

جب عتبہ خاموش ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا:

''عتبہ! بس کہ کچھ اور کہنا ہے؟''

عتبہ نے کہا:

''بس! اس قدر عرض کرنا تھا!''

رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ کے بعد سورہ السجدہ کی ابتدائی ۴۱ آیات تلاوت فرما

دیں۔ عتبہ سحر زدہ سا بیٹھا سنتا رہا۔ پھر وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

" وان تترك للعرب محمد أفان تغلبت عليه استر حت قريش وان انبعته فلها فخا دها۔"

یعنی!'' محمد کو مہلت دی جانی چاہیئے اگر عرب ان پر غالب آ گئے تو قریش کو خود بخود ان سے (رسول اللہ ﷺ سے) نجات مل جائے گی۔ اور اگر عرب ان کے تابع ہو گئے، تو فخر قریش کیلئے ہوگا۔'' اس پر قریش کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور وہ بدترین ایذا رسانی پر اتر آئے۔

(۸) سلسلۂ ایذا رسانی:

مشرکین مکہ نے مسلمانوں اور آنحضرت ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ ابولہب کی بیوی کا نام اردیٰ تھا اور ام جمیل کی کنیت سے مشہور تھی۔ یہ ہجویہ اشعار بھی کہتی تھی۔ اسکا مکان نبی ﷺ کے مکان سے متصل تھا۔ جب کبھی آپ ﷺ گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو یہ اوپر سے بکری کی اوجھ یا انتڑیاں وغیرہ آپ ﷺ کے اوپر پھینک دیتی۔ آپ ﷺ کسی لکڑی پر یہ غلاظت اٹھاتے اور گھر کے باہر پھینک دیتے اور بلند آواز میں فرماتے ''اے عبد مناف! یہ کیسی ہمسائگی ہے؟'' ام جمیل اکثر آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتی تا کہ آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ جب سورہ لہب نازل ہوئی تو کسی نے اس سے کہا کہ محمد نے تمہاری ہجو کہی ہے۔ اسپر وہ سیخ پا ہو گئی اور شعلہ جوالہ بنی کعبہ کی طرف گئی جہاں رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ موجود تھے۔ ام جمیل نے ہاتھ میں پتھر پکڑ رکھے تھے۔ کہنے لگے محمد کہاں ہے؟ سنا ہے اس نے میری ہجو لکھی ہے! حضرت ابوبکرؓ نے کہا 'ام جمیل' میں نہیں جانتا کہ محمد ﷺ نے تمہاری ہجو کہی ہے! ابوبکرؓ حیران تھے کہ ام جمیل حضور ﷺ سے مخاطب کیوں نہیں۔ امّ جمیل کہنے لگی ابوبکر سن! میں نے بھی ہجو کہی ہے:

مُذَمَّمًا عَصَينَا وَامرَه اَبَينا ودينَه قَلَّينا!

Marfat.com

یعنی مذمم (مشرکین اپنی نفرت کا اظہار کرنے کیلئے محمد کی بجائے مذمم یعنی مذمت کیا ہوا کہتے تھے) کی ہم نے نافرمانی کی اسکے حکم سے انکار کیا اور اسکے دین کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔

اسکے بعد وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حیران ہو کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "وہ تو آپ ﷺ کو پتھر مارنے آئی تھی اور مجھ سے بات چیت کر کے چلی گئی ہے۔ آپ ﷺ کی طرف اسنے دیکھا تک نہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ مجھے نہیں دیکھ سکی کیونکہ اللہ نے اسکی نظر پکڑ لی تھی۔"

ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن معیط نے آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے کھینچا۔ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر گئے اور شدید چوٹیں آئیں۔ اسی طرح حرم میں ایک دن آپ ﷺ نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل اونٹ کی اوجھ اٹھا لایا اس میں خون اور غلاظت وغیرہ بھری ہوئی تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کا سر مبارک اوجھ کے اندر دے کر تھیلے کی طرح اسکا منہ بند کر کے رسی کو بل دینے لگا۔ عربوں میں قتل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی مروّج تھا۔ ابوجہل بھی اسی طرح دم گھونٹ کر آپ ﷺ کو مار دینا چاہتا تھا۔ کسی نے آپ ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ کو خبر کر دی۔ وہ بھاگتی ہوئی آئیں اور انہوں نے ابوجہل کو پرے دھکیلا اور اوجھ کو آپ ﷺ کے سر سے ہٹایا۔ اپنی اوڑھنی سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک صاف کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کا سانس بحال ہوا تو ان کو گھر لے گئیں۔

یہ تو اس ہستی کا حال تھا جسے بنو ہاشم اور ابو طالب کی حمایت حاصل تھی۔ عام مسلمانوں پر بہت زیادہ مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ حضرت بلالؓ مکہ کے ایک متموّل شخص امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو انہیں سخت دھوپ میں تپتی ریت پر لٹا کر گھسیٹا جاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ امیہ ان سے مطالبہ کرتا تھا کہ وہ اسلام ترک کر دیں۔ لیکن بلالؓ جواب میں 'احد' 'احد' پکارتے۔ انہیں حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد

Marfat.com

کر دیا۔ بعد ازاں نبی ﷺ نے انہیں موذن مقرر کر دیا۔

حضرت سُمَیہؓ ابو جہل کی کنیز تھیں۔ وہ مسلمان ہوئیں تو ابو جہل انہیں بے تحاشہ پیٹتا اور اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن ایذا رسانی کی انتہا کے باوجود وہ راہِ حق سے نہ ہٹیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو پتہ چلا تو ابو جہل کے پاس پہنچے اور سمیہ کو خرید لینا چاہا۔ اس وقت تک وہ مسلمان ہونے والی دو لونڈیوں اور چار غلاموں کو خرید کر آزاد کر چکے تھے۔ ابو جہل نے سُمَیہ کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ قیمت بڑھاتے گئے حتیٰ کہ انہوں نے ابو جہل کو منہ مانگی قیمت کی پیشکش کر دی۔ لیکن ابو جہل راضی نہ ہوا۔ وہ حضرت سمیہؓ کو گھسیٹ کر حرم کعبہ کے سامنے لے آیا اور نیزہ انکے سینے کے آر پار کر دیا۔ پھر ابو جہل، ابو لہب، امّ جمیل اور ابو سفیان نے یہ طے کر لیا کہ آئندہ ابو بکرؓ کے ہاتھ کوئی لونڈی یا غلام فروخت نہ ہونے دیا جائے۔

وقت کے ساتھ ساتھ اہل قریش کی دشمنی آپ ﷺ سے بڑھتی جا رہی تھی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ خانہ کعبہ سے گھر تشریف لاتے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خون آلود نہ ہوتا۔ دشمنانِ اسلام عداوت میں حرم پاک کی تقدیس بھی بھول گئے تھے۔ یہاں ہم نے صرف چند واقعات تشدد اور ایذا رسانی کے لکھے ہیں۔ اگر قریش کے ظلم و ستم تفصیل سے بیان کیئے جائیں تو بڑی ہولناک تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ تفصیلات کتبِ سیرت میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۹) پہلی ہجرت حبشہ ۵ نبوی:

مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے وسط سے شروع ہوا اور آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ نبوت کے پانچویں سال کے وسط تک مسلمانوں پر مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تھی۔ ایک روز نبی ﷺ نے ان سے فرمایا ''بہتر ہے تم لوگ حبشہ کی طرف

Marfat.com

ہجرت کر جاؤ سنا ہے کہ وہاں کا بادشاہ بڑا انصاف پسند ہے۔ وہ تم پر وہاں ظلم نہ ہونے دے گا۔ تم وہاں اس وقت تک رہو جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی بہتری کی صورت پیدا نہ ہو جائے۔''

(ابن ہشام ۱: ۱۴۴)

چنانچہ سورۂ کہف اور سورۂ زمر کا نزول انہی حالات میں ہوا اور ان سے مسلمانوں کو ترک وطن کے اشارے ملے۔

مسلمانوں نے نہایت احتیاط سے خفیہ طور پر حبشہ جانے کا پروگرام بنایا۔ رجب ۵ نبوی میں پہلا گروہ جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں، حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ بن عفان انکے سربراہ تھے۔ انکی اہلیہ اور رسول اللہ کی صاحبزادی رقیہؓ بھی ساتھ تھیں۔ جب یہ قافلہ روانہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے (7)۔ قافلے کے روانہ ہو جانے کے بعد قریش کو اطلاع ملی۔ انہوں نے جدہ کی بندرگاہ شعیبہ تک تعاقب کیا۔ لیکن مسلمانوں کا قافلہ وہاں سے کشتیوں پر پہلے ہی روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ نہ صرف ان کا سکون و اطمینان غارت ہو گیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ایک کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔

(۱۰) واقعہ غرانیق:

صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کیے تین ماہ گزر چکے تھے۔ رمضان شریف شروع ہو چکا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے اور کفار کو سورۂ نجم تلاوت کر کے سنا رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہو گیا۔ طبری نے تاریخ الرسل والملوک اور ابن سعد نے ''طبقات'' میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

جب نبی ﷺ سورہ نجم کو تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے:

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ○ وَمَنٰاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی ○ (۵۳:۱۹-۲۰)

تو الاخریٰ کے لفظ کے بعد آپ ﷺ کی زبان سے قرآن ہی کے لہجے میں یہ الفاظ نکل گئے:

" تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی اِنَّ شَفَاعَتُھُنَّ لَتُرْتَجٰی "

کہ یہ بلند پایہ دیویاں ہیں اور اللہ کے نزدیک انکی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے۔

مزید برآں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب نبی ﷺ اس آیت:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا ○ (۵۳:۶۲)

''اللہ کیلئے سجدہ کرو اور اسکی عبادت کرو۔''

پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ ادا کیا اور کفار نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا۔
طبری اور ابن سعد کی اس روایت سے شدید قسم کی بدگمانیاں پیدا ہوئی تھیں۔

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ عرب ایک اللہ کو تو تسلیم کرتے تھے لیکن اسکے ساتھ انہوں نے بہت سے شریک ٹھہرائے ہوئے تھے۔ ان بتوں اور دیویوں کو وہ وسیلہء نجات سمجھتے تھے۔ لات، عزیٰ اور تیسری منات انکی بڑی بلند پایہ اور حسین و جمیل دیویاں تھیں۔
چنانچہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے وہ یوں تہلیل کرتے:

" اَللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَ مَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی تِلْکَ الْغَرَاَ نِیْقُ الْعُلٰی وَ اِنَّ شَفَاَ عَتُھُنَّ لَتُرْ تَجٰی۔"

''یعنی لات، عزیٰ اور تیسری مناۃ بلند پایہ دیویاں ہیں اور بے شک (اللہ کے نزدیک) انکی سفارش کی امید کی جاتی ہے۔''

Marfat.com

یہ مشرکانہ کلمات تہلیل و مہآواز بلند ادا کرتے ہوئے طواف کیا کرتے تھے۔

مصنف ''مواہب لدنیہ'' نے فرداً فرداً ان تمام روایات کو نقل کیا ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے جب نبی ﷺ ۔۔۔۔۔۔ الاخریٰ کے لفظ پر پہنچے تو شیطان نے انکی زبان سے " تلك الغرانيق العلى وانّ شفاعتهنّ لترتجى " کے کلمات ادا کرا دیئے (8)۔ اس پر مشرکین بہت خوش ہوئے اور تلاوت کے اختتام پر جب آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ محمد (ﷺ) کا قریش سے جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ واقعہ غرانیق کو جن راویوں نے بھی بیان کیا ہے وہ سلسلہ روایت کو نبی ﷺ تک نہیں پہنچا سکے۔ ابن اسحٰق نے تو اس روایت کو یکسر موضوع قرار دیا ہے (9)۔

"انه من وضع الزنادقه"

''یہ واقعہ زندیقوں کی گھڑنت ہے۔''

اسی واقعہ کے بارے میں مورخین متعدد اور مختلف آرار کھتے ہیں۔ کچھ اسے ابن اسحاق کی طرح زنادقہ کا گھڑا ہوا کہتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ واقعہ نبی ﷺ تک مرفوع نہیں، لیکن چونکہ متعدد راویوں نے اسے بیان کیا ہے اس لیئے اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ بعض فتنہ پرداز اور شر پسند عناصر نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وحی الٰہی کے نزول میں شیطانی القا کا تداخل ممکن ہے۔ لیکن اکثر علماء نے درمیانی راستہ اختیار کیا ہے اور نہ تو اسے موضوع قرار دیا ہے اور نہ ہی شیطانی مداخلت کی بات کو تسلیم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ امر بہر حال طے ہے کہ نبی ﷺ کی زبان اقدس سے " تلك الغرانيق العلى ...." کے کلمات ادا نہیں ہو سکتے کیونکہ نزول وحی کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام کیا ہوتا ہے کہ شیاطین وجنات کی اس میں مداخلت نہ ہو سکے۔ اصل

Marfat.com

واقعہ یوں ہوا ہوگا کہ جب نبی ﷺ تلاوت فرماتے ہوئے لات وعزیٰ اور منات والی آیت پر پہنچے تو کسی نے " تلك الغرانيق ..... " کا ٹکڑا لگا دیا ہوگا۔ جو لوگ ارد گرد بیٹھے سن رہے تھے انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ الفاظ نبی ﷺ نے ادا کیئے ہیں۔ لہذا انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ ادا کر دیا کیونکہ ان کے تئیں محمد ﷺ نے بلند پایہ دیویوں کو تسلیم کر کے وجہ نزاع ختم کر دی تھی۔

طبری، واقدی اور ابن سعد نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے تاثر ملتا ہے کہ شیطانی القا کے تحت حضور ﷺ کی زبان سے یہ کلمات ادا ہو گئے تھے۔ اسی سے مغربی معترضین (مثلاً سر ولیم میور) نے غلط پروپیگنڈہ کر دیا کہ مسلمان ہر اس روایت کو جو ان کے نبی کے حق میں ہو تسلیم کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہو اسے موضوع قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔

ولیم میور کے اس اعتراض کا جواب نہایت آسان ہے (10)۔ اگر " تلك الغرانيق العلى " کے الفاظ نبی ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے ہوتے تو یہ ایک نہایت اہم معاملہ قرار پاتا اور متعدد صحابہ اسے ثقہ طور پر روایت کرتے جب کہ ہمیں کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملتی۔ مزید برآں قرآن حکیم میں یہ جو کہا گیا:

و ان كادوا ليفتنونك عن الذى اوحينا اليك لتفترى علينا غيره ٥ و اذا لاتخذوك خليلا ٥ ولولا ان ثبتنك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا ٥ اذا لاذقنك ضعف الحيوة وضعف الممات ثم لا تجد لك علينا نصيرا ٥ (۱۷: ۷۳-۷۵)

"(اے پیغمبر!) قریب تھا کہ مشرکین آپ کو فریب دے کر کلام الٰہی کی تبلیغ سے روک دیتے اور اپنی اس کامیابی میں آپ کا دم بھرنے لگتے مگر ہم نے کرم فرمایا کہ آپ کو ذرہ برابر انکی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ اگر آپ سے یہ لغزش ہو جاتی تو دارین میں آپ کو دو چند عذاب سے دو چار

Marfat.com

کرتے اور ہمارے خلاف آپ کا کوئی مددگار نہ ہوتا۔"

قرآن حکیم کی اس تصریح سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ بتوں کی ستائش میں وہ کلمات شرک نبی ﷺ کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہوئے تھے۔ قرآن نے حضور ﷺ کو اس الزام سے بری قرار دے دیا تھا۔ اس آیت کے بعد کی آیات میں جو مضمون وارد ہوا ہے وہ اس روایت کی تکذیب کے لیئے کافی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کفار اس تضاد معانی کو نظر انداز کر جاتے۔ انلب یہ ہے کہ اپنی خفت مٹانے کے لیئے بعد میں یہ قصہ گھڑ لیا۔ بعد ازاں مشرکین کو بھی اصل حقیقت کا ادراک ہو گیا اور پہلے سے بھی زیادہ دشمنی پر اتر آئے۔

کسی کے ذہن میں یہ شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اسلام سے پہلے شاید آپ ﷺ یہ الفاظ ادا کرتے رہے ہوں اور یہ آپ ﷺ کی زبان پر چڑھ گئے ہوں اور جب لات منات وعزیٰ کا تذکرہ قرآن میں آیا تو اضطراراً آپ ﷺ کی زبان سے کلمات شرک نکل گئے ہوں۔ یہ شبہ یکسر بے بنیاد ہے۔ نبی کریم ﷺ کو بتوں اور دیویوں سے شروع سے ہی سخت نفرت تھی۔ وہ زمانہ ماقبل اسلام میں بھی بتوں کے نام تک لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ لہذا یہ کہنا کہ بتوں کی تحسین میں وہ کلمات آپ ﷺ کی زبان سے اضطراراً نکل گئے انتہا درجہ کی بد دیانتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو حقیقت از خود سامنے آجاتی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے "اَفَرَاَیتُم" کے ساتھ لات وعزی اور مناۃ کے الفاظِ قرآنی ادا کیئے تو مشرکین کو کھٹک گئی کہ اب آپ ﷺ ان بتوں کی مذمت کرنے والے ہیں، لہذا انہوں نے خود" تلك الغرانيق العلىٰ" کے الفاظ ادا کر دیئے اور حضور ﷺ کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ محولہ بالا آیت میں بھی اسکا قرینہ موجود ہے اور ایک اور جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ مشرکین قرآن کی تلاوت کے دوران شور مچایا کرتے تھے تا کہ لوگ صحیح طرح سے سن نہ پائیں۔

" وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

Marfat.com

تَغْلِبُوْنَ (۴۱ ۲۶)

''اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو (اور جب پڑھا یا جائے) تو شور مچا دیا کرو، تا کہ تم غالب رہو!''

بہر حال یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ سرے سے رونما ہی نہ ہوا ہو اور اگر رونما ہوا بھی ہو تو اسطرح رونما ہوا جس طرح اوپر بیان کیا ہے۔ کچھ اصحاب سیر اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے آیہء سجدہ (فاسجدوا للہ واعبدوا) پڑھی اور سجدہ ریز ہوئے تو مشرکین بھی عالم از خود رفتگی میں حضور ﷺ کے ساتھ سجدے میں گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور مطلبؓ بن ابی وداعہ نے بھی اس واقعہ کو یونہی بیان کیا ہے۔ (بخاری، احمد، نسائی) بعد ازاں جب مشرکین کو ہوش آیا کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں تو انہوں نے خفت مٹانے کیلئے مشہور کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ''تِلكَ الغَرانِيق العُلىٰ'' کے الفاظ کہے تھے اس لیئے انہوں نے سجدہ کیا تھا۔

مشرکین و کفار ہر وہ ہتھکنڈہ آزماتے تھے جس سے لوگوں کا اعتبار نبی ﷺ سے اٹھ جائے۔ اس لیئے وہ جھوٹ کے ساتھ سچ کی اسطرح آمیزش کر دیتے تھے کہ سننے والے کا ذہن الجھ جاتا تھا۔ جدید دور میں اس طرح کا ہتھکنڈہ (Disinformation) کہلاتا ہے جس کا سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں خوب استعمال ہوتا ہے۔

بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ واقعہ غرانیق کی خبر حبشہ بھی پہنچ گئی۔ مسلمانوں کو جب یہ پتہ چلا کہ مشرکین اور مسلمانوں کی صلح ہو گئی ہے تو وہ مکہ واپس آ گئے۔ جو سیرت نگار واقعہ غرانیق کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں مہاجرین کی حبشہ سے مراجعت کا سبب حضرت عمرؓ کا اسلام لانا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لے آنے سے انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اب انکے لیئے مکہ میں عافیت کی زندگی کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اس لیئے وہ واپس لوٹ آئے۔ انکی واپسی کا

Marfat.com

محرک کچھ بھی رہا ہو۔ جب وہ عرب کے ساحل پر پہنچے تو انہیں اصل صورت حال کا پتہ چل گیا۔ ان میں سے کچھ تو وہیں سے واپس لوٹ گئے۔ کچھ چھپ چھپا کر مکہ پہنچ گئے اور بعض مشرکین کی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

(۱۱) اسلام حمزہؓ:

حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ سے دو تین سال بڑے تھے۔ چچاؤں میں سے انہیں آپ ﷺ کے ساتھ خاص انسیت تھی۔ تقریباً ہم عمر ہونے کے علاوہ آپ ﷺ اور حمزہؓ رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ دونوں نے ثوبیہؓ کا دودھ پیا تھا حمزہؓ اگرچہ ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے تاہم محمد ﷺ کیلئے انکے دل میں محبت اور پیار کے جذبات میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

حمزہؓ صبح سویرے تیر کمان لے کر نکل جاتے اور شام کو لوٹتے۔ گھر جانے سے پہلے حرم کعبہ میں جاتے اور روسائے قریش سے گپ شپ کرتے۔ ایک روز ابوجہل نے نبی ﷺ کو بہت اذیت دی۔ حمزہؓ کی لونڈی یہ دیکھ رہی تھی۔ حمزہؓ شکار سے لوٹے تو لونڈی نے بتایا کہ آپ کے بھتیجے محمد ﷺ کو ابوجہل نے بہت ایذا پہنچائی ہے۔ حمزہؓ کو بہت صدمہ ہوا۔ اسی طرح تیر کمان پکڑے ہوئے ابوجہل کے پاس پہنچے اور آہنی کمان سے اسے مار مار کر زخمی کر دیا۔ غصے میں کہنے لگے۔ ''کیا تو سمجھتا ہے کہ محمد (ﷺ) کا کوئی چچا، کوئی محافظ نہیں؟ سن لو میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔'' پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا: (ابن ہشام ج ا ص ۳۱۱)

(۱۲) اسلام عمرؓ:

جناب حمزہؓ ۶ نبوی میں اسلام لائے۔ انکے قبول اسلام سے چند روز بعد ہی حضرت عمرؓ بھی مشرف با اسلام ہو گئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت پینتیس برس کے ہو چکے تھے۔ وہ

Marfat.com

قد آور اور قوی ہیکل انسان تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ انتہائی درشت رویّہ رکھتے تھے لیکن دوستوں کیلئے پیکرِ مہر و وفا تھے۔ دیگر مشرکین کی طرح انہیں بھی اسلام کی دعوت سے بڑی چوٹ تھی۔ چنانچہ وہ اکثر مسلمانوں کو زدوکوب بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت لبینہؓ انکی لونڈی تھیں۔ ان کو مار مار کر لہولہان کر دیتے۔ دم لے کر پھر مارنا شروع کر دیتے۔ لیکن وہ بھی انتہائی تشدد کے باوجود اسلام سے منحرف نہ ہوئیں۔

ان دنوں مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ حضرت ارقمؓ کے گھر میں جو کہ صفا کے قریب تھا، مقیم تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ تلوار سونت کر اس نیت سے نکلے کہ وہ آج نعوذ باللہ محمد (ﷺ) کا فیصلہ کر دیں گے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ انکے خاندان کے ایک فرد نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ابھی اسکا انہوں نے اعلان نہ کیا تھا۔ انہوں نے جب عمرؓ کے تیور دیکھے تو ان کا ارادہ بھانپ گئے۔ پوچھنے لگے: عمر! کہاں جا رہے ہو؟ عمرؓ نے جواب دیا ''محمد کو قتل کرنے!'' نعیم بن عبداللہ بولے: ''اگر تو نے محمد ﷺ کو قتل کیا تو کیا عبد مناف والے تجھے زندہ چھوڑیں گے؟ اور پہلے گھر کی تو خبر لو۔'' حضرت عمرؓ حیران ہوئے کہ گھر کی کیا خبر لوں۔ ان کے استفسار پر نعیمؓ بن عبداللہ نے بتایا کہ ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ نعیمؓ بن عبداللہ کو علم تھا کہ صرف اسی طرح عمر کو نبی ﷺ کے ارادۂ قتل سے باز رکھا جا سکتا ہے کیونکہ جو بات حضرت عمرؓ دل میں ٹھان لیتے تھے وہ ہر حال میں پوری کر کے دم لیتے تھے۔ اس لیئے نعیم بن عبداللہؓ نے بالواسطہ طریقے سے حضرت عمرؓ کا ارادہ بدلنے کی کوشش کی۔

حضرت عمرؓ بہن اور بہنوئی کے قبول اسلام کا سن کر آگ بگولا ہو گئے اور غضبناک حالت میں گھر آئے۔ انکی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید مسلمان ہو چکے تھے اور قاری خباب بن الارت سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلاوت کلام پاک کی دھیمی سی

Marfat.com

آواز تو سن لی لیکن سمجھ نہ پائے کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کی دستک پر بہن اور بہنوئی نے قرآن کے اوراق چھپا دیئے اور خباب بن الارت بھی گھر کے اندر روپوش ہو گئے۔ اندر آ کر عمرؓ نے پوچھا کیا پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں! عمرؓ نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں نے نیا دین قبول کر لیا ہے۔ پھر انہوں نے کوڑا اٹھایا اور مار مار کر بہنوئی کو زخمی کر دیا۔ خاوند کو بچانے کے لیے بہن آگے آئیں تو انہیں بھی خون میں نہلا دیا۔ بہن نے زخموں سے چور ہونے کے باوجود نہایت دلیری سے کہا، جاؤ! جو دل چاہتا ہے کر لو! ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں: عمرؓ نے جب بہن کا خون بہتے دیکھا تو شفقت کے جذبات امنڈ آتے۔ رقت سے کہنے لگے ''جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی تو سناؤ!'' حضرت فاطمہؓ نے جوش اور غصے میں سخت باتیں کہیں لیکن حضرت عمرؓ نے نرم سبھاؤ اختیار کیا اور کہا ''میں تمہارے دین کو سمجھنا چاہتا ہوں!'' فاطمہؓ نے کہا کہ پہلے جاؤ! اور غسل کر کے آؤ! حضرت عمرؓ غسل کر کے آئے۔ اتنے میں حضرت خبابؓ بھی گھر کے اندر سے نکل آئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا، ابھی اگلے دن ہی نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ ابو جہل یا آپ میں سے کوئی ایک دولت اسلام سے مالا مال ہو جائے۔ لگتا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا قبول ہو چکی ہے اور فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا ہے! پھر انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیات تلاوت کیں:

"سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝"

(حدید:۱)

اور پھر جب اس آیت پر پہنچے:

"آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (حدید۔۴)

تو عمرؓ بے اختیار پکار اٹھے "اشهد ان الّا اله الّا الله' محمد" رّسول الله' اسکے بعد عمرؓ دارلارقم گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا ''کون ہو؟'' جواب دیا عمر!''

Marfat.com

صحابہ پریشان ہو گئے کہ پتہ نہیں کس ارادے سے آئے ہیں۔حمزہؓ نے کہا آنے دو! صاف نیت سے آیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دونگا۔

رسول اللہ ﷺ اندر کمرے میں تشریف فرما تھے اور اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔آپ ﷺ فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''عمر! کیسے آئے ہو؟'' رسول اللہ ﷺ کی آواز سن کر عمرؓ کانپنے لگے۔ عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ !اسلام قبول کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوا ہوں!'' صحابہؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔سب نے مل کر پر ہیبت نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

اسلام عمرؓ کے بعد نیا دور شروع ہوا۔مسلمانوں نے کعبہ میں اعلانیہ نماز ادا کرنا شروع کر دی۔اس سے کفار کے ارادوں میں ضعف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کی شمولیت سے اب مسلمان ایذا رسانی پر جوابی کاروائی بھی کرنے لگے تھے۔

(۱۳) دوسری ہجرتِ حبشہ:

حبشہ سے لوٹ آنے والے مہاجرین خصوصی طور پر قریش کے عتاب کا نشانہ بنے اور عام مسلمانوں پر بھی انکی سختیاں دو چند ہو گئیں۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو دوبارہ حبشہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔اگرچہ اب مسلمانوں کیلئے دشواریاں بڑھ گئیں تھیں اور قریش انکی ہر اسکیم کو ناکام بنانے پر تلے ہوئے تھے لیکن کسی نہ کسی طرح ۸۲ یا ۸۳ مردوں اور ۱۸یا۱۹عورتوں نے ہجرت کی اور قریش کی گرفت سے بچ کر حبشہ پہنچ گئے۔ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر طیارؓ بھی شامل تھے۔رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے نام ایک خط بھی دیا تھا جسے طبری، ابن القیم ،قسطلانی اور قلقشندی نے اپنی کتب میں حسب ذیل صورت میں محفوظ رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"من محمد رسول اللہ الی النجاشی الاصحم ملک الحبشہ انی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المئو من المھیمن و اشھد انّ عیسیٰ ابن مریم رو ح اللہ وکلمتہ القا ھا الی مریم البتول الطیّبتہ الحصینتہ حملَتہ من رو حہ و نفخہ کما خلق آدم بیدہ وانی ادعو ک الی اللہ وحدہ لاشریک لہ وان تتبعنی و تو من با لذی جاءَ نی فانی رسول اللہ وانیّ ادعو ک وجنو دک الی اللہ عزّو جَلّ وقد بلغتُ و نصحتُ فا قبلو انصحی و قد بعثتُ الیکم ابن عمیّ جعفراً ومعہ نفر من المسلمین ۔ فا ذا جا ئک فا قرِھم ودع التحبرّ والسلام علی من التبع الھدیٰ۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہِ حبش کے نام ۔ میں اس خدا کی تعریف میں تمہیں لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ جو بادشاہ ، مقدس ، سلامتی والا ، امان دہندہ اور سلامت رکھنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو پاک اور برائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا گیا تو وہ خدا کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں ۔ جیسا کہ آدم کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا۔ میں تجھے خدائے واحد لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور مجھ پر نازل شدہ چیز پر ایمان لائے کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں تجھے اور تیرے لشکروں کو خدائے عزّوجل کی طرف بلاتا ہوں ۔ میں نے پیام پہنچا دیا اور بہی خواہی کی ہے ۔ اب تم سب میری بہی خواہانہ نصیحت کو

Marfat.com

قبول کرو۔ اور میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمان داری کر اور تکبّر چھوڑ دے۔ سلام اس پر جو ہدایت پر چلے!''

ادھر جب کفار قریش کو علم ہوا کہ کچھ مسلمان دوبارہ حبشہ پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے دو افراد عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بہت سے تحفے تحائف دے کر نجاشی کے دربار میں بھیجا کہ مسلمانوں کو واپس مکہ لے آئیں۔ انہوں نے جا کر نجاشی کو تحائف پیش کیئے اور مطالبہ کیا کہ انکے مفرور لونڈیوں اور غلاموں کو واپس انکے حوالے کر دیا جائے۔ نجاشی نے معاملے کی تحقیق کیلئے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ وہاں حضرت جعفر طیارؓ نے پر اثر تقریر کی جس سے نجاشی بہت متاثر ہوا۔ لیکن کفار نے نجاشی کو بھڑکانے کیلئے اسے بتایا کہ مسلمان عیسائی عقائد کی مذمت کرتے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے جعفر بن طیارؓ سے استفسار کیا کہ عیسائیت کے بارے میں انکے کیا خیالات ہیں۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی جس میں اللہ کو لاشریک اور عیسیٰؑ کو وہ پاک کلمہ قرار دیا گیا تھا جسے اللہ نے کنواری اور پاک مریمؑ کی طرف القا کیا تھا۔ نجاشی نے جب یہ آیات سنیں تو اپنے عصا سے زمین پر لکیر کھینچ کر کہنے لگا خدا کی قسم! حضرت عیسیٰؑ اس سے بڑھ کر نہ تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسکے سامنے تلاوت کی گئی آیات اور حضرت عیسیٰؑ پر آنے والی وحی کا مبدا ایک ہی ہے۔ اسکے بعد اس نے قریش کے وفد کو صاف الفاظ میں بتا دیا کہ وہ مسلمان مہاجرین کو ہرگز ان کے حوالے نہ کرے گا۔ قریشی سفارت ناکام لوٹ گئی اور مہاجرین وہاں پرامن طریقے سے رہنے لگے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ بھی حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ جب برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ فارہ کے سربراہ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی میزبانی کی کیونکہ وہ انکا رشتہ دار بھی تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ ابوبکرؓ حبشہ ہجرت کر کے جا رہے ہیں تو اس

Marfat.com

نے انہیں وہاں جانے سے روک دیا اور واپس مکہ لے کر آیا۔ یہاں اس نے اعلان کر دیا: میں ابو بکرؓ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ کوئی انہیں ایذا نہ پہنچائے! ابن الدّ غنہ کی پناہ میں آنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے گھر کے صحن میں ہی ایک چھوٹی سی مسجد بنالی۔ وہ نہایت نرم دل اور خوش الحان تھے۔ وہ جب قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تو مکے کے مشرکین حتیٰ کہ لونڈی غلام بھی سننے کے لیئے رک جاتے۔ اس پر قریش نے ابن الدّ غنہ سے شکایت کی۔ ابن الدّ غنہ نے حضرت ابو بکر کو اس سے روکا تو انہوں نے اسے صاف کہہ دیا کہ انہیں اسکی حفاظت کی ضرورت نہیں۔'' (التجاری، ہجرت مدینہ)

حبشہ میں مسلمان مہاجرین عزت و عافیت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ انہوں نے ایک دفعہ خانہ جنگی میں نجاشی کی طرف سے جنگ بھی کی! جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کی تو تینتیس مرد اور آٹھ عورتیں وہاں سے لوٹ آئیں۔ ان میں دو آدمی مکہ میں وفات پا گئے۔ سات وہاں قید کر لیے گئے اور بقیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان میں سے چوبیس افراد نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ ۷ھ میں باقی ماندہ مہاجرین اس وقت آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے (12)۔

طبری اور ابن اسحٰق نے نجاشی کا ایک خط بھی محفوظ کر لیا تھا جو کہ اس نے نبی ﷺ کو ارسال کیا تھا۔ یہ حسب ذیل ہے:

بَسمِ اللہِ الرّ حمٰنِ الرّحِیم

اِلیٰ محمدٍ رسو ل اللہ من النجا شی الا صحم بن ابجر ۔ سلام علیك یا نبی اللہ ورحمتہ اللہ وبر کا تہ من اللہ الذی لا الہ الاھو الذی ھدا نی الی الاسلام امّا بعد فقد بلغتی کتا بك یا رسول اللہ فیما ذکر ت من اَمرِ عیسیٰ فو رَبّ ِ السّماء والارض ان عیسیٰ لا

Marfat.com

یزید علیٰ ماَ ذکر تَ ثفر و قاً۔ انه کما قلتَ وقد عر فنا وما بعثتَ به الینا وقد قرینا ابن عمك واصحابه فا اشهدُ انك رسول اللّٰه صا دقا مصدقاً و قد بایعتُ ابن عمك و اصحابه وا سلمت علیٰ یدیه اللّٰه ربَ العلمین وقد ـلعثت الیك با بنی ادها بن الا صحم بن ابجر فانی لآ املك الا نفسی وان شِئت أ تیك فعلت یا رسول اللّٰه فانی اشهدُ اَن ما تقول حق و السلام علیك یا رسو ل اللّٰه "

''بخدمت محمد رسول اللہ ﷺ از طرف نجاشی اصحم بن ابجر۔ تجھ پر اے اللہ کے نبی سلام اور اللہ کی رحمتیں و برکتیں۔۔۔۔۔ اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ ﷺ کا خط ملا جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر تھا۔ زمین اور آسمان کے مالک کی قسم کہ آپ ﷺ کی بیان کردہ چیز سے حضرت عیسیٰؑ رتی برابر بھی زیادہ نہ تھے۔ وہ ویسے ہی تھے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے فرستادوں سے تعارف حاصل کیا اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور اسکے ساتھیوں کی مہمان داری کی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے کے سچے اور تصدیق یاب رسول ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور اسکے ساتھیوں کی بیعت کی اور اسکے ہاتھوں خدائے رب العالمین کے سامنے سرِ اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے۔ کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ اگر آپ ﷺ چاہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس آجاؤں تو آجاؤنگا کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ حق ہے! والسلام علیک یارسول اللہ'' (13)۔

کئی مسلمان مولفین جن میں بخاری بھی شامل ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ نجاشی

Marfat.com

مسلمان ہو گیا تھا اور جب اسکے مرنے کی اطلاع نبی ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے اسکی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی۔

(۱۴) ہجرتِ حبشہ پر ایک نظر:

ہجرتِ حبشہ کے دونوں مرحلوں کا بیان پڑھ لینے کے بعد قاری کے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں جنکا جواب اصحاب سیر کو دینا چاہیئے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے جب کچھ مسلمان مردوں اور عورتوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا تھا تو کیا آپ ﷺ کے پیش نظر انہیں صرف قریش کی چیرہ دستیوں اور ایذا رسانیوں سے بچانا تھا یا کوئی اور مصلحت بھی آپ ﷺ کے پیش نظر تھی؟

بلاشبہ بظاہر، ہجرت کا محرک یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کو قریش کے روز افزوں ظلم و جور سے بچایا جائے۔ لیکن اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر اصل مصلحت کچھ اور تھی اور بہت اہم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو پورا یقین تھا کہ قریش اگر ظلم کی انتہا بھی کر دیں تو جو آپ ﷺ کے حلیف بن چکے ہیں وہ ایک ایک کر کے کٹ مرتے رہیں گے لیکن محض ظلم و ایذا سے بچنے کیلئے میدان نہیں چھوڑ دیں گے۔ اس امر کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ عربوں کی سماجی زندگی قبائلی وابستگی کے محور پر گردش کرتی تھی۔ انتقام لینا اور قبیلے کے ہر جائز ناجائز مفاد کیلئے جان لڑا دینا سب سے بڑی فضیلت تھی۔ جو انتقام سے گریز کرتا یا قبیلے کی غیر مشروط حمایت نہ کرتا، حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ ذاتی انتقام یا قبیلے کے مفاد کیلئے جان کی بازی لگا دینا ان کے لیئے معمولی بات تھی۔

نبی ﷺ کی تعلیم نے عربوں کے صدیوں سے جمے جمائے نظام معاشرت کو بنیادوں تک ہلا دیا تھا۔ گھر گھر پھوٹ پڑ گئی تھی۔ کئی خاندانوں اور قبیلوں کے لوگ شمع رسالت ﷺ کے

گرد پروانہ وار اکٹھے ہو چکے تھے۔ باوجود اس کے کہ کچھ مسلمان مرد و خواتین کفار کے تشدد کا شکار ہو کر شہید ہو چکے تھے، قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خون سے دامن بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔ یہ مسلمانوں کو بھی پتہ تھا اور کفار کو بھی کہ اگر قبائلی عداوتوں کی دبی ہوئی چنگاری کو ذرا بھی ہوا مل گئی تو ایسی خوفناک بین القبائلی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے کہ اس میں سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے وہ ایذا رسانی اور تشدد سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور قتل و خونریزی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ادھر حمزہؓ و عمرؓ کے قبول اسلام سے تحریک اسلامی عدم مزاحمت سے مزاحمتی جدوجہد کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں میں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا رجحان بتدریج بڑھ رہا تھا۔ گویا بین القبائلی جنگ کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔

نبی ﷺ کی دوررس نگاہیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ اگر ایسی جنگ کا آتش فشاں پھٹ پڑا تو سب کچھ بھسم ہو جائے گا۔ قرآن حکیم نے اس صورت حال کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھے (شفا حفرۃ من النار) سے تعبیر کیا ہے جس میں قبائل عرب کے گر جانے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ اسلام کا پودا آپ ﷺ نے مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں بویا تھا اور اسے خون جگر دے کر قوت نمو بخشی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بڑھتا پھولتا جا رہا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی بڑھ رہا تھا کہ یہ پودا تناور درخت بننے سے پہلے ہی قبائلی جنگ کے شعلوں کی نذر نہ ہو جائے۔ لہذا آپ ﷺ نے کچھ ایسے افراد کو منتخب کیا جو اسلامی تعلیمات کی شمع کو حبشہ کی اجنبی لیکن ساز گار سرزمین پر روشن کر سکتے۔ چنانچہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ جانے کا جو حکم دیا اس میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ اگر مکہ کے محاذ پر مکمل شکست بھی ہو جائے، تو دوسرا محاذ موجود ہو جہاں سے تبلیغ اسلام کا کام جاری رکھا جا سکے۔

یہاں یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ قریش کو تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ہجرت کر جانے

Marfat.com

والے مسلمان خود ہی محاذ چھوڑ کر چلے گئے تھے، انہیں واپس لانے کے لیے حبشہ سفارت بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قریش وہ دن نہیں بھولے تھے جب ابرہہ مکہ پر لاؤ لشکر اور ہاتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔ حبشیوں کی آمد نے پوری سرزمین عرب پر خوف کے سائے پھیلا دیئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان اب کسی اور حبشی حاکم کو لے کر پھر ان پر حملہ آور ہو جائیں۔ ایک دفعہ تو ربِ کعبہ نے انہیں معجزانہ طور پر بچا لیا تھا لیکن شاید دوسری دفعہ انکا قلع قمع ہو جاتا۔

ایک سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو پناہ گیر ہونے کیلئے حبشہ ہی کی سرزمین کیوں منتخب کی؟ شام و فلسطین یا ایران کی طرف چلے جانے کا انہیں حکم کیوں نہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایران کے ساتھ مشرکوں کے روابط زیادہ تھے۔ اس لیئے مسلمان وہاں جا کر امان نہ پا سکتے۔ شام، فلسطین یا عمان و حضر موت وغیرہ ویسے ہی سرزمین عرب کا حصہ تھے۔ قریش اپنی تجارتی اور مذہبی بالادستی کی وجہ سے اتنے بارسوخ تھے کہ جزیرۃ العرب کے کسی کونے سے بھی اپنے مفرورین کو پکڑ کر لا سکتے تھے۔ البتہ حبشہ انکی رسائی سے باہر تھا۔ راستے میں بحر احمر حائل تھا۔ عربوں کے اگرچہ حبشہ سے پرانے تجارتی و ثقافتی تعلقات تھے اور عرب تاجر چمڑے کی کشتیوں پر وہاں جاتے آتے رہتے تھے لیکن عام عربوں کیلئے حبشہ کا سفر بڑا پر خطر تھا کیونکہ وہ بحری سفر سے بہت خائف تھے۔ مزید برآں ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ بعثت سے پہلے تجارتی مقاصد کیلئے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کو ذاتی طور پر جانتے تھے (14)۔ اسکی تائید حضور ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے "حبش میں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت ہے جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" ان وجوہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مسلمانوں کو حبشہ چلے جانیکا حکم دینا مناسب ترین فیصلہ تھا۔

Marfat.com

(۱۵) ایذا رسانی کی انتہا:

حبشہ سے قریش کی سفارت ناکام لوٹی تو ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے اب مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیں (15)۔ ایک دفعہ ابولہب کے بیٹے عتیبہ نے آپ ﷺ کیساتھ بہت زیادہ بدتمیزی کی۔ اس نے آپ ﷺ کا کرتا پھاڑ ڈالا اور منہ پر تھوکنے کی کوشش کی (اگرچہ تھوک آپ ﷺ کے چہرے پر نہ پڑی)۔ آپ ﷺ اسکے اس رویہ سے بہت رنجیدہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کی ''اے اللہ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے!'' ابولہب اور اسکے اہل و عیال آپ ﷺ سے نفرت کرنے کے باوجود آپ ﷺ سے خائف بھی رہتے تھے۔ کچھ دنوں بعد عتیبہ نے شام کا سفر کیا تو اسکا قافلہ زرقاء کے مقام پر ٹھہرا۔ تھوڑی دیر بعد قافلہ والوں کو قریب ہی کہیں شیر کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ عتیبہ کو بددعا کا خیال آیا تو وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا۔ اسنے اپنے ساتھیوں سے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ محمد ﷺ کی بددعا کی وجہ سے شیر اسے کھا جائے گا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے تسلی دی اور اسے احتیاطاً اونٹوں اور دیگر جانوروں کے درمیان میں سلا دیا۔ لیکن رات کو شیر آیا اور جانوروں کا گھیرا توڑ کر اسنے صرف عتیبہ کا نرخرہ چبایا اور واپس چلا گیا۔

ایک دفعہ ابوجہل ایک بھاری پتھر اُٹھا کر لایا۔ آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل کا ارادہ تھا کہ جب آپ ﷺ سجدے میں جائیں گے تو وہ پتھر سے آپ ﷺ کا سر کچل دے گا۔ لیکن لوگوں نے دیکھا کہ وہ الٹے پاؤں پھر آیا ہے اور خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ لوگوں کے استفسار پر اس نے بتایا: ''جب میں محمد (ﷺ) پر وار کرنے لگا تو ایک خونخوار بیل جس کے بڑے بڑے سینگ اور دانت تھے میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان حائل ہو گیا اور وہ مجھ پر حملہ آور ہونے لگا تھا۔'' ابن اسحٰق کے بقول حضور ﷺ نے بعد ازاں بتایا کہ وہ

Marfat.com

جبرائیل تھے۔ جو آپ ﷺ کی حفاظت کیلئے بیل کی شکل میں آئے تھے۔

عقبہ بن معیط کے بارے میں ایک روایت اکثر کتب سیرت میں درج ہے کہ ایک دفعہ اس نے حضور ﷺ کی گردن میں اس وقت کپڑا ڈال کر بل دینے شروع کر دیئے جب کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اذیت کے مارے آپ ﷺ کی سانس اکھڑنے لگی اور آنکھیں بھی ابل آئیں۔ حضرت ابوبکر قریب ہی تھے۔ تڑپ کر آگے بڑھے اور حضور ﷺ کو چھڑایا اور کہا تم اس شخص کو ایذا پہنچاتے ہو جو اللہ کو اپنا ربّ مانتا ہے۔ مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ کو بھی بہت زدوکوب کیا۔

ایک دفعہ کچھ مشرکین حطیم میں بیٹھے تھے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور طواف کعبہ شروع کر دیا۔ جب آپ ﷺ ان مشرکین کے قریب سے گزرے تو انہوں نے رکیک جملے کسے۔ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوا۔ دوسرے چکر پر پھر انہوں نے پھبتیاں کسیں۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوا لیکن آپ ﷺ خاموشی سے گزر گئے۔ تیسرے چکر پر مشرکین نے پھر وہی حرکت کی۔ اس دفعہ آپ ﷺ رک گئے اور کہنے لگے۔ ''قریش کے لوگو! سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس (تمہارے) قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں!''

یہ سن کر ان لوگوں پر سخت خوف اور اضطراب طاری ہو گیا۔ کہنے لگے: ابوالقاسم! واپس چلے جایئے! خدا کی قسم آپ ﷺ کبھی بھی نادان نہ تھے۔

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ مکہ میں ایک پہلوان تھا جس کا نام رکانہ تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ چمڑے کے ٹکڑے پر اگر جم کر کھڑا ہو جائے تو لوگ چمڑے کو جتنا چاہیں کھینچیں، اسکے قدموں تلے سے اسے نکال نہیں سکتے تھے، حتیٰ کہ چمڑہ پھٹ جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے نبی ﷺ کو چیلنج دیا کہ اگر وہ اسے کشتی میں ہرا دیں تو وہ انہیں سچا نبی تسلیم کر لے گا۔ اور یہ بھی کہا

Marfat.com

کہ ہارنے کی صورت میں وہ اپنے ریوڑ سے ایک تہائی بکریاں بطور نذرانہ پیش کریگا۔ آنحضرت ﷺ نے اسکا چیلنج قبول کیا اور اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ دوسری بار پھر اسے موقعہ دیا اور پھر زمین پر دے مارا۔ رکانہ کے اطمینان کیلئے تیسری مرتبہ بھی اسے نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی ساری بکریاں قبضے میں کرلیں۔ رکانہ رونے لگا۔ آپ ﷺ نے ترس کھا کر اسکی بکریاں اسے واپس کر دیں۔ رکانہ اتنا ممنون ہوا کہ سچّے دل سے توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔

کفار آپ ﷺ سے اتنی پرخاش رکھتے تھے۔ کہ ایک دفعہ ابو طالب کے پاس پہنچے اور تجویز پیش کی کہ وہ اپنے بھتیجے کو انکے حوالے کر دیں اور اس کے عوض ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو لے لیں جو قریش کا مایہ ناز جوان رعنا تھا۔ عربوں کی قبائلی زندگی میں خوں بہا کے بدلے کسی فرد کو بھی قبول کر لینے کا رواج تھا۔ ابو طالب نے کفار کی اس تجویز کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے کہا: ''خدا کی قسم! یہ کتنا برا سودا ہے جو تم مجھ سے کر رہے ہو! تم اپنا بیٹا مجھے دے رہے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور پالوں پوسوں! اور میرا بیٹا مجھ سے اس لیئے طلب کر رہے ہو کہ اسے قتل کر دو!''

ابو طالب یہ دیکھ رہے تھے کہ حالات دن بدن سنگین ہوتے جا رہے تھے۔ انہیں یہ خدشہ محسوس ہو رہا تھا کہ کسی وقت بھی دشمن کا وار چل گیا تو ان کے بھتیجے کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پھر انکی کفالت اور عمرؓ و حمزہؓ کی حمایت بھی کسی کام نہ آ سکے گی۔ کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے ہاشم اور عبدالمطلب کے بیٹوں سے معرضِ وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اب تک وہ تنہا حضرت محمد ﷺ کی حفاظت کرتے رہے ہیں۔ اب اپنے نسبی تعلق کی وجہ سے بنو ہاشم انکے بھتیجے کی حفاظت کیلئے کمر بستہ ہوں۔ چنانچہ قبائلی نسبت اور نسلی تعلق کی بنا پر بنو ہاشم نے حضرت محمد ﷺ کی حفاظت کا عہد کر لیا۔ ان میں مسلمان بھی تھے اور

Marfat.com

کافر بھی! تاہم ابولہب اس معاہدے سے الگ ہوگیا اور مشرکین سے جا ملا۔

(۱۶) مکمل مقاطعہ:

جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی تو خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں۔ ورقہ نے سارے کوائف سن کر آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر دی تھی۔ ''اب آپ ﷺ پر ظلم و ستم ہوگا اور آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو دیس نکالا دے گی''۔ ورقہ کی پیشین گوئی کا پہلا حصہ ۶۱۰ء کے بعد آنے والے چھ سالوں کے دوران سچ ثابت ہوگیا۔ اب اسکی پیشین گوئی کا دوسرا حصہ یعنی آپ ﷺ کو خارج البلد کرنا صحیح ثابت ہوا۔ اگرچہ بنو ہاشم کے متعدد افراد اسلام سے اتنے ہی دور تھے جتنے کہ دوسرے مشرکین، تاہم خاندانی نسبت کا حوالہ اتنا قوی تھا کہ وہ آپ ﷺ کی حمایت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مشرکین غیظ و غضب اور بغض و عناد کی انتہائی شدت کے باوجود آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر وہ آپ ﷺ کے خون سے ہاتھ رنگیں گے تو پھر معاملہ کفر اور اسلام کا نہیں بلکہ خالص قبائلی عصبیت کا بن جائے گا اور ایک ایسی جنگ چھڑ جائے گی جس کا سلسلہ نہ جانے کہاں تک دراز ہو اور عین ممکن تھا کہ ان کا پورا معاشی ڈھانچہ ہی اس جنگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتا۔

طویل غور و خوض کے بعد تمام قبائل قریش نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو قبائلی برادری سے خارج (Excommunicate) کرنیکا فیصلہ کر لیا۔ ایک صحیفہ (دستاویز یا محضر) تیار کیا گیا جس پر تمام قبائل قریش نے دستخط کیئے اس کی شقیں مندرجہ ذیل تھیں۔

''کوئی شخص نہ خاندان ہاشم سے قرابت کرے گا۔ نہ انکے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ اگر کسی شخص نے

بنو ہاشم کے کسی فرد کا کچھ دینا ہے تو اسے ہرگز ادا نہ کرے۔ یہ احکامات اس وقت تک نافذ رہیں گے جب تک کہ بنو ہاشم محمد ﷺ کو قتل کیلئے ان کے حوالے نہ کر دیں۔"

مکہ کے باہر ابو قبیس نامی پہاڑی میں ایک درّہ تھا جو خاندان ہاشم کی ملکیت تھا اور شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھا۔ شعب عربی میں اس کھلی زمین یا وادی کو کہتے ہیں جو دو پہاڑیوں کے درمیان ہو۔ مکے کے باہر پہاڑیوں میں متعدد درّے یا وادیاں تھیں جو قریش کے مختلف قبائل کی ملکیت تھیں۔ ان میں اہل قریش ان افراد کو ٹھہراتے تھے جو باہر سے آ کر ان سے طالب پناہ ہوتے تھے۔ شعب ابی طالب پہاڑیوں سے گھری ہوئی تنگ سی وادی تھی جس میں ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں چند ایک افراد ہی بمشکل رہ سکتے تھے۔ خاندان ہاشم کے تمام افراد خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر یکم محرم ۷ نبوی کو مکہ سے نکل کر اس وادی میں محصور ہو گئے۔

یہاں ان لوگوں نے خوفناک قحط کی حالت میں تین سال گزارے۔ صحیفہء مقاطعہ کو کعبے میں آویزاں کرنے کے بعد کفار نے بنو ہاشم کو اچانک مکہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لیئے یہاں وہ زیادہ ساز سامان بھی نہ لا سکے تھے۔ اشیائے خورد و نوش کی عدم فراہمی کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ لوگ جڑی بوٹیاں اور طلح کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سعد بن وقاص کو ایک دفعہ سوکھے چمڑے کا ایک ٹکڑا مل گیا جسے انہوں نے صاف کر کے ابالا اور کھایا۔ بھوک سے چلاتے بچوں کی آوازیں جب گھاٹی سے باہر جاتیں تو سنگدل کفار خوش ہوتے۔ سیدہ خدیجہؓ کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا۔ ایک دن وہ بھی ٹوٹ گیا۔ کئی دنوں بعد ادھر سے پھیری والا گزرا جو ٹوٹی ہوئی اشیاء جوڑ سکتا تھا۔ اس نے اس پیالے کو جوڑا۔ اس طرف سے اول تو کوئی تجارتی قافلہ گزرتا ہی نہیں تھا۔ لیکن اگر کسی قافلے کا گزر ہوتا اور محصورین کوئی شئے خریدنا چاہتے تو قریش دگنی قیمت ادا کر کے وہ شئے خود خرید لیتے اور محصورین اس سے محروم ہو جاتے۔

مکہ کا کوئی باشندہ اگر ترس کھا کر محصورین کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تو اسے سختی

سے روک دیا جاتا۔ پھر بھی کبھار کوئی غیر ہاشمی مسلمان یا کوئی رحمدل غیر مسلم شعب ابی طالب کے فاقہ کشوں کی تھوڑی بہت مدد کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ ایک دفعہ حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، کچھ گیہوں لے کر شعب ابی طالب جا رہا تھا کہ راستے میں ابوجہل مل گیا۔ اس نے حکیم بن حزام کا راستہ روک دیا۔ اسی وقت کہیں سے ابوالبختری بھی آ گیا۔ اس نے مداخلت کی اور کہا کہ اگر حکیم اپنی پھوپھی کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اسے مت روکو۔ اسی طرح ہشام بن عمر جو عبدالمطلب کی صاحبزادی عاتکہ کا فرزند تھا کبھی اونٹ پر کھانے پینے کی چیزیں لاد کر دزے سے قریب لے جاتا اور اونٹ کو آگے ہانک دیتا۔ کھجوریں چیزیں اتار کے اونٹ واپس بھیج دیتے۔ اسکے علاوہ حرمت کے مہینے میں مسلمانوں نے پابندیاں ہٹ جاتیں اور وہ مکے کے اندر آ جاتے اور وہاں سے قربانی کی کھالیں لے جاتے اور انہیں پانی میں بھگو دے کر پیتے رہتے۔ اس طرح وہ تین سال کے دوران کھینچ تان کر رشتہ تن و جان قائم رکھ سکے۔

مشرکین مکہ میں بعض رحمدل لوگ موجود تھے۔ وہ اندر ہی اندر مسلمانوں کی حالت پر کڑھتے رہتے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ مسلمانوں کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ہشام بن عمرو اس تحریک کی روح رواں تھا۔ اس نے زہیر بن امیہ مخزومی، مُطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان سب نے حجون کے مقام پر جمع ہو کر آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ظلم کی دستاویز یعنی مقاطعہ کا صحیفہ چاک کر دیا جائے۔ یہ سب لوگ کعبے میں آئے اور طواف کے بعد اہل مکہ کو صحیفہ چاک کر دینے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ آغاز میں ابوجہل نے سخت مخالفت کی لیکن جب اس نے دیکھا کہ اکثر لوگ نقض صحیفہ پر تیار ہو گئے ہیں تو اس نے خاموش ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس دوران ابی طالب بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہ کہنے لگے "مجھے میرے بھتیجے نے خبر دی ہے

Marfat.com

کہ صحیفہ پر اللہ نے کیڑے بھیج دیئے ہیں۔ چلو چل کر دیکھتے ہیں!'' سب لوگوں نے جا کر دیکھا تو فی الواقع صحیفہ کو دیمک چاٹ چکی تھی، صرف ''باسمِكَ اللّٰهُم'' کے الفاظ باقی رہ گئے تھے۔ چنانچہ سب لوگوں نے مل کر صحیفہ پھاڑ دیا۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ اور انکے تمام ساتھی شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قریش نے مقاطعہ کو صرف بنو ہاشم تک ہی محدود رکھا تھا۔ غیر ہاشمی مسلمان اسکی زد میں نہیں آئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ابوطالب نے حضرت محمد ﷺ کی محافظت کیلئے بنو ہاشم کے تمام افراد بشمول مسلم وغیرہ مسلم کو کمر بستہ کرلیا ہے، تو انہوں نے ابو طالب کی چال ان پر ہی الٹ دی۔ لیکن اس سے بھی انہیں کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ محمد ﷺ کی حفاظت کا عہد بنو ہاشم نے خالصتہ قبائلی عصبیت کی بنیاد پر کیا تھا۔ چنانچہ قریش نے بھی مقاطعہ کا اطلاق قبائلی عصبیت کے حوالے سے صرف بنو ہاشم پر ہی کیا تھا۔ اس میں مسلم وغیر مسلم کی تخصیص نہیں کی گئی تھی۔ کفر وشرک میں ان کی حمایت کرنے والے وہ ہاشمی افراد جن سے انہیں کوئی پرخاش نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ انہیں بھی شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تھا۔ یہ قریش کی نہایت گہری چال تھی، اس سے ایک طرف وہ بنو عدی (قبیلۂ عمرؓ) بنو امیہ (قبیلۂ عثمانؓ) اور دیگر قبائل جو متعدد غیر ہاشمی مسلمانوں کی پشت پر تھے، کے غیظ وغضب سے محفوظ ہو گئے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ بنو ہاشم پر اتنا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ مجبور ہو کر نبی ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں تا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں۔ لیکن اس معاملے میں آپ ﷺ کے خاندان کے تمام افراد نے بلا تخصیص مسلم وغیر مسلم آپ ﷺ کا ساتھ کمال استقامت سے دیا۔

برصغیر یا کسی اور زرعی ملک کا رہنے والا یہ تصور نہیں کر سکتا کہ عرب میں مقاطعہ کے مضمرات کیا ہو سکتے ہیں۔ ان ممالک میں جہاں رزق کی فراوانی ہے، اگر کسی شخص کو خاندان سے نکال دیا جائے تو اس کے لیئے روزی حاصل کرنا اور زندگی بسر کرنا چنداں مشکل نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ایسے ممالک میں قدم قدم پر تحفظ اور روزی کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ لیکن سرزمین عرب پر کوئی شخص قبائلی تعلق کے بغیر ایک دن بھی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ وہاں افراد قبیلے سے یوں وابستہ ہوتے تھے جیسے کسی پرخطر جنگل میں جانور اپنے ریوڑ سے یا پھر شہد کی مکھیاں اپنے چھتے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ قبائلی تعلق سے کٹ کر تین سال بسر کر دینا یقیناً ناقابل تصور ہے۔ غیر مسلم ہاشمیوں کیلئے اگرچہ یہ قبائلی حمیت کا مسئلہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی نبی ﷺ کی ذات اقدس سے بے اندازہ عقیدت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو یقیناً غیر مسلم بنو ہاشم اتنی مصیبتیں نہ جھیلتے۔ مسلمانوں میں رہتے ہوئے اسلام کی حقانیت انکے دلوں میں آہستہ آہستہ گھر کرتی گئی۔ ادھر مسلمانوں نے ناقابل بیان تکلیفیں سہیں، لیکن قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے اور عبادات کی ادائیگی کے لیئے انہیں ایسی آزادی میسر آئی جو کہ انہیں مکہ کے گلی کوچوں میں میسر نہ تھی۔ قریش نے اپنی طرف سے انہیں سزا دی، لیکن دراصل انہوں نے مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ قبائلی سماج کے پس منظر سے کٹ کر ایک جدید معاشرے کی تشکیل کریں۔ چنانچہ شعب ابی طالب میں مملکتِ اسلامیہ کا دیباچہ تحریر کیا گیا جس میں صدیوں سے مروجہ قبائلی و نسلی قوانین کی نفی کر کے توحید، رسالت اور آخرت کے تصور کی بنیاد پر تعمیر ہونے والے ایک نئے معاشرے کی داغ بیل ڈالی گئی۔

شعب ابی طالب میں محصور رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ نئے دین کے حامیوں کی مظلومیت اور استقامت کی داستانیں ادھر سے گزرنے والے تجارتی قافلوں کے ساتھ ساتھ جزیرۃ العرب کی تمام اطراف و جوانب میں پھیل گئیں۔

مقاطعہ کا صحیفہ ۱۰ نبوی میں چاک ہوا۔ مسلمان اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ لیکن تین سال کی فاقہ کشی اور کس مپرسی سے انکی جسمانی حالت بری طرح متاثر ہوئی تھی ابو طالب اسی (۸۰) برس کے ہو چکے تھے۔ مکہ واپسی کے بعد علیل ہو گئے اور تین ماہ بعد داعی اجل کو

لبیک کہہ گئے۔ سیدہ خدیجہؓ بھی چند دنوں بعد فوت ہوگئیں۔ نبی ﷺ کیلئے یہ دو صدمے اتنے شدید تھے کہ اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا گیا۔

اسی سال (شوال ۱۰ نبوی) آپ ﷺ نے سودہ بنت زمعہؓ سے شادی کر لی۔ سودہؓ کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمر تھا۔ یہ دونوں دوسری ہجرت حبشہ میں شامل تھے۔ سکران حبشہ میں وفات پا گئے۔ سودہؓ واپس آ گئیں اور عدت کے بعد انکا حضور ﷺ سے رشتہ ازواج قائم ہو گیا۔ سیدہ خدیجہؓ کی رحلت کے بعد یہ حضور ﷺ کی پہلی شادی تھی جس کا محرک یہ تھا کہ سودہؓ اپنے خاوند کی وفات کے بعد تنہا نہ رہ جائیں۔ سودہؓ اور سکرانؓ نے اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑ کر غریب الوطنی اختیار کی تھی۔ اپنے ایک صحابی کی بے کس بیوہ کے نان نفقہ کی ذمہ داری آپ ﷺ نے محسوس کی اور ان سے شادی کر لی۔ اسطرح اولاد خدیجہؓ کو بھی ماں مل گئی۔

(۱۷) ایمان ابی طالب۔۔۔ایک نازک مسئلہ:

یہاں کچھ توقف کر کے ہمیں اس سوال پر غور کرنا چاہیے کہ عمِ رسول ابی طالب کی کیا حیثیت ہے؟ یہ بات طے ہے کہ نبی ﷺ نے متعدد بار انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دی لیکن ہر بار انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ قریش انہیں یہ طعنہ دیں گے کہ ابی طالب موت کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے انکے بالکل آخری وقت یہ دیکھا کہ ان کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ انہوں نے کان لگا کر سنا تو ابی طالب کلمہ طیبہ "لا الہ الاّ اللّٰہ محمد" رّسوُ ل اللّٰہ " پڑھ رہے تھے۔ کئی مسلمان مورخین (بالخصوص اہل تشیع) یہ مانتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی کا جھکاؤ بھی اس طرف ہے (16) لیکن اکثر مورخین کا خیال ہے کہ ابی طالب نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت عباسؓ کی روایت صحیح بھی ہو تو آخر وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی جیسے کہ فرعون کی توبہ و استغفار کو قبولیت نہیں ملی تھی۔ مزید برآں نبی ﷺ کو مشرکین کیلئے دعائے مغفرت سے روک دیا گیا

Marfat.com

تھا خواہ وہ آپ ﷺ کے قریب ترین اعزہ ہی کیوں نہ تھے۔

وما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفر واللمشرکین ولو کانوا اولی القربی (التوبہ ۱۱۳)

تاہم نبی ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ جن مشرکین نے اچھے کام کیئے ہونگے، ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔ حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد ایک دن آپ ﷺ سے استفسار کیا "حالت شرک میں میں نے جو نیکیاں کی تھیں، کیا مجھے ان کا اجر ملے گا؟" آپ ﷺ نے جواب دیا: "ان نیکیوں کی وجہ سے ہی تجھے قبول اسلام کی سعادت ملی ہے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین کے اچھے کام ان کے عذاب میں کمی کا باعث بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک ناقابل معافی گناہ ہے۔ مشرک کو سزا ضرور ملے گی۔ اسی لیئے آپ ﷺ کو منع کر دیا گیا کہ مشرکین کے لیئے دعائے مغفرت نہ کریں۔ کسے کتنی سزا دینی ہے؟ یہ معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں اس میں زیادہ خیال آرائی نہیں کرنا چاہیئے۔

البتہ ابی طالب کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ انہوں نے شروع ہی سے نبی ﷺ کی جس طرح کفالت کی اور بدترین حالات میں بھی جس طرح وہ آپ ﷺ کی حفاظت کیلئے سینہ سپر رہے، اس کی وجہ سے ہر مسلمان تہہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ ان کا قبول اسلام ثابت ہو جائے۔ اگر ابن اسحٰق کی روایت کو مان بھی لیا جائے تو یہ امر آڑے آتا ہے کہ دم واپسیں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لیکن ابی طالب کا معاملہ فرعون کی توبہ سے بہت مختلف ہے۔ ایک لحاظ سے ابی طالب کی پوری زندگی اسلام کے لیئے وقف تھی۔ بھتیجے سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ان کے دل میں اسلام کے لیئے ہمیشہ نرم گوشہ موجود رہا تھا۔ صرف جاہلی تعصب تھا کہ لوگ یہ طعنہ نہ دیں کہ ابی طالب موت کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ آخری وقت یہ تعصب بھی بے حقیقت ہو گیا ہو اور وہ اسلام لے آئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے اسے شرف قبولیت

Marfat.com

بھی حاصل ہو گیا ہو۔ (واللہ علم)۔ یوں لگتا ہے کہ ابی طالب شروع سے اسلام کی طرف مائل تھے۔ لیکن انکی عملی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ اگر وہ شروع ہی سے مسلمان ہو جاتے تو یہ منصب ان سے چھن جاتا۔ وہ ساری عمر اپنے بھتیجے اور مسلمانوں کے لیئے پناہ بنے رہے۔ ممکن ہے کہ وہ یہ سوچتے ہوں کہ مسلمان ہو جانے پر وہ بھتیجے کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ اسلام کا پودا ابھی نرم و نازک کونپل کی طرح پرورش پا رہا تھا۔ اسے بادسموم کے تیز جھکڑوں سے پناہ کی اشد ضرورت تھی۔

صورت حال جیسی بھی رہی ہو، یہ امر نا قابل انکار ہے کہ اس معاملے میں نبی ﷺ کے قریب ترین اقربا اور عزیز ہستیوں کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کو انکے لیئے دعائے مغفرت کرنے سے منع کر دیا گیا۔ نبی ﷺ کی عظمت و صداقت کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان الٰہی کو چھپایا نہیں بلکہ بہ صمیم قلب اس پر عمل کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔

(۱۸) سفرِ طائف:

چچا اور زوجہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو نہ صرف دلی صدمہ پہنچا بلکہ معاشرتی طور پر بے سہارا ہونے کا بھی شدید احساس ہوا۔ جب تک ابو طالب زندہ رہے، بنو ہاشم کے سربراہ کی حیثیت سے آپ ﷺ کی سرپرستی کرتے رہے۔ خدیجہؓ جیسی رفیقۂ حیات بھی، جس نے ہر مشکل میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا تھا، اب اس دنیا میں نہ رہی تھیں۔ ہر طرف غم واندوہ کا ہجوم تھا۔ نامساعد حالات اور مشکلات کا ایک خارزار ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ قریش کے تیور بتا رہے تھے کہ اب وہ کسی انتہائی اقدام سے گریز نہیں کریں گے، صاف نظر آ رہا تھا کہ اب مسلمانوں کا مستقبل قطعی غیر محفوظ ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ کو ایک طرف کسی ایسے حلیف کی ضرورت تھی جو مشرکین کی شر انگیزی اور ایذا رسانی سے مسلمانوں کو بچا سکے اور دوسری طرف حکم الٰہی کی تعمیل کی

Marfat.com

فکر تھی کہ دائرہ تبلیغ کو مکے کے باہر بھی پھیلایا جائے۔

"لتنذر ام القرى ومن حولها" (الانعام: ۹۲)

اردگرد کے علاقوں میں طائف ہی ایک ایسا شہر تھا جہاں آپ ﷺ کو سہارا مل جانے کی امید تھی کیونکہ آپ ﷺ کے کچھ ننھیالی رشتہ دار یہاں رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ ﷺ بغیر کسی کو بتائے زید بن حارثہ کو لے کر پا پیادہ ہی عازم طائف ہوئے۔

طائف مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ طائف اور مکہ شروع زمانے سے ہی توام شہر (Twin Cities) سمجھے جاتے تھے۔ آج کے زمانے میں اگر سڑک سے سفر کیا جائے تو فاصلہ تقریباً ۷۰ کلومیٹر بنتا ہے۔ براہ راست سفر اگرچہ مختصر سا ہے، تاہم سڑک پیچیدہ گھاٹیوں اور موڑوں سے ہو کر جاتی ہے۔ اس زمانے میں بذریعہ اونٹ مکہ سے طائف تک کا سفر دو روز کا تھا اور گھوڑے پر یہ ایک روز میں طے ہوتا تھا۔ جزیرۃ العرب میں طائف غالباً واحد شہر تھا جو شہر پناہ یعنی چار دیواری رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ طائف مشہور ہوا تھا۔ قبل ازیں اسے "اوج" یا "وج" کہا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک ایرانی بادشاہ نے کسی عرب باشندے سے خوش ہو کر اسکی درخواست پر یہاں ایرانی معمار بھیجے تھے جنہوں نے یہ شہر پناہ تعمیر کی تھی۔ شہر کے وسط میں عربوں کا مشہور بت کدہ تھا جسے "معبد اللات" کہا جاتا تھا۔ طائف میں اسے حرم کا درجہ حاصل تھا۔ طائف سطح سمندر سے پانچ ہزار فیٹ بلند ہے اور سردیوں میں بعض اوقات برفباری بھی ہو جاتی ہے۔ یہاں اناج کے علاوہ کئی قسم کے پھل اور سبزیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے باشندے اس زمانے میں بھی روٹی کھاتے تھے۔ انگور یہاں کی خاص پیداوار تھی۔ جس سے شراب بھی کشید کی جاتی تھی۔ مکہ کے متمول لوگوں نے یہاں مکانات تعمیر کر رکھے تھے جن میں وہ گرمیاں گزارا کرتے تھے۔ مکہ طائف کے لوگوں کے لیئے ایک بڑی منڈی تھی۔ اس لیئے مکہ کے لوگوں سے ان کے گہرے تجارتی روابط تھے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ جب یہاں پہنچے تو بنو عبد یالیل کے پاس گئے۔ بنو عبد یالیل حضور ﷺ سے ماموں کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ جب حضور ﷺ کی ملاقات عبد یالیل سے ہوئی تو اس نے آپ ﷺ کا میزبان بننا قبول نہ کیا کیونکہ اسے پتہ تھا کہ بنو ہاشم میں ابی طالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ تنہا رہ گئے ہیں۔ اس نے آپ ﷺ کے پیچھے اوباش لڑکے لگا دیئے جو راستہ چلتے آپ ﷺ پر آوازے کستے اور سنگ باری کرتے جاتے۔

آپ ﷺ نے ان غنڈوں سے بچنے کیلئے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہاں آپ ﷺ پر زخموں کی شدت سے غشی طاری ہوگئی۔ زید بن حارثہ نے آپ ﷺ کے زخموں کو دھویا اور آرام سے لٹا دیا۔ جس باغ میں آپ ﷺ نے پناہ لی تھی وہ دو بھائیوں عتبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا۔ یہ مکہ کے قریشی الاصل عتبہ کی اولاد سے تھے۔ یہ بھی آپ ﷺ کو پناہ دینا نہ چاہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ غنڈوں کی سنگ باری سے بری طرح مجروح ہو چکے ہیں تو انہوں نے اپنے عیسائی غلام سے کہا کہ وہ انگوروں سے آپ ﷺ کی تواضع کرے۔

آپ ﷺ جب ہوش میں آئے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"مولا! اپنی بے بسی اور بے کسی کی فریاد تیرے آگے پیش کرتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے تو نے کن لوگوں کے سپرد کر دیا ہے۔ ایسے دشمنوں کے سپرد کیا ہے جو ترش روئی سے پیش آتے ہیں۔ یا اپنوں کے سپرد کیا ہے جن کو تو نے میرے معاملات پر متصرف کر دیا ہے؟ اگر یہ تیری ناراضی نہیں تو مجھے ان تکالیف کی کوئی پرواہ نہیں۔ تیری دوسری نوازشیں میرے لیئے وسیع ہیں۔ میں تیرے اس نور ذات کی پناہ لیتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور جس کی برکت سے دنیا و آخرت کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں۔ پناہ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا تیری ناراضی! میری رضا تیری ہی رضا سے پیوستہ ہے اور ہر حرکت اور ہر وقت اللہ کی ہی

Marfat.com

توفیق سے وابستہ ہے''(17)۔

اتنے میں طبق اور شیبہ کا عیسائی غلام عداس ایک طشت میں چھ انگور رکھ کر آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے ایک خوشہ اٹھایا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانے لگے۔ عداس نے حیرت سے آپ ﷺ کو دیکھا اور کہنے لگا

''یہاں کے لوگ یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے!''

آپ ﷺ نے استفسار فرمایا ''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟''

عداس نے جواب دیا: ''نصرانی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں!''

حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہاں کے رہنے والے تو میرے بھائی یونس متی تھے۔''

عداس بہت حیرت زدہ ہوا اور کہنے لگا: آپ ﷺ کو یونس متی کے بارے میں یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟''

آپ ﷺ نے جواب دیا: ''وہ بھی اللہ کے نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں!''

یہ سن کر عداس آپ ﷺ کے سامنے جھک گیا اور اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں اور سر کو چوما۔ عداس نے خاطر مدارت کے بعد آپ ﷺ کو خفیہ راستے سے باغ سے باہر پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کی گھات میں بیٹھے ہوئے غنڈوں کو پتہ نہ چل سکا۔ (ابن اسحٰق)

ان حوصلہ شکن حالات کے باوجود طائف میں نبی ﷺ نے دس دن قیام کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ لوگوں کو ایک اللہ کی طرف مائل کریں۔ لیکن یہاں کے لوگ اتنے سخت دل تھے کہ انہوں نے دعوت قبول کرنا تو درکنار، حضور ﷺ کو سخت ذہنی و جسمانی اذیت پہنچائی۔ طائف

Marfat.com

سے ناکام واپسی کے وقت آپ ﷺ کی قلبی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی مونس وغمگسار اور انتہائی معتمد ہستی سیدہ خدیجہؓ وفات پا چکی تھیں۔ ابی طالب کی پشت پناہی بھی ختم ہو چکی تھی۔ بنو ہاشم سے اب تعاون کی امید نہ تھی کیونکہ ابو طالب کے بعد ابولہب خاندان کا سربراہ بن بیٹھا تھا۔ کچھ مسلمان حبشہ میں مقیم تھے۔ جو مکہ میں تھے بے یار و مددگار تھے۔ طائف والوں نے نہ صرف یہ کہ ذہنی اذیت دی بلکہ انتہائی جسمانی تکلیف بھی پہنچائی حتیٰ کہ سنگ باری کے نتیجہ میں آپ ﷺ کی جوتیاں بھی خون سے بھر گئی تھیں۔ اب مکہ کے شہرِ ستم کی طرف واپس جانا تھا۔ کسی طرف سے بھی روشنی کی کرن نظر نہیں آ رہی تھی، ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تنہائی، غم، ناکامی اور زخموں کے داغ جسم و روح پر لیئے آپ ﷺ اس مکہ کی طرف پیدل جا رہے تھے جس کے دروازے آپ ﷺ پر بند ہو چکے تھے۔ غزوۂ احد میں جب آپ ﷺ کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا اور آپ ﷺ زخمی بھی ہوئے تھے تو حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ آپ ﷺ اس سے زیادہ بھی کبھی رنجیدہ اور زخمی ہوئے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے سفر طائف کا حوالہ دیا تھا کہ میں اس سفر کے دوران جتنا مغموم اور زخمی ہوا تھا پھر کبھی نہیں ہوا۔

اگر اس دعا کے الفاظ پر غور کیا جائے جو آپ ﷺ نے عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پناہ لینے کے بعد مانگی تھی تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر آپ ﷺ کا کتنا پختہ اور غیر متزلزل ایمان تھا۔ یہ فنا فی اللہ کی منزل تھی۔ ذہنی و جسمانی کرب کی انتہا کے باوجود آپ ﷺ کا یہ کہنا اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی شئے کی پرواہ نہیں، توکل علی اللہ کی بلند ترین منزل ہے۔

آپ ﷺ انتہائی مغموم و دلگرفتہ طائف سے واپس آ رہے تھے کہ جبرائیل نے ظاہر ہو کر آپ ﷺ سے کہا کہ اگر حکم ہو تو دونوں طرف کے پہاڑوں کو اہل طائف پر الٹ دوں۔

Marfat.com

لیکن حضور ﷺ نے منع فرمایا: اور یہ امید ظاہر کی کہ ان لوگوں کی پشت ہی سے اہل ایمان پیدا ہوں گے۔

طائف سے واپس آتے ہوئے آپ ﷺ نے وادی نخلہ میں چند روز قیام فرمایا۔ یہیں جنات کی ایک جماعت نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور تلاوت قرآن سنی تھی۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ذکر سورۂ احقاف (۴۶:۲۹۔۳۱) اور سورۂ جن (۷۲:۱۔۲) میں آیا ہے۔ قرآن کی ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کو ان جنات کی آمد کا پتہ نہیں چلا تھا، تاہم جب ان آیات کا نزول ہوا تو آپ ﷺ کو ان جنّات کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس سے حضور ﷺ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ ظاہری سہاروں کی عدم موجودگی کے باوجود اللہ کے غیبی لشکر آپ ﷺ کی پشت پر موجود ہیں۔ اسی واقعہ میں وہ آیات بھی ہیں جن میں آپ ﷺ کو کامیابی کی بشارت دی گئی تھی۔

"وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (۴۶ : ۳۲)

''جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے وہ زمین میں (اللہ) کو بے بس نہیں کر سکتا۔ اور اللہ کے سوا اس کا کوئی کارساز ہے بھی نہیں۔ اور ایسے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔''

"وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تُعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا" (۷۲ : ۱۲)

''ہماری سمجھ میں آ گیا ہے کہ ہم اللہ کو زمین میں بے بس نہیں کر سکتے۔ نہ ہم بھاگ کر ہی اسے (پکڑنے سے) عاجز کر سکتے ہیں۔''

ان بشارات سے آپ ﷺ کا سارا رنج و غم مٹ گیا۔ اور ناکامی و تکلیف کا احساس

Marfat.com

ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ ایک نئے عزم اور حوصلے سے مکے میں داخل ہونے کیلئے تیار ہو گئے۔ زید بن حارثہؓ نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ کسی کی پشت پناہی کے بغیر مکہ میں داخل ہونا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں تسلّی دی اور کہا کہ اللہ خود بہتری کی صورت پیدا کرے گا اور اپنے دین اور اپنے نبی کو غالب کرے گا۔

وادی نخلہ سے روانہ ہو کر نبی ﷺ مکہ پہنچے جو کہ اب شہرِ دشمنان بن چکا تھا۔ مکے کے باہر جبل حرا کے قریب آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ ابو طالب کی وفات کے بعد اب آپ ﷺ کو کسی کی پشت پناہی حاصل نہ تھی۔ اس لیئے شہر میں آپ ﷺ کا داخلہ ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو اخنس بن شریق کی طرف بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دے۔ لیکن اخنس نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ تو خود حلیف ہے اور حلیف کو پناہ دینے کا حق حاصل نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کی طرف پیغام بھیجا، لیکن اس نے بھی معذرت کر لی۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے مُطعم بن عدی کی طرف یہی پیغام بھجوایا۔ مُطعِم نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ اس نے اپنی قوم اور اپنے بیٹوں کو طلب کر کے انہیں ہتھیار سجانے کا حکم دیا۔ انہیں مسلح کر کے اس نے کعبے کے گرد تمام اہم ناکوں پر متعین کر دیا اور خود حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ حضور ﷺ زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ مُطعم بن عدی کی حفاظت میں کعبہ کی طرف آئے۔ یہاں آپ ﷺ نے طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ دریں اثنا مطعم نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ محمد ﷺ اسکی پناہ میں ہیں۔ اسکے بعد مطعم کے مسلح آدمی حضور ﷺ کو اپنے حلقے میں لے کر آپ ﷺ کے گھر تک چھوڑ آئے۔

غزوۂ بدر میں جب کفار کی ایک بڑی تعداد گرفتار ہوئی تو انہیں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت جُبیر بن مطعم نے کچھ قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ (تب مطعم بن عدی وفات پا چکا تھا۔) حضور ﷺ نے مطعم بن عدی کے احسان کو یاد رکھتے ہوئے فرمایا: ''اگر

Marfat.com

مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کیلئے بات چیت کرتا، تو میں ان سب کو چھوڑ دیتا۔" (بخاری ۱۳/ ۵۷۳) مطعم بن عدی کے مرنے پر حسان بن ثابت نے مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں اسکے اس احسان کا حوالہ ہے۔

اَجَرْتَ رَسُوْلَ اللّٰہ منھم فاصبحُوْا

عَبِیْدَ لَکَ مَا لبیّ مُھِلٌّ وَاحْرَ ما.

"تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں سے پناہ دی، لہذا جب تک کوئی لبیک کہنے والا لبیک کہتا رہے اور احرام باندھنے والا احرام باندھتا رہے وہ سب تیرے احسانات کے بندے بن گئے۔" (ابن ہشام سیرۃ النبی ج ا ص ۴۱۷)

(19) دعوتِ حق کا نیا سلسلہ:

سفر طائف کا مقصد یہ تھا کہ حکم الٰہی ۔۔۔۔۔۔۔ "لتنذر ام القرٰی و حولھا" کی تعمیل کی جائے۔ اگر طائف کے ثقفی سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیتے تو طائف مسلمانوں کا مقام ہجرت بن سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی شقاوت میں یہ نایاب موقعہ کھو دیا اور دور کا شہر یثرب مرکزِ اسلام بن گیا۔

طائف سے واپسی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام القرٰی (مکہ) میں تبلیغ کا سلسلہ از سرِ نو شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف سے واپسی کے دوران اللہ تعالیٰ کی جو تائید نصیب ہوئی تھی، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں میں بہت زیادہ جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں موقع ملتا، پیغامِ حق پہنچاتے۔ لوگوں کے گھروں میں، میلوں میں، قبیلوں میں، غرض ہر جگہ نورِ ہدایت پھیلانے پہنچ جاتے۔ اس ضمن میں انہوں نے بنی عامر بن صعصعہ، بنی محارب، بنی فزارہ، بنی غسان، بنی حنیفہ، بنی عبس، بنی نضر، بنی کندہ، بنی کلب، بنی حارث بن کعب، بنی عذرہ، بنی حضرم وغیرہ کے قبائل کا تبلیغی دورہ کیا۔ افراد کو انفرادی سطح پر اور قبائل کو

Marfat.com

اجتماعی سطح پر دعوت حق پیش کی ۔ آپ ﷺ جس جوش و جذبہ سے تبلیغ میں مصروف تھے، اسی شدت سے کفار بھی آواز حق کو دبانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ صدیوں سے جمود بستہ سماجی زندگی اور قبائلی رسوم و رواج کی متعصبانہ فضا میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ پرانے سیاسی و سماجی اور ذہنی و جذباتی سانچوں میں جگہ جگہ دراڑیں پڑ رہی تھیں ۔ آپ ﷺ کی تبلیغی مساعی دہی بلونے کے عمل کی طرح تھیں ۔ جس طرح دہی بلوتے ہوئے مٹکے کے اندر ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ ساکن تہیں زیروزبر ہو جاتی ہیں ۔ چھاچھ الگ اور مکھن الگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مکے کی سماجی زندگی میں طاغوتی قوتیں علیحدہ اور جوہرِ قابل علیحدہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس دفعہ مکے کے اندر کئی افراد دعوت اسلام سے متاثر ہوئے، لیکن اسلام قبول کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ لگتا تھا کہ اب ام القریٰ میں چھاچھ ہی چھاچھ رہ گئی تھی۔ البتہ باہر سے کچھ نفوسِ صالحہ کھنچے چلے آئے اور اپنے قلب و نظر کو نورِ حق سے مستنیر کر کے اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ گئے۔ ان میں طفیل دوسؓ، ابوذر غفاریؓ، ضماد الازدیؓ، سوید بن صامتؓ، ایاس بن معاذؓ وغیرہ شامل تھے (18)۔

(۲۰) تزویجِ عائشہؓ:

اسی سال (شوال ۱۱ ء) حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی عائشہؓ سے نکاح کیا۔ عائشہؓ کی عمر اس وقت سات برس تھی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد پیدا ہوئی تھیں ۔ رخصتی کے بارے میں یہ طے ہوا کہ یہ دو سال بعد عمل میں آئے گی۔ جب حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہو گئی تو حضرت سودہؓ نے جو کہ ادھیڑ عمر تھیں، اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی۔

حضرت ابوبکرؓ کو نبی ﷺ سے جو بے پناہ محبت و عقیدت تھی وہ اگرچہ کسی قرابتداری کی نسبت کی محتاج نہ تھی، پھر بھی انکی یہ خواہش تھی کہ اسلام پر پیدا ہونی والی یہ بچی آپ ﷺ کے حرم کی زینت بنے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ابوبکرؓ کی یہ خواہش پوری کر کے انکے ساتھ اپنے تعلق

Marfat.com

کو مزید مستحکم کرلیا۔

(۲۱) اسریٰ اور معراج:

مکے کے اندر نبی ﷺ کی تبلیغی کاوشیں تقریباً آخری حد کو پہنچ چکی تھیں۔ جتنا زر خالص تھا اکٹھا کیا جا چکا تھا۔ باقی اب کھوٹ ہی کھوٹ رہ گیا تھا۔ وہ سلسلہ وحی جو حرا کے غار سے شروع ہوا اور جس کے تحمل کیلئے نبی ﷺ کو بڑے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا، اب اپنی تکمیل کے مراحل میں داخل ہو رہا تھا۔ نبی کا کام فرمان الٰہی کی اطاعت ہوتا ہے۔ کائنات کے اسرار و رموز کے بارے میں حق تعالیٰ جو کچھ بتاتے ہیں، وہ اسے بلا چون و چرا قبول کر لیتا ہے۔ لیکن ایک سطح پر اسے اسرار ربانی کا مشاہدہ بھی کرایا جاتا ہے تاکہ اس کا یقین عین الیقین میں بدل جائے اور اس کا ایمان پختگی اور مضبوطی کی آخری حد کو چھو لے۔ اسی لیئے حضرت ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ چلتا ہوا دکھایا گیا:

"وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ"

(۷۵:۶)

''اور اسطرح ہم نے ابرہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت دکھایا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو۔''

اور حضرت موسیٰؑ کو خطاب کیا گیا:

"لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى" (۲۳:۲۰)

''تاکہ ہم تمہیں اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھائیں۔''

یہاں ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ نشانیاں اس لیے دکھائی جاتی ہیں کہ پہلے وہ کسی قسم کی تشکیک و تذبذب کا شکار ہوتے ہیں اور نشانیاں دیکھنے کے بعد ان کے شکوک رفع ہوتے ہیں اور وہ ایمان کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ "وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلْمُوقِنِينَ

Marfat.com

" کا مطلب یہ ہے کہ وہ سن کر یقین لانے کی سطح سے دیکھ کر یقین لانے کی سطح پر پہنچ جائیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کے عمل کو دیکھنے کی خواہش اس لیئے نہیں کی تھی کہ وہ حیات بعد الممات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر انکا کامل یقین تھا، تاہم انہیں عین الیقین کی خواہش تھی جو اللہ نے پوری کردی۔ یہی یقین و ایمان کا استحکام انبیاء علیھم السلام کو یہ امتیاز بخشتا ہے کہ وہ راہِ حق کی کٹھن سے کٹھن آزمائش سے بھی کامیابی سے گزر جاتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کو بھی اس عظیم انعام سے نوازا گیا (19)۔ ایک رات انہیں ملاءِ اعلیٰ کی سیر کرائی گئی۔ آپ ﷺ نے عالمِ مثال کی ابتدائی حدوں سے لے کر ان انتہائی حدوں تک ۔۔۔۔ جہاں روح الامین کی بھی رسائی نہیں ۔۔۔ تمام حقائق کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدا واقعہ اسریٰ سے ہوتی ہے:

" سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا۔" (بنی اسرائیل:۱)

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات لے گئی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کہ جس کے اردگرد کا ماحول برکت والا ہے ۔۔۔۔ تاکہ وہ اسے (اپنے بندے کو) اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔"

اس سفر کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ ان حقائق کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں جن پر محض سن کر ایمان لایا جاتا ہے یا جنہیں ثابت کرنے کیلئے دلائل و براہین دیئے جاتے ہیں۔ (لِنریہ من اٰیاتنا)۔ مولانا ابوالکلام اس نکتے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ وحی کی تکمیل کا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے

Marfat.com

بعد فرمایا: ''ثم اتینا موسی الکتاب'' (انعام: ۱۵۴) اسی طرح موسیٰ کا معاملہ وحی بھی کوہ طور کے اعتکاف میں مکمل ہوا۔ ''ولما جاء موسی لمیقاتنا و کلمه ربه'' (اعراف: ۱۴۲) اور انہیں کتاب شریعت دی گئی'' (20)۔

سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں نبی ﷺ کے اسریٰ کا ذکر محض ایک آیت میں کر کے یکلخت کلام کا رخ بنی اسرائیل اور موسیٰ کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ بے ربط سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے تکمیل وحی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اصل مدعا سمجھ میں آجاتا ہے۔

یہاں مسجدِ حرام سے مراد خانہ کعبہ ہے اور مسجد اقصیٰ سے ہیکل سلیمانی۔ عربوں کے لیئے قریب کی عبادت گاہ خانہ کعبہ (مکہ معظمہ) تھی اور دور کی عبادت گاہ ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) تھی۔ مسجد اقصیٰ کے گرد انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ مزید برآں یہاں رزق کی فراوانی ہے اس لیئے خود اسے اور اسکے تمام ماحول کو برکت والا قرار دیا گیا۔

معراج کے وقوع کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ جس سال آپ ﷺ کو نبوت ملی اس سال یہ واقعہ پیش آیا۔ بعض کے نزدیک نبوت کے پانچ سال بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ بعض راویوں کا خیال ہے کہ ہجرت کے سولہویں مہینے معراج ہوئی۔ علامہ منصور پوری کے بقول نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے (21)۔ لیکن راجح رائے یہ ہے کہ بیعتِ عقبہ اولیٰ سے کچھ پہلے یا بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعتِ عقبہ اخریٰ کے درمیان کہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ سورہ کے سیاق وسباق، ہجرت کے اشارات اور عنقریب ایک مستقل جائے پناہ کی بشارت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے (واللہ اعلم)۔

جہاں تک معراج کی قرآنی تصریح کا تعلق ہے، اس میں حضور ﷺ کے محض مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جائے جانے کا ہی ذکر ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ خدائی نشانیوں کا عینی مشاہدہ کرلیں۔ لیکن مستند احادیث و روایات سے اس واقعہ کی تفصیلات کا علم

ہوتا ہے۔ یہ تمام تفصیلات قرآنِ حکیم کے بیان پر اضافہ ہیں اور ایک انتہائی خارق عادت سفر سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن قرآنِ حکیم میں بھی جتنا بیان ہے اس میں بھی اس عظیم واقعہ کے خارق عادت ہونے کا پہلو نمایاں ہے۔ جس انداز میں خدا کی عظمت اور بزرگی کا احساس دلا کر یہ کہا گیا "سُبحَانَ الَّذی اَسریٰ ....

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ معاملہ محض ذہنی و روحانی نوعیت کا ہوتا تو سُبحَانَ الَّذی کہنے اور لفظ اسریٰ استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ سبحان کلمۂ تنزیہہ و تعجّب ہے۔ یعنی وہ ذات جس نے اتنا عظیم واقعہ رونما کیا تمام عجز و سقم سے پاک ہے۔ سبحان سے واقعہ پر حیرت و استعجاب کا بھی پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ اسریٰ کا معنی ہی رات کو لے جانا ہے۔ ''لَیلا'' سے پتہ چلتا ہے کہ سفر طویل ہے جسے ایک ہی رات میں کروایا گیا ہے۔ ''بِعَبدِہٖ'' میں بھی روح و جسم کے ساتھ سفر کرنے کا حوالہ پایا جاتا ہے۔ مزید برآں عبد کے لفظ کو اس لیئے استعمال کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ پر الوہیت کا گمان نہ گزرے۔ دکھانے ''لنریہ'' کا قرینہ بھی سیرِ جسمانی اور مشاہدہ عینی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

مفسّرین اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے بالعموم دو عنوان باندھتے ہیں:۔

ایک ''اسریٰ'' جو کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر ہے اور قرآن میں واضح طور پر مذکور ہے۔ دوسرا ''معراج'' جو کہ حضور ﷺ کے عروجِ آسمانی اور ملاءِ اعلیٰ کے مشاہدات سے متعلق ہے۔ حضور ﷺ کے معراج یعنی ''عروج الی السّما'' کی تفصیلات احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہیں۔ منکرینِ حدیث اسے اس لیئے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ خارقِ عادت باتیں قرآن میں مذکور نہیں۔ لیکن قرآن کا بیان کردہ اسریٰ بھی تو کچھ کم خارقِ عادت نہیں۔ لہذا اکثر لوگ احادیث سے معراج کی تفصیلات کو اخذ کر کے انہیں تسلیم کر لیتے ہیں۔ تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات سے جو احادیث سے ماخوذ ہیں اور قرآن حکیم سے زائد ہیں، انکار بھی کر دے تو تکفیر لازم نہیں

آتی۔

احادیث و روایات میں واقعہ معراج کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: ایک رات نبی ﷺ حطیم میں آرام فرما رہے تھے اور نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھے کہ آپ ﷺ کے پاس جبرائیل آئے۔ جبرائیل کے ہمراہ ملائکہ کی ایک جمعیت تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے دھویا۔ پھر اسے علم و دانائی سے بھر کر سی دیا۔ یہاں سے ''بُراق'' نامی ایک سواری کے جانور پر آپ ﷺ کو بیت المقدس تک لے جایا گیا۔ یہاں آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ نے دودھ کو ترجیح دی۔ جب آپ ﷺ نے دودھ پی لیا تو جبرائیل نے کہا ''اگر آپ ﷺ شراب کا پیالہ پی لیتے تو امت گمراہ ہو جاتی!''

پھر جبرائیل حضور ﷺ کو پہلے آسمان پر لے گئے۔ یہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت آدمؑ سے ہوئی۔ انہوں نے آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ آدمؑ کے دائیں طرف سعید ارواح ہیں اور بائیں طرف بد بخت ارواح ہیں۔

اسکے بعد آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ آپ ﷺ کے استقبال کے لیئے دروازہ کھولا گیا۔ یہاں آپ ﷺ حضرت یحییٰ، حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ سے ملے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی اور آپ ﷺ کی نبوّت کی توثیق کی۔

یہاں سے آپ ﷺ نے تیسرے آسمان کی طرف صعود کیا۔ یہاں حضرت یوسفؑ موجود تھے۔ انہوں نے بھی آپ ﷺ کو سلام دعا کے بعد مبارکباد دی اور نبوّت کی تصدیق کی۔

پھر آپ ﷺ کا عروج چوتھے آسمان پر ہوا۔ یہاں حضرت ادریسؑ تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو مبارکباد دی اور آپ ﷺ کی نبوّت کا اقرار کیا۔

Marfat.com

پھر آپ ﷺ کی رہنمائی پانچویں آسمان کی طرف کی گئی۔ یہاں حضرت ہارونؑ تھے۔انہوں نے بھی ماسبق عمل کو دہرایا۔

اسکے بعد آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ یہاں آپ ﷺ کا استقبال حضرت موسیٰؑ نے کیا۔مبارکباد دینے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ جب آپ ﷺ نے آگے بڑھنے کے لیئے قدم اُٹھایا تو موسیٰؑ رونے لگے۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیوں رونے لگے ہیں تو موسیٰؑ کہنے لگے کہ میری امّت سے تو بہت کم لوگ جنّت میں جائیں گے،لیکن آپ ﷺ کی امّت میں سے بہت زیادہ لوگ جنّت میں جائیں گے۔

پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے آپ ﷺ کے سلام کا جواب دیا،مبارکباد دی اور اقرارِ نبوّت کیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ یہاں ایک ایسے میدان میں سے گزرے جس میں قلموں سے لکھنے کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

یہاں سے آپ ﷺ سدرۃُ المنتہیٰ کی طرف بڑھے جہاں آپ ﷺ نے بیتِ معمور کا مشاہدہ کیا۔

اسکے بعد آپ ﷺ اللہ جلّ شانہٗ کے حضور ﷺ پیش ہوئے۔آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اتنے نزدیک ہو گئے کہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔یہاں اللہ نے آپ ﷺ پر وحی کی جو کی! یہاں آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امّت پر ابتداءً پچاس نمازیں فرض کی گئیں جن کی تعداد گھٹا کر پانچ کر دی گئی۔

بعض صحابہ کے نزدیک آپ ﷺ نے اللہ کو براہ راست دیکھا اور بعض کہتے ہیں کہ

Marfat.com

اللہ کو آنکھوں سے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (22)۔

کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے جبرائیل کو انکی اصل صورت میں دو دفعہ دیکھا تھا۔ ایک دفعہ زمین پر جب وحی کا آغاز ہوا تو دوسری دفعہ اس سفر میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (بمطابق سورہ نجم) دیکھا۔

سیر افلاک کے دوران آپ ﷺ نے متعدد مناظر دیکھے۔ آپ ﷺ نے سودخوروں کو دیکھا جو بڑے بڑے پیٹوں کی وجہ سے حرکت کرنے سے معذور تھے اور جب آل فرعون کو آگ پر پیش کرنے کے لیئے لے جایا جاتا تو وہ انکے قدموں تلے روندے جاتے۔ آپ ﷺ نے زناکاروں کو بھی دیکھا جو تازہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے تھے۔ زانی عورتوں کو دیکھا، ان کے سینوں میں مڑی ہوئی نوکدار سلاخیں چبھو کر انہیں لٹکایا ہوا تھا (23)۔

واپسی پر آپ ﷺ نے اہل مکہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا جس کا ایک اونٹ بدک کر بھاگ نکلا تھا۔ قافلے والوں نے وہاں پینے کا پانی ڈھک کر رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ڈھکنا اٹھا کر پانی پیا اور پھر برتن ڈھانک کر رکھ دیا۔

(بعدازاں آپ ﷺ کی ان باتوں کی قافلے کے لوگوں نے تصدیق کی تھی۔)

اگلی صبح آپ ﷺ نے جب یہ واقعہ بیان کیا تو کفار نے مضحکہ اڑا دیا۔ لیکن کئی مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے۔ تاہم جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ واقعہ سنا تو انہوں نے کہا کہ اگر محمد ﷺ یہ کہتے ہیں تو میں اسکی تصدیق کرتا ہوں۔ اسپر ابوبکرؓ صدیق کہلائے۔

معراج کے روحانی یا جسمانی ہونے کے بارے میں سلف اور خلف میں اختلاف ہے۔ اکثر صحابہؓ و تابعین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ روح اور جسم دونوں کے ساتھ پیش آیا۔ لیکن

حضرت عائشہؓ، حذیفہؓ بن الیمان، حسن، معاویہ، ابن اسحٰق وغیرھم اسے ایک روحانی معاملہ سمجھتے ہیں۔ مولانا آزاد اسکے بارے میں لکھتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے احوال و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جن کے لیئے ہماری عام تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ ہماری ہر تعبیر ایک ایسی حالت پیدا کر دے گی جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کو جو حالات پیش آتے ہیں، انکی نوعیت ہی دوسری ہے۔ وہ ہمارے محسوسات و مفہومات سے باہر کے معاملات ہیں'' (24)۔

(۲۲) پہلی بیعتِ عقبہ:

عرب میں کعبہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ دور دور سے زائرین کے قافلے عمرے اور حج کیلئے آیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان زائرین پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ منیٰ کے قریب عقبہ کی گھاٹی میں سے گزرے تو آپ ﷺ نے وہاں چند اشخاص کو بیٹھے پایا۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ تھے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے پاس جا کر حسب معمول نہایت شفقت اور محبّت سے گفتگو شروع کی اور دعوتِ اسلام دی۔ ان سب نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ یہ چھ افراد قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجّار سے تعلق رکھتے تھے اور حضور ﷺ کے ننھیال سے بھی انکی نسبت تھی۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ اسعد بن زرارہ ۲۔ عوف بن حارث

۳۔ رافع بن مالک ۴۔ قُطبہ بن عامر

۵۔ عقبہ بن عامر ۶۔ جابر بن عبداللہ

نبی ﷺ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ یثرب واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ انہوں نے اسپر رضامندی کا اظہار کیا۔

Marfat.com

ان لوگوں کے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قبول اسلام میں جہاں نبی ﷺ کی تبلیغ اور ذات بابرکات کا اثر تھا، وہیں یثرب کی مخصوص سیاسی وسماجی صورت حال کا بھی بڑا دخل تھا۔ یثرب کے یہود وہاں کے مقامی باشندوں پر کئی طرح سے اپنی برتری جتایا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب توریت ہے جس میں ایک نبی برحق کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ جب بنی اسرائیل میں اس نبی کا ظہور ہوگا تو وہ اسکی قیادت میں ایک مضبوط قوم بن جائیں گے اور بت پرست عربوں کی سرکوبی کریں گے۔

مزید برآں یثرب کے مقامی قبیلے اوس اور خزرج آپس کی طویل خونریزی سے اکتائے ہوئے تھے (25)۔ وہ کسی ایسے قائد کی ضرورت کو شدّت سے محسوس کر رہے تھے جو انہیں جنگ و جدل سے بچا کر اپنے پرچم تلے متحد اور منظم کر سکے۔ چنانچہ یثرب کے ان باشندوں کا جب آنحضرت ﷺ سے تعارف ہوا اور اسلام کی تعلیمات انکے علم میں آئیں تو انکے دل و دماغ نے شہادت دی کہ نبی ﷺ کی ذات اقدس ہی میں انہیں اپنے درد کا درماں مل سکتا ہے۔ وہ مشرّف باسلام ہوئے اور انہوں نے بیعت النّسا کی یعنی انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح وہ اسلام اور نبی ﷺ کی بھی حفاظت کریں گے۔ تاریخ میں یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔

اگلے سال یعنی ۱۲ نبوی میں دس خزرج کے اور دو اوس کے افراد حج کیلئے آئے اور عقبہ کی گھاٹی میں ہی انہوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی۔ گزشتہ برس جو چھ خزرجی آپ ﷺ سے ملے تھے ان میں سے پانچ اس دفعہ بھی آئے تھے۔ چھٹے جابر بن عبداللہ کسی وجہ سے نہ آسکے تھے۔ باقی سات افراد کے نام یہ ہیں:

۱۔ معاذ بن حارث
۲۔ ذکوان بن عبد قیس
۳۔ عبادہ بن صامت
۴۔ ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ

Marfat.com

۵۔عباس بن عبادہ بن نظلہ ۶۔ابوالہیثم مالک بن تیہان

۷۔عویم بن ساعدہ

نبی ﷺ نے ان سے مندرجہ ذیل امور پر بیعت لی:

ا۔شرک نہیں کریں گے۔ (۲)۔ چوری اور زنا سے اجتناب کریں گے۔ (۳) اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ (۴) جھوٹ اور چغلی سے اپنا دامن بچائیں گے۔ (۵) اچھی باتوں میں نبی ﷺ کے تابع فرمان رہیں گے۔

بعض سیرت نگاروں کے نزدیک عقبہ کی تین بیعتیں ہیں۔ ۱۲ نبوی کی بیعت کو وہ دوسری بیعت عقبہ کہتے ہیں۔ لیکن اکثر سیرت نگاران دو بیعتوں کو بیعت عقبہ اولیٰ ہی کہتے ہیں۔ اس دفعہ باقاعدہ شرائط طے ہوئی تھیں اور اہل یثرب کی درخواست پر نبی ﷺ نے بنی عبدالدار کے نوجوان مصعبؓ بن عمیر کو بطور معلّم انکے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت مصعبؓ نے بڑی لگن اور فراست سے یثرب کے باشندوں کو اسلام کی تعلیم دی۔ یثرب کے لوگ انہیں ''المقری'' یعنی پڑھانے والا یا استاد کہتے تھے۔ بعد ازاں حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم کو بھی بطور معلّم یثرب بھیج دیا گیا۔

(۲۳) دوسری بیعت عقبہ:

اس سے اگلے سال یعنی ۱۳ نبوی یثرب سے تہتر (۷۳) افراد حج کیلئے آئے۔ ان میں دو عورتیں، امّ عمارہ اور اُمّ منیع بھی تھیں۔ یہ حضرات یثرب میں ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اس دفعہ وہ حج پر آئے ہی اس لیئے تھے کہ نبی ﷺ کو باضابطہ طور پر یثرب آنے اور وہیں مستقلاً آباد ہو جانے کی دعوت دیں۔ یہ حضرات بھی عقبہ کی گھاٹی میں ہی نبی ﷺ سے ملے۔ نبی ﷺ نے مندرجہ ذیل باتوں پر ان سے بیعت لی:

Marfat.com

(۱) طبیعت کی چستی اور سستی دونوں حالتوں میں وہ نبی ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے۔

(۲) تنگی اور فراخی دونوں حالتوں میں وہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں گے۔

(۳) اچھائی کے پھیلانے اور برائی سے روکنے میں مدد کریں گے۔

(۴) پیغام حق دینے میں کسی قسم کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

(۵) حضور ﷺ کے یثرب منتقل ہو جانے کے بعد وہ آپ ﷺ کی حمایت و حفاظت اس طرح کریں گے جسطرح وہ اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔

حضور ﷺ نے ان افراد سے وعدہ فرمایا کہ وہ ان شرائط کی پابندی کے عوض جنت کے حقدار ہو جائیں گے۔ اِن تہتر افراد نے یہ شرائط قبول کرلیں اور ہر حال میں نبی ﷺ کی نصرت و حمایت کا یقین دلایا (26)۔

یثرب کے ان مسلمانوں سے بیعت لینے کے بعد آپ ﷺ نے ان پر بارہ نقیب مقرّر فرمائے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ
۲۔ سعد بن الرّبیع
۳۔ عبداللہ بن رواحہ
۳۔ ارفع بن مالک
۵۔ براء بن معرور
۶۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام
۷۔ عبادہ بن صامت
۷۔ سعد بن عبادہ
۹۔ منذر بن عمر
۱۰۔ اسید بن حضیر
۱۱۔ سعد بن خثیمہ
۱۲۔ رفاعہ بن عبدالمنذر (یا ابوالہیثم بن تیہان)

یہ نقیب مقرر کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''میں اپنی پوری قوم کا کفیل ہوں۔ لیکن تم حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کی طرح

Marfat.com

اپنی قوم کے کفیل ہو!''

(۲۴) تیرہ سالہ دور پر ایک نظر:

وہ انقلابی جدوجہد جو ''قُم فانذر'' سے شروع ہوئی تھی، مکہ کے شرک آلود سماج سے جوہر قابل کو مقناطیسی کشش کے تحت اپنی طرف کھینچتی رہی۔ مہرِ درخشاں کی حیات افروز کرنیں ظلمت کی دبیز تہوں کو چیر کر ایسے افراد کے قلب ونظر کو مستنیر کرتی رہیں جن میں ہدایتِ خداوندی سے بہرہ اندوز ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ آوازِ حق کو دبانے کیلئے کفّار نے ظلم و ستم کی ایسی ایسی داستانیں رقم کیں جو آج بھی سننے والوں کو لرزہ براندام کر دیتی ہیں۔ اسکے ساتھ ہی مقصد سے لگن، حق وصداقت کیلئے جاں سپاری اور نبی ﷺ کے ساتھ عقیدت وفاداری کی ایسی مثالیں بھی قائم ہوئیں جن پر انسانیت ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ پیغامِ الٰہی کی گونج مکّہ سے باہر تمام اطراف واکنافِ عرب میں سنائی دے رہی تھی۔ اب صورت حال یہ تھی۔ کہ مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد حبشہ میں پناہ گزین تھی۔ لیکن حبشہ کو مرکزِ اسلام نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ ایک تو وہ دور تھا دوسرے وہاں پہلے ہی سے ایک بادشاہت کی موجودگی میں نبی ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا امکان بہت کم تھا۔ مکہ کا جڑواں شہر طائف مرکزِ اسلام بننے کی سعادت سے محروم ہو چکا تھا۔ جو مسلمان مکہ میں مقیم تھے ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ سردارانِ قریش اپنے معاندانہ عزائم میں متحد ہو چکے تھے۔ مقاطعہ کے بعد اب وہ کسی ایسی تدبیر پر غور کر رہے تھے جس سے اسلام کا بڑھتا ہوا خطرہ ہمیشہ کیلئے ٹل سکتا۔ یہ تدبیر سوائے قتل نبی ﷺ کے اور کچھ نہ ہو سکتی تھی۔ ادھر آنحضرت ﷺ بھی محسوس کر رہے تھے کہ انکے لیئے اب اپنے آبائی شہر میں رہنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے:

وَاِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ''(بنی اسرائیل:۷۶)

Marfat.com

''اور یہ لوگ اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ تمہارے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں اور تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں، لیکن اگر یہ ایسا کریں گے تو تمہارے بعد خود یہ زیادہ دیر یہاں نہ ٹھہر سکیں گے۔''

اللہ کی طرف سے ہجرت کے اشارے تو عرصے سے مل رہے تھے اور کہا جا رہا تھا کہ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ کی راہ میں نکل جائیں۔ بیعت عقبہ کے بعد آنے والے دور کا نقشہ بڑی حد تک مرتب ہو چکا تھا۔ طائف کی نسبت یثرب کو مرکز اسلام بنانے میں کئی مصلحتیں تھیں۔ اوّلاً تو یہ کہ یہود کی وجہ سے وہاں ایک نبی موعود کا تصور پہلے ہی سے موجود تھا۔ ثانیاً یہ کہ وہاں باہمی عداوتوں اور قبائلی جنگوں کے باعث معاشرتی حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ ایک مرکزی اور مقتدر شخصیت کی ضرورت بری طرح محسوس کی جا رہی تھی جو امن اور آشتی کی فضا قائم کر سکتی۔ وہاں کے باشندے تہہ دل سے نبی ﷺ کی غیر مشروط اطاعت پر تیار تھے۔ اس نئی سازگار فضا میں اسلام کے سیاسی، معاشی اور روحانی طور پر پھلنے پھولنے کے پورے امکانات موجود تھے۔ نبی ﷺ اس ساری صورت حال کا بنظر غائر جائزہ لے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشکل ترین حالات میں آپ ﷺ کو معراج کے انعام سے نوازا اور مقام محمود کی بشارت بھی دی:

"عَسیٰٓ اَنْ یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحمُو داً" (بنی اسرائیل ۷۹)

''بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کرے۔''

اور اسکے ساتھ ہجرت کا واضح اشارہ بھی دے دیا گیا:

"وَقُلْ رَّبِ اَدْ خِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِ جْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ جْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراo وَقُلْ جآءَ الحَقُّ و زَھَقَ البَا طِلُ ط انَّ البَا طِلَ کَانَ زَھُوْقاً۔" (بنی اسرائیل ۸۰۔۸۱)

Marfat.com

''اور دعا کرو کہ پروردگار! مجھے جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔''

ان آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشاعت اسلام کے لیئے حضور ﷺ کی تمام مساعی کو بنظر استحسان دیکھا ہے اور آپ ﷺ کو بلند ترین مقام کی خوشخبری دی ہے۔ مزید برآں اللہ نے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ کافروں کی ان تدبیروں کو جو وہ حضور ﷺ کو اس سرزمین سے اکھاڑنے کیلئے کر رہے تھے۔ ان پر ہی اسطرح الٹ دے گا کہ وہ خود اپنی ہی سرزمین میں اجنبی بن جائیں گے۔

باطل قوتوں کی انتہائی شورش کے درمیان آپ ﷺ کو کاتبِ تقدیر کے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا کہ ان قوتوں کی کمر توڑ کر انہیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہے۔

(۲۵) نازک لمحات:

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد جب یثربی مسلمان اپنی فرودگاہ پر پہنچے تو کچھ دیر بعد ہی مشرکینِ مکّہ وہاں پہنچ گئے۔ ان کے کانوں میں بیعتِ عقبہ کی بھنک پڑ گئی تھی۔ آنے والے وقت کی خوفناک صورت حال کا ان پر انکشاف ہو چکا تھا۔ یثرب کے لوگ اگر نبی ﷺ کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کر لیتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ شام کی طرف جانے والی تجارتی گزرگاہ انکے لیئے غیر محفوظ ہو جائے گی۔ اس شاہراہ پر آنے جانے والے انکے مال و اسباب سے لدے پھندے کاروانوں پر اچانک حملہ ہو سکتا تھا۔ شام کے ساتھ مکّہ والوں کی تجارت کا تخمینہ تقریباً ڈھائی لاکھ دینار سالانہ تھا (27)۔ قریشی سرداروں کے ذہن سے ابھی وہ یادیں محو نہیں ہوئی تھیں جب وہ پانی اور چارے کی تلاش میں صحرا میں جگہ جگہ بھٹکا کرتے تھے اور موت اور قحط کے سائے ہر جگہ انکا تعاقب کرتے تھے۔ پانچویں صدی عیسوی کے وسط (یعنی ۴۴۰ء)

میں جب قصی نے مکہ پر قبضہ کرلیا تو تمام قریش کو بلا کر انکے خاندانوں کو شہر کے مختلف حصوں میں بسایا تھا۔ اسطرح ان کے دن پھرے اور کعبہ کی تولیت نے انکی مذہبی سیادت کا سکہ پورے جزیرۃ العرب میں جما دیا تھا۔ اس مذہبی سیادت کی آڑ میں انکی معاشی حالت اتنی مستحکم ہو گئی تھی کہ انکے تجارتی قافلے سردیوں گرمیوں میں ہر طرف رواں دواں رہتے تھے۔ وہ اگر کسی غیر قریشی قافلے کو بھی امان دے دیتے تو کوئی راہزن اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ بیت اللہ کے زائرین مذہبی پیشوائی کی وجہ سے انکی عزت کرتے تھے اور انہیں ٹیکس بھی ادا کرتے تھے۔ انہیں کسی طرح یہ گوارا نہ تھا کہ انکی اتنی مستحکم معیشت کو کسی طرف سے بھی خطرہ لاحق ہو۔ مزید برآں ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابرہہ کی یلغار سے انکے تجارتی نظام کو سخت دھچکا لگا تھا اور انکی معیشت بمشکل بحال ہو سکی تھی۔ ادھر تیرہ سالوں سے وہ جسطرح نبی ﷺ اور انکے ساتھیوں کو ایذائیں پہنچا رہے تھے، وہ بھی انکے پیش نظر تھا۔ مسلمان ہو جانے والے لوگوں کی نفسیات بھی وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ ایسے شجاع، جری اور بے خوف مجاہدین اگر ہتھیار بند ہو کر ان کی شہ رگ پر بیٹھ جائیں تو گن گن کر انکے ظلم و ستم کے بدلے لیں گے۔

یہی وہ خدشات تھے جن سے بوکھلا کر وہ عقبہ کی گھاٹی میں خزرجیوں کی فرودگاہ پر پہنچے۔ اتفاق سے انکی مڈبھیڑ جن لوگوں سے ہوئی وہ مشرکینِ یثرب تھے اور انہیں اپنے ساتھیوں کی بیعتِ عقبہ کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب قریش نے ان سے استفسار کیا کہ کیا انہوں نے محمد ﷺ سے اہل مکہ کے خلاف معاہدۂ جنگ کرلیا ہے تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہاں جو یثربی مسلمان یہ دیکھ رہے تھے، مصلحتاً خاموش رہے اور موقع غنیمت جان کر وہاں سے نکل گئے۔ قریش وہاں سے لوٹ آئے لیکن جلد ہی انہیں اصل صورتِ حال کا علم ہو گیا۔ انہوں نے انکا تعاقب کیا۔ لیکن تقریباً تمام یثربی مسلمان انکی رسائی سے باہر جا چکے تھے۔ صرف سعد بن عبادہ اور منذر بن عمر پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ قریش کے ہاتھ لگ گئے۔ لیکن منذر بن عمرو کو بھی موقع مل

Marfat.com

گیا اور وہ فرار ہو گئے۔ سعد بن عبادہ کو قریش نے پکڑ لیا اور کجاوے کی رسی سے باندھ کر گھسیٹتے ہوئے مکہ لے آئے۔ یہاں انہوں نے ان پر لاتوں، مکوں اور تھپڑوں کی بارش کر دی اور بال نوچے۔ اس صورت حال میں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے سعد بن عبادہ کو بمشکل رہائی دلوائی۔ وہ سعد بن عبادہ کے یوں احسان مند تھے کہ انکے تجارتی قافلے جب بھی یثرب سے گزرتے تھے تو سعد انہیں اپنی پناہ میں گزارتے تھے۔ یثربی مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ سعد پیچھے رہ گئے ہیں اور پکڑے گئے ہیں تو انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ واپس پلٹ کر قریشیوں پر حملہ کر دیں گے اور سعد کو چھڑوا لائیں گے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ پیچھے سے سعد ان کے ساتھ آ ملے۔ اس طرح یہ تمام حضرات بعافیت یثرب پہنچ گئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ مکہ میں ہی مقیم تھے اور آنے والے وقت کے تقاضوں پر غور فرما رہے تھے۔ مکہ سے ترکِ سکونت کا وقت قریب آ چکا تھا۔ یہ گزشتہ تیرہ سالہ دور میں نازک ترین لمحات تھے۔ قریش میں تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ چکی تھی۔ لہذا ضروری تھا کہ جو بھی قدم اُٹھایا جائے بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ خود تو فی الحال مکہ ہی میں تشریف فرما رہیں لیکن دیگر مسلمانوں کو نقل مکانی کا اشارہ دے دیں۔

(۲۶) اذنِ ہجرت:

نبی ﷺ کے حکم کے بموجب مسلمانوں نے خفیہ طور پر ایک ایک دو دو کر کے ہجرت کرنا شروع کر دی۔ قریش نے مسلمانوں کی ہجرت میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں مسلمانوں کی ہجرت جاری رہی۔ انہی کو قرآن حکیم میں "السّبقون الاوّلون" کہا گیا ہے۔ یہ اپنی آبائی سرزمین کو صرف اللہ کی خاطر الوداع کہہ رہے تھے۔

Marfat.com

عبداللہ بن الاسدؓ (ابوسلمہ) جب مکہ چھوڑنے لگے تو انکے بیوی اور بچے کو بنی مغیرہ نے یہ کہہ کر روک لیا کہ ہماری بیٹی اور بچہ قبیلے والوں کی مرضی کے بغیر مکہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ عبداللہ بن الاسدؓ کے لیئے یہ سخت امتحان کی گھڑی تھی۔ لیکن انہوں اللہ کی خاطر بیوی اور بچے کی جدائی قبول کر لی اور عازم یثرب ہو گئے۔ بیوی نے اگرچہ خاوند کو ہجرت سے روکا نہیں لیکن ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہر روز اس مقام پر آ کھڑی ہوتیں جہاں ان کا خاوند ان سے جدا ہوا تھا۔ وہ وقت وداع کو یاد کرتیں اور اپنے محبوب شوہر کی یاد میں آنسو بہاتیں۔ تقریباً ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر بنی مغیرہ کے ایک شخص کو ان پر ترس آ گیا اور اس کی سفارش پر قبیلے والوں نے انہیں خاوند کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے بچے کو ساتھ لیا اور ناقہ پر سوار ہو کر تن تنہا ہی اللہ کی راہ میں نکل کھڑی ہوئیں۔ کوہ تنعیم کے قریب عثمان بن طلحہ مل گئے۔ انہوں نے ناقہ کی مہار تھامی اور پیدل ہی منزلیں طے کرتے ہوئے انہیں یثرب پہنچا آئے۔ عثمان بن طلحہ اگرچہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، تاہم وہ اتنے باکردار اور شرم و حیا کے پیکر تھے کہ تین سو میل کے سفر کے دوران انہوں نے ایک دفعہ بھی اس مظلوم اور بے سہارا خاتون کو نظر بھر کر نہیں دیکھا۔

حضرت صہیبؓ جب ہجرت کرنے لگے تو قریش کے لالچی سرداروں نے انکا سارا مال و اسباب رکھوالیا۔ چنانچہ حضرت صہیبؓ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں مکہ چھوڑ کر نکل گئے۔

ابھی تھوڑے سے مسلمانوں نے ہی ہجرت کی تھی کہ حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ عام مسلمانوں کو تو کفار ڈراتے دھمکاتے تھے اور ہجرت سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے لیکن عمرؓ کے آڑے آنے کی کسی کو جرات نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ روانہ ہونے سے پہلے حرم کے باہر آئے اور ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر اعلان کیا: ''سن لو! میں ہجرت کر رہا ہوں۔ یہ

Marfat.com

نہ جھکنا میں ذرہ بھاگ رہا ہوں۔ جو یہ چاہتا ہو کہ اس کی ماں اسکی لاش پر بین کرے، وہ میرا راستہ روک کر دیکھ لے'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے قبیلے کے بیس افراد کو ساتھ لیا اور مکہ چھوڑ دیا۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص بن وائل کو بھی ہجرت کرنا تھی۔ ہشام حضرت عمرؓ کے ساتھ نہ مل سکے کیوں کہ قریش نے انہیں پکڑ کر قید کر دیا تھا۔ عیاش حضرت عمرؓ کے ساتھ قبا تک پہنچ گئے۔ یہیں ان کے پیچھے پیچھے ابوجہل اور اسکا بھائی حارث بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے بہانہ بنایا کہ عیاش کی ماں اسے بہت یاد کر رہی ہے۔ چنانچہ یہ دھوکے سے انہیں ملا لے آئے۔ یہاں انہوں نے عیاش کو بھی ہشام کے ساتھ پابند سلاسل کر کے ایک بے چھت کے قید خانے میں ڈال دیا۔ انہیں بعد ازاں نبی ﷺ کے فرمان پر حضرت ولید بن ولیدؓ نے خفیہ طور پر قید خانے میں داخل ہو کر اور انکی زنجیریں کاٹ کر رہائی دلوائی اور ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔

(۲۷) دارالندوہ میں سازش:

مسلمانوں کی بڑی تعداد مکہ سے ہجرت کر چکی تھی۔ سرداران قریش کے دل میں آنے والے خطرات کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ چھوڑ کر نہ بھی گئے تو جلد ہی ان کے ساتھی یثرب کے قبائل کو متحد کر کے ان کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ان کے لیئے یہ ضروری ہو گیا کہ اس مسئلے کا فوری حل تلاش کریں۔ اس مقصد کے لیئے وہ قصی ابن کلاب کے محلے میں واقع دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے۔ اس مجلس شوریٰ کے چودہ سرداران قریش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) عقبہ (۲) شیبہ (۳) ابوسفیان (۴) طعیمہ بن عدی (۵) جبیر بن مطعم (۶) حارث بن عامر (۷) نضر بن حارث (۸) ابوالبختری بن ہشام (۹) زمعہ بن اسود (۱۰) حکیم بن حزام

Marfat.com

(۱۱) ابو جہل بن ہشام (۱۲) عتبہ بن حجاج (۱۳) شیبہ بن حجاج (۱۴) امیہ بن خلف۔ ان سرداران قریش میں سے بعد ازاں تین یعنی ابو سفیان، جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام مسلمان ہو گئے تھے مگر باقی سب بدر کے معرکے میں لقمہ ماجل بن گئے۔

اس مجلس میں ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) کو لوہے کی زنجیریں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ اس تجویز کو اس بنا پر رد کر دیا گیا کہ یہ واقعہ چھپا نہ رہے گا اور محمد ﷺ کے ساتھی بالآخر انہیں رہا کروالیں گے۔

دوسرے نے کہا کہ محمد (ﷺ) کو شہر بدر کر دو تا کہ شہر میں امن قائم ہو جائے۔ اس پر اعتراض ہوا کہ اسطرح محمد (ﷺ) بیرون مکہ کے قبائل کو ساتھ ملا کر مضبوط تر ہو جائیں گے اور مکہ پر حملہ کر دیں گے۔ اسطرح کئی تجاویز دی گئیں، لیکن کسی پر اتفاق نہ ہو سکا۔

بالآخر ابو جہل نے رائے دی کہ تمام قبائل قریش اپنا اپنا ایک تیغ زن منتخب کریں اور یہ تمام بیک وقت حملہ کر کے محمد (ﷺ) کا خاتمہ کر دیں۔ اسطرح محمد (ﷺ) کے خون سے تمام قبائل اپنے ہاتھ رنگ لیں گے اور بنو ہاشم کے لیئے فرداً فرداً تمام قبائل سے انتقام لینا ناممکن ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے خون بہا کا مطالبہ کیا تو سب مل کر بآسانی ادا کر سکیں گے۔ اس تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسی شب اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ قریش کی اس سازش کی طرف قرآن حکیم میں یہ اشارہ فرمایا گیا ہے:

"اِذ یَمکُرُ بِکَ الَّذِینَ کَفَرُوا لِیُثبِتُوکَ اَوْ یَقتُلُوکَ اَو یُخرِجُوکَ ط
وَیَمکُرُونَ وَ یَمکُرُ اللّٰہُ ط وَ اللّٰہُ خَیرُ المٰکِرِینَ۔" (الانفال ۳۰)

"وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں، یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر

Marfat.com

پال چلنے والا ہے۔"

(۲۸) وقتِ وداع:

نبی ﷺ نے اگرچہ مسلمانوں کو عرصے سے اذن ہجرت دے رکھا تھا، تاہم وہ خود مکہ میں اسطرح مقیم تھے جیسے مستقلاً یہیں رہنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ کا منصوبہ کیا ہے؟ آیا آپ ﷺ خود بھی ہجرت فرمائیں گے یا نہیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے انتہائی قریبی معتمد جناب ابوبکرؓ کو بھی اس بارے میں کچھ پتہ نہ تھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کی اجازت چاہی تو انہیں یہ کہہ کر روک دیا، جلدی نہ کرو! شاید اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے ایک شریک سفر مہیا کر دے"۔ ابوبکرؓ مزاج شناس رسول ﷺ تھے اشارہ سمجھ گئے۔ انہوں نے اسی وقت دو اونٹنیاں خرید لی تھیں اور انہیں ببول کے پتے کھلا کھلا کر پالنے لگے تھے۔ طفیل دوسیؓ کی ملکیت میں مکے کے نواح میں ایک قلعہ تھا۔ انہوں نے پیشکش کی تھی کہ حضور ﷺ وہاں تشریف لے چلیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے نرمی سے اس پیشکش کو مسترد کر دیا تھا۔

قریش کو اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرمانے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ جس طرح مسلمان انکی ایذا رسانی سے بچنے کے لیئے حبشہ ہجرت کرتے آئے ہیں اسی طرح اب وہ مکہ چھوڑ کر یثرب منتقل ہو رہے ہیں اور یہ کہ شاید انکے جانے کے بعد حسب سابق رسول اللہ ﷺ مکہ میں ہی قیام پذیر رہیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دارالندوہ کی سازش کے بعد حضور ﷺ کے مکان کا محاصرہ اس یقین پر کیا تھا کہ آپ ﷺ وہیں ہونگے۔

لیکن آپ ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہو چکا تھا (28)۔ آپ ﷺ صرف حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ ماہ صفر ۱۳ نبوی کی ستائیسویں کی رات (بمطابق ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء) تھی جب قریش

Marfat.com

کے منتخب تیغ زنوں نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ حضور ﷺ کو پہلے ہی سفر کی اجازت بذریعہ وحی مل چکی تھی۔

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور فرمایا کہ میری چادر اوڑھ لو۔ ساتھ ہی انہیں یہ یقین دہانی کرائی کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ حضرت علیؓ کا بھی نبی ﷺ کے فرمان پر اتنا غیر متزلزل ایمان تھا کہ وہ ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے۔ بستر نبوی ﷺ پر دراز ہوتے ہوئے ایک دفعہ تو یہ خدشہ پوری شدت سے ان کے دل میں ابھرا ہوگا کہ کسی بھی لمحے تلوار کا ایک ہی وار انکے سر کو تن سے جدا کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی حضور ﷺ کی یہ یقین دہانی بھی یاد ہوگی کہ انہیں کچھ نہیں ہوگا۔ دونوں طرح کی صورت حال میں ہی انکے لیئے تسکین جاں کا سامان تھا۔ موت آئے تو یہ بھی خوش بختی، زندگی بچ جائے تو وہ بھی سعادت! یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور ﷺ کی حضرمی چادر اوڑھی اور آپ ﷺ کے بستر پر بے خطر گہری نیند سو گئے۔

اس معاشرے کا یہ عجب تضاد تھا کہ جو آپ ﷺ کے دشمن جاں بنے ہوئے تھے، وہی اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھواتے تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ حضرت علیؓ سے جدا ہوئے تو ان کے سپرد تمام امانتیں کر آئے کہ وہ انکے مالکوں کو لوٹا دیں۔

وہ رات بڑی تاریک اور بھیانک تھی۔ خون نبی ﷺ کے پیاسے ننگی تلواریں سونتے گھر کے باہر اندھیرے میں چھپے کھڑے تھے۔ یہ ظالم کوئی نو آموز نہ تھے بلکہ نہایت ماہر تیغ زن اور جنگجو تھے۔ لیکن نبی ﷺ انکے سامنے سے ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گئے اور انہیں پتہ تک نہ چل سکا۔ جس وقت آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان پر قرآنِ حکیم کی یہ آیت تھی:

"وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ" (۹:۳۶)

''اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنادی اور ان کے پیچھے بھی، پھر ان پر پردہ ڈال دیا، پس وہ دیکھ نہیں سکتے۔''

آدھی رات کے بعد انہوں نے گھر پر دھاوا بولا اور حضرت علیؓ کو بستر پر سوتے پایا تو بہت پیٹا۔ وہ حضرت علیؓ کو کھینچ کر حرم میں لے آئے۔ اور تھوڑی دیر محبوس رکھنے کے بعد چھوڑ دیا۔

نبی ﷺ اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے تیار تھے۔ انکے پاس پانچ چھ ہزار درہم تھے جو انہوں نے ساتھ رکھ لیئے تھے۔ چھ دنوں بعد انکے والد ابوقحافہ انکے گھر آئے تو پتہ چلا کر ابوبکرؓ چلے گئے ہیں اور تمام مال و دولت ساتھ لے گئے ہیں۔ اس وقت ابوقحافہ کی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے کہا تھا ''واللہ! میں سمجھتا ہوں کہ اس نے (ابوبکرؓ نے) اپنا مال ساتھ لے جا کر تمہیں دکھ دیا ہے۔'' حضرت اسماءؓ نے اسپر کہا تھا ''ابا جان! ایسا نہیں ہے۔ وہ ہمارے لیئے بہت سا مال چھوڑ گئے ہیں۔'' ساتھ ہی انہوں نے بہت سے پتھر لیے اور انہیں گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا۔ اس طاق میں حضرت بوبکرؓ اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ پتھروں پر اسماءؓ نے کپڑا ڈال دیا اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر اوپر رکھا اور کہا ابا جان! بہت سا مال یہاں موجود ہے۔ ابوقحافہ نے مطمئن ہو کر کہا ''جب وہ تمہارے لیئے یہ چھوڑ گیا ہے تو پھر کچھ ڈر کی بات نہیں!'' حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ یہ میں نے صرف دادا کے اطمینان کیلئے کہا تھا ورنہ ابا جان سارا مال و دولت لے گئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ ان کی صاحبزادیوں، بیٹے عبداللہ، غلام عامر بن فہیرہ اور ایک کافر عبداللہ بن اریقط (جو کہ بھروسے کا آدمی تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹنیاں اسکے حوالے کر رکھی تھیں) کے علاوہ کسی اور کو نبی ﷺ کے پروگرام کا علم نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ کو لے کر گھر کی عقبی کھڑکی سے باہر آئے۔

Marfat.com

ظلمت شب کے پردے میں راہ حق کے دونوں مسافروں نے سفر ہجرت کا آغاز کیا۔ شہر سے باہر آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی نظر کعبۃ اللہ پر پڑی تو آپ ﷺ نے بڑی حسرت سے فرمایا "اے بیت اللہ! تو مجھے بہت عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے!"

Marfat.com

Marfat.com

مہرِ پیمروز

دس برس

Marfat.com

تیرہ سال کفر و شرک کی دبیز اور تاریک تہوں کو تار تار کرنے کے بعد مہر درخشاں اب اپنے اوج کمال کی طرف بلند ہوتا ہے. طاغوتی قوتوں کے ایوان بانے اقتدار میں کھلبلی مچی ہوئی ہے. بیت اللہ کی مقدس حدود میں عرصے سے قائم ابلیسی تسلط بتدریج کمزور پڑ رہا ہے. دست جوہر شناس نے جواہر ریزے چن لیے اور خزف ریزے چھوڑ دیئے. حق کی بکھری ہوئی قوتیں ایک مرکز پر مجتمع ہونا شروع ہو گئی ہیں. مہر رسالت ﷺ اب بلندیوں سے جلوہ ریز ہو گا تو نہ صرف جزیرۃ العرب سے جہالت کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی بلکہ تمام دنیا اس کی شعاعوں سے تاب ناک ہو جائے گی.

جو لوگ دنیاوی مال و دولت اور شوکت و سطوت ہی کو اصل قوت سمجھتے ہیں وہ صرف اسی کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں جو ان سے زیادہ زور آور اور صاحب اقتدار ہوتا ہے. سعید ارواح ہمیشہ حق و صداقت کی نرمی و لطافت سے متاثر ہوتی ہیں. لیکن شقی القلب صرف اسی کے سامنے گھٹنے ٹیکتا ہے جو جابر و قاہر ہوتا ہے. اسلام اس لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں روحانی دعوت کی نرمی اور دلپذیری بھی ہے اور سیاسی اقتدار کی تادیب و تعزیر بھی ہے. لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام ہتھیاروں کے زور سے پھیلا ہے. تاریخ کے ایک غیر جانبدار طالبعلم سے یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ اسلام کے اصل فروغ اور ترقی کا دور مظلومیت اور مجبوری کا تیرہ سالہ دور ہی تھا. جب مسلمان ماریں کھا رہے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں سہہ رہے تھے، اس وقت غالب و مقتدر ہونا ان کا مقدر ہو چکا تھا اور جو زورآور اور ظالم تھے، انکا ٹوٹ کر بکھر جانا لکھا جا چکا تھا. اسلام کا فروغ تلوار کے زور پر نہیں بلکہ افکار و ایمان کے زور پر ہوا ہے. اگر یہ بات

Marfat.com

سچ نہ ہوتی تو مسلمان فاتحین بستیوں کو اجاڑتے، درختوں اور کھیتوں کو آگ لگاتے اور خون کی ندیاں بہاتے. اور اگر وہ ایسا کرتے تو شاید پھر بھی تاریخ یہی فیصلہ دیتی کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے لرزہ خیز مظالم کا بدلہ لینے میں حق بجانب تھے. لیکن نہیں! تاریخ شاہد ہے کہ سب سے کم خونریزی اسلامی فتوحات کے دوران ہوئی اور مفتوحین سے ایسا سلوک روا رکھا گیا کہ اس کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی. سیاسی اقتدار تو محض ایک ظاہری پہلو ہے ورنہ اسلام کی اصل قوت تو پیغام الٰہی کی وہ بادِ شمیم ہے جو روحوں کو مس کرتی ہے.

جس طرح مہر نیمروز کا فیضان نور کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہوتا. اسی طرح رسالت کا مہر درخشاں اپنے کمال کی بلندیوں سے جلوہ ریز ہونے والا تھا. نبی ﷺ کی دعوت حق عالمی نوعیت کی تھی اور تمام زمانوں کے لیے تھی. وہ دور اب قریب آ لگا تھا جب مسلمان عساکر کے جلو میں یہ نور ہدایت تمام دنیا میں پھیل جاتا.

نبی ﷺ کی حیات طیبہ تاریخ انسانی کا ایک ایسا پر شکوہ اور دلآویز مظہر ہے جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک مہر نیمروز کی طرح آسمان انسانیت پر ضوفشاں رہے گا. ہر انسان اس منبع نور سے بقدر استطاعت اکتساب فیض کرتا ہے. اسوۂ نبوی عرصۂ حیات میں مادی اور روحانی تقاضوں کو رضائے الٰہی کے مطابق ڈھالنے کا نمونہ پیش کرتا ہے. ایک سطح پر حضرت محمد ﷺ کی پاکیزہ زندگی اندھیرے میں بھٹکنے والوں کو منزل امید دکھاتی ہے اور مشکل ترین لمحوں میں جینے کا حوصلہ بخشتی ہے تو دوسری سطح پر روحانی بلندی اور شرف انسانیت کی ایسی مثال پیش کرتی ہے جس تک رسائی پاتے ہوئے ملائکہ کے بھی پر جلنے لگتے ہیں.

تیرہواں باب

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

تیرہ سال کا دورانیہ اتنا طویل ہے کہ اس میں کسی نظریے کی باقاعدگی اور مستقل مزاجی سے تعلیم و اشاعت اور بدترین ایذاؤں اور مخالفتوں کا صبر و استقامت سے مقابلہ ناقابل تصور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس تمام پرآشوب اور حوصلہ شکن دور میں ایک دن بھی نبی ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی اور نہ ہی دربار رسالت سے وابستہ سرفروشوں کے جذبہ ایثار اور ذوقِ جاں سپاری میں لمحہ بھر کے لیے کمی آئی۔ جب کفار کی دراز دستیاں اور ایذا رسانیاں حد سے متجاوز ہوگئی تھیں تو ایک دفعہ حرم کعبہ میں حضور ﷺ اپنی چادر تہہ کر کے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت خباب بن ارتؓ بھی آپ ﷺ کی مصاحبت میں تھے۔ آپ ﷺ کے رنج و غم کو محسوس کر کے کہنے لگے:

''یا رسول اللہ ﷺ! کیوں نہ آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں (کہ کفار تباہ ہو جائیں)؟''

یہ سن کر آنحضرت ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ فرمایا:

''اے خباب! جو لوگ تم سے پہلے تھے، ان کی ہڈیوں تک گوشت اور اعصاب میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں۔۔۔ اور انہیں آروں سے چیر دیا جاتا تھا۔۔۔۔ اللہ اس امر کو (یعنی دین کو) مکمل کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک جائے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ اسے اپنی بکری پر بھیڑیئے کا خوف ہوگا!''۔ (صحیح

Marfat.com

بخاری ج ۱ ص ۵۴۳)

اتنا پختہ عزم، اتنی زبردست استقامت اور حق کی فتح کا اتنا راسخ یقین بلاشبہ آپ ﷺ ہی کا حصہ تھا۔ ایمان کے اس گنج گرانمایہ سے آپ ﷺ کے ساتھیوں کے قلب ونظر بھی مالا مال ہو گئے تھے۔ دکھ اور تکلیف کے دن بیت گئے۔ تیرہ سالہ دور میں آپ ﷺ نے اپنے ہر ایک ساتھی کو اسلام کا ایک مضبوط قلعہ بنا دیا تھا۔ اس دور میں آپ ﷺ نے اذن قتال نہیں دیا تھا۔ اگرچہ مزاحمت کے چند ایک واقعات رونما ہوئے تھے۔ تاہم مجموعی طور پر اسلامی دعوت عدم تشدّد پر ہی مبنی تھی۔ اب جب کہ ظالموں کی بستی سے مظلوم ہجرت کر چکے تھے اور دارالامن میں انہیں سکھ اور آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا تھا، انہیں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اذنِ قتال بھی ملنے والا تھا۔ اسلامی انقلاب اب مسلح جدوجہد کے مرحلے میں داخل ہونے والا تھا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام دیگر مذاہبِ عالم سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام میں ذاتی وانفرادی عبادات کا بڑا درجہ ہے۔ راتوں کی تنہائیوں میں اپنے ربّ کے آگے قیام وسجود کا بڑا اونچا مقام ہے۔ لیکن ترکِ دنیا اور تاریک گپھاؤں میں مراقبوں کی زندگی بسر کر دینا اسلام میں ناقابلِ تصوّر ہے۔ اسلام میں روحانی واخلاقی فضائل اور تزکیۂ نفس کی انفرادی کاوشیں معاشرتی وسیاسی مقاصد کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ اپنی روح کی پاکیزگی اور آخرت میں نجات ڈھونڈنے والا ریاست کا ایک اہم رکن بھی ہوتا ہے۔ اس کے لیے ساری دنیا سے کٹ کر اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونا بیشک افضل ہے۔ لیکن سر سے کفن باندھ کر کارزارِ ہستی میں اترنا بھی ویسا ہی فرض ہے۔ اگر خدا کی نظر میں بندے کا ذاتی مجاہدہ و نیاز عزیز ہے تو اسلامی ریاست کے قیام اور ظلم کے نشانات کو سینۂ دہر سے مٹانے کے لیے سرگرمِ عمل ہونا اور نذرانہ جاں پیش کر دینا عزیز تر ہے۔

Marfat.com

(۱) آغازِ سفر:

رات کی تاریکی میں مکّہ کو چھوڑ کر تاریخ انسانی کی یہ دو عظیم ہستیاں (حضرت محمد ﷺ و ابو بکرؓ) سیاہ چادریں اوڑھے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں دارالہجرت کی طرف گامزن ہوئیں۔ ایک عرصے سے مسلمان یثرب کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ اہلِ یثرب کے ساتھ حضور ﷺ کے معاہدے کا اہل مکہ کو علم ہو چکا تھا۔ اس لیے غالب امکان یہی تھا کہ جب خون نبی ﷺ کے پیاسے تعاقب میں آتے تو یثرب ہی کی راہ پر آپ ﷺ کو تلاش کرتے۔ اس نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے جنابِ رسالتمآب ﷺ نے یثرب کی طرف جانے والی شمالی راہ کو چھوڑ کر یمن جانے والی جنوبی راہ کا رخ کیا۔ مکے سے چار میل دور آنے کے بعد ثور نامی پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ جبلِ ثور کی بلندی سے بحرِ احمر کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر پھر ایک نشیب آتا ہے جس میں سے ایک پتھریلا اور دشوار گزار راستہ ایک غار تک جاتا ہے۔ یہی غار ''غارِ ثور'' کے نام سے مشہور ہے۔ محمد ﷺ اور ابو بکرؓ نے پہاڑ تک پہنچتے ہوئے حتی الامکان پنجوں کے بل چلتے ہوئے راستہ طے کیا تھا تاکہ قدموں کے نشانات سے سراغ نہ مل سکے۔ اس لیے ان دونوں حضرات کے پاؤں زخمی ہو چکے تھے۔ اب پہاڑ کے اوپر راستہ نوکیلے سنگریزوں کی وجہ سے زیادہ دشوار گزار ہو گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کو کندھے پر اٹھا لیا۔ غارِ ثور کے دہانے پر پہنچے تو یہاں ببول کی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ غالباً یہ پہلے سے طے تھا کہ کچھ دن اس غار میں روپوش رہا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے پہلے خود غار کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ جھاڑیوں میں سے جگہ بنا کر رینگ کر اندر پہنچے۔ یہاں انہیں جتنے بھی سوراخ نظر آئے، پتھروں سے بند کر دیئے۔ کچھ سوراخوں میں انہوں نے اپنے کپڑوں سے پٹیاں پھاڑ کر ٹھونس دیں۔ پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ہی زمین صاف کی جس سے ان کی انگلیاں اور ہتھیلیاں زخمی ہو گئیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کو اندر بلا لیا۔ نبی کریم ﷺ تھکن

Marfat.com

محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ لیٹ گے۔ وہاں سر کے نیچے رکھنے کے لیے کوئی شے نہ تھی۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھ لیا۔ نبی ﷺ سو گئے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ کی نظر ایک سوراخ پر پڑ گئی جو بند ہونے سے رہ گیا تھا۔ انہوں نے اپنی ایڑی اس سوراخ پر رکھ دی۔ بل میں کوئی زہریلا کیڑا موجود تھا۔ اس نے ابو بکر کی ایڑی پر کاٹ لیا۔ لیکن ابو بکرؓ نے پاؤں نہ ہٹایا۔ تکلیف کی شدت سے ان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ پسینے کے قطرے جب آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے تو آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ معلوم ہونے پر آپ ﷺ نے زخم پر اپنا لعاب دہن مل دیا۔ ابو بکرؓ کی فوراً تسکین ہو گئی۔

جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں دونوں حضرات نے غار کے اندر بسر کیں۔ اس دوران عبداللہ بن ابو بکرؓ کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ کفار کے ردِ عمل کا پتہ لگاتے رہیں اور شام کے بعد غارِ ثور میں آ کر حضور ﷺ اور ابو بکرؓ کو مطلع کرتے رہیں۔ چنانچہ عبداللہؓ سارا دن اہلِ قریش کے منصوبوں کا سراغ لگاتے اور جب شام گہری ہو جاتی تو خبریں لے کر غارِ ثور میں پہنچ جاتے۔ آتے ہوئے وہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ساتھ لے آتے۔ رات وہ غارِ ثور میں ہی بسر کرتے اور صبح سویرے اجالا پھیلنے سے پہلے واپس پہنچ جاتے اور اہلِ مکہ کو یہ تاثر دیتے کہ رات انہوں نے مکہ ہی میں بسر کی ہے۔ ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ علی الصّبح بکریوں کا ریوڑ اس راستے سے لاتے جس پر عبداللہ کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ دوسرے چرواہوں کی نظر بچا کر وہ بکریوں کا تازہ دودھ غار میں پہنچا دیتے تھے اور شام کو اپنا ریوڑ ہانکتے مقررہ راستے سے واپس آتے تھے اس طرح غار تک آنے جانے کے تمام نشانات مٹ جاتے۔

(۲) دشمنانِ نبی ﷺ کا جوشِ انتقام:

جب کفار کو اپنے مذموم عزائم میں منہ کی کھانی پڑی تو ان کا جوشِ انتقام اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ انہوں نے مکہ آنے والی تمام شاہراہوں پر اپنے ہرکارے دوڑا دیئے۔ لیکن انہیں ہر

Marfat.com

طرف سے مایوسی ہوئی۔ پھر وہ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک سن کر حضرت اسماءؓ نکلیں۔ انہوں نے استفسار کیا کہ تمہارا باپ کہاں ہے؟ حضرت اسماءؓ نے کہا کہ مجھے نہیں پتہ کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ اس پر ابوجہل نے طیش میں آ کر زور سے اسماءؓ کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اسماءؓ کے کان سے بالی گر گئی۔

اہلِ قریش ایک مرتبہ پھر اکٹھے ہوئے اور سر جوڑ کر مشورے کرنے لگے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ مکے کے تمام راستوں کی مستقل اور کڑی نگرانی کی جائے۔ انہوں نے یہ منادی بھی کر دی کہ جو ابوبکرؓ یا محمد ﷺ کو زندہ یا مردہ لائے گا اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ عرب کے ماہر کھوجیوں کو حضور ﷺ کے سراغ لگانے پر مامور کر دیا گیا۔

(۳) خون کے پیاسے دہانِ غار تک:

خونِ نبی ﷺ کے پیاسے جبلِ ثور تک پہنچ گئے۔ لیکن یہاں بھی ان دونوں حضرات کا سراغ نہ مل سکا۔ اچانک نشیب کے اختتام پر انہیں غار کا دہانہ نظر آیا۔ وہ اس کی طرف بڑھے۔ لیکن دہانِ غار پر انہیں جھاڑیاں نظر آئیں جن پر مکڑی نے جالا تان رکھا تھا۔ جھاڑیوں میں ایک گھونسلا بھی نظر آیا جس میں کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ یہاں تو محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے مکڑی نے اپنا جال بن رکھا ہے۔ اس لیے انہیں غار میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ چنانچہ وہ وہیں سے واپس مڑ گئے۔

جس وقت کفار غارِ ثور کے قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے تو بقولِ حضرت ابوبکرؓ اگر وہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھ لیتے تو وہ نیچے غار میں انہیں لازمی طور پر دیکھ سکتے تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ بہت زیادہ مضطرب ہو گئے تھے۔ انہیں اپنی جان کی تو کوئی پرواہ نہ تھی۔ صرف نبی ﷺ کا خیال تھا کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ اس خیال سے اس پیکرِ مہر و وفا کے آنسو

Marfat.com

بہہ نکلے۔ انہیں اس حقیقت کا مکمل احساس تھا کہ یہ سنگین ترین لمحات ہیں۔ آنے والے دور کی کامیابی کا تمام تر دارومدار انہی لمحوں پر تھا۔ اگر ابلیس صفت اعدائے اسلام غار کے اندر داخل ہو جاتے تو یہ غیر مسلح بزرگ ہستیاں مزاحمت نہ کر پاتیں اور انسانیت ہمیشہ کے لیے فیضانِ رحمت اور نورِ ہدایت سے محروم ہو جاتی۔ دستِ قاتل کو اپنے قریب محسوس کر کے حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آڑ میں لے لیا تاکہ اگر دشمن وار کرے بھی تو وہ اسے اپنے جسم پر روک لیں۔

ادھر نبی ﷺ کی حالت ابوبکرؓ سے یکسر مختلف تھی۔ آپ ﷺ تمام دنیاوی علائق سے رابطہ قطع کر کے مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کر چکے تھے۔ آپ ﷺ کی قلبی حالت میں ذرا سا بھی تغیّر رونما نہ ہوا۔ وہی جذباتی ٹھہراؤ، وہی سکون و اطمینان اور وہی اللہ کی خاطر جینے مرنے کی تمنا آپ ﷺ کی شخصیت پر چھائی ہوئی تھی۔ ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کے کان میں سرگوشی کی:

''یارسول اللہ! دشمن سر پر آ پہنچا ہے!''

آپ ﷺ نے دھیمی آواز میں فرمایا:

''لا تحزن اِنّ اللہ معنا'' غم نہ کرو! اللہ ہمارے ساتھ ہے!

بعد ازاں قرانِ حکیم میں اس صورت حال پر یوں تبصرہ کیا گیا:

" فَقَد نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُو اثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَافِي الغَار اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَافَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِینَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا'' (التوبہ:۴۰)

''خدا نے رسول کی اس وقت بھی مدد کی تھی جب اہلِ کفر نے اسے نکالا جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اور وہ (رسول) اپنے ساتھی

Marfat.com

(ابوبکرؓ) سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (بس یہ کہتے ہی) خدا نے اپنی سکینت اسپر (ابوبکرؓ پر) نازل فرمائی اور اسکی مدد ایسے (کائناتی قوتوں کے) لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آ سکتے تھے!''۔

اس آیہ کریمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی مندرجہ ذیل نکات کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں:

''(۱) ''ثانی اثنین'' کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ دونوں کا مشن ایک ہی تھا۔ روح، جان ایک ہی تھی اور قالب دو تھے۔

(۲) ''لصاحبه'' کہہ کر یہ اعلان کر دیا گیا کہ جناب ابوبکرؓ کی صحابیت کاملہ کا منکر قرآنی ارشاد کا منکر ہے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی ہستی نہیں جو جناب ابوبکرؓ کے علاوہ رفیق غار تسلیم کی گئی ہو۔

(۳) ''لا تحزن'' سے یہ واضح کر دیا ہے کہ ہزار بار فنا فی الرسول ہونے کے باوجود مقام نبوت اصل اور مقام صدیقیت اس کی فرع ہے۔

(۴) ''علیه'' سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ ابوبکرؓ کا ہی سینہ انوار کا مہبط تھا۔ کیونکہ رسول ﷺ تو پہلے ہی صاحب سکینت تھے۔ اس سکینت کی ضرورت تو ابوبکرؓ کو تھی نہ کہ رسول ﷺ کو۔

(۵) ''لہذا ''وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا'' بھی جناب صدیقؓ ہی کے متعلق ہے۔ یہ نظر نہ آ سکنے والے لشکر۔ یہ وہی کائناتی قوتیں ہیں جن کو ہم ملائکہ بھی کہتے ہیں۔ یہی وہ انوار ہیں جو ثباتِ قلب بخشتے ہیں۔

یہ غار کی رفاقت وہ رفاقت ہے جس کی وجہ سے رفاقت کاملہ کے لیے ''یارِ غار'' ہمیشہ کے لیے یادگار محاورہ بن گیا ہے۔ ہجرت کی یہ رات اور جناب ابوبکرؓ کی یہ فدویت ایسی عجیب

Marfat.com

انداز کی تھی کہ جناب عمرؓ فرماتے تھے ''ابوبکرؓ کی یہ رات عمرؓ اور عمرؓ کے سارے خاندان کے اعمالِ حسنہ پر تنہا بھاری ہے۔ یہ رات ہی نہیں بلکہ ابوبکرؓ کا ایک دن بھی عمرؓ اور آلِ عمرؓ سے بہتر ہے''(3)۔

(۴) غارِ ثور سے روانگی:

تین راتیں غارِ ثور میں بسر کرنے کے بعد جب آنحضرت ﷺ کو عبداللہ بن ابوبکرؓ کی زبانی ملنے والی خبروں سے اندازہ ہو گیا کہ اہلِ قریش کی تگ و دو سرد پڑ چکی ہے تو چوتھے روز آپ ﷺ نے آگے بڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ یکم ربیع الاول دوشنبہ (بمطابق ۱۶ ستمبر ۶۲۲) کا دن تھا (4)۔

عبداللہ بن اریقط طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کی فراہم کردہ دونوں سفید اونٹنیاں لے کر جبلِ ثور پر پہنچ گیا۔ سفید اونٹنی عرب کے صحراؤں میں اپنی تیز رفتاری کے لیے بہت مشہور تھی۔ جناب صدیقؓ نے ان دونوں میں سے جو بہتر اونٹنی تھی، حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

''مَا الثَّمنُ الَّذی ابتَعتَهَا به ''(تم نے اسے کتنے میں خریدا ہے؟)''

ابوبکر نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا! یہ تو آپ ﷺ کی نذر ہے!''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

'' اِنّي لَا اَرکَبُ بغَیراً لَیسَ لی (میں ایسی سواری پر نہیں بیٹھتا جو میری نہ ہو!''۔

پھر حضور ﷺ نے اصرار کر کے اس کی قیمت ادا کر دی۔ اس اونٹنی کا نام غالباً ''قصویٰ''

Marfat.com

تھا۔ اتنے میں حضرت اسماءؓ بھی کھانے پینے کی چیزیں ایک تھیلے میں ڈال کر وہاں پہنچ گئیں۔ انہوں نے جب تھیلے کو اونٹ کے کجاوے کے ساتھ باندھنا چاہا تو انہیں کوئی رسی وغیرہ نہ مل سکی۔ تب انہوں نے اپنی کمر کے گرد لپٹے ہوئے پٹکے کو اتارا اور اسے پھاڑ کر دو پٹیاں بنالیں۔ ایک سے انہوں نے تھیلے کو کجاوے سے باندھا اور دوسری اپنی کمر کے گرد کس لی۔ اس پر حضور ﷺ نے بے ساختہ انہیں ''ذات النطاقین'' (دو پٹکوں والی) کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

ابوبکرؓ، ان کے غلام فُہیرہ، عبداللہ بن اریقط اور خود جناب رسالتمآب ﷺ غار ثور سے روانہ ہو گئے۔ عبداللہ بن اریقط صحرائی سفر کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ پہلے ہی راہنمائی کا معاملہ مناسب اجرت پر طے ہو چکا تھا۔ یہ ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا لیکن بھروسے کا آدمی تھا۔ اس لیے اس فیصلہ کن سفر میں اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ عبداللہ بن اریقط بجائے معروف راستوں کے انہیں لے کر کم مستعمل راستوں سے یمن کے رخ پر چلا۔ پھر کافی آگے جا کر اس نے ساحل سمندر کی طرف رخ کر لیا۔ یہاں سے اس نے ایک راستے کا انتخاب کیا جو بہت کم استعمال ہوتا تھا اور زیادہ لوگوں کو اس کے بارے میں علم بھی نہ تھا۔ یہ راستہ شمال کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ یثرب کی طرف جاتا تھا۔ دوران سفر آپ ﷺ نے نہ صرف راستہ بدل دیا بلکہ اوقاتِ سفر بھی بدل دیئے۔ آپ ﷺ تمام رات سفر کرتے اور پہلے پہر بھی کافی دیر تک سفر جاری رکھتے۔ بقیہ دن آپ ﷺ آرام فرماتے۔

(۵) منازلِ سفر:

ابنِ اسحٰق کہتے ہیں: ''عبداللہ بن اریقط سمندر کے کنارے کنارے عسفان (5) کے نیچے سے گزرا۔ پھر اَمج کے نیچے سے گزرا، قدید سے آگے نکلا تو خرار اور مثنیہ المرہ ہوتا ہوا آپ ﷺ کو لفتا لے گیا۔ پھر وہ مُدلجِہ محاج پہنچا جسے حجاج بھی کہتے ہیں۔ آگے مرج ذوالعصوین سے اور پھر وادی جداجد اور الاجرد سے ہوتا ہوا ذی سلم کے مقام اعدامیں سے ہو کر

Marfat.com

مدلجہ ھن پہنچا۔ وہاں سے العبابید پھر الفلجہ پھر العرج میں جا اترا۔ العرج سے نکل کر راہ دکھانے والا ثنیۃ العائر کی طرف چل پڑا (اسے ثنیۃ الغائر بھی کہتے ہیں)۔ یہ رکوبہ سے دائیں جانب ہے۔ وہاں سے وادی رئم پھر بنی عوف میں قبا کے مقام پر لے آیا (6)۔ (ابن ہشام سیرتِ النبی ﷺ ج ا ص ۵۴۰)

بارہ ربیع الاوّل کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ پیر کا دن تھا۔ گرمی خاصی بڑھ رہی تھی۔ سورج نصف النہار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یثرب پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ نے کچھ دن قبا میں قیام فرمایا۔ قبا یثرب سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

(٦) چند واقعاتِ سفر:

(ا) غارِ ثور سے روانگی کے بعد پہلے ہی روز آپ ﷺ کا گزر ام معبد کے خیمے سے ہوا۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک مریل سی بکری کو کئی بار دوہ کر بہت سا دودھ حاصل کیا، خود بھی پیا، اپنے ساتھیوں کو پلایا اور وافر مقدار میں ام معبد کے لیے بھی چھوڑ آئے۔ (امّ معبد کا ذکر حلیہ مبارک کی ضمن میں قبل ازیں ہو چکا ہے)۔

(۲) صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب آپ ﷺ کو سفر کرتے ہوئے ایک دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی تو اگلے دن دوپہر کے وقت جب کہ دھوپ کی تمازت ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی، آپ ﷺ نے ایک چٹان کے سائے میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ادھر ادھر کسی کھانے پینے کی چیز کی تلاش شروع کر دی۔ اچانک انہیں ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریاں لے کر چٹان کی طرف ہی آ رہا تھا تاکہ اس کے سائے میں آرام کر سکے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی اجازت سے ایک بکری کا تھن صاف کیا اور اسے دوہا۔ اس کا دودھ انہوں ایک چرمی لوٹے میں پانی کے ساتھ ملایا تاکہ ٹھنڈا ہو جائے۔ یہ لوٹا انہوں نے حضور ﷺ کے وضو وغیرہ کے لیے ساتھ

Marfat.com

رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے دودھ پیا اور شام ڈھلے پھر سفر شروع کر دیا۔

(۳) بنو مدلج کا سراقہ ایک ماہر عریف (کھوجی) تھا۔ اس کا پورا نام سراقہ بن مالک بن جعشم تھا لیکن اپنے دادا کی نسبت سے سراقہ بن جُعشُم کہلاتا تھا۔ یہ اپنی قوم کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آ کر خبر دی کہ یثرب کی غیر معروف راہ پر کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں۔ حلیہ پوچھنے پر اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی گرفتاری کے لیے قریش نے سو اونٹ کا انعام مقرر کر رکھا ہے۔ یہ لالچی انسان تھا اس نے سوچا کہ قریش کا مقرر کردہ انعام وہ اکیلا ہی حاصل کرے۔ چنانچہ وہ خفیہ طور پر وہاں سے اپنے تیز رفتار گھوڑے پر ان کے تعاقب میں نکلا۔ تعاقب سے پہلے اس نے ازلام (تیروں) سے فال بھی نکالی تھی جو کہ اس کے حق میں نہ تھی۔ لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔ وہ حرص و طمع میں اندھا ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ انہیں اسیر بنا لے گا یا قتل کر کے ان کی لاشیں قریش کو لا دے گا۔ اس نے تیز رفتاری سے فاصلہ طے کیا۔ اور عازمینِ یثرب کو جا لیا۔ وہ جب محمد ﷺ کے قریب آیا تو اسے آپ ﷺ کے قرآن حکیم تلاوت کرنے کی آواز آئی۔ ابوبکرؓ مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ ابھی کچھ فاصلہ باقی تھا کہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ منہ کے بل زمین پر آ گرا۔ سراقہ نے اٹھنا چاہا لیکن اٹھ نہ سکا۔ تب اس نے جان لیا کہ محمد ﷺ کو خدا کی پناہ حاصل ہے۔ چنانچہ اس نے فریاد کی اور آپ ﷺ کو مدد کے لیے پکارا۔ رسول ﷺ قریب آئے تو اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور امان کا طالب ہوا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے سامان اور اشیائے خورد و نوش کی پیش کش کی۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کی پیش کش مسترد کر دی اور صرف اتنا کہا کہ وہ اس معاملے میں رازداری سے کام لے۔ سراقہ نے مزید درخواست کی کہ اس کے لیے پروانہء امن لکھ دیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر عامر بن فُہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے یا ہڈی پر اسے حضور ﷺ کا امان نامہ

Marfat.com

لکھ دیا۔

سراقہ جب واپس گیا تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ اس کے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ بھی قریش کے انعام کے لالچ میں ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور انہیں خبر ملی ہے کہ اس طرف سے کچھ لوگ گزرے ہیں جن پر مطلوبہ اشخاص کا شبہ ہو سکتا ہے۔ سراقہ نے انہیں یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ خبر ملی تھی وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور لوگ تھے، اس امر کی وہ خود تصدیق کر چکا ہے۔

غزوۂ طائف کے بعد سراقہ نے اپنا امان نامہ پیش کیا۔ اس کی جاں بخشی کر دی گئی۔ بعد میں وہ مقام جعرانہ پر ایمان لے آیا۔ حضور ﷺ نے اسے قبول اسلام پر مبارکباد دی اور کہا کہ ''سراقہ! میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن دیکھ رہا ہوں۔''

حضرت عمرؓ کے دور میں جب ایران فتح ہو گیا تو سارا مال غنیمت مسجد نبوی ﷺ میں لا کر ڈھیر کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے حضور کے فرمان کو یاد رکھتے ہوئے سراقہؓ کو طلب کیا اور یہ کنگن انہیں پہنا دیئے اور فرمایا:

''اللہ بڑی شان والا ہے! جس نے کسریٰ کے شاہی کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے!''۔ جو قریش کے مقرر کردہ انعام (سو اونٹوں) کے لالچ میں نکلا تھا، اسے حضور ﷺ نے کسریٰ کے شاہی کنگن عطا کر دیئے۔

(۴) حضرت زبیرؓ کا تجارتی قافلہ شام سے مال لے کر آ رہا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو راستے میں ملے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں سفید کپڑے کے چند قیمتی جوڑے پیش کئے جو آپ ﷺ نے شکریہ سے قبول کر لئے۔ سفر کی حالت میں پوشاکوں کا تحفہ ان حضرات کے لیے نعمتِ خداوندی تھی۔

Marfat.com

(۵) نبی ﷺ وادی تہامہ کی چلچلاتی دھوپ میں سفر کرتے ہوئے قبیلہ بنو ساعدہ کے علاقے میں آ پہنچے۔ قبیلہ کا سردار بریدہ اسلمی تھا جو مسلح لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کو گرفتار کرنے آیا لیکن حضور ﷺ سے ملاقات کرتے ہی اپنے ساتھیوں سمیت اسلام لے آیا۔ اس نے آپ ﷺ کی بہت مدارت کی۔ اب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی خطرے سے باہر آ چکے تھے کیونکہ یثرب قریب آ گیا تھا۔

دورانِ سفر آپ ﷺ اور ابوبکرؓ ایک اونٹ پر سفر کرتے تھے اور آپ ﷺ آگے تشریف فرما ہوتے تھے جبکہ ابوبکرؓ پیچھے بیٹھتے تھے۔ چونکہ ابوبکرؓ اس راستے پر متعدد بار سفر کر چکے تھے اس لیے اکثر لوگ ان کو پہچانتے تھے۔ اگر کوئی راہ گیر مل جاتا اور پوچھتا کہ آپ کے آگے کون صاحب بیٹھے ہیں تو ابوبکرؓ فرماتے ''هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِينِي السَّبِيلَ'' یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ (بخاری ۵۲۶/۱)

(۶) رسول اللہ ﷺ کی ہجرت پر ایک نظر:

(۱) اگر عرب کے سیاسی و سماجی پس منظر میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مکہ سے ہجرت رسول اللہ ﷺ کا ایک نہایت اہم اقدام تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ آئے ہیں خاندانی روابط اور قبائلی تعلقات عربوں کی اجتماعی زندگی میں اساسی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک فرد اپنے خاندان اور قبیلے سے یوں جڑا ہوتا تھا جیسے کہ کوئی عضو پورے جسم سے! اسی لیے عربوں کے ہاں ''طرد'' (برادری سے خروج) بدترین سزا تھی۔ ابوطالب کی وفات کے بعد جب ابولہب بنو ہاشم کا سربراہ بنا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو برادری سے خارج کر دیا۔ چنانچہ طائف سے واپسی پر آپ ﷺ کو مطعم بن عدی کی پناہ لینا پڑی۔ آپ ﷺ جب تک بھی مکے میں رہے اسی قبائلی نظام کا حصہ رہے۔ لیکن اب جب کہ آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ دیا تو اپنے تمام قبائلی اور نسبی روابط سے قطعِ تعلق کا عملاً اعلان کر دیا۔ اس طرح آپ ﷺ کی ہجرت دو ادوار کی حدِ فاصل بنتی ہے۔

Marfat.com

قدیم دور کا قبائلی نظام جو صدیوں سے خونی تعلق اور نسلی نسبت کے محور پر گھوم رہا تھا اب ایک نئے نظام معاشرت کے سامنے دم توڑ رہا تھا جس میں نہ نسل اور قبیلے کی برتری کا تصور تھا اور نہ ذاتی وجاہت یا دنیاوی تمول کی بنا پر کسی کو فوقیت حاصل تھی۔ اس نئے نظام معاشرت میں تمام مسلمان برابر تھے اور ان کی اجتماعیت کی اساس توحیدِ الٰہیہ سے وابستگی تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضور ﷺ تاریخ کے قدیم اور جدید ادوار کی درمیانی سرحد پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ کو ہم بجا طور پر عہدِ جدید کا معمار قرار دے سکتے ہیں۔

(۲) ہجرتِ رسول ﷺ سے توکل علی اللہ اور عملی تدبیر وسعی کے بھی راہنما اصول وضع ہوتے ہیں۔ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ انسان کسی مشکل صورتِ حال کے عملی تقاضوں سے صرفِ نظر کر کے اندھا دھند میدانِ عمل میں کود پڑے۔ قران حکیم میں ہے۔'' وَ لَا تُلْقُوْا بِاَ یْدِیْکُم اِلَی التَّھْلُکَتِہ ''(بقرہ:۱۹۵)

یعنی جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اسی لیے خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی رعایت سے عملی زندگی میں جو طرزِ عمل بھی احمقانہ ہلاکت کا باعث بن سکتا ہو، خودکشی کے ذیل میں آئے گا۔ ہاں! تمام احتیاطی تدابیر اور کسی صورتِ حال کے عملی تقاضے پورے کرنے کے بعد موت آجائے تو وہ شہادت کہلائے گی۔ رسول ﷺ نے مکے سے ہجرت کرتے ہوئے جس طرح منصوبہ بندی کی اور جس طرح کفار کے ممکنہ ردِ عمل کی روشنی میں آئندہ لائحہ عمل مرتب کیا اس سے آپ ﷺ کی بے مثال بصیرت، عمیق مشاہدے اور اعلیٰ قوتِ فیصلہ کی غمازی ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سفر پر نکلنے سے پہلے اپنا کل سرمایہ پاس رکھ لیا تھا۔ نبی ﷺ کو اگرچہ نقد پیسوں کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم آپ نے بھی اپنا ذاتی سرمایہ ساتھ رکھ لیا تھا، جبھی آپ ﷺ نے ابوبکرؓ کی پیش کردہ اونٹنی کی قیمت بھی ادا کر دی اور قبا پہنچ کر تعمیرِ مسجد کے لیے قطعۂ اراضی کی ادائیگی بھی اپنی جیب سے کی۔ دشمن کی سرگرمیوں سے باخبر رہنا، ان کے منصوبوں پر

نظر رکھنا، عبداللہ بن ابوبکر کا رات کو خبریں لے کر آنا، عامر بن فُہیرہ کا بکریوں کا ریوڑ اسی راستے پر لے جانا جہاں سے عبداللہ گزرتے تھے، دورانِ سفر وقت اور راستے کی تبدیلی، سب آپ ﷺ کی دنیاوی بصیرت اور حسن تدبیر کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کا وہ طرزِ عمل بھی بے مثال ہے جب غارِ ثور میں دشمن سر پر آ پہنچا تھا اور موت یقینی معلوم ہونے لگی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کو یہ راستہ دکھایا کہ اگر کارگاہِ عمل میں تمام احتیاطی تدبیروں کے باوجود قضاءِ مبرم سامنے آ کھڑی ہو تو رجوع الی اللہ اور توکل علی اللہ کا راستہ اپنانا چاہیے۔ ایسے موقعوں پر مکمل طور پر راضی برضا ہو جانا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔

(۳) نبی ﷺ کے سفرِ ہجرت سے یہ بات بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ جناب رسالتمآب ﷺ کو علم سے بے پناہ محبت تھی۔ جب سراقہ نے امان نامہ حاصل کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو تمسک لکھ دینے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس خطرناک سفر میں آپ ﷺ نے زادِ راہ کے ساتھ قلم دوات بھی رکھی تھی۔ ممکن ہے آپ ﷺ کا خیال ہو کہ دورانِ سفر وحی نازل ہو جائے تو یہ ضبطِ تحریر سے رہ نہ جائے۔ آپ ﷺ نے تیر، تلوار یا نیزے بھالے نہیں رکھے۔ لیکن سامانِ کتابت رکھنا نہیں بھولے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ بغیر اسلحہ اور آلاتِ دفاع کے سفر کیا جائے؟ اس کا جواب یہ کہ ابھی رسول اللہ ﷺ کو اذنِ قتال نہیں ملا تھا اور حضور ﷺ کا مشن مسلح جدوجہد کے مرحلے میں داخل نہیں ہوا تھا۔

(۴) ہجرتِ نبوی ﷺ سے اس حقیقت کا علم بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیر مرئی لشکروں سے ان لوگوں کی مدد فرماتا ہے جو اس کی رضا کے حصول کے لیے تگ و تاز کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ غیر مرئی لشکر خدائی سلطنت کے کارندے ہیں جنہیں ملائکہ بھی کہا جا سکتا ہے اور کارکنانِ قضا و قدر بھی! یہ کسی اہم اور نازک مرحلے پر مرئی اور روزمرہ کے جانے پہچانے مظاہر میں بعض ایسی

Marfat.com

تبدیلیاں کر دیتے ہیں کہ ان سے تائید ایزدی کا واضح پتہ چل جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مطلوبہ نتائج برآمد ہو جاتے ہیں بلکہ ایمان میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور توکل علی اللہ میں بھی تقویت آتی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ انسان خدا کا شریک عمل ہے۔ یعنی خدا اپنے منصوبوں کی تکمیل کر رہا ہے اور اس میں انسان بھی اس کا شریک کار (Co-Worker) ہے۔ بعض حالات میں انسان کی مدد خدا کے نادیدہ لشکروں سے ہوتی ہے۔

(۵) ہجرت نبوی ﷺ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بعض حالات میں کسی غیر مسلم کا (بشرطیکہ وہ قابل اعتماد ہو) اپنے منصوبوں کے لیے تعاون و اشتراک بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی اہم صورت حال میں کسی بھروسے کے غیر مسلم سے اجتماعی یا انفرادی مقاصد کی تکمیل میں مدد مل سکتی ہو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ان چند ایک پہلوؤں کے علاوہ ہجرت نبوی ﷺ کے کئی اور گوشے بھی ہو سکتے ہیں جو ارباب علم کے لیے موضوع تحقیق بن سکتے ہیں۔

(۷) اسلام میں سنہ ہجری کی اہمیت:

آخر میں ضروری معلوم ہوتا کہ تاریخ اسلام میں سنہ ہجری کے اجرا اور اس کی اہمیت پر کچھ روشنی ڈال دی جائے (7)۔

اسلام سے پہلے دنیا میں کئی سنین مستعمل اور مروج تھے۔ ان میں بابلی، یہودی، ایرانی، مسیحی اور ہندوستانی (بکرمی) سنین بہت مشہور تھے۔ بابلی سنہ کی ابتدا بخت نصر کی پیدائش سے ہوتی تھی۔ یہودیوں کے سنہ کی بنیاد مصر سے انکا خروج تھا۔ ایرانیوں کا سنہ اپنے بادشاہ کی تخت نشینی سے شروع ہوتا تھا۔ اسے سنہ جلوس کہا جاتا تھا۔ یعنی جب کوئی بادشاہ تخت نشیں ہوتا تو اپنا سنہ جاری کرتا اور پچھلا منسوخ کر دیتا۔ ایرانیوں کا آخری سنہ جب کہ انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی سنہ یزدگرد تھا۔ ہندوستان کا بکرمی سنہ راجا بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا

Marfat.com

تھا۔ مسیحی سنہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے جاری ہوا تھا۔ رومی اپنے سنہ کا آغاز سکندر اعظم کی پیدائش سے کرتے تھے۔

عام عربوں میں کوئی مستقل سنہ نہ تھا۔ ان کو اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ تمدنی طور پر انہوں نے کوئی ترقی نہ کی تھی۔ البتہ عرب کے متمدن علاقوں میں حسب ضرورت کوئی سا بھی سنہ اپنا لیا جاتا تھا مثلاً رومی، ایرانی یا مسیحی! یمن میں حمیری سنہ کا بھی رواج تھا۔ عام عرب اپنے حساب کتاب کے لیے کسی بڑے واقعہ کا حوالہ دیتے تھے۔ مثلاً ابرہہ کے حملے کے سال کو ''عام الفیل'' کہا جاتا تھا اور مہ و سال کو اس حوالے سے شمار کیا جاتا تھا۔

اسلام کے بعد بھی کافی عرصے تک مسلمانوں میں کوئی مستقل سنہ رواج نہ پا سکا۔ مسلمان حساب کتاب کے حوالے کے لیے دورِ اسلام کے بعض اہم واقعات کو استعمال کرتے رہے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب سورہ حج میں اذنِ قتال دیا گیا تو کچھ عرصہ یہی واقعہ حوالہ کا کام دیتا رہا۔ اسے سنہ اذن کہا جاتا تھا پھر سورہ برأۃ کی مناسبت سے سنہ برأت کا بھی رواج رہا۔ اس کے بعد حضور ﷺ کے آخری خطبے سے 'سنۃ الوداع' بھی جاری رہا (8)۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب کاروبارِ سلطنت بہت پھیل گیا تو ایک مستقل سنہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں مشورے شروع کر دیئے۔ ہرمزان کو جو کہ خوزستان کا بادشاہ تھا لیکن مسلمان ہو کر مدینہ میں ہی مقیم ہو گیا تھا، دربارِ خلافت میں طلب کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ ایران میں مہ و سال کا حساب کیسے رکھا جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ''ہمارے ہاں ایسے حساب کتاب کا ایک طریقہ ہے جسے 'ماہ روز' کہا جاتا ہے''۔ یہی ماہ روز عربی میں آ کر مورخہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ پسند فرمایا۔ اور اس طریقے کے مطابق اپنا ایک سنہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کہاں سے کی جائے؟ رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ سے؟ پہلی وحی سے؟ ہجرت مدینہ

Marfat.com

سے؟ فتح مکہ سے؟ یا حجۃ الوداع سے؟ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ ہجرتِ رسول ﷺ سے اس کی ابتدا کی جائے۔ تمام مسلمانوں نے اور خود حضرت عمرؓ نے اس مشورہ کو یوں قبول کرلیا جیسے یہ ان کے دل کی بات ہو۔ حضرت عمرؓ نہایت کشادہ دل، عالی ظرف اور بالغ نظر خلیفہ تھے۔ وہ ملّی مفادات کی خاطر غیر مسلموں کے مشورے بھی قبول کر لیتے تھے اور امورِ خلافت کی بہتری کے لیے غیر اقوام کے مفید طریقوں کو بھی اپنا لیتے تھے۔ وہ چاہتے تو کسی غیر اسلامی سنہ کو اپنا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اسے پسند نہ فرمایا۔ اس لیے کہ انہیں اس بات کا پورا شعور تھا کہ کسی ملت کے تشخص کو وضع کرنے میں اس کا سنہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کے تشخص کو کسی غیر قوم کے سنہ سے وابستہ کرنا انہیں گوارا نہ ہوا۔ پھر واقعۂ ہجرت کو سنہ اسلامی کی بنیاد بنانا بھی دوررس نتائج کا حامل تھا۔ سنہ ہجری سے ذہن میں نہ کسی شہنشاہ کی تخت نشینی کا تصور ابھرتا ہے اور نہ ہی کسی فتح و شادمانی کا تصور آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ اس سے تو وہ منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے جب فخرِ موجودات ﷺ انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں ایک پرصعوبت سفر طے کر کے یثرب پہنچے تھے۔ سنہ ہجری دراصل ایک نئے عہد کی علامت ہے جس میں صدیوں پرانے قبائلی نظام کو منہدم کر کے انسانی مساوات کی بنیاد پر ایک بین الاقوامی روحانی جمہوریت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ سنہ ہجری ایک ایسے معاہدۂ عمرانی کی یاد ہے جو ہابس (Hobbes) کے آمرِ مطلق کا آفریدہ نہیں بلکہ توحیدِ الٰہی کے خلصۂ روحانی اصول کا ثمرہ ہے۔

O

چودھواں باب

عہدِ نو کی تاسیس

نبی ﷺ ۸ ربیع الاوّل (بعض روایات کی رو سے ۱۲ ربیع الاوّل) بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ بروز دوشنبہ یثرب کی نواحی آبادی ''قبا'' میں پہنچے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف ٹھیک ترپن (۵۳) برس ہو چکی تھی۔ یہ تاریخ سنہ ہجری کا آغاز بنی۔ اس تاریخ سے ایک ایسے عہد کا آغاز ہوتا ہے جس میں آپ ﷺ نے تمام پرانی اخلاقی و سیاسی حدود و قیود (Sanctions) کو اپنے قوموں تلے روند کر ایک یکسر نئے سیاسی نظام کی داغ بیل ڈالی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام سے قبل دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشّان تمدن اور نہایت اعلیٰ و ارفع ثقافتیں فروغ پذیر ہو چکی تھیں۔ یونانی علوم و فنون کا لوہا ساری دنیا نے مانا تھا۔ مصری پہلے ہی اہرامِ مصر جیسا محیر العقول مظہرِ تعمیر پیش کر کے اقوامِ عالم کو انگشت بدنداں کر چکے تھے۔ ایرانیوں، ہندوستانیوں، چینیوں اور رومیوں نے تمدن و ثقافت کے ایسے ایسے قصر تعمیر کئے تھے جو انسان کی بے پناہ عقلی و تخلیقی قوتوں کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ لیکن تہذیب و تمدن کی تمام تر ترقی کے باوجود انسانیت کی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی۔ تمام دنیا کے عوام ظلم و استبداد کی چکی میں یکساں طور پر پس رہے تھے۔ عوام کے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت استحصالی نظاموں کی شوکت و سطوت کو قائم رکھنے میں صرف ہو جاتی۔ شہنشاہوں کی ایک جنبشِ ابرو پر شہر کے شہر راکھ کے ڈھیر بنا دیئے جاتے۔ گوری رنگت والا کالے کو حقیر جانتا، مالدار تہی دامن سے نفرت کرتا، عالم جاہل کو اپنے سامنے نہ آنے دیتا، مذہب کے متوالے کو اگر پتہ چل جاتا کہ کسی غیر آدمی نے اس کی مقدس کتاب کے کچھ جملے سن لیے ہیں تو وہ اس کے

Marfat.com

کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈلوا دیتا۔ ہر کوئی اپنے وطن اور قبیلے کی نسبت پر فخر کرتا۔ ایران والے عربوں کو وحشی اور گنوار سمجھتے تھے تو عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا کہتے تھے۔ انسانی نفرتوں اور عداوتوں کے سلسلے تمام دنیا میں یکساں طور پر پھیلے ہوئے تھے۔ کسی سماجی نظام میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ تمام انسانوں کو برابری کی سطح پر کھڑا کر کے انہیں ایک جمعیت میں متحد کر سکتا اور کراہتی ہوئی انسانیت کے درد کا درماں کر سکتا۔ مشہور مورخ ڈینی سن (1) کے بقول یہ وہ وقت تھا جب تمدن و ثقافت کا بلند و بالا اور رفیع الشان درخت ہر طرف سایہ فگن تھا اور اس پر علوم و فنون کے سنہری برگ و بار بھی آئے تھے، لیکن اسے اندر تک دیمک چاٹ چکی تھی اور یہ کسی بھی لمحے گر سکتا تھا۔

ایسے میں رسول اللہ ﷺ ایک ایسا پیغام لے کر تشریف لائے جس میں نہ صرف سسکتی ہوئی انسانیت کے ہر درد کا علاج تھا بلکہ اس کی تنویر سے آنے والے زمانے بھی تاب تاک ہونے والے تھے۔

آج بیسویں صدی کے اواخر میں جب کہ یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں، ساری دنیا میں تشویش و اضطراب کی ایک لہر پھیلی ہوئی ہے۔ سائنسدان سائنس کی ہوشربا ترقی پر حیران و پریشان کھڑے سوچ رہے ہیں کہ کہیں یہ کرۂ ارض ان کے اپنے بنائے ہوئے ہتھیاروں سے تباہ نہ ہو جائے۔ ماحولیات والے اس فکر میں غلطاں ہیں کہ کوئی ایسا نسخۂ کیمیا ہاتھ آ جائے جس کی بدولت وہ ارضیاتی ماحول کا کما حقہ تحفظ کر سکیں۔ حکومتی اور غیر حکومتی ادارے دنیا میں امن و آشتی پھیلانے کے لیے فعّال و سرگرم ہیں۔ بین الاقوامی ادارے بیماری، غربت، بچوں کی بیگار، حقوقِ نسواں، تعلیم کے فروغ اور کمزوروں کی مدد کے لیے ہر سطح پر کوششیں کر رہے ہیں۔ دنیا اب متحارب اور باہم گر برسرِ پیکار اقوام کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ انسانیت کے مستقبل کا دارو مدار صرف امن اور وحدت بشری پر ہے۔ پوری دنیا اب ایک چھوٹا سا گاؤں بن گئی ہے جس میں

Marfat.com

ایک ایسے سماجی نظام کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جو امن، مساوات اور رواداری کا ضامن ہو۔

امن، مساوات اور رواداری کا خواب رسول اللہ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے مکہ کی وادِ غیر ذی زرع میں دیکھا تھا اور مدینہ کی زرعی بستی میں اسے اپنا خونِ جگر دے کر حقیقت کا روپ بھی بخشا تھا۔ یہ نسخۂ کیمیا آج بھی کتابوں اور آپ ﷺ کے نام لیواؤں کے سینوں میں اپنی اصل آب و تاب اور صداقت کے ساتھ موجود ہے۔ عہد حاضر کے مسائل کا جو بھی حل تلاش کیا جائے گا، اس کے بارے میں تاریخ کا بے لاگ مورخ لکھے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام ہی کی بازگشت ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عہدِ نو کے سماجی نظام کی تاسیس کس طرح کی۔

(۱) قیامِ قبا:

نبی کریم ﷺ کی مکے سے روانگی کی خبریں یثرب پہنچ چکی تھیں۔ عالیہ یا قبا یثرب کی نواحی آبادی تھی۔ جو اصل شہر سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ آپ ﷺ کی آمد اسی راستے سے متوقع تھی۔ اہلِ یثرب روز اس طرف اکٹھے ہو کر آپ ﷺ کی راہ تکتے رہتے۔ انہیں یہ تو پتہ تھا کہ آپ ﷺ مکے سے چل پڑے ہیں۔ لیکن یہ علم نہ تھا کہ آپ ﷺ کس روز وہاں پہنچیں گے۔ احتیاط سے سفر کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو وہاں پہنچنے میں معمول سے زیادہ وقت لگ گیا تھا۔

ایک روز جبکہ اہلِ یثرب آپ ﷺ کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے اور دوپہر کو دھوپ بھی ناقابلِ برداشت ہو گئی تو وہ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ لیکن ایک عرب ایسا تھا جو ایک ٹیلے پر چڑھ کر بدستور ادھر دیکھ رہا تھا جدھر سے حضور ﷺ کی آمد متوقع تھی۔ اچانک اس نے

Marfat.com

سفید کپڑوں میں ملبوس کچھ سوار ادھر آتے دیکھے۔ان کے باوقار انداز اور چہروں کے جلال سے وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی ہیں جن کا کئی دنوں سے انتظار ہو رہا تھا۔وہ فوراً ٹیلے سے اترا اور بستی میں آ کر منادی کرنے لگا ''یا بنی قیلہ ،ھذا صاحبکم قد جاء!'' (اے بنی قیلہ! تمہارے سردار تشریف لائے ہیں)۔

یہ اعلان سنتے ہی لوگ گھروں سے نکل کر استقبال کے لیے لپکے۔انصار نے فوراً ہتھیار سجائے اور نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہنے کیلئے دوڑے۔ آپ ﷺ نہایت وقار اور متانت سے لوگوں کے سلام کا جواب دیتے محلہ بنی عمر بن عوف میں آ کر ٹھہر گئے۔یہاں کھجوروں کے کچھ درخت تھے۔آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی کچھ دیر کھجوروں کے سائے میں رکے۔آپ ﷺ تشریف فرما تھے جبکہ حضرت ابوبکرؓ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ دونوں زبیرؓ بن عوام کے پیش کردہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔لوگ حضرت ابوبکرؓ کو آ کر سلام کرتے۔ایک جیسے کپڑوں کی وجہ سے انہیں پہچان میں تذبذب ہوتا تھا۔نبی ﷺ کی ویسے بھی عادت نہ تھی کہ خصوصی امتیاز کا اہتمام فرماتے۔حضرت ابوبکرؓ نے فوراً صورت حال کو بھانپا۔ درختوں کی چھاؤں چھدری تھی۔اس لئے انہوں نے آپ ﷺ پر ایک چادر تان دی تاکہ دھوپ سے بھی بچاؤ ہو اور لوگوں کو پہچاننے میں بھی دقت نہ ہو۔

قبا میں آپ ﷺ کلثوم بن ہدم کے ہاں مہمان ہوئے۔کلثوم بن ہدم بہت ضعیف تھے۔ان کا انتقال حضور ﷺ کی تشریف آوری کے کچھ ہی عرصہ بعد ہو گیا۔ان کے مکان پر متعدد مہاجرین پہلے سے ہی فروکش تھے۔آپ ﷺ رات کو کلثوم کے گھر ٹھہرتے اور دن سعد بن خثیمہؓ کے گھر بسر کرتے۔سعدؓ بن خثیمہ غیر شادی شدہ تھے اور ان کا مکان کافی وسیع تھا۔ مہاجروں میں جو غیر شادی شدہ تھے وہ سعدؓ کے گھر میں ہی قیام پذیر تھے۔اسی لئے ان کے گھر کو بیت الاغراب ''کنواروں کا گھر'' کہا جاتا تھا۔حضور ﷺ سے سارا دن لوگ ملنے آتے رہتے

Marfat.com

تھے۔ اس خیال سے کہ کلثوم کے گھر والوں کو زحمت نہ ہو آپ ﷺ دن کو سعدؓ کے گھر تشریف لے جاتے۔

آپ ﷺ کو حضرت علیؓ کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔ حضرت علیؓ تیسرے دن پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ سفر چھپتے چھپاتے بڑی مشکل سے کیا تھا۔ انہوں نے آ کر حضور ﷺ کو بتایا کہ تمام امانتیں ان کے مالکوں کو فرداً فرداً پہنچا دی گئی ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا۔

قیام قبا کے دوران ہی نبی ﷺ نے ایک مسجد تعمیر کی۔ کلثوم بن ہدم کی کچھ زمین خالی پڑی ہوئی تھی جس میں وہ کھجوریں سکھایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے یہ زمین قیمتاً خریدی اور اس پر ایک مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ جلیل القدر صحابہ کے ساتھ حضور ﷺ خود پتھر اٹھا کر لاتے اور عام مزدوروں کی طرح کام کرتے۔ آپ ﷺ جب کوئی بھاری پتھر اٹھاتے تو آپ ﷺ کا جسم اطہر خم ہو جاتا۔ تب کوئی صحابی تڑپ کر آگے آتا اور عرض کرتا! ''ہمارے ماں باپ آپ پر فدا! آپ ﷺ اسے چھوڑ دیں ہم خود اٹھا لیں گے!'' آپ ﷺ وہ پتھر اسے دے دیتے۔ لیکن پھر اسی وزن کا کوئی اور پتھر اٹھا لیتے (2)۔ عبداللہؓ بن رواحہ بڑے اچھے شاعر تھے۔ مزدوروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ یہ اشعار پڑھتے تھے

اَفلَحَ مَن یُعالِجُ المساجد
ویقراء القرآن قائماً وقاعداً
ولایبیت اللّیل عنه راقداً

(وہ کامیاب ہے جو مساجد تعمیر کرتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔ اور رات کو جاگتا رہتا ہے)۔ آنحضرت ﷺ بھی ان کی آواز میں آواز ملاتے اور یہ اشعار پڑھتے۔

اس مسجد کی قرآنِ حکیم میں یوں تعریف کی گئی ہے:

''لمسجد'' اُسّس علی التّقوٰی مِنْ اوّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ط فِیْهِ رجال یُّحِبُّوْن ان یَتطهرُوا ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَهِّرِین ٥(التوبہ۱۰۸)

(وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن ہی پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے۔ وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو! اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے۔ اور خدا صاف رہنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے۔)

بقول حافظ ابن حجر اس آیت کا اطلاق مسجدِ قبا کے ساتھ ساتھ مسجدِ نبوی پر بھی ہوتا ہے۔ (فتح الباری ۷: ۱۷۴) ایک حدیث کی رو سے اس مسجد کی سمت قبلہ جبریل نے خود متعین کروائی تھی۔ ''کان جبریل ھوالذی عین لہ جھۃ القبلہ۔'' (ابن کثیر ۲:۳۸۹) اس حدیث کی رو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول ﷺ مدینہ تشریف لے جانے کے بعد بھی ہفتے کے روز پیدل یا سواری پر اس مسجد میں آ کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

(۲) دارالہجرت کی کیفیت:

یثرب مکے سے تقریباً تین سو میل اور ینبع سے تقریباً ایک سو تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک وسیع مستطیل نما زرعی رقبہ ہے جو کہ سطحِ سمندر سے چھ سو میٹر بلند ہے۔ اس کا طول بارہ میل اور عرض قدرے کم ہے۔ اس کے جنوب میں ایک اونچا پہاڑ جبلِ عیر ہے اور شمال میں جبلِ اُحد ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کا فاصلہ شہر سے تقریباً چار میل بنتا ہے۔ دائیں بائیں یعنی شرقاً غرباً ''حرّۃ الوبرۃ'' اور ''حرّۃ الواقم'' ہیں۔ یہ ایسی سیاہ پتھریلی دیواریں ہیں جو آڑی ترچھی پھیلی ہوئی ہیں اور آتش فشانی لاوے نے انہیں مضبوطی سے جوڑ دیا ہے۔ انہیں ''حرّتین'' کہا جاتا ہے۔ حرّتین نے کئی میل کا علاقہ گھیرا ہوا ہے۔ سیاہ، سنگلاخ اور نوکدار چٹانوں کو لاوے نے یوں جوڑ دیا ہوا ہے کہ یہ علاقہ ناقابل عبور بن گیا ہے۔ حرّتین کی

Marfat.com

وجہ سے یثرب کی دفاعی حیثیت بھی مضبوط تھی۔ شرقاً غرباً حرتین تھے تو دوسری اطراف میں کھجوروں کے گھنے باغات تھے۔

شہر کے جنوبی حصے (قبا) کی سطح کسی قدر بلند ہے۔ اس لئے اسے عالیہ یا عوالی بھی کہا جاتا ہے۔ شہر کے شمال میں نشیبی سطح شروع ہو جاتی ہے جس میں متعدد وادیاں ہیں۔ ان میں وادی العقیق اور وادی رانونا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہاں بارشیں بھی کافی ہو جاتی ہیں اور میدانوں میں چشمے بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے یہاں کھیتی باڑی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ سردیوں میں یہاں سخت سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی پڑتی ہے۔

آب و ہوا کے گرم مرطوب ہونے کی وجہ سے صحرانشین بدوی اکثر یہاں آکر بیمار پڑ جاتے تھے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ یاقوت نے یہ بیان کی ہے کہ اسے یثرب بن قانیہ نے آباد کیا تھا جو حضرت نوح کی اولاد میں ساتویں پشت پر تھا (3)۔ لیکن ایک وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں آکر انسان بیمار پڑ جاتا ہے۔ یثرب کا معنی پیٹ کی چربی بھی ہے اور بیمار کے کپڑے اتارنا بھی! مسلمان مہاجرین مکہ کی خشک گرم آب و ہوا چھوڑ کر جب یہاں پہنچے تو ان میں سے کئی بیمار پڑ گئے تھے۔ حضرت بلال سخت بخار کی حالت میں مکہ کو یاد کرتے اور یہ شعر پڑھتے۔

الالیت شعری هل ابیتن لیلة

بوا دو حولی اذخر و جلیل

وهل اردن یو ماً میاه مجنة

وهل یبدون لی شامة و طفیل

(کاش میں جانتا کہ کوئی رات میں وادی (مکہ) میں گزار سکوں گا اور میرے گرد ''اذخر'' اور ''جلیل'' (گھاس) ہوں گی۔ اور کیا کسی دن مجنہ کے چشمے پر وارد ہو سکوں گا اور مجھے

Marfat.com

شامہ اور طفیل (پہاڑ) دکھائی دیتے ہیں)۔

بیماری پر مستزاد یہ کہ منافقین اور یہود نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہاں مسلمان عورتیں بانجھ ہو جائیں گی۔ اس سے مسلمانوں میں بڑی بد دلی پھیلی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی حضرت اسماءؓ کے ہاں عبداللہ بن زبیر تولد ہوئے۔ اس طرح یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔
یہاں آ کر حضرت ابوبکرؓ کو بھی سخت بخار ہو گیا۔ وہ بخار کی حالت میں یہ شعر پڑھتے تھے

كُلُّ امرِيءٍ مُصبَّحٌ في اهلِه وَالمَوتُ اَدنىٰ مِن شِرَاكِ نَعلِه

''ہر آدمی اپنے گھر والوں کے درمیان صبح بخیر کہا جاتا ہے۔ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی قریب ہے''۔

حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ کو اپنے والد کی بیماری سے مطلع کیا تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ ہمارے نزدیک اس شہر کو اسی طرح محبوب کر دے جیسے کہ مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع اور مد (غلے کے پیمانوں) میں برکت دے۔ اور اس کا بخار جحفہ کی طرف بھیج دے۔'' مہاجر مسلمان جلد ہی مدینہ کے ماحول اور اس کی آب و ہوا کے عادی ہو گئے اور معمول کے مطابق رہنے لگے (4)۔

۱۰۱۶ق م میں جب عمالقہ کا مصر سے خروج ہوا تھا تو ان کے کچھ لوگ یثرب میں آ کر بس گئے تھے۔ یہاں انہوں نے کاشت کاری شروع کر دی اور کھجوروں کے باغات بھی لگائے۔ اس کے بعد جب شاہِ بابل نے یہود کو فلسطین سے مار بھگایا تو یہ مختلف اطرافِ عرب میں پناہ گزین ہو گئے مثلاً فدک، خیبر، وادی القریٰ وغیرہ میں۔ ان یہودیوں کے کچھ گروہ یثرب میں بھی آ کر آباد ہو گئے۔ عمالقہ کو یا تو انہوں نے نقلِ مکانی پر مجبور کر دیا یا اپنے اندر ضم کر لیا۔ بندِ مآرب کے ٹوٹنے کے بعد اوس اور خزرج کے قبیلے بھی یثرب میں آ کر پناہ گزین ہوئے۔ اوس اور خزرج دو بھائی تھے۔ ان کی آل اولاد اتنی پھیلی کہ ان کی بیس اکیس بڑی بڑی

Marfat.com

شافعیں بن گئیں جو یثرب کی مختلف اطراف میں آباد ہو گئیں۔ یہ بیرونی علاقوں سے جا کر
اور بت پرست عرب تھے۔ یہود اپنی تجارت اور علمیت کی وجہ سے ان پر اپنی برتری جتایا کرتے
تھے۔ وہ فخر سے کہتے کہ ان میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں اور ان کے پاس کتاب مقدس
بھی ہے۔ یثرب کے یہودیوں پر اگرچہ عربوں کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا اور وہ زبان بھی عربی
ہی استعمال کرنے لگے تھے۔ تاہم انہوں نے اپنی قدیم جبلی اصل کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔
ان میں ایک نہایت عیاش اور بدنہاد رئیس فطیون پیدا ہوا تھا جو سہاگ رات دلہنوں واصواب اپنے
عشرت کدے میں لے جاتا اور اس معاملے میں یہودیوں اور عربوں میں کوئی تخصیص نہیں کرتا
تھا۔ ایک عرب نے اسے قتل کر دیا اور شام سے اپنے غسانی قبیلے کو بلوا کر یہودیوں کا قتل عام
کروا دیا۔ یوں یثرب میں یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا۔

لیکن کچھ عرصہ بعد ہی اوس اور خزرج میں عداوتوں کی آگ بھڑک اٹھی اور جنگ
بعاث کا غیر مختتم سلسلہ چل نکلا۔ اوس اور خزرج کی خانہ جنگیوں سے پہلے یہودی سازشیں بھی
کام کر رہی تھیں۔ آپس کی خانہ جنگیوں سے اوس اور خزرج دونوں تنگ آ چکے تھے۔ یہودی بڑے
سودی کاروبار اور تجارتی معاملات کے ماہر تھے، دوبارہ طاقت پکڑ رہے تھے۔ اوس اور خزرج نے
بالآخر یہ طے کیا کہ بنی عوف کے عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنا لیا جائے تاکہ جنگ بندی
ہو سکے۔ عبداللہ بن ابی ابھی باشندہ بننے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا اور اس نے سونے کے تاج کیلئے
اپنے سر کا ناپ بھی دے دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مکے سے ہجرت کر کے یثرب تشریف لے
آئے۔

ہجرت کے وقت یثرب کی کل آبادی دس ہزار کے قریب تھی جس میں یہود کم و بیش
چالیس فیصد تھے۔ ان کے تین بڑے قبیلے تھے:

(۱) بنو نضیر: یہ جبل عیر کے مشرق اور قبا کے جنوب مشرق میں وادی مذینیب کے جنوبی

Marfat.com

کنارے پر آباد تھے۔ اس کے قریب ہی کعب بن اشرف کا قلعہ تھا۔ نضیر کا معنی ہے تروتازہ درخت! اس اعتبار سے یہ قبیلہ زراعت پیشہ تھا۔

(۲) بنو قریظہ: قریظہ عرب میں اس درخت کو کہا جاتا ہے جو دباغت کے کام آتا ہے۔ بنو قریظہ چونکہ چمڑا رنگنے کا کام کرتے تھے اس لئے یہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ عوالی اور وادئ مہزور کے درمیان آباد تھے۔ پیشے کی وجہ سے یہ کچھ زیادہ معزز نہ تھے۔

(۳) بنو قینقاع: قینقاع کا مطلب ہے سنار! ان کی آبادیاں یثرب کے اندر تھیں۔ یثرب میں سوق قینقاع مشہور بازار تھا جس میں بنو قینقاع سونے کے زیورات کا کام کرتے۔ یہ قبیلہ بڑا متمول اور معزز تھا۔

ان تینوں قبیلوں کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ جنگِ بعاث میں بنو قینقاع نے خزرج کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے بنو نضیر اور بنو قریظہ نے اوس والوں سے مل کر ان کو شدید مالی و جانی نقصان پہنچایا تھا۔

یثرب میں تھوڑی سی تعداد میں عیسائی بھی موجود تھے۔ مکے سے آنے والے مہاجروں اور مقامی باشندوں کے قبولِ اسلام کے بعد یثرب کی آبادی میں مسلمانوں کے گروہ کا بھی اضافہ ہو گیا۔

یثرب کے عرب مکے والوں کی نسبت شیریں گفتار اور قدرے نرم مزاج رکھتے تھے۔ مزید برآں یہودیوں کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا علم تھا۔ جنت، دوزخ، آخرت، ملائکہ، سزا اور جزا وغیرہ کے تصورات بھی ان کیلئے اجنبی نہ تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ بھی یہود کی طرح ایک نبی، موعود کے منتظر تھے۔

(۳) مدینہ میں ورودِ مسعود:

نبی ﷺ کم و بیش دو ہفتے قبا میں رہنے کے بعد جمعہ کے روز وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں بنی سالم بن عوف کی بستی سے گزرتے ہوئے، جو کہ وادیٔ رانونا کے درمیان ہے، جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے وہاں جمعہ پڑھایا اور نماز سے پہلے جمعہ کا خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کا پہلا جمعہ تھا۔ جس مقام پر آپ ﷺ نے نماز جمعہ ادا کی وہاں بعد میں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی جو آج بھی قبا اور مدینہ کے راستے میں وادیٔ رانونا کے کنارے پر موجود ہے۔

قبا اور مدینہ کے درمیان کئی بستیاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نماز کے بعد اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انلبًا یہ سفر آپ ﷺ نے آہستہ روی سے طے کیا ہو گیا کیونکہ راستے میں انصار و مہاجرین ہتھیار سجائے دورویہ کھڑے تھے۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ کھڑکیوں میں، چھتوں پر اور دیواروں کے ساتھ بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد جھوم کے ہوئے تھے۔ آج رسالت کا مہر درخشاں یثرب کی وادیوں میں اتر آیا تھا۔ جس نجات دہندہ کا تذکرہ مدتوں سے اہلِ یثرب یہودیوں کی زبانی سنتے آئے تھے اور جس کے ساتھ انصار نے عقبہ کی گھاٹی میں جینے مرنے کا پیمان باندھا تھا، آج وہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ لوگوں کے دل و دماغ گواہی دے رہے تھے کہ یہ وہی ہے جس کے آنے کی نوید توریت میں دی گئی ہے اور جو ان کے شب و روز بدل دے گا۔ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر سے نغمہ سرا تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	مہ کامل طلوع ہو گیا ہے
مِن ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

مَا دَاعِی للهِ دَاع — جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

اَیُّھا المبعُوثُ فِینا — اے ہمارے درمیان مبعوث ہونے والے

جِئتَ بِالاَمرِ المُطَاعِ — تیرے حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔

چھوٹی بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں:

نحنُ جَوَارٍ مِن بَنِی النُّجَارِ

یَا حَبَّذَ مُحَمَّداً مِن جَارِ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اچھے ہمسایہ ہیں!) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچیوں سے پوچھا ''کیا تم مجھے چاہتی ہو!''

انہوں نے کہا: ''جی ہاں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں بھی تمہیں چاہتا ہوں!''

خزرج کے عتبانؓ بن مالک اور عباس بن عبادہ نے درخواست کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں میزبانی کا شرف بخشیے! ہم سروسامان اور عزوشرف میں زیادہ ہیں!''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناقہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''خَلُّوْا سَبِیْلَھَا فِاِنَّھَا مَامُوْرَۃ''! (اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ (منجانب اللہ) مامور ہے!)۔

وہ لوگ راستے سے ہٹ گئے۔ ناقہ چلی جب وہ بنی بیاضہ کے احاطہ کے قریب پہنچی تو زیاد بن لبید اور فروہ بن عمر اپنے قبیلے والوں کے ساتھ آگے بڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست گزار ہوئے: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تعداد اور ساز و سامان میں سب سے زیادہ ہیں، ہمارے پاس تشریف لائیے!''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے فرمایا: ''خَلُّوا سَبِیلَھَا فِاِنَّھَا مَامُو رَۃ''!

(راستہ چھوڑ دو! یہ مامور ہے!) یہ لوگ بھی سامنے سے ہٹ گئے۔

Marfat.com

ناقہ پھر آہستہ روی سے چلی اور جب بنی ساعدہ کے احاطے کے قریب پہنچی تو سعد بن عبادہ، المنذر بن عمرو اور انکے قبیلے کے کئی سرکردہ افراد سامنے آ کھڑے ہوئے اور عرض کی

''یارسول اللہ! شرف میزبانی ہمیں عطا ہو کہ ساز و سامان اور عزت و تعداد میں ہم سب سے زیادہ ہیں''۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا!

''خلوا سبیلها فانها مامورة''

ان لوگوں نے بھی راستہ چھوڑ دیا۔ ناقہ نے پھر چلنا شروع کر دیا، حتی کہ وہ بنی عدی بن نجار کے احاطے کے قریب پہنچ گئی۔ بنی عدی بن نجار آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو انہی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلیط بن قیس، ابوسلیط، اسیرہ بن خارجہ بنی عدی بن نجار کے کچھ افراد کے ہمراہ آپ ﷺ کے آگے آ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔

''یارسول اللہ! اپنے ننھیال تشریف لائیے کہ ہم تعداد، عزت اور سامان میں بہت زیادہ ہیں!''

آپ ﷺ نے حسب سابق ناقہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ''خلوا سبیلها فانها مامورة''! ''ان لوگوں نے بھی راہ چھوڑ دی۔ ناقہ وہاں سے چلتی ہوئی بنی مالک بن نجار کے احاطے میں پہنچ گئی۔ یہاں وہ عین اس جگہ آ کر بیٹھ گئی جہاں بعد ازاں مسجد نبوی کا دروازہ بنا تھا۔ اس وقت یہ افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ بدستور اونٹنی پر ہی سوار رہے۔ اونٹنی اٹھی اور چل کر کچھ دور تک گئی۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی اشارہ نہ کیا اور اس کی نکیل اس کی گردن پر ہی ڈال دی۔ اونٹنی تھوڑا سا چلی اور پھر واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا جسم ہلایا اور گردن زمین پر ڈال دی۔

تب رسول اللہ ﷺ ناقہ سے اترے۔ قریب ہی حضرت ابوایوب (خالد بن زید) کا

Marfat.com

گھر تھا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اس افتادہ زمین کے بارے میں استفسار فرمایا تو معاذ بن عفرا کہنے لگے ''یہ سہل اور سہیل دو یتیم بچوں کی زمین ہے جن کا کفیل میں ہوں! یہ زمین آپ ﷺ لے لیں، میں اس سلسلے میں ان بچوں کو راضی کرلوں گا!''

آپ ﷺ نے پوچھا: ''اس زمین کی قیمت کیا ہے؟''

معاذ بن عفرا نے کہا ''آٹھ دینار!''

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: ''ان بچوں کو دس دینار ادا کردو!''

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق سہل اور سہیل کو اسی وقت دس دینار ادا کر دیئے گئے۔

(۴) مسجدِ نبوی کی تعمیر:

ایک حدیث کے مطابق جہاں آپ ﷺ کی ناقہ بیٹھی تھی، وہاں آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور اسی وقت یہ ارادہ کرلیا کہ اس جگہ مسجد تعمیر کی جائے گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ ابوایوبؓ کے مکان میں تشریف لے گئے اور مسجد کی تعمیر تک وہیں مقیم رہے۔ اس دوران آپ ﷺ صحنوں میں یا کھلی جگہوں پر نماز ادا کرتے رہے۔ ایک حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابوامامہ اسعد کے گھر نماز ادا کرتے رہے۔

مسجد کی مجوزہ جگہ پر اونٹ باندھے جاتے تھے اور کچھ حصے میں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہاں کھجوروں کے کچھ درخت بھی تھے اور چند مشرکوں کی قبریں بھی تھیں۔ آپ ﷺ کے حکم پر کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے گئے اور مشرکوں کی قبریں اکھاڑ کر جگہ ہموار کردی گئی۔

مسجد کی بنیادیں پتھروں سے بنائی گئیں لیکن دیواریں کچی مٹی کی اینٹوں سے اٹھائی گئیں۔ ان اینٹوں کو دھوپ میں خشک کرلیا گیا تھا۔ صحن کا کچھ حصہ چھوڑ کر مسجد کی عمارت پر

Marfat.com

چھت ڈال دی گئی جس میں کھجور کی لکڑی اور شاخیں استعمال کی گئی تھیں۔ پھر چھت کو چکنی مٹی سے لیپ دیا گیا۔ ستونوں کی جگہ کٹی ہوئی کھجوروں کے تنے ایستادہ کیے گئے تھے۔ عمارت میں تین دروازے رکھے گئے۔ شمالی سمت میں پہلے جگہ کھلی رکھی گئی پھر کھجور کے تنے کھڑے کر کے دیواری بنادی گئی جس پر لیپائی کردی گئی۔ احاطہ کی مشرقی جانب دو کچے حجرے تعمیر کیے گئے جن کے دروازے مسجد کے صحن میں کھلتے تھے۔ یہ حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کی رہائش کے لئے بنائے گئے تھے (6)۔ شمالی سمت میں حضور ﷺ نے اپنے ان صحابہ کیلئے ایک مسقف چبوترہ تعمیر کروایا جن کے پاس سر چھپانے کو جگہ نہ تھی۔ یہ صفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں نادار صحابہ قیام کرتے تھے اور قرآن و حدیث کے تعلم و تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے کھانے پینے کی اشیاء ان کو یہیں پہنچادی جاتی تھیں۔ یہ گویا مسلمانوں کی پہلی اقامتی درسگاہ تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

بارش کی صورت میں بعض اوقات چھت ٹپکنے لگتی تھی اور صحن میں کیچڑ ہو جاتا تھا۔ قریبی وادیوں میں بارش کے پانی کے ساتھ سرخ رنگ کی گول اور ملائم بجری بہہ کر آتی تھی اور وافر مقدار میں جمع ہو جاتی تھی۔ صحابہ یہ بجری جھولیوں میں بھر بھر کر لائے اور اسے صحن میں بچھا دیا اس طرح نمازی کیچڑ سے محفوظ ہو گئے۔

شروع میں کافی عرصے تک مسجد میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ عشاء کی نماز کے وقت کھجور کی خشک شاخیں جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ اس دور میں مدینہ کے اکثر گھر چراغوں سے روشن رہتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی معاشی حالت ابھی اتنی اچھی نہ تھی کہ رات کو مسجد میں روشنی کا اہتمام کرتے۔ یہی حال ازواجِ مطہرات کے حجروں کا تھا۔ لیکن بعدازاں مسجد کے ستونوں کے ساتھ چراغ آویزاں کر دیئے گئے۔

ابتدائی ایام میں نبی ﷺ مسجد کے ایک ستون سے جو کہ کھجور کا ایک تنا تھا، ٹیک لگا کر

Marfat.com

خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک منبر بنوالیا۔ اس منبر کے تین درجے تھے۔ پہلے درجے پر آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور تقریر فرماتے۔ بیٹھنا ہوتا تو دوسرے درجے پر بیٹھ جاتے اور تیسرے درجے سے کمر کی ٹیک لگا لیتے۔ اس منبر پر کھڑے ہوکر آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھنے کا طریقہ بھی سکھایا تھا۔ سجدہ کے لیے آپ ﷺ الٹے پاؤں منبر سے نیچے اتر آتے اور زمین پر سجدہ ادا کرتے۔

منبر بنوانے کے بعد آپ ﷺ نے کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دینا ترک کر دیا۔ ایک دفعہ نمازیوں نے اونٹ کے بچے کے رونے جیسی آواز سنی۔ یہ آواز کھجور کے اس تنے سے آرہی تھی جس سے آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے۔ یہ دردِ فراق سے گریہ کر رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر آپ ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے اور اس تنے کو اپنے بازوؤں میں لے لیا بعض روایات میں یوں ہے کہ اسے تھپ تھپایا۔

مسجد نبوی اپنی تعمیر میں انتہائی سادہ تھی لیکن اپنی اہمیت میں بہت زیادہ تھی۔ یہاں آپ ﷺ اطراف عرب سے آنے والے وفود سے ملاقات کرتے۔ صحابہ کبار سیاست، تجارت اور روزمرہ کے مسائل پر غور و خوض کرتے۔ بنو تمیم سے آنے والے نمائندوں کے لیے مسجد کے صحن میں تین خیمے نصب کروا کے رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ غزوۂ احد کے بعد مدینے کے سرداروں نے اسی مسجد میں شب بسری کی تھی۔ اوس کے زخمیوں کی مرہم پٹی بھی یہیں کی گئی تھی۔ ایک دفعہ ایک جنگی قیدی کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ یہیں حضور ﷺ تحائف وصول کرتے اور صحابہ میں تقسیم فرماتے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسجد میں مسلمان جس طرح چاہتے چلتے پھرتے اور آرام کرتے۔ یہ ایک طرح سے نوزائیدہ اسلامی ریاست کے کثیر المقاصد مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔

(۵) ابوایوبؓ کے ہاں قیام:

جب تک مسجد کی تعمیر ہوتی رہی آپ ﷺ ابوایوبؓ (خالد بن زید) کے ہاں قیام پذیر رہے۔ ابوایوبؓ کا گھر پختہ اور دو منزلہ تھا۔ حضور ﷺ کا قیام زیریں منزل میں تھا۔ حضرت ابوایوبؓ بالائی منزل پر رہتے تھے۔ ابن اسحٰق روایت کرتے ہیں (7): ابوایوبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ''یارسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! میرے نزدیک یہ امر نہایت ناپسندیدہ اور بے ادبی کا باعث ہے کہ آپ ﷺ نیچے رہیں اور ہم اوپر کی منزل میں! بہتر ہوگا آپ ﷺ اوپر کی منزل پر تشریف لے آئیں۔ میں اور میری بیوی نیچے کی منزل میں منتقل ہو جاتے ہیں''۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ''اِنَّ اَرْفَقَ بِنَا وَ بِمَنْ یَغشانا اَن نَکُوْنَ فِی سُفلِ البَیتِ''

(ہمارے اور ان لوگوں کیلئے جو ہمارے پاس آتے ہیں یہی بات آرام دہ ہے کہ ہم گھر کی زیریں منزل میں رہیں)

اس طرح رسول اللہ ﷺ زیریں اور ابوایوب بالائی منزل میں رہنے لگے۔ دونوں میاں بیوی بڑے اہتمام سے کھانا تیار کر کے حضور ﷺ کو بھیجتے تھے۔ بچا ہوا کھانا اور برتن جب واپس آتے تو وہ برتن پر اس مقام کو ڈھونڈتے جہاں حضور ﷺ کی انگلیوں کے نشانات ثبت ہوتے۔ پھر وہ خیر و برکت کے لیے اسی جگہ سے کھانا کھاتے جہاں سے حضور ﷺ نے کھایا ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ام ایوب نے کوئی کھانا تیار کیا اور اس میں خوب پیاز اور لہسن ڈالا۔ یہ کھانا انہوں نے حضور ﷺ کو بھیج دیا۔ لیکن یہ کھانا ویسے ہی واپس آ گیا۔ ابوایوبؓ حضور ﷺ کے

Marfat.com

پاس گئے اور پوچھا "یارسول اللہ! برتنوں پر ہمیں آپ ﷺ کے دستِ مبارک کا کوئی نشان نہیں ملا، آپ ﷺ نے کھانا تناول کیوں نہیں فرمایا؟"

جواب میں ارشاد ہوا: "اِنِّی وَجَدْتُ فِیْهِ رِیحَ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ وَاَنَا رَجُل" اُنَاجِي فَاَمَّاانْتُم فَكُلُوْهُ"

(میں نے اس میں لہسن کی بو پائی اور میں وہ شخص ہوں جس سے سرگوشی میں بات کی جاتی ہے۔ لیکن تم لوگوں سے (ایسا نہیں کیا جاتا) لہذا تم اسے کھالو!)

ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے حضور ﷺ کو پیاز لہسن والا سالن نہیں بھیجا۔

حضرت ایوبؓ مزید کہتے ہیں "ایک رات ہمارا پانی کا بڑا گھڑا ٹوٹ گیا۔ اوپر والی منزل کے فرش پر پانی پھیل گیا۔ ہمارے پاس ایک ہی رضائی تھی وہ ہم نے پانی پر ڈال دی تاکہ پانی بہہ کر نچلی منزل تک نہ جا سکے اور حضور ﷺ کے آرام میں خلل نہ پڑے"۔

آنحضرت ﷺ نے سات ماہ تک ابوایوبؓ کے ہاں قیام فرمایا (8)۔ جب مسجدِ نبوی کی تعمیر مکمل ہوگئی اور حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے حجرے بھی بن گئے تو آپ ﷺ وہاں منتقل ہو گئے۔

(٦) اہلِ بیت کی آمد:

جب آپ ﷺ کی رہائش کا حصہ تیار ہو گیا تو آپ ﷺ نے زیدؓ بن حارثہ اور ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ وہ آپ ﷺ کے اہلِ بیت کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے بیٹے کے نام خط لکھ دیا کہ وہ اپنی بہنوں اور ماں کے ساتھ مدینہ آ جائیں۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں۔ حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبداللہ کے ہمراہ

Marfat.com

آنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح زیدؓ اور ابو رافعؓ صرف حضرت سودہؓ (ام المومنین) حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو اپنے ہمراہ لے کر آئے۔

(۷) مواخات:

مکے سے جو مسلمان ہجرت کر کے مدینے آئے تھے وہ اپنا مال و متاع اور گھر بار وغیرہ وہیں چھوڑ آئے تھے۔ ان کی املاک اور جائیدادوں پر قریش نے قبضہ کر لیا تھا اکثر مسلمانوں نے ہجرت انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں کی تھی۔ جو لوگ تھوڑا بہت زادِ راہ لے کر بھی نکلے تھے وہ اسے نئی جگہ پر معاشی استحکام کے لیے انتہائی ناکافی پا رہے تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو انتہائی اہم مسئلہ تھا وہ ان مہاجرین کی آبادکاری اور انہیں مدینے کی معاشی زندگی میں شامل کرنا تھا۔

اس مسئلہ کا حل نبی ﷺ نے یہ تلاش کیا کہ انصار اور مہاجرین کو حضرت مالک بن انسؓ کے گھر جمع کیا اور ان سے فرمایا: "تَاخُوا فِي اللهِ اَخَوَينِ اَخَوَينِ" (اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جاؤ!) مالک بن انسؓ کے گھر تقریباً پچاس مہاجرین تھے اور اتنے ہی انصار تھے جن کے درمیان مواخات ہوئی۔ نبی ﷺ کے حکم کے بموجب ہر انصاری نے ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنالیا۔ یہ بھائی چارہ محض زبانی اقرار نہ تھا بلکہ عملی طور پر بھی ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو نہ صرف یہ کہ دنیاوی معاملات میں شریک کر لیا بلکہ موت کے بعد بھی نسبی قرابتداروں کی بجائے اسے اپنا وارث قرار دیا۔ محض زبانی حکم پر ایک دوسرے قبیلے کے فرد کو اس طرح اپنا بھائی بنالینا کہ وہ وراثت میں بھی شریک ہو جائے یقیناً دنیا کی تاریخ میں ایک عدیم المثال واقعہ ہے۔ وراثت کا یہ حکم بدر کے معرکے تک نافذ رہا۔ پھر قرآن حکیم کی اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَولىٰ بِبَعْضٍ" (انفال: ۷۰)

(نسبی قرابتدار ایک دوسرے کے (وراثت میں) زیادہ حقدار ہیں۔)

Marfat.com

قرآن حکیم نے وراثت والی شق ساقط کردی تاہم مہاجرین وانصار کی باہمی اخوت کا پیمان باقی رہا۔ مواخات کی وجہ سے مہاجرین کے دل سے غریب الدّیار ہونے کا احساس بھی جاتا رہا۔ نئے شہر میں انہیں جو اجنبیت محسوس ہو رہی تھی، وہ اس نئے تعلق سے زائل ہوگئی۔ نفسیاتی اور سماجی طور پر وہ اپنے آپ کو مدینہ کے باشندگان محسوس کرنے لگے۔ وراثت میں شرکت نے انہیں مدینے کے معاشی دھارے میں بھی شامل کردیا۔

عبدالرحمٰن بن عوف ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کا بھائی چارہ سعد بن ربیعؓ سے کرادیا سعد بن ربیع نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا: ''میں شہر کا متموّل ترین آدمی ہوں۔ آپ میرے مال کا نصف مجھ سے لے لیں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے جو آپ کو پسند آئے، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدّت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔''

ایک انصاری کا ایثار ملاحظہ فرمایئے۔ خدا اور رسول ﷺ کی محبت میں وہ اس حد تک چلے گئے کہ کوئی اپنے نسبی بھائی کیلئے بھی نہیں جاسکتا۔

لیکن مہاجر بھائی کا طرزِ عمل بھی مثالی تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: ''اے سعدؓ! آپ کے مال و دولت میں اللہ برکت دے! آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتادیں!'' سعدؓ نے انہیں بنوقینقاع کے مشہور بازار کا راستہ بتادیا۔ عبدالرحمٰنؓ نے وہاں پنیر اور مکھن کا خوانچہ لگانا شروع کردیا۔ ان کے کاروبار نے بڑی جلدی پھلنا پھولنا شروع کردیا۔ جونہی ان کی معاشی حالت ذرا بہتر ہوئی۔ انہوں نے ایک خاتون سے شادی کرلی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا کاروبار دیکھتے ہی دیکھتے اتنی ترقی کرگیا کہ وہ کئی کئی اونٹوں پر اپنا سامانِ تجارت فلسطین وغیرہ کی منڈیوں میں بھیجنے لگے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کسی نے کہا تھا کہ یہ صحرا کی ریت کو بھی سونے میں بدل دینے پر قادر ہیں۔

Marfat.com

مدینے کے اکثر انصاریوں کا ذریعۂ معاش نخلستان تھے۔ چنانچہ انصار نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ان کے نخلستانوں اور زرعی رقبوں کو نصف نصف کر کے مہاجرین کو دے دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز قبول کرنے میں تامل ہوا۔ آخر آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کے ساتھ مل کر نخلستانوں میں کام کریں اور فصل کا آدھا آدھا آپس میں تقسیم کر لیں۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۵۵۳)

ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ مواخات کی تھی۔ لیکن یہ روایت نظر میں کھٹکتی ہے کیونکہ مواخات تو مہاجرین و انصار کے درمیان ہوئی تھی نہ کہ مہاجرین کے درمیان۔ یوں بھی رسول ﷺ کا حضرت علیؓ سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ انہیں مواخات کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کچھ روایات کی رو سے حضرت علیؓ کی کسی سے مواخاۃ نہ ہوئی تھی۔ ابن حجر کی روایت کی رو سے حضرت علیؓ حضرت سہل بن حنیف کے بھائی بنے تھے (9)۔

(۸) میثاقِ مدینہ:

بعض مغربی مفکرین ریاست کے آغاز و ارتقاء کے لیے ''معاہدہ عمرانی'' کا مفروضہ پیش کرتے ہیں (10)۔ اس مفروضہ کی رو سے انسان کی فطری حالت (State of Nature) جنگ و جدل اور آویزش و پیکار سے عبارت ہے۔ شروع شروع میں جبکہ لوگ گروہوں اور قبیلوں کی صورت میں رہتے تھے، ان میں باہم مسلسل لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کی حالت طاری رہتی تھی۔ اس حالتِ جنگ سے نجات پانے کے لیے انہوں نے اپنا ایک بادشاہ یا آمرِ مطلق چنا اور اس کی غیر مشروط اطاعت کا اقرار کیا۔ وہ اس کے سامنے اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو کر اس سے صرف امن و امان کے طالب ہوئے۔ اس طرح ریاست کا آغاز ہوا اور ایک جابر و قاہر حکمران کے وجود کا جواز پیدا ہو گیا۔ اس آمرِ مطلق نے خود خواہ کتنے ہی ظلم و ستم ڈھائے ہوں، لیکن یہ ضرور ہوا کہ انسانی معاشرے میں نظم و نسق پیدا ہو گیا۔ اس طرح

Marfat.com

بدامنی اور نزاج میں مدنیت کی ایک صورت نظر آنے لگی۔ یہ مغربی مفکرین معاہدۂ عمرانی کو تاریخی شواہد سے ثابت نہیں کرتے۔ بلکہ اسے محض ایک مفروضے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جس سے ریاست کے آغاز وارتقاء پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایک معاہدۂ عمرانی آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل سرزمینِ مدینہ میں ہوا جسے تاریخ نے اس کی تمام دفعات کے ساتھ محفوظ رکھا اور جس کی برکت سے انسانوں کے متحارب و متخاصم گروہوں اور قبیلوں کو اپنی فطری حالت (State of Nature) سے نجات مل گئی۔ اس معاہدے کی بنیاد مادہ پرستانہ آمریت نہ تھی بلکہ اطاعتِ الٰہی کا خالصتۂ روحانی اصول تھا۔ اس سے ایک ایسی صالح مدنیت فروغ پذیر ہوئی جس کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس معاہدۂ عمرانی کو ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دنیا کی پہلی آئینی دستاویز ہے جو کہ تحریری صورت میں موجود ہے۔ اس معاہدے کی بنیاد مادہ پرستانہ آمریت نہ تھی بلکہ اطاعتِ الٰہی کا خالصتۂ روحانی اصول تھا (11)۔

مدینہ میں آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کر دی جس سے نہ صرف مدینہ کے عربوں کے درمیان گہری یگانگت پیدا ہوگئی بلکہ باہر سے آنے والے غیر مدنی مہاجرین بھی اس نئے عمرانی نظام میں ضم ہو گئے۔ عرب کے قبائلی نظام میں مختلف قسم کے معاہدے کرنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ پہلے بھی ایک دوسرے کے ساتھ معاہدے کرتے رہتے تھے۔ کبھی ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا حلیف بن جاتا تو کبھی کوئی کمزور قبیلہ طاقتور قبیلے میں ضم ہو جاتا۔ اس طرح کے عمل کو ''محالفہ'' کہتے تھے۔ تاہم مواخات اپنی نوعیت اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی۔ مواخات کی بدولت مدینہ میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کی اساس اسلام تھا نہ کہ قبائلی تخصّص و امتیاز! لیکن اس اسلامی معاشرے کے علاوہ

Marfat.com

مدینے میں یہود اور مشرک بھی موجود تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو یہ ضروری محسوس ہوا کہ اسلامی معاشرے کے غیر اسلامی قبائل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت متعین کر دی جائے اور اس ضمن میں ضروری حدود و قیود مقرر کر دی جائیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس سے مدینے کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی میں ایک ربط و آہنگ پیدا ہو گیا۔

یہ معاہدہ نبی ﷺ کے نزدیک اتنا اہم تھا آپ ﷺ نے اسے بالالتزام تحریر کروایا۔ اس کے لئے آپ ﷺ نے ''کتاب'' اور ''صحیفہ'' کے الفاظ استعمال کیے۔ مزید برآں یہ دستاویز ہمہ وقت آپ ﷺ کی تلوار کی نیام پر بندھی رہتی تھی۔ تمام مسلمان و غیر مسلم محققین اور مستشرقین اس کی صحت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاہدہ کے متن میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو اسلامی تعلیمات سے متعارض ہو۔ ابن اسحٰق، ابنِ کثیر، ابنِ ہشام، عبید القاسم بن سلام وغیرہ نے اس معاہدے کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ان میں بھی تھوڑے بہت متن کے اختلاف کے علاوہ کوئی معنوی تفاوت نہیں۔

ذیل میں ہم امام عبید القاسم بن سلام اور ابن ہشام کے متون کو ملا کر معاہدہ کی دفعات کا ذکر کرتے ہیں۔ بریکٹوں میں دیئے گئے الفاظ کو ابن ہشام کا اضافہ سمجھا جائے۔ معاہدے کی کل ۴۷ دفعات ہیں جنہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی تئیس (۲۳) دفعات مسلمانوں کے بارے میں ہیں اور باقی یہود اور دیگر اہلِ مدینہ کے بارے میں ہیں۔

معاہدہ یوں شروع ہوتا ہے۔

(1) "بِسم اللهِ الرّحمٰنِ الرّحِيم ۔ هٰذَ كِتَاب'' مّنِ مُحَمّدٍ النّبِی بَينَ المُو مِنينَ وَ المُسلِمين َ مِن قُرَيشٍ وَيِثرَبَ وَ مَن تَبِعَهُم فَلَحِقَ بِهِم وَجَاَ هَدَ مَعَهُم"

(شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ نوشتہ یا دستاویز

Marfat.com

ہے محمد ﷺ کی طرف سے جو نبی ہیں، قریش اور اہلِ یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔)

اس کے بعد معاہدے کی دفعات مندرج ہیں:

(۲) یہ سب لوگ مل کر دوسرے لوگوں سے الگ ہو کر ایک امت قرار پائیں گے،

(۳) قریشی مہاجرین اپنے نظامِ قبیلہ کے مطابق باہم اپنی دِیتیں ادا کریں گے، اس طرح وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں اور مسلمانوں میں مروجہ دستور و انصاف سے ادا کریں گے۔

(۴) بنوعوف اپنے نظامِ قبیلہ کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور ان میں سے ہر گروہ اپنے قیدیوں کو واگزار کروانے کے لئے مسلمانوں میں مروجہ دستور اور عدل و انصاف کے مطابق فدیہ دے گا،

(۵) بنوالحارث (بن خزرج) اپنے نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور ان کا ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کے مروجہ دستور و انصاف کے مطابق دے گا،

(۶) بنوساعدہ، (۷) بنوجشم (۸) بنونجار (۹) بنوعمر بن عوف (۱۰) بنونبیت اور (۱۱) بنو اوس اپنے نظام کے مطابق اپنی دیتیں ادا کریں گے اور ان کا ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کے مروجہ دستور و انصاف کے مطابق ادا کرے گا۔ (آخری عبارت ہر جگہ دہرائی گئی ہے)۔

(۱۲) اہلِ ایمان اپنے کسی زیرِ بار قرضدار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے، بلکہ

Marfat.com

قاعدے کے مطابق فدیہ، دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے،

(۱۳) اور یہ کہ تقویٰ شعار مسلمان متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو ان میں سے مومنوں کے درمیان ظلم، گناہ، زیادتی، سرکشی اور فساد و بغاوت کا موجب ہوگا۔ وہ سب اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے خواہ وہ ظالم ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔،

(۱۴) کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا۔،

(۱۵) سب مسلمان آپس میں مددگار و کارساز ہونگے۔،

(۱۶) یہودیوں میں سے جو بھی ہمارے تابع ہو جائے گا، اس کے ساتھ دستور کے مطابق معاملہ و انصاف و مساوات کا سلوک روا رکھا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے خلاف کسی قسم کی مدد کی جائے گی۔،

(۱۷) مسلمانوں کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی مسلمان قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مسلمان سے الگ ہو کر صلح نہیں کرے گا۔ اسے مسلمانوں کے درمیان مساوات و عدل ملحوظ رکھنا ہوگا۔

(۱۸) ہر غازی جماعت کے افراد آپس میں ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔،

(۱۹) تقویٰ شعار مسلمان اس معاہدے کی شرائط پر کاربند رہیں گے۔،

(۲۰) کوئی مشرک (یہودی) قریش کے مال کو پناہ نہیں دے گا اور نہ وہ کسی مسلمان کے مقابلے میں قریش کی مدد کرے گا۔،

(۲۱) جو کسی مومن کا ناحق خون کرے گا اسے مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا، اِلّا یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضامند ہو جائے اور تمام اہلِ ایمان قاتل

Marfat.com

کے خلاف رہیں گے۔

(۲۲) کسی مومن کے لئے جو اس معاہدے کی پابندی کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لا چکا ہے، یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی قانون شکن کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔ جو ایسے مجرم کی مدد کرے گا یا پناہ دے گا تو اس پر قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ اس سے نہ بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ فدیہ۔،

(۲۳) اور تم لوگ جب بھی کسی معاملے میں باہم اختلاف کرو گے تو اس کے فیصلے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔،

(یہاں تک کی دفعات اہلِ اسلام کے باہمی معاملات سے متعلق تھیں۔ سطورِ ذیل کی دفعات غیر مسلم قبائل سے تعلقات کی نوعیت بیان کرتی ہیں۔)

(۲۴) مسلمان جب تک جنگ میں مصروف رہیں گے، جنگی اخراجات میں یہودی ان کے شریک رہیں گے۔،

(۲۵) بنوعوف کے یہود بذاتِ خود اور اپنے حلیفوں اور موالی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق اور جماعت ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر، البتہ جس نے ظلم و گناہ کیا وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کے مصیبت میں ڈالے گا۔،

(۲۶) بنی نجار۔، (۲۷) بنی حارث (۲۸) بنوساعدہ

(۲۹) بنوجُشم۔، (۳۰) بنواوس (۳۱) اور بنو ثعلبہ کے یہود کے لیے بھی وہی کچھ (مراعات، فرائض) ہے جو یہود بنی عوف کے لئے ہے۔ (آخر کی عبارت ہر جگہ

دہرائی گئی ہے)، لیکن ان میں سے جس نے ظلم و زیادتی کی تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تباہی میں ڈالے گا۔،

(۳۲) یہ کہ بنو ثعلبہ کا بطن (شاخ) بنو جفنہ میں بنو ثعلبہ کی طرح ہونگے۔،

(۳۳) اور یہ کہ بنی شطیبہ کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو یہود بنی عوف کے لیے ہے، اور یہ کہ نیکی گناہ سے الگ ہوگی۔،

(۳۴) بنو ثعلبہ کے موالی (حلفاء وغیرہ) حقوق و فرائض میں انہی کی طرح ہونگے۔،

(۳۵) اور یہ کہ یہودیوں کی کوئی شاخ انہی کی طرح ہوگی۔،

(۳۶) اور ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر (مدینہ سے، معاہدے سے) باہر نہیں نکلے گا!

(۳۶ ب) (اور یہ کہ کوئی شخص زخم (جرم) کا بدلہ لینے سے مانع نہیں ہوگا اور جو کوئی کسی کو قتل کرے گا پس وہ خود کو اپنے اہلِ خاندان کو بھی ہلاک کرے گا)۔،

(۳۷) اور یہ کہ اہلِ اسلام پر اپنے اخراجات اور یہود پر اپنے اخراجات واجب ہوں گے۔ اور نیز یہ کہ جو اس معاہدے کے شرکاء سے جنگ کرے گا تو تمام شرکاء اس کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔،

(۳۷ ب) وہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے اور ہر حال میں مظلوم کی مدد کریں گے۔،

(۳۸) اور یہ کہ یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے اپنا خرچ برداشت کریں گے۔،

(۳۹) اس معاہدے والوں کے لئے مدینہ کی حدود کا داخلی علاقہ حرم کی حیثیت رکھے گا۔،

Marfat.com

(۴۰) (اور یہ کہ ہمسایہ اپنے آپ کی طرح ہوگا، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ اس پر زیادتی کی جائے گی۔)

(۴۱) اور یہ کہ کسی کی زیر کفالت چیز کو اس کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔،

(۴۲) اس معاہدے والوں کے درمیان جو بھی نیا معاملہ یا قانون شکنی کا واقعہ پیش آئے گا جس سے فساد اور نقصان کا امکان ہو تو اس کے فیصلے کے لیے اللہ اور حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس صحیفے میں نیکی اور تقویٰ کے مضمون پر گواہ ہیں۔)،

(۴۳) قریش اور ان کے مددگاروں کو کوئی پناہ نہ دے گا۔،

(۴۴) اور جو کوئی یثرب (مدینہ منورہ) پر یلغار کرے گا تو یہ معاہدہ کرنے والے باہمی امداد سے اس کا مقابلہ کریں گے۔،

(۴۵) ان (مسلمانوں) میں سے جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) ہمیں کسی ایسی ہی صلح کی دعوت دیں تو مسلمان بھی اس دعوت کو قبول کریں گے، بشرطیکہ وہ حلیف دین (اسلام) سے برسرِ پیکار نہ ہوں۔،

(۴۵ ب) اخراجات میں تمام لوگ اپنے حصے کے ذمہ دار ہوں گے۔،

(۴۶) قبیلہ اوس کے یہود بذاتِ خود اور ان کے حامی اور حلیف اس عہد نامے پر خوبی و عمدگی سے عمل پیرا ہونے والوں کے ساتھ رہیں گے۔ گناہ کی حدود سے ورے نیکی اور وفاداری ہے۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔، زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے گا۔ اس معاہدے پر سچائی اور نیکی سے کاربند رہنے والوں

Marfat.com

کا اللہ مددگار ہوگا۔

(۴) یہ معاہدہ ظالم اور گناہ گار کو اس کے عمل بد کے انجام سے نہیں بچائے گا۔ جو (مدینے سے) باہر نکل جائے گا وہ مامون ہوگا اور جو (مدینے میں) بیٹھا رہے گا وہ بھی مامون ہوگا۔ لیکن جو ظلم و گناہ کرے گا وہ مامون نہیں رہے گا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ نیکوکار اور متقی لوگوں کے حامی و محافظ ہیں'' (12)۔

(۹) میثاقِ مدینہ پر ایک نظر:

جزیرۃ العرب کی مخصوص جغرافیائی صورت حال میں صرف ایک ہی سماجی شکل فروغ پذیر ہوئی اور وہ تھی قبیلہ داری۔ صدیوں تک عرب کی سماجی اور اجتماعی زندگی اسی محور پر گھومتی رہی۔ عرب قبائل چراگاہوں اور پانی کے ذخیروں کی تلاش میں مسلسل نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔ پر مشقت طرز زندگی اور وسائل حیات کی قلت اور ان کی حفاظت نے انہیں حد سے زیادہ جدل پسند بنا دیا تھا (13)۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قبائلی سطح سے اٹھ کر ملی اور قومی صورت میں منظم نہ ہو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عرب کی سرحدی پٹی کے ساتھ ساتھ یا جہاں کہیں سازگار حالات موجود تھے، شہر یا ریاستیں بھی وجود پذیر ہوئی تھیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی شہر یا ریاست ایسی نہ تھی جس نے اپنے باشندوں کی فطرت سے قبائلی عصبیت اور نسلی امتیاز کے رنگ کو کھرچ کر اس میں ملی یکسانیت کا رنگ بھرا ہو۔ پیٹرا ہو یا حیرہ، قتبان ہو یا حضرموت، یمن ہو یا مکہ، کسی شہر یا ریاست میں بھی عربوں کا قومی تشخص نہ ابھر سکا۔ کندۃ الملوک میں ہمیں بین القبائلی اتحاد کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے لیکن یہ بھی کسی وسیع تر اور مستقل اتحاد کا پیش خیمہ نہ بن سکی۔

لیکن ایک بات ہمیں یاد رکھنی چاہئے کہ سماجی زندگی میں انتشار و افراق کے باوجود

Marfat.com

عربوں میں اجتماعی شعور کا ابتدائی احساس موجود تھا۔ اس اجتماعی شعور کی تشکیل میں عرب کے تجارتی میلوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب عرب قبائل کو دعوتِ اسلام ملی تو ان میں اجتماعی تنظیم اور ریاستی مرکزیت کا رجحان بڑی تیزی سے مقبول ہوا۔

مدینے میں اوس و خزرج کے دو قبائل تھے جو آگے بارہ بطون (شاخوں) میں منقسم تھے۔ اسی طرح یہودیوں کے تین قبیلے دس ذیلی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان مستقلاً جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ نبی ﷺ نے پہلی دفعہ تمام متفرق گروہوں اور متحارب قبیلوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ مدتوں سے قتال و جدال میں الجھے ہوئے اوس و خزرج شیر و شکر ہو گئے اور مکے سے آنے والے اجنبی مہاجروں کی لہر بھی اسی اتحاد میں جذب ہو گئی۔ جزیرۃ العرب کی تاریخ کا یہ ایک انوکھا واقعہ تھا کہ دامنِ رسالت سے وابستہ ہونے والوں کی فطرت سے سارے رنگ دھل گئے اور اطاعتِ رسول ﷺ کا گہرا رنگ چڑھ گیا۔ ان لوگوں کو رسول ﷺ نے میثاقِ مدینہ میں "أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ مِنْ دُونِ النَّاسِ" یعنی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک علیحدہ امت قرار دیا۔

چنانچہ میثاقِ مدینہ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مدینہ میں متمدتوں سے قیام پذیر منتشر گروہوں اور متفرق قبیلوں کے درمیان امتِ مسلمہ ایک منفرد سماجی اکائی کی حیثیت سے ابھری۔ اس سماجی اکائی کا مرکز رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی۔ میثاقِ مدینہ میں امتِ مسلمہ کے غیر مسلم قبائل کے ساتھ ربط و ضبط کی شرائط بھی متعین کر دی گئی تھیں۔ اس طرح سرزمینِ مدینہ کے باشندوں کے بکھرے ہوئے گروہوں میں ریاستی تنظیم کی صورت ابھری۔ معاہدے کی سب سے اہم شق وہ تھی جس میں نبی ﷺ کو حَکَم (Arbitrator) کا درجہ حاصل ہوا۔ لڑائی جھگڑے، دنگا فساد یا تحفظ و دفاع کی کسی بھی متنازعہ صورتِ حال میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ حتمی اور آخری قرار پاتا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ بھی فرماتے وہ مسلمانوں کو تو قبول ہوتا

ہی تھا یہود اور مشرکین پر بھی اس کا قبول لازم تھا۔

ریاستی تنظیم اور حکومتی انتظام و انصرام کا پہیہ ہمیشہ مرکزی اقتدار سے گردش کرتا ہے۔

جونہی رسول اللہ ﷺ نے مرکزی مقتدر اعلیٰ کا منصب سنبھالا مدینہ کی حدود میں بسنے والے تمام قبائل و شعوب ریاستی ڈھانچے میں ڈھل گئے۔ قانون سازی کا عمل شروع ہو گیا اور حقوق، فرائض متعین ہونے لگے۔ اس سارے عمل کے پیچھے فرامین الٰہی کارفرما تھے جو نبی ﷺ کو بذریعہ وحی اہم مواقع پر موصول ہو رہے تھے۔ قرآنی ہدایات جیسے جیسے نازل ہوتیں نبی ﷺ نہایت احتیاط اور التزام کے ساتھ انہیں تحریر کرواتے تھے اس زمانے میں آپ ﷺ نے اپنی احادیث کی تحریر سے (بالخصوص نومسلموں کو) منع فرما رکھا تھا تاکہ قرآنی متن کے ساتھ ان کا انسلاک نہ ہو سکے۔ لیکن میثاق مدینہ کو ان حالات میں خاص طور پر تحریر کروانے اور اسے ہمہ وقت اپنی تلوار کی نیام سے باندھے رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو اس امر کا پورا شعور تھا کہ جزیرۃ العرب میں ابھرنے والی اس ریاستی ہیئت کا تمام تر دارومدار اسی پر ہے۔

اس معاہدے کی رو سے حدود مدینہ حرم قرار پائیں۔ یعنی اس میں قتال و جدال، ظلم، ستم اور انتقام و بغاوت کو ممنوع قرار دیا گیا اور معاہدہ کی خلاف ورزی قابل تعزیر ٹھہری۔ جس طرح بیت اللہ کی حدود حرم کا درجہ رکھتی تھیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی حدود کو دنگے فساد، ظلم و تعدّی اور من مانی کے لیے ممنوعہ قرار دے دیا۔ یعنی قانون کی بالادستی قائم کر کے شہریوں کو جان و مال کا تحفظ فراہم کر دیا۔ یہی ایک ریاست کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔

قریش کی طرف سے مسلمان غافل نہ تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ جلد یا بدیر ان سے دو دو ہاتھ کرنا پڑیں گے۔ اس لئے معاہدے میں ایسی دفعات رکھی گئیں جن کی بنا پر مدینے کے غیر مسلم قبائل مسلمانوں سے مل کر قریشی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے پابند تھے۔ اس طرح اس چھوٹی سے ریاست کو آغازِ کار ہی سے داخلی تنظیم کے ساتھ ساتھ دفاعی خطوط پر بھی استوار کیا

گیا۔ اس ضمن میں معاہدے کی مختلف دفعات میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ غیر مسلم قبائل اپنی وابستگیوں کو برقرار رکھیں اور اپنے رسوم و رواج پر بدستور کاربند رہیں، لیکن ریاست کے دفاع کے لیے مسلمانوں کے ساتھ دل و جان سے متحد ہو جائیں۔

میثاق مدینہ میں اگرچہ اقتدار اعلیٰ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے، تاہم یہ عدل و احسان رواداری اور مروت جیسی اعلیٰ اقدار کا غمّاز ہے۔ انفرادی مذہبی اور اخلاقی فضائل کو اجتماعی اور سیاسی حقوق و فرائض سے یوں مشروط کر دیا گیا ہے کہ مذہب و سیاست کی تخصیص ختم ہوتی ہے۔

اس معاہدہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کے اندر بڑھنے، پھلنے پھولنے اور ارتقاء پذیر ہونے کی لامحدود صلاحیت تھی۔ یہ دنیا کی دیگر ریاستوں یا افلاطون کی یوٹوپیا کی طرح ایک جامد اور محدود سماجی نظام کا خاکہ نہ تھا، بلکہ ایک ایسا متحرک (Dynamic) آئین تھا جس کے تحت نہ صرف مختلف قبائل عرب متحد ہو سکتے تھے بلکہ دنیا کے کسی خطے کے لوگ کسی بھی زمانے میں اپنے تمام تر لسانی، ملّی اور علاقائی اختلافات کے ساتھ اس میں جذب ہو سکتے تھے۔

(۱۰) اذان کا اجراء:

مسجد نبوی کی تعمیر ہجرت کے ساتویں مہینے میں مکمل ہوگئی۔ دو حجرے بھی بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ ابوایوبؓ کے ہاں سے اپنی اقامت گاہ میں منتقل ہو گئے۔ مسجد تو بن گئی لیکن اقامت صلوٰۃ کی اطلاع دینے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ لوگ اپنے طور پر وقت کا تعین کر کے مسجد میں آتے۔ جو پہلے آ جاتے وہ نماز شروع ہونے کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ جو بعد میں آتے وہ اپنے طور پر نماز ادا کرتے۔ چنانچہ یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ کسی طریقے سے نماز کی اطلاع قرب و جوار کے لوگوں کو دی جائے۔ حضور ﷺ کے سامنے کئی تجاویز پیش کی گئیں مثلاً آگ

Marfat.com

روشن کرنا، گھنٹہ بجانا، جھنڈا لہرانا، ناقوس بجانا وغیرہ۔ آپ ﷺ نے ان سب کو ناپسند فرمایا۔ اسی دوران آپ ﷺ کے ایک صحابی عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لئے بلا رہا ہے (14)۔ ایسا ہی ایک خواب حضرت عمرؓ نے بھی دیکھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے اذان کے کلمات سنے اور انہیں پسند فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے عبداللہ بن زید کو حکم دیا:

"قم مع بلال! فالقها علیه ای صیغة الا ذان فلیو زن بها فانه اندی صو تاً منك"

(اے عبداللہ! بلال سے کہئے کہ وہ اذان کہیں۔ اور آپ ان کے قریب کھڑے ہو کر اذان کے کلمات دہراتے جایئے۔ آپ کی آواز کے مقابلے میں بلال کی آواز زیادہ گونج دار ہے۔)

مسجد نبوی کے ساتھ ہی قبیلہ نجار کی ایک عورت کا مکان تھا جو کافی بلند تھا۔ حضرت بلالؓ اذان کے وقت اس کی چھت پر چڑھ جاتے اور اونچی آواز میں اذان دیتے۔

یہ طریقۂ اذان بہت مفید اور پرکشش تھا۔ انسانی ذہن ناقوس یا دیگر غیر انسانی علامتوں کی نسبت انسانی آواز کی طرف جلد متوجہ ہوتا ہے۔ بامعنی کلمات سے لوگوں کو ذاتی لگاؤ بھی محسوس ہوتا تھا۔ سفر وغیرہ میں منادی کے آلات بھی ساتھ رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اذان کے اجرا سے ایک طرف مسلمانوں کے اندر پابندی وقت اور اجتماعی نظم وضبط پیدا ہوا تو دوسری طرف غیر مسلم بھی متاثر ہوئے۔

انہی دنوں نماز کی رکعتوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ نماز تو مکی دور سے ہی فرض چلی آ رہی تھی۔ مغرب کی نماز میں تین رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اور باقی سب نمازوں میں دو دو رکعتیں۔ لیکن اب ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں دو دو رکعتوں کی جگہ چار چار رکعتیں فرض کر

Marfat.com

دی گئیں۔ البتہ فجر اور مغرب کی نماز میں رکعتیں حسب سابق ہی رہیں۔ سفر میں مغرب کی نماز کے سوا باقی تمام نمازوں میں دو دو رکعتیں مقرر کی گئیں۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۵۳۷)

(۱۱) دو عزیز ہستیوں کا انتقال:

کلثومؓ بن ہدم کو رسول اللہ ﷺ کا میزبانِ اول ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ ﷺ قبا میں جتنے دن بھی رہے انہی کے گھر میں قیام پذیر رہے۔ کلثومؓ بہت عمر رسیدہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے چھ عرصہ بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

اسعدؓ بن زرارہ بھی رسول اللہ ﷺ کے نہایت عزیز صحابی تھے۔ عقبہ اولیٰ میں جس شخص نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی طرف بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا وہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہی تھے۔ عقبہ ثانیہ میں انہیں نقیب بھی مقرر کیا گیا تھا۔ جب حضور ﷺ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو معلّم بنا کر مدینہ بھیجا تھا تو وہ اسعدؓ کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اسعدؓ بن زرارہ نے حضرت مصعبؓ کے ساتھ مل کر اسلام کی اشاعت کے لئے نہایت قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ حضرت کلثومؓ کی وفات کے بعد یہ بھی چل بسے۔ حضور ﷺ کو ان دو عزیز ہستیوں کی جدائی کا گہرا صدمہ پہنچا۔ اوپر سے یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اللہ کا رسول ﷺ اگر سچا ہوتا تو اسے یہ صدمے نہ پہنچتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لا املك لنفسی و لا لصاحبی مِن الله شیئاً''

(مجھے خدا کی مشیت کے خلاف اپنی ذات کے لیے یا اپنے کسی دوست کے لئے کوئی اختیار حاصل نہیں۔)

سعدؓ بن زرارہ کی وفات کے بعد بنی نجار کا کوئی نقیب نہ رہا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کسی نئے نقیب کے تقرر کی درخواست کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا ''آپ لوگ تو میرے

خیالی ہیں، آپ کا نقیب میں خود ہوں۔"

(۱۲) دو اہم شخصیتوں کا اسلام:

آپ ﷺ جب قبا میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپ ﷺ کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا

"ایھا الناس! افشو السلام، واطعمو الطعام، و صلو االا رحام وصلو ابالليل و الناس نيام، و تد خلو ا الجنة بسلام!"

(اے لوگو! سلامتی پھیلاؤ! (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، راتوں کو جب کہ لوگ محو خواب ہوں، نماز پڑھو، اور (اتنی سی باتوں پر) جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔)

سب لوگ توجہ اور عقیدت سے آپ ﷺ کی باتیں سن رہے تھے۔ ایک طرف یہود کے ایک بڑے عالم عبداللہ بن سلام بھی کھڑے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے خطاب کو اتنے انہماک اور عقیدت سے سن رہے تھے کہ ان کے قریب کھڑی ان کی پھوپھی نے جل کر کہا:

"تم تو یوں سن رہے ہو جیسے حضرت موسیٰ ہی تو آ گئے ہوں!"

عبداللہ بن سلام نے مڑ کی پھوپھی کی طرف دیکھا اور کہا: "ہاں یہ وہی ہیں جن کے آنے کی نوید موسیٰ نے دی تھی!"

تھوڑے ہی عرصے بعد عبداللہ بن سلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی یہودیوں کے اہم لوگوں کو طلب کیا جائے اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دی جائے۔ حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا اور عبداللہ بن سلام کو انہی کی درخواست پر پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ حضور ﷺ نے یہودیوں کے سامنے

فضائل اسلام پیش کئے اور انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ یہودیوں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے عبداللہ بن سلام کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔ یہودیوں نے ان کی بہت تعریف کی اور کہا کہ وہ ان کے حبر (مذہبی پیشوا) ہیں اور یہ کہ ان کے والد بھی جید عالم اور مذہبی پیشوا تھے۔

حضور ﷺ نے ان سے پوچھا! ''اگر عبداللہ اسلام لے آئیں تو پھر؟''

یہودیوں نے کہا: ''وہ ہرگز اسلام نہیں لا سکتے!''

آپ ﷺ نے عبداللہ کو آواز دی۔ وہ سامنے آ گئے اور انہوں نے واضح الفاظ میں اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ اس پر یہودی برافروختہ ہو گئے اور عبداللہ اور ان کے والد کو برا بھلا کہنے لگے۔

عبداللہ بن سلام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! دیکھئے! میری قوم کتنی منافق اور بہتان طراز ہے! مجھے علم تھا کہ میرے قبولِ اسلام کا ان پر کیا ردِ عمل ہوگا!''

دوسری اہم شخصیت جو اوائلِ اسلام میں مشرف با اسلام ہوئی، حضرت سلمان فارسیؓ تھے۔ سلمانؓ کا تعلق ایران کے ایک گاؤں رام ہُرمز سے تھا۔ سلمانؓ کے والد وہاں کے ایک معزز جاگیردار تھے۔ سلمانؓ سے ان کے والد کو اتنی محبت تھی کہ وہ ان کو گھر سے باہر ہی نہیں نکالتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ انہیں شہر جانے کا موقع مل گیا۔ ایک جگہ انہوں نے عیسائیوں کو عبادت کرتے دیکھا۔ وہ ان کے طریقِ عبادت سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ وہ گھر سے فرار ہو کر شام چلے گئے جہاں انہوں نے مسیحی دین کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ بدقسمتی سے وہ غلام بنا لئے گئے۔ بقول ابوعثمان نہدان کے دس مالک بدلے۔ اسی طرح بکتے ہوئے موصل، نصیبین اور عمورہ سے سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ عیسائیوں سے انہیں پتہ چلا تھا کہ مدینہ میں عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ چنانچہ مدینہ میں آ کر وہ بہت خوش ہوئے۔

حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضور ﷺ کی مدد سے انہیں آزادی مل گئی۔ غزوہ خندق میں سلمانؓ نے بھی شرکت کی اور شہر کے دفاع کے لئے خندق کھودنے کی تجویز پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"سلمان منا اهل البيت"

(۱۳) صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، رسول اللہ ﷺ کو علم اور اس کی ترویج کا خاص خیال رہتا تھا۔ مکی دور میں بھی آپ ﷺ قرآن حکیم کی تحریر و تدوین اور اس کی تعلیم و اشاعت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ہی کی مساعی سے اُن پڑھ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج عام ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی سے ملحقہ ایک ایسا مسقف چبوترہ بنوایا تھا جو درس گاہ کے ساتھ ساتھ اقامت گاہ کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔

صُفّہ (15) اس سائبان کو کہتے ہیں جو کسی عمارت یا مکان سے ملحق ہو۔ اسے "ظُلّہ" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ مسجد نبوی کے اس ملحقہ احاطے کے اوپر کھجوروں کے تنوں کے سہارے چھپر ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں نبی ﷺ کے وہ صحابہ جو بے گھر ہوتے قیام کرتے اور دن رات قرآن و حدیث، قرآت، تجوید اور دیگر علوم اسلامیہ کی تحصیل و تعلیم میں مشغول رہتے۔ انکے طعام کا بندوبست نبی کریم ﷺ خود فرماتے۔ اگر مسجد میں دعوت کا کھانا آتا تو حضور ﷺ اصحاب صُفّہ کو بھی اس میں شریک کر لیتے۔ شہر کے لوگ بھی ان کے لیے کھانا بھجوا دیتے تھے۔ نخلستانوں کے مالکین ان کے لیے کچی کھجوروں کی شاخیں بھجوا دیتے تھے جو کہ صفہ کے ستونوں کے ساتھ لٹکا دی جاتیں۔ جو کھجوریں پک جاتیں وہ اصحاب صفہ استعمال کر لیتے۔

بعض طالب علم فرصت کے اوقات میں محنت مزدوری بھی کر لیتے تھے اور اس کی

Marfat.com

اجرت سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں مال و دولت جمع کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ اگر ایک طالب علم کچھ کماتا تو وہ اس میں دوسرے طالب علموں کو بھی شامل کر لیتا۔

ان طلبہ میں بعض اوقات باہر سے آنے والے طلبہ بھی شامل ہو جاتے۔ اکثر وہ مقامی لوگ بھی درس میں شرکت کے لئے آ جاتے جو مدینے میں اپنے گھر رکھتے تھے۔ صفہ کے اقامتی طلبہ کی کل تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن کبھی ایک وقت میں اتنے طلبہ وہاں نہیں رہے کیونکہ احاطے میں اتنی گنجائش نہ تھی۔ غزوۂ معونہ کے بعد وہاں صفہ کے ستر معلمین بھیجے گئے تھے۔

مشہور راوئ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کا تعلق بھی اصحابِ صفہ سے تھا۔ چونکہ وہ اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ نبی ﷺ کے فرامین سننے اور انہیں یاد رکھنے میں صرف کرتے تھے اس لئے احادیث کا بڑا حصہ انہی کا روایت کردہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں جو اصلاحی اور ترقیاتی منصوبے شروع کیے، ان میں صفہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ یوں تو ہر مسلمان کے لئے دین کا علم ضروری تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ کچھ لوگ علومِ اسلامیہ میں تخصص حاصل کریں تا کہ اسلام کی اشاعت و ترویج تمام جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ممکن ہو سکے۔ اس لئے آپ نے اصحابِ صفہ پر خصوصی توجہ دی اور انہیں علمی و روحانی تربیت کے نقطۂ کمال تک پہنچا دیا۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد ازاں مسلمانوں میں علوم و فنون اور حکمت و تصوف کی جو زبردست تحریک فروغ پذیر ہوئی اس کی تاسیس خود جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمائی تھی۔

Marfat.com

پندرہواں باب

نوزائیدہ شہری ریاست کا منظرنامہ

چراگاہوں اور آبی ذخیروں کی تلاش میں قبائلِ عرب صحرائی وسعتوں میں مسلسل نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح ایک ہی قبیلے کی شاخیں اپنے قرابتداروں سے بچھڑ کر دور دور تک چلی جاتیں۔ بند مآرب کے ٹوٹنے کے بعد اوس اور خزرج کے قبیلے ہجرت کر کے یثرب میں آ بسے۔ چونکہ یہاں متعدد چشمے موجود تھے، بارشیں بھی ہو جاتی تھیں اور بعض جگہ زمین بھی قابل کاشت تھی، اس لئے یہ قبیلے مستقلاً یہیں بس گئے۔ اوس اور خزرج دو بھائی تھے جن کی اولاد سے یہ قبیلے وجود میں آئے تھے۔ شروع میں یثرب کی زرعی زمین اور نخلستان ان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ لیکن جب ان کی آبادی بڑھ گئی تو وسائل ناکافی ہو گئے۔ کچھ وسائل پر یہود قابض تھے۔ بیس مربع میل کے رقبے میں پائے جانے والے وسائل حیات اوس وخزرج کی بارہ شاخوں کے لئے بتدریج کم پڑتے گئے۔ نتیجتاً ان میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ اپنے مفاد کے لیے یہودی جلتی پر تیل چھڑکتے۔ اس طرح سرزمین یثرب مستقلاً بدامنی اور نزاع کا شکار ہو گئی۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے وہاں کے باشندوں کو امن نصیب ہو گیا۔ اکثر عرب باشندے دامنِ رسالت سے وابستہ ہو گئے۔ اسلامی تعلیمات نے ان کے اندر ایک عظیم روحانی و اخلاقی انقلاب پیدا کیا تھا۔ وہ افراد جو کہ ہمہ وقت ایک دوسرے کے در پے آزار رہا کرتے تھے، اب ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی بن گئے۔

اسلامی تعلیمات کا پہلا رکن توحید ہے۔ ایک ان دیکھے خدا پر ایمان لانے والا

Marfat.com

نفسیاتی طور پر منظم و مستحکم ہو جاتا ہے اور تعدد و کثرت کو وحدت کا آفریدہ سمجھتا ہے۔ توحیدِ الٰہیہ ایک ایسا مجرد اور روحانی اصول ہے جو انسان کا زاویۂ نگاہ بدل کر اس کے خیالات و تصورات اور جذبات و احساسات میں ترتیب و تنظیم پیدا کرتا ہے۔ اسکے برعکس شرک اور صنم پرستی فکر و خیال کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اسے محسوسات کے بے شمار دھاروں میں منقسم کر دیتی ہے۔ چنانچہ موحد کی شخصیت مشرک کی شخصیت سے کہیں زیادہ مضبوط اور وقیع ہوتی ہے۔ ایک غیر مرئی خدا کو اپنا خالق و مالک ماننے والا ایک مجرد نصب العین کو اپنے سامنے رکھتا ہے اور اس کے حصول کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتا ہے۔ یوں اس کے اخلاقی، روحانی اور ذہنی ارتقاء کا ایک ایسا عمل شروع ہوتا ہے جو کہیں اختتام پذیر نہیں ہوتا، بلکہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ رضائے الٰہی کی طلب اسے ہمیشہ بلندیوں کی طرف آمادۂ پرواز رکھتی ہے۔ توحیدِ الٰہی کا اقرار دراصل وہ اکسیر اعظم ہے جو انسان کو تمام ذہنی و نفسیاتی بیماریوں سے نجات دے کر اسے ایسی قوت پرواز بخشتی ہے جو شرف و عظمت آدمیت کا سبب بنتی ہے۔ قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ نے اس لئے نماز پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ اس سے مناسب وقفوں کے ساتھ اس روحانی اصول کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ نمازوں کی پابندی دن رات توحیدِ الٰہی کے تصور کو بدنی اور ذہنی طور پر انسان کی شخصیت میں راسخ کرتی رہتی ہے اور ایمان کے اس پودے کی آبیاری کرتی ہے جو دل کی زرخیز زمین میں اگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے پہنچ کر پہلا کام مسجد کی تعمیر کا کیا تھا۔ نظام صلوٰۃ کا مقصد ہی یہ تھا کہ جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں وہ ایک اللہ کی اطاعت کو ہر چیز پر فوقیت دیں اور اس کی تائید بار بار اس کے سامنے رکوع، سجود اور دعا کے ذریعے کرتے رہیں۔

لیکن ایک اللہ پر ایمان محض ایک نفسیاتی اور روحانی اصول ہی نہیں جس کا اظہار اقامت صلوٰۃ میں کیا جاتا ہے، بلکہ یہ ایک سیاسی و سماجی تنظیم کا بھی اصول ہے۔ جس طرح

Marfat.com

درخت کی جڑ سے بے شمار شاخیں، کونپلیں اور برگ و بار پیدا ہوتے ہیں یا ساکن پانی کی سطح پر کنکر پھینکنے سے ایک دائرہ وجود میں آجاتا ہے جو اپنے جلو میں متعدد دائروں کو لئے ہوئے بڑھتا ہے اور پھیلتا جاتا ہے، اسی طرح توحید سے نہ صرف انفرادی سطح پر نفسیاتی تنظیم و ترتیب وجود میں آتی ہے بلکہ اجتماعی سطح پر بھی سیاسی و سماجی تنظیم و ترتیب پیدا ہوتی ہے۔ خدا کے ساتھ اپنے پیمان اطاعت کی تائید و تصدیق کے لئے جو مسلمان مسجد نبوی میں آنے لگے تھے، وہ کچھ ہی عرصہ قبل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ صد سالہ جنگ بعاث کے حریف نووارد مہاجروں کے ساتھ یوں کندھے سے کندھا ملائے حضور حق میں کھڑے ہوتے تھے جیسے کوئی ناقابل شکست فصیل ہو جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے پختہ طور پر جڑی ہوئی ہو یا کوئی بدن ہو جس کے اعضاء نامیاتی طور پر باہم گر متحد ہوں۔ سیاسی و سماجی اتحاد کے ساتھ ہی معاشی نظام بھی جڑا ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ قانونی، دفاعی، تعلیمی اور انتظامی معاملات اجزائے الاء ینفک کی طرح وابستہ تھے۔ گویا توحید کے اقرار کے ساتھ ہی حیات و کائنات کی ساکن سطح پر کنکر گرنے سے ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور دائرہ اندر دائرہ منظم تحرک و تموج کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یا توحید وہ پودا ہے جو قلب و نظر کی سرزمین میں جب جڑ پکڑتا ہے تو اس سے بے شمار شاخیں اور برگ و بار ارتقاء پذیر ہوتے ہیں جن کا رخ آسمان کی رفعتوں کی طرف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب خدائے واحد و لایزال کی اطاعت کا درس دیا تو اس سے از خود صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، قانون، تعزیر، تعلیم، شہری انتظام، خارجی معاملات وغیرہ کے نظامات ظہور پذیر ہوتے چلے گئے۔

مکی دور آپ ﷺ اور صحابہ کے لئے نہایت کٹھن اور صبر آزما تھا۔ تکالیف و مصائب کی شدت اتنی زیادہ تھی اور آزمائش کا دورانیہ اتنا طویل تھا کہ اپنے موقف پر استقامت آپ ﷺ ہی کا حصہ تھا۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو مدینے آ کر دعوت حق پھیلانے میں بہت آسانی ہوگئی تھی۔ مزید برآں اس نوزائیدہ شہری ریاست میں آپ ﷺ کو متفقہ طور پر مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ لیکن مشکلات نے آپ ﷺ کا یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ البتہ ان کی نوعیت بدل گئی۔ مکے میں اگر آپ ﷺ یک رخی لڑائی لڑ رہے تھے تو مدینے میں آپ ﷺ کو چومکھی لڑائی لڑنا پڑ رہی تھی۔ صدیوں سے جہالت کے رنگ میں رنگے ہوئے عربوں، اجڈ اور تند خو بدویوں، اردگرد کے آزاد اور خودسر قبیلوں، کینہ پرور اور سازشی یہودیوں کو ایک خدا پرست اور انصاف پسند مہذب شہری ریاست کے سانچے میں ڈھالنا ایک ایسا چیلنج تھا جو مکی دور کی مشکلات سے کہیں زیادہ سنگین اور صبر آزما تھا۔ ذیل میں ہم چند ایک واقعات کا جائزہ لیتے ہیں جو نوزائیدہ شہری ریاست کے ابتدائی ایام میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

(ا) تحویلِ قبلہ:

بیت المقدس (یروشلم) شروع سے ہی یہودیوں اور مسلمانوں کا مشترکہ قبلہ چلا آ رہا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکے میں تھے تو نماز پڑھتے ہوئے یہ اہتمام فرما لیا کرتے تھے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ ایک سیدھ میں آ جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ مقامِ ابراہیم کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن مدینے آنے کے بعد بیت الحرام جنوب کی سمت رہ گیا اور مسجد اقصیٰ شمال کی سمت میں آ گئی۔ اس طرح یہ ممکن نہ رہا کہ دونوں مسجدوں کو ایک سیدھ میں رکھ کر نماز ادا کی جائے۔ ہجرت کے بعد سولہ مہینوں تک نماز مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے ہی ادا کی جاتی رہی۔ آغاز میں مسجدِ نبوی کے اندر قبلہ کی جگہ شمالی رخ پر ہی متعین کی گئی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عربوں کی فطرت میں قبائلی دشمنیاں، اخلاقی بے راہروی اور بت پرستی کے طور طریقے اس حد تک راسخ ہو چکے تھے کہ وہ کسی ایک بات پر متحد اور متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر کعبۃ اللہ کا احترام وہ سبھی کرتے تھے۔ تمام قبائل عرب متفقہ طور پر اسے

Marfat.com

بیت اللہ (اللہ کا گھر) سمجھتے تھے اور دور دراز علاقوں سے اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہ ان کی آرزوؤں اور امنگوں کا مرکز تھا۔ صدیوں پہلے بوڑھے پیغمبر خلیل سے آئے اور بے آب و گیاہ اور بے آباد پہاڑیوں کے درمیان، اس کی گمشدہ بنیادیں تلاش کیں اور خدا کی عبادت کے اس گھر کو از سر نو تعمیر کیا۔ وہ اپنے فرزند اسماعیل کو یہاں بسا کر واپس چلے گئے۔ آلِ اسمٰعیلؑ ہمیشہ سے اس عبادت گاہ کی تقدیس و تعظیم کرتی چلی آئی تھی۔ آلِ اسحٰق کے لئے بھی اپنے مشترک جد اعلیٰ کی تعمیر کردہ یہ مسجد ہمیشہ قابل تعظیم رہی تھی۔ لیکن آلِ اسمٰعیل نے اپنی جہالت کے سبب اللہ کے گھر کو بت کدہ بنا دیا اور رفتہ رفتہ اپنے عظیم جد اعلیٰ کے دین حنیف سے منحرف ہو گئی۔ بایں ہمہ وہ آلِ اسحٰق کی مذہبی برتری کو تسلیم کرتے تھے اور انہی کی مسجد کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مدینے میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب بنو اسمٰعیل کے پاس پیغمبر آخر الزماں (ﷺ) بھی تھے اور ایک الہامی کتاب (قرآنِ حکیم) بھی! اب انہیں نہ تو توریت کی پیروی کی ضرورت تھی، نہ یہودیوں کی خوشامد کی (1) اور نہ ہی مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنائے رکھنے کی ضرورت باقی رہی تھی۔

اس لئے نبی ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ مسجدِ حرام ہی مسلمانوں کا قبلہ بن جائے۔ لیکن آپ ﷺ کو اس ضمن میں کوئی واضح حکم موصول نہیں ہوا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ جب تک کسی خاص معاملے میں واضح حکم نہ آتا، آپ ﷺ توقف فرماتے حتیٰ کہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کی راہنمائی ہو جاتی۔

بالآخر ہجرت کے سولہ ماہ بعد شعبان ۲ھ میں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی دلی مراد بر آئی:

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ص فَوَلِّ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ''(بقرہ:۱۴۴)

(یہ تیرے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔لو ہم اسی کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو!تو اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیرو اور جہاں کہیں رہو اسی طرف منہ پھیرو!)

بقول ابن سعد رسول اللہ ﷺ پر جب یہ حکم نازل ہوا،اس وقت آپ ﷺ بشیر بن براء بن معرور کے ہاں دعوت کے کھانے کے بعد ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔دو رکعتیں ادا ہو چکی تھیں۔تیسری میں یکا یک یہ حکم نازل ہو گیا۔حضور ﷺ اور تمام مقتدیوں نے اسی وقت اس پر عمل کیا اور اپنا رخ بیت الحرام کی طرف کر لیا۔اس کے بعد تحویلِ قبلہ کا عام اعلان کر دیا گیا اور مسلمانوں نے مسجدِ حرام کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔

قرآنِ حکیم نے مسجدِ حرام (حرمت اور تقدس والی مسجد) کو دنیا کی اولین عبادتگاہ قرار دیا ہے:

''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ''(آل عمران:۹۶)

(اولین گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے وضع کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے (یعنی کعبۃ اللہ):

بنی اسرائیل بھی اس حقیقت سے خوب آگاہ تھے کہ مسجدِ حرام جو ان کے جدِ اعلیٰ سیدنا ابراہیم نے بنائی تھی،قدیم ترین عبادت گاہ ہے۔فلسطین کی مسجدِ اقصیٰ تو تعمیرِ کعبہ سے تقریباً تیرہ سو سال بعد وجود میں آئی تھی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بنی اسرائیل کو چن رکھا تھا اور انہی میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے تھے اس لئے لوگوں کی عبودیت کا رخ مسجدِ اقصیٰ کی طرف رہا۔اب جو مسجدِ حرام کو قبلہ قرار دیا گیا تو اس کا صاف

Marfat.com

مطلب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو راہنمائی کے عظیم منصب سے معزول کر کے اس پر حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت کو فائز کر دیا گیا ہے۔

آج ڈیڑھ ہزار سال بعد ہمیں تحویل قبلہ کا یہ واقعہ اتنا اہم محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن مدینے کی نوزائیدہ اسلامی ریاست میں یہ ایک بہت بڑا اقدام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اتنے اطاعت شعار اور صاحب بصیرت تھے کہ جس کسی نے بھی یہ پیغام سنا اس نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ اگر کسی نے نماز پڑھتے ہوئے سنا تو اس نے اسی حالت میں شمال (فلسطین) سے جنوب (بیت اللہ) کی طرف رخ پھیر لیا اور اس حکم کی تہہ میں کارفرما حکم و مصالح کا ادراک کر لیا۔ تحویلِ قبلہ کا حکم سنتے ہی مسلمان سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل راندۂ درگاہ ہو گئے ہیں اور زمامِ امامت ان کے ہاتھوں میں آ گئی ہے۔ البتہ جو منافقین تھے اور محض دنیاوی فائدوں کے لئے مسلمان بنے ہوئے تھے، وہ اس حکم پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ اسی طرح ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔

یہود مسلمانوں کو تر نوالہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ مسجدِ اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نمازیں تو پڑھ ہی رہے ہیں اور انبیائے بنی اسرائیل کا بھی بہت احترام کرتے ہیں، لہٰذا رفتہ رفتہ وہ انہیں اپنے اندر ہی ضم کر لیں گے۔ وہ بظاہر مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے لیکن بباطن ان کے مخالف تھے۔ سوائے چند ایک یہودیوں کے جو تعلیماتِ اسلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہو چکے تھے، باقی سب یہود در پردہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ لیکن اوپر سے وہ محض دکھاوے کے لئے مسلمانوں سے یکجہتی کا اظہار کرتے اور قبلۂ اول کا رخ کر کے نمازیں پڑھتے۔ لیکن تحویلِ قبلہ کے حکم سے ان کی ظاہریت کا پردہ چاک ہو گیا۔ وہ سخت مشتعل ہوئے کیونکہ تحویلِ قبلہ سے ان کی مذہبی سیاست پر براہِ راست ضرب پڑی تھی۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے پہلے سے بھی زیادہ دشمن ہو گئے۔ قرآنِ حکیم نے اپنے مخصوص بلیغ انداز میں تحویلِ قبلہ پر تبصرہ کیا ہے۔

Marfat.com

''سَیقُولُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰھُم عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِی کَانُوْا عَلَیْھَا ط
قُلْ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط یَھْدِی مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ o
وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ط وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَۃَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَا اِلَّا
لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ ط وَاِنْ کَانَتْ
لَکَبِیْرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ ط '' (البقرہ:۱۴۱۔۱۴۲)

(نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا کہ پہلے یہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس سے یکا یک پھر گئے؟ اے نبی ان سے کہو: ''مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے''۔ اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ''امّتِ وَسَط'' بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔ پہلے تم جس طرف رخ کرتے تھے، اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔ یہ معاملہ تھا تو بڑا سخت، مگر ان لوگوں کے لئے کچھ بھی سخت ثابت نہ ہوا، جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے۔)

مزید ارشاد ہوا:

''لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ
مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی
الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ لا
وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج '' (۲:۱۷۷)

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف،

بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کر دے۔)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک قبلہ کی فی نفسہ کوئی اہمیت نہیں۔ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا کوئی نیکی نہیں۔ نیکی تو یہ ہے کہ اس خدائے واحد پر ایمان لایا جائے جو مشرق و مغرب کا خالق ہے۔ اور نیکی یہ ہے کہ روزِ آخر اور ملائکہ پر ایمان لایا جائے، کتاب اللہ کو مانا جائے، اللہ کے فرستادوں کی رسالت کا اقرار کیا جائے، انفاق فی سبیل اللہ کیا جائے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں کی مدد کی جائے۔ محولہ بالا آیتوں میں قبلہ کو ایک محسوس علامت قرار دیا گیا ہے جو ایک غیر مرئی خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ جس طرح کسی قوم کا پرچم اس کی ملی وحدت اور اجتماعی آدرشوں کا ٹھوس اور مادی اظہار ہوتا ہے، اسی طرح بیت اللہ توحید الٰہیہ کی ایک محسوس اور مرئی علامت ہے۔ اس کی تحویل کا مقصد یہ بتایا گیا کہ یہ دیکھا جائے کہ اطاعتِ رسول ﷺ کون کرتا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ روحانی راہنما ہونے کے ساتھ ساتھ ریاستِ مدینہ کے مقتدرِ اعلیٰ بھی تھے، اس لئے آپ ﷺ کا نافرمان نہ صرف یہ کہ روحانی طور پر خائب و خاسر ہوتا بلکہ ریاست کا باغی اور مجرم بھی ٹھہرتا۔

(۲) روزوں کی فرضیت:

۲ھ میں روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ: ۱۸۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے، جس طرح تم سے

Marfat.com

پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کر دیئے گئے تھے۔اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔)

گزشتہ امتوں پر بھی روزے فرض تھے۔ چنانچہ مدینے کے یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے تھے۔ نبی ﷺ نے بھی مدینہ آ کر یہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ اس روز حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فرعونِ مصر کے مظالم سے نجات ملی تھی، اس لئے ہم عاشورے کا روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ ویسے نبی ﷺ مہینے میں تین روزے رکھا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ تاہم یہ روزے فرض نہ تھے۔ لیکن ۲ھ میں قرآنِ حکیم کی مذکورہ آیت کی رو سے روزے فرض کر دیئے گئے۔ ابتداء میں یہ رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں وہ روزہ رکھ لیں یا ہر روزے کے عوض کسی ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ لیکن بعد ازاں یہ رعایت ختم کر دی گئی۔ البتہ مریض، ناتواں بوڑھے شخص، مسافر اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے استثنا برقرار رکھا گیا۔ ان کے بارے میں حکم ہوا کہ بعد میں جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ روزہ رکھ سکیں قضا روزے رکھ لیں (2)۔ جنگ کے موقع پر آپ ﷺ نے روزہ رکھنے سے ممانعت فرما دی تھی تا کہ لڑتے ہوئے مجاہدین جسمانی کمزوری کا شکار نہ ہو جائیں۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"انکم قد دنو تم من عدو کم فا فطرو ا اقوی لکم"

(دشمن سے مقابلہ درپیش ہے، روزے چھوڑ دو، تا کہ تمہیں لڑنے کی قوت حاصل ہو۔)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بدر کی جنگ میں ہم نے روزے چھوڑ دیئے تھے (3)۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ روزہ خالصتہً بندے اور خدا کا معاملہ ہے۔ لیکن اسے بھی ریاست کے معاشی نظام سے منسلک کر دیا گیا۔ حکم ہوا کہ جو روزہ نہ رکھ سکے وہ مساکین کو کھانا کھلا دیا کرے، تا کہ ریاست کے غریب اور مسکین باشندے فاقوں سے بچ سکیں۔

Marfat.com

اسی رمضان میں معرکۂ بدر پیش آیا اور ماہ رمضان کے اختتام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی عید الفطر کی نماز ادا کی اور مسلمانوں کو فطرانہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

(۳) رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکے میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کھلے دشمن سے رہا۔ مکے میں مسلمانوں کا موقف بھی واضح تھا اور کفار کا بھی۔ دونوں فریق لگی لپٹی نہ رکھتے تھے۔ دوست اور دشمن دونوں کی پہچان بڑی واضح تھی۔ لیکن مدینے میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ غیر مسلموں کے علاوہ ایسے لوگوں سے بھی پڑا جو اوپر سے مسلمان تھے لیکن در پردہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر انہوں نے مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔ لیکن اپنی نجی محفلوں میں وہ ان کے خلاف باتیں کرتے اور انہیں نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتے۔ یہ ایک ایسا محاذ تھا جس پر لڑنا مسلمانوں کے لئے بے حد مشکل تھا۔ سامنے کھڑے دشمن سے آدمی ہوشیار ہو جاتا ہے اور اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن مارِ آستین کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب ڈس لے!

مدینے میں منافقت شاید ایک منظم تحریک کی صورت اختیار نہ کرتی، اگر عبداللہ بن ابی بن سلول (4) کا وجود نہ ہوتا۔ جیسے کہ گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ بیعت عقبۂ ثانیہ میں جب انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے آنے کی دعوت دی، تو اس وقت عبداللہ بن ابی بادشاہ بننے کی تیاریاں کر رہا تھا اور اس کے لئے سونے کا تاج بھی بن رہا تھا۔ عبداللہ بن ابی خزرج کی ایک ذیلی شاخ بنو الحبلی یا بنو سالم کا سردار تھا۔ اس کی بادشاہی پر اکثر قبائل رضامند ہو چکے تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ بدل گیا اور مدینے کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ پھر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچ گئے تو عبداللہ بن ابی کی شخصیت پس منظر میں چلی گئی۔ اسلامی ریاست کے خدوخال بڑی تیزی سے ابھرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو

Marfat.com

اس ریاست میں وہ حیثیت حاصل تھی جو کسی شہنشاہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

عبداللہ بن ابی انگاروں پر لوٹ رہا تھا، لیکن اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کھل کر مخالفت کرتا۔ چنانچہ وہ بظاہر مسلمان ہو گیا اور جمعہ کے خطبے سے پہلے کھڑا ہو کر تقریر کرتا جس میں وہ خدا کی وحدت اور آنحضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا اور اپنے ساتھیوں کو آپ ﷺ کے اتباع کی تلقین کرتا۔ اس کے علاوہ وہ زکوٰۃ بھی نکالتا اور مسلمانوں کے دیگر رفاہی کاموں میں بھی شرکت کرتا۔ لیکن حسد اور رقابت کی آگ اسے اندر ہی اندر جھلس رہی تھی۔ اسلام کے بعد بھی قبائل مدینہ میں اس کا اثر و رسوخ باقی تھا۔ اس نے کافی تعداد میں وہ لوگ اپنے گرد اکٹھے کر لئے جو منافق تھے یا نیم دلی سے مسلمان ہوئے تھے۔ انہیں وہ مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اسلامی تاریخ میں اسے ''رئیس المنافقین'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن ابی مل گیا۔ اس نے آپ ﷺ سے بدتمیزی کی۔ قریب تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھی اسے گستاخی کی سزا دیتے، لیکن سعد بن عبادہ نے عبداللہ بن ابی کی سفارش کی اور کہا کہ اسے معاف فرما دیجئے کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے اس سے اس کا حقِ بادشاہت چھین لیا ہے اور کئی اہم سردار اس کے حلیف بھی ہیں۔ ۲ھ (۶۲۴ء) میں جب حضور ﷺ نے بنو قینقاع کو ان کی بدعہدی کی سزا دینے کا فیصلہ کیا تو عبداللہ بن ابی حضور ﷺ کی زرہ پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ''میرے سات سو آدمیوں کو آپ ﷺ ایک ہی دفعہ ختم کر دینا چاہتے ہیں، اس لئے میں آپ ﷺ کا دامن اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ ﷺ مجھے اور میرے حلیفوں کو معاف نہ کر دیں۔'' پھر اس شخص نے غزوہ احد ۳ھ (۶۲۵ء) میں مسلمانوں کو شدید زک پہنچائی۔ قریشِ مکہ کا لشکر تین ہزار تھا۔ مسلمان ایک ہزار تھے۔ یہ ان میں سے اپنے تین سو آدمی توڑ کر لے گیا۔ اس طرح مسلمان صرف سات سو رہ گئے۔ اب اس کے ظاہری ایمان کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ لہٰذا اگلے

Marfat.com

تھے جب وہ مسجد نبوی میں آ کر مسلمانوں کی حمایت میں تقریر کرنے لگا تو اہل ایمان نے اسے دھکے دے کر مسجد سے باہر نکال دیا۔ اب تک وہ زبانی نکتہ چینی کرتا آیا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد اس نے باقاعدہ سازشیں شروع کر دیں۔ غزوہ بنی نضیر میں بھی اس نے یہودیوں کی حمایت کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُریسیع نامی کنویں پر پڑاؤ کیا۔ یہاں عبداللہ بن ابی نے دو مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوا دی اور ان کی جاہلی حمیت کو ہوا دے کر ہنگامہ کھڑا کرا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مداخلت کی اور معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو ابن ابی پر اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں ابن ابی کی گردن اڑا دینے کی اجازت دی جائے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ عبداللہ بن ابی چیخ چیخ کر یہ اعلان کرتا رہا کہ مدینہ واپس پہنچ کر جو عزت والا ہے، وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ تھا اور جو بڑے مخلص مسلمان تھے تلوار کھینچ کر باپ کے سامنے آ گئے اور کہنے لگے: ''آپ نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا! اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اللہ کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں!'' اس پر عبداللہ بن ابی بہت چراغ پا ہوا اور اپنے بیٹے کو برا بھلا کہنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عمرؓ! اگر تم مُریسیع کے کنویں پر عبداللہ بن ابی کی گردن اڑا دیتے تو یہ کئی لوگوں کو ناگوار گزرتا۔ لیکن اب میں اس کے قتل کا فرمان جاری کر دوں تو کوئی ردعمل نہیں ہوگا۔ اس طرح یہ شخص اپنے بیٹے کے ہاتھوں ذلیل ہوا۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے:

''يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَ لِلّٰهِ

Marfat.com

اُلعزّۃ و لرسُولہ و لِلمُومنِین وَلٰکِنّ المُنٰفِقِین لَا یَعلَمُو ن o
(المنفقون:۸)

(یہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس جائیں گے تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے باہر نکال دے گا۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ مگر یہ منافق نہیں جانتے۔)

مندرجہ بالا آیت سورہ منفقون کی ہے۔ یہ سورہ المریسیع کی مہم سے واپسی کے سفر کے دوران نازل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم نے متعدد جگہوں پر منافقین کے رویہ کی مذمت کی ہے، اور انہیں ان کے دردناک انجام سے ڈرایا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منافقوں اور ان کے سرغنہ عبداللہ بن ابی کو اتنی چھوٹ کیوں دے رکھی تھی، جب کہ وہ اسلامی ریاست میں تشکیک، استہزاء اور دین سے نفرت کا زہر پھیلا رہے تھے؟ حضرت عائشہؓ پر بہتان تراشی میں بھی عبداللہ بن ابی نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی مدینے کی ایک اہم شخصیت تھا۔ اوس اور خزرج کے کئی نامور سردار اس کے حلیف تھے اور اس نے اپنے حمایتیوں کا ایک مضبوط جتھہ بنایا ہوا تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کو دوستوں کے تعاون کی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے یہود اور دیگر غیر مسلم قبائل کو مختلف قسم کے معاہدوں میں باندھ رکھا تھا تاکہ مسلمانوں میں اصل دشمن (قریش) کے ساتھ مقابلے کی قوت و استعداد بڑھ سکے۔ منافقین سازشیں کرتے تھے، لیکن بظاہر وہ مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ ان کو سزائیں دینی شروع کر دیتے اور ان کے فرامینِ قتل جاری کرنا شروع کر دیتے تو ایک نیا محاذ کھل جاتا جو منافقت سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کا تانا بانا کچھ اس طرح بنا ہوا تھا کہ اکثر صحابہ کی منافقین کے ساتھ قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ خود عبداللہ بن ابی کی کئی بیٹیاں

Marfat.com

اور بیٹے عبداللہ بن عبداللہؓ سچے مسلمان تھے۔ اس کے علاوہ کئی منافقین ایسے بھی تھے جو بالطبع ناپختہ اور متذبذب قسم کے لوگ تھے۔ اسلام ان کے دلوں میں پوری طرح گھر نہ کر سکا تھا۔ تاہم ان میں اصلاح کی گنجائش موجود تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کا تقاضا تھا کہ ایسے دو دلے لوگوں کو سزا دینے کی بجائے انہیں اسلام میں پختہ کریں اور ان کے قلب و نظر سے جاہلیت کی باقیات صاف کر دیں۔ ایمان اور منافقت کا تعلق بندے کی داخلی نفسیاتی کیفیت سے ہے۔ خارج سے اس پر کوئی حکم صادر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اگر منافقت پر سخت مواخذہ شروع ہو جاتا تو شاید کئی قابل اصلاح لوگ بھی اس کی زد میں آ جاتے۔ پھر یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی سچا مومن اپنے تمام تر اخلاصِ نیت کے باوجود کسی ایسی لغزش کا شکار ہو جاتا جو سرزد تو ہوتی تقاضائے بشری کے تحت لیکن اسے منسوب کر دیا جاتا منافقت کی طرف! مزید برآں یہ بھی خطرہ تھا کہ آنے والے مطلب پرست لوگ اسے اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے بطور ہتھیار استعمال کرنے لگتے (5)۔

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محاذ پر بہت نرم سبھاؤ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ از راہ شفقت عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ بھی خود پڑھائی اور اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ بھی عنایت کر دیا۔ (لیکن قرآن حکیم میں بعد ازاں منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی ممانعت کر دی گئی۔)

منافقت ایک ایسا محاذ تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری عمر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ محاذ ہمیشہ کھلا رہا۔ ہر عہد اور ہر دور میں عبداللہ بن ابی اور اس کے چیلے روپ بدل بدل کر سامنے آتے رہے اور اُمتِ مسلمہ کی پشت میں خنجر گھونپتے رہے۔

(۴) فتنۂ یہود:

اسلام سے پہلے ہی سرزمینِ مدینہ میں فتنۂ یہود ایک لاعلاج ناسور کی طرح پھیل چکا

Marfat.com

تھا۔ اسلام کے بعد اگرچہ اس ناسور کا پھیلاؤ رک گیا، اور یہ اپنے اندر ہی سمٹ کر رہ گیا تھا تاہم رہ رہ کر اسلامی معاشرے کے اندر زہر گھولتا رہا۔

اس سے پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مدینے میں چالیس پچاس فی صد کے قریب یہود آباد تھے۔ ان کے تین بڑے قبیلے تھے، بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ بنوقینقاع بڑے متمول اور بااثر یہودی تھے۔ سوق قینقاع اس دور میں سونے کی تجارت کا بین الاقوامی مرکز تھا۔ صاحبِ ثروت ہونے کے ناتے ان میں طرح طرح کے اخلاقی معائب اور عیش پرستی پیدا ہو گئی تھی۔ بنوقینقاع کے بعد بنونضیر معزز سمجھے جاتے تھے۔ سب سے کمتر بنوقریظہ تھے۔ بنوقینقاع کے کسی فرد کے ہاتھوں اگر کسی شخص کا قتل ہو جاتا تو وہ اس کی دیت یعنی خون بہا نصف ادا کرتے تھے۔ اگر ان کا کوئی شخص رجم کا مستحق ٹھہرتا تو اس کا منہ کالا کر کے محض گدھے پر بٹھا دینے پر اکتفا کیا جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کا اقتدار سنبھالتے ہی اس ناانصافی کو ختم کرنے کا حکم دے دیا۔

یہود نے پورے مدینے میں سودی کاروبار کا جال پھیلا رکھا تھا۔ تھوڑے سے قرض پر وہ اتنا سود بڑھا دیتے کہ مقروض اپنا تمام مال و اسباب بیچ کر بھی ان کا قرض ادا نہ کر پاتا۔ بعض حالات میں سود خور یہودی عربوں کی عورتوں کو رکھیل اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ شروع میں تو شاید حالات کچھ اچھے ہوں، لیکن جب اوس و خزرج کی آل اولاد سرزمین مدینہ پر پھیل گئی تو وسائل حیات محدود ہو گئے۔ بیس مربع میل کے رقبے میں آلِ اوس و خزرج سکڑ سمٹ کر گزارہ کر رہی تھی۔ نخلستانوں، زراعت اور دیگر وسائل سے انہیں محدود پیداوار مل رہی تھی۔ افلاس اور تنگدستی انہیں یہود کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتی تھی۔ جو ایک دفعہ ان کے قرض کی دلدل میں پھنس جاتا، تو وہ اس سے نکلنے کے لئے جتنے ہاتھ پاؤں مارتا، اتنا ہی اس کے اندر دھنستا چلا جاتا۔ یہود کاروبار کو پھیلانے اور پیسے کے ساتھ پیسہ جوڑنے کے خوب ماہر تھے۔ اپنے انبیاء کی تعلیمات وہ فراموش کر چکے تھے۔ تاہم رسوم و رواج کا کھوکھلا ڈھانچہ انہوں

Marfat.com

نے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ اپنے آپ کو وہ دنیا کی سب سے اعلیٰ اور برتر قوم سمجھتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام عربوں کے مقابلے میں وہ پڑھے لکھے تھے۔ لیکن ان کا علم روحانیت اور مذہبی و اخلاقی اقدار سے عاری ہو چکا تھا۔ بایں ہمہ انہوں نے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور مذہبی احکام کو وہ اپنے استحصالی ہتھکنڈوں کے لئے توڑ موڑ کر پیش کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں بار بار ان کا تذکرہ آیا ہے اور ان کے مذموم کردار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مثلاً

(۱) چند کوڑیوں کے بدلے وہ احکام الٰہی میں ترمیم و تنسیخ کر لیتے تھے۔ (بقرہ ۹۔۷)

(۲) ایک دوسرے کا گلا کاٹتے تھے۔ (بقرہ ۸۵)

(۳) شرک و کفر کی حمایت کرتے اور مشرکین کو مسلمانوں سے بہتر بتاتے۔ (نساء ۵۱، ۴۴)

(۴) خدا کی شان میں گستاخی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ (آل عمران ۱۸۱)

(۵) اپنے بعض بزرگوں کو خدا کا بیٹا سمجھتے یا وہ درجہ دیتے۔ (توبہ ۳۱، ۳۰)

(۶) خدا کے احکام کو لوگوں سے چھپاتے۔ (بقرہ ۱۵۹، ۱۷۴)

(۷) حضرت سلیمانؑ کو جادوگر اور حضرت جبریلؑ کو اپنا ازلی دشمن بتاتے۔ (بقرہ ۹۔۹۸، ۱۰۲)

(۸) اعلانیہ جھوٹ بولتے اور حرام کھاتے۔ (مائدہ ۴۲)

(۹) کوئی انہیں امانت سونپتا تو اس میں خیانت کرتے اور کہتے کہ ان جاہل عربوں کا ہم پر کوئی حق نہیں۔ (آل عمران: ۸۵)

(۱۰) وہ اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتے۔ (مائدہ: ۱۸)

یہود اپنے مفادات کے بارے میں بڑے حساس تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ اگر عرب متحد ہو گئے تو ان کا مذہبی تفوق اور معاشی بالادستی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے عرب قبائل میں پھوٹ ڈالتے رہتے اور سازشوں کے ذریعے ان کی خانہ جنگیوں کو ہوا دیتے۔ ایک طرف عرب علم سے محروم تھے اور دوسری طرف وہ بالطبع جنگجو اور جدل پسند تھے۔

انہی دو کمزوریوں کی بنا پر وہ انہیں مسلسل باہم گردست و گریباں رکھتے تھے اور اپنی دوکانداری چمکاتے تھے۔

مدینہ منورہ میں جب آنحضرت ﷺ نے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تو انصار کے ساتھ وہاں کے یہود از خود آپ ﷺ کی ماتحتی میں آ گئے۔ ابتدا میں انہیں مسلمانوں سے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنی چالاکیوں، علمی برتری اور مذہبی تفوق کی بنا پر جلد ہی مسلمانوں کو انگلیوں پر نچانے لگیں گے۔ پھر انہیں وہاں مسلمانوں کی پشت پناہی کی ضرورت بھی تھی۔ اسی لئے انہوں نے مسلمانوں سے متعدد معاملات میں معاہدے کر لئے تھے۔

نبی ﷺ نے شروع سے ہی یہودیوں کے ساتھ بڑی نرمی اور شفقت کا رویہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ یہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی فراموش کردہ تعلیمات کی تجدید کریں۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں متعدد جگہوں پر انہیں اصلاحِ احوال کی دعوت دی گئی ہے۔ (مثلاً ملاحظہ کیجئے البقرہ: ۳۱ تا ۱۲۳ اور آلِ عمران: ۶۴ تا ۹۱) لیکن یہود پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر طرح طرح سے تنقید شروع کر دی۔ بقول قرآنِ حکیم وہ رسول اللہ ﷺ کو (بحیثیت پیغمبر) یوں پہنچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو "یعرفو نه کمایعرفون ابناء هم" (البقرہ: ۱۴۶) لیکن وہ آپ ﷺ کے دعوائے نبوت پر کئی طرح کے اعتراضات کرتے۔ تحویلِ قبلہ کے بعد تو ان کا لہجہ اور بھی گستاخانہ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ اسلام کے فروغ کے لئے جو اقدامات کر رہے تھے، ان سے انہیں زبردست خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ ریاستِ مدینہ میں بتدریج علم کی شعاعیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ صفہ کے معلمین دن رات لوگوں کو معاملات اور عبادات کے بارے میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کا درس دے رہے تھے۔ مسجدِ نبوی میں مسلمان جمع ہوتے اور آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نہ صرف روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے بلکہ امورِ دین و دنیا کے بارے میں بھی اپنے فکر و نظر کو مستنیر کرتے۔ سیاسی طور پر وہ کافی حد تک

Marfat.com

مستحکم ہو چکے تھے۔ سودی لین دین سے احتراز، قناعت پسندی اور خود انحصاری کے اس عمل نے ان میں معاشی استحکام بھی پیدا کر دیا تھا۔ اب مسلمان یہود سے قرض لینے سے بہتر یہ سمجھتے تھے کہ اپنی ضروریات اور اخراجات میں کمی کر دیں۔ زکوٰۃ کے نظام سے بھی اہل مدینہ کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں بڑی مدد دی تھی۔

یہ سب کچھ یہودیوں کے لئے ناقابل برداشت اور انتہائی تشویش کا باعث تھا۔ اب وہ اہل یثرب کی رگوں سے خون نہیں نچوڑ سکتے تھے۔ شروع میں ان کا خیال تھے کہ مسلمان جلد ہی ان کے استحصالی جال میں پھنس جائیں گے۔ لیکن وقت کے ساتھ ان کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی اور انہیں صاف نظر آنے لگا کہ انہیں دو راہوں میں سے ایک اپنانی پڑے گے۔ یا تو وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں میں ضم ہو جائیں یا پھر یہ سرزمین ہی چھوڑ دیں۔ لیکن یہ دونوں راہیں ان کے لئے بڑی مشکل تھیں۔ لہذا انہوں نے سازش کا راستہ اپنایا اور اسلامی ریاست کے اتحاد میں دراڑیں ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے انہوں نے ہر حربہ آزمایا۔ کبھی قریش سے ساز باز کی اور کبھی منافقین مدینہ کو اکسایا۔ استہزاء، کردار کشی اور الزام تراشی کے حربے آزمائے۔ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے قرآنی آیات کو توڑ موڑ کر بالکل غلط انداز میں پیش کیا۔ مثلاً ایک یہودی فخاص نے حضرت ابوبکرؓ سے قرآن کی ایک آیت کے حوالے سے کج بحثی کرتے ہوئے کہا:

''تمہارا خدا تو خود ہم سے قرض مانگتا ہے (مَن ذَالَّذِی یُقرِضُ اللہ قرضاً حسناً۔ بقرہ:۱۴۶) اور پھر کہتا ہے کہ یہ قرض میں بمعہ سود تمہیں ادا کر دونگا۔ (فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضعَافاً کَثِیرَۃً۔ بقرہ:۱۴۶)

تم لوگ کس طرح ہمارے سودی کاروبار کو ناجائز سمجھ سکتے ہو؟ تمہارا خدا تو خود محتاج

ہے اور ہمارے آگے قرضے کے لئے عاجزی اور زاری کرتا ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ بالطبع بڑے حلیم اور بردبار تھے۔ لیکن فخاص کی بیہودہ گوئی پر وہ بھی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے کھینچ کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہنے لگے: "خدا کی قسم! اگر مجھے تمہارے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اس گستاخی پر تمہاری گردن اڑا دیتا۔"

فخاص روتا دھوتا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ابوبکرؓ کے خلاف شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے ابوبکرؓ سے پوچھا:

"ما حملك على ما صنعت؟" (جو تم نے کیا اس کا باعث کیا تھا؟)

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! اس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں نازیبا بات کہی تھی، چنانچہ مجھے غصہ آ گیا۔" (6) پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کی تصدیق میں یہ آیات نازل فرمائی:

"لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَاقَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○

"(آل عمران: ۱۸۱)

(اللہ نے (ان لوگوں کی) بات سن لی ہے جنہوں نے کہا اللہ محتاج ہے اور ہم بے نیاز ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے، ہم اسے اور ان کے انبیاء کے ناحق قتل کو (ابھی) لکھ لیتے ہیں اور (جب جزا کا وقت آئے گا تو) ان سے کہیں گے: جلا دینے والے عذاب کی مزہ چکھو!)

اس کے علاوہ یہود نے مناظروں، کج بحثیوں اور عجیب وغریب عقلی موشگافیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جو سیدھے سادے اور ان پڑھ عربوں کو گمراہ کرنے کے لئے بڑا موثر

Marfat.com

ثابت ہو سکتا تھا (7)۔ آنحضرت ﷺ قدم قدم پر مسلمانوں کو دشمنوں کی منافقانہ چالوں، بزدلانہ سازشوں اور گمراہ کن مباحثوں سے خبردار کرتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی تنویر بتدریج پھیلتی گئی اور طاغوت کی تاریکیاں سمٹتی گئیں، تا آنکہ پورا جزیرۃ العرب نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔

(۵) قریش کا خطرہ:

مدینے ہجرت کر آنے کے بعد مسلمان قریش کی طرف سے غافل نہیں ہو گئے تھے۔ ریاست کے داخلی انتظام و انصرام کے ساتھ ساتھ انہوں نے خارجی جارحیت سے بچاؤ کے لئے بھی ممکنہ اقدامات کر رکھے تھے۔ (تفصیل اگلے باب میں آئے گی)۔ ادھر قریش بھی مسلمانوں کے عروج سے تشویش کا شکار تھے۔ جن لوگوں کو وہ کل تک اپنے گلی کوچوں میں طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا کرتے تھے اور جن پر انہوں نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا، آج وہ ان سے تین سو میل دور ایک طاقتور حریف کی حیثیت سے ابھر رہے تھے۔ عربوں کی فلسطین جانے والی تجارتی شاہراہ مدینے کے قریب سے گزرتی تھی۔ یہ شاہراہ نہ صرف مکے والوں کے لئے تجارتی طور پر اہم تھی بلکہ جنگی نقطۂ نظر سے بھی بہت اہم تھی، کیونکہ یہ شمالی عرب کی طرف جانے کا سہل ترین راستہ تھا۔ اگرچہ دیگر راستے بھی تھے لیکن وہ بہت دشوار گزار اور غیر معروف تھے اور ان پر کاروانوں کی وسیع نقل و حرکت ممکن نہ تھی۔ مدینہ کا محل وقوع ایسا تھا کہ وہاں کی حکومت کسی وقت بھی اس شاہراہ پر مکے والوں کی آمد و رفت بند کر سکتی تھی۔ اس طرح قریش کو جو نقصان پہنچتا وہ ان کے لئے ناقابل تصور تھا۔

نبی ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ قریش جلد یا بدیر مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔ جن محرکات کے تحت انہوں نے مکے میں آپ ﷺ کے قتل کی سازش تیار کی تھی، ان کی شدت میں اب اسلامی ریاست کے قیام کے بعد کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ معاملہ اب انفرادی انتقام کی سطح

سے انحراف کردہ دیوتاؤں کے اطناب کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایک جمعیت کفر و شرک اور دنیاوی مفادات کی بنیاد پر استوار تھی تو دوسری حق و صداقت اور اخروی مفادات کی بنیاد پر قائم تھی۔ حق و باطل کا تصادم اب ناگزیر ہو چکا تھا۔

O

سولھواں باب

دفاعی انتظامات اور سرحدی مہمات

مدینے کی شہری زندگی میں جب ٹھہراؤ اور استحکام پیدا ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے مقررہ دائرہ ہائے کار میں معمول کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ریاست کے دفاع اور سرحدوں کی صورتِ حال کی طرف توجہ فرمائی۔ اس زمانے میں سرحدیں واضح طور پر متعین نہ تھیں۔ اطرافِ مدینہ میں دور دور تک مختلف قبائل آباد تھے۔ ان میں سے کئی قبائل کے ساتھ اہلِ قریش نے معاہدے کر رکھے تھے کیونکہ ان کے تجارتی قافلوں کو ان کی مدد اور تحفظ کی ضرورت ہوتی تھی۔

اصل ریاست مدینہ بارہ میل لمبے اور بارہ میل چوڑے میدان میں واقع تھی جسے ''جوف مدینہ'' کہا جاتا تھا۔ اس کو نبی ﷺ نے ''حرم'' قرار دیا تھا۔ درمیان میں ایک پہاڑ ''سلع'' نامی تھا اور متعدد چھوٹی بڑی پہاڑیاں تھیں۔ اس زمانے میں شہر کے اندر یہودیوں اور اوس و خزرج کی تعمیر کردہ متعدد گڑھیاں (آطام) بھی موجود تھیں۔ جبلِ عیر اور جبلِ ثور نے شہر کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ شرقاً غرباً حَرَّتَین (جمے ہوئے لاوے) کا علاقہ تھا جس میں آمد و رفت (بالخصوص فوجوں کے لئے) مشکل تھی۔ دیگر اطراف میں گھنے نخلستان تھے جن کی وجہ سے حملہ آور آسانی سے شہر میں داخل نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے دفاعی لحاظ سے شہر کی پوزیشن بڑی مضبوط تھی اور اس کے مزید استحکام کے لئے کئی اقدام کئے جا سکتے تھے۔

نبی ﷺ نے حرمِ مدینہ کی حدود کے تعین کے لئے چاروں طرف اہم مقامات پر

برجیاں یا مینار بنانے کا حکم دیا تھا۔ یہ کام حضرت کعبؓ بن مالک کے سپرد کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض برجیوں کے آثار آج بھی موجود ہیں (1)۔

مدینے کی جغرافیائی پوزیشن کچھ اس قسم کی تھی کہ حملہ آور صرف شمال (جبلِ احد) کے راستے ہی آ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بدر اور احد کی جنگیں اسی میدان میں لڑی گئیں۔ مزید برآں خراحمر صرف ستر میل دور تھا اور تجارتی شاہراہ بھی قریب ہی سے گزرتی تھی۔ اس چھوٹی سی ریاست کی حیثیت قدرتی طور پر ایک فوجی مستقر (Cantonement) کی سی تھی۔ مدینے کا ہر بالغ مرد فوجی متصور ہوتا تھا اور ریاست کے دفاع کے لئے اس پر لازم تھا کہ وہ جہاد میں حصہ لے۔ رسول اللہ ﷺ نے شروع ہی سے داخلی انتظام کے ساتھ ساتھ ریاست کے دفاع پر بھی خاص توجہ دی تھی۔ شہر کی فصیل تو کوئی نہ تھی تاہم آپ ﷺ نے حرۃ الواقم سے جبل سلع تک خندق کھدوادی تھی۔ قریبی وادی بطحان کا پانی بارشوں سے اس کے اندر آ جاتا جسے مدینے والے بند باندھ کے روک لیتے۔ لوگوں نے اپنے طور خندق کو قبا تک کھود لیا تھا۔ خندق کی وجہ سے حدودِ حرم حملہ آوروں کی یلغار سے محفوظ ہو گئیں۔

عرب کے علاقے میں گھوڑے پالنا مشکل اور مہنگا کام تھا کیونکہ چارہ اور پانی آسانی سے دستیاب نہ تھا۔ لیکن مدینے میں یہ دونوں چیزیں آسانی سے مل جاتی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے گھوڑوں کی نسل کشی کا خاص اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ کو بخوبی اندازہ تھا کہ فوجی اعتبار سے گھوڑے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بقیع کی چراگاہ گھوڑوں کے لیے مخصوص کر دی۔ مدینہ ویسے ہی باغوں اور نخلستانوں کا شہر تھا اور گھوڑوں کی نسل کشی کے لئے بہت موزوں تھا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے گھوڑوں پر زکوٰۃ بھی معاف فرما دی۔ اس طرح چند گھوڑوں سے ترقی کرتے ہوئے کچھ ہی عرصہ کے بعد گھڑسوار فوج کا ایک پورا دستہ (Cavalary) ترتیب دیا گیا۔ قرآنِ حکیم میں بھی گھوڑوں کی اہمیت پر زور دیا گیا

Marfat.com

ے

''واعدُوا لهمْ ما استطعتم منْ قوّةٍ و منْ رّ باط الخيل ترهبون به عدوّ الله وعدوّكم و اٰخرين منْ دونهم ج'' (الانفال ۶۰)

(اور تم لوگ، جہاں تک بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت وراور تیار بند ھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے تیار رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے۔)

(۱) قریش کی جارحیت کا آغاز:

مکے کے قریشی سردار ریاست مدینہ میں وقوع پذیر ہونے والے ہر واقعہ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ شروع میں تو وہ خاموشی سے جائزہ لیتے رہے، لیکن جب مسلمانوں نے قوت پکڑنا شروع کی تو ان کا اضطراب بڑھ گیا۔ ان کے لئے اسلام کی روز افزوں ترقی ایک عظیم خطرہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ مدینہ والے ان کے تجارتی راستے کو مسدود کر سکتے ہیں اور دیگر متبادل راستوں کی ناکہ بندی بھی کر سکتے ہیں۔ پھر انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر مسلمان مزید طاقتور ہو گئے تو اپنے اوپر ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کے لئے مکے پر چڑھائی بھی کر سکتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں قریش کی تباہی تھی۔ مسلمان نہ صرف ان کی تجارت ختم کر دیتے بلکہ ان کی مذہبی سیادت کا طلسم بھی توڑ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کا تدارک کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کئی اقدامات کئے۔

انہوں نے اپنی شاطرانہ ذہنیت کی وجہ سے یہ بھانپ لیا تھا کہ ریاست مدینہ کا کمزور ترین پہلو منافقین ہیں۔ لہذا انہوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے رابطہ کیا جو کہ آتش حسد میں جل رہا تھا۔ وہ اوس وخزرج کے قبائل میں اب بھی خاصا اثر ورسوخ رکھتا تھا اور کچھ رنگے سیاروں کا سرغنہ بھی تھا۔ قریش نے عبداللہ بن ابی کو مندرجہ ذیل پیغام بھیجا:

Marfat.com

"انکم آویتم صاحِبنا وانا نقسم باللہ لنقاتلنّہ اَو نخرجنّہ او لنسریّن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلنکم و تستبیح نساءکم۔"

(سنن ابو دائود ج ۲ ص ۷۶ باب خبر النّضیر)

(تم نے ہمارے ایک سردار (محمد ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ (جو کہ ہمارے مجرم ہیں)۔ ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم یا تو ان سب کو قتل کر دو یا انہیں مدینے سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ کریں گے اور پھر تم کو قتل کر کے تمہاری عورتوں کو تصرف میں لے آئیں گے۔)

اس خط پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے قریش کے بہترین دماغوں نے طویل غور و خوض کے بعد نہایت نپے تلے الفاظ میں تحریر کیا تھا۔ اس میں عبداللہ بن ابی کے لئے تخویف و ترغیب دونوں کے پہلو موجود ہیں۔ پہلے ہی جملے میں اسے خبردار کیا گیا ہے کہ تم نے ہمارے مفروروں کو پناہ دے کر ایک غیر اخلاقی حرکت کی ہے۔ دوسرے جملے میں بظاہر یہ حکم دیا گیا ہے کہ انہیں یا جلاوطن کر دو یا تہہ تیغ کر دو لیکن دراصل عبداللہ بن ابی کو ترغیب دی گئی ہے کہ اپنی بادشاہت حاصل کر لو۔ تیسرے جملے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم یہ نہیں کرو گے تو پھر ہم سب مل کر تم پر حملہ آور ہوں گے۔ آخر میں بدترین نتائج سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے کہ تمہارے مردوں کو قتل کر کر دیا جائے گا اور تمہاری عورتوں کو تصرف میں لے آیا جائے گا۔ یعنی تمہارا نام و نشان ختم کر دیا جائے گا۔ بین السّطور یہ تاثر بھی ہے کہ اگر تم ہمارے حکم کی تعمیل کرو تو تمہاری مدد بھی کی جا سکتی ہے۔

یہ خط عبداللہ بن ابی کو اس دور کی ایک نہایت بارسوخ اور مقتدر طاقت یعنی قریش کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ عبداللہ بن ابی کو مسلمانوں کے خلاف سرگرمِ عمل ہونے کا نیا جواز فراہم ہو گیا۔ منافقین میں اس خط کے حوالے سے طرح طرح کے مشورے اور تبصرے ہونے

Marfat.com

لگے۔ بالآخر انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں مدینے سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ قریش کی مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دینے کی نہایت گہری سازش تھی۔ عین ممکن تھا کہ اسلام کے اس پودے کو جس نے سرزمین یثرب میں نئی نئی جڑیں پکڑی تھیں، اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا۔ اس خط کا مقصد ہی یہ تھا کہ اہل یثرب کے دلوں میں پرانی جاہلی حمیت کی آگ بھڑکا اٹھے اور ریاست مدینہ کی عمارت اپنی تکمیل سے پہلے ہی زمین بوس ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب علم ہوا کہ منافقین نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ٹھان لی ہے تو آپ ﷺ ان کی مجلس میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

''دیکھو قریش نے تم کو بڑے مغالطے میں ڈالا ہے۔ اگر تم یہاں سے مسلمانوں سے لڑو گے، تو خود تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ کیونکہ یہ تمہارے ہی رشتہ دار ہیں جو مسلمان ہوئے ہیں۔ اور اگر تم قریش کی باتوں کو ماننے سے انکار کر دو اور تمہیں ان سے لڑنا پڑے تو یہ مقابلہ پھر بھی غیروں کے ساتھ ہوگا''۔

جونہی منافقین نے یہ الفاظ سنے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے چند الفاظ میں قریش کا حربہ انہی پر لوٹا دیا۔ عبداللہ بن ابی نے ایک دفعہ سوچا ہوگا کہ وہ اس فریق سے کیسے لڑ سکے گا جس میں اس کا بیٹا بھی شامل ہو۔ اسی طرح دیگر منافقین کے بھی کئی اعزہ و اقارب سچے مسلمان تھے۔ ان سے جنگ کرنا اپنا ہی نقصان کرنے کے مترادف تھا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی بصیرت سے انہیں قائل کر لیا کہ جنگ تو قریش سے کرنی چاہیے کیونکہ وہ غیر ہیں، مسلمانوں سے مقابلہ سراسر نقصان ہے کیونکہ وہ بہرحال اپنے ہیں۔ یوں قریش کا ایک مہلک وار خالی چلا گیا (2)۔

جب عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی سازش ناکام ہوگئی تو اہل مکہ نے یہود سے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ یہود نے مکے والوں کو ہر ممکن تعاون

کا یقین دلایا۔ چنانچہ قریش نے مسلمانوں کے ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں کہا گیا کہ وہ مدینے آ کر مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیں گے۔

انہی دنوں ایک انصاری صحابی حضرت سعدؓ بن معاذ عمرے کی ادائیگی کے لئے مکہ گئے۔ قریش کے ایک بڑے کافر اُمیہ بن خلف سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔ امیہ جب بھی مدینے آتا سعدؓ کے پاس ہی ٹھہرتا اور مکے میں سعدؓ اس کے ہاں قیام کرتے۔ سعدؓ نے امیہ سے کہا کہ وہ کسی ایسے وقت انہیں بیت الحرام میں لے کر چلے جب ہجوم نہ ہو۔ چنانچہ امیہ انہیں لے کر دوپہر کے وقت کعبۃ اللہ میں آیا۔ دورانِ طواف انہیں ابوجہل مل گیا۔ ابوجہل نے امیہ سے سعدؓ بن معاذ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ امیہ نے بتایا کہ وہ اس کے دوست ہیں جو کہ مدینے سے آئے ہیں۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ یہ تو یہاں مزے سے طواف کر رہا ہے۔ اگر یہ تیرے ساتھ نہ ہوتا تو واپس نہ جا سکتا کیونکہ انہوں نے مرتدوں (یعنی مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ سعدؓ نے اونچی آواز میں کہا: ''اگر تم ایسا کرو گے تو اپنے قافلے لے کر براستہ مدینہ شام نہیں جا سکو گے! اور یہ تم پر زیادہ گراں گزرے گا!''

امیہ نے سعدؓ کو سمجھایا کہ وہ ابوجہل سے اونچی آواز میں بات نہ کریں کیونکہ وہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعدؓ نے کہا: ''امیہ ابوجہل کی زیادہ حمایت نہ کر! میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے کہ تو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا!''

اس پر اُمیہ بہت خائف ہوا۔ اس کے بعد اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا حتیٰ کہ غزوہ بدر آ گیا۔ ابوجہل زبردستی اسے میدانِ جنگ میں لے گیا جہاں وہ قتل ہو گیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۴۳)

نبی کریم ﷺ کی نظر تمام حالات و واقعات پر تھی۔ قریش کے عناد اور کینے سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اس لئے آپ ﷺ ان کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہا

Marfat.com

کرتے تھے۔ راتوں کو آپ ﷺ یا تو خود جاگتے رہتے یا ان کے صحابہ پہرہ دیتے۔ حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ مدینے آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ فرمایا ''کاش آج رات میرے صحابہ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا''۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے؟'' جواب آیا: ''سعد بن ابی وقاص!'' فرمایا ''کیسے آنا ہوا؟'' سعدؓ نے کہا: ''میرے دل میں آپ ﷺ کے بارے میں اندیشہ پیدا ہوا، تو میں آپ ﷺ کے یہاں پہرہ دینے چلا آیا'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا دی اور استراحت فرمانے چلے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۰۴)

انہی دنوں مکے کا ایک سردار کرز بن جابر فہری مدینے کے مضافات میں پہنچا اور مسلمانوں کے کچھ اونٹ ہانک کر لے گیا۔ یہ محض ڈکیتی کی ایک واردات نہ تھی بلکہ مسلمانوں کو انتباہ تھا کہ تین سو میل دور پہنچ کر بھی تم ہماری زد میں ہو۔ مزید برآں اس واردات سے اہل مکہ مسلمانوں کی قوت اور ردعمل کا اندازہ لگانا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے فوری طور پر اپنے صحابہ کے ہمراہ بدر کے میدان تک اس کا تعاقب کیا لیکن کرز بن جابر بچ کر نکل گیا۔ دیکھا جائے تو یہ مکے والوں کی طرف سے اعلانِ جنگ تھا۔ اس واقعہ کو کتابوں میں بدر اولیٰ کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) اذنِ قتال:

اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ ایک فوجی مذہب ہے اور اس کی اشاعت تلوار کے زور پر ہوئی ہے اوائلِ اسلام کی شاندار فتوحات اور ایک عظیم مملکت کے قیام سے مورخین نے یہ تاثر لیا کہ پہلے علاقے فتح کیے گئے پھر اس کے نتیجے میں لوگوں نے فاتحین کا مذہب اختیار کیا۔ یوروپی مورخین اور مستشرقین بالعموم اس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ ان کے ذہن میں مسلمان کا تصور ایک نیم فوجی و نیم مذہبی گروہ کا ہے جو لوگوں کو بالجبر مسلمان بناتا ہے۔ اس غلط فہمی کو عام کرنے میں اغیار نے جو کردار ادا کیا سو کیا، اس میں بہت کچھ حصہ اپنوں کا بھی

Marfat.com

ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک لمبے عرصے تک سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کا کام شروع نہ ہو سکا۔ دو اڑھائی صدیوں بعد جب یہ کام شروع ہوا تو اس کا آغاز غزوات سے کیا گیا۔ چنانچہ سیرت کے ابتدائی مآخذ مغازی کے نام سے مشہور ہوئے مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی وغیرہ (3)۔

عام لوگوں نے بالخصوص مستشرقین نے جب آغاز میں ہی غزوں اور جنگوں کے حالات پڑھے تو قدرتی طور پر ان کے ذہن میں یہی تاثر ابھرا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عسکری تنظیم اور جنگی اغراض کی بنیادوں پر استوار ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اسلام کی اخلاقی و روحانی تعلیمات کے مقابلے میں غزوات کے تذکرے کو کیوں اولیت دی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائی سیرت نگاروں نے اس نیت سے 'مغازی' تحریر نہیں کیے تھے کہ وہ اصل اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینا چاہتے تھے۔ دراصل غزوات کا تذکرہ عربوں کی ایک ایسی روایت سے تعلق رکھتا ہے جس کی جڑیں ان کی تہذیب میں بہت گہری اتری ہوئی ہیں۔ اسلام سے پہلے زمانے میں عرب لوگ رات کو محفلیں سجاتے اور قہوے کے دور چلتے۔ اس دوران کوئی فصیح البیان مقرر یا کوئی قادر الکلام شاعر اپنے فن کا جادو جگاتا اور اپنے اسلاف کے کارنامے بیان کرتا۔ تجارتی میلوں پر بھی شاعر اپنے اپنے قبیلے کے بہادروں اور شہ زوروں کے کارنامے بیان کرتے اور داد وصول کرتے۔

قدرت کی طرف سے سرزمینِ عرب کو بہت کم وسائل ملے تھے۔ سینکڑوں میل تک پھیلے ہوئے ریگزاروں میں کہیں کہیں نخلستان نظر آتے۔ زندگی نہایت کٹھن اور پرصعوبت تھی۔ ان حالات نے عربوں میں وہ خصائص پیدا کر دیئے جو خوشحال ملکوں کے باشندوں میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، لوٹ مار اور قتل و غارت ان کی فطرت کا حصہ بن گئے۔ ''ثار'' یا انتقام کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دینا نہایت مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ خوراک کا حصول ان

Marfat.com

کے لئے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اگر کہیں کوئی چراگاہ یا چشمہ مل جاتا تو اسے دوسروں کی دستبرد سے بچا کر رکھنے کے لئے انہیں ہر لحظہ مستعد رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ جفاکشی اور ''مروّہ'' عرب کردار کی سب سے بڑی فضیلت تھی۔ بدوی قبائل میں لوٹ مار، انتقامی مہموں اور راہزنی کو شجاعت کی سند مانا جاتا تھا۔ لوٹے ہوئے مالِ غنیمت کو وہ عین رزقِ حلال سمجھتے تھے۔ زرعی اور خوشحال ملکوں کے باشندوں کے لئے یہ اخلاقی طور پر معیوب ہو سکتا ہے لیکن عرب اسلام سے پہلے اسے نہایت مستحسن فرض سمجھتے تھے کہ کسی راہ چلتے قافلے کو لوٹ کر مالِ غنیمت حاصل کیا جائے۔ اسی طرح وہ کسی مقتول کا انتقام لینا بھی اپنے اوپر فرض خیال کرتے تھے۔ ایسی وارداتوں اور حملوں کو وہ ''غزوّ'' کہتے تھے چنانچہ ''ایامُ العرب'' انہی راہزنی اور انتقام کی مہموں کا نام ہے۔ بعد میں وہ ان مہمات کا تذکرہ اپنی محفلوں میں کرتے۔ قصیدہ کی صنف ان میں اسی لئے مقبول تھی کہ اس میں وہ اپنے بہادروں کی شجاعت کی تعریف کرتے تھے۔ اپنی اسی روایت کے اتباع میں ابتدائی سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کے غزووں کا تذکرہ کیا اور ان کتابوں کا نام ہی مغازی رکھ دیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں عربوں کے کردار کے دیگر پہلوؤں کی اصلاح کی وہاں آپ ﷺ نے ان کے لوٹ مار، ذاتی انتقام اور قزاقی کے رجحان کو خصوصی طور پر ختم کرنے کی مساعی فرمائیں۔ مالِ غنیمت کو جائز سمجھنے اور اسکے حصول کے لئے جان کی بازی لگا دینے کا رویّہ عربوں میں اس قدر راسخ ہو چکا تھا کہ اسلام کے بعد بھی مدتوں تک کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتا رہا۔ وہ صحابہؓ جو نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے وہ تو اول روز ہی سے رضائے الٰہی کے لئے جینے مرنے کے جذبے سے سرشار تھے۔ لیکن عام مسلمانوں اور بالخصوص بدویوں کے ذہنوں میں یہ تصور بہت دیر بعد پختہ کیا جا سکا کہ مالِ غنیمت بعض صورتوں میں حرام بھی ہو سکتا ہے اور محض انتقام کے لئے غارتگری جائز نہیں۔

Marfat.com

ایک دفعہ کچھ صحابہ حضور ﷺ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کھانے کو کچھ نہ ملا۔ بھوک کی شدت سے وہ بہت پریشان ہوئے۔ اچانک انہیں کچھ بکریاں چرتی نظر آئیں۔ انہوں نے بکریوں کو لوٹ لیا اور ذبح کر کے پکانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کمان سے پکتی ہوئی ہانڈیوں کو الٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوٹ کی چیز مردار سے زیادہ حلال نہیں''۔ (سنن ابوداؤد۔ باب النفل)

غرض عام عربوں کو بڑی مشکل سے اور رفتہ رفتہ یہ تعلیم دی جا سکی کہ مالِ غنیمت ان کا پیدائشی حق نہیں اور صرف وہی مالِ غنیمت جائز ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق تقسیم کیا جائے:

''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ'' (الانفال:۱)

(لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔)

یہاں یہ کہہ دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں شکست کے اسباب میں سرِ فہرست مالِ غنیمت کا لالچ ہی تھا۔

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت و اصلاح سے انتقام در انتقام کا سلسلہ اور لوٹ کے مال کو جائز سمجھنے کا رجحان ختم ہو گیا تھا، تاہم اپنے مشاہیر کے کارناموں اور غزووں کے حالات بیان کرنے اور ان پر فخر کرنے کا رجحان برقرار رہا۔ اور یہ کوئی معیوب بات بھی نہ تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے مناقب بیان کرتے ہوئے اولین سیرت نگاروں نے اپنی اسی قدیم ترین روایت کا اتباع کیا اور غزوات کے بیان کو اولیت دی۔ اس میں اگرچہ کوئی بری بات نہ تھی تاہم علمی تحقیق کرنے والوں کو یہ تاثر ملا کہ اسلام کی اشاعت کی اصل وجوہ عسکری کامیابیاں تھیں۔

بعض سیرت نگاروں (مثلاً طبری) نے رسول اللہ ﷺ کے ان طلایہ گرد دستوں کے

Marfat.com

بارے میں بھی یہ تاثر دیا ہے کہ یہ اہل مکہ کی تجارتی شاہراہ کو بند کرنے اور قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دستے سرحدوں کی طرف روانہ فرمائے تھے، ان کا بنیادی مقصد حالات سے باخبر رہنا تھا۔ یہ دستے مہاجرین پر ہی مشتمل ہوتے تھے ان کے گشت سے قریش پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ مدینہ کی حکومت اپنے دفاع سے غافل نہیں۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے اردگرد کے قبائل سے صلح اور دفاع کے معاہدے بھی کیے تھے۔ یہ معاہدے اس لئے ضروری تھے کہ قریشی تاجروں نے پہلے ہی ان سے راہداری حاصل کی ہوئی تھی اور وہ انہیں ان کے علاقے سے بحفاظت گزر جانے کا ٹیکس ادا کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قبائل سے جو حلیف نہ بن سکے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کیا۔ لیکن یہ معاہدے اور دفاعی انتظامات بنیادی طور پر اشاعت اسلام سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی قبیلے سے معاہدہ کرتے تو پہلے ان کو دعوت اسلام دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان قبائل سے بھی معاہدے کئے جو قریش کے تجارتی راستے سے دور تھے۔ (یعنی قافلوں کو روکنے کے لحاظ سے اہم نہ تھے)۔ پھر یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے دستوں میں سے کسی نے بھی (سوائے عبداللہ بن جحش کے) قریش پر حملہ نہ کیا اور نہ ان کی راہ روکی۔ ان دستوں کے بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اہل قریش پر دباؤ ڈالا جا سکے تاکہ وہ مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت سے منع نہ کریں۔ اس لئے یہ کہنا کہ مسلمان دستے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کے لئے بھیجے جاتے تھے، درست نہیں (4)۔ مزید برآں مسلمانوں کو ابھی جنگ کی اجازت بھی نہیں ملی تھی۔ ادھر قریش کا معاندانہ رویہ روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اگر قریش مسلمانوں کے درپے آزار نہ ہوتے تو شاید تصادم کی نوبت نہ آتی۔ لیکن وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی کمزور سی ریاست کو بڑی آسانی سے تباہ کر دیں گے۔

Marfat.com

جس طرح ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر اٹھنے والے ہاتھ کو روکے یا اپنی چار دیواری کے اندر ناجائز طور پر داخل ہونے والے سے لڑے، اسی طرح دنیا کی ہر ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی سرحدوں کا دفاع کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ میں جتنے فوجی انتظامات کئے، وہ سرحدوں کی حفاظت اور داخلی امن و امان کے لئے تھے۔ عرب کے مخصوص جغرافیائی، سیاسی اور معاشی حالات میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ جنگ اور قتال کے بغیر کوئی مذہبی و اخلاقی انقلاب بپا کیا جا سکے۔ عرب قبائل بھی دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جو مستقلاً کسی جگہ سکونت پذیر تھے۔ دوسرے وہ جو خانہ بدوش اور صحرا نورد تھے۔ ایسے بدوی قبائل نہایت وحشی اور ظالم تھے۔ کسی آبادی پر یا تجارتی کارواں پر باز کی طرح جھپٹتے اور لوٹ مار کا سامان سمیٹ کر آن کی آن میں دشوار گزار پہاڑیوں میں یا صحرا کی وسعتوں میں غائب ہو جاتے۔ ایسے بدویوں سے اپنے شہریوں کو محفوظ رکھنا بھی اسلامی ریاست کے لئے دفاعی کارروائیوں کا متقاضی تھا (5)۔ البتہ جب تک جنگ سے اپنا دامن بچایا جا سکتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنا دامن بچایا اور پرامن تبلیغ کا راستہ اپنایا۔ لیکن حق و باطل کا تضاد اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ تصادم ناگزیر ہو چکا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذنِ قتال دے دیا گیا:

"اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ o اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ o اِنِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ط وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ط وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ o (الحج 39-40)

(یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ یقیناً

Marfat.com

اللہ کسی خائن کافر نعمت کو پسند نہیں کرتا۔ اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ''ہمارا رب اللہ ہے!'' اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں، گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔)

مفسرین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ یہی پہلی آیات ہیں جن کی رو سے مسلمانوں کو اذنِ قتال دیا گیا۔ بقول زرقانی یہ حکم ۱۲ صفر ۲ھ (۱۵ اگست ۶۲۳ء) کو نازل ہوا۔

اذنِ قتال کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کرنے کی اجازت مسلمانوں کو اس وقت ملی جب کہ ایسا ناگزیر ہو چکا تھا۔ فرمایا گیا کہ مومنین وہ لوگ ہیں جن پر ظلم کیا گیا۔ تیرہ سال وہ مکے میں ظلم و تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔ پھر جب وہ ہجرت کر کے مدینے آ گئے تو ظالموں نے ان کی جائیدادوں اور املاک پر قبضہ کر لیا۔ ایک علیحدہ بستی میں جب وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے، پھر بھی انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا۔ قریش نے ان کے دشمنوں سے ساز باز کی، انہیں دھمکیاں دیں اور تین سو میل کا سفر طے کر کے ان کی حدود میں لوٹ مار کی۔ مسجدِ حرام کے دروازے ان پر بند کر دیئے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے ''رَبُّنَا اللّٰہُ'' یعنی ہمارا رب صرف اللہ ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اور نیکی کی دعوت دیتے تھے۔ درحقیقت وہ ان کا بھلا چاہتے تھے۔ لیکن کفار نے انہیں بدترین سزائیں دیں اور ہر قسم کی بربریت کا نشانہ بنایا۔ حتیٰ کہ اب جبکہ مسلمان ان سے علیحدہ ہو چکے تھے، پھر بھی انہیں تنگ کرنے سے باز نہیں آئے تھے۔ اب جنگ سے کوئی مفر نہ تھا۔ اگر مسلمان اب بھی

Marfat.com

جنگ سے گریز کرتے تو شاید ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے اور ''ربنا اللہ'' کہنے والا کوئی نہ رہتا۔ قرآن حکیم میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر بعض لوگوں کی بعض لوگوں سے مدافعت نہ کرواتا تو صوامع (درویشوں کی خانقاہیں)، بیع (مسیحیوں کی عبادت گاہیں)، صلوت (یہودیوں کی نماز ادا کرنے کی جگہیں) اور مسلمانوں کی مساجد جہاں بکثرت ذکر الٰہی ہوتا ہے، منہدم کی جا چکی ہوتیں۔ چنانچہ واضح ہوا کہ ''مدافعت بعض بہ بعض'' قانونِ الٰہی ہے جو حق و باطل کے مابین توازن قائم رکھتا ہے۔

یہاں ایک ظاہر بیں شخص اعتراض کر سکتا ہے کہ قتال و جدال بہر حال اچھی چیز نہیں۔ قطع نظر رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے، جب انسانی خون سے زمین سرخ ہوتی ہے، میدان جنگ اعضاء بریدہ لاشوں سے پٹ جاتا ہے اور فضا زخمیوں کی کراہوں سے گرانبار ہو جاتی ہے تو یہ نظارہ کیوں کر مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے؟ اللہ نے جو کہ رحمٰن و رحیم ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو کہ رحمت اللعلمین ہیں، کیوں قتال و جدال کی اجازت دی؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ خدائے ارحم الراحمین اور نہ ہی رسول ﷺ رحمت اللعلمین کے نزدیک خونریزی اور قتل و غارت کوئی پسندیدہ افعال ہیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے جب یہ ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ طبیب کی دوائیوں، جڑی بوٹیوں اور مرہموں سے جب مریض کا ناسور اچھا نہیں ہوتا، تب جراح کا نشتر ضروری ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ ناسور کو پھیلنے دیا جائے اور انسانی جان معرضِ خطر میں پڑی رہے۔ جراح جب ناسور کا کاٹ کر جسم سے الگ کر رہا ہوتا ہے تو دراصل مریض کو بچانے کے لئے ایسا کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ناواقف اسے کچھ فاصلے سے دیکھے گا تو اسے ظلم اور بربریت سے تعبیر کرے گا۔ اوزار بھی ویسے ہیں اور عمل بھی ایک سا ہے۔ فرق ہے تو قاتل کے ہاتھ کا اور جراح کے ہاتھ کا ہے۔ جو نادان تاریخ کے صفحات میں مسلمانوں کے جہاد فی سبیل اللہ کے واقعات پڑھتے ہیں، وہ یہ فرق ملحوظ

Marfat.com

نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ راہبوں اور گوشہ نشینوں کو تنگ نہ کریں، لاشوں کا مثلہ نہ کریں، پھلدار درخت نہ کاٹیں، عمارتیں نہ ڈھائیں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور غیر فوجی لوگوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں اور دشمنوں کے ساتھ اتنا ہی کریں جتنا انہوں نے ان کے ساتھ کیا ہو۔ (فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ۔ النحل: ۱۲۶) مزید برآں یہ کہ وہ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور جہاں تک ہو سکے عفو و درگزر سے کام لیں۔

اگر ان حدود و قیود کے ساتھ حق وانصاف کی خاطر قتال و جدال کیا جائے تو وہ یقیناً عمل جراحی کی طرح انسانیت کی خدمت کہلائے گا۔ یہی اسلام کے نظریۂ جہاد کی روح ہے کہ معاشرتی ناسوروں کو کاٹ کر پھینک دیا جائے تاکہ ان کا زہر جسد انسانیت میں سرایت نہ کر سکے۔

(۳) سرحدی مہمات:

رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں اسلامی ریاست کی تاسیس کے بعد نواحی علاقوں کی طرف متعدد مہمیں بھیجیں۔ اکثر اہل سیر کے نزدیک ان مہموں کی نوعیت فوجی اور چھاپہ مار تھی۔ انہوں نے ان مہموں کے بارے میں اصطلاحات بھی ''غزوات'' اور ''سرایا'' کی استعمال کی ہیں۔ ''غزوہ'' اہل سیر کے نزدیک وہ فوجی مہم ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہو، خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ ''سریہ'' (6) وہ فوجی مہم ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے خود شرکت نہ فرمائی ہو بلکہ وہ آپ ﷺ کے حکم کے تحت روانہ کی گئی ہو۔

ان ابتدائی مہمات کے بارے میں بعض سیرت نگاروں نے بے تکلف لکھ دیا کہ یہ قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لئے اور ان کا راستہ روکنے کے لئے بھیجی گئی تھیں۔ چنانچہ کئی مورخین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ریاستِ مدینہ اپنے دفاعی اور سرکاری اخراجات اسی

Marfat.com

طرح پورے کرتی تھی۔ سعدؓ بن معاذ کو عمرہ کرتے ہوئے جب ابوجہل نے ٹوکا تھا تو انہوں نے اسے متنبہ کیا تھا کہ اگر تم بیت اللہ کے دروازے ہم پر بند کرو گے تو ہم تم پر مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے۔ شاید اس بنیاد پر یہ اندازہ لگا لیا گیا کہ مسلمانوں نے معاذؓ کی دھمکی کو فوراً ہی عملی شکل دے ڈالی تھی۔

اگر معروضی حالات اور داخلی شہادتوں کو مدنظر رکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ شروع میں جو جماعتیں بھیجی گئیں ان میں سے کسی کا مقصد بھی قریش کی راہ روکنا اور ان کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا نہیں تھا (7)۔ صرف حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی مہم میں لڑائی کی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی ورنہ کسی ابتدائی غزوہ و سریہ میں براہ راست قریش سے مقابلہ نہ ہوا تھا۔ ایک تو مسلمان جماعتوں کی تعداد بہت قلیل ہوتی تھی۔ دوسرے ان کے پاس ہتھیاروں اور سواری کے جانوروں کی بھی بہت قلت ہوتی تھی۔ ایسی جماعتوں کا چھاپے کے لے جانا صریحاً خودکشی کے مترادف تھا۔ پھر مسلمانوں کو ابھی اذنِ قتال بھی نہ ملا تھا۔ یہ داخلی شہادت بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ مسلمان جماعتیں قافلے لوٹنے نہیں جاتی تھیں۔ مزید برآں یہ جماعتیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد روانہ کی جاتی تھیں، جبکہ ایک تجارتی کاروان کو شام پہنچنے اور واپس آنے میں کئی مہینے لگ جاتے تھے۔ بعض جماعتوں کے ساتھ نبی ﷺ خود بھی تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی منازلِ سفر اور مدتِ قیام سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا قصد قافلوں کا نہ تھا۔ دراصل آپ ﷺ اطرافِ مدینہ کے قبائل کے ساتھ دفاعی معاہدے کرتے تھے اور انہیں دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ کئی قبائل ایسے تھے جو زمانۂ ماقبلِ اسلام سے ہی اوس و خزرج کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ نئے سرے سے معاہدے کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان ابتدائی مہمات کے بارے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ تبلیغ اور معاہدوں کے ضمن میں بھیجی جاتی تھیں۔ دوسرے ان کا یہ مقصد بھی تھا کہ سرحدات پر دشمن کی نقل و حرکت کی

Marfat.com

نگرانی کی جائے۔ عین ممکن تھا کہ اہل قریش مدینے والوں کی بے خبری میں ان پر حملہ کر دیتے۔ مزید برآں ایسے بدوی قبائل کا حملہ بھی خارج از امکان نہ تھا جو یکا یک ظاہر ہوتے اور لوٹ مار کر کے دور دراز کے علاقوں کی طرف نکل جاتے۔ چنانچہ تبلیغ اور معاہدوں کے علاوہ طلایہ گردی اور دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنا بھی ان مہمات کا ایک مقصد تھا۔
ان ابتدائی مہمات یا غزوات و سرایا کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ سریہ سیف البحر: رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء

تیس مہاجرین حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں بحر احمر کے ساحل پر گشت کر رہے تھے کہ مقام عیص پر قریش کے ایک لشکر سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ قریش کا لشکر تین سو افراد پر مشتمل تھا جن کا سربراہ ابوجہل تھا۔ دونوں فریق جنگ کے لیے صف آراء ہو گئے۔ لیکن قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو نے دونوں کو مجبور کیا کہ وہ معاہدے کی رو سے جنگ نہ کریں۔ اس طرح تصادم نہ ہوا۔ اسے سریۂ عیص یا سریۂ حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی کہا جاتا ہے۔ اس دستے میں حضرت ابومرثد کنانہ بن حصین غنوی علم بردار تھے۔ یہ پہلا سفید جھنڈا تھا جو نبی ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا تھا۔

۲۔ سریہ رابغ: شوال ۱ھ مطابق اپریل ۶۲۳ء

قریش کو جب یہ پتہ چلا کہ مدینے کے نواح میں اور ان کی تجارتی شاہراہ کے قریب مسلمان دستے گشت کرتے ہیں تو انہوں نے ایک مسلح دستہ بھیجا تا کہ وہ ان طلایہ گردوں کو تہہ تیغ کر دیں یا نبی ﷺ کو ہی قتل کر دیں۔

نبی ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت عبیدہؓ بن حارث کی کمان میں ساٹھ یا اسی سوار جو سب مہاجرین تھے روانہ فرمائے۔ بقول ابن اسحاق مہاجرین چلتے چلتے حجاز کے

Marfat.com

ایک چشمے کے پاس پہنچے جو ثنیۃ المرہ کے پہاڑ کے قریب وادیٔ رابغ میں تھا۔ رابغ جحفہ سے دس میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں ان کا سامنا قریش کی ایک بڑی فوج سے ہوا جس میں ابوسفیان بھی موجود تھا۔ دونوں فریق اگرچہ آمنے سامنے رہے، تاہم جنگ نہ ہوئی۔ صرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان پر کچھ تیر پھینکے۔ کفار کے لشکر سے دو مسلمان حضرت مقدادؓ بن عمر اور عتبہ بن غزوان بھاگ کر مسلمانوں سے آ ملے۔

اسے سریۂ عبیدہؓ بن الحارث بھی کہا جاتا ہے۔ اس مہم سے واپسی پر مسلمانوں نے فوجی ترتیب قائم رکھی تھی کیونکہ ان کا سابقہ مکہ کے فوجی دستے سے پڑا تھا اور تعاقب کا خطرہ تھا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ایک فوجی دستے کا مقابلہ کرنے گئے تھے نہ کہ تجارتی کاروان لوٹنے۔

حضرت عبیدہؓ کا جھنڈا سفید تھا جسے حضرت مسطح بن اثاثہ بن مطلب اٹھائے ہوئے تھے۔

۳۔ سریۂ خرار: ذی قعدہ ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء

یہ مہم حضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سربراہی میں بھیجی تھی جو کہ بیس آدمیوں پر مشتمل تھی۔ یہ سب پیدل تھے۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ پانچویں دن یہ خرار کے مقام پر پہنچے۔ لیکن یہاں کسی مخالف لشکر کو نہ پا کر یہ واپس آ گئے۔

اس مہم کا جھنڈا بھی سفید تھا جو کہ حضرت مقداد بن عمرؓ کے ہاتھ میں تھا۔

۴۔ غزوۂ ابواء یا ودّان: صفر ۱ھ مطابق اگست ۶۲۳ء

اس مہم کے سربراہ خود جناب رسالتمآب ﷺ تھے۔ انہوں نے مدینے میں حضرت سعد بن عبادہؓ کو نائب مقرر فرمایا۔ اس مہم میں بھی صرف مہاجرین نے شمولیت کی تھی جن کی تعداد

Marfat.com

سترکے قریب تھی۔ اکثر سیرت نگار اس غزوے کا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کسی ایک مکی قافلے کو روکنا چاہتے تھے۔ لیکن نہ تو آپ ﷺ کا کسی قافلے سے آمنا سامنا ہوا، اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی کا تعاقب کیا یا گھات لگائی۔ بلکہ آپ ﷺ نے بنو حمزہ سے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ پندرہ دن یا ایک ماہ ودّان میں مقیم رہے۔ ودّان اس شاہراہ پر واقعہ ہے جو مکہ مکرمہ سے ساحل کے ساتھ ساتھ شام کی طرف جاتی ہے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ اس سے مشرقی سمت میں کچھ فاصلے پر ابواء کا مقام ہے، جہاں نبی ﷺ کے والدین دفن ہیں۔

ودّان میں آپ ﷺ کی مدت قیام سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس مہم کا اصل مقصد تبلیغ اور بنو حمزہ سے معاہدہ تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا غزوہ تھا (جسے تبلیغی و سفارتی مہم کہنا زیادہ مناسب ہے)۔ اس غزوے میں بھی سفید رنگ کا جھنڈا استعمال کیا گیا تھا جو کہ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا۔

۵۔ غزوۂ بُواط: ربیع الاول ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء

رسول اللہ ﷺ دو سو صحابیوں کو لے کر نکلے اور السائب بن عثمان کو مدینے کا عامل بنایا۔ آپ ﷺ ضلع رَضویٰ کے مقام بُواط تک تشریف لے گئے۔ بواط ایک وادی کا نام ہے جس کے قریب ہی بواط نامی پہاڑ ہے۔ لیکن یہاں بھی کسی سے تصادم نہ ہوا اور آپ ﷺ واپس مدینے تشریف لے آئے۔ واپسی پر آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر بھی گئے۔ اس غزوے میں جھنڈا سفید تھا اور سعد بن ابی وقاص علمبردار تھے۔

۶۔ غزوۂ سفوان: ربیع الاول ۲ھ ستمبر ۶۲۳ء

اس غزوے کے بارے میں پہلے یہ کہا جا چکا ہے کہ یہ اس وقت پیش آیا جب کفارِ مکہ

Marfat.com

کا ایک چھاپہ مار دستہ کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں مدینے کی ایک نواحی چراگاہ پر حملہ آور ہوا اور رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے کچھ اونٹ ہانک کر لے گیا۔ نبی ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فوراً ایک چھوٹا سا دستہ ترتیب دیا اور زید بن حارثہؓ کو مدینے کا عامل مقرر کر کے کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ بدر کی نواحی وادی سفوان تک تشریف لے گئے، لیکن کرز اور اس کے ساتھی ہاتھ نہ آ سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ مدینہ لوٹ آئے۔ اسی غزوہ کو "بدر اولیٰ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس غزوے میں لوا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔

۷۔ غزوہ ذی العُشیرہ: جمادی الاوّل و جمادی الآخرہ ۲ھ مطابق نومبر، دسمبر ۶۲۳ء

اس مہم میں نبی ﷺ کے ہمراہ ڈیڑھ دو سو مہاجرین تھے جو ایک سفارتی سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے ینبع میں ذی العُشیرہ کے علاوہ کئی مقامات پر قیام فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ نے شام کی تجارتی شاہراہ کے قریب بنو مدلج کے حلفاء بنو ضمرہ وغیرہ سے دفاعی معاہدے کئے۔ اس طرح ریاست مدینہ کی حدود ان قبائل تک پھیل گئیں۔ اس مہم کی تاریخ کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ کچھ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ بواط سے واپسی کے فوراً بعد پیش آیا اور کچھ کا خیال ہے کہ یہ بواط سے پہلے پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینے سے عدم موجودگی کے دوران حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی نے نیابت کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت حمزہؓ سفید پرچم کے علمبردار تھے۔

(۸) سَرِیّہ نخلہ: رجب ۲ھ مطابق جنوری ۶۲۴ء۔

بارہ مہاجرین حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سربراہی میں ایک خفیہ مہم پر روانہ کیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ایک حکم نامہ دیا جو کہ سربمہر تھا اور ہدایت فرمائی کہ

Marfat.com

اسے دو روز کے سفر کے بعد کھولا جائے۔ چنانچہ دو روز کی مسافت کے بعد حضرت عبداللہؓ نے یہ حکم نامہ کھولا تو اس میں یہ تحریر تھا کہ مکے اور طائف کے درمیان (مقام نخلہ) پر قیام کرے قریش مکہ کی نقل و حرکت اور دیگر سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے اور چند روز بعد واپس آ کر پوری روداد پیش کی جائے۔

اتفاق سے جب حضرت عبداللہؓ بن جحش نخلہ پہنچے تو وہاں مکہ کا ایک مختصر سا قافلہ پہلے ہی فروکش تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے (رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے خلاف) اس قافلے پر حملہ کر دیا اور انکے دو محافظوں میں سے ایک محافظ عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا۔ دوسرا محافظ نوفل فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ قافلے کے دو افراد عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ تاریخ اسلام کے پہلے قیدی تھے اور عمرو بن الحضرمی پہلا مقتول تھا۔ جس دن یہ واقعہ ہوا وہ ماہ رجب کا آخری دن تھا۔ اگر عبداللہ بن جحش حرمت کے مہینے کے ختم ہونے کا انتظار کرتے تو قافلہ وہاں سے کوچ کر کے حرم میں داخل ہو چکا ہوتا۔

بہر حال حضرت عبداللہ مال غنیمت سمیٹ کر اور قیدیوں کو لیئے ہوئے مدینے لوٹ آئے۔ نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ سے باز پرس کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام مہینے میں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ ﷺ نے مقتول کا خوں بہا ادا کر دیا اور دونوں قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔ البتہ مال غنیمت سے خمس لے کر باقی تقسیم کر دیا (8)۔

اس واقعہ کو مشرکین مکہ نے خوب اچھالا اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ مسلمان حرمت کے مہینوں کا احترام نہیں کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ط
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَ كُفْرٌ بِهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ

Marfat.com

أهلِه مِنهُ أكبَرُ عِندَاللهِ والفِتنَةُ أكبَرُ مِنَ القَتلِ ط "(البقرہ: ۲۱۷)

(لوگ پوچھتے ہیں کہ ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو: اس میں لڑنا بہت برا ہے، مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور مسجدِ حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ خوں ریزی سے شدید تر ہے!)

اس آیت میں مشرکین کو احساس دلایا گیا ہے کہ وہ کس طرح حرمت کے مہینوں کی بات کر سکتے ہیں جبکہ انہوں نے خود ہی مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم حرمت کے مہینوں میں ڈھائے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ حدودِ حرم کی تقدیس کو پامال کیا، نبی ﷺ کے قتل کی سازشیں کیں اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال کر انکی املاک پر قبضہ کرلیا۔ اب وہ کس منہ سے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کر سکتے ہیں۔

یہ وہ ابتدائی مہمات تھیں جو غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اطرافِ مدینہ میں بھیجی تھیں۔ ان میں سے چار میں آپ ﷺ نے خود بھی شرکت فرمائی۔ ان مہمات کے مقاصد دفاعی، تبلیغی اور سفارتی تھے۔ ان کے نتیجے میں مدینے کے مغربی نواح میں بسے ہوئے تقریباً تمام بدوی قبائل مثلاً خزاعہ اور ان کی ایک اہم شاخ اسلم اور کنانہ کی متعدد شاخوں مثلاً ضمرہ، غفار، لیث، دیل اور مدلج، قبائل جُہینہ اور مزینہ اور ان کے ساتھ ساتھ از دشنوٗہ کے کئی خاندان ریاست مدینہ کے حلیف بن کر اسکے زیرِ نگین آ گئے۔ مشرقی نواح میں اسد بن خزیمہ اور سُلیم کے کچھ بطون نے مدینے کی ریاست سے الحاق کرلیا۔ اسطرح نہ صرف ریاست مدینہ کی فوجی قوت میں اضافہ ہوا، بلکہ سرحداتِ مدینہ بھی دور دور تک پھیل گئیں۔ مزید برآں ان مہموں سے قریشِ مکہ پر یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ریاست اپنے دفاع سے غافل نہیں اور یہ کہ وہ کسی بھی جارحیت کا منہ توڑ جواب دے سکتی ہے اور قریش کی تجارتی شاہراہ بھی بند کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ اس کے بعد اہل قریش نے اپنے مالی اور سماجی مفادات کے تحفظ کیلئے بھرپور اور فیصلہ کن حملے کا فیصلہ کرلیا جس کے نتیجے میں معرکہ بدر بپا ہوا۔

O

Marfat.com

سترہواں باب

یومِ بدر

واقعہ نخلہ پر رسول اللہ ﷺ جس طرح حضرت عبداللہؓ بن جحش سے ناراض ہوئے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی آپ ﷺ کے دل میں قریش سے مصالحت کی امید باقی تھی۔ ویسے بھی آپ ﷺ ممکنہ حد تک قتل وخونریزی سے پرہیز فرماتے تھے۔ تمام جنگوں میں آپ ﷺ کی یہ پالیسی رہی کہ دشمنوں کو قتل کرنے کی بجائے انہیں بے بس کیا جائے تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔ حرمت کے مہینوں میں قتال سے پرہیز ایک ایسی رسم تھی جو زمانہ قدیم سے عربوں میں ایک مسلمہ اخلاقی و مذہبی قانون کی حیثیت سے نافذ چلی آ رہی تھی۔ اسلام کے بعد جاہلیت کی کئی رسوم کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن بعض رسوم واقدار کو باقی بھی رکھا گیا۔ چونکہ یہ رسم فی نفسہٖ اچھی تھی اور اجتماعی امن وسلامتی سے متعلق تھی، اس لیئے رسول اللہ ﷺ بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ اسی لیئے آپ ﷺ نے اسکی خلاف ورزی پر عبداللہ بن جحش کی نکیر کی تھی۔ تاہم اسلام میں ابھی تک اس کے بارے میں کوئی حتمی موقف اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ لوگوں نے فطری طور پر یہ سوال اٹھایا کہ ''قتال فی شہرِ حرام'' کی کیا حیثیت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرمت کے مہینوں کے تقدس پر صاد کیا گیا اور اسکی خلاف ورزی کو مذموم قرار دیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اس سے بھی زیادہ مذموم اور فتنہ انگیز یہ امر ہے کہ مسجدِ حرام کے دروازے لوگوں پر بند کر دیئے جائیں اور انہیں ان کے گھروں سے باہر نکال دیا جائے۔ وہ لوگ جو خود حرمت کے مہینوں کا لحاظ نہیں کرتے اور اس سے شدید تر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، کیونکر شہرِ حرام کی خلاف ورزی پر واویلا کر سکتے ہیں؟ چنانچہ اس فرمانِ الٰہی سے ایک طرف

Marfat.com

غمزدہ عبداللہؓ بن جحش کی دلبستگی کا سامان ہو گیا، تو دوسری طرف مسلمانوں پر یہ واضح ہو گیا کہ اگر اللہ کے دین کو پھیلانے کیلئے حرمت کے مہینوں میں بھی قتال و جدال کرنا پڑے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ قریش حرمت کے مہینوں کو دوسرے مہینوں کو بدل لینے کے مرتکب بھی ہوتے تھے۔

(۱) یوم بدر کے محرکات:

مسلمان مشرکین مکہ کے حریف تھے لیکن ان کے ساتھ انکی رشتے داریاں بھی تھیں۔ ایک طویل عرصے تک حدود مکہ میں دونوں فریقوں میں کشمکش اور آویزش جاری رہی۔ لیکن اب مسلمان ان سے علیحدہ ہو کر مقابلے کے لیئے ان کے سامنے کھڑے تھے۔ دونوں کے موقف جدا تھے اور ان میں سے کوئی بھی مفاہمت کیلئے تیار نہ تھا۔ نہ مسلمان دین کے اصولوں پر سودا بازی کر سکتے تھے اور نہ کفار مکہ اپنے نظام معیشت و سیاست کو اسلامی نظام حیات کے سانچے میں ڈھالنے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ دونوں فریقوں کا اصل اختلاف نظریاتی تھا۔ ایک حق کا نمائندہ تھا تو دوسرا باطل کا! ان دونوں کا ٹکراؤ لازم ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ دوسرے اسباب بھی تھے جو اس تصادم کو بڑی تیزی سے قریب لا رہے تھے۔

نبی ﷺ نے جو ابتدائی مہمات مدینے کے گرد و نواح میں بھیجی تھیں، انکا مقصد اگرچہ قافلوں کو لوٹنا نہیں تھا، تاہم اہل قریش پر دباؤ ڈالنا ضرور تھا تاکہ وہ معاندانہ روش میں حدود سے متجاوز نہ ہوں۔ ادھر اہل قریش کو پہلی دفعہ اپنی معیشت سیادت اور سیاست کے خطرے میں پڑنے کا احساس ہوا۔ مکے سے آنے جانے والے ان کے کاروانوں کو مدینے کے قریب سے گزرنا پڑتا تھا جہاں مسلح دستوں کے گشت نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ انکے حلیف قبائل اب اپنی مصلحتوں کے تحت مسلمانوں کے حلیف بھی بن چکے تھے یا غیر جانبداری کے معاہدے کر چکے تھے۔ لہٰذا قریش کے لیئے اب ضروری ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے جنگ

کریں اور انکے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو روکیں۔

غزوۂ بدر کا ایک اور اہم اور فوری سبب عمرو بن حضرمی کا قتل تھا۔ حضرت عائشہؓ کے بھانجے عمرو بن زبیر کے بقول غزوہ بدر اور بعد ازاں تمام غزوات کا جو سبب بنا وہ عمرو بن حضرمی کا قتل ہی تھا (1)۔ ابن حضرمی کا قتل یوں اہمیت اختیار کر گیا۔ کہ وہ عقبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا۔ عقبہ بن ربیعہ قریش کے تمام سرداروں کا سردار تھا۔ اس لیئے یہ لازمی امر تھا کہ ابن حضرمی کے قتل پر، جو کہ ان کے اہم ترین سردار کا حلیف تھا، تمام قبائل قریش متحد ہو کر انتقام کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ''ثار'' یا اپنے مقتول کے انتقام کو عرب اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ مقتول کے لواحقین ایک کاغذ پر اسکا نام اور دیگر کوائف لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔ یہ دستاویز مقتول کے ورثاء کی تحویل میں ایک مقدس امانت کی طرح رہتی اور انہیں ہر لحظہ انتقام کے فرض کی یاد دلاتی رہتی۔ قدیم عربوں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جو اسکی قبر کے گرد چیختا چلاتا پرواز کرتا رہتا ہے۔ جب تک مرنے والے کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے، اسے چین نہیں پڑتا۔ ''ثار'' کے عقیدے سے بعض اوقات قبائل میں ایسی جنگیں چھڑ جاتیں جن کے شعلے کئی نسلوں تک پھیل جاتے اور سینکڑوں افراد ان میں جل کر راکھ ہو جاتے۔ چنانچہ قبلِ اسلام کی اکثر قبائلی جنگوں کا محرک یہی انتقام کا جذبہ تھا۔

(۲) قریش کی سرمایہ کاری:

ابن حضرمی کے قتل کے فوراً بعد ہی ایک خصوصی تجارتی کاروان شام کی طرف روانہ کیا گیا جس میں بقول ابن سعد مکہ کی تمام آبادی نے اپنا سرمایہ لگا دیا تھا۔ حتیٰ کہ عورتوں نے بھی جو بالعموم تجارتی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتی تھیں، دل کھول کر سرمایہ کاری کی تھی (2)۔ اس تجارتی کاروان کا سربراہ صخرہ بن حرب (ابوسفیان) تھا۔

Marfat.com

ابن حضرمی کے واقعہ کے دو ماہ بعد ابوسفیان اپنے قافلے کو لے کر شام سے واپس مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں اور صرف تیس یا چالیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس قافلے میں جو مال لایا جا رہا تھا۔ کتابوں میں اسکا تخمینہ پچاس ہزار دینار یعنی دو سو باسٹھ کلوگرام سونا، لگایا گیا ہے۔ تاریخ کے طالبعلم کے لیئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مال تجارت میں سامان حرب وضرب بھی شامل ہوگا کیونکہ یہ قافلہ تجارت کے ساتھ ساتھ جنگی ضروریات کو بھی پورا کرنے کے لیئے بھیجا گیا تھا۔

ابوسفیان اپنے قافلے کو لے کر منزل بہ منزل مکہ کی طرف گامزن تھا۔ اسکو پتہ چل چکا تھا کہ مکہ سے روانگی کے بعد جب وہ مدینے کے قریب سے گزرا تھا تو اسکے تعاقب میں مسلمانوں کا ایک دستہ ذی العشیرہ کے مقام تک آیا تھا، لیکن وہ وہاں سے پہلے ہی گزر چکا تھا۔ اب واپسی پر بھی اسے مسلمان دستے سے مڈبھیڑ کا اندیشہ تھا۔ لیکن اسکی مجبوری یہ تھی کہ وہ اتنے بڑے کارواں کو لے کر دشوار گزار وادیوں اور تنگ گھاٹیوں والا کوئی راستہ نہیں اپنا سکتا تھا۔ اس لیئے وہ قدیم اور معروف شاہراہِ تجارت پر ہی مکے کی جانب بڑھتا رہا۔ بدر کا میدان مدینے اور مکے سے آنے والے راستوں کا مقامِ اتصال ہے۔ چونکہ یہ کافی کشادہ ہے، اس لیئے یہاں بڑے قافلے پڑاؤ ڈال سکتے ہیں۔ اس میدان کی طرف آنا ابوسفیان کی مجبوری تھی۔ ابوسفیان بڑا زیرک اور جہاندیدہ سردار تھا۔ اس لیئے اس نے بدر سے کچھ پہلے ہی اپنے قافلے کو روک دیا اور خود حالات کا جائزہ لینے بدر کے میدان کی طرف آیا۔ (تفصیل آگے آتی ہے)

(۳) مدینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی:

ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہء ابوسفیان کی مکہ سے روانگی کا علم تھا اور یہ بھی پتہ تھا کہ قریش ایک بڑے حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو ابن حضرمی کے قتل سے ہی قریش کے آئندہ طرزِ عمل کا اندازہ لگایا جا

سکتا تھا۔ غالباً آپ ﷺ کو یہ علم بھی ہوگا کہ مکہ کی کل آبادی نے اس قافلے میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے اور یہ کہ اس سرمایہ کار کے اغراض و مقاصد تجارتی سے زیادہ جنگی ہیں۔ اس لیئے آپ ﷺ ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ اس قافلے کے تعاقب میں ذی العشیر ہ تک آئے تھے۔ اب یہ قافلہ واپس آ رہا تھا۔ آپ ﷺ کو پورا یقین تھا کہ مستقبل کے کسی بڑے مقابلے میں یہ قافلہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سوال قطعی غیر متعلق ہے کہ آپ ﷺ اس قافلے کو لوٹنے کے لیئے نکلے تھے اور آپ ﷺ نے صحابہ کو مال غنیمت کی ترغیب دی تھی۔ دشمن کی سپلائی لائن کاٹنا جنگی حکمت عملی کے ذیل میں آتا ہے نہ کہ لوٹ مار کے ذیل میں۔ اگر آپ ﷺ ابوسفیان کے قافلے کو پکڑ لیتے تو قریش سے مقابلہ تو پھر بھی ہونا ہی تھا، لیکن اس سے قریش کی جنگی تیاری میں کمزوری پیدا ہو سکتی تھی۔ آپ ﷺ کو پختہ یقین ہو چکا تھا کہ ابوسفیان کے مکہ پہنچنے کے فوراً بعد ہی قریش مدینے پر حملہ کرنے کیلئے نکل کھڑے ہونگے۔ آنے والے خطرے کے آثار دیکھ کر آپ ﷺ نے بھرپور طاقت کے مظاہرے کا فیصلہ کر لیا۔

ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق آپ ﷺ ۸ رمضان ۲ ھ (۴ یا ۵ مارچ ۶۲۴ء) دوشنبہ یعنی پیر کے دن مدینے سے نکلے۔ بعض مورخین نے آپ ﷺ کی روانگی کی تاریخ ۱۲ رمضان بتائی ہے۔ مدینے سے ایک منزل آگے آ کر آپ ﷺ نے فوج کا جائزہ لیا۔ کم عمر بچوں کو واپس بھیج دیا گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ۳۱۳ مجاہدین تھے جن میں سے ۸۶ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ سواری کے لیئے ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔ آپ ﷺ نے ابولبابہؓ کو مدینے کا عامل مقرر کر کے واپس بھیج دیا۔ عالیہ پر عاصم بن عدی کو نائب مقرر کیا۔

مدینے سے نکلتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ تاثر دیا تھا کہ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کو روکنے کے لیئے جا رہے ہیں (3) آپ ﷺ کو پختہ یقین تھا کہ قافلہ روکا جا سکے یا نہ روکا جا سکے، اہل قریش سے تصادم ضرور ہوگا۔ اسی لیئے آپ ﷺ نے اپنے طور پر بھرپور تیاری کی تھی۔ لیکن

Marfat.com

اگر آپ ﷺ اسکا اظہار فرما دیتے تو ممکن تھا کہ پیچھے مدینے کے یہود شر انگیزی شروع کر دیتے۔ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ قریش کا مقابلہ مدینے سے باہر رہ کر کیا جائے تا کہ غدار اور منافق عناصر کو شورش کا موقع نہ مل سکے۔ مزید برآں ایسے اہم مواقع پر آپ ﷺ اپنے جنگی منصوبے کسی پر ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے خاص صحابہ کو بھی ان سے مطلع نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی استفسار کرتا تو ایسا جواب دیتے جس کے کئی معانی نکل سکتے تھے۔ اسے بخاری کی اصطلاح میں ''توریہ'' کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ ﷺ مدینے سے نکلے تو آپ ﷺ کی منازل سفر کا کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ یہود و منافقین یہی سمجھتے رہے کہ آپ ﷺ طلایہ گردی کی معمول کی مہم پر روانہ ہوئے ہیں۔ اس لشکر میں دو پرچم تھے، ایک سیاہ اور ایک سفید۔ سیاہ پرچم جس کا نام عقاب تھا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ سفید پرچم حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔

مدینے سے نکل کر آپ ﷺ نے ان پہاڑوں کے درمیان اپنا سفر شروع کیا جن کا سلسلہ مکہ کی جانب پھیلا ہوا تھا۔ آپ ﷺ عقیق، ذی الحلیفہ، اولات الجیش، تربان، ملل، غمیس، الحام، صخیرات، الیمام اور سیالہ سے ہوتے ہوئے فج الرّوحا تک جا پہنچے۔ پھر آپ ﷺ شنوکہ کے مقام سے معروف راستے پر آ گئے۔ اس راستے پر آپ ﷺ عرق الظبیہ سے ہو کر بئر الرّوحاء تک پہنچے اور پھر آپ ﷺ نے المنصرف کے مقام سے مکہ کا راستہ بائیں ہاتھ چھوڑ کر الفازیہ کے دائیں طرف سے بدر کی طرف کوچ فرمایا۔ جب آپ ﷺ صفراء کے قریب آئے تو آپ ﷺ کو ابوسفیان کے قافلے کے بارے اہم اطلاعات ملیں۔ یہاں سے آپ ﷺ نے بسبس بن عمرو الجہنی اور عدی بن ابی الزغبا کو ابوسفیان کے قافلے کا سراغ لگانے کے لیئے بھیجا۔ (4) صفراء سے آپ ﷺ بنو حراق اور بنو غفار کے علاقوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے وادیء ذفران میں آ کر خیمہ زن ہو گئے۔ یہاں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے

Marfat.com

تجارتی قافلے کی حفاظت کیلئے ایک لشکر کی صورت میں مکے سے روانہ ہو چکے ہیں۔

(۴) قافلہ اور لشکر:

رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے جاسوس جب بدر کے چشمے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو لڑکیاں قرض کی رقم پر جھگڑ رہی ہیں۔ ایک دوسری سے اپنی ادھار دی ہوئی رقم طلب کر رہی تھی۔ دوسری کہہ رہی تھی کہ ایک دو روز میں وہاں ایک تجارتی قافلہ پہنچنے والا ہے، وہ انکے پاس محنت مزدوری کر کے اس کی رقم ادا کر دے گی۔ اتفاق سے مجدی بن عمرو الجہنی، جو وہاں کا سردار تھا اور جس نے ایک دو بار مسلمانوں اور قریش کا تصادم رکوایا تھا، وہاں آ گیا۔ اس نے بھی قافلے کی آمد کی تصدیق کی اور ان دونوں لڑکیوں کا جھگڑا ختم کروا دیا۔ مسلمان جاسوسوں کیلئے یہ اطلاعات کافی تھیں۔ چنانچہ وہ چپکے سے کھسک گئے۔

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ابوسفیان بدر سے کچھ پہلے اپنے قافلے کو روک کر خود مسلمان طلایہ گرد دستوں کی ٹوہ لینے کے لیئے میدان بدر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہ جب بدر کے چشمے پر پہنچا تو اس کی ملاقات سردار مجدالجہنی سے ہوگئی۔ اس سے اسے پتہ چلا کہ میدانِ بدر میں دو اجنبی آئے تھے جو مشکیزوں میں پانی بھر کر چلے گئے تھے۔ ابوسفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو توڑ کر دیکھا تو اسے کھجوروں کی گٹھلیوں کے ریزے نظر آئے۔ یہ مدینے کے اونٹوں کا خاص چارہ تھا جس سے اسے احساس ہوگیا کہ مسلمان اردگرد ہی موجود ہیں۔ ابوسفیان تیزی سے واپس اپنے قافلے میں پہنچا اور کوچ کا حکم دے دیا۔ وہ سیدھے راستے کی بجائے ساحل کے ساتھ والے راستے پر ممکنہ تیزی کے ساتھ چلنے لگا۔ میدان بدر کو اس نے بائیں ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے ایک شخص ضمضم بن عمر غفاری کو مکے کی طرف روانہ کر دیا تا کہ مکے والوں کو اطلاع ہو سکے کہ ان کا قافلہ سخت خطرے میں ہے اور مسلمان کسی وقت بھی ان پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اس نے ضمضم کو ہدایت کی کہ وہ مختصر راستوں سے ہوتا ہوا کم سے کم وقت میں مکہ پہنچے

Marfat.com

اور انہیں مطلع کرے۔

ابوسفیان اگر چہ بغیر رکے اور ممکنہ تیز رفتاری سے سفر کر رہا تھا، لیکن لمبے راستے کی وجہ سے اسے کافی دن لگ گئے اور ضمضم پہلے ہی مکہ پہنچ گیا۔ مکے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے، کجاوا الٹ دیا اور اپنے کپڑے پھاڑ دیئے۔ مکے کے رواج کے مطابق ایسا تب کیا جاتا تھا جب منادی کرنے والا کوئی انتہائی منحوس خبر لاتا۔ ضمضم نے چیخ چیخ کر اعلان کیا کہ مکے والوں کا تجارتی قافلہ سخت خطرے میں ہے اور اسکی مدد کیلئے تمام اہل قریش کو فوراً پہنچنا چاہئے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ انہوں نے فوراً ہی ایک لشکر ترتیب دینا شروع کر دیا۔ اس موقع پر انہوں نے بنی بکر والوں کی منت سماجت کر کے انہیں اس پر راضی کر لیا کہ وہ مکے پر ان کی عدم موجودگی میں حملہ نہیں کریں گے۔ بنی بکر سے ان کے تعلقات کشیدہ تھے اور وہ اس خطرے کے پیش نظر مدینے کی طرف کوئی بڑا لشکر لے جانے سے احتراز کرتے آئے تھے کہ کہیں ان کی عدم موجودگی میں بنی بکر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔

تقریباً ایک ہزار جنگجوؤں کا مکی لشکر عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں بدر کی طرف روانہ ہوا۔ سو سواروں کا رسالہ تھا۔ عباس بن عبدالمطلب، ابوجہل، حارث بن عامر، نضر بن الحارث اور امیہ وغیرہ جیسے سردار بھی اس میں شامل تھے اور ہر روز نو نو دس دس اونٹ ذبح کر کے لشکریوں کی ضیافت کرتے تھے۔ ابولہب نے کسی وجہ سے شامل ہونے سے معذرت کر لی اور اپنی جگہ اپنے ایک مقروض کو بھیج دیا۔

(۵) ذفران میں مشاورت:

ذفران میں نبی ﷺ کو ابوسفیان کے قافلے کے بچ نکلنے کی اطلاع مل چکی تھی اور مکی

لشکر کی روانگی کا بھی علم ہو چکا تھا۔ اگر آپ ﷺ کا ارادہ صرف قافلہ روکنے کا ہوتا تو وہاں اب مزید رکنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن آپ ﷺ کو یقین تھا کہ مکہ سے روانہ ہونے والا لشکر قریش قافلے سے بچ نکلنے کے باوجود آگے بڑھے گا اور مدینے پر حملہ آور ہوگا۔ آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ میدان کارزار بنے۔ اس لیے آپ ﷺ وہیں مقیم رہے۔ اس نئی صورت حال میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا:

"اشیرُ و اعلیّ ایُّھا النّاس"

(لوگو! مجھے مشورہ دو!)

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پر جوش تقریریں کیں اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ پھر حضرت مقداد بن عمرؓ اٹھے اور کہا:

"یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو اللہ جو کچھ فرمائے، آپ ﷺ وہی کیجئے۔ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم وہ نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا خدا جائے اور وہاں لڑائی کرے۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ اس خدا کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے، اگر آپ ﷺ برک الغماد (6) تک بھی جائیں گے، تو ہم آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وہاں پہنچ جائیں!"

رسول اللہ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انہیں دعا دی۔ لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے انصار کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: "اشیرُوا علیّ ایُّھا النّاس"

بیعت عقبہ کی رو سے انصار صرف شہر مدینہ کی حفاظت کے مکلف تھے۔ آپ ﷺ کا منشا بھانپ کر انصار میں سے حضرت سعدؓ بن معاذ اٹھے اور کہا:

"یا رسول اللہ ﷺ! شاید آپ ﷺ ہم سے مخاطب ہیں۔ ہم آپ ﷺ پر ایمان

Marfat.com

لا چکے ہیں۔ ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ آپ ﷺ جو تعلیم لائے ہیں وہ سچی ہے۔ ہم آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے پختہ وعدے کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ جس طرف بھی ارادہ فرمائیں، تشریف لے چلیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ مبعوث کیا، اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر تک بھی لے جائیں، تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ اس میں بھی اتر جائیں گے۔ ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم اسے ناپسند نہیں کرتے کہ کل آپ ﷺ ہمیں لے کر دشمن کے مقابلے پر آئیں۔ ہم جنگ میں استوار اور مقابلے میں سچے ہیں۔ امید ہے کہ خدا آپ ﷺ کو ہماری طرف سے ایسے کارنامے دکھائے گا جن سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ آپ ﷺ اللہ کی برکت سے چلیں۔" (ابن ہشام، ج ا ص ۷۰۹)

سعدؓ بن معاذ کی یہ تقریر سن کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک مسرت سے چمک اٹھا۔ آپ ﷺ نے انہیں دعا دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"سیرُوا وابشِرُوا فاِنَّ اللہ قد وَعَدنِی اِحدَ الطَّائفتین و اللہِ لکانّی الآن اَنظُرُ الیٰ مَصارِعِ القَومِ"

(چلو! خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے دونوں گروہوں میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! اسی وقت میں گویا بالاشبہ ان لوگوں کے پچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔)

پھر آپ ﷺ نے ذفران سے کوچ فرمایا اور ۱۱ صافر کے پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے الدُّبہ نامی بستی میں پڑاؤ ڈالا۔ پھر وہاں سے بھی آگے بڑھے اور الحفان پہاڑی کو دائیں جانب چھوڑ کر بدر میں آ کر قیام پذیر ہو گئے۔ دن ڈھلے آپ ﷺ نے علیؓ ابن ابی طالب، زبیرؓ بن عوام اور سعدؓ بن وقاص کو بدر کے چشمے پر بھیجا تاکہ وہاں سے وہ کام کی

Marfat.com

خبریں حاصل کریں۔ وہاں انکو بنی نجار کا غلام اسلم اور بنی عاص کا غلام ابو یسار ملتے ہے۔ یہ انہیں گرفتار کر کے اپنے کیمپ میں لے آئے۔ انہوں نے ان دونوں سے پوچھ گچھ کی تو انہوں نے بتایا کہ وہ قریش کے لیے پانی لینے آئے تھے۔ لیکن ان صحابہ کا خیال تھا کہ یہ ابوسفیان سے قافلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان دونوں کی پٹائی شروع کر دی۔ مار کھانے کے بعد وہ دونوں غلام کہنے لگے کہ ہاں ہم ابوسفیان کے ملازم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو اپنے صحابہ سے فرمایا

اِنْ صدقتکم ضربتموھما، وان کذبتکم تر کتموھما صدقتا واللہ انھما لقریش اخبرنی عن قریش

(جب ان دونوں نے تم سے سچ بولا تو تم نے ان کو مارا۔ اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ واللہ ان دونوں نے سچ بولا تھا) (پھر آپ ﷺ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا) مجھے قریش کے متعلق خبر دو)

انہوں نے دور کے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اس کے پیچھے ہیں۔ (یہ ٹیلا "عقنقل" کے نام سے مشہور تھا جسے قرآن حکیم میں "العدوۃ القصویٰ" اور کہا گیا ہے۔)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قریش کی تعداد کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ بہت زیادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا روزانہ کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا: کبھی نو اور کبھی دس! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔ انہی کی زبانی حضور ﷺ کو پتہ چلا کہ قریش کے لشکر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر طیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، عمر بن عبداود جیسے

Marfat.com

سربرآوردہ سردار بھی ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''مکہ نے تمہارے مقابلے پر اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیئے ہیں!''

حضور ﷺ نے بدر کے چشمے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ حبابؓ بن منذر نے آگے بڑھ کر عرض کی: ''یارسول اللہ! کیا یہ مقام ایسا ہے جہاں آپ ﷺ کو اللہ نے اتارا ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''! یہ میری ذاتی رائے ہے!''

حبابؓ نے گزارش کی: ''یہ مقام اچھا نہیں۔ آگے تشریف لے چلیے۔ ہم اس چشمے پر اتریں گے جو قریش کے قریب تر ہے۔ اس کے پیچھے جتنے چشمے ہیں ہم انہیں ناکارہ بنا دیں گے اور اپنے چشمے کے پاس حوض بنا کر اس میں پانی ذخیرہ کر لیں گے!'' حبابؓ بن منذر کی رائے کو رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا! پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور قریش کے قریب تر چشمے پر پڑاؤ ڈال دیا۔

(۶) میدانِ بدر:

مدینہ اور مکہ کے درمیانی راستے میں مسیجد، یذبوع اور براء الشیخ کے مقامات پر ایک تکون سی بنتی ہے۔ مدینے سے اگر مکے کی طرف آئیں تو مسیجد سے سے ایک راستہ حمراء اور یذبوع کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح مکہ سے آتے ہوئے براء الشیخ سے ایک راستہ سمندر کی جانب بدر اور یذبوع کی طرف جاتا ہے۔

زمانہ قدیم میں مکے سے آنے والے بڑے بڑے کاروان بدر کے مقام سے ہو کر گزرتے تھے کیونکہ کشادہ ہونے کی وجہ سے یہاں پڑاؤ ڈالنے میں آسانی ہوتی تھی۔ اگرچہ اردگرد کی پہاڑیوں میں کئی راستے موجود تھے لیکن تنگ اور پر پیچ گھاٹیاں اور وادیاں بڑے قافلوں کیلئے موزوں نہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابوسفیان جب شام سے اپنے کارواں کو لے کر لوٹا تو

Marfat.com

دو بدر میں قیام کرنا چاہتا تھا لیکن متوقع خطرے کے پیش نظر اس نے قافلے کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا اور خود بصورت حال کا جائزہ لینے کیلئے بدر کے میدان میں آیا تھا۔

براستہ الشیخ سے آگے مدینے تک کا راستہ بڑا سرسبز ہے اور یہاں جگہ جگہ نخلستان پائے جاتے ہیں۔ بدر اور حمراء کے درمیان مقام صفراء ہے جہاں حضرت حمزہ کا دستہ گشت کرتا ہوا پہنچا تھا۔ یہاں بھی متعدد چشمے اور نخلستان موجود ہیں۔ چنانچہ اونٹوں اور جنگی ہتھیاروں کے لیے چارہ بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔ میدان بدر کی شکل بیضوی ہے جس کا طول ساڑھے پانچ میل اور عرض تقریباً چار میل ہے۔ اونچے اونچے

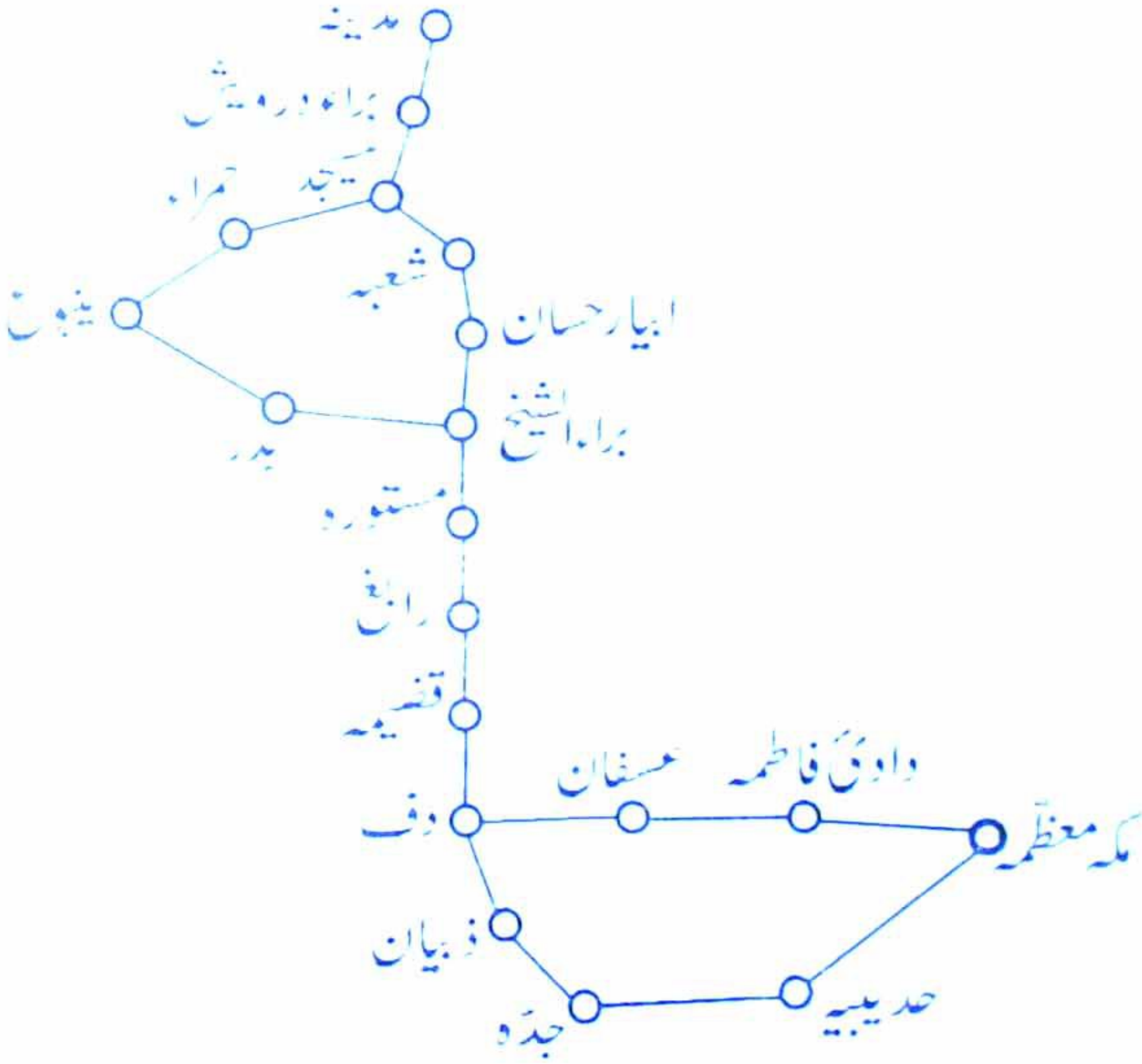

پہاڑوں نے اسے حصار میں لیا ہوا تھا۔ یہ مکہ اور مدینہ کے مابین مختلف راستوں کا سنگھم ہے۔ بدر کے بعض حصوں میں زمین پتھریلی اور بعض جگہوں پر بھربھری اور ریتلی ہے۔ جنوب مغربی حصے کی زمین خاص طور پر بہت نرم اور بھربھری تھی۔ یومِ بدر میں اسی جگہ قریش نے پڑاؤ ڈالا اور بارش کی وجہ سے یہ دلدل بن گئی تھی۔ اردگرد کے پہاڑوں میں دو سفید رنگ کے ٹیلے ہیں۔ یہاں ریت اُڑ اُڑ کر جمع ہوتی رہتی ہے۔ ان میں سے ایک عدوۃ الدنیا کہلاتا ہے اور دوسرا عدوۃ القصویٰ۔ (7) درمیان میں ایک بلند پہاڑ ہے جو جبل اَسفل کہلاتا ہے، کیونکہ اس کے پیچھے نشیب شروع ہو جاتا ہے جو سمندر تک چلا جاتا ہے۔ ابوسفیان مسلمانوں کے خطرے کے پیشِ نظر اسی سمت اپنے قافلے کو بچا کر لے گیا تھا۔ اسی کے متعلق قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے:

"والرّکب اَسفَلَ مِنکُم" یعنی کارواں تم سے نیچے تھا۔

بدر میں ایک چشمہ ہے جس کا بہاؤ مشرق (مدینے کے راستے) سے جنوب مغرب (مکے کے راستے) کی طرف ہے۔ حبابؓ بن منذر کے مشورے پر آپ ﷺ نے اپنے پڑاؤ کی پہلی جگہ چھوڑ کر چشمے کے منبع کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ یوں بدر کی وادی میں آپ ﷺ کے لیئے یہ ممکن ہو گیا کہ دشمن پر پانی بند کر سکیں۔ چنانچہ ایک بڑا حوض بنا کر پانی روک دیا گیا۔

(۷) لشکرِ قریش کی کیفیت:

ضمضم نے جب مکے میں خطرے کا اعلان کیا تو لشکرِ قریش نہایت عجلت میں وہاں سے روانہ ہوا تھا۔ قریش کی اس مہم کا اصل مقصد ابوسفیان کا بچاؤ تھا۔ جب ابوسفیان بخیریت مکے پہنچ گیا تو اس نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا جس نے لشکرِ قریش کو یہ پیغام دیا کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کیئے بغیر واپس لوٹ آئیں کیونکہ قافلہ بحفاظت واپس آ گیا ہے۔ لیکن ابوجہل نے واپس آنے سے انکار کر دیا اور کہا:

Marfat.com

"واللہ لانرجع حتی نرد بدرافنقیم علیہ ثلاثاًفنحرنا الجزورونطعم الطعام و نسقی الخمرو تعرف القیان وتسمع بنا العرب یمسیرنا وجمعنا فلا یزالون بھا بو ننا ابدا بعدھا"

(خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے، جب تک مسلسل تین روز ہم بدر پر رک کر اسطرح رنگ رلیاں نہ منالیں کہ موٹے تازے اونٹ ذبح کئے جائیں، کرم کبابوں کے ساتھ شراب ناب لنڈھائی کی جائے، رقاصاؤں کے ناچ سے محفل گرم ہو، ہماری بزم عیش وسرور کے چرچے گھر گھر پھیلیں اور تمام ملک کے لوگوں پر ہمارا خوف مسلط ہو۔)

میدانِ بدر میں ہر سال ایک تجارتی میلہ لگا کرتا تھا۔ ابوجہل نے اپنے لشکر کو اس میں شرکت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اسکی دلیل یہ تھی کہ بدر کے میلے میں دادِ عیش دینے سے ارد گرد کے تمام علاقوں میں قریش کی دھاک بیٹھ جائے گی اور اگر وہ یونہی واپس لوٹ گئے تو ہر کوئی یہ کہے گا کہ مسلمانوں کے خوف سے یہ بھاگ نکلے ہیں۔ لیکن ابوجہل کے ساتھی سردار مسلمانوں سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے اکثر رشتہ دار مسلمان لشکر میں شامل تھے۔ دریں اثنا انہوں نے مسلمان لشکر کا حال معلوم کرنے کیلئے اپنا ایک جاسوس بھیجا۔ جاسوس نے آ کر اطلاع دی کہ وہ کم وبیش تین سو ہیں اور انکے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ نہایت شدت سے جنگ کریں گے اور کچھ نہیں تو وہ تمہارا ایک ایک بندہ مار کر مریں گے۔ یہ سن کر قریشی سردار بڑے مضطرب ہوئے۔ بنوزہرہ کا سردار اخنس بن شریق اپنے قبیلے کو لے کر مکہ لوٹ گیا۔ آخر عقبہ بن ربیعہ نے فیصلہ دے دیا کہ مکہ واپس چلا جائے۔ اس نے کہا کہ اگر مسلمان دوسرے قبائل سے مغلوب ہو گئے تو ہم اپنے ایک دشمن سے ازخود نجات پالیں گے۔ اگر وہ غالب آ گئے تو آخر وہ ہمارے ہی بھائی بند ہیں، ہمیں ان سے کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔

عقبہ بن ربیعہ کی تجویز تجارتی سوچ اور قبائلی عصبیت پر مبنی تھی۔ لیکن ابو جہل نے مشتعل ہو کر اسے طعنہ دیا اور عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو اکسایا کہ عقبہ کو وہ اپنے بھائی کے انتقام سے منہ نہ موڑنے دے۔ اسپر عامر حضرمی ''واعمراہ! واعمراہ'' کہہ کر چلانے لگا جس سے تمام قریش کا خون کھول اٹھا اور وہ مسلمانوں سے جنگ کیلئے کمر بستہ ہو گئے۔

لشکرِ قریش کی تعداد ساڑھے نو سو سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ تھا۔ اونٹ اتنے زیادہ تھے کہ دس دس اونٹ روزانہ ذبح کرنے کے باوجود انہیں انکی کمی کا اندیشہ نہ تھا۔ نیزے، تیر، تلوار، زرہیں اور دیگر سامانِ حرب بھی کافی زیادہ تھا۔

(۸) مجاہدین کی تیاری:

مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے۔ مختلف روایتوں کی رو سے انکی تعداد تین سو پانچ سے تین سو انیس کے درمیان تھی۔ چوہتر یا چھہتر مہاجرین اور باقی سب انصار تھے۔ دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ایک گھوڑا مقداد بن عمرو کا دوسرا مرثد ابن مرثد غنوی کا تھا۔ ہر تین مجاہدین کیلئے ایک اونٹ تھا۔ سامانِ حرب بھی ناکافی تھا۔

حبابؓ بن منذر کے مشورے پر مجاہدین نے جس دوسرے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا، وہاں ایک ٹیلا تھا جس پر سے تمام میدانِ جنگ کا نقشہ بآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ سعدؓ بن معاذ نے تجویز پیش کی کہ اس ٹیلے پر ایک عریش (سائبان) بنا دیا جائے جس میں رسول اللہ ﷺ قیام فرمائیں اور میدان جنگ پر نظر رکھیں اور اگر خدانخواستہ مسلمان ہزیمت سے دوچار ہونے لگیں تو آپ ﷺ واپس مدینے تشریف لے جائیں تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت برقرار رہ سکے۔ اس مقصد کے لیئے ایک تیز رفتار اونٹنی ٹیلے کے عقب میں تیار کھڑی کر دی جائے اور عریش سے مدینہ کی طرف راستہ کھلا رکھا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے سعد کی اس تجویز کو پسند فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے لیے پتھروں اور لکڑی سے ایک عریش تیار کر دیا گیا۔ اس میں مدینے کی طرف ایک دروازہ کھلا رکھا گیا اور چند تیز رفتار اونٹنیاں بھی اسطرف تیار کھڑی کر دی گئیں (8) حضرت ابو بکرؓ عریش میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ سعدؓ بن معاذ دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ رات رسول اللہ نے عریش میں گزار دی۔ پوری رات آپ ﷺ نہایت خضوع وخشوع سے اللہ کے حضور میں مناجات کرتے رہے۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے: ''خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، اسے پورا فرما دے۔'' آپ ﷺ کے کندھوں پر رکھی ہوئی چادر بار بار گر جاتی۔ اسے اٹھا کر حضرت ابو بکرؓ پھر آپ ﷺ کے شانوں پر ڈال دیتے کبھی آپ ﷺ سجدے میں گر جاتے اور فرماتے: ''اے اللہ! اگر تیرے ماننے والے یہ چند افراد ختم ہو گئے تو قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا''۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:

" اللّٰھم ان تھلك ھذا ہ العصا بہ لآ تعبد بعدھا فی الارض . اللّٰھم انجز لی مَا وعدتنی ، اللّٰھم نصرك "

(یا اللہ! اگر تو نے (مومنوں) کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو اس زمین پر تیری بندگی کبھی نہ ہوگی۔ اے اللہ! تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے، اسے پورا فرما یا! الٰہی! تیری مدد درکار ہے۔)

حضرت ابو بکرؓ حضور ﷺ کی گریہ وزاری دیکھ کر بہت مضطرب ہوتے تھے۔ اس لیئے بار بار آپ ﷺ کو روکتے تھے اور کہتے تھے! ''یا رسول اللہؐ! بس کیجئے! آپ ﷺ اپنے آپ کو اتنا ہلکان نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا!''

بالآخر وعدۂ الٰہی کے ایفا کی یقین دہانی بصورت وحی یوں نازل ہوئی:

" سیھزم الجمع و یو لّون الدبر " (القمر:۴۵)

Marfat.com

(دشمن شکست کھا کر الٹے پاؤں بھاگیں گے)

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسکین ہوگئی۔ اس موقع پر تائید الٰہی یوں ہوئی کہ مسلمان لشکر کو بڑی اچھی نیند آئی۔ پھر اچانک بارش بھی ہوگئی جس سے مسلمان سپاہ کی طرف زمین کوہِ صفا کی طرح ٹھوس ہوگئی اور جہاں کفار کا لشکر مقیم تھا وہاں کیچڑ بن گئی۔ قرآن حکیم میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

" اِذ یُغشِّیکُمُ النُّعَا سَ اَمَنَةً مِّنْهُ ویُنَزِّ لُ عَلَیْکُم مِّنَ السَّمآءِ مآءً لِیُطَهِّرَ کُمْ بِهٖ" (اور وہ وقت (یاد کرو!) جبکہ اللہ اپنی طرف سے تم پر غنودگی کی شکل میں اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور جب خدا نے آسمان سے پانی برسایا، تاکہ تمہیں پاک کردے) ۸ : ۱۱

(۹) حق و باطل کا تصادم:

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان سپاہ کی ترتیب خود فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے آپ ﷺ صفیں سیدھی کروا رہے تھے۔ اس موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بنی عدی بن نجار کے حلیف حضرت سوادؓ بن غزیہ اپنی صف سے قدرے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انکے پیٹ پر تیر کا ہلکا سا دباؤ ڈالا اور انہیں پیچھے ہٹنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت سوادؓ نے کہا: ''آپ ﷺ نے مجھے تیر چبھو کر ایذا پہنچائی ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو حق و عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اس لیئے آپ ﷺ مجھے بدلہ دیں!'' صحابہ سوادؓ کی جرات پر دم بخود رہ گئے۔ نبی ﷺ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ''لو! بدلہ لے لو!'' اس پر حضرت سوادؓ آگے بڑھے اور والہانہ انداز میں حضور ﷺ سے لپٹ گئے اور شکم مبارک کو چومنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تجھے اس بات پر کس نے مجبور کیا؟'' سوادؓ نے

Marfat.com

کہا: ''حضور (ﷺ)! جو حالات درپیش ہیں، آپ (ﷺ) کے سامنے ہیں! میں نے سوچا شاید جنگ میں کام آجاؤں، اس لیئے میں نے آخری بار آپ (ﷺ) سے مَس ہونے کا حیلہ کیا!'' حضور ﷺ مسکرائے، انہیں دعا دی اور فرمایا: ''سواد تو بڑا خوش بخت ہے! اور تیری حیلہ سازیاں بھی بڑی مبارک ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے صفیں درست کروائیں۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے ہاتھ میں عقاب نامی سیاہ پرچم تھا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی سپاہ کو ایسے رخ پر کھڑا کیا تھا جہاں سورج کی کرنیں براہ راست انکی آنکھوں میں نہیں پڑ سکتی تھیں۔ صفوں کی ترتیب سے مطمئن ہو کر نبی ﷺ نے مجاہدین کو کچھ ہدایات جاری فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ لڑائی میں پہل نہ کریں۔ جب تک آپ ﷺ کی طرف سے حکم نہ آئے لڑائی شروع نہ کریں۔ صفوں کی ترتیب ہر حال میں برقرار رکھیں۔ اگر دشمن دور ہو تو خوامخواہ تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ ہاں جب تیروں کی زد پر آجائے تو تیر چلائیں۔ جب دشمن آگے بڑھے تو انہیں پتھر مارنے شروع کر دیں۔ جب اور آگے آئیں تو انہیں نیزوں کی انیوں پر رکھ لیں۔ اور جب دشمن سر پر چڑھ آئے تو تلواریں کھینچ لیں (9)۔ مجاہدین کو یہ ہدایات دے کر رسول اللہ ﷺ اپنے عریش میں تشریف لے گئے۔

ان ہدایاتِ نبوی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے شروع میں دفاعی انداز اختیار کیا ہوگا اور اپنے قریب پتھروں کے ڈھیر بھی لگا لیئے ہونگے۔ مسلمانوں کی طرف زمین پتھریلی تھی اور پتھر بھی بکثرت موجود تھے، جبکہ کفار ریتلی زمین پر تھے اور انکو جارحانہ انداز میں پیش قدمی کرنا تھی۔ اول تو پتھروں کا حصول ہی انکے لیئے مشکل تھا، دوسرے وہ پیش قدمی کرتے ہوئے پتھر اپنے ساتھ لا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس حکمتِ عملی سے کفار کی شرحِ اموات زیادہ ہونے کا امکان تھا۔ مزید برآں مسلمانوں نے ایک دوسرے کی پہچان کیلئے تعارفی کلمات بھی

Marfat.com

مقرر کر لیئے تھے اور مخصوص نشانات بھی لگا لیئے تھے (10)۔

کفار کی فوج کی کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں ۔ واقدی کے حوالے سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کا میمنہ اور میسرہ تھا اور فوج میں تین پرچم تھے اور وہ پیش قدمی کرتے ہوئے ایک خاص جگہ پہنچ کر رک گئے تھے۔

۱۷ رمضان ۲ ھ کو صبح سویرے دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تھے۔ کفار کے لشکر سے اسود بن الاسد مخزومی یہ قسم کھا کر نکلا کہ وہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیے گا اور اسے ڈھا دے گا یا اپنی جان دے دے گا۔ اسود کو حوض کی طرف بڑھتے دیکھ کر حضرت حمزہؓ اسکی طرف لپکے اور تلوار کا وار کیا۔ تلوار اسکے پاؤں پر لگی اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر گرا۔ مگر وہ اٹھا اور گھسٹتا ہوا حوض کی طرف بڑھا۔ اب جناب حمزہؓ نے تلوار کا کاری وار کیا اور اسود خاک چاٹنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے دم توڑ دیا۔

اس وقت کے دستور کے مطابق میدان کارزار گرم ہونے سے پہلے نامی گرامی پہلوان لشکر سے نکل کر فریقِ مخالف کے بڑے بڑے سورماؤں کو دعوتِ مبارزت دیا کرتے تھے۔ اسود کے قتل کے بعد قریش کے لشکر سے عتبہ بن ربیعہ اپنے دو بھائیوں شیبہ اور ولید کو لے کر نکلا اور مسلمان مجاہدوں کو مقابلے کے لیئے للکارا۔ اس کے ساتھ نبرد آزمائی کیلئے عفراء کے معاذ اور معوذ اور عبداللہ بن رواحہ نکلے۔ لیکن جب عتبہ کو پتہ چلا کہ یہ تینوں انصاری ہیں تو اس نے نہایت نخوت سے کہا: ''تم ہمارے ہم پلّہ نہیں ہو، جاؤ! قریش سرداروں کو ہماری طرف بھیجو!'' یہ تینوں مجاہدین واپس اپنے لشکر میں آ گئے۔ اسکے بعد نبی ﷺ کے حکم پر عبیدہؓ بن حارث، حمزہؓ بن عتبہ اور علیؓ ابن ابی طالب مبارزت کے لیئے نکلے۔ مقابلہ شروع ہوا اور کچھ ہی دیر میں حمزہ نے عتبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو مار گرایا۔ شیبہ حضرت عبیدہؓ کے ہاتھوں شدید زخمی ہوا لیکن اس نے عبیدہؓ کو بھی بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ دریں اثنا حضرت علی لپک کر آئے اور

Marfat.com

نقشۂ یومِ بدر

نقشہ نمبر ۲

ص ۳۳۴ (میدانِ بدر)

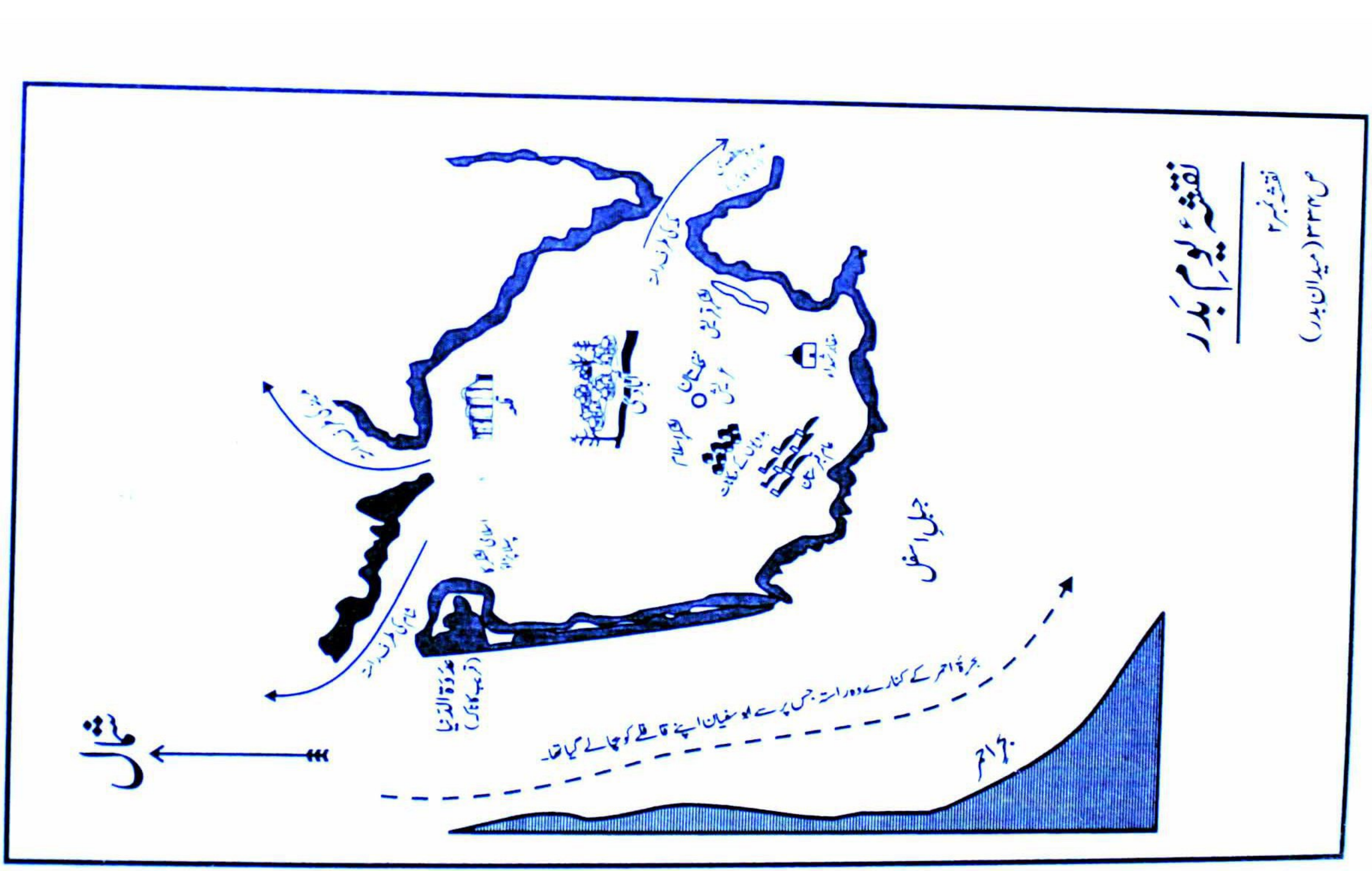

Marfat.com

شیبہ پر کاری وار کیا جس سے اسکا کام تمام ہو گیا۔ حضرت عبیدہؓ کو شدید زخم آئے تھے اور غزوہ بدر کے چار پانچ دنوں بعد وہ وفات پا گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی تھی۔

اسکے بعد عبیدہ بن سعید بن عاص لشکر قریش سے ایک آہن پوش مفریت کی طرح نکلا۔ اس کے جسم کا ہر حصہ لوہے کے لباس میں چھپا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت زبیر بن عوام اسکے مقابل آئے، لیکن انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ اسکے جسم پر کہاں وار کریں۔ دفعتہً انہوں نے دیکھا کہ اسکی آنکھیں ہی آہنی پوشی سے خالی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے تاک کر برچھی اس کی آنکھ میں ماردی۔ عبیدہ بن سعید گر پڑا اور لوہے کے لباس میں ہی اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ زبیرؓ بن عوام نے اسکی گردن پر پیر رکھ کر برچھی کھینچی۔ برچھی نیزھی ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ نے یہ برچھی نشانی کے طور پر حضرت زبیر سے مانگ لی۔ یہ بعد ازاں کئی خلفاء کے پاس رہی لیکن پھر حضرت زبیرؓ کی تحویل میں آ گئی۔

عبیدہ بن سعید کے گرتے ہی قریشی لشکر میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے عام حملہ کر دیا۔ رات کی بارش کی وجہ سے پھسلن ہو گئی تھی، اس لیئے سب لوگ منظم طریقے سے آگے نہ بڑھ سکے۔ کچھ آگے نکل گئے کچھ پیچھے رہ گئے۔ سامنے سے سورج انکی آنکھوں میں پڑ رہا تھا۔ کفار نسبتاً نشیب میں تھے۔ اس لیئے پیش قدمی میں انہیں دِقّت ہو رہی تھی۔ قریش کے رسالے نے مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کے تیر انداز اپنے لشکر کے دائیں بائیں ترچھے انداز میں متعین تھے، ان کی تیر اندازی نے رسالے کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ مسلمان لشکر کا عقب بھی محفوظ تھا۔ وہاں نشیبی حصے میں اونٹ بٹھا دیئے گئے تھے اور ایک دستہ بھی متعین کر دیا گیا تھا۔

کفار جب بے ترتیبی اور بدنظمی سے آگے بڑھے اور پتھروں کی زد میں آ گئے تو مسلمان سپاہ نے ان پر زبردست سنگباری کی۔ سنگباری سے بچ کر جو کافر مسلمانوں کے قریب

Marfat.com

پہنچے ،انکو مسلمانوں نے اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ادھر ترچھے رخ سے چلائے گئے تیروں نے گھڑ سوار دستے میں بے ترتیبی پیدا کر دی۔ وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی بجائے خود ہی تتر بتر ہونے لگے۔اس طرح رسالے کا منظم حملہ جوابی [illegible] ثابت ہو سکتا تھا، قطعی طور پر غیر موثر ہو گیا۔

عتبہ بن ربیعہ کے قتل کے بعد لشکر کی قیادت ابو جہل کے ہاتھ میں آ گئی۔عفراء کے نوجوان لڑکوں معاذ اور معوذ نے خاص طور پر اسے ڈھونڈ نکالا اور قتل کر دیا۔لیکن ابو جہل کا بیٹا عکرمہ جو باپ کو بچانے آگے بڑھا تھا معاذ پر حملہ آور ہوا۔اس نے معاذؓ کے بازو پر وار کیا جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ لگا رہا۔معاذ نے جب محسوس کیا کہ جھولتا ہوا بازو لڑائی میں حارج ہو رہا ہے تو انہوں نے پاؤں تلے دبا کر تلوار سے بازو کاٹ ڈالا۔دو بڑے سرداروں کی ہلاکت سے قریشی لشکر میں بد دلی پھیل گئی اور وہ مختلف ٹولیوں میں بٹ کر لڑنے لگے۔اس کے برعکس مسلمان انتہائی منظم اور نا قابل شکست دیوار کی طرح میدان میں جمے ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے عریش سے مسلسل میدانِ جنگ پر نظر رکھے ہوئے تھے اور ہدایات جاری فرما رہے تھے۔ جونہی آپ ﷺ نے قریش کی ہوا اکھڑتی ہوئی محسوس کی آپ ﷺ نے کچھ کنکر اور مٹی اپنی مٹھی میں بھر کر ان پر کلماتِ دعا پڑھے اور انہیں کفار کی طرف اچھال دیا اور حکم دیا کہ عام حملہ کر دیا جائے۔پھر آپ ﷺ خود بھی عریش سے نیچے تشریف لے آئے اور بلند آواز میں حکم دینے لگے "شُدُّو ا شُدُّوا" چڑھ دوڑو! چڑھ دوڑو! آپ ﷺ نے مجاہدین کو مخاطب کر کے فرمایا: ''آج جو ثواب کی خاطر ڈٹ کر مقابلہ کرے گا، جنت میں جائے گا، وہ جنت جس کی پہنائیاں زمین اور آسمان کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں!''

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ انکے سالارِ اعظم بہ نفسِ نفیس زرہ زیب تن کیئے لشکر میں آ رہے ہیں تو وہ جوش و خروش سے بھر گئے۔لیکن انہوں نے اب بھی رسول اللہ ﷺ کی

Marfat.com

ہدایات فراموش نہ کیں اور شانے سے شانہ ملائے پوری قوت سے کفار پر حملہ کر دیا اور انہیں اپنی تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نوید خداوندی نے حقیقت کا روپ دھار لیا:

''سیھزم الجمع ویو لو ن الدّبر ''لشکرِ کفار پیٹھ موڑ کر بدحواسی اور افراتفری میں بھاگ کھڑا ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو تاکید کر رکھی تھی کہ بعض لوگ بادلِ نخواستہ جنگ میں شریک ہوئے ہیں، انہیں قتل نہ کیا جائے۔ ایسے لوگوں میں ابن عباس اور ابوالبختری بھی شامل تھے۔ ابوالبختری نے شعب ابی طالب کے محصورین کی بڑی مدد کی تھی اور صحیفہ چاک کروانے میں بھی خاص کردار ادا کیا تھا۔ مجاہدین نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پوری تعمیل کی۔ ایک موقع پر ابوالبختری جو کہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ مسلمانوں سے لڑ رہا تھا، حضرت مجذر بن زیاد کے مقابل آ گیا۔ مجذرؓ نے چاہا کہ ابوالبختری اپنے ساتھی کو چھوڑ کر ہٹ جائے، لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! ہم دونوں ساتھ مریں گے۔ مجذرؓ نے مجبوراً اسکے ہمراہی کے ساتھ اسے بھی قتل کر دیا۔

امیہ بن خلف کے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے دیرینہ مراسم تھے۔ عبدالرحمٰنؓ نے چاہا کہ امیہ بچ کر نکل جائے۔ لیکن حضرت بلالؓ نے اسے دیکھ لیا۔ مکے میں امیہ حضرت بلالؓ پر بہت ظلم ڈھایا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے اسے دیکھتے ہی انصار مجاہدین کو آواز دی جو لپک کر آئے۔ عبدالرحمٰن نے اُمیّہ کو بچانے کی پوری کوشش کی، لیکن انصار نے اسے تہہ تیغ کر ڈالا۔

عقبہ بن ربیعہ کی لاش دیکھ کر اسکے بیٹے ابوحذیفہؓ کو صدمہ ہوا۔ انہوں نے افسوس سے کہا ''میرا باپ بڑا صاحبِ فراست تھا! کاش اس کا خاتمہ اسلام پر ہوتا!''

Marfat.com

(۱۰) فتح کے بعد:

قریش کے کل ستر آدمی جنگ میں قتل ہوئے۔ان میں انکی سربرآوردہ شخصیات بھی شامل تھیں مثلاً شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل)، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج وغیرہ۔تقریباً اتنے ہی یعنی ستر افراد قیدی بنا لیئے گئے جن میں حضور ﷺ کے چچا عباس، حضور ﷺ کے داماد ابوالعاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بھی تھے۔

مسلمان فوج میں سے کل چودہ صحابہ مقام شہادت پر فائز ہوئے۔ان میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔مہاجرین میں عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب، عمیر بن ابی وقاص (سعد بن ابی وقاص کے بھائی جو کہ نوعمر تھے اور ضد کر کے فوج میں شامل ہوئے تھے)، عمیر بن عبدعمرو خزاعی، مہجعؓ (حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام جو کہ غالباً یومِ بدر کے پہلے شہید تھے)، صفوان بن بیضا اور عاقل بن البکیر تھے۔انصار میں سے عمیر بن الحمام، سعدؓ بن خثیمہ، مبشر بن عبدالمنذر، یزید بن حارث، رافع بن عبدالمعلٰی، حارثہ بن سراقہ، عوف بن غفراء، معوذ بن عفراء شہید ہوئے۔

شہدائے بدر کی وہیں تدفین کر دی گئے۔کفار کی لاشوں کو ایک تاریک گہرے کنویں میں پھینک کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔امیہ بن خلف کی لاش سے تعفن اٹھ رہا تھا، اسے وہیں رہنے دیا گیا اور اوپر مٹی ڈال دی گئی۔ابوجہل کا کٹا ہوا سر حضور ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

''الله الذی لا اِله الاّ هو الله اکبر الحمد لِلّٰه الذی صدق وعده و نَصر عبده و هزم الاحزاب وحدهٗ۔''

(اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اللہ سب سے بڑا ہے اور اسی کے لیئے حمد و شکر

Marfat.com

ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اس یگانہ دیکتا نے شکست دے دی۔)

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ میدانِ جنگ میں تین دن تک قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ میدانِ بدر میں بھی تین یوم تک رہے۔ پھر مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر منزل بہ منزل مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دریں اثنا مدینے کی طرف فتح کی خوشخبری پہنچانے کیلئے دو مبشر عبداللہؓ بن رواحہ اور زید بنؓ حارثہ روانہ کیئے جا چکے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ کو مدینے کی بالائی آبادی عالی کی طرف روانہ کیا گیا تھا جبکہ زید بن حارثہ کو مدینہ شہر میں یہ خبر پہنچانا تھی۔ یہود اور منافقین نے مدینے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ لیکن جب فتح کی خوشخبری پہنچی تو وہ منہ چھپا کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ (رسول اللہ کی صاحبزادی) کی شدید علالت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت رقیہؓ کی رحلت کے بعد وہ تدفین وغیرہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہیں یہ بہت بڑی خوش خبری سننے کو ملی! حضرت عثمانؓ کو بھی مالِ غنیمت سے برابر کا حصہ ملا تھا۔

مدینے واپس پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی لوگ ہیں، ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ حضور ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ پسند آیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ چار ہزار درہم فی کس لے کر قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ حسب استطاعت تین ہزار، دو ہزار اور ایک ہزار درہم کی رعایت بھی دی گئی۔ جو بالکل تہی دامن تھے لیکن پڑھے لکھے تھے انہیں یہ کہا گیا کہ ان میں سے ہر وہ قیدی جو کم از کم دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا، رہا کر دیا جائے گا۔ حضرت عباس اور حضور ﷺ کے دیگر خاندانی افراد سے بھی فدیہ لیا گیا۔ ابوالعاص (دامادِ رسول ﷺ) نے اپنے زرِ فدیہ میں وہ ہار بھی شامل کر دیا جو

Marfat.com

حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی زینبؓ کو شادی میں دیا تھا۔ حضور ﷺ نے جب وہ ہار دیکھا تو گزرے دنوں کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی اجازت سے یہ ہار واپس کر دیا لیکن یہ شرط عائد کر دی کہ وہ حضرت زینبؓ کو نہ روکیں۔ اس طرح حضرت زینب مدینہ ہجرت کر سکیں۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

''لَولَا کتاب" مِنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّکُم فَیمَا اَخَذ تُم عَذاب" عَظِیم:'' (انفال:۹)

یعنی اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا، اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا، تو حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب الٰہی سن کر رونے لگے۔ اکثر شارحین اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں یہ عتاب اسیرانِ بدر کے بارے میں ہے، کیونکہ سورہ انفال کی مذکورہ آیت سے یہی تاثر ملتا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی نبی کے لیئے یہ جائز نہیں کہ وہ اچھی طرح خونریزی کے بغیر لوگوں کو قیدی بنا لے۔ لیکن کچھ شارحین کا خیال ہے کہ عتاب اسیرانِ جنگ کے بارے میں نہیں نازل ہوا، بلکہ مالِ غنیمت کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ لیکن مالِ غنیمت کے بارے میں پہلے کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیئے، اسے معاف کر دیا گیا۔ آیت عتاب کے بقیہ الفاظ یہ ہیں:

''فَکلوُا مِمّا غَنِمتُم حَلٰلاً طَیِّباً '' یعنی جو مال تم نے لوٹا ہے، اسے کھاؤ، یہ طیّب اور حلال ہے۔ آیت مذکورہ سے تشریح کا یہ پہلو نہیں نکلتا کہ میدانِ جنگ میں اچھی طرح خونریزی کے بعد جو قیدی بنائے جائیں، انہیں بھی قتل کر دینا چاہیئے۔ اسکا مطلب صرف اتنا ہے کہ قیدی تب بناؤ جب میدان جنگ میں اچھی طرح خونریزی ہو چکے (11)۔

(۱۱) یوم بدر پر ایک نظر:

بدر کے واقعات جس طرح پیش آئے، انہیں لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں دیکھا

Marfat.com

یا سنا اور انہیں بیان کیا۔ چنانچہ جنگِ بدر کی ایک تصویر وہ ہے جو حدیث و تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہمارے سامنے ابھرتی ہے۔ لیکن خدا بھی تو معرکہء حق و باطل کو دیکھ رہا تھا۔ اس جنگ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسپر قرآن حکیم نے بھی اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ سورہ انفال میں ہمیں اس معرکہ کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم کا مقصد صرف تاریخ بیان کرنا نہیں، بلکہ اس جنگ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل اور بعض اخلاقی و قانونی معاملات کی تشریح توضیح ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہمیں غزوۂ بدر کا تذکرہ اس نقطہء نظر سے پڑھنا چاہئے کہ اس سے ہمیں ان حقائق کے بارے میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے جو صرف تاریخی اور واقعاتی نوعیت کے نہیں بلکہ ابدی نوعیت کے حامل ہیں۔ معرکۂ بدر پر قرآنی تبصرے کا خلاصہ یہ ہے:

اس میں مسلمانوں کو ان خامیوں سے آگاہ کیا گیا ہے جو اسلام لانے کے باوجود ان میں کسی حد تک باقی رہ گئی تھیں۔ ان میں سرِ فہرست مالِ غنیمت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے کا رجحان تھا۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر یہ کہہ دیا گیا کہ جنگ میں حاصل ہونے والا مال اللہ اور اسکے رسول کی ملکیت ہے اور جو حصہ وہ ان کیلئے مقرر کر دیں، اسے وہ برضا و رغبت تسلیم کر لیں۔

مشرکین، منافقین، یہود اور اسیرانِ جنگ کے بارے میں راہنمائی کی گئی ہے۔ جنگی اور اخلاقی معاملات پر بھی راہنما اصول دیئے گئے ہیں۔ پھر اسلامی ریاست کے آئین کی ایک اہم دفعہ بھی متعین کر دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے ہی ریاست کے حقوق و مراعات کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ اسطرح دارالاسلام اور دارالکفر کی واضح تفریق کر دی گئی (12)۔

قرآن حکیم نے واقعاتِ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات خاص طور پر مسلمانوں کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ عظیم فتح دراصل خدا کی غیبی مدد کی مرہونِ منت ہے۔

Marfat.com

اس وضاحت کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنی طاقت اور شجاعت کے جاہلانہ غرور کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں باران رحمت، مسلمانوں پر نیند کا غلبہ، مسلمانوں کو کفار کا کم نظر آنا اور کفار کو مسلمانوں کا زیادہ نظر آنا وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں (13)۔ قرآن حکیم کا مسلمانوں کو انکی خامیوں سے آگاہ کرنا اور اصل فتح کو اللہ کی طرف منسوب کرنا، اس لیئے بھی ضروری تھا کہ یوم بدر کے بعد مسلمانوں کو آگے ایک بہت بڑا چیلنج درپیش تھا۔

قرآن حکیم میں یوم بدر کو ''یَومَ الفُرقَان ''(انفال:۴۱) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور کتاب موسیٰ کو بھی ''فرقان'' کہا گیا ہے (الانبیاء:۴۹)۔ اس سے مشہور خاتون مستشرق کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong) بنی اسرائیل کے یومِ نجات اور یومِ بدر کے مابین ایک قسم کی مشابہت دیکھتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کی قوم کو اللہ نے فرعون کے مظالم سے نجات دی اور وہ بحرِ احمر کو پار کر کے مصریوں کی دست برد سے بچ نکلے، اسی طرح یوم بدر میں مسلمانوں کو اللہ نے کفار پر فتح دے کر انہیں ہمیشہ کیلئے باطل سے الگ کر دیا۔ فرقان کا معنی ہے فرق کرنے والا یا جدا کرنے والا۔ اسی لیئے قرآن کو بھی فرقان کہا گیا ہے یہ حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔ کیرن لکھتی ہے:

"Now the battle of Badr also became a *furqan*, a sign of salvation. God had separated the just from the unjust in the Muslim victory, just as He had made a distinction between the Egyptians and the Israelites at the Red Sea."(14)

طبری کا حوالہ دیتے ہوئے کیرن آرمسٹرانگ کہتی ہے کہ محمد ﷺ جب مدینے آئے تو آپ ﷺ نے یہود کی بعض روایات کو برقرار رکھا اور طرزِ عبادت بھی ویسا ہی اختیار کیا مثلاً

Marfat.com

آپ ﷺ بھی عاشورے کا روزہ رکھتے تھے اور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ لیکن جلد ہی تحویل قبلہ کا حکم آ گیا۔ ادھر معرکہء بدر کے بعد عاشورے کا روزہ بھی فرض نہ رہا۔ مسلمانوں کیلئے روزے رمضان میں فرض ہو چکے تھے۔ اس طرح وہ یوم بدر کی یومِ فرقان کی حیثیت سے تشریح کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کے بعد اسلام قدیم شریعت سے الگ ہو کر ایک مکمل اور جداگانہ دین کی حیثیت سے ابھرا۔

یوم بدر کے حوالے سے وہ یہ بھی کہتی ہے کہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے مادّی واقعات کے پیچھے کار فرما مشیتِ الٰہی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ کیرن آرمسٹرانگ کے نزدیک قرآن حکیم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قوموں کے عروج وزوال اور سیاسی وسماجی تغیرّات کے پس منظر میں ارادۂ الٰہی کے پراسرار عمل دخل کو بھی دکھایا گیا ہے۔ جدید ذہن کو یہ بات عجیب لگتی ہے کہ خدا دنیاوی جنگوں اور معاشرتی تبدیلیوں میں بھی دخل دیتا ہے، لیکن اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس طرح کی تعبیر سے تاریخی عمل کے بے ربط اور بے معنی واقعات کو ایک خصوصی تناظر مہیا ہو جاتا ہے اور وہ ایک گہری معنویت کے حامل نظر آنے لگتے ہیں (15)۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو غزوۂ بدر درحقیقت ''یومِ فرقان'' تھا، کیونکہ اس کے بعد ہی اسلامی ریاست اپنے تمام تر آئینی تعینات اور قانونی حدود وقیود کے ساتھ دنیا کے نقشے پر ابھری۔ کوئی مسلمان ریاستی تحفظات اور دیگر سماجی مراعات کا تبھی حقدار ہو سکتا تھا جب وہ دارالاسلام میں ہجرت کر آتا۔ اسطرح حق وباطل اور کفر واسلام کے مابین جو خطِ امتیاز کھینچا گیا وہ یومِ بدر کے بعد ہی کھینچا جا سکا۔

جنگِ بدر کی ''یومِ فرقان'' کی حیثیت سے اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، اگر ہم اس پر عمرانی نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالیں۔ بدر سے پہلے جتنی جنگیں بھی ہوئی تھیں ان کے محرکات میں

Marfat.com

''ثار'' اور مال غنیمت کا حصول نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اپنے کسی قربت دار کے قتل کا انتقام لینا مذہبی فریضہ سمجھا جاتا تھا اور لوٹ کا مال حاصل کرنا اپنا پیدائشی حق! لیکن یومِ بدر نے ان دونوں محرّکات کی نفی کر دی۔ مسلمان بجائے ابو سفیان کا قافلہ لوٹنے کے اپنے نظریات کی حفاظت کے لیئے لشکرِ قریش سے جا ٹکرائے۔ اس جنگ میں خونی متعلقین مثلاً باپ، بیٹا، چچا، ماموں، داماد، بھائی وغیرہ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور آپس میں نبرد آزما ہوئے، اس سے پتا چلتا ہے کہ نسلی اور خونی عصبیت کی وہ Sanctions جن پر کہ قدیم سماج کی عمارت استوار تھی، ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں اور خالصتہً نظریاتی اور اخلاقی Sanctions کی بنیاد پر تعمیر ہونے والا معاشرتی نظام فتحیاب اور غالب ہوا تھا۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ میدانِ بدر میں تاریخ کے بہتے دھارے کا رخ موڑا گیا اور آنے والے زمانون کی سمت کا تعین کیا گیا تو بے جا نہ ہوگا۔

اگر دنیاوی اعتبار سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا منظم ہونا، مناسب جگہ کا انتخاب، بہترین جنگی پالیسی اور اپنے دین کے لیئے جینے مرنے کا جذبہ وہ عوامل ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تھا۔ عربوں کو پوری تاریخ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی دفعہ باقاعدہ جنگی منصوبہ بندی کے تحت اپنی سپاہ کو لڑوایا تھا۔ ورنہ عرب بالعموم جنگوں میں بغیر کسی خاص تیاری اور منصوبہ بندی کے اندھا دھند ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے تھے۔ قریش نے بھی بغیر کسی منصوبہ بندی کے ایک ہجوم کی صورت میں مسلمانوں پر ہلّہ بولا تھا۔ وہ اپنی تعداد اور ساز و سامان کی کثرت پر اتنے مغرور تھے کہ انہوں نے کسی حکمتِ عملی کو اپنانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو پل بھر میں کچل کر رکھ دیں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انکے متوقع طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر منصوبہ بندی کی اور اپنے کم سے کم نقصان کے ساتھ انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ دوسرے یہ بھی حقیقت ہے کہ لشکرِ قریش میں اکثر

افراد ایسے تھے جو جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے اور جنہیں ابو جہل کی ضد اور ہٹ دھرمی میدانِ جنگ میں کھینچ لائی تھی۔

یومِ بدر میں مسلمانوں کو فتح تو حاصل ہوگئی، لیکن رسول اللہ ﷺ کو صاف نظر آ رہا تھا کہ مستقبل کا منظر نامہ نہایت پر خطر اور شدید مشکلات سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ کو پورا یقین تھا کہ طاغوتی قوتیں کچھ عرصہ اپنے زخم چاٹیں گی اور پھر متحد و مجتمع ہو کر پوری قوت سے حملہ آور ہونگی۔

Marfat.com

Marfat.com

اٹھارہواں باب

بدر سے اُحد تک

قریش کی شکست کی خبر لے کر جو شخص سب سے پہلے مکے میں داخل ہوا ۔۔۔ وہ الحیسمان بن عبداللہ الخزاعی تھا۔ لوگوں کے استفسار پر جب اس نے جنگ بدر کے حالات بتائے اور مقتولین کے نام گنوائے تو لوگوں نے اسے فاتر العقل سمجھا۔ مکے کے لوگوں کے لئے یہ بات ناقابل تصور تھی کہ عتبہ، شیبہ، ابوالحکم، اُمیہ، زمعہ، ابوالبختری وغیرہ جیسے نامور سردار اس جنگ میں مارے گئے ہیں۔ صفوان بن امیہ مقام حجر (حطیم) میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا: ''یہ شخص تو مجھے دیوانہ لگتا ہے، اس سے میرے بارے میں پوچھو۔'' لوگوں نے الحیسمان سے پوچھا: ''صفوان بن امیہ کا جنگ میں کیا بنا؟'' اس نے صفوان کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''وہ حطیم میں بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن اسکے باپ اور بھائی کو میں نے بدر میں قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے'' اب لوگوں کو الحیسمان کی باتوں پر یقین کرنا پڑا۔ جلد ہی دیگر ذرائع سے بھی اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔

پہلے تو اس وحشتناک خبر سے مکے کے گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ لیکن پھر لوگوں کو ماتم اور نوحہ خوانی سے منع کر دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر کوئی شخص ماتم کرتا ہوا نظر آیا تو اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ بجائے ماتم کے انتقام لینے کی تیاری کریں۔ کچھ عجیب سی سوگوار فضا مکہ کے در و بام پر مسلط تھی۔ ہر شخص کا کلیجہ غم سے پھٹا جا رہا تھا، لیکن کسی گھر سے گریہ وزاری کی آواز بلند نہ ہوتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ کہتے ہیں: ''میں اس وقت عباس ابن

Marfat.com

مطلب کا غلام تھا اور تیر بنانے کا کام کیا کرتا تھا۔ عباس، ام الفضل اور میں تینوں نے اسلام اختیار کرلیا تھا۔ لیکن قریش کے ڈر سے عباس نے اپنا اسلام خفیہ رکھا ہوا تھا۔ جنگ بدر میں ابولہب شریک نہ ہوا تھا اپنی جگہ اس نے العاص بن ہشام کو بھیج دیا تھا۔ جب اس نے شکست کی ذلت آمیز خبر سنی تو وہ پاؤں گھسیٹتا ہوا آیا۔ میں اس وقت زمزم کے پاس اپنے خیمے میں بیٹھا تیر چھیل رہا تھا۔ اسی دوران ابوسفیان بھی ادھر آ نکلا۔ ابولہب نے ابوسفیان سے جنگِ بدر کے بارے پوچھا تو اسنے جواب دیا: ''وہاں سوائے اس کے کچھ نہیں ہوا کہ ہم نے اپنے شانے ان کے حوالے کر دیئے۔ انہوں نے جیسے چاہا ہمیں قتل کیا اور جیسے چاہا، اپنا قیدی بنایا۔ دراصل ہمارے مقابل صرف مسلمان ہی نہ تھے، بلکہ کچھ ایسے گورے چٹے لوگ تھے جو ابلق گھوڑوں پر زمین و آسمان کے درمیان تھے۔ ان کے مقابل کوئی نہیں ٹکتا تھا۔ انہوں نے کوئی چیز نہ چھوڑی۔'' ابورافعؓ نے کہا: ''میں نے خیمے کی طنابیں ہاتھوں میں اٹھائیں اور کہا: ''واللہ وہ تو فرشتے تھے۔'' ابولہب نے اٹھ کر میرے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ میں نے بھی اسے مارا۔ لیکن اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور میرے اوپر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔ میں کمزور تھا۔ اُمّ الفضل نے ایک لکڑی لی اور زور سے اسکے سر پر ماری۔ ابولہب کا سر پھٹ گیا۔ ابولہب اٹھا اور ذلت کے ساتھ پیر گھسیٹتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد وہ سات روز بھی زندہ نہ رہا اور مرضِ عدسہ (1) میں مبتلا ہو کر مر گیا۔'' (ابن ہشام ج ا ص ۴۴۷)

الاسود بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے تین افراد جنگِ بدر میں ہلاک ہوئے تھے، زمعہ بن الاسود، عقیل بن الاسد اور الحارث بن زمعہ۔ ان کی ہلاکت سے اس کے سینے میں آگ لگی ہوئی اور وہ اونچی آواز میں آہ و بکا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ماتم کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا چپ چاپ آنسو بہایا کرتا تھا۔ اسکی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ ایک رات اچانک اسے کسی بڑھیا کے نالہ وشیون کی آواز آئی۔ اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ وہ پتہ کر

Marfat.com

کے آئے کہ کیا ماجرا ہے اور کیا ماتم کی اجازت مل گئی ہے۔ اس کا ملازم گیا اور کچھ دیر بعد واپس آ کر کہنے لگا کہ پڑوس میں ایک بڑھیا کا اونٹ کھو گیا ہے اور وہ اپنے اس زیاں پر رو رہی ہے۔ اس موقع پر الاسود نے یہ شعر کہے:

اَتبکی اَن یَضِلَ لَھا بَعِیْر" وَ یَمنَعھا مِنَ النُّوم السُّھُو دُ

کیا وہ اپنے ایک اونٹ کے کھو جانے پر روتی ہے؟ اور بے خوابی اسے سونے سے روک رہی ہے؟

فَلا تبکی عَلیٰ بَکرٍ وَ لٰکِن عَلیٰ بَدرٍ تقاصَرَتِ الجُدُودِ

اے عورت جوان اونٹ کے کھو جانے پر نہ رو، بلکہ واقعہ بدر پر رو جس روز نصیبہ پھوٹا تھا۔

عَلیٰ بَدرٍ سَرَاۃِ بَنِی ھُضَیضٍ وَمَخزُومٍ وَرَھطِ اَبی الوَلِیدِ

بدر پر رو، بنی ھضیض کے بہترین فرزندوں پر رو، بنی مخزوم پر رو اور ابی الولید کی جماعت پر رو۔

وَبَکِی اِن بَکَیتِ عَلیٰ عَقِیلٍ وَبَکِی حَارثًا اَسَدَا لَاسُودِ

اور اگر تجھے رونا ہے تو عقیل پر رو، اور حارث پر رو جو کہ شیروں کا شیر تھا۔

عتبہ، امیہ، ابوجہل اور دیگر بڑے سرداروں کے قتل سے قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ بدر کے بعد ابولہب بھی اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہو گیا۔ اب ابوسفیان قریش کا سردار تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک مسلمانوں سے اپنی شکست کا بدلہ نہ لے لے گا، غسلِ جنابت نہ کرے گا۔ لوگوں کو نوحہ گری سے روکنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے جذبات کا رخ انتقام طرف موڑ دیا جائے۔ چنانچہ مکے میں ایک بار پھر بڑے زور و شور سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

ادھر مدینے میں مسلمانوں پر فتح بدر کے نہایت خوشگوار اور مثبت اثرات مترتب ہوئے تھے۔ پہلے مسلمان یہود، منافقین اور مشرکین سے کسی قدر دبے ہوئے رہتے تھے۔ لڑائی جھگڑے کی صورت میں مسلمانوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ معاملہ طول نہ پکڑے اور کسی طرح اسے رفع دفع کر دیا جائے۔ کسی مسلمان کے لیئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کسی غیر مسلم یا یہودی سے اپنے کسی آدمی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیئے قتل کی حد تک جا سکتا۔ لیکن اب فتحِ بدر کے بعد مسلمانوں کی بالادستی ثابت ہوگئی اور وہ مدینے میں مقتدر لوگوں کی طرح رہنے لگے۔ یہود، مشرکین اور منافقین کے دلوں میں انکا خوف بیٹھ گیا۔ لیکن انہوں نے بجائے اطاعت اور مفاہمت کی راہ اختیار کرنے کے، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا خطرناک سلسلہ شروع کر دیا۔ یہود کو اپنی تجارت اور منافع خوری بھی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ بلکہ مدینے کی سرزمین میں ہی انہیں اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا۔ دو سال قبل جس سرزمین پر وہ عروج اور خوشحالی کے دن گزارا کرتے تھے، وہ بتدریج ان کے لیئے تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیئے انہوں نے طعن و تشنیع، ہنو گوئی، سازش، ریشہ دوانی، تمسخر، استہزا جا بے جا مخالفت غرضیکہ ہر ممکن ہتھکنڈہ اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہود، مشرکین اور منافقین کے علاوہ چوتھا گروہ جو مسلمانوں کے درپے آزار ہو رہا تھا، ان بدوی قبائل کا تھا جو مدینے کے نواح میں بستے تھے۔ انکا بڑا ذریعۂ معاش لوٹ مار تھا۔ ریاست مدینہ کے استحکام کے ساتھ ساتھ انکی لوٹ مار کے امکانات کم ہوتے چلے گئے۔ جن قبائل کے ساتھ مسلمانوں نے معاہدے کر رکھے تھے، ان کے تیور بھی بدل رہے تھے کیونکہ غزوۂ بدر کے بعد تجارتی شاہرہ پر قریشی کاروانوں کی آمد و رفت میں تعطل آ چکا تھا اور وہ ان سے وصول ہونے والے ٹیکس سے محروم ہو چکے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد اس علاقے کی طرزِ معیشت میں نمایاں تبدیلی آ رہی تھی۔ اس لیئے وہ قبائل جو شاہراہِ تجارت کے اردگرد بستے تھے اپنی محرومیوں کو ریاست مدینہ کے ابھرتے ہوئے اقتدار کی طرف منسوب کرنے لگے۔ اسطرح

مسلمانوں کے خلاف غزوہ بدر کے بعد نہ صرف اندرونی کشمکش شروع ہوگئی بلکہ بیرونی جارحیت کا بھی آغاز ہوگیا۔

(1) غزوۂ کُدر:

بدر سے لوٹنے کے بعد ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوسُلیم کے تعاون سے بنوغطفان مدینے پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس فتنے کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دو سو مجاہدین کو تیاری کا حکم دیا اور مدینے میں سباع بن عرفطہ اور بعض روایتوں کی رو سے ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ﷺ کُدر کے علاقے میں اچانک پہنچ گئے۔ مسلمانوں کی غیر متوقع چڑھائی سے بنوسُلیم اتنے بدحواس ہوئے کہ اپنی وادی میں پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مجاہدین اسلام نے یہ اونٹ اپنی تحویل میں لے لیئے۔ خُمس نکالنے کے بعد ہر مجاہد کے حصے میں دو اونٹ آئے۔ اس غزوے میں یسار نامی ایک غلام بھی ہاتھ لگا جسے رسول اللہ ﷺ نے رہا کر دیا۔ آپ ﷺ نے بنوسُلیم کے علاقے میں تین دن قیام فرمایا، پھر مدینے تشریف لے آئے۔ (2)۔

اس مہم سے واپسی پر آپ ﷺ نے پہلی عید الفطر منائی اور صدقۃ الفطر ادا کیا۔

(۲) قتل نبی ﷺ کی سازش:

جنگ بدر کے کچھ دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ عُمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن اُمیہ حطیم میں بیٹھے تھے۔ دونوں بدر کے اندھے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتولین کو یاد کر رہے تھے اور آہیں بھر رہے تھے۔ بدر میں صفوان کا باپ اور بھائی مارے گئے تھے اور عمیر کا بیٹا جنگی قیدی بنا تھا۔ مکے کے ہر شخص کی طرح یہ دونوں بھی غم و غصہ سے اندر ہی اندر سلگ رہے تھے۔ صفوان

Marfat.com

کہنے لگا: ''خدا کی قسم! ان کے مرنے کے بعد اب اپنے جینے کا کچھ مزہ نہیں رہ گیا۔''

عمیر بن وہب بولا: ''خدا کی قسم! اگر مجھ پر قرض کا بوجھ نہ ہوتا اور مجھے اپنے اہل وعیال کے بھوکوں مرنے کا خوف نہ ہوتا، تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا اور اپنے بیٹے کو بھی انکی قید سے چھڑا لاتا!''

صفوان بن اُمیہ نے اسے یقین دہانی کرائی اگر وہ محمد (ﷺ) کے قتل کے لیئے مدینہ جائے گا تو وہ نہ صرف اس کا قرض ادا کر دے گا، بلکہ اس کی غیر حاضری میں اسکے اہل وعیال کی دیکھ بھال بھی کرے گا۔ حطیم میں بیٹھ کر ان دونوں نے پختہ عہد و پیمان کیا۔ اس وقت حطیم میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

عمیر بن وہب زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ مسجد نبوی کے قریب پہنچا تو حضرت عمرؓ کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اسکے گلے میں تلوار لٹکتی ہوئی دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے کچھ صحابہ کو ہدایت کی کہ وہ حضور ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں اور خود انہوں نے عمیر کی تلوار کی ذوری اسکی گردن کے گرد لپیٹ کر اسے گھسیٹتے ہوئے اندر حضور ﷺ کے پاس لے آئے۔ حضور ﷺ نے اسے دیکھ کر حضرت عمرؓ کو ہدایت کی کہ اسے چھوڑ دیں۔ پھر آپ ﷺ نے عمیر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ عمیر نے قریب آ کر آپ ﷺ کو سلام کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''عمیر! کیسے آنا ہوا؟'' عمیر نے کہا: ''میں اپنے بیٹے کی رہائی کے سلسلے میں آیا ہوں۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''تو پھر گردن میں یہ تلوار کیسے لٹکائی ہوئی ہے؟''

عمیر نے کہا: ''یہ تلواریں تو ہم نے بدر کے دن بھی اٹھائی تھیں، لیکن یہ ہمارے کسی کام نہ آ سکیں۔''

آپ ﷺ نے پھر زور دے کر پوچھا: ''سچ سچ بتاؤ تم کیوں آئے ہو؟''

Marfat.com

اس نے کہا: ''بس اپنے قیدی کیلئے ہی آیا ہوں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''فما شی، قلت للصفوان و انتما باللحجر لو لا عیالی و دینی لکنت انا الذی قتلت محمد ابنفسی''

(اچھا: جب تم اور صفوان حجر (حطیم) کے پاس اکٹھے تھے، تو تم نے صفوان سے کیا کہا تھا؟ یہی نا کہ اگر میرے بال بچے نہ ہوتے اور مجھ پر قرض نہ ہوتا تو میں جا کر اپنے ہاتھ سے محمد کو قتل کر دیتا؟)

یہ سن کر عمیر سناٹے میں آ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا: ''ذرا پھر فرمایئے! ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں!''

حضور ﷺ نے ایک بار پھر ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو دہرائی۔ عمیر کی حالت غیر ہو گئی۔ کہنے لگا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ہمیں جو آسمان کی خبریں بتایا کرتے تھے، ہم انہیں جھٹلا دیا کرتے تھے۔ لیکن اس معاملے میں تو میرے اور صفوان کے علاوہ اور کوئی وہاں موجود نہ تھا۔ اس لیئے مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ ہی نے آپ ﷺ کو ان باتوں سے باخبر کیا ہے۔ چنانچہ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے ہدایت دینے کیلئے دھکیل کر اس مقام تک پہنچایا ہے۔'' (3)

عمیرؓ کے قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ انہیں اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کریں، قرآن سکھائیں اور انکے بیٹے کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیں۔

کچھ دنوں بعد حضرت عمیرؓ اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند ہو کر مکے آ گئے اور یہاں انہوں نے اسلام کی اشاعت شروع کر دی۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ عمیر جب مدینے آیا تو میرے لیئے خنزیر سے بھی زیادہ برا تھا، اور اب جب وہ واپس گیا ہے تو مجھے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔

(۳) چند گستاخانِ رسول ﷺ کا قتل:

ویسے تو دنیا کے ہر شخص پر ہی فصیح و بلیغ کلام اثر کرتا ہے، تاہم عرب اس معاملے میں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ ابلاغ اور اظہارِ خیال کے بارے میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے افضل سمجھتے تھے۔ انکے معاشرے میں شاعر کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ شاعر وہ کام کر سکتا تھا جو تیغ و سناں سے بھی ممکن نہ تھا۔ انکے رزمیہ اشعار جنگجوؤں کے جذبہء انتقام کو ابھارتے تھے۔ عام زندگی میں بھی ہجو یا قصیدہ دور رس اثرات کا حامل ہوتا تھا۔ جس شخص کی کوئی شاعر تعریف کر دیتا وہ ہیرو بن جاتا اور جس کی ہجو کہتا وہ عوام کی نظر میں ذلیل و خوار ہو جاتا۔ بدر کی شکست کے بعد بعض شعرائے عرب مسلمانوں سے حسد کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو نقصان پہنچانے کے لیئے ہجو گوئی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مسلمانوں کے لیئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ ان گستاخوں کا منہ بند کر دیں۔ پہلے تو مسلمان شعراء نے غیر مسلم ہجو گوؤں کا جواب دیا۔ لیکن جب وہ شائستگی اور اخلاق کی تمام حدیں پھاند گئے تو مسلمانوں کے لیئے انتہائی اقدام ناگزیر ہو گیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اسلام کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا اور بتدریج جاہلانہ عصبیت عود کر آتی۔ اسطرح سدھرتا ہوا معاشرہ ایک بار پھر بگاڑ اور نراج کا شکار ہو جاتا۔ ذیل میں چند ایک واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

بنی عمرو بن عوف کا ابو عنک نہایت بد باطن اور بدزبان شخص تھا۔ وہ اکثر مسلمانوں کی برائیاں کرتا اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہا کرتا تھا۔ اس کا مقصد شر

Marfat.com

پھیلاتا اور مخالفین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ جنگِ بدر میں کفار کی ہزیمت پر اسے بڑا صدمہ پہنچا اور وہ مسلمانوں کے خلاف زہر فشانی کرنے لگا۔ ایک رات جب کہ وہ اپنے گھر میں محوِ خواب تھا، قبیلہ اوس کے حضرت سالمؓ بن عمیر دیوار پھاند کر اسکے گھر میں داخل ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔

دوسرا واقعہ مروان بن زید کی بیٹی عصماء کا ہے جو کہ شاعرہ تھی۔ وہ اپنے فن کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتی تھی اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف اکساتی رہتی تھی۔ اس نے مشرکین کی ہزیمت سے کوئی سبق نہ سیکھا، بلکہ ابو عنک کی طرح ہجو گوئی میں پہلے سے بھی زیادہ سرگرم ہوگئی۔ ایک رات حضرت عمیرؓ بن عوف اسکے گھر میں داخل ہوئے۔ عصماء چھت پر سو رہی تھی اور ایک شیر خوار بچی اسکے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ حضرت عمیرؓ کو ذرا کم نظر آتا تھا۔ انہوں نے ٹٹول کر بچی کو ماں سے الگ کیا اور اپنا خنجر دستے تک عصماء کے سینے میں اتار دیا۔

عصماء کے قبیلے بنی خطمہ کے بہت سے لوگوں نے اپنا اسلام خفیہ رکھا ہوا تھا۔ عصماء کے قتل کے بعد انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔

تیسرا واقعہ کعب بن اشرف کے قتل کا ہے۔ کعب بن اشرف قادر الکلام شاعر تھا۔ وہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں سب کو پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ بدر کی جنگ میں بڑے بڑے سردار مارے گئے ہیں تو اس نے کہا: ''ساداتِ قریش جو حرم کے نگہبان اور عرب کے بادشاہ تھے، ان کی موت کے بعد ہم جیسوں کا زمین پر چلنے پھرنے سے مر جانا بہتر ہے۔'' پھر وہ مکہ پہنچا اور قریش کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیئے اس نے بے شمار شعر کہے جن میں سے چند ایک ذیل میں پیش کیئے جاتے ہیں:

Marfat.com

طَنَحَت بَدرٍ لِمُهلِكَ اُهلِهِ

وَا لمِثلِ بَدرٍ تَستَهِلُّ وَ تَدمَعُ

بدر کی چکی (جنگ) اپنے ہی بہادروں کو برباد کرنے کیلئے چلی۔اور بدر کے واقعات پر (آنکھیں) آنسو بہاتی اور بہتی (رہتی) ہیں۔

قُتِلَت سَرَاةُ النَّاسِ حَو لَ حَيَا ضِهِم

لا تَبْحَدُو ا اِنَّا لمُلوُ ك تُصَرَّ عُ

لوگوں کے سردار اپنے ہی حوضوں کے اردگرد قتل کیے گئے (تو) بعید (از قیاس) نہ سمجھو، کیونکہ بادشاہ بھی پچھڑ جاتے ہیں۔

صَدَقُوا فَلَيت الاَرضَ سَاعَةقُتِّلُو ا

ظَلَّت تَسُو خ َبِاَهلِهاَ وَ تُصَدَّعُ

انہوں نے تو ٹھیک کہا، لیکن کاش جس وقت وہ قتل کیے گئے، زمین نے اپنے لوگوں کو دھنسا لیا ہوتا اور پارہ پارہ ہوگئی ہوتی۔

حضرت حسانؓ بن ثابت اور میمونہ بنت عبداللہ نے کعب بن اشرف کے جواب میں بہت سے شعر کہے تا کہ اسکے ہجویہ اشعار کے منفی اثرات کو زائل کیا جا سکے۔ لیکن کعب بن اشرف ذلت اور کمینگی کی پست ترین سطح پر جا اترا اور مسلمان خواتین کے بارے میں لغو اور عاشقانہ اشعار کہنے لگا۔اس پر نبی کریم ﷺ کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے پوچھا: ''من لی بابن اشرف ''یعنی کعب بن اشرف کی خبر لینے کی حامی کون بھرتا ہے؟ محمد بن مسلمہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! میں کعب بن اشرف کو قتل کر ڈالتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''فَفعَل اِن قَدَر تَ عَلیٰ ذَا لِك ''یعنی اگر تم ایسا کر سکو تو ایسا کر ڈالو۔

کعب بن اشرف کا فرمانِ قتل جاری ہو گیا۔کعب بن اشرف بنی طے کی شاخ بنی

بنبان میں سے تھا اور اسکی ماں بنی النضیر کی تھی۔ وہ ایک گڑھی میں رہتا تھا جو مدینے کے جنوب میں عوالی کی جانب بنونضیر کی آبادی کے قریب واقع تھی۔ محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ چار لوگوں کو لے کر کعب بن اشرف کے قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔ ان چار لوگوں کے نام یہ ہیں: سلکان بن سلامہ، عباد بن بشیر، حارث بن اوس اور ابوعبس بن جبیر تھے۔ سلکان بن سلامہ کی کنیت ابو نائلہ تھی اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ جب یہ کعب بن اشرف کی گڑھی پر پہنچے تو ابو نائلہ محمد بن مسلمہ کی ہدایت پر کعب بن اشرف سے ملنے اندر چلے گئے۔ بقیہ لوگ باہر چھپ گئے۔ ابو نائلہ نے کعب سے ملاقات کی اور کہا کہ میں اور میرے کچھ ساتھی تجھ سے غلّہ ادھار لینا چاہتے ہیں۔ کعب نے کہا کہ تم اپنے بچوں اور عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو تو پھر میں تمہیں غلّہ دونگا۔ ابو نائلہ نے کہا کہ یہ تو ممکن نہیں کیونکہ یہ بڑی رسوائی کی بات ہے، ہاں ہم اپنے ہتھیار تیرے پاس رہن رکھ دیتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس لیئے کہی کہ کعب انکے مسلح ہونے سے چوکنا نہ ہو جائے۔ سلکان (ابو نائلہ) اسے لے کر گڑھی سے باہر آئے۔ روانہ ہونے سے قبل کعب کی بیوی نے اسے منع کیا، لیکن کعب نے کان نہ دھرے۔ سلکان اسے اپنے شعر سناتے ہوئے اور خود اسکے شعر سنتے ہوئے خراماں خراماں اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے کعب کے بالوں کو چھوا اور کہا: ''آپ نے بہت عمدہ خوشبو لگا رکھی ہے۔ ایسی خوشبو میں نے کبھی استعمال نہیں کی۔'' کعب اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔ اتنے میں سلکان نے اس کے سر کے بال پکڑ کر نیچے گرا دیا اور اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ وہ تلواریں سونت کر اس پر پل پڑے۔ لیکن انکی تلواریں آپس میں ہی ٹکرا کر رہ گئیں۔ ایک صحابی حارث بن اوس کو تلوار کی نوک سے تھوڑا سا زخم بھی آیا۔ سلکان نے فوراً اپنی چھری نکالی اور پوری قوت سے کعب کی ناف کے نیچے گھونپ دی۔ کعب بن اشرف نے ایسی بھیانک چیخ ماری کہ ارد گرد کی گڑھیوں کے لوگ چونک پڑے اور انہوں نے آگ روشن کر لی۔ لیکن کسی کو باہر آنے کی جرات نہ ہوئی۔

Marfat.com

محمد بن سلمہ اپنے ساتھیوں کو لے کر حرّۃ العُرَیض کے راستے واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ زخمی الحارث بن اوس خون بہہ جانے کی وجہ سے نڈھال ہو گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن کچھ دیر بعد آہستہ آہستہ چلتے وہ بھی ان سے آ ملے۔ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ محمد بن سلمہ کا سلام سن کر آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ محمد بن سلمہ نے دشمنِ خدا کو واصل جہنّم ہونے کی خبر سنائی۔ آپ ﷺ نے حارث کے زخم پر اپنے دہنِ مبارک سے لعاب لگایا جس سے انہیں بڑی تسکین ہوئی۔ سیرت نگار کعب بن اشرف کے قتل کی مہم کو سریہ محمد بن سلمہ کا نام بھی دیتے ہیں (4)۔

کعب بن اشرف کے قتل سے مدینے کے یہود میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی۔ ہر یہودی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگا۔ لیکن انہوں نے بجائے سبق حاصل کرنے کے رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی مہم کو تیز تر کر دیا۔

کچھ ہی دنوں بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جس میں ایک مسلمان نے ایک یہودی کو قتل کر دیا اور پھر یہودیوں نے اس مسلمان کو بھی شہید کر دیا۔ ہوا یوں کہ سوقِ قینقاع میں ایک مسلمان خاتون زیور بنوانے کے سلسلے میں ایک یہودی زرگر کی دوکان پر گئی۔ یہ خاتون برقع پوش تھی۔ یہودی دوکاندار اور اسکے بدمعاش ساتھیوں نے اسے نقاب الٹنے کے لیئے کہا۔ مسلمان خاتون نے انکار کر دیا۔ لیکن ایک خبیث یہودی نے پیچھے سے کوئی چیز اسکے نقاب میں اٹکائی اور اسے الٹ دیا۔ اس خاتون نے اپنے بے پردگی پر انہیں برا بھلا کہا۔ قریب ہی سے ایک مسلمان گزر رہا تھا۔ اس نے جب ایک مسلمان عورت کے ساتھ سنار کو بدتمیزی کرتے دیکھا تو اس نے جھٹ تلوار نکالی اور اسکا سر تن سے جدا کر دیا۔ کئی یہودی اس مسلمان پر پل پڑے اور اسے شہید کر دیا۔

اس واقعہ سے یہود اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی سلگتی ہوئی آگ پوری طرح

بھڑک اٹھی۔ شہید مسلمان کے لواحقین بدلہ لینے کے لیئے اصرار کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سوقِ قینقاع میں یہودیوں کو اکٹھا کیا اور معاہدے کی خلاف ورزی پر انہیں ملامت کی۔ آپ ﷺ نے انہیں متنبہ کیا کہ اگر وہ اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی قریش مکہ جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اس پر ایک دریدہ دہن یہودی نے کہا: ''اے محمد! تم نے ایک ایسی قوم کو شکست دی ہے جو جنگ سے نا آشنا تھی۔ خدا کی قسم! اگر تم ہمارے ساتھ لڑو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم کس طرح کے لوگ ہیں۔''

اب مدینے کے مسلمانوں کیلئے مشکل ہو گیا کہ وہ یہود کے وجود کو برداشت کر سکیں۔ اگر اب بھی صبر و تحمل کا دامن تھاما جاتا اور عفو و درگزر سے کام لیا جاتا تو یہود مسلمانوں کا مدینے میں جینا دوبھر کر دیتے۔

(۴) بنوقَینُقاع کا محاصرہ اور خروج:

رسول اللہ ﷺ نے بالآخر یہودیوں کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا اور اپنا لشکر لے کر بنوقینقاع کے علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینے میں ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو نائب مقرر کیا گیا۔ فوج کا جھنڈا حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہودی مسلمانوں کے خطرے کے پیش نظر پہلے ہی قلعہ بند ہو چکے تھے۔ یہ شوال ۲ھ کی پندرہ تاریخ تھی۔ آپ ﷺ نے پندرہ دنوں تک نہایت سختی سے انکا محاصرہ جاری رکھا۔ یہودی عاجز آ گئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے اپنی عورتوں اور اولاد کی امان طلب کی اور ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ ﷺ کے حکم پر ان سب کو باندھ لیا گیا۔

اسی موقعہ پر عبداللہ بن اُبی نے آپ ﷺ کی زرہ پکڑ کر فریاد کی کہ ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ میرے قبیلے کے حلیف ہیں۔ آپ ﷺ نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ لیکن عبداللہ

Marfat.com

بن اُبی نے بھی ڈھٹائی کی انتہا کر دی اور منت سماجت جاری رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جھڑک کر اسے کہا: مجھے چھوڑ دے! لیکن ابن ابی نے آپ ﷺ کی زرہ نہ چھوڑی اور منت سماجت کرتا رہا۔ اس نے کہا: یہ چار سو جوان تو میرے دکھ سکھ کے ساتھ ہیں، آپ انہیں ایک ہی بار ہلاک کر دیں گے تو میرا کیا بنے گا؟''

عبداللہ بن ابی کو ابھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیئے ایک مہینہ ہی گزرا تھا۔ منافقین کا معاملہ حضور ﷺ کے لیئے ہمیشہ پریشانی کا باعث رہا تھا۔ انکے ظاہری اسلام کی وجہ سے ان پر سختی بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ مزید برآں عبداللہ بن ابی کا خزرج کے قبیلے پر ابھی کافی اثر رسوخ تھا۔

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ یہود کے اموال و املاک اور ہتھیار وغیرہ ضبط کر لیئے جائیں اور انہیں شہر بدر کر دیا جائے۔ اس دفعہ بھی عبداللہ بن ابی انکی جلاوطنی کے حکم کی منسوخی کیلئے آگے بڑھا لیکن یہود جن کی بڑی مشکل سے جان بخشی ہوئی تھی، خود ہی کہنے لگے کہ وہ مدینے میں رہنا نہیں چاہتے۔ اسطرح مدینے سے بنو قینقاع کا خروج عمل میں آیا۔ مدینے سے نکل کر انہوں نے کچھ دنوں تک وادی القریٰ میں قیام کیا پھر شام کی ایک بستی اذرعات کی طرف ہجرت کر گئے۔ کچھ عرصے بعد ہی ان کے اکثر لوگ مر کھپ گئے۔

انکے ضبط شدہ مال میں سے تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے حضور ﷺ نے خود اپنے لیئے رکھ لیئے۔ پھر خمس نکال کر باقی غنائم لشکر میں تقسیم کر دیئے گئے۔

بنو قینقاع کی جلاوطنی کے بعد مدینے میں بڑی حد تک امن قائم ہو گیا۔ اطرافِ مدینہ میں بسنے والے دیگر یہود سہم کر بیٹھ گئے۔ یہود کا فطری رجحان وادی القریٰ اور شام کی طرف تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ انہیں بجائے قتل کرنے کے انہی اطراف کی طرف دھکیل دیا جائے۔

Marfat.com

(۵) غزوۂ سَوِیق:

مکے کے قریشی سرداروں نے تمام لوگوں پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ ماتم نہ کریں بلکہ شکست کا بدلہ لینے کی تدبیریں کریں۔ ایک تدبیر صفوان بن اُمیہؓ نے بھی کی تھی۔ یعنی عمیر بن وہب کو نبی ﷺ کے قتل کے لیئے مدینے بھیجا تھا۔ وہ ہر ایک کو کہتا پھرتا تھا کہ عنقریب تم لوگوں کو اتنی بڑی خوشخبری ملے گی کہ تم بدر کے دن کی ذلت کو بھول جاؤ گے۔ لیکن جب عمیرؓ اپنے بیٹے کو لے کر ایک یکسر مختلف انسان کی حیثیت سے واپس آئے تو صفوان نے قسم کھائی کہ وہ تمام عمر ان سے کلام نہ کرے گا۔ اب قریش کا سربراہ ابوسفیان بن چکا تھا۔ مغلوب الغضب ہو کر اس نے یہ قسم تو کھالی تھی کہ وہ محمد (ﷺ) سے لڑائی کیئے بغیر غسل جنابت نہ کرے گا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ قسم اسکے لیئے عذاب بن گئی۔ وہ کوئی بہانہ ڈھونڈ رہا تھا جسکی بنا پر اسکی قسم پوری ہو جائے۔

ابوسفیان مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلیئے دو سو سواروں کا دستہ لے کر روانہ ہوا اور مدینہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر وادی ءقناۃ میں جا کر فروکش ہوا۔ مسلمانوں کا خوف اسکے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ باقاعدہ مدینے پر حملہ آور ہوتا۔ درحقیقت وہ تو محض اپنی قسم پوری کرنے اور مدینے کی کسی نواحی بستی پر چھاپہ مار کر فرار ہو جانا چاہتا تھا۔

رات کو وہ چھپتا چھپاتا مدینے کے مضافات میں حُیَیّ ابن اخطب کے گھر پہنچا اور دستک دی۔ حُیَیّ ابن اخطب کو جب پتہ چلا کہ ابوسفیان آیا ہے، تو اس نے ڈر کے مارے دروازہ ہی نہ کھولا۔ یہاں سے مایوس ہو کر ابوسفیان سلام بن مشکم کے گھر پہنچا۔ سلام بن مشکم اپنے قبیلے کا خزانہ دار تھا۔ اس نے ابوسفیان کو گھر کے اندر بلا لیا اور اسکی خاطر مدارات کی، لیکن اسکی مدد کرنے سے معذرت کر لی۔ اپنے ایک شعر میں ابوسفیان سلام بن مشکم سے اپنی ملاقات

Marfat.com

کا یوں ذکر کرتا ہے:

سَقَانی فَرّ وَاِنّی َکُمیتاً مُدَامَةً
عَلیٰ عَجَلٍ مِنّیِ سَلاَم ؓ بن مُشکَمِ

''سلام بن مشکم نے مجھے سرخ و سیاہ شراب پلائی، باوجود اس کے کہ مجھے (وہاں سے نکل جانے کی) جلدی تھی۔'' یہاں سے وہ اپنے لشکر میں واپس آیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو لے کر ایک قریبی بستی عریض پر حملہ کر دیا۔ کھجوروں کے کچھ درخت کاٹے اور کچھ درختوں اور جھونپڑوں کو آگ لگا دی۔ پھر ایک انصاری اور اسکے حلیف کو قتل کر کے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ مکہ کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بزدلانہ واردات کی اطلاع ملی تو آنحضرت ﷺ نے مدینے پر ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو حاکم مقرر کیا اور خود مجاہدین کا ایک دستہ لے کر فوراً ابوسفیان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ لیکن ابوسفیان تو موت کے خوف سے بھاگ رہا تھا۔ اسکے قافلے والے تیز رفتاری قائم رکھنے کے لیئے زائد سامان اور ستو کی بوریاں راستے میں گراتے گئے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہاتھ مکے کے حملہ آور تو نہ لگ سکے، لیکن ستو کی بوریاں بطور مالِ غنیمت انہیں مل گئیں۔ حضور ﷺ نے قرقرۃ الکدر تک ان کا تعاقب کیا پھر واپس تشریف لے آئے۔ عربی میں سوِیق ''ستو'' کو کہتے ہیں۔ اس لیئے اس مہم کا نام ''غزوۂ سویق'' پڑ گیا۔ یہ غزوہ یومِ بدر کے دو ماہ بعد یعنی ذوالحجہ میں پیش آیا (5)۔

(٦) غزوۂ ذی امر:

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب مدینے پر تاخت کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مدینے کا حاکم مقرر فرمایا اور محرم ۳ھ میں

Marfat.com

چار سو مجاہدین کا لشکر لے کر نکلے۔ راستے میں بنو ثعلبہ کے ہی جبار نامی ایک شخص کو گرفتار کیا گیا۔ اسے نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ جبار نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ نبی ﷺ نے اسے حضرت بلالؓ کے سپرد کر دیا۔ جبار لشکر اسلام کی راہنمائی کرتا ہوا ''ذی امر'' نامی چشمے پر لے آیا جہاں کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کو اکٹھے ہونا تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ لشکر اسلام کی آمد سے خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے اردگرد کے علاقوں پر مسلمانوں کا دبدبہ قائم رکھنے کیلئے تقریباً ایک ماہ وہاں قیام فرمایا، پھر مدینے تشریف لے آئے۔

(۷) غزوۂ بحران:

فوجی گشت کے سلسلے میں نبی ﷺ تین سو صحابہ کو لے کر حجاز کے اندر ضلع فرع کے اطراف میں بحران نامی مقام پر تشریف لے گئے۔ ربیع الآخر اور جمادی الاول ۳ھ کے دو مہینے آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا، پھر مدینے تشریف لے آئے۔

ابن ہشام اور ابن قیم کے بقول اس غزوہ کا مقصد قریش کے کسی تجارتی قافلے کو روکنا تھا۔ لیکن نہ کسی سے جنگ ہوئی اور نہ کوئی قافلہ پکڑا گیا۔ ممکن ہے اس مہم سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف قریش پر یہ ثابت کرنا ہو کہ ان کی تجارتی شاہراہ اب انکے لیئے قطعی طور پر غیر محفوظ ہو چکی ہے۔ ابن ہشام کے بقول اس دوران مدینہ پر ابن مکتومؓ بطور حاکم مقرر تھے(6)۔

(۸) سریہ زید بن حارثہ:

مکے کی معاشی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ بحرِ احمر کے ساتھ ساتھ جو شاہراہ تجارت شام کی طرف جاتی تھی اسکے اطراف میں کئی قبائل آباد تھے۔ ان قبائل سے حضور ﷺ نے بدر سے پہلے

Marfat.com

ہی غیر جانبداری یا حلیفی کے معاہدے کر لیئے تھے۔لیکن اب بدر کے بعد مسلمان قافلوں کی گزر گاہوں کی کڑی نگرانی کر رہے تھے۔کوئی قبیلہ اگر سر اٹھاتا تو فوراً اسکی سرکوبی کیلئے پہنچ جاتے۔ اسطرح ان اطراف کے قبائل مسلمانوں سے بری طرح مرعوب ہو چکے تھے۔قریش کے لیئے اب مسلمانوں سے بچا کر کوئی قافلہ ان راہوں سے لے جانا مشکل ہو گیا تھا۔بدر سے پہلے کے حالات کچھ اور تھے۔اب تو کھلم کھلا دشمنی تھی۔یہی وجہ تھی کہ مکے والے ادھر سے کوئی قافلہ بھیجنے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔مسلمانوں نے صحیح معنوں میں ان کی تجارتی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ مکہ میں نہ تو کھیتی باڑی ہوتی تھی اور نہ ہی وہاں دیگر وسائلِ حیات تھے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا پہیہ چلتا رہتا۔جو کچھ وہاں آتا تھا،تجارت کے ذریعے سے آتا تھا۔اگر ان کی ناکہ بندی جاری رہتی تو فاقوں کی موت انکا مقدر بنتی۔چنانچہ اہلِ مکہ نے طویل سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ تجارتی قافلہ شام کی طرف ضرور بھیجا جائے،لیکن معروف تجارتی شاہراہ سے نہیں بلکہ عراق کی طرف سے۔''طریق الشرق'' عراق کی طرف سے شام کو جاتا تھا اور بڑا طویل تھا۔ مزید برآں مکے کے تاجروں کو اسکا کوئی تجربہ بھی نہ تھا۔اس لیئے ایک شخص فرات کو تیار کیا گیا جو واقفِ راہ تھا۔یہ قافلہ جس میں کافی زیادہ مال و اسباب کے علاوہ کثیر تعداد میں سونے چاندی کے ظروف بھی تھے،فرات کی راہنمائی میں شام کی منڈی میں جانے والا تھا۔دریں اثنا مدینے کے ایک شخص نعیم بن مسعود کو جو ان دنوں مکے آئے ہوئے تھے،قافلے کی روانگی کے بارے پتہ چل گیا۔یہ فوراً مدینے آئے اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے زیدؓ بن حارثہ کو سو سواروں کا دستہ دے کر روانہ فرمایا۔ زیدؓ بن حارثہ نے برق رفتاری سے سفر کیا اور قردہ کے پہاڑی چشمے پر اس قافلے کو جا لیا۔قافلے کا سربراہ صفوان بن اُمیہ تھا۔صفوان اور قافلے کے محافظین مسلمان دستے کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور فرار ہو گئے۔البتہ فرات بن حیان جو کہ قافلے کا گائیڈ تھا گرفتار ہو گیا۔زیدؓ بن حارثہ نے تمام

Marfat.com

ایک لاکھ درہم مالیت کے تھے۔ اس کے علاوہ اور مال و اسباب بھی تھا۔ حضور ﷺ نے خمس نکال کر باقی مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ فرات بن حیان پہلے حضور ﷺ کے بارے میں ہجویہ اشعار کہا کرتا تھا۔ لیکن مدینے آ کر جب اسنے مسلمانوں کے طرز زندگی کو دیکھا تو اس کی کایا پلٹ ہوگئی۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور معافی مانگی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ حضور ﷺ کی منقبت میں اعلیٰ درجے کے قصائد کہنے لگا۔ الزرجانی کہتا ہے "کان مما هجا رسول الله ﷺ ثمّ مدحه فقبل مدحه" یعنی فرات جس زبان سے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے اس سے آپ ﷺ کی مدح کرنے لگے اور آپ ﷺ نے انکی مدح قبول فرمائی (7)۔

(۹) قریبی صحابہ سے رشتے داری:

حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حفصہؓ حضرت خنیسؓ کے نکاح میں تھیں۔ لیکن سات ماہ پہلے خنیسؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ انکی بیٹی کا رشتہ حضرت عثمانؓ سے ہو جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا جس سے حضرت عمرؓ سخت رنجیدہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی دلگیری اور اپنے ساتھ انکے تعلق کو مضبوط تر بنانے کیلئے حفصہؓ سے نکاح کر لیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کو اپنے قریب تر کرنے کیلئے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ سے انکا نکاح کر دیا۔ اسی طرح اپنی دوسری صاحبزادی امّ کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی کیونکہ حضور ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ جو کہ قبل ازیں حضرت عثمانؓ کے عقد میں تھیں، وفات پا چکی تھیں۔ یوں حضور ﷺ نے اپنے قریبی صحابی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے ساتھ اپنے تعلقات کو رشتے داری کے حوالے سے بھی مستحکم کر لیا۔

Marfat.com

(۱۰) بدر سے احد تک کے درمیانی وقفے پر ایک نظر:

جیسے کہ اس باب کے شروع میں یہ کہا گیا ہے کہ بدر کے بعد مسلمانوں کو چار بڑی قوتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ ایک یہود، دوسرے منافقین، تیسرے مشرکین (بشمول قریش) اور چوتھے وہ بدوی قبائل جن کا ذریعہ معاش لوٹ مار تھا یا ٹیکس لے کر قافلوں کو اپنے علاقے سے بحفاظت گزارنا تھا۔ اسطرح ریاستِ مدینہ کو ایک طرف اندرونی خلفشار کا چیلنج درپیش تھا تو دوسری طرف خارجی جارحیت کا خطرہ لاحق تھا۔ نبی ﷺ نے اس چومکھی لڑائی میں جس سیاسی بصیرت، انتظامی تدبر اور فوجی مہارت کا ثبوت دیا، اسکی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے بنوقینقاع کو بدعہدی کی سزا جلاوطنی کی صورت میں دی۔ اس ناسور کو اب مدینے کی سرزمین میں برداشت کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ اس لیئے اسے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ اسطرح مدینے کی سیاسی و سماجی زندگی بڑی حد تک پرسکون ہوگئی۔ آپ ﷺ کے اصل دشمن قریش تھے جو مدینے کے شر پسند عناصر سے مل کر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ بنوقینقاع کے خروج کے بعد ان کے لیئے ممکن نہ رہا کہ مدینے میں وہ موثر طور پر سازشوں کو ہوا دے سکیں۔ تاہم عبداللہ بن اُبی کے علاوہ مشرکوں سے انکے روابط بدستور قائم تھے اور وہ ریشہ دوانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ لیکن مدینے کے مشرکوں اور منافقوں پر اب مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو چکی تھی اور وہ اعلانیہ معاندانہ کاروائیوں سے احتراز کرنے لگے تھے۔ گستاخانِ رسول ﷺ کے عبرتناک انجام نے بھی انکی آنکھیں کھول دی تھیں۔

رسول اللہ نے قریش کی تجارت کی مکمل ناکہ بندی کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کی نظر گہری اور قوت فیصلہ انتہائی صائب تھی۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اطرافِ مدینہ کے قبائل کو سختی سے دبا کر رکھا بلکہ قریش کو یہ جرات بھی نہ ہونے دی کہ وہ حسبِ سابق اپنے تجارتی

Marfat.com

معمولات کو جاری رکھ سکیں۔ پھر جب طریق التّرق سے انہوں نے قافلہ بھیجنے کی کوشش کی تو اسے بھی آپ ﷺ نے ناکام بنا دیا۔ اس طرح قریش مکہ کا ناطقہ بند ہو گیا۔ ان کے لیئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ یا وہ خود مسلمانوں میں ضم ہو جائیں یا ان سے فیصلہ کن ٹکر لیں۔ گردونواح کے بدوی قبائل کی روزی بھی بند ہو چکی تھی۔ ان کے سامنے بھی دو ہی راستے تھے، یا تو مسلمان ہو جائیں یا پھر آپس میں اتحاد کر کے قریش سے مل جائیں اور مسلمانوں کے استیصال کے لیئے سعی کریں۔ اسطرح سرزمین عرب پر پہلی دفعہ بین القبائلی اتحاد کا حقیقی رجحان پیدا ہوا اور مختلف متحارب و متخاصم قبائل و شعوب کے ایک مرکزی قوت کے زیر نگیں آنے کا امکان نظر آنے لگا۔

ریاست مدینہ کے استحکام کے ساتھ ساتھ اس علاقے کی طرزِ معیشت میں بھی بنیادی تبدیلی آ رہی تھی۔ سرایا و غزوات سے مجاہدین کو جو غنائم حاصل ہوئے ان سے ان کی معاشی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ بدوی قبائل کا طرزِ معیشت اب دم توڑ رہا تھا۔ قریش نہ صرف معاشی بدحالی کا شکار تھے بلکہ ان کی مذہبی ساکھ بھی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ اسلام کی کامیابیوں کے چرچے عرب کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گئے تھے اور وہاں ایک نئے دین اور نئے نظام حیات کو سمجھنے کا رجحان تیزی سے پنپ رہا تھا۔

رسول اللہ ہر کام پر تبلیغ دین کو فوقیت دیتے تھے۔ چنانچہ بدر اور احد کے درمیانی وقفے میں بھی آپ ﷺ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام پوری دلجمعی سے جاری رکھا۔ عسکری اور انتظامی معاملات سے جب بھی آپ ﷺ کو فرصت ملتی، آپ ﷺ لوگوں کی اخلاقی تربیت اور مذہبی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دیتے۔ اسطرح مسلمانوں کا معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی سانچے میں ڈھلتا گیا۔

Marfat.com

اگر چہ اسلام کا رشتہ مسلمانوں کے درمیان ایک لازوال رشتہ تھا، پھر بھی آپ ﷺ نے اپنے قریبی صحابہ سے رشتے داری استوار کر کے اپنے گرد حمایت وتعاون کے حصار کو مضبوط تر بنالیا۔

Marfat.com

انیسواں باب

یوم احد

بدر کی شکست اور پھر قافلۂ صفوان بن اُمیہ کی بربادی نے قریش کے جذبہ انتقام کو اس حد تک ابھار دیا کہ انہوں نے اپنے تمام تر وسائل ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں جھونک دیئے۔ ابوسفیان کے اس قافلے سے جو مسلمانوں سے بچ کر مکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اہل مکہ کو بہت منافع حاصل ہوا تھا۔ اس کا اندازہ تقریباً پانچ ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ لگایا جاتا ہے۔ اہل مکہ نے یہ خطیر رقم جنگی اخراجات کے لیئے وقف کر دی۔ اس کے علاوہ لوگوں کی کثیر تعداد نے چندے اور عطیات بھی دیئے۔ پھر انہوں نے گردونواح کے قبائل کو بھی جنگ پر آمادہ کرنے کی مہم شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے شعراء کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ لوگوں کے جذبات کو مشتعل کریں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ قریش کے پرچم تلے جمع ہوں۔ مشہور شاعر ابوعزہ جنگ بدر میں قید ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے کثیر العیال ہونے کی بنا پر رہائی کی درخواست کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس شرط پر بلا فدیا چھوڑ دیا تھا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا۔ قریش نے جب اسے مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کی ترغیب دی تو پہلے اس نے انکار کر دیا۔ لیکن صفوان بن امیہ نے اسے لالچ دیا کہ جنگ کے بعد اسے کثیر دولت ملے گی اور اس کے اہل وعیال کی بھی مناسب دیکھ بھال کی جائے گی۔ اس پر ابوعزہ راضی ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کیئے ہوئے پیمان کو فراموش کر دیا اور قریہ قریہ گھوم کر لوگوں کے دلوں میں آتش انتقام بھڑکانے لگا۔ ابوعزہ کی طرح ایک اور مشہور شاعر مسافع بن عبد مناف جمحی بھی اس کام میں شریک ہو گیا۔ ابوعزہ بنو کنانہ کو ساتھ ملانے

Marfat.com

کیلئے تہامہ گیا اور یہ شعر پڑھے:

اَیُّھاَ بَنِي عَبدِ مناۃ الرّزام اَنتُم حُمَاۃ" وَاَبُو کُم حَام

اے عبد مناۃ! جو کہ میدان رزم میں جم کر لڑنے والے ہو، تم اپنے آباء کی طرح بڑے زور آور اور حمایت کے آدمی ہو، (اس موقع پر) مدد کرو!

لَا تَعِدُو نِي نَصرَ کُم بَعدَ العَام لَا تُسلِمُو نِي لَا یَحِلّ اسلَام

اس سال کے بعد تمہیں ہماری مدد و نصرت کے وعدے کی ضرورت نہیں، ہمیں دشمن کے ہاتھوں میں مت چھوڑ دو، کیونکہ ایسا کرنا کسی طرح روا نہیں،

مسافع بن عبد مناف بنو مالک بن کنانہ کے پاس گیا اور یہ شعر پڑھے:

یَا مَالُ مَالُ الحَسبِ المُقَّدم اَنشُدُذَ اَلقُربیٰ وَذالتَذمّم

مَن کَانَ ذَا رُحمٍ وّ مَن لَمّ یَرحَم اَلحِلَف وَسُطَا البَلَدِ المُحرّمِ

عند حَطیم الکَعبَۃِ المُعَظّمِ

اے بنو مالک بن کنانہ! پہلی سی شرافت و غیرت کو کیا ہو گیا کہ میں کبھی اس قرابت دار کو اور کبھی اس ذمہ دار آدمی کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں (تمہیں بتاؤ) رحم و ہمدردی والے کون تھے؟ کعبہء معظم کے مقام حطیم کے نزدیک قابلِ احترام شہر (مکہ) کے بیچوں بیچ کسی نے ہمدردی نہیں کی (تمہیں لوگوں نے کی تھی)، پھر اب کیا ہو گیا؟)

تہامہ اور کنانہ کے قبیلوں کے علاوہ احابیش کو بھی لشکر میں شامل کر لیا گیا۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام جس کا نام وحشی تھا، خاص طور پر شامل کیا گیا۔ اسکی کنیت ابو دسمہ تھی۔ ھند بنتِ عتبہ نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ لڑائی میں حضرت حمزہؓ کو قتل کر دے، تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ وحشی کو حربہ (چھوٹا نیزہ) چلانے میں خاص مہارت تھی۔ چنانچہ اسے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا گیا۔ بنت عتبہ یعنی ہند آتے جاتے اسے اکساتی تھی اور کہتی تھی:

Marfat.com

"اَشفِ وَ استَشفِ" یعنی میرا کلیجہ بھی ٹھنڈا کر اور اپنا بھی!

اہل قریش نے فیصلہ کن جنگ کیلئے کچھ اہم خواتین کو ساتھ رکھنا ضروری سمجھا۔ تا کہ وہ جنگ بازوں کو غیرت دلاتی رہیں اور وہ انہیں دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے کا نہ سوچ سکیں۔

یہ خواتین مندرجہ ذیل تھیں (1):

۱۔ ہند بنت عتبہ: ہند ابوسفیان کی بیوی تھی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی۔ اسکا باپ عقبہ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

۲۔ اُمّ حکیم بنت حارث: یہ عکرمہ (ابوجہل کے بیٹے) کی بیوی تھی۔

۳۔ فاطمہ بنت ولید: حضرت خالد کی بہن تھی۔

۴۔ برزہ بنت مسعود بن عمر: طائف کے رئیس مسعود ثقفی کی بیٹی تھی۔

۵۔ ریطہ بنت منبہ: عمر بن العاصؓ کی زوجہ تھی۔

۶۔ خناس بنت مالک: مُصعب بن عمیر کی ماں تھی۔

ان کے علاوہ ابن ہشام نے دو اور عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو جنگ میں شریک ہوئیں۔ یہ سلافہ بنت سعد اور عمرہ بنت علقمہ تھیں۔ خناس اور عمرہ کے علاوہ باقی سب خواتین بعد ازاں مسلمان ہوگئی تھیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور خواتین بھی لشکر میں شامل تھیں جن کی وجہ سے ان کی کل تعداد پندرہ ہوگئی تھی۔ یہ عورتیں ہند کی قیادت میں دف بجا بجا کر رزمیہ اشعار گاتی تھیں جس سے لشکریوں میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۱) لشکرِ قریش کی روانگی:

قریش کے لشکر میں کئی قبائل شامل ہو گئے جن میں احابیش کے علاوہ بنو کنانہ اور اہل تہامہ بھی تھے۔ لشکر کی مجموعی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔ لشکر میں سواری اور بار برداری کیلئے تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے۔ زرہ پوشوں کی تعداد سات سو کے قریب تھی۔ گھڑ سوار دستے کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ اور حسب روایت بنی عبد الدار علمبردار تھے۔ اس لشکر کا سربراہ ابوسفیان تھا۔ ابوسفیان بدر میں اپنی ناکامی کے اسباب سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اس لیئے اس دفعہ اس نے پوری جنگی منصوبہ بندی کی اور اپنے لائحہ عمل کو صیغۂ راز میں رکھا۔ جنگ کی تیاریاں تو چھپائی نہیں جا سکتی تھیں۔ مکہ میں اور ارد گرد کے علاقوں میں دھوم مچی ہوئی تھی کہ اہل قریش مسلمانوں سے لڑنے جا رہے ہیں۔ تاہم یہ جنگ کس مقام پر ہوگی؟ اور اس کا طریق کار کیا ہوگا؟ اس کا علم صرف ابوسفیان کو تھا۔

لشکرِ قریش شوال ۳ھ (مارچ ۶۲۴ء) میں مکے سے روانہ ہو گیا۔ عم رسول ﷺ حضرت عباسؓ مکے میں ہی مقیم تھے۔ یہ اگرچہ مشرف با اسلام ہو چکے تھے، تاہم بعض مصلحتوں کے تحت انہوں نے اپنا اسلام مخفی رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے لشکر قریش کی روانگی کی خبر ایک تیز رو نامہ بر کے ذریعے رسول ﷺ کو بھیج دی۔ قاصد اگرچہ تین ہی دن میں مدینہ جا پہنچا، تاہم اطلاع رسانی میں تاخیر ہو چکی تھی۔ اور ابوسفیان مدینے کے مضافات میں داخل ہو چکا تھا۔

(۲) مدینے میں ردِّ عمل:

جس وقت حضرت عباسؓ کا قاصد انکا مکتوب لے کر مدینہ پہنچا تو نبی ﷺ مسجدِ قبا میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے آپ ﷺ کو خط پڑھ کر سنایا۔ حضور ﷺ نے انہیں لشکر قریش کی روانگی کی اطلاع اپنے تک محدود رکھنے کی تاکید فرمائی اور خود فوراً مدینے چلے

آئے۔

مدینے میں خطرے کی خبر آناً فاناً ہر طرف پھیل گئی۔ فوری طور پر کچھ دستے ان راستوں پر متعین کر دیئے گئے جن سے دشمن مدینے میں داخل ہو سکتا تھا۔ کچھ دستوں نے اہم مقامات پر گشت شروع کر دیا۔ کچھ انصاری صحابہ نے رسول ﷺ کی حفاظت کیلئے پہرہ دینا شروع کر دیا۔ ہر شخص جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ لوگ نمازیں ادا کرتے ہوئے، ادھر ادھر چلتے پھرتے ہوئے، اور رات کو آرام کرتے ہوئے مسلح رہنے لگے۔

(۳) فوجی مشاورت:

رسول ﷺ نے ۵ شوال کو انسؓ اور مونسؓ کو مدینے کے باہر بھیجا کہ وہ قریش کے لشکر کی خبر لائیں۔ انہوں نے آ کر عرض کی کہ دشمن سر پر آ پہنچا ہے اور عریض کی چراگاہ روند ڈالی ہے۔ حبابؓ بن منذر دشمن کی تعداد کا صحیح تخمینہ لگا کر آئے اور انہوں نے بتایا کہ تقریباً تین ہزار قریشی سپاہی وادی قنات تک پہنچ گئے ہیں۔

اگلی صبح آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی میں سرکردہ صحابہ کی مجلسِ مشاورت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کچھ گائیں اور بیل ذبح کئے جا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا ہے کہ میری تلوار میں ایک دندانہ پڑ گیا ہے اور میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں ڈال لیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو اس خواب کی تعبیر سے آگاہ فرمایا: گائیوں کے ذبح ہونے کا مطلب ہے کہ میرے کچھ ساتھی شہید ہو جائیں گے۔ تلوار میں دندانہ پڑنے کا مطلب ہے کہ میرے گھر کا کوئی فرد قتل ہو جائے گا اور ہاتھ محفوظ زرہ میں داخل کرنا اس امر کی علامت ہے کہ مسلمان مدینہ شہر میں محفوظ و مامون رہیں گے (2)۔

پھر نبی ﷺ نے صحابی کو اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں چاہئے کہ

Marfat.com

مدینے کے اندر ہی رہ کر دفاعی جنگ کریں۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ قریش کا اتنا بڑا لاؤ لشکر چند ہی دنوں میں غذائی قلت کا شکار ہو جائے گا۔ عورتوں اور بچوں کے بارے میں آپ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ انہیں محفوظ مکانوں اور گڑھیوں میں پہنچا دیا جائے اور دشمن اگر شہر کے اندر داخل ہو بھی جائے تو چھتوں پر سے پتھراؤ کیا جائے۔ اسطرح امکان تھا کہ اپنا نقصان تو کم ہو گا لیکن دشمن کو زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچے گا۔

آپ ﷺ کی رائے سے عبداللہ بن ابی نے اتفاق کیا اور کہا کہ مدینے کے اندر آ کر دشمن کیلئے غلبہ پانا مشکل ہے۔ لیکن صحابہ کی ایک قابلِ ذکر تعداد نے یہ تجویز دی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ ان میں اکثریت ان صحابیوں کی تھی جو غزوۂ بدر میں دادِ شجاعت نہ دے سکے تھے اور چاہتے تھے کہ بدر کے مجاہدین کی طرح وہ بھی میدان کارزار میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں۔ حضرت حمزہؓ نے بھی کھلے میدان میں جنگ کرنے پر اصرار کیا۔ اسطرح مسلمان مجاہدین دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور ایک وہ جو شہر سے باہر کفار سے لڑنا چاہتے تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد نبی ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

ان صحابہ کو جو شہر سے باہر جنگ کرنا چاہتے تھے، خیال گزرا کہ شاید نبی ﷺ کو ان کی رائے گراں گزری ہے۔ چنانچہ وہ بہت پشیماں ہوئے۔ اتنے میں نبی ﷺ زرہ پہنے ہوئے گھر سے باہر آئے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ: آپ ﷺ جیسا مناسب سمجھتے ہیں، ویسا ہی کریں، ہم شہر کے اندر رہ کر بھی دفاع کرنے پر تیار ہیں۔

لیکن نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ہتھیار لگا کر انہیں اتارے، مقابلہ اب میدان جنگ میں ہی ہو گا۔

Marfat.com

(۴) مجاہدین کی روانگی:

اسلامی لشکر ایک ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ان میں سے زرہ پوش صرف ایک سو تھے اور پچاس گھڑ سوار تھے (3)۔ابن امّ مکتومؓ کو مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض انجام دینے پر مامور کیا گیا۔ نبی ﷺ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ایک مہاجرین کا دستہ تھا جس کی کمان مُصعبؓ بن عمیر کے پاس تھی۔انصار کے قبیلہ اوس کا دستہ اُسیدؓ بن حُضیر کے زیرِ قیادت تھا۔قبیلہ خزرج کے مجاہدین حضرت حبابؓ بن مُنذر کے پرچم تلے اکٹھے تھے۔آپ ﷺ شمال کی طرف روانہ ہوئے۔راستے میں انہیں یہودیوں کا دستہ ملا۔انہوں نے آپ ﷺ سے مسلمانوں کی حمایت میں جنگ میں شامل ہونے کی درخواست کی۔لیکن آپ ﷺ نے غیر مسلموں کی مدد لینے سے انکار کا دیا۔

مدینے سے کچھ دور ''شیخین'' کے مقام پر آپ ﷺ نے رک کر لشکر کا جائزہ لیا۔نو عمر لڑکوں کو واپس بھیج دیا گیا۔تاہم رافع بن خَدیج کو جو ماہر تیر انداز تھے لشکر میں شمولیت کی اجازت مل گئی۔اس پر سمرہؓ بن جندب نے کہا کہ اگر رافع کو شامل کیا جا رہا ہے تو مجھے بھی لڑنے کی اجازت ملنی چاہیئے کیونکہ میں کشتی میں رافعؓ کو ہرا سکتا ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے سمرہؓ کے دعوے کی تصدیق کے لیئے دونوں کی کشتی کروائی تو سمرہؓ نے رافعؓ کو ہرا دیا۔اسطرح سمرہؓ کو بھی ساتھ لے لیا گیا۔

اسی مقام پر شام ہو گئی تھی۔آپ ﷺ نے نمازِ مغرب ادا کی اور رات یہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔محمد بن مسلمہ انصاری جنہوں نے کعب بن اشرف کے فتنے کا اسیصال کیا تھا، پچاس مجاہدین کے ہمراہ رات کو گشت کرتے رہے۔ذکوانؓ بن عبدالقیس ساری رات رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے باہر پہرہ دیتے رہے۔

Marfat.com

اگلے دن منہ اندھیرے لشکر نے کوچ کیا اور احد اور مدینے کے درمیان مقام ''شوط'' پر جا کر نمازِ فجر ادا کی۔ یہاں دشمن کا لشکر بالکل قریب تھا اور اسے دیکھا جا سکتا تھا۔ یہاں سے عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ وہ یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد ﷺ نے میری تجویز قبول نہیں کی لہذا میں دیدہ دانستہ موت کے منہ میں نہیں جاؤنگا۔ عبداللہ بن ابی کا اصل مقصد لشکر اسلام میں بددلی پھیلانا تھا ورنہ وہ مدینے سے مقام شوط تک ساتھ ہی نہ آتا۔ تین سو فوجیوں کے عین میدان جنگ میں پہنچ کر منحرف ہو جانے کا اثر یہ پڑا کہ قبیلہ اوس کی شاخ بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ بھی بددل ہو کر لشکر سے علیحدگی کا سوچنے لگے۔ لیکن پھر نبی ﷺ کے ہمت بندھانے پر اپنی بزدلی پر پشیمان ہوئے اور دلجمعی سے لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔ قرآن حکیم (۳:۱۲۲) میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ اپنے لشکر کو لے کر کھیتوں اور باغوں سے ہوتے ہوئے کوہِ احد کے نیم مدوّر میدان میں آ کر فروکش ہو گئے۔ احد مسلمانوں کی پشت پر تھا اور انکا رخ مدینے کی طرف تھا۔ یہ مقام ایک مختصر فوج کے لیئے محفوظ ترین مقام تھا۔

(۵) میدانِ جنگ کی جغرافیائی و حربی کیفیت:

اُحد ایک پہاڑ ہے جو کہ مدینے کے شمال میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ یہ پہاڑ دیگر پہاڑوں سے الگ تھلگ اور منفرد ہے، اس لیئے اسے ''اُحد'' کہا جاتا ہے۔ مسجدِ نبوی سے اس کا فاصلہ ساڑھے تین میل بنتا ہے۔ اگرچہ احد پہاڑ پر کہیں روئیدگی نہیں، تاہم بارش کا پانی متعدد غاروں اور قدرتی حوضوں میں جمع ہو جاتا ہے جسے لوگ عرصے تک استعمال کرتے رہتے ہیں۔ احد تقریباً تین میل لمبا پہاڑ ہے اور اس کا شمالی رخ ایک بلند دیوار کی طرح ٹھوس چٹانوں پر مشتمل ہے جن میں کوئی دراڑ یا درّہ نہیں۔ مدینہ کے رخ پر جبلِ احد کے درمیان میں ایک قوس سی بنتی ہے جس سے ایک تنگ گزرگاہ پہاڑ کے اندر ایک کشادہ میدان کی طرف جاتی ہے۔ اس

Marfat.com

میدان میں رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا (4)۔

یہاں ایک سوال قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے۔ مکہ مدینے کے جنوب میں ہے۔ وہاں سے آنے والے لشکر نے مدینہ کے شمال میں کوہ احد کو جنگ کے لیئے کیوں منتخب کیا۔ وہ مدینے کو پہلو میں چھوڑتے ہوئے آگے کیوں بڑھ گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مکی لشکر کے لیئے جنوب کی طرف سے مدینہ داخل ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ اس سمت گھنے نخلستان تھے جن کے درمیان میں سے فوج کو گزارنا مشکل تھا۔ اگر کوئی فوج گزرتی بھی تو منتشر ہو کر اور قطاریں بنا کر مخصوص راستوں سے گزرتی۔ مزید برآں حرتین کے علاقے میں جمے ہوئے لاوے کی چٹانوں کی وجہ سے بڑی فوج کی نقل و حرکت بہت مشکل تھی۔ حرتین میں اگرچہ گھراور گڑھیاں بنی ہوئی تھیں، لیکن لوگ مخصوص راستوں سے ان تک آتے جاتے تھے۔ نبی ﷺ جب مکے سے مدینے ہجرت کر کے آئے تو تعاقب کے خطرے کی وجہ سے اسی طرف سے آئے تھے کیونکہ جنوبی راستہ دشوار گزار ہونے کی وجہ سے بہت کم استعمال ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مکی لشکر نے واپسی کا راستہ کٹ جانے کا خطرہ مول لیا اور وادی عقیق سے ہوتے ہوئے کئی میل دور زغابہ تک جا پہنچے۔ آمد و رفت کا یہ راستہ بڑی فوجوں کے لیئے نہایت مناسب تھا اور یہاں کی نرم ریت اونٹوں کے گزرنے کے لیے بھی بہت موزوں تھی۔ (5)

احد کے جنوب میں وادی قنات گزرتی ہے۔ (واضح رہے کہ ''وادی'' کا لفظ برساتی ریلوں کی گزرگاہ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے) وادی قناۃ کے جنوب میں جبل عینین یعنی دو چشموں کی پہاڑی ہے۔ اسی پہاڑی پر رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا۔ اس وجہ سے اسے ''جبلِ رماۃ'' بھی کہا جانے لگا (6)۔ جبلِ رماۃ اور جبلِ احد کے مشرقی بازو کے مابین آج کل چار سو گز کا فاصلہ ہے۔ اسطرح یہاں سے گزرنے والے جبلِ رماۃ سے چلائے گئے تیروں کی زد میں نہیں آتے۔ لیکن غالباً یہ گزرگاہ اس دور میں اتنی کشادہ نہ رہی ہوگی، ممکن

Marfat.com

ہے بارشوں اور سیلابی ریلوں نے اب اس گزرگاہ کا پھیلاؤ بڑھا دیا ہو (7)۔طبری نے جبلِ رُماہ پر تیر اندازوں کے متعین کرنے کی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ جبل احد کے مشرقی کونے پر اس زمانے میں ایک گھنا نخلستان تھا جس کی وجہ سے احد اور جبل رماہ کے مابین مختصر سا فاصلہ بچا ہوا تھا۔لہذا اس طرف سے آنے والے حملہ آوروں کو مسلمانوں کا تیر انداز دستہ موثر طور پر روک سکتا تھا۔طبری کی اس توجیہہ کی تصدیق حضرت ابوُدجانہؓ کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے جس میں نخلستان کا ذکر ہے (8)۔

انا الّذی عاھدنی خلیلی

ونحن بالسفح لدی النخیل

(میں وہ ہوں جس سے میرے دوست (ﷺ) نے عہد لیا، جبکہ ہم نخلستان کے پاس پہاڑ کے دامن میں تھے۔)

(٦) جنگ:

رسول اللہ ﷺ نے احد کے دامن میں پہنچ کر اسکے نیم مدوّر میدان میں قیام فرمایا۔ یہ چاروں طرف سے اونچی پہاڑیوں سے گھرا ہوا میدان تھا۔جبلِ احد مسلمان فوج کی پشت پر تھا۔مغرب کی طرف زغابہ کے مقام پر لشکرِ قریش فروکش تھا۔آپ ﷺ نے پچاس (اور ایک روایت کی رو سے سو) تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں جبلِ عینین کے درّے پر متعین فرمایا اور عبداللہ بن جبیر کو بڑی سختی سے ہدایت فرمائی: ''گھوڑ سواروں کو تیر مار کر دور رکھو! وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا! تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہو!'' پھر آپ ﷺ نے تمام قدر اندازوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''پیچھے سے ہماری حفاظت کرنا! اگر تم دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں، تو ہماری مدد کو نہ آنا! اور اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو کبھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا!'' صحیح بخاری میں یہ

Marfat.com

Marfat.com

جبلِ اُحد

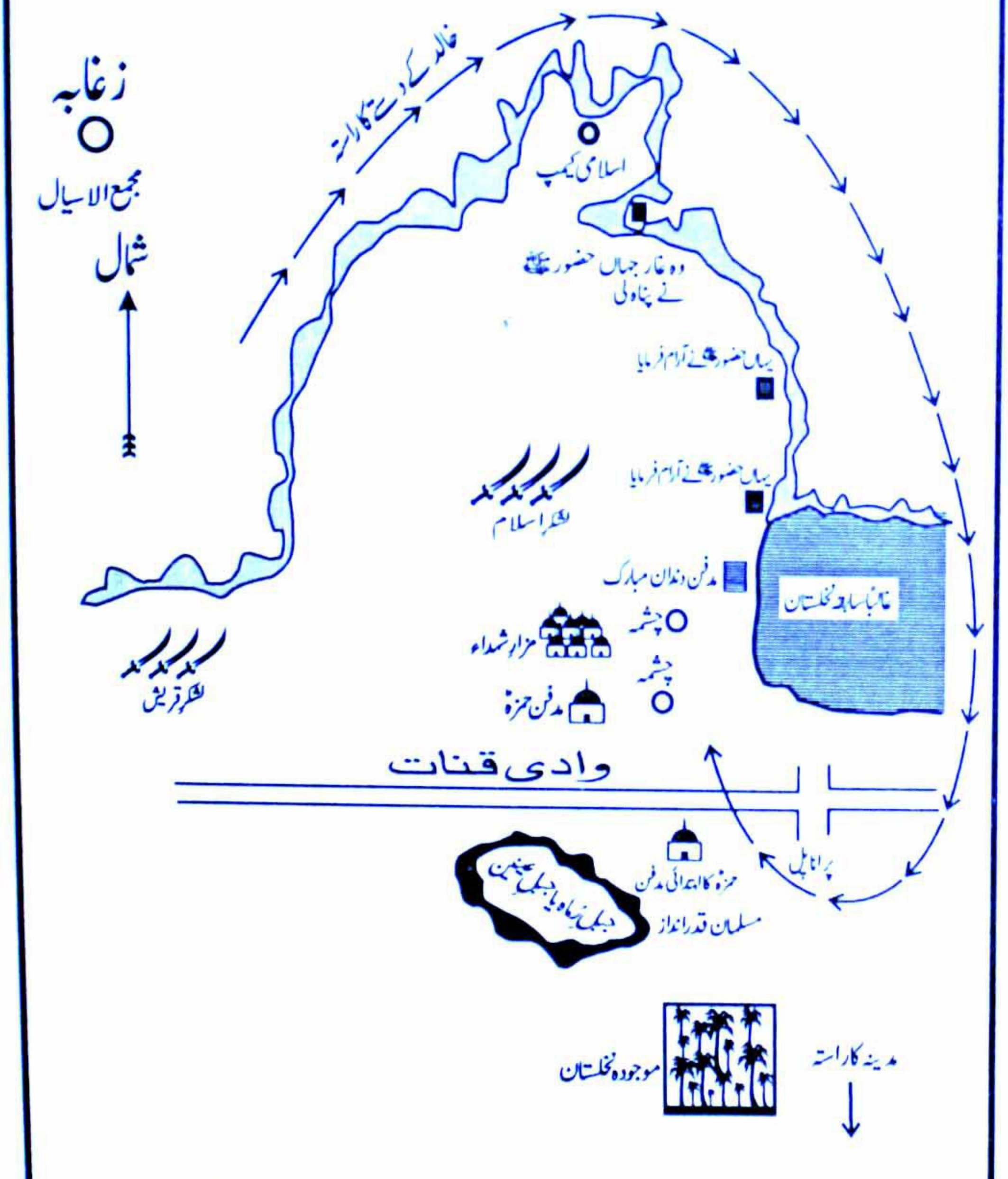

نقشہ یومِ اُحد

نقشہ نمبر ۳
ص ۳۷۸ (میدانِ جنگ کی جغرافیائی و حربی کیفیت)

Marfat.com

ہدایت یوں مذکور ہے: ''اگر تم لوگ دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا تا آنکہ میں تمہیں بلا نہ بھیجوں۔ اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا، تا آنکہ میں بلا نہ بھیجوں!'' (صحیح بخاری ج ا ص ۴۲۹)

آپ ﷺ نے اپنے لشکر کی کئی صفیں بنائیں۔ آپ ﷺ نے یہ خاص اہتمام فرمایا کہ مشرق پشت پر ہو، تاکہ چڑھتے سورج کی کرنوں سے لشکریوں کی آنکھیں خیرہ نہ ہوں۔ دشمن پہلے ہی مغربی سمت تھا۔ آپ ﷺ کی داہنی طرف پہاڑ سے محفوظ ہوگئی اور بائیں طرف کا درّہ تیر اندازوں نے مسدود کر دیا۔ اس طرح سامنے کے میدان میں یکسوئی سے مقابلہ کرنا ممکن ہوگیا۔ میمنہ پر آپ ﷺ نے حبابؓ بن عمر کو مقرر فرمایا۔ میسرہ زبیر بن عوام کی قیادت میں دے دیا اور حضرت مقدادؓ کو ان کا معاون بنا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے پورے لشکر کو ایک ہی عمومی ہدایت فرمائی کہ میری اجازت کے بغیر کوئی حملہ نہ کرے۔ یہ ہدایات اور منصوبہ بندی آپ ﷺ کے فہم وفراست اور فوجی تدبر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ کی سپاہ کی تعداد سات سو سے زائد نہ تھی۔ لشکرِ قریش ان سے چار گنا زیادہ تھا۔ ایک چار کے تناسب سے جنگ کرنے کیلئے جو حکمتِ عملی آپ ﷺ نے اختیار کی اس سے بہتر حکمتِ عملی وضع کرنا ممکن نہ تھا۔

۷ شوال ۳ھ سنیچر کی صبح اس ترتیب وانتظام کے ساتھ لشکرِ اسلام کفار کے مقابل صف آرا ہوا۔ آپ ﷺ نے اوپر نیچے دو زرہیں زیب تن کر رکھی تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار نکال کر صحابہ سے فرمایا: ''مَن یَّا خُذُ هَذا السَّیف بِحَقِّه؟''

یعنی کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرے گا؟ یہ سن کر کئی صحابہ لپکے لیکن آپ ﷺ نے تلوار کسی کو نہ دی۔ حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ آگے بڑھے اور کہنے لگے: ''یا رسول اللہ ﷺ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے دشمن کے چہرے پر ضربات لگاؤ حتیٰ کہ یہ

Marfat.com

نیزھی ہو جائے!'' ابو دجانہ نے کہا: ''میں اس تلوار کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے یہ تلوار انہیں عطا کر دی۔ ابو دجانہؓ نے تلوار لی اور سرخ پٹی سر پر باندھ لی۔ یہ پٹی تا دمِ مرگ قتال کرتے رہنے کی علامت تھی۔ ابو دجانہؓ تلوار لے کر اکڑ اکڑ کر چلنے لگے۔ رسول اللہ نے فرمایا: '' اِنّما لَمِشِیَتُہٗ یَبْغَضَھَا اللہُ اِلّافِي مِثل ھٰذَا الموَطَنِ ''یعنی یہ چال اللہ کو سخت ناپسند ہے، تاہم اس موقع پر نہیں!''

قریش کی سپاہ بھی سامنے صف آرا تھی۔ ابو سفیان سالارِ اعظم تھا جو کہ قلب میں موجود تھا۔ میمنہ پر خالد بن ولید متعین تھے جبکہ میسرہ عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں تھا۔ پیادہ فوجیوں کی قیادت صفوان بن اُمیہؓ کے پاس تھی اور قدر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ عَلم برداری کا فریضہ حسبِ روایت بنی عبدالدّار کو سونپا گیا تھا۔ ابو سفیان نے انہیں خوب غیرت دلائی تھی جس سے انہوں نے ہر حال میں عَلم کی حرمت کو قائم رکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو فاسق ابو عمرو جو عبد عمرو بن سیفی بن مالک بن النعمان (بن ضبیعہ) میں سے تھا، مکہ کے حبشیوں اور غلاموں کو لے کر اپنی سپاہ سے نکلا اور قبیلہ اوس کے لوگوں کو بہکانے لگا۔ ابو عمرو کچھ عرصہ پہلے قبیلہ اوس کے پچاس جوانوں اور ایک روایت کے مطابق پندرہ جوانوں کو لے کر مکہ جا بسا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کی کاروائیوں میں شریک ہو سکے۔ جب اس نے اوس کے جوانوں کو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑنے کی ترغیب دی تو انہوں نے اسے سخت لعن طعن کی اور کہا: ''او بدکار! خدا تجھے آنکھوں سے محروم کر دے!'' یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکا نام فاسق رکھ دیا تھا۔ ابو عمرو بہت مایوس ہوا۔ اس نے بڑے جوش سے جنگ میں حصہ لیا اور پتھر برسائے۔

قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر اپنے مردوں کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ ہند بنت عتبہ یہ رجز پڑھ رہی تھی:

وَیھا بنی عبدا لدّار وَیھا خماۃ الا دبار

ضربنا بکُلّ بتّار

''اٹھ کھڑے ہو بنی عبدالدار! اٹھ کھڑے ہو! اپنے پیچھے رہنے والے آدمیوں کی مخالفت کرنے والو! اٹھ کھڑے ہو! اور ہر شمشیر زن پر کاری ضربیں لگاؤ!''

ہند دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر یہ اشعار بھی پڑھتی تھی:

نَحنُ بنَات ُ الطّارق نَمشِی عَلی النُمَارِق

اِن تقبِلوُا نُعَانِق اَو تُدبِرُو انُفَارق

فرَاقُ غَیر وَامِق

''ہم آسمانی ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ اگر تم آگے بڑھ کر مقابلہ کرو گے تو ہم تمہیں اپنے سینے سے لگائیں گی۔ اور اگر پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تو قریب نہ پھٹکنے دیں گی۔ اور اس طرح چھوڑ دیں گی جسطرح کوئی محبت نہ کرنے والا چھوڑ دیتا ہے۔''

سب سے پہلے لشکرِ قریش میں سے طلحہ بن ابی طلحہ البدری جو کہ کفار کا علمبردار تھا، نکلا اور دعوتِ مبارزت دی۔ یہ بہت زور آور اور شجاع شخص تھا۔ اس کا مقابلہ کرنے سے کئی مسلمان ہچکچائے۔ لیکن دفعتاً حضرت زبیر مسلمانوں کے لشکر سے نکلے اور ایک ہی جست میں اس کے اونٹ پر جا چڑھے اور اسے لیئے ہوئے زمین پر آ گرے۔ پھر انہوں نے اسے لٹا کر ذبح کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے بلند آواز میں انہیں شاباش دی اور کہا کہ زبیر میرے حواری ہیں۔

اسکے بعد عام جنگ شروع ہوگئی۔ جھنڈے کے گرد بڑے زور شور سے لڑائی ہونے لگی۔ طلحہ کا علَم طلحہ کے بھائی عثمان بن طلحہ نے تھام لیا۔ لیکن اسے حضرت حمزہؓ نے مار گرایا۔ کفار میں سے ابوسعید بن ابی طلحہ آگے بڑھا اور پرچم پکڑ لیا۔ سعد بن ابی رقاصؓ نے اسی لمحے تیر چلایا جو

Marfat.com

اسکے حلق میں پیوست ہوگیا۔اب عَلم مسافع بن طلحہ کے ہاتھ میں منتقل ہوگیا،لیکن یہ بھی حضرت عاصمؓ بن ثابت کے تیر کا شکار ہوکر گرگیا۔اسکے بعد اسکے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھالیا،لیکن یہ حضرت زبیرؓ بن عوام کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔جلاس بن طلحہ آگے بڑھا اور پرچم پکڑ لیا،مگر حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ نے اسے بھی مار ڈالا۔اس طرح عبدالدّار کے نو افراد علمبرداری کے سلسلے میں باری باری قتل ہوئے۔تاہم انہوں نے جھنڈا زمین پر گرنے نہیں دیا۔جب عبدالدّار میں سے کوئی جھنڈا اُٹھانے والا نہ رہا،تو ایک حبشی غلام صواب نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔جنگ کرتے ہوئے اسکے دونوں بازو کٹ گئے۔لیکن اس نے لیٹے لیٹے گھٹنے کی مدد سے جھنڈے کو سینے سے لگائے رکھا۔لیکن تھوڑی دیر بعد صواب بھی دم توڑ گیا۔اب جھنڈا اُٹھانے والا کوئی نہ تھا اور یہ زمین پر پڑا رہا۔

ادھر میدان جنگ کے دوسرے حصوں میں گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔حضرت دجانہؓ سر پر سرخ پٹی باندھے کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے۔ایک دفعہ یوں ہوا کہ ہند بنت عتبہ ان کی تلوار کی زد پر آ گئی،لیکن انہوں نے فوراً تلوار پیچھے کھینچ لی تاکہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار پر کسی عورت کے خون کا الزام نہ آسکے۔حضرت علیؓ،حضرت عمرؓ،حضرت زبیرؓ بن عوام،حضرت حمزہؓ اور دیگر صحابی اپنی تلواروں کے جوہر دکھا رہے تھے۔حضرت حمزہؓ کے خوف سے کفار تھرا رہے تھے اور انکے سامنے آنے سے کترا رہے تھے۔لیکن افسوس کہ ہند کے غلام وحشی نے انکی بے خبری میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ سے ان پر اپنا حربہ چلایا جو ان کے پیٹ سے آر پار ہوگیا اور وہ شہید ہو گئے۔

جنگ میں حضرت حنظلہؓ الغسیل بھی شامل تھے۔ان کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔یہ ابوعمرو فاسق کے بیٹے تھے،لیکن دولتِ ایمان سے مالا مال تھے۔حنظلہؓ کو ابوسفیان کی فکر تھی۔چنانچہ وہ لڑتے ہوئے اسکے قریب پہنچ گئے۔قریب تھا کہ وہ اسے قتل کر دیتے،لیکن

Marfat.com

اچانک پیچھے سے کسی نے وار کیا اور وہ شہید ہو گئے۔

ساڑھے چھ سو یا چھ سو مسلمان یوں کندھے سے کندھا ملائے لڑ رہے تھے کہ ان کا متحرک قلعہ جس طرف بھی قریش پر حملہ آور ہوتا، ان کی صفیں بید کی طرح لچک جاتیں۔ رفتہ رفتہ ان ثابت قدم مسلمانوں کے شدید حملوں سے قریش کی صفوں میں انتشار پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ کسی کو جرات نہ ہوئی کہ صواب کے ہاتھوں سے گرا ہوا جھنڈا اٹھائے۔ جھنڈا ویسے بھی کسی فوج کی جرأت و ہمت کی علامت ہوتا ہے۔ جب تک یہ بلند رہے فوج اسکے سائے میں جوش و خروش سے لڑتی رہتی ہے۔ جھنڈے کے زمین بوس ہونے سے لشکرِ قریش میں بددلی پھیل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد کفار پسپا ہونے لگے اور پھر منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ بت بھی لائے تھے جو میدان میں ہی ایک اونٹ کے ہودج میں دھرے رہ گئے۔ ہند اور دیگر عورتیں پائینچے اٹھائے بھاگ رہی تھیں۔ ان کی پنڈلیاں اور پازیبیں نظر آ رہی تھیں۔ (9)

جونہی کفار میدان چھوڑ کر بھاگے، مسلمان مجاہدین مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ جبلِ عینین پر حضور ﷺ نے تیراندازوں کا جو دستہ مقرر فرمایا تھا، اسکے بھی بیشتر سپاہی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے کیلئے دشمن کے کیمپ کی طرف لپکے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں پکارا اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی یاددہانی کرائی۔ لیکن تیراندازوں کو یقین ہو چکا تھا کہ کفار میدان چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔ مال غنیمت کی کشش ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنا مورچہ چھوڑ کر لوٹ میں شامل ہو گئے۔ تاہم حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اپنے نو ساتھیوں سمیت مورچے پر ڈٹے رہے۔

خالد بن ولید نے شروع ہی سے جنگ میں حصہ نہ لیا تھا اور جبلِ عینین والے درّے پر تین بار حملہ کر چکے تھے۔ لیکن عبداللہ بن جبیرؓ کے تیراندازوں نے انہیں آگے بڑھنے نہیں دیا تھا۔ خالد موقع کی تاک میں تھے۔ وہ سرعت کے ساتھ جبلِ احد کے اوپر سے گھوم کر آئے۔ سو

Marfat.com

برق رفتار گھوڑ سواروں کے دستے کے سامنے دس تیر انداز بالکل ناکافی تھے۔ عبداللہ بن جبیرؓ اپنے نو ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ خالد نے جب اپنے مخصوص نعروں کے ساتھ عقب سے مسلمانوں پر حملہ کیا تو وہ سمجھ نہ سکے کہ کیا ہوا ہے۔ جب پتہ چلا تو دیر ہو چکی تھی۔ مسلمان فوجی مالِ غنیمت سمیٹنے کیلئے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی نہ تو صف بندی قائم رہی تھی اور نہ ہی وہ قتال کیلئے ذہنی طور پر مستعد رہے تھے۔ اس بدحواسی میں وہ اپنا نعرہ ''اَمِت اَمِت'' بھی بھول گئے۔ اپنے لوگوں کی شناخت نہ ہونے کے سبب بعض مسلمان اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں ہی مارے گئے۔ دریں اثنا عمرہ بنتِ علقمہ جو کہ بنو حارث سے تھی، آگے بڑھی اور اس نے قریش کا گرا ہوا عَلَم اُٹھا لیا اور قریش سپاہیوں کو چیخ چیخ کر پکارنے لگے۔ جھنڈے کو بلند دیکھ کر بھاگتے ہوئے سپاہی اسکے گرد اکٹھے ہونے لگے فوراً ہی انہوں نے اپنی جنگی ترتیب قائم کر لی۔ اب مسلمان عقب سے اور سامنے سے لشکرِ کفار کے نرغے میں آ چکے تھے۔ جن کو موقع مل رہا تھا وہ فرار ہو رہے تھے یا پناہ کے لیئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ باقی بری طرح قتل ہو رہے تھے یا شدید زخمی ہو رہے تھے۔ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ خالد کا جنگ میں حصہ نہ لینا اور جبلِ عینین کا مورچہ فتح کرنے کی تاک میں رہنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جنگ کے ابتدائی مرحلے میں ہی راہِ فرار اختیار کرنا ابوسفیان کی چال تھی تاکہ مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے اور انکا تعاقب کرنے کیلئے اپنی عسکری صف بندی ختم کر دیں (10) اور یوں خالد بن ولید کو حملے کا موقع مل جائے۔ لیکن اکثر مورخین اسی بات کے قائل ہیں کہ مسلمان اتنی بے جگری سے لڑے تھے کہ فی الواقع کفار کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔

ادھر جبلِ احد کے مشرقی بازو پر رسول اللہ ﷺ کھڑے میدان جنگ کا معائنہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جب خالد کو عقب سے حملہ کرتے اور مسلمانوں کو سراسیمگی کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگتے دیکھا تو آپ ﷺ نے بلند آواز میں انہیں پکارا: '' اِلیَّ یا عباد اللّٰہ اِلیَّ یا

Marfat.com

عباد الله ''یعنی اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ! آپ ﷺ کا یہ اقدام بڑا پرخطر تھا کیونکہ خالد کے ساتھی قریب تر تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے منتشر ساتھیوں کو ایک بار پھر منظم کرنے کیلئے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ جونہی خالد کے سپاہیوں کے کان میں آپ ﷺ کی آواز پڑی، تو دستے کا ایک حصہ کٹ کر رسول اللہ ﷺ کی جانب حملے کیلئے لپکا۔

جس وقت قریشی حملہ آور رسول اللہ ﷺ کی جانب بڑھے، تو آپ ﷺ کے گرد صرف نو صحابہ موجود تھے۔ ان میں سے سات انصاری اور دو مہاجر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جوان کو مجھ سے دفع کرے گا؟'' یہ سنتے ہی ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور آپ ﷺ کے آگے ایک مضبوط چٹان کی طرح جم گئے۔ کچھ دیر تک یہ دل و جان سے لڑتے رہے، بالآخر زخموں سے چور ہو کر گرے اور شہید ہو گئے۔ پھر دوسرے، تیسرے حتیٰ کہ ساتوں انصاری صحابی پیکر حق و صداقت کا دفاع کرتے لخت لخت جسموں کے ساتھ جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اس کے بعد دونوں مہاجر صحابی سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہ گئے۔ (صحیح بخاری: ۱/۵۲۷) اتنے میں عتبہ بن ابی وقاص نے حضور ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے حضور ﷺ کا ایک نچلا دانت شہید ہو گیا۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے آپ ﷺ کی پیشانی زخمی کر دی۔ دریں اثنا چند صحابہ جن میں حضرت ابو بکرؓ اور عبیدہ بن جراح بھی شامل تھے، بھاگتے ہوئے آپ ﷺ کے قریب آ گئے اور دفاع میں مصروف ہو گئے۔ ابن قمئہ (11) نے آپ ﷺ پر تلوار کا وار کیا تو آپ ﷺ کے کندھے پر ضرب پڑی۔ دہری زرہ تو نہ کٹ سکی تاہم آپ ﷺ کو عرصے تک کندھے میں تکلیف محسوس ہوتی رہی۔ ابن قمئہ نے پھر وار کیا تو آپ ﷺ کے خود کی دو کڑیاں ٹوٹ کر رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کے قریب اندر دھنس گئیں۔ عبیدہ بن جراح نے بعد میں جب ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر باہر کھینچا تو خود انکے اپنے دو دانت ٹوٹ گئے۔

Marfat.com

آپ ﷺ خون بہہ جانے اور زخموں کی وجہ سے نڈھال ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ پیچھے ہٹنے لگے تو ایک گڑھے میں گر گئے۔ ابوسفیان نے جو کہ میدانِ احد میں پہلے پہنچ گیا تھا، جگہ جگہ گڑھے کھدوا کر انہیں پتلی شاخوں اور مٹی سے پاٹ دیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ ایک ایسے ہی گڑھے میں گر گئے تھے۔ ایک صحابی نے سہارا دے کر آپ ﷺ کو گڑھے سے نکالا۔

ابن قمئہ نے مسلمانوں کے علمبردار حضرت مُصعبؓ بن عمیر کو بھی شہید کر ڈالا۔ حضرت مصعبؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے۔ چنانچہ اس نے بلند آواز میں کہنا شروع کر دیا: "الا انّ محمد قد قتلت!" یعنی محمد قتل ہو گئے ہیں۔ مصعبؓ بن عمیر کی شہادت پر جھنڈا حضرت علیؓ نے اٹھالیا تھا۔

جونہی نبی ﷺ کے قتل کی افواہ لشکرِ قریش میں پھیلی انہوں نے لڑائی بند کر دی اور لاشوں کا مثلہ شروع کر دیا۔ ہند نے لاشوں میں سے حضرت حمزہؓ کی لاش تلاش کی اور کان، ناک کاٹے۔ پھر سینہ چاک کر کے جگر چبایا۔ اس نے شہداء کے اعضا کا ہار بنا کر گلے میں پہنا ہوا تھا اور میدان جنگ میں ناچتی پھر رہی تھی۔

یہ سارے واقعات بڑی تیزی سے رونما ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت علیؓ، حضرت کعبؓ بن مالک اور تقریباً تیس صحابہ اس جگہ پہنچ چکے تھے جہاں نبی ﷺ کے گرد خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کفار پر تیر برسا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیر بکھیر دیئے اور انہیں تیر پکڑاتے ہوئے فرماتے:

"ارم فداك امیّ وابی" میرے ماں باپ تجھ پر فدا، تیر چلاؤ! (12)

حضرت کعبؓ بن مالک نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا اور خوشی سے نعرہ بلند کیا۔ نبی ﷺ چہرے سے خون پونچھ رہے تھے۔ رنجیدہ ہو کر فرمانے لگے: ''وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے؟'' کتنا روح فرسا منظر ہو گا جب رسول اللہ ﷺ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہوں

گے۔لیکن اللہ نے تو آپ ﷺ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا تھا۔فوراً وحی نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَئْیٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (آل عمران ۱۲۸)

''(اے پیغمبر) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے، انہیں معاف کردے، چاہے انہیں سزا دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔''

اس پر آپ ﷺ نے کچھ توقف فرمایا اور پھر یوں دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔" (فتح الباری ۷/۳۷۳)

''اے میرے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ وہ نہیں جانتی۔''

اب کچھ صحابہ آپ ﷺ کے اردگرد اکٹھے ہو چکے تھے۔لیکن کفار کا دباؤ بھی بڑھ گیا تھا۔حضرت ابودجانہؓ آپ ﷺ کے آگے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ان کی پشت تیروں سے چھلنی ہوگئی تھی لیکن انہوں نے آپ ﷺ کو تیروں کی بوچھاڑ سے محفوظ رکھا۔آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ پسپائی اختیار کی جائے تاکہ کفار کے حملوں سے بچاؤ ہو سکے۔چنانچہ آپ ﷺ پیچھے ہٹتے ہوئے احد کے ایک اونچے مقام پر چڑھ گئے۔صحابہ نے آپ ﷺ کی اوپر چڑھنے میں مدد کی کیونکہ آپ ﷺ کافی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔اوپر ایک غار تھا جہاں آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔یہ چھوٹا سا غار اتنا کشادہ تھا کہ صرف ایک آدمی ہی اس میں لیٹ سکتا تھا۔غار کے باہر ایک چٹان بازو کی طرح بڑھی ہوئی تھی جس پر کچھ لوگ بیٹھ سکتے تھے۔آپ ﷺ کے صحابہ اس چٹان پر بیٹھ گئے اور نیچے سے اوپر آنے والے کفار پر شدید سنگباری کرتے رہے۔سنگباری کی وجہ سے کفار کو اوپر چڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔اسطرح آپ ﷺ کو آرام فرمانے کا کچھ موقع مل گیا۔حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے۔پانی صاف نہ تھا، اس لیئے آپ ﷺ نے

Marfat.com

پیا نہیں ۔ تاہم اس سے زخم دھو لیئے اور کچھ پانی سر میں ڈال لیا۔ آپ ﷺ کے زخموں سے بدستور خون رس رہا تھا۔ ایک چٹائی جلا کر اسکی راکھ زخموں میں بھر دی گئی ۔ اسطرح خون بند ہو گیا۔ پھر حضرت محمد بن مسلمہ کہیں سے تازہ پانی لے کر آئے جسے آپ ﷺ نے پیا اور انہیں دعا دی ۔ سعدؓ بن ابی وقاص یہاں بھی مسلسل ان مشرکین پر تیر برساتے رہے جو اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دن ڈھلنے لگا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کیساتھ بیٹھ کر ہی نماز ظہر ادا کی ۔ میدانِ اُحد شہدا کی لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔ زخمیوں کی کراہوں سے فضا گرانبار تھی ۔ مکی لشکر میں حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل چکی تھی ۔ چنانچہ انہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ کر واپسی کی تیاری شروع کر دی ۔ چونکہ آپ ﷺ نے خود پہنا ہوا تھا اس لیئے انہیں حتمی طور پر پتہ نہ چل سکا کہ آپ ﷺ زندہ و سلامت ہیں ۔ ابن قمئہ کے دعویٰ کو کہ اس نے حضور ﷺ کو قتل کر دیا ہے، انہوں نے صحیح سمجھا۔ اپنی دانست میں وہ اپنا مقصد حاصل کر چکے تھے۔ تاہم ابوسفیان نے ضروری سمجھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر کی تصدیق کر لے ۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کو آوازیں دیتا ہوا ایک قریبی ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ آپ ﷺ کے اشارے پر کسی نے اسکی پکار کا جواب نہ دیا۔ پھر وہ باری باری ابوبکرؓ، عمرؓ اور دیگر صحابہ کا نام لے کر آوازیں دینے لگا۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے کہا: ''لگتا ہے سب مارے گئے ہیں!''

ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ''اعل ھبل'' یعنی اے ہبل تو اونچا رہے!'' حضور ﷺ کے ایما پر ایک صحابی نے کہا" اللہ' علیٰ و اجل "یعنی اللہ ہی بلند و جلیل ہے۔

ابوسفیان بولا'' لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم '' یعنی ہمارے لیئے عزیٰ ہے اور تمہارے لیئے کوئی عزیٰ نہیں ۔ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جواب دیا: "اللہ' مو لانا ولا مو لا لکم !" اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں۔

Marfat.com

ابوسفیان نے کہا: ''ان مو عدکم البدر العام المقبل !'' آئندہ سال ہمارا تمہارا بدر میں مقابلہ ہوگا۔ حضور ﷺ کے مشورے پر ایک صحابی نے اس چیلنج کا یہ جواب دیا: ''نعم ھی بیننا و بینکم مو عد ''یعنی ٹھیک ہے یہ بات ہمارے تمہارے درمیان طے ہوگئی ہے۔

یہ سن کر ابوسفیان اپنے لشکر کی طرف لوٹ گیا۔

قریش کے لشکر میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل چکی تھی۔ وہ اپنا لوٹا ہوا مال واگزار کر چکے تھے اور میدانِ جنگ میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی بھی کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے واپسی کی تیاریاں مکمل کیں۔ آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر سے وہ اتنے خوش تھے کہ انہوں نے مدینہ پر یلغار کو ضروری نہ سمجھا۔ جب ابوسفیان نے آ کر خبر دی کہ شاید محمد ﷺ بچ گئے ہیں تو کسی نے اس پر یقین نہ کیا۔ خود ابوسفیان کو حضور ﷺ کے زندہ بچ جانے کا کامل یقین نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے مکالمہ نہیں کیا تھا۔ اسطرح لشکرِ قریش واپس روانہ ہوگیا۔

میدان جنگ کو دشمنوں سے خالی پا کر وہ مسلمان جو ادھر ادھر چھپے ہوئے تھے، کوہِ احد کی مشرقی سمت جہاں نبی ﷺ موجود تھے، اکٹھے ہونے لگے۔ کچھ دیر بعد ہی نبی ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں دشمن مدینہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو ٹوہ لگانے کے لیئے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ مکی فوجی اونٹوں پر سوار اور گھوڑوں کو کوتل بنائے واپس جا رہے ہیں (13)۔ نبی ﷺ کو جب یقین ہوگیا کہ قریش واپس جا چکے ہیں تو آپ ﷺ میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ اب آپ ﷺ کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی۔ آپ ﷺ نے جب مسلمانوں کی مثلہ شدہ لاشیں دیکھیں تو آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ جنگ میں کفار کی لاشوں کا بھی مثلہ کیا جائے۔ لیکن فوراً ہی آپ ﷺ نے خیال بدل دیا اور سختی سے منع کر دیا کہ کبھی کسی لاش کا مثلہ نہ کیا جائے۔ مجاہدین

شہدا کی تدفین اور واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

شام کو آپ ﷺ مدینے تشریف لے آئے۔ یہ رات اہلِ مدینہ پر بڑی بھاری تھی۔ ستر مسلمانوں کی شہادت پر ہر شخص دل گرفتہ تھا۔ اطرافِ مدینہ پر سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ چالیس صحابہ تھکن اور زخموں سے چور اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ خود نبی ﷺ تھکن اور زخموں سے خستہ حال تھے۔ آپ ﷺ کو یہی سوال پریشان کیئے ہوئے تھا کہ قریش مدینے کو لوٹے اور آگ لگائے بغیر واپس کس طرح چلے گئے؟ آپ ﷺ کو عربوں کی منتقمانہ سرشت کا پورا ادراک تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ قریش کو جب اپنی غلطی کا اندازہ ہوگا تو وہ پلٹ کر پھر حملہ آور ہونگے۔ رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔ اگلے دن آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ قریشی لشکر کا تعاقب کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے اپنے ہمراہ صرف انہی صحابہ کو لیا جو غزوۂ اُحد میں شامل تھے۔ آپ ﷺ اپنی فوج کو لے کر مدینے سے عسکری ترتیب کیساتھ روانہ ہوئے اور آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر جا کر پڑاؤ ڈالا۔ یہ بنو خزاعہ کا علاقہ تھا۔ قبیلہ کا سردار معبد بن معبد خزاعی آپ ﷺ کا بڑا مداح تھا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ اس نے احد میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان پر اظہارِ افسوس کیا۔ آپ ﷺ نے اسکے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ قریش کے پاس جائے اور انکے حوصلوں کو پست کر دے۔ قریش اس وقت مدینہ سے کوئی چھتیس میل دور مقامِ رَوحا پر خیمہ زن تھے اور اپنی غلطی کا ادراک کر کے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ صفوان بن امیہ چاہتا تھا۔ کہ مکہ واپس چلا جائے۔ ابوسفیان اور دیگر سرداروں کا خیال تھا کہ انہیں اس سنہری موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے اور مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کا کلیتہً خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ بالآخر انکا تمام لشکر پلٹ کر حملہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ دریں اثنا معبد خزاعی ابوسفیان کے پاس پہنچ گیا۔ اسنے اسے یہ خبر سنائی کہ مسلمان غیظ و غضب کے عالم میں ایک لشکرِ جرار کے ساتھ تعاقب میں آ رہے ہیں اور عنقریب وہ انکی قوت کو پارہ پارہ کر دیں

گے۔ یہ سن کر ابو سفیان اور دیگر سرداروں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اور وہ سراسیمہ ہو کر مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ آپ ﷺ اتوار والے دن حمراء الاسد پہنچے تھے۔ آپ ﷺ نے پیر، منگل اور بدھ (۹، ۱۰ اور ۱۱ شوال ۳ھ) وہاں قیام فرمایا اور مدینہ لوٹ آئے۔ واپسی پر ابو عزہ جمحی گرفتار ہوا۔ یہ وہی شعلہ بیان شاعر تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے احسان کو بھلا کر قریش سے دوبارہ گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ اس نے پھر معافی مانگی اور اپنے کثیر العیال ہونے کا واویلا کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس دفعہ اسے معاف نہ فرمایا اور اسکی گردن مار دی گئی۔

سیرت نگار تعاقب کی اس مہم کو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن در حقیقت یہ کوئی الگ غزوہ نہیں، بلکہ غزوۂ اُحد کا ہی ایک جزو ہے۔

(۷) یومِ اُحد میں مسلمان خواتین کا کردار:

عرب کی قدیم روایت تھی کہ جنگوں میں خواتین بھی شرکت کرتی تھیں۔ ایک طرف وہ اپنے بہادروں کا حوصلہ بڑھاتیں تو دوسری طرف وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور انہیں پانی پلاتیں۔ مزید برآں تیر اکٹھے کرنا اور دیگر چھوٹے چھوٹے کام بھی ان کے ذمہ ہوتے۔ یومِ اُحد میں جہاں مشرک عورتوں نے خاص کردار ادا کیا وہاں مسلمان خواتین نے بھی نہایت قابلِ قدر اور بے مثال خدمات سرانجام دیں۔ جس وقت اُحد کی مشرقی سمت رسول اللہ ﷺ پر کفار حملہ آور ہوئے تھے، حضرت اُمّ عمارہؓ حضور ﷺ کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ ابن قمئہ کے وار کو انہوں نے روکا تھا، بلکہ ابن قمئہ پر انہوں نے اپنی تلوار سے وار بھی کیا تھا۔ لیکن دہری زرہ کی وجہ سے ابنِ قمئہ بچ گیا تھا۔ پھر ابن قمئہ کے وار سے امّ عمارہؓ کا بازو شدید زخمی ہو گیا تھا۔

ایک انصاری خاتون کے بھائی، باپ اور شوہر باری باری شہید ہو گئے۔ جب انہیں

Marfat.com

کسی عزیز کی شہادت کی خبر ملتی، تو وہ بہت مضطرب ہوتیں، لیکن پھر فوراً ہی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں استفسار کرتیں کہ آپ ﷺ کس حال میں ہیں۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو خوش ہو گئیں اور بولیں کہ اب ہر مصیبت ہیچ ہے۔

اُمّ ایمنؓ نے جب نرغے میں آئے ہوئے مسلمانوں کو فرار کی کوشش کرتے دیکھا تو انہیں غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ تم سُوت کاتنے کا تکلا پکڑ لو اور تلوار ہمیں دے دو۔ پھر بھاگنے والے مسلمانوں کے چہروں پر وہ مٹی پھینکنے لگیں۔ اس حالت میں انہیں تیر لگا اور وہ شہید ہو گئیں۔

حضرت اُمّ سلیطؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت امّ سلیمؓ (حضرت انسؓ کی والدہ) اور دیگر خواتین مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پلاتیں۔ ان خواتین نے جنگ اُحد میں جو مثالی کردار ادا کیا، اسے تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

(۸) یومِ اُحد پر ایک نظر:

اکثر مورخین یہ کہتے ہیں کہ جنگِ احد میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی۔ لیکن شکست کا لفظ بڑا مبہم ہے۔ اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ ایک فوج دوسری پر غالب آ جائے، اسکی سرزمین پر قبضہ کر لے، اسکے اموال و املاک کو اپنے تصرف میں لے آئے اور مغلوب فوج کے ان سپاہیوں کو جو ہتھیار ڈال دیں جنگی قیدی بنا لے تو یقیناً ہم یہ فیصلہ نہیں دے سکتے کہ قریش نے اُحد میں مسلمانوں کو شکست دی تھی۔ جنگِ احد میں نہ تو کوئی مسلمان گرفتار ہوا اور نہ ہی لشکرِ قریش کے ہاتھ اموال و غنائم آ سکے۔ شہر مدینہ ان کے سامنے گویا پلیٹ میں رکھا ہوا نوالہ تھا۔ وہ چاہتے تو نہایت آسانی سے مدینے پر قابض ہو کر عورتوں اور بچوں کو غلام بنا سکتے تھے اور لوٹ مار کر کے شہر کو نذرِ آتش کر سکتے تھے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق فاتح فوج کم از کم تین یوم

تک میدان جنگ میں قیام پذیر رہتی تھی۔ لیکن قریشی فوج نے اس سے بھی گریز کیا۔ بلکہ شام ہونے سے پہلے وہاں سے یوں بھاگے جیسے کسی عظیم آفت سے بچ نکلے ہوں۔ ان کا یہ رویہ نبی ﷺ کے لیے بھی ناقابل فہم تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اگلے دن صبح ۸ اسد تک ان کا تعاقب کیا۔ شکست خوردہ فوج تعاقب کیسے کر سکتی ہے؟ اگرچہ ابوسفیان کو مقام روحا پر پہنچ کر اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن تب دیر ہو چکی تھی۔

مشرکین کے میدانِ جنگ چھوڑ جانے کی ایک ہی توجیہ ممکن ہے اور وہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہے

''سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا۔'' (آل عمران ۱۵۱)

''عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔''

نفسیاتی طور پر مشرکین مسلمانوں سے اس حد تک مرعوب ہو چکے تھے کہ انہوں نے احد میں ستر مسلمانوں کو شہید کرنے اور لاشوں کا مُثلہ کر دینے کو ہی کافی سمجھا۔ مزید برآں نبی ﷺ کی شہادت کی افواہ کے ساتھ ہی انہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور رختِ سفر باندھنے لگے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ابوسفیان حضور ﷺ کی شہادت کی تصدیق کیلئے ہی پہاڑی پر چڑھا تھا اور اس نے مسلمانوں سے مکالمہ کیا تھا۔ لیکن وہ حضور ﷺ کی سلامتی کے بارے میں تذبذب ہی کا شکار رہا کیونکہ حضور ﷺ خود اس سے ہم کلام نہ ہوئے تھے۔

اگرچہ اس جنگ میں بعض مسلمان انتہائی خوفزدہ ہو کر فرار ہو گئے اور ایک روایت کی

رہ سے بعض ایسے تھے جو مدینے میں گھس گئے اور بعض مدینے سے بھی آگے کی بستیوں کی طرف نکل گئے، تاہم مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد میدانِ جنگ میں موجود رہی اور رسول اللہ ﷺ کے زندہ بچ جانے کی خبر سے تازہ جوش وخروش سے لڑنے لگی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگ ہار جیت کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہوگئی تھی۔ اسکے غیر نتیجہ خیز ہونے کا پتہ اس چیلنج سے بھی چلتا ہے جو ابو سفیان نے واپسی سے پہلے مسلمانوں کو دیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر ہمارا مقابلہ ہوگا۔ یعنی ابو سفیان کو خود یقین نہیں تھا کہ وہ فتح سے ہمکنار ہوا ہے۔

قرآن حکیم کی سورہ آل عمران کی آخری ساٹھ آیات میں یوم احد پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے۔ (14) سورہ آل عمران کا چوتھا خطبہ جو کہ آیت ۱۲۱ (اِذ غَدَوت۔۔۔۔) سے شروع ہوتا ہے، جنگ احد کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالتا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

قرآن حکیم غزوۂ احد کو مسلمانوں کی شکست نہیں بلکہ ایک نقصان قرار دیتا ہے۔ احد میں مسلمانوں کو ایک ٹھوکر لگی تھی۔ اس لیئے انہیں تلقین کی گئی کہ وہ سنبھل جائیں۔ وقتی نقصان یا ٹھوکر اس لیئے ہوتی ہے کہ انسان اس سے آئندہ کیلئے سبق سیکھے اور محتاط ہو جائے۔

اللہ تعالی نے اپنی تکوینی مصلحت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ دنوں کے الٹ پھیر اور زمانے کے نشیب وفراز کو ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص یا کوئی قوم مسلسل کامرانیوں اور فتحمندیوں سے ہمکنار ہوتی چلی جائے۔ چنانچہ دنوں کے الٹ پھیر سے اپنی اصلاح کرنا چاہیئے۔ منفی حوادث کے بطن ہی سے مثبت واقعات جنم لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کفار سے سبق سیکھیں جنہیں بدر کے چرکے لگ چکے ہیں۔ بدر میں وہ نقصان عظیم اٹھانے کے بعد اگر خم ٹھونک کر احد میں جنگ کرنے آسکتے ہیں تو مسلمان دوبارہ کمر ہمت کیوں نہیں باندھتے؟

Marfat.com

آیہ ۱۶۱ میں فرمایا گیا کہ احد میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا وہ اللہ کے حکم سے تھا تا کہ مومنوں اور منافقوں کی پہچان ہو سکے۔ جو لوگ جنگ سے کنی کاٹ گئے تھے کہتے پھر رہے تھے کہ ہم موت سے بچ گئے۔ اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ اگر احد کی بھٹی نہ تپتی تو کھرے کھوٹے کی پہچان نہ ہوتی۔ منافقین تو بالکل ہی ننگے ہو گئے تھے۔ لیکن کمزور ایمان والے بھی بے نقاب ہوئے۔ لیکن خدا نے انہیں معافی دے دی اور کہا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ رسول ﷺ بہت نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ (آیہ ۱۵۹) کہ انہیں حکم عدولی کی سزا دینے کی بجائے انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا۔ تیر انداز جب مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے کے لیئے بھاگے تھے تو شاید ان کے دل میں یہ خیال تھا کہ ہمیں ہمارا حصہ نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی تو کبھی خیانت نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کو گمان نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اس کی حق تلفی ہو گی۔ (آیہ ۱۶۱)

ایک طرف تو حق تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں ہیبت ڈال دی تو دوسری طرف مسلمانوں پر عین ابتلاء کے وقت راحت نازل کر دی اور وہ دورانِ جنگ نیند کی جھپکیاں محسوس کرنے لگے جس سے ان کے دلوں میں تازہ ولولہ پیدا ہو گیا۔

پھر قرآن حکیم نے شہداء کے بلند درجات کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان درجات کا حصول کسی اور طرح کے اعمال سے ممکن نہیں، بلکہ یہ صرف اللہ کی راہ میں نقد جاں پیش کرنے پر ہی ملتے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ انبیاء کرام کو آزمائش میں ڈالنا اور ابتلاء سے گزارنا حکمتِ خداوندی ہے تا کہ ان کے متبعین میں سے خام اور ناکارہ لوگ الگ ہو جائیں۔ لیکن کامرانی بالآخر انہی کے قدم چومتی ہے جو اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی کہ وہ اپنے مشن کے ساتھ وابستگی کو ترک نہ کریں۔ یہ تنبیہہ اس لیئے ضروری تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سے بڑے بڑے جری مسلمان جی چھوڑ گئے تھے۔ انہیں بتایا

Marfat.com

گیا کہ اگر چہ نبی ان کے لیئے ذریعہ ہدایت ہے تاہم اللہ کی اطاعت اسکی حیات سے مشروط نہیں ،زندگی اور موت سے قطع نظر مسلمانوں کواللہ کی بندگی کا دامن تھامے رکھنا چاہئے۔

غزوۂ احد کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہمت بندھائی اور فرمایا کہ وہ ہرگز انہیں اس حالت میں نہ رہنے دے گا جس سے کہ وہ دوچار ہو گئے ہیں ۔وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کرتے رہے گا۔مگر اللہ کا ایک مخصوص طریقِ کار ہے۔وہ لوگوں کو (اپنی تکوینی مصلحتوں اور) غیب سے آگاہ نہیں کرتا۔ البتہ غیب کے حالات سے وہ جتنا ضروری سمجھتا ہے ،اپنے فرستادوں کے ذریعہ سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے۔لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہمت نہ ہاریں اور اللہ کی بندگی کرتے رہیں ۔اسکا انہیں اجرِ عظیم ملے گا۔اس خطبے میں قرآن حکیم نے اپنے مخصوص آفاقی انداز میں یوم احد کے مختلف واقعات پر تبصرہ کیا ہے اور بعض ابدی صداقتوں کو نہایت دلنشیں انداز میں اجاگر کیا ہے۔

O

Marfat.com

بیسواں باب

اُحد کے اثراتِ مابَعد

فتحمندیوں اور کامرانیوں کا سفر خط مستقیم میں جاری نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ قانون ہے جسے قرآن حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ زمانے کے نشیب و فراز کو قوم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تقدیر کی اسی گردش کا شکار احد کے مجاہدین بھی تھے۔ بظاہر احد کی تباہی انکے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی تھی، لیکن درحقیقت اس میں مصلحت خداوندی پوشیدہ تھی۔ مسلمانوں کو اس دھچکے سے نہ صرف اپنی کمزوریوں کا پتہ چل گیا بلکہ مار باغ آستین کی پہچان بھی ہوگئی اور تائید ایزدی پر انکا ایمان پختہ تر ہو گیا۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں کو احد میں ہزیمت ہوئی، لیکن اس کے بعد جو حالات درپیش آئے وہ کسی طرح بھی ہزیمت کے پیدا کردہ اثرات سے کم نہ تھے۔ بدر کی شاندار کامیابی کے نتیجے میں حاصل ہونے والی شہرت اور ساکھ کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اُن جری مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی کے قصے جن کی ہیبت سے بڑے بڑے سورما تھراتے تھے، عرب کے دور دراز علاقوں تک پھیل گئے۔ مکے کے گھر گھر میں خوشی کے جشن منائے جا رہے تھے اور ھبل و منات کے گن گائے جا رہے تھے۔ ابوسفیان اترا تا پھر رہا تھا کہ اس نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ مدینے کے کوچہ و بازار میں ابن اُبیّ اور اسکے چیلے یہ پروپیگنڈہ کرتے پھر رہے تھے کہ مسلمانوں نے ان کی بات نہ مانی، اس لیئے انہیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ خود مسلمانوں کے دل شہدائے اُحد پر خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ نبی ﷺ جب اُحد سے واپس آئے تو دیکھا کہ مسلمانوں کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے اور عورتیں نالہ و شیون کر رہی ہیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ کو حمزہؓ کی یاد آئی تو دل گرفتہ ہو کر فرمایا: "اما حمزہ لا بواکی لہ" حمزہؓ پر ماتم کرنے والا کوئی نہیں۔ جن صحابہ نے یہ بات سنی انہوں نے اپنی عورتوں کو حمزہؓ پر ماتم کرنے کی تاکید کر دی۔ اگلے ہی دن آپ ﷺ کے گھر کے باہر خواتین کی بھیڑ لگ گئی جو حمزہؓ پر ماتم کرنے آئی تھیں (1)۔ لیکن حضور ﷺ نے انہیں منع کر دیا اور اس دن سے ماتم کی رسم کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مرنے والوں پر بین کریں۔

ایسے حوصلہ شکن اور نامساعد حالات میں بھی نبی ﷺ نے صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ نے نہایت باریک بینی سے مسلمانوں کی کمزوریوں کا جائزہ لیا اور اصلاحِ احوال کی سعی فرمائی۔ اگر کوئی اور ہوتا تو احد میں لگنے والے چرکوں کو عرصہ دراز تک سہلاتا رہتا اور مدینے سے باہر نکلنے کا دل میں خیال نہ لاتا۔ لیکن آپ ﷺ نے اگلے ہی دن اپنے مجروح ساتھیوں کو لے کر حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا۔ اس جرات مندانہ اقدام سے نہ صرف آپ ﷺ کے اپنے صحابہ کا جذبہ، جہاد فزوں تر ہو گیا بلکہ حاسدوں اور دشمنوں کی بھی حوصلہ شکنی ہوئی۔

اطرافِ مدینہ کے وہ قبائل جن کا ذریعۂ معاش لوٹ مار اور غارتگری تھا، اب تک مسلمانوں سے مرعوب اور دبے ہوئے تھے۔ یومِ اُحد کے بعد یہ بھی سر اٹھانے لگے اور مدینے پر حملے کی سوچنے لگے۔ یہودِ مدینہ جنہوں نے بنو قینقاع کے خروج سے عبرت پکڑی تھی، اب میثاقِ مدینہ کو پسِ پشت ڈال کر پھر سازشوں میں مصروف ہو گئے اور مشرکینِ مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ساز باز کرنے لگے۔ ادھر منافقین کا خبث باطن بھی اپنا کام دکھانے لگا۔ اُحد کے بعد ۴ھ کا دور رسول اللہ ﷺ کے لیئے بہت پر آشوب تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے بڑی بصیرت اور استقامت سے ہر مصیبت کا سامنا کیا اور فوجی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ تبلیغی اور تعلیمی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔

Marfat.com

(۱) سریہ ابو سلمہؓ:

نبی ﷺ نے بدوی قبائل کے بدلے ہوئے رویے کے پیش نظر اطراف مدینہ میں مخبری کا نظام بڑا موثر بنا دیا تھا۔ دو ماہ بعافیت گزر گئے۔ پھر آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو اسد کے دو سردار طلیحہ اور سلمہ جو کہ خویلد کے بیٹے تھے، مدینے پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ انہیں مدینے پر چڑھائی کا ارادہ کرنے کی جرات اس لیئے ہوئی تھی کہ انکی دانست میں احد کے بعد مسلمان اس قابل نہ رہے تھے کہ مدافعت کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً ایک دستہ حضرت ابو سلمہؓ بن الاسد کی قیادت میں یکم محرم ۴ھ کو روانہ فرمایا۔ یہ دستہ تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل تھا اور اسیدؓ بن حضیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو عبیدہؓ جراح بھی اس میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق یہ مجاہدین رات کو سفر کرتے اور دن کو کسی محفوظ مقام پر چھپے رہتے۔ مزید برآں انہوں نے اپنا سفر بھی غیر معروف راستوں سے کیا تھا۔ ایک صبح بالکل اچانک انہوں نے دشمن پر ہلہ بول دیا۔ دشمن نے بوکھلا کر راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں کے ہاتھ انکے اموال و غنائم آئے۔ وہیں خُمس نکال کر مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا اور یہ دستہ بغیر مقابلے کے کامیاب واپس آ گیا۔ لیکن حضرت ابو سلمہؓ کا زخم جو کہ انہیں احد میں لگا تھا، بگڑ گیا جس کی وجہ سے وہ وفات پا گئے۔ حضرت ابو سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے(2)۔

(۲) سریہ عبداللہ بن انیسؓ:

اسی مہینے یعنی محرم ۴ھ کی پانچ تاریخ کو اطلاع ملی کہ کفار میں سے خالد بن سفیان ہذلی مقامِ نخلیا پر فوج جمع کر رہا ہے۔ خالد نہایت فتنہ پرور اور فاسق شخص تھا اور ہر وقت اپنے گرد فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا رہتا تھا تاکہ ہنگامی صورتِ حال سے وہ اپنی

Marfat.com

مطالب برآری کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ عبداللہ بن انیس جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خالد بن سفیان وہاں اپنی متعدد بیویوں کے ساتھ ادھر ادھر گھوم پھر رہا ہے اور قیام کے لیئے کوئی مناسب جگہ تلاش کر رہا ہے۔ عبداللہ بن انیس کو دیکھ کر اس نے پوچھا: ''آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟'' عبداللہ نے نہایت ہوشیاری سے اسے شیشے میں اتارا اور کہا: ''میں بھی ایک عرب باشندہ ہوں۔ ادھر سے گزرا تو معلوم ہوا کہ آپ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں آپ سے ملنے لیئے آ گیا!'' خالد بزنی انکی شیریں کلامی سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے مدینے پر حملے کا سارا منصوبہ عبداللہ بن انیس کے سامنے رکھ دیا۔ عبداللہ بن انیس اسکے ساتھ ٹہلتے ہوئے کچھ دور نکل آئے۔ یہاں آس پاس کوئی نہ تھا۔ عبداللہ نے موقع دیکھ کر خالد پر قابو پالیا اور اسکا سر قلم کر کے ایک رومال میں لپیٹ لیا۔ پھر وہ ایک پہاڑی غار میں چھپ گئے۔ خالد کے قبیلے والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے قاتل کو ادھر اُدھر بہت تلاش کیا۔ بالآخر وہ تھک ہار کر وہاں سے چلے گئے۔ میدان صاف پا کر عبداللہ وہاں سے نکلے اور رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے چھپاتے وہ مدینے واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس دشمنِ خدا کا سر پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انکی اس خدمت کو سراہا اور انہیں اپنا عصاء عطا فرمایا اور کہا: ''یہ قیامت کے روز تیرے اور میرے درمیان نشانی رہے گا۔'' چنانچہ عبداللہ بن انیس جب فوت ہوئے تو ان کی وصیت کے مطابق اس عصا کو بھی انکے کفن میں لپیٹ کر دفن کر دیا گیا۔ (3)

(۳) رجیع کا المیّہ:

اسی سال یعنی ۴ھ کے ماہ صفر میں عضل اور قارہ کا ایک وفد آیا اور نبی ﷺ سے درخواست گزار ہوا کہ انکے علاقے میں دینی تعلیم و تربیت کے لیئے کچھ معلّمین بھیجے جائیں چنانچہ آپ ﷺ نے اس مقصد کیلئے چھ صحابہ نامزد کیے (4)۔ ان صحابہ کے نام یہ ہیں:

(۱) مرثدؓ ابن ابی مرثد غنوی (۲) خالدؓ بن بکیر لیثی (۳) عاصمؓ بن ثابت (۴) خبیبؓ بن عدی (۵) زید بن دثنہ (۶) عبداللہؓ بن طارق۔ رسول اللہ ﷺ نے مرثدؓ بن ابی مرثد کو انکا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ مسفان اور مکہ کے درمیان مقام رجیع پر پہنچے تو قبیلہ ھذیل اور قبیلہ قارہ کے لوگوں نے مسلمانوں سے آنکھیں پھیر لیں اور قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو پکارنے لگے۔ دراصل یہ قبیلہ ہذیل کے ایما پر ہی ان مسلمانوں کو لے کر آرہے تھے تاکہ وہ انتقام لے سکیں۔ اس صورت حال سے مسلمان ذرا بھی نہ گھبرائے اور انکے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ قبیلہ ہذیل کے تقریباً دو سو مسلح افراد نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ تین مسلمان وہیں مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تین کو گرفتار کر لیا گیا۔

کفار نے حضرت عاصمؓ بن ثابت کے سر کی قیمت سو اونٹ مقرر کر رکھی تھی۔ طلحہ کی بیوی سلافہ نے یہ منت مان رکھی تھی کہ حضرت عاصمؓ بن ثابت کے کاسہ سر میں شراب پیئے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عاصمؓ نے سلافہ کے بیٹے مسافع بن طلحہ کو جنگ احد میں تیر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ حضرت عاصمؓ نہایت دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے خدا سے دعا کی کہ کوئی مشرک ان کے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔ سلافہ کے مقرر کردہ انعام یعنی سو اونٹوں کے لالچ میں جب قبیلہ ہذیل کے لوگ عاصمؓ کا سر کاٹنے کیلئے آگے بڑھے تو دفعتہً کہیں سے ان پر بے شمار شہد کی مکھیاں ٹوٹ پڑیں۔ لہذا یہ لوگ بھاگ کر پرے چلے گئے اور مکھیوں کے ہٹنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اس دوران وادی میں کہیں سے پانی کا ایک تیز ریلا آیا اور حضرت عاصمؓ کی لاش کو بہا کر کسی نامعلوم مقام کی طرف لے گیا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ واقعہ سنا تو فرمایا: ''اللہ اپنے بندے کی مرنے کے بعد بھی ویسے ہی حفاظت کرتا ہے جیسے کہ اسکی زندگی میں کرتا ہے۔'' (5)

چھ میں سے تین مسلمان شہید ہو گئے۔ بقیہ تین یعنی زیدؓ بن دثنہ، خبیبؓ بن عدی اور

Marfat.com

عبداللہ بن طارقؓ کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کو اپنے ساتھ لے کر ہذیلی مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت عبداللہ بن طارقؓ نے کسی طرح رسی سے اپنا ہاتھ نکال لیا اور ایک ہذیلی کی تلوار چھین کر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر ہذیلی پیچھے ہٹ گئے اور انہیں پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔

پھر ہذیلی خبیبؓ اور ابن دثنہ کو لے کر مکے آئے اور انہیں فروخت کر دیا۔ خبیبؓ کو خیر بن عبدالوہاب نے خریدا، تاکہ وہ انہیں اپنے باپ عبدالوہاب کے بدلے قتل کر سکے۔ ابنِ دثنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کے بدلے قتل کرنے کیلئے خریدا۔ انہیں تنعیم کی قتل گاہ میں، جو کہ حدودِ حرم سے باہر تھی، لایا گیا۔ زید بن دثنہ کو جب قتل کیا جانے لگا تو ابوسفیان ادھر آ نکلا۔ اس نے ابن دثنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''زید میں تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ ہمارے قبضہ میں محمد ہوں اور ہم ان کی گردن تلوار سے اڑا دیں اور تم اپنے اہل وعیال میں رہو؟''

اس پر ابن دثنہ نے جواب دیا: ''وَاللہ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدَ الاٰ نَ فِي مَكَانِهِ الذَّ ى هُوَ فِيهِ تُصِيبُهُ شَو كَتَه تُو ذِيهِ وَاِنِّىَ جَالِس فِي اَهلِى!'' یعنی خدا کی قسم! میں یہ بات گوارا نہیں کرتا کہ محمد ﷺ کو جہاں اس وقت آپؐ ہیں، اذیت و تکلیف پہنچانے والا ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل وعیال میں بیٹھا رہوں!''

ابوسفیان بولا: ''میں نے لوگوں میں ایسا شخص نہیں دیکھا جس سے کوئی اتنی محبت کرتا ہو جتنی اصحابِ محمد محمد سے کرتے ہیں!''

اس کے بعد ابن دثنہؓ کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت خبیبؓ کو کئی دنوں تک ایک مکان میں محبوس رکھا گیا۔ قید کے دوران ایک لونڈی نے انہیں انگور کھاتے دیکھا۔ یہ وہ دور تھا جب مکے میں کھجوریں بھی عنقا ہو گئی تھیں۔ پھر انہیں مقتل میں لایا گیا۔ انہوں نے کفار سے کہا کہ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں دو رکعت نماز

ادا کرلوں؟ کفار نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور پھر کفار سے کہا:

"بخدا! اگر مجھے خیال نہ ہوتا کہ تم یہ گمان کرنے لگو گے کہ میں نماز میں طوالت محض خوف و ہراس کی وجہ سے اختیار کر رہا ہوں تو میں ابھی اور بھی نماز پڑھتا۔" بقول ابن ہشام خبیبؓ بن عدی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سر دار دو رکعت نماز ادا کرنے کی رسم ڈالی۔ اسکے بعد انہیں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا گیا اور خوب کس کر باندھ دیا گیا۔ خبیبؓ نے کہا: "اَللّٰھُمَّ قَد بَلَّغنا رسالة رَسُو لكَ فَبَلِّغهُ الغَدَاة ما يُصنَعُ بِنَا" اے اللہ! ہم نے تیرے رسول ﷺ کا پیغام پہنچا دیا۔ پس تو بھی اپنے رسول ﷺ تک صبح ہی اس بارے میں خبر پہنچا دے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب رجیع کے المیے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے۔ حسانؓ بن ثابت نے ان شہدا پر نہایت دردانگیز مرثیے کہے۔ حسانؓ بن ثابت نے اپنے ایک شعر میں شہدائے رجیع کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے

صَلّٰی الْاِ لٰہِ عَلَی الَّذِینَ تَتَا بَعُوا

یَو مَ الرَّ جِیعِ فَاکِرَ مُوْ ا وَ اُثِیبُوْا

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحمت نازل فرمائے جو معرکہ رجیع میں قتل ہوئے اور اس بنا پر وہ معزز و مکرم بھی ہو گئے اور ثواب کے حقدار بھی!

(۴) بئرِ مَعُونہ کا المیّہ:

واقعہ رجیع کے کچھ ہی دنوں بعد ابو براء عامر بن مالک کلابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ لیکن اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی آپ ﷺ کی پیشکش مسترد کی، بلکہ کہنے لگا: "یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ کچھ معلمین کو اہلِ

نجد کی طرف بھیج دیں تو امید ہے کہ بہت سے لوگ اسلام کو سمجھ سکیں گے اور ایمان لے آئیں گے!'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''اِنیّ اَخشیٰ عَلَیھِم اَھلَ نَجدٍ'' یعنی مجھے ان کے بارے میں اہل نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔ اسپر ابو براء نے اہل نجد کی طرف سے اپنی ضمانت پیش کی اور کہا کہ وہاں مسلمان مبلغین ہر طرح سے محفوظ رہیں گے۔ نبی ﷺ تبلیغ دین کو ہر کام پر فوقیت دیتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ستر صحابہ کو وہاں جانے کیلئے تیار کیا اور بنو ساعدہ کے مُنذِرؓ بن عمرو کو ان کا امیر مقرر کیا۔ منذر حضرت عمرؓ کے خسر اور عاصمؓ بن عمر کے نانا تھے۔ معلّمین کی یہ جماعت بڑی خدا رسیدہ تھی۔ یہ لوگ دن کو اصحابِ صفہ کیلئے لکڑیاں کاٹتے یا کوئی اور مزدوری کرتے اور رات رات بھر اپنے رب کے حضور قیام و سجود میں مصروف رہتے۔ قرآن حکیم پڑھنا اور پڑھانا نیز امور شرعی کی تعلیم و تدریس انکا خصوصی امتیاز تھا۔

یہ لوگ سفر کرتے ہوئے بئر معونہ تک پہنچے۔ بئرِ معونہ ایک کنواں ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان طریقِ شرقی پر واقع۔ یہ بنو سُلیم کی ملکیت میں تھا۔ یہاں مسلمانوں نے حرام بن ملحان کو رسول اللہ ﷺ کا خط دے کر عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ اس دشمنِ خدا نے رسول اللہ ﷺ کا خط دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی اور حضرت حرامؓ کو قتل کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر بنو عامر کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیئے بلانے لگا۔ بنو عامر کا علاقہ قریب ہی تھا۔ بنو عامر نے اسکی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: ''ابو براء نے جو ضمانت دی ہے ہم اس کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔'' بنو عامر کی طرف سے مایوس ہو کر عامر بن طفیل بنو سُلیم کے پاس گیا اور رِعل، ذکوان اور عُصَیّہ کی قیادت میں انکے مسلّح جوانوں کو لے آیا۔ انہوں نے آتے ہی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے تلواریں سنبھالیں اور مقابلہ شروع کر دیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد ہی سوائے ایک مسلمان یعنی کعبؓ بن زید کے، تمام مسلمان شہید ہو گئے۔ کعب شدید زخمی تھے اور انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ (بعد ازاں انکے زخم مندمل ہو گئے اور وہ غزوۂ خندق میں

Marfat.com

شہید ہوئے۔)

اتفاق سے معلمین کی اس جماعت کے دو افراد منذرؓ بن محمد اور امیہ بن عمرو اونٹ چرانے کے لیئے وہاں سے کہیں دور نکل گئے ہوئے تھے۔انہوں نے اس جگہ جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا، پرندوں کو پرواز کرتے دیکھا تو وہ واپس آئے۔منذر نے واپس آ کر جب شہدا کی لاشیں دیکھیں تو انہوں نے کفار پر حملہ کر دیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔لیکن عمروؓ بن امیہ ضمری کو گرفتار کر لیا گیا۔عامر بن طفیل کی ماں نے منت مانی تھی کہ وہ قبیلہ ضمری میں سے کسی قیدی کو رہا کرے گی۔لہذا اس نے اپنی ماں کی طرف سے عمروؓ بن امیہ کی پیشانی کے بال کاٹ اور انہیں رہا کر دیا۔

عمروؓ بن امیہ جب رہائی کے بعد مدینے کی طرف آئے تو انہیں وادی قناۃ کے قریب مقام قرقرہ پر دو شخص بے خبر سوتے ہوئے ملے۔انہوں نے انہیں دشمن سمجھ کر قتل کر دیا۔اپنی دانست میں انہوں نے بئر معونہ کے شہدا کا بدلہ لیا تھا۔لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ان کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ ہے۔جب عمروؓ بن امیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ ان دو بندوں کو انہوں نے غلطی سے قتل کر دیا ہے۔آپ ﷺ نے اسی وقت ان دونوں کی دیت ادا کرنے کا فیصلہ فرما لیا۔

رسول اللہ ﷺ کو بئر معونہ کے شہدا کی اندوہناک خبر کا بہت زیادہ صدمہ پہنچا۔ آپ ﷺ تیس روز تک رعل، ذکوان اور عُصَیہ اور دیگر قاتلین پر بددعا کرتے رہے (6)۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اتنا غمگین نہ دیکھا تھا جتنا آپ ﷺ بئر معونہ کے شہدا پر ہوئے تھے۔رسول اللہ ﷺ کے علاوہ بھی ہر مسلمان اس واقعہ پر بہت رنجیدہ تھا۔اس واقعہ سے شہدائے اُحد کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔اُحد کے شہدا تو مقابلہ کرتے ہوئے کھلے میدان میں مارے گئے تھے۔لیکن معونہ کے شہدا کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔یہ

Marfat.com

سب درویش صفت قراء وفضلاء تھے۔ حسانؓ بن ثابت نے ان پر مرثیے کہے جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

عَلیٰ قتلی مَعُونَة فَا ستَهلِیَ بِدَمْعِ الْعَینِ سَحّاً غَیرَ نذرٍ

عَلیٰ خَیْلِ الرَّسُوْلِ غَلاَةَ لاَ قُو مَنَا یَا هُم وَلَا قتْهُم بَقَدرِ

''اپنی آنکھ سے بے شمار آنسو دل کھول کر بہاؤ، رسول اللہ کے ان لشکریوں پر جو بئر معونہ پر قتل کر دیئے گئے۔ جس روز وہ اپنی موت کا استقبال کر رہے تھے اور موت بحکم قضا ان کا استقبال کر رہی تھی۔''

(۵) غزوۂ بنی نَضِیر:

شیر زخمی ہو جائے تو اس پر گیدڑ بھی غرانے لگتے ہیں۔ غزوۂ اُحد کے بعد مسلمانوں کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا اس کی وجہ سے مدینہ کے یہود بنی نضیر بھی انکے خلاف فعال ہو گئے۔ بنو قَینُقاع کے خروج اور کعب بن اشرف کے قتل کے بعد یہ دبک کر اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن اُحد، رجیع اور معونہ کے پے در پے واقعات (7) سے انہوں نے یہ گمان کیا کہ مسلمانوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش تیار کی۔

عمرو بنؓ امیہ کے ہاتھوں جو دو بندے نادانستگی میں قتل ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکی دیت کے سلسلے میں اپنے کچھ صحابہ کے ہمراہ یہود کے پاس گئے۔ میثاقِ مدینہ کی رو سے اس دیت میں یہودیوں کو اعانت کرنا تھی۔ یہود نے بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا اور کہا کہ ہم معاہدے کی رو سے آپکی مدد ضرور کریں گے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھایا اور خود اندر چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بنو نضیر کے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ بھی بیٹھ گئے۔

Marfat.com

گھر کے اندر جا کر یہود نے آپس میں صلاح مشورہ شروع کر دیا۔ان میں سے کسی نے کہا ''یہ بہترین موقع ہے۔اس شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو ایسی حالت میں کبھی نہ پاؤ گے۔کون ہے جو چھت پر جا کر اس پر کوئی بھاری پتھر پھینک دے؟'' ان میں سے ایک بد بخت شخص عمرو بن جحاش بن کعب نے اس کام کی حامی بھر لی۔

دریں اثنا رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اس سازش کی اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ فوراً اس جگہ سے اٹھے اور مدینے کی طرف چل دیئے۔صحابہ اس اچانک تبدیلی پر حیران تو ہوئے تاہم وہ آپ ﷺ کے ہمراہ چلتے گئے اور سمجھ گئے کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے مدینے تک کا فاصلہ تیز رفتاری سے طے کیا۔حضور ﷺ نے راستے ہی میں اپنے صحابہ کو یہود کی سازش کے بارے میں بتا دیا۔

جب آپ ﷺ مدینے پہنچے تو آپ ﷺ نے بلا تاخیر محمد بن مسلمہ کو یہ حکمنامہ دے کر روانہ کیا کہ بنونضیر دس دن کے اندر اندر مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں،اسکے بعد اگر ان میں سے کوئی شخص نظر آیا تو اسکی گردن اڑا دی جائے گی۔یہود نے اس حکم کی تعمیل کرنے کا ارادہ کر لیا۔لیکن عبداللہ بن اُبی نے انہیں ورغلایا اور جنگ پر آمادہ کر لیا۔اس نے وعدہ کیا کہ وہ انکے لیئے دو ہزار مسلح جوان فراہم کرے گا۔اور اگر مدینہ چھوڑنا بھی پڑا تو وہ بھی انکے ہمراہ نکل جائے گا۔ مزید برآں اس نے انہیں یقین دلایا کہ انکے حلیف بنوغطفان اور بنوقریظہ بھی انکی مدد کو آئیں گے۔

اس پر بنونضیر کے سردار حُیّی ابن اخطب نے مدینہ چھوڑنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ جو کر سکتے ہو کر لو،ہم ہرگز یہاں سے نہیں جائیں گے۔

یہود،منافقین اور مشرکین کی بدعہدیوں سے نبی ﷺ کو بہت رنج پہنچا تھا۔اس لیئے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ہمراہ لیا اور بنونضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔حضرت علیؓ

Marfat.com

کے ہاتھ میں علَم تھا۔ مدینے پر حضرت ابن امّ مکتومؓ کو عامل مقرر کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل ۴ھ کا ہے۔ بنونضیر اپنے قلعوں اور گڑھیوں کے اندر بند ہو گئے اور فصیلوں پر سے تیر اور پتھر برسانے لگے۔ ان کے آطام کے گرد متعدد نخلستان تھے۔ حضور ﷺ کے فرمان پر انہیں کاٹ ڈالا گیا۔ محاصرے کے دوران نہ عبداللہ بن اُبی انکی مدد کو آیا اور نہ ہی بنوقریظہ یا بنوغطفان نے انکی خبر لی۔

چھ دن کے محاصرے سے ہی بنونضیر کے کس بل نکل گئے۔ انہوں نے امان کی درخواست بھیج دی۔ نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صرف ہتھیار رکھ دیں۔ اور باقی جو کچھ لے جانا چاہیں، لے جائیں۔

بنونضیر نے خروج سے پہلے اپنے مکانات اجاڑ دیئے۔ انہوں نے اپنا تمام مال اسباب (ماسوائے ہتھیاروں کے) باندھ لیا، حتیٰ کہ چھتوں کی کڑیاں اور دیواروں سے کھڑکیاں تک اکھاڑ لیں۔ چھ سو اونٹوں پر انہوں نے اپنا مال و اسباب اور عورتوں بچوں کو لادا اور مدینے سے روانہ ہو گئے۔ ان میں سے کچھ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ نے خیبر کا رخ کیا۔ بقول ابن اسحٰق جب یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر گئے تو بڑے تکبّر اور غرور سے گئے۔ غلام اور لونڈیاں انکے پیچھے پیچھے دفیں بجا کر گاتے ہوئے جا رہے تھے جیسے جلاوطن نہ ہوئے ہوں، بلکہ کسی جشن میں شرکت کیلئے جا رہے ہوں۔

بنونضیر نے اپنے مکانات، باغات اور اسلحہ جو کچھ بھی چھوڑا اس پر صرف نبی ﷺ کا حق بنتا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کا مکمل اختیار تھا کہ چاہے یہ اموال و املاک اپنے قبضے میں رکھیں یا کسی کو اس میں شریک کر لیں۔ یہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بطور فَے دیا تھا۔ اسے مجاہدین نے لڑائی کر کے حاصل نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس میں سے خُمس نہ نکالا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے یہ مال مہاجرین میں تقسیم فرمایا، انصار کو اس میں شامل نہ کیا گیا۔ البتہ ابو دجانہ

Marfat.com

سماک اور سہل بن حنیف کو انکے فقر کے پیش نظر کچھ حصہ دیا گیا۔ ایک چھوٹا سا قطعہ زمین آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی ضروریات کے لیئے رکھ لیا۔ ہتھیاروں میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں ہاتھ لگی تھیں۔ یہ اور بقیہ اموال آپ ﷺ نے جہاد کیلئے وقف کر دیئے۔

قرآن حکیم میں پوری سورۂ حشر بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ کس طرح اللہ نے ان سے انتقام لیا اور رسول اللہ ﷺ کو ان پر غالب کیا۔ اس میں مال فئے کے بارے میں احکامات بھی ہیں۔ مہاجرین و انصار کی ستائش بھی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ میں دشمن کے درخت بھی کاٹے یا جلائے جا سکتے ہیں۔ یہ فعل فساد فی الارض کے ذیل میں نہیں آتا۔ اہل ایمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور آخرت کی تیاریوں میں مصروف رہیں۔ پھر اللہ کی مدح و ثنا کے بعد اسکے اسماء و صفات کے تذکرے کے ساتھ سورہ ختم کر دی گئی ہے۔

(٦) غزوۂ ذات الرّقاع:

حضور ﷺ کو ایک تاجر سے اطلاع ملی کہ قبیلہ غطفان کے بنو ثعلبہ اور بنو محارب مدینے پر حملے کے لیئے فوج اکٹھی کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ بدوی قبائل کو سختی سے دبانا چاہتے تھے تاکہ ابوسفیان کے چیلنج کے جواب میں جب بدر میں معرکہ ہو تو یہ قبائل پریشانی کا باعث نہ بن سکیں۔ اس لیئے آپ ﷺ نے مدینے پر حضرت عثمانؓ کو عامل مقرر فرمایا اور ۱۰ محرم ۵ھ (۱۱ جون ٦٢٦ء) کو نجد کی طرف روانہ ہوئے۔ ثعلبہ اور محاربہ کا علاقہ اسی طرف تھا۔ آپ کے ہمراہ چار سو اور بعض روایات کی رو سے سات سو مجاہدین تھے۔ آپ ﷺ اس علاقے میں "ذات الرّقاع" (8) نامی مقام پر پہنچ گئے۔ ذات الرّقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر متعدد رنگوں کے قطعے ہیں۔ جب حضور ﷺ یہاں پہنچے تو سوائے بدوی عورتوں کے کسی کو نہ پایا۔ انکے

Marfat.com

مرد فرار ہو کر پہاڑیوں کی چوٹیوں اور درّوں میں جا چھپے تھے۔ آپ ﷺ نے یہاں صلوٰۃِ خوف (۹) ادا کی۔ آپ ﷺ یہاں سے ۲۵ محرم ۵ھ (۲۲ جون ۶۲۶ء) کو واپس مدینے تشریف لے آئے۔

(۷) غزوۂ بدر الموعد یا بدرِ دوم:

اُحد کے میدان سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان نے مسلمانوں کو یہ چیلنج دیا تھا کہ آئندہ سال وہ بدر کے میدان میں ان سے مقابلہ کرنے آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بموجب اسکا جواب اثبات میں دیا تھا۔

سال تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا اور مقابلے کا وقت قریب آ لگا تھا۔ بدویوں کی سرکوبی کے بعد آپ ﷺ بڑی حد تک انکی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ اب آپ ﷺ نے اپنی پوری توجہ اپنے اصل حریف یعنی قریش سے مقابلے پر مرکوز کر دی۔

شعبان ۴ھ (جنوری ۶۲۶ء) میں آپ ﷺ نے بدر کی طرف روانہ ہونے کا قصد فرمایا۔ مدینے کا انتظام آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کے سپرد کیا اور خود پندرہ سو مجاہدین کو لے کر بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ کے لشکر میں گھوڑ سوار صرف دس تھے۔ عَلَم حضرت علیؓ نے اٹھایا ہوا تھا۔ یہاں آپ ﷺ قریش کے انتظار میں فروکش ہو گئے۔

ادھر ابوسفیان بھی دو ہزار کا لشکر لے کر مکے سے روانہ ہو گیا۔ اسکے لشکر میں گھوڑ سواروں کی تعداد پچاس تھی۔ ابوسفیان جب مراء الظہران پہنچا تو اس کا ارادہ ڈانواڈول ہو گیا۔ وہ مکہ سے ہی بادلِ نخواستہ روانہ ہوا تھا۔ بدر کی ہزیمت کے نقوش اسکے ذہن پر اتنے گہرے ثبت ہوئے تھے کہ اُحد کی کامیابی بھی انہیں محو نہ کر سکی۔ چنانچہ مراء الظہران پہنچ کر اس نے بہانہ بنایا

کہ خشک سالی میں جنگ کرنا دانشمندی نہیں ۔ اسکا لشکر پہلے ہی اندر سے خوفزدہ تھا۔ جونہی ابو سفیان نے واپسی کی تجویز پیش کی، ہر ایک نے اسے قبول کرلیا۔ اس طرح قریش کا لشکر بغیر جنگ کیئے واپس لوٹ گیا۔

آپ ﷺ نے آٹھ دن قریش کا انتظار کیا، پھر مدینے لوٹ آئے۔ بدر میں آپ ﷺ کے قیام کے دوران وہاں کا سالانہ میلہ عروج پر تھا۔ تجارتی قافلوں کی آمد و رفت جاری تھی اور ہر طرف چہل پہل تھی۔ مسلمانوں نے بھی دل کھول کر خرید و فروخت کی اور کثیر منافع کمایا۔ اس غزوے کو البدر الموعد، البدر الثانی، بدر آخر، بدرِ صغریٰ یا بدر دوم بھی کہا جاتا ہے۔

(۸) غزوۂ دُومتہ الجندل:

بدرِ دوم کے چھ ماہ بعد آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ دُومتہ الجندل میں قزاقوں کا ایک بہت بڑا گروہ ہے جو ادھر سے گزرنے والے مسافروں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیتا ہے اور یہ کہ وہ مدینے پر بھی حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔

آپ ﷺ نے سباع بن عرفطہ کو مدینے کا عامل بنایا اور ایک ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر ۲۵ ربیع الاوّل ۵ھ کو سرزمین شام کے سرحدی شہر دومتہ الجندل کا قصد فرمایا۔ دُومتہ الجندل مدینے سے پندرہ رات کی مسافت پر ہے اور دمشق سے پانچ رات کی مسافت پر ہے۔ اس زمانے میں اسکی حیثیت شام اور اطرافِ عرب سے آنے جانے والے قافلوں کے جنکشن کی تھی۔

آپ ﷺ رات کو سفر کرتے اور دن کو کسی محفوظ مقام پر آرام فرماتے۔ اسطرح ایک دن بالکل اچانک آپ ﷺ دُومتہ الجندل پہنچ گئے۔ لیکن بدوی قزاق وہاں سے فرار ہو چکے

Marfat.com

تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھ انکے کچھ مال مویشی لگے۔ آپ ﷺ نے مختلف سمتوں میں دستے بھیجے لیکن کوئی راہزن ہاتھ نہ آیا۔ آپ ﷺ نے چند دن وہاں قیام فرمایا اور پھر مدینہ تشریف لے آئے۔ اس دوران عُیَیْنہ بن حِصْن نے آپ ﷺ سے مصالحت کر لی۔ اس سفر میں بنو عذرہ کے ایک شخص کی خدمات بطور گائیڈ حاصل کی گئی تھیں۔

O

Marfat.com

اکیسواں باب

یومِ خندق یا غزوۂ احزاب

بنونضیر کو جب مدینے سے نکال دیا گیا تو وہ خیبر اور شاہراہ شام کی نواحی بستیوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان کا جرم اتنا سنگین تھا کہ ان سب کو یا تو غلام بنالینا چاہئے تھا یا ان سب کو تہہ تیغ کر دینا چاہیے تھا۔ نبی ﷺ کے علاوہ شاید کوئی اور فاتح ہوتا تو یہی کرتا۔ لیکن آپ ﷺ نے انتہائی عفو و درگزر سے کام لیا، اور انہیں صرف خروج کا حکم دیا۔ بلکہ بے مثال اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں مال و اسباب بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ بنونضیر جاتے ہوئے اپنا تمام اندوختہ (ماسوائے ہتھیاروں کے) حتیٰ کہ کھڑکیاں اور کھونٹیاں بھی اکھاڑ کر لے گئے۔ کاروبار اور تجارت کے تمام گُر انہیں وراثت میں ملے تھے۔ سرمایہ ان کے پاس تھا۔ لہٰذا نئی سرزمین میں جلد ہی انہوں نے جڑیں پکڑ لیں اور خوشحال زندگی گزارنے لگے۔ جونہی انکی زندگی میں سکون اور ٹھہراؤ آیا، انکے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑکنے لگی اور وہ انتقام کی تدابیر سوچنے لگے۔

(ا) بنونضیر کی تحریک اور قبائلی عساکر کا اجتماع:

حُیی ابن اخطب نظری، سلام بن الحقیق نظری، کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق، ہرزہ بن قیس وائلی اور ابو عمارہ وائلی نے باہم صلاح مشورے سے مسلمانوں کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ یہ لوگ سب سے پہلے قریش کے پاس گئے اور انہیں مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کرنے لگے۔ قریش تو پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ وہ بدرِ موعد کا قرض بھی چکانا

چاہتے تھے ۳ھ میں ابوسفیان چیلنج کر کے گیا تھا کہ شوال ۴ھ میں بدر کے مقام پر مقابلہ ہو گا۔ لیکن ۴ھ کا سال بغیر جنگ کے گزر گیا تھا۔ اب اس سے اگلے سال (یعنی ۵ھ) کا شوال آنے والا تھا۔ اس لیئے قریش نے جنگ کرنے کی ہامی بھر لی (1)۔

پھر یہ لوگ قبیلہ غطفان والوں کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ وہ قریش کو جنگ پر آمادہ کر چکے ہیں۔ غطفانی سرداروں کو انہوں نے لالچ دیا کہ اگر وہ جنگ میں حصہ لیں گے تو بنونضیر خیبر کے محاصل کا نصف انہیں ہر سال ادا کیا کریں گے۔ بنوغطفان راضی ہو گئے۔ بنوسعد یہودیوں کے حلیف تھے، اس لیئے یہ بھی یہود کے ساتھ مل گئے۔ بنوسلیم کو قریش نے ساتھ ملا لیا۔ بنواسد غطفان والوں کی وجہ سے شریک ہو گئے۔

اسطرح مختلف قبائل کے اجتماع سے حُیَی ابن اخطاب اور اسکے ساتھیوں نے مسلمانوں کے استیصال کیلئے ایک بھاری لشکر تیار کر لیا جس کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی (2)۔

غطفان کے فزارہ، مرّہ اور اشجع قبائل کی کمان علی الترتیب عُیَینہ بن حِصن، حارث بن عوف اور مسعر بن رخیلہ کر رہے تھے۔ بنواسد کا سربراہ مشہور سردار طلیحہ تھا۔ ان سب کا سردارِ اعلیٰ ابوسفیان تھا (3)۔ یہ سب قبائل طے شدہ پروگرام کے مطابق مقرّرہ مقامات پر اکٹھے ہوئے اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۲) مدینے میں حملے کی خبر:

خیبر کے یہود کو مدینے پر حملے کیلئے لشکر اکٹھا کرتے تقریباً دو سال گزر گئے تھے ۵ھ میں دُومۃ الجندل سے مدینہ آنے والے رسد کے کاروانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی گئی۔ غطفانی عساکر کا اس سے مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ بدوی قبائل کی سرکوبی کے لیئے مدینے سے دور

نکل آئیں تو یہ ایک طرف انہیں لڑائی میں الجھالیں تو دوسری طرف مدینے پر قبضہ کرلیں۔ اور ہوا بھی یوں کہ نبی ﷺ اپنی فوج لے کر دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن ابھی آپ ﷺ راستے ہی میں تھے کہ بنوخزاعہ نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ سے مدینہ والوں کو قبائل کے اجتماعی حملے کی اطلاع بھجوادی۔ مدینے سے پھر وہاں کے تیز رفتار قاصد یہ اطلاع لے کر نبی ﷺ تک پہنچے۔ چنانچہ آپ ﷺ شہر مدینہ کی حفاظت کے لیئے آدھے راستے سے ہی واپس لوٹ آئے۔

مدینہ پہنچتے ہی نبی ﷺ نے چند مہاجر و انصار صحابہ کو ساتھ لیا اور گھوڑوں پر اطراف مدینہ کا چکر لگایا۔ مقصد یہ دیکھنا تھا کہ اگر مدینہ کے اندر ہی رہ کر دفاع کیا جائے تو کیا صورت حال ہوگی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مدینے کی تین اطراف یعنی مشرق، مغرب اور جنوب میں حرے، نخلستان اور گنجان آبادیاں یوں پھیلی ہوئی تھیں کہ ان میں سے کسی بڑے لشکر کی نقل و حرکت محال تھی۔ اگر کوئی فوج ان اطراف سے آنا بھی چاہتی تو منتشر ہو کر، قطاروں کی صورت میں تنگ راستوں سے ہی آسکتی تھی۔ اسطرح چھوٹی چھوٹی چوکیاں قائم کر کے ان کی پیش قدمی کو روک دینا بہت آسان تھا۔ البتہ شمال کی سمت کھلی ہوئی تھی جہاں جبلِ احد اور جبلِ عینین واقع تھے۔

(۳) خندق کی تیاری:

رسول اللہ اور صحابہ نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ بجائے کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے، شہر کے اندر ہی رہ کر دفاع کیا جائے۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے مشورہ دیا کہ شہر کی شمالی جانب خندق کھود دی جائے، اسطرح دفاع آسان اور موثر ہو جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ اہلِ فارس اس طریقے سے اپنے شہروں کو محفوظ بناتے ہیں۔ اس تجویز کو سب لوگوں نے بہت پسند کیا۔ چنانچہ خندق کھودنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی۔

خندق فارسی ''کندہ'' کی تعریب ہے، عرب اس سے قبل جنگ میں خندق کی اہمیت سے نا آشنا تھے اور ہمیشہ کھلے میدانوں میں جنگیں کرتے آئے تھے۔ مسلمان سپاہیوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ انہیں دس دس کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ٹکڑی کے ذمہ چالیس ذراع (تقریباً بیس گز) کھدائی کا کام لگایا گیا۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ چھ ہزار گز (تقریباً ساڑھے تین میل) لمبی خندق چھ دنوں میں کھود ڈالی گئی (4)۔ اسکی گہرائی اندازاً سات ذراع یا دس فٹ اور چوڑائی نو ذراع یا تیرہ فٹ رہی ہوگی۔ یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبلِ سلع تک آئی تھی۔ لیکن پھر لوگوں نے اپنے طور پر مغرب میں بھی اسے بڑھا دیا، یوں یہ عیدگاہ کی طرف سے ہوتی ہوئی قبا کی طرف دو ڈھائی میل تک چلی گئی۔ بعض لوگوں نے اپنی گڑھیوں اور مکانوں کے آگے بھی خندقیں کھود لیں۔ بقول مطہری بعد ازاں وادی بطحان اس میں بہنے لگی۔

خندق میں بعض مناسب مقامات پر نہ کھدی ہوئی زمین کے تنگ سے دروازے بھی چھوڑے گئے۔ ان پر احتیاط سے چل کر خندق عبور کی جا سکتی تھی۔ ان کے قریب ہی چوکیاں قائم کر دی گئیں تا کہ دشمن فوجی اگر یہاں سے خندق عبور کرنا چاہیں تو انہیں پتھر اور تیر مار کر روکا جا سکے۔ نبی ﷺ نے بھی خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے ذباب کے مقام پر اپنا مرکز قائم کیا۔ یہیں مسجدِ ذباب (ذو باب یعنی دو دروازوں والی مسجد) ہے۔ کتبِ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین سے ذباب تک کھدائی کا کام مہاجرین کے سپرد تھا اور ذباب سے جبل عبید اور مسجدِ فتح تک کھدائی کا کام انصار کے ذمہ تھا۔ سلمانؓ فارسی حضور ﷺ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ کھدائی کے آلات بنو قُریظہ سے مستعار لیئے گئے تھے۔ (5) کھدائی کے دوران ایک سنگِ مرمر کی سخت چٹان راستے میں آ گئی۔ صحابہ نے اسے توڑنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر حضور ﷺ نے خود کدال اُٹھائی اور صرف تین ضربات سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (6)

Marfat.com

کھدائی مکمل ہوگئی تو عورتوں اور بچوں کو آطام اور محفوظ مکانات میں منتقل کر دیا گیا۔ اتنے میں دشمن عساکر بھی پہنچ گئے۔ مسلمان لشکر جبلِ سلع کے دامن میں فروکش تھا اور خندق کی نگرانی کر رہا تھا۔ جبلِ سلع انکی پشت پر تھا اور خندق انکے سامنے تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا سرخ خیمہ ذباب کے قریب ایک بلند اور محفوظ مقام پر نصب کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور عثمانؓ کے خیمے بھی پاس ہی تھے۔ حضور ﷺ کے خیمے کی جگہ بعد ازاں مسجد فتح تعمیر کی گئی اور باقی اصحاب اربعہ کی جگہوں پر بھی مساجد تعمیر کی گئیں جنہیں مساجدِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ یہ مساجد اب تک موجود ہیں۔

مدینے کا نظم ونسق عبداللہ بن ام مکتومؓ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ خندق کھودنے کی سخت مشقت اور فاقوں نے مسلمانوں کو نڈھال کر رکھا تھا۔ کئی مسلمان تو خندق کھودتے ہوئے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ خود حضور ﷺ نے بھی بھوک کا احساس ختم کرنے کیلئے پیٹ پر پتھر باندھے۔ مسلمانوں کا شعار یا شناختی نعرہ تھا "حٰمٓ یُنصَرُون"

(۴) غنیم کی کیفیت:

عرب میں پہلی دفعہ اتنے لشکر متحد ہو کر کہیں حملہ آور ہوئے تھے۔ دس یا بارہ ہزار کی تعداد میں دشمن افواج جب مدینہ کی طرف بڑھیں تو زمین دہل اٹھی۔ قرآن حکیم میں اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (الاحزاب: ۱۰۔۱۱)

"جب وہ (غنیم) تمہارے اوپر کی طرف سے (یعنی شمال یا نجد و خیبر کی طرف

Marfat.com

سے)اور تمہارے نیچے (یعنی جنوب یا مکہ) کی طرف سے تم پر چڑھ آئے۔
جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم لوگ اللہ
کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب ایمان لانے والے
خوب آزمائے گئے اور بری طرح سے ہلا رک رکھ دیئے گئے۔''

قریش کا لشکر شمال میں بئر رومہ کے اس مقام پر ٹھہرا تھا جہاں وادی ءعقیق اور وادی قنات کا ملاپ ہوتا ہے۔ غطفانی لشکر اس جگہ ٹھہرا تھا جہاں وادی ءقنات اور وادی ء بطحان کا اتصال ہوتا ہے۔ اسے ''ذنب نقمیٰ'' کہا جاتا تھا۔ یہ عساکر کسی طویل المیعاد منصوبے کو سامنے رکھ کر نہیں نکلے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جنگِ اُحد کی طرح ہی مسلمان کھلے میدان میں آ کر مقابلہ کریں گے اور انہیں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کا موقع ملے گا۔ کفار احد میں حاصل ہونے والی بالادستی کے نشے میں ہی سرشار تھے۔ پھر انکی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مدینے کی کل آبادی (بشمول بچے بوڑھے، عورتیں وغیرہ) بھی اتنی نہ تھی۔ انہیں خیال ہوگا کہ اتنی بڑی جمعیت کے ایک ہی ہلّے میں مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے، اور جنگ چند گھنٹوں سے زیادہ طول نہیں کھینچ سکے گی۔ لیکن جب وہ مدینے کی طرف بڑھے تو سامنے ایک طویل و عریض خندق انکا منہ چڑا رہی تھی اور اسکے دوسری طرف مسلمان قدر انداز انکی تواضع کیلئے چوکس کھڑے تھے۔
ابوسفیان اس صورتِ حال پر بہت تلملایا۔ اس نے حضور ﷺ کو طعن آمیز پیغام بھیجا کہ یہ کیسا مقابلہ ہے کہ محفوظ قلعوں میں گھسے بیٹھے ہو، تم نے جنگ کا یہ داؤ کہاں سے سیکھا ہے۔ حضور ﷺ نے اسکا جواب لکھوا بھیجا کہ یہ طرزِ جنگ میرے خدا نے مجھ پر الہام کیا ہے۔

کفار اب محاصرہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ کئی قبائلیوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر خندق عبور کرنے کی کوشش کی لیکن خندق میں گر کر ہلاک ہو گئے۔

اتفاق سے عمرہ بن ودّ، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب اور انکے کچھ ساتھی

Marfat.com

Marfat.com

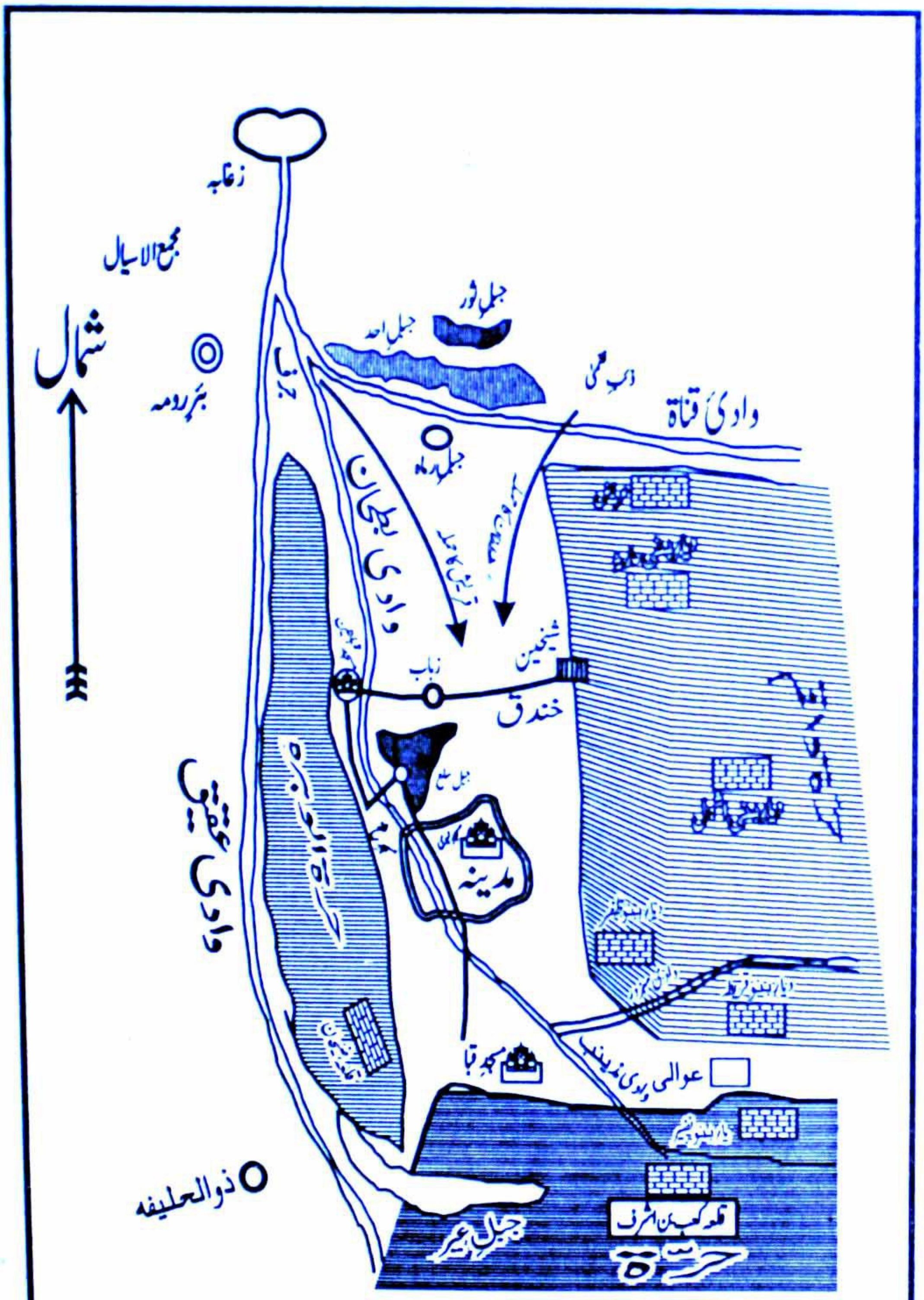

نقشہ نمبر ۴
صفحہ ۴۰۴ (خندق کی تیاری)

نقشہ یوم خندق

مدینہ اور مضافات

Marfat.com

ایک تنگ جگہ سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمرو بن ودّ نے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے، عمرو بن ودّ بڑا جری اور زور آور تھا۔ دونوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا۔ آخر حضرت علیؓ نے پے در پے وار کر کے اسے ہلاک کر ڈالا۔ اسکے ساتھی ڈر کر بھاگے اور خندق عبور کر کے اپنے لشکر میں چلے گئے۔

عساکرِ متحدہ کیلئے اب محاصرہ جاری رکھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ کسی کسی دن جب انہیں زیادہ جوش آتا تو مٹی اور پتھر ڈال کر خندق پاٹنے کی کوشش کرتے۔ لیکن مسلمانوں کی تیر اندازی انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیتی۔ جس دن عبدالودّ قتل ہوا اس سے اگلے دن کفار نے اسکی لاش حاصل کرنے کے لیئے شدید ترین حملہ کیا۔ کفار مسلسل تیر اندازی کرتے ہوئے خندق عبور کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ یہ دن مسلمانوں پر بہت بھاری تھا۔ وہ سارا دن مستعد اور مصروف رہے۔ کئی لوگوں کی نمازیں چھوٹ گئیں۔ خود نبی ﷺ کی تین یا چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ اس کا آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے کفار کے لیئے بدعا کی۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ساری نمازیں اکٹھی ادا کیں۔

یونہی کئی دن گزر گئے۔ کفار خندق کے پار بھوکے بھیڑیوں کی طرح چکر لگایا کرتے تھے۔ لیکن نہ تو وہ خندق عبور کر سکتے تھے اور نہ ہی دست بدست جنگ کر سکتے تھے۔ بس دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہتی تھی۔ اسطرح بہت کم لوگ ہلاک ہوئے۔ تیر اندازی سے چھ مسلمان شہید ہوئے اور دس مشرکین مارے گئے۔ تلوار سے صرف ایک یا دو آدمی قتل ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کو ایک تیر لگا تھا جس سے ان کے بازو کی ایک بڑی رگ کٹ گئی تھی۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ انہیں جنگ کے خاتمے تک زندہ رکھے (7)۔

اسی دوران ایک رات مسلمانوں کے کیمپ میں دو پہریدار جماعتوں کا تصادم ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر حملہ آور ہو گئے۔ لیکن جلد ہی شناختی الفاظ ادا کرنے سے

Marfat.com

انہیں اصل صورتِ حال کا علم ہو گیا۔ تاہم چند مسلمان مارے گئے اور کچھ زخمی ہو گئے۔ ان کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والوں کی دِیَت یا زخمیوں کے جرمانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مرحومین مقامِ شہادت پر فائز ہوئے ہیں اور زخمیوں کو جراحت فی سبیل اللہ کا درجہ ملا ہے۔

(۵) حُیَیّ ابن اخطب کی سازش:

بنونضیر کی تحریک پر قبائلی عساکر اور قریش مدینے پر حملہ آور ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے خود جنگ میں شمولیت نہیں کی تھی۔ قریش کو انہوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ان کا خیبر میں رہنا اس لیئے ضروری ہے کہ وہ انہیں پیچھے سے سامان رسد کی ترسیل جاری رکھیں گے۔ تاہم بنونضیر کے کچھ افراد اور انکا سرغنہ حیی ابن اخطب متحدہ افواج میں موجود تھا۔ ایک دفعہ خیبر سے آنے والے سامانِ رسد سے لدے ہوئے بیس اونٹ مسلمانوں نے پکڑ لیئے۔ اس طرح مشرکین کے لشکر میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر رسد کی ترسیل بالکل بند ہو گئی تو کیا بنے گا۔ ادھر روز بروز سردی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ خندق کو وہ قیامت تک بھی عبور نہ کر سکیں گے۔ غطفانی قبائل میں بددلی کے آثار واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ حُیَیّ ابن اخطب یہ سوچ کر ہلکان ہوئے جا رہا تھا کہ ان قبائل نے اگر محاصلِ خیبر کا نذرانہ ٹھکرا کر واپسی کی راہ اختیار کر لی تو پھر یہود کا مستقبل ہمیشہ کیلئے تاریک ہو جائے گا۔ قبائل کے اس اجتماع کے بعد یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ عرب قبیلے پھر کبھی اسطرح اکٹھے ہو سکیں گے۔

طویل غور و فکر کے بعد حُیَیّ ابن اخطب نے یہ فیصلہ کیا کہ بنوقُرَیظہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا جائے اور انہی کے علاقے سے قبائلی لشکر کو گزار کے مدینے پر چڑھائی کی جائے۔ حُیَیّ ابن خطب بنوقُرَیظہ کے پاس پہنچا۔ لیکن انہوں نے اسے دیکھ کر قلعے کا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ پرامن طریقے سے رہ رہے ہیں اور یہ کہ وہ ان سے بدعہدی

Marfat.com

نہیں کر سکتے۔ حُیی نے انہیں بڑے طعنے دیئے اور کہا کہ وہ آداب میزبانی بھی بھول گئے ہیں۔ بالآخر بنو قریظہ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ پھر حُیی نے انہیں ورغلانا شروع کر دیا۔ اسنے کہا کہ وہ یہ سنہری موقع نہ گنوائیں، انکی ذرا سی مدد سے مسلمانوں کا ہمیشہ کیلئے قلع قمع ہو سکتا ہے۔ آخر کار حُیی ابن اخطب کا جادو ان پر چل گیا اور وہ مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پر بنو قریظہ کے سربراہ کعب بن اسد نے حیی سے پوچھا کہ اگر کفار کا لشکر ناکام ہو کر چلا گیا تو کیا ہوگا؟ حیی نے تسلی دی اور کہا کہ اس صورت میں بھی ہم تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور تمہارے ساتھ ہی قلعے میں آ بسیں گے اور تمہارے دکھ سکھ کے ساتھی بن جائیں گے۔ کعب بن اسد نے مطمئن ہو کر رسول اللہ ﷺ سے تحریری معاہدہ ختم کر دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو کبھی بنو قریظہ کے ارادوں کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے چار اصحاب سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، خوات بن جبیر اور عبداللہ بن رواحہ کو بنو قریظہ کے پاس خبر کی تصدیق کے لیے بھیجا اور تاکید فرمائی کہ اگر وہ عہد سے پھر گئے ہوں تو واپس آ کر مبہم الفاظ میں اسکی اطلاع دیں۔

جب یہ اصحاب بنو قریظہ کے پاس گئے تو انہوں نے الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور کہا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ ہمارا محمد کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔ یہ لوگ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف یہ کہا ''عضل وقارہ!'' (یعنی جس طرح عضل وقارہ نے بدعہدی کی تھی اس طرح بنو قریظہ نے بدعہدی کی ہے!''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ اَکبر! اَبشِرُوا یَا مَعشَر المُسلِمین !''(اللہ اکبر! اے مسلمانوں کے گروہ تمہیں خوشخبری ہو!'')(8)۔

Marfat.com

(۶) نبی ﷺ کی مشکلات:

نبی ﷺ نے بنوقُریظہ کے انحراف کی اطلاع ملتے ہی عوالی کی جانب چند سو مسلمان سپاہیوں کی نفری متعین فرمادی تا کہ گڑھیوں میں پناہ گزین عورتوں اور بچوں کی حفاظت ہو سکے اور اگر بنوقریظہ حملہ آور ہوں تو انہیں روکا جا سکے۔ حیی ابن اخطب نے بنوقریظہ کو ساتھ ملانے کے بعد جو اسکیم تیار کی تھی وہ یہ تھی کہ بنوقُریظہ دس دن تک جنگ کی تیاریاں کریں۔ اس دوران مشرق (فوق الوادی) کی طرف سے بنواسد اور غطفان حملہ آور ہوں۔ مغرب (بطن الوادی) یا قرآن حکیم کے الفاظ میں ''مِن اَسْفَلَ مِنکُم'' (۳۳:۱۰) کی طرف سے ابوسفیان اپنی جمعیت کے ساتھ دباؤ ڈالے اور خندق (یعنی شمال) کی طرف سے عمرو بن سفیان محاذ آرائی کرے۔

جب مدینے پر تینوں اطراف سے حملے ہونے لگے اور بنوقریظہ کے انحراف کی خبریں بھی پھیل گئیں، تو مدینے کے باشندوں میں سخت اضطراب اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ جو منافق تھے وہ کھل کر سامنے آ گئے۔ معتب بن قشیر نے تو یہاں تک کہہ دیا: ''محمد ﷺ تو ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کرتے تھے، مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ کوئی شخص بیت الخلا میں بھی اطمینان سے نہیں جا سکتا۔'' اوس بن قیظی نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہمارے گھر دشمن کی مخدوش سرحد پر ہیں اور دشمنوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں موجود ہے، آپ ﷺ ہمیں اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دیں!'' (9)۔

اس صورتِ حال نے مسلمانوں کے لیئے شدید مشکلات پیدا کر دیں۔ نبی ﷺ نے بھی سوچا کہ کسی طرح جنگ کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ آپ ﷺ کو علم تھا کہ اس خطرناک صورتِ حال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ قبائلی عساکر کے اتحاد میں دراڑ ڈال دی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غطفان والوں سے بات چیت کا فیصلہ کر لیا۔

Marfat.com

(۷) قبیلہ غطفان سے بات چیت:

بقول ابن اسحاق آپ ﷺ نے عُیَیْنہ بن حصن اور حارث بن عرف کو جو کہ غطفانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، بلا بھیجا۔ یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے انہیں یہ پیشکش کی کہ اگر وہ قبائلی اتحاد سے نکل جائیں تو انہیں مدینے کے پھلوں کا ایک ثلث دے دیا جائے گا۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور معاہدہ تحریری صورت میں تیار کر لیا گیا۔ تاہم ابھی اس پر گواہوں کے دستخط ہونا باقی تھے اور ابھی معاہدے نے بھی آخری اور حتمی شکل اختیار نہ کی تھی۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ ضروری سمجھا۔ آپ ﷺ نے اپنے قریبی ساتھیوں کو بلایا اور اس بارے میں انکی رائے طلب کی۔ صحابہ نے کہا کہ اگر یہ معاملہ اللہ کے حکم سے ہے یا آپ ﷺ کی اس میں رضا شامل ہے، تو ہم سرتابی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر آپ ﷺ غطفان والوں سے صلح صرف ہمارے بچاؤ کی خاطر کر رہے ہیں تو خدا کی قسم یہ تو ہم سے اس وقت بھی ایک کھجور تک وصول نہیں کر سکتے تھے جبکہ ہم مشرک تھے۔ اب جبکہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، مدینے کے پھلوں کا ایک تہائی انہیں دینا کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تمہارے خیال سے انہیں یہ پیشکش کر رہا تھا۔ سارا عرب ایک کمان سے تم پر تیروں کی بارش کر رہا ہے تو میں نے سوچا کہ اس کمان کو ہی توڑ دوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کو اس تجویز کے مخالف پایا تو فرمایا: ''فانت وذاک'' یعنی تم جانو اور تمہارا کام! حضرت سعدؓ بن معاذ نے وہ کاغذ لیا جس پر معاہدہ تحریر کیا گیا تھا اور اسے چاک کر دیا اور کہا: ''لِیَجْهَدُوْا عَلَیْنَا!'' یعنی وہ (کفار) ہمارے خلاف قوت آزمائی کر لیں (10)۔

Marfat.com

(۸) سیدہ صفیہؓ کی شجاعت:

شاعرِ رسول ﷺ حضرت حسانؓ بن ثابت کی گڑھی میں کچھ بچوں اور خواتین کو حفاظت کی غرض سے منتقل کر دیا گیا تھا۔ سیدہ صفیہؓ (حضور ﷺ کی پھوپھی) بھی اس گڑھی میں مقیم تھیں۔ انہوں نے ایک دن دیکھا کہ ایک یہودی نوجوان گڑھی کے باہر منڈلا رہا ہے۔ سیدہؓ نے حسانؓ سے کہا: جایئے ذرا دیکھئے کہ یہ یہودی کیوں ہماری گڑھی کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ کہیں یہ مخبری کے لیئے نہ آیا ہو اور یہودیوں کو خبر نہ کر دے کہ یہاں صرف عورتیں اور بچے ہی ہیں۔'' حسانؓ بن ثابت نے معذوری کا اظہار کیا کیونکہ وہ عارضۂ قلب میں مبتلا تھے۔ اس پر سیدہ خود ایک لاٹھی لے کر قلعے سے نیچے اتریں اور انہوں نے لاٹھی کی ضربات سے اس یہودی نوجوان کو مار ڈالا۔ واپس آ کر انہوں نے حسانؓ سے کہا: ''اب جایئے اور اس یہودی کے ہتھیار وغیرہ لے آیئے۔ میں تو اس ناپاک کے جسم کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتی۔'' حسانؓ نے پھر معذوری کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ ایسا بھی نہ کر سکیں گے۔ اس پر سیدہ دوبارہ گئیں اور اس یہودی کے ہتھیار قبضے میں کیئے اور اس کا سر کاٹ کر لے آئیں۔ کٹا ہوا سر انہوں نے قلعے کی دیوار پر رکھ دیا۔ یہودی اسے دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوئے۔ انہوں نے یہ گمان کیا کہ قلعے میں مسلمانوں کے مسلح دستے موجود ہیں۔

(۹) نُعَیمؓ بن مسعود کا کارنامہ:

غطفان کی شاخ اشجع کے نُعیم بن مسعود کو مشرف باسلام ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ یہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ان سے کوئی کام لیا جائے۔ انکے قبولِ اسلام کا بنو غطفان اور عام لوگوں کو پتہ نہیں چلا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے قریش اور بنو قریظہ آپس میں گٹھ جوڑ نہ کر سکیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ اس وقت مشرکین میں پھوٹ ڈالنا بہت ضروری ہے اور ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ "الحربُ خدعة" یعنی جنگ میں دھوکا یا مغالطہ ضروری ہے۔ نعیم کی بنو قریظہ سے پرانی آشنائی تھی۔ وہ ان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: ''بنو قریظہ! مجھے تم سے جو الفت و مروّت رہی ہے، وہ تم جانتے ہی ہو! اور ان روابط کو بھی جانتے ہو جو میرے اور تمہارے درمیان خاص طور پر رہے ہیں!''

بنو قریظہ نے کہا: ''یہ سچ ہے! ہمارے تمہارے تعلقات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہیں۔'' نعیم نے ان کے سامنے حالات کی ایسی تصویر پیش کی جس پر انہوں نے پہلے غور نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ اگر عساکرِ متحدہ فتحیاب ہو جائیں تو لازماً شہر کو لوٹیں گے اور تباہی پھیلائیں گے۔ اس طرح اس امر کا قوی امکان ہے کہ ان کی لوٹ مار اور قتلِ عام کی زد میں بنو قریظہ بھی آ جائیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ متحدہ افواج محاصرے سے تنگ آ کر خود ہی واپس چلی جائیں۔ اس طرح وہ لوگ محمد ﷺ کے رحم و کرم پر ہونگے کیونکہ انہی کے ساتھ بالآخر انکو رہنا ہے۔ نعیم نے یہ تجویز دی کہ وہ قریش و غطفان سے اس وقت تک تعاون کی حامی نہ بھریں جب تک کہ ان کے کچھ سرکردہ لوگوں کو بطور یرغمال اپنے پاس نہ رکھ لیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے مستقبل کے تحفظ کا بس یہی طریقہ ہے۔

نعیم بن مسعود کی یہ باتیں ان یہودیوں کے دل میں اتر گئیں جو ہر معاملے کو نفع و نقصان کے ترازو میں تولنے کے عادی تھے۔ انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ نعیم انکے فائدے کی بات کر رہے ہیں اور وہ انکے بہت شکر گزار ہوئے۔

اسکے بعد نعیم ابوسفیان کے پاس گئے اور انہیں مکمل رازداری کی تاکید کرتے ہوئے بتایا کہ بنو قریظہ بظاہر تو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، لیکن در پردہ وہ مسلمانوں کے حامی ہیں۔ عنقریب وہ انکے کچھ اشرافِ قوم کو بطور ضمانت ان سے طلب کریں گے۔ پھر وہ ان اشراف کو

Marfat.com

مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے جوان کی گردنیں اڑا دیں گے۔ اسکے بعد بنو قریظہ مسلمانوں سے مل کر ان پر حملہ کر دیں گے۔ یہاں سے نعیم غطفانی سرداروں کے پاس گئے اور انہیں اپنے قبائلی تعلق کا حوالہ دے کر اعتماد میں لیا پھر ان سے مکمل رازداری کا عہد لے کر انہیں وہی کچھ بتایا جو وہ قریش کو بتا چکے تھے۔

اس طرح قریش اور غطفان قریظہ کی طرف سے سخت بدظن ہو گئے۔ شوال ۵ھ شنبہ کی رات قریش اور غطفان کے سرداروں نے عکرمہ بن ابوجہل کی قیادت میں ایک جماعت بنو قریظہ کی طرف بھیجی جس نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کل مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کے لیے نکلیں کیونکہ ان کے اونٹ اور گھوڑے فاقوں سے مرنے لگے ہیں اور وہ محاصرے کو مزید طول نہیں دے سکتے۔ بنو قریظہ نے جواب دیا کہ کل یوم سبت ہے، اس دن ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ کچھ بڑے آدمی ہمارے پاس رہن (گروی) رکھو گے تو ہم محمد (ﷺ) کے خلاف تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گے۔

بنو قریظہ کی یہ باتیں سن کر غطفانی اور قریشی سرداروں کو نعیمؓ کی باتوں کا یقین آ گیا۔ لہٰذا انہوں نے بنو قریظہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ ادھر بنو قریظہ کو بھی یقین ہو گیا کہ ان کے بارے میں قریش و غطفان کی نیت میں کھوٹ ہے۔ ابوسفیان محاصرے کی طوالت اور نتیجہ خیز نہ ہونے سے عاجز آیا ہوا تھا۔ تین ہفتے گزر چکے تھے۔ رسد کم پڑتی جا رہی تھی۔ اونٹ گھوڑے مر رہے تھے۔ بنو قریظہ کے تعاون سے فتح کی جو امید بندھی تھی وہ بھی خاک میں مل گئی۔ اوپر سے سردی کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ بنو غطفان نے بھی مدینے کی کھجوروں کے ایک تہائی کی جو آس لگائی ہوئی تھی، اب ٹوٹ چکی تھی۔ بحیثیت مجموعی کفار کی ساری افواج متحدہ بددلی اور مایوسی کا شکار ہو چکی تھیں۔ یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی کہ وہ مسلمانوں پر کبھی بھی غلبہ نہیں پا سکتے۔

Marfat.com

(۱۰) عساکر کی واپسی:

اس رات افق سے خوفناک سیاہ گھٹائیں اٹھیں اور تند و تیز ہواؤں کے دوش پر ہر طرف محیط ہو گئیں۔ موسلا دھار بارش اور طوفانی جھکڑوں نے ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ بادلوں کی دل ہلا دینے والی گرج اور بجلی کی کڑک سے کفار کے کلیجے منہ کو آنے لگے۔ آگ پر رکھی ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ سردی کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ مویشی اور جانور بلبلانے لگے۔

خوف اور دہشت کے عالم میں ابوسفیان نے کہا: ''برادرانِ قریش! اب رکنے کا فائدہ نہیں۔ بنو قریظہ بدعہدی کر چکے ہیں، ہمارا سامانِ رسد ختم ہونے کے قریب ہے، اونٹ بھوکے مر رہے ہیں، اوپر سے یہ طوفان آ گیا ہے۔ اب ایک لمحہ بھی ہم یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔'' مدینے کے زمین و آسمان ان کے دشمن ہو گئے۔ پھر وہ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر یوں بھاگے کہ پورا سامان بھی نہ سمیٹ سکے۔ واپسی کے سفر میں قریش سب سے آگے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوحذیفہؓ کو لشکرِ قریش کی خبر لینے بھیجا۔ رات گئے انہوں نے آ کر اطلاع دی کی دشمن میدان خالی کر کے واپس چلا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نَغْزُوْهُم وَلَا يَغْزُوْنَنَا!'' اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔

قرآنِ حکیم میں بھی اللہ کے اس احسان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (الاحزاب:۹)

Marfat.com

اے ایمان والے لوگو! یاد کرو اللہ کے اس احسان کو (جو ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے، تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تمہیں نظر نہیں آتیں تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔

پھر ارشاد فرمایا:

''وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝'' (الاحزاب:۲۵)

خدا نے (اپنی قدرت سے) کافروں کو (مدینے سے) ہٹا دیا۔ وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لئے یونہی پلٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لئے کافی ہو گیا، اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

(۱۱) یومِ خندق پر ایک نظر:

خندق کی لڑائی دراصل شروع سے آخر تک اعصابی اور نفسیاتی جنگ تھی۔ اس میں خونریزی بہت کم ہوئی۔ جو لوگ زخمی یا قتل ہوئے وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اس اعصابی جنگ میں جیت مسلمانوں کی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس کے بعد ہم ان پر چڑھائی کیا کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے، بڑا معنی خیز ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قبائلِ عرب کا اتنا بڑا اجتماع دوبارہ تشکیل دینا ناممکن تھا۔ یہ بات تو قریش اور دیگر مشرکین پر پہلے ہی واضح ہو چکی تھی کہ انفرادی طور پر کوئی قبیلہ بھی مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتا۔ اسی لیے وہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے زبردست اتحاد کر کے آئے تھے۔ اب اس میں بھی بری طرح سے ناکام ہونے کے بعد یہ بات نفسیاتی طور پر ان کے دل میں بیٹھ گئی کہ مسلمانوں کو شکست دینا اور اسلام کا پودا

جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ان کے بس کی بات نہیں۔

لیکن ادھر اہلِ مدینہ پر بھی اس جنگ کے دہرے نفسیاتی اثرات مرتب ہوئے تھے۔ وہ جو سچے مسلمان تھے ان کا ایمان دس ہزار کا لشکرِ جرار دیکھ کر پختہ تر ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، یعنی آزمائش کی کٹھن گھڑی کا وعدہ! جب وہ اس آزمائش سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے اور تائیدِ الٰہی کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کر لیا یعنی شدید طوفانِ باد و باراں میں دشمن کو بدحواسی کے عالم میں بھاگتے دیکھ لیا، تو ان کے ایمان میں اتنی پختگی آ گئی کہ اب وہ ساری دنیا سے لڑ سکتے تھے۔

لیکن جو کمزور ایمان والے تھے یا منافق تھے وہ دشمن کی بڈّی دَل فوج کو دیکھ کر اتنے دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ ان کے دیدے پھر گئے تھے اور ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے تھے۔ وہ بے اختیار کہنے لگے کہ ہم سے تو قیصر و کسریٰ کے خزائن کے وعدے کئے گئے تھے لیکن ہمیں تو بیت الخلا میں بھی اطمینان کی گھڑی نصیب نہیں ہوتی۔ مومنین و منافقین کی ان متضاد کیفیات کا نقشہ سورۂ احزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں کھینچا گیا ہے۔ اُحد کے بعد کھرے اور کھوٹے کی پہچان میں جو کمی رہ گئی تھی، وہ اس جنگ میں پوری ہو گئی۔

مسلمانوں کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان کے اصل دشمن یہود ہیں۔ شاید قریش بھی از خود اتنی بڑی تحریک چلانے کا نہ سوچتے۔ یہ یہود ہی تھے جو بُغض اور کینے کی آگ میں جھلس رہے تھے اور مسلمانوں کے کلّی استحصال پر تلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ ان کے اہل کتاب ہونے کے ناتے ان سے خاص ہمدردی اور عفو و درگزر کا سلوک کرتے آئے تھے۔ لیکن ان کے دل نہ پسیجے اور نہ ہی وہ راہِ راست پر آئے۔ اس جنگ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس کے بعد مدینہ یہودی سازشوں سے کلیۃً پاک ہو گیا۔ (اس کا ذکر بنو قریظہ کے انجام کے ذیل میں آئے گا۔)

جوں جوں رسالت کا مہرِ عالمتاب آسمانِ انسانیت پر بلند ہوتا گیا، کفر و شرک کے

اندھیرے چھٹتے گئے اور لوگ اس کے نورِ ہدایت سے فیضیاب ہوتے گئے۔ اگر اس ضوفشانی سے محروم رہے تو وہ شپرہ چشم یہود جو خوب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ لیکن جو راہ ہدایت پر آنا ہی نہ چاہے، اس کا راہنما کون ہو سکتا ہے؟

اس جنگ میں نبی ﷺ نے ایامُ العرب کی پوری تاریخ میں پہلی دفعہ ایک ترقی یافتہ طریق جنگ متعارف کرایا۔ جو شیلے عربوں کے لیے کئی دنوں تک محض محاصرہ ڈال کے پڑے رہنا، ناقابلِ برداشت تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دفاعی اور اعصابی جنگ سے ان کے جذبہ مُرؤہ کو شدید ٹھیس پہنچی۔ قبائل کے عساکرِ متحدہ کسی طویل المعیاد جنگی منصوبے کو سامنے رکھ کر نہیں نکلے تھے۔ انکا خیال تھا کہ وہ جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے یک لخت مسلمانوں پر پل پڑیں گے اور چشم زدن میں انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ لیکن ہوا یوں کہ خندق نے گویا ان کے آگے ایک طلسمی لکیر کھینچ دی جسے عبور کرنے کی کوشش کرنا موت کے منہ میں کودنے کے مترادف تھا۔ کئی تو اپنے جوش میں اسے بھی خاطر میں نہ لائے اور اس میں گر کر ہاتھ پاؤں تڑوا بیٹھے۔ چند ہی دنوں کے انتظار سے ان کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے جوشِ انتقام کی جگہ پشیمانی اور بددلی نے لے لی کیونکہ انسانوں اور جانوروں کی کثیر تعداد کے لیے کھانے پینے کے سامان کی فراہمی کب تک ممکن تھی! اہلِ مدینہ جنگ سے پہلے ہی فصلیں کاٹ کر غلہ اور اناج وغیرہ قلعوں اور گڑھیوں میں محفوظ کر چکے تھے۔ چنانچہ وہ تو محاصرے کے طول کھینچ جانے سے پریشان نہ تھے۔ لیکن کفار پر ایک ایک دن بھاری تھا۔ اگر یہودی ذہن انہیں سازش کے تانے بانے میں نہ الجھاتا تو شاید وہ کئی روز پہلے ہی محاصرے سے اکتا کر واپس چلے جاتے۔ لیکن حی ابن اخطب نے بنو قریظہ کو ورغلا کر جو منصوبہ تیار کیا تھا، اس سے انہیں اپنی کامیابی کے امکانات روشن نظر آنے لگے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی سازش کا بھی موثر توڑ کر لیا تھا۔ نعیمؓ بن مسعود کی تدبیر سے

Marfat.com

ان کے اتحاد میں بدگمانی اور عدم اعتماد کی دراڑیں پڑ گئیں۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اس طرح کی چالیں چلنا کسی حد تک اسلام میں جائز ہے۔ اگر اس وقت کی انتہائی خطرناک صورت حال کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس طرح کی چال عین اقتضائے وقت نظر آئے گی۔ خالص انسانی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو ایسی غلط فہمی پیدا کرنا جائز نظر آئے گا جس کی بدولت وسیع پیمانے پر قتال و جدال اور خونریزی سے بچا جا سکے۔ ویسے بھی جنگ میں عام معاشرتی زندگی کی اقدار بدل جاتی ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا: "اَلحَرْبُ خُدْعَة" "مکر کے جواب میں مکر "خیر الماکرین" کی سند موجود ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مسلمانوں نے جنگ میں تمام اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے ہنگامی اور نامساعد حالات میں بھی جس اعلیٰ ترین طرز عمل کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مثلاً عبدالوَد جو خندق عبور کر کے مبارزت کرنے آیا تھا اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ اس کی لاش حاصل کرنے کے لیے کفار نے نو ہزار درہم کی پیش کش کی تھی لیکن آپ ﷺ نے اس کی لاش بلا معاوضہ واپس کر دی تھی۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ جب آپ ﷺ کی تین یا چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں تو آپ ﷺ نے کفار کے لیے بددعا کیوں کی تھی؟ احد میں جب آپ ﷺ نے بددعا کی تھی تو فوراً وحی نازل ہو گئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ وہ نہیں جانتی۔ اس کی سیدھی سی توجیہہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے نزدیک زندگی کا اہم ترین فریضہ اپنے ربّ کے حضور میں پیش ہونا تھا۔ اس فریضے کی ادائیگی میں نہ تو کبھی آپ ﷺ نے کوتاہی کی اور نہ ہی اللہ نے اس کے لیے کوئی گنجائش رکھی ہے۔ مسلمان برستے تیروں میں بھی صلوٰۃ خوف ادا کیا کرتے تھے۔ جس روز عبدالوَد نے خندق پار کی اس روز مسلمان کفار سے سخت مقابلے میں تمام وقت مصروف رہے۔ نبی ﷺ کو بھی اس روز اپنے ربّ کے آگے قیام و

Marfat.com

جہود کا موقع نہ مل سکا۔ اس کا آپ ﷺ کو اتنا صدمہ ہوا کہ آپ ﷺ نے بے اختیار ان کے لیے بددعا کی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی کچھ نمازیں فوت ہوگئی تھیں۔

آپ ﷺ طبعاً نرم دل، مہربان اور شفیق تھے۔ آپ ﷺ کو بلاوجہ خونریزی پسند نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے غزوات میں یا عام حالات میں بجائے دشمنوں کو تہہِ تیغ کرنے کے انہیں بے بس کرنے اور مسخر کرنے کی سعی فرمائی۔ آپ ﷺ نے کسی دشمن کے قتل کا حکم تبھی صادر فرمایا جبکہ ایسا ناگزیر ہوگیا اور اس سے کسی بڑے فتنے اور فساد کی پیش بندی ہوتی نظر آئی۔ آپ ﷺ نے بدر میں ابوعزہ شاعر کو بلافدیہ رہا کر دیا اور اس سے عہد لیا کہ وہ آئندہ آپ ﷺ کے خلاف جنگ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ اپنے عہد سے پھر گیا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف اکساتا پھرا۔ اُحد کے بعد جب یہ گرفتار ہوا تو آپ ﷺ نے پھر اسے معاف نہ کیا۔ بنوقینقاع اور بنونضیر کو ان کے گھناؤنے جرائم کی پاداش میں بہت ہلکی سزا دی اور ان کی جانیں اور اموال محفوظ رہے۔ اس کا بھگتان آپ ﷺ کو یہ بھگتنا پڑا کہ وہ سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینے پر چڑھا لائے۔ اب بنوقریظہ نے انتہائی نازک لمحے میں مسلمانوں کی پشت میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی تھی۔ یہود کے لیے اب معافی کی گنجائش ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے عبرتناک انجام کا جواز خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کر لیا تھا۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یومِ خندق کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے جہاں موقع پرست عناصر کی اصلاح کے لیے نصیحت کی ہے وہیں نبی ﷺ کو دنیا کی سب سے بڑی سندِ فضیلت بھی عطا کی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَة " حَسَنَة" لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيراً o (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ تھا۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

بظاہر اس میں ان لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے جو جنگ سے پہلو بچانا چاہتے تھے اور عافیت کے طلبگار تھے۔ ان کو یہ کہا گیا ہے کہ تم اللہ کے رسول کا طرز عمل دیکھو جنہوں نے عام مزدوروں کے ساتھ مشقت کی اور مجاہدین کے ہر دکھ سکھ میں برابر کے شریک رہے۔ لیکن یہ فرمان صرف غزوۂ احزاب کی خصوصی صورتِ حال کے لیے ہی نہیں بلکہ اس کا اطلاق تمام زمانوں اور ہر قسم کی صورتِ حال پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو ہمیشہ کے لیے مشعل راہ بنا دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے اور اللہ سے یوم آخر میں ملنے کا متمنی ہے وہ اپنی زندگی کے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں اسوۂ رسول ﷺ سے ہی راہنمائی حاصل کرتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بائیسواں باب

خندق اور حدیبیہ کا درمیانی وقفہ

(۱) بنوقُرَیظہ کا عبرتناک انجام:

بنوقریظہ کا واقعہ دراصل جنگِ خندق ہی سے منسلک ہے۔ چونکہ یہ اس وقت پیش آیا جب جنگِ خندق اختتام پذیر ہو چکی تھی، اس لیے اسے واقعاتِ مابعد کے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

نبی ﷺ غزوۂ خندق سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت اُمِ سلمہؓ کے مکان پر غسل کیا اور نمازِ ظہر ادا کی۔ اس وقت حضرت جبریلؑ آئے اور انہوں نے حضور ﷺ سے کہا: ''ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی، ہتھیار پہن لیجئے اور بنوقریظہ کے استیصال کے لیے نکلیے۔'' پھر حضرت جبریلؑ یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے ''میں پہلے جا رہا ہوں۔ میں ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دونگا اور ان کے دلوں میں رعب اور دہشت ڈال دونگا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت عام حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص ہتھیار نہ اتارے اور عصر کی نماز بنوقریظہ کے قلعوں پر پہنچ کر ادا کی جائے۔ آپ ﷺ نے مدینے پر حضرت ابن امّ کلثومؓ کو عامل مقرر فرمایا اور مجاہدین کا ایک دستہ حضرت علیؓ کی قیادت میں بطور مقدمۃ الجیش روانہ کر دیا۔ جب حضرت علیؓ بنوقریظہ کے علاقے میں پہنچے تو وہ قلعہ بند ہو گئے اور دیواروں کے اوپر سے مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے۔ انہوں نے نبی ﷺ کی شان میں بھی نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کئے۔ کچھ ہی دیر بعد رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

بھی وہاں پہنچ گئے اور ''انا'' نامی کنویں پر قیام پذیر ہوئے۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں مسلمان مجاہدین کی مختلف جماعتیں بھی وقفے وقفے سے وہاں پہنچتی رہیں حتیٰ کہ ان کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مسلم سپاہ میں تیس گھوڑ سوار بھی شامل تھے۔

شروع میں بنو قریظہ کا رویہ بڑا سخت تھا۔ وہ بجائے مفاہمت یا اطاعت کی طرف آنے کے دشنام طرازی اور سرکشی کرتے رہے۔ لیکن کچھ دنوں کے محاصرے کے بعد کعب بن اسد کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور اس نے اپنی قوم کے سامنے تین تجاویز پیش کیں:

اولاً یہ کہ یہود جیسا کہ وہ اندر سے سمجھتے ہیں، محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور ہمیشہ کے لیے مامون و محفوظ ہو جائیں۔

ثانیاً یہ کہ اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر کے مسلمانوں پر پل پڑیں اور یا خود فنا ہو جائیں یا ان کو زیر کر لیں۔

ثالثاً یہ کہ سنیچر کے دن مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر دیں۔ سنیچر کے دن اس لیے کہ مسلمان یہ سمجھ کر غافل ہونگے کہ یہود اس روز جنگ نہیں کر سکتے۔

یہود نے کعب بن اسد کی تینوں تجاویز رد کر دیں۔ محاصرے کی سختی کے پیش نظر ان کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ لیکن ہتھیار ڈالنے سے پہلے انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے سابق حلیف حضرت ابولبابہؓ کو ان کے پاس گفت و شنید کے لیے بھیجا جائے۔

حضرت ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیجا گیا تو یہود نے ان سے استفسار کیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ حضرت ابولبابہؓ نے غیر ارادی طور پر اپنے حلق پر انگلی پھیرتے ہوئے انہیں اشارۃً بتایا کہ تم سب کی گردنیں کاٹ دی جائیں گی۔ پھر انہیں فوراً ہی احساس ہو گیا کہ ان سے زبردست غلطی ہو گئی ہے اور انہیں قبل از

وقت یہود کو ان کے انجام سے خبردار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے نکل کر سیدھے مسجدِ نبوی پہنچے اور خود کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا کہ جب تک اللہ ان کی فروگزاشت کا فیصلہ نہ کردے وہ اسی ستون سے بندھے رہیں گے۔ نبی ﷺ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ سیدھے میرے پاس چلے آتے تو میں ان کی بخشش کے لیے دعا کرتا، لیکن اب جب کہ انہوں نے معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے، خدا ہی ان کا فیصلہ کرے گا۔

بنو قریظہ کے پاس غلہ اور اناج وغیرہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ پانی کی بھی ان کے قلعوں میں قلت نہ تھی۔ وہ چاہتے تو طویل عرصے تک محاصرے کی شدت برداشت کر سکتے تھے۔ ادھر مسلمانوں کے لیے کھلے آسمان تلے سخت سردی میں محاصرہ جاری رکھنا بڑا صبر آزما کام تھا۔ لیکن نہ جانے کیا ہوا کہ انہوں نے حضرت ابولبابہؓ کے اشارے کے باوجود ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔ شاید مسلمانوں کا رعب ان کے دلوں پر طاری ہوگیا تھا یا وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ مسلمان حسبِ سابق یعنی بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح ہی انہیں مال و اسباب کے ساتھ خروج کا حکم دے دیں گے۔ لیکن اب مسلمانوں نے ان کے ساتھ نرم سبھاؤ اختیار نہ کیا۔ جونہی انہوں نے ہتھیار ڈالے، تمام بالغ مردوں کو باندھ لیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو ان سے جدا کر کے قید کرلیا گیا۔

بنو قریظہ نے پوری امتِ مسلمہ کے ساتھ غداری کی تھی اور ان کی مکمل تباہی کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مزید برآں انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ یکسر ناقابلِ اصلاح ہیں۔ قبیلۂ اوس کے لوگوں نے تجویز دی کہ بنو قریظہ کے ساتھ بنو قینقاع جیسا سلوک ہی کیا جائے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں کہ تم یعنی بنی اوس میں سے ہی کوئی شخص ان کے مقدر کا فیصلہ کرے۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے کہا

کہ یہ بالکل درست ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو بلا بھیجا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہود نے خود یہ درخواست کی تھی کہ ان کا فیصلہ سعد بن معاذؓ پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت سعد بن معاذؓ مدینے میں تھے اور بنو قریظہ کے غزوے میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ جنگِ خندق میں انہیں تیر لگا تھا جس سے ان کے بازو کی رگ کٹ گئی تھی۔ مسجدِ نبوی کے قریب قبیلۂ اسلم کی ایک خاتون رفیدہ کا خیمہ تھا جہاں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کا علاج معالجہ کیا کرتی تھیں۔ حضرت سعد بن معاذؓ رفیدہ کے شفاخانے میں داخل تھے۔ مسجدِ نبوی کے قریب ہونے کی وجہ سے رسول ﷺ کو بھی سعدؓ کی دیکھ بھال کرنے میں سہولت رہتی تھی۔ حضرت سعدؓ بڑے قدآور اور وجیہہ انسان تھے۔ انہوں نے تیر لگنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ انہیں جنگ کا انجام دیکھنے کے لیے زندہ رکھے۔

لوگوں نے ان کے پاس آ کر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنی قریظہ کے معاملے میں حَکم بنایا ہے اور انہیں دیارِ بنی قریظہ میں طلب کیا ہے۔ پھر اوس کے لوگوں نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ بنو قریظہ کے بارے میں کوئی نرم فیصلہ کریں۔ لیکن سعدؓ نے کہا: ''درحقیقت سعد کے لیے وقت آ گیا ہے کہ وہ اللہ کے معاملے میں لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرے!''

سعدؓ کو ایک سواری پر بنو قریظہ کے قلعوں تک پہنچایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے سردار کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو جائیں۔ سارے معاملے کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد سعد نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے پوچھا: ''کیا تم اللہ سے عہد کرتے ہو کہ میں جو فیصلہ دونگا، وہی فیصلہ قائم رہے گا؟'' قبیلہ اوس کے لوگوں

Marfat.com

نے بیک آواز کہا: ''بالکل!'' پھر سعدؓ نے ان لوگوں کی طرف رخ کر کے یہ سوال کیا جو قبیلہ اوس سے نہیں تھے۔ تاہم انہوں نے احتراماً رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ نہ کیا۔ قبیلہ اوس کے علاوہ بھی دیگر تمام صحابہ نے اقرار کیا کہ سعدؓ کا فیصلہ قائم رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے خصوصی طور پر اثبات میں جواب دیا۔ پھر سعدؓ نے اپنا فیصلہ سنایا:

''بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کے اموال تقسیم کر دیئے جائیں۔''

بنو قریظہ کو قلعے سے نیچے اترنے کا حکم دیا گیا۔ پھر انہیں بنو نجار کی ایک خاتون کیسہ بنتِ حارث کے گھر میں قید کر دیا گیا۔ مدینے کے بازار میں خندقیں کھدوائی گئیں اور گروہ در گروہ انہیں وہاں لے جایا گیا۔ سب مردوں کی گردنیں اڑا کر انہیں خندقوں میں ڈال دیا گیا۔ حُیی ابن اخطب اور کعب بن اسد کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ یہود کے مقتولین کی کل تعداد چھ یا سات سو تھی۔ مردوں کے علاوہ صرف ایک عورت قصاص کے سلسلے میں قتل کی گئی۔ اس عورت نے حضرت خلادؓ بن سوید کو چھت سے چکی کا پاٹ پھینک کر قتل کیا تھا۔

بنو قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے حصے ریحانہ بنت عمرو بن حنافہ آئی جو آپ ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہی۔ بعض مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ۶ھ میں ریحانہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا اور پھر وہ آپ ﷺ کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔ چند افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے ہتھیار ڈالنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا، چنانچہ ان کے جان و مال محفوظ رہے۔

بنو قریظہ کے استیصال کے ساتھ ہی حضرت سعد بن معاذؓ کی طلب کردہ مہلت بھی تمام ہو گئی۔ ان کا زخم بگڑ گیا اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ وفات پا گئے۔ نصف

Marfat.com

شب کے قریب حضرت جبرائیل ریشمی عمامہ باندھے مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: ''محمد (ﷺ)! یہ کس کی میت ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور عرش ہل گیا ہے؟'' یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ عجلت میں اپنا لبادہ سنبھالتے ہوئے سعد بن معاذؓ کی طرف گئے۔ معلوم ہوا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ حضرت سعدؓ بڑے لحیم شحیم آدمی تھے، لیکن ان کا جنازہ بڑا ہلکا تھا۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان حملۃ غیرکم'' یعنی انہیں اٹھانے والی ہستیاں تمہارے علاوہ اور بھی ہیں!

ادھر حضرت ابولبابہؓ بدستور ستون کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ حوائجِ ضروریہ اور نماز کے لیے ان کی بیوی آ کر انہیں کھول دیتی تھیں اور اس کے بعد دوبارہ باندھ دیتی تھیں۔ ابولبابہ مسلسل چھ دن ستون سے بندھے رہے۔ ایک رات نبی ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ علیٰ الصبح ان کی معافی کا فرمان نازل ہوا۔ حضرت ام سلمہؓ نے دروازے میں کھڑے ہو کر انہیں مبارکباد دی اور ان کی برأت کا اعلان کیا۔ صحابہ انہیں کھولنے کے لیے لپکے، مگر ابولبابہؓ نے انہیں منع کر دیا اور کہا کہ انہیں نبی ﷺ ہی آ کر کھولیں گے۔ پھر حضور ﷺ خود تشریف لائے اور انہیں کھولا۔

قرآن حکیم میں غزوۂ خندق کے ساتھ ساتھ اس غزوہ پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے اور اہلِ کتاب کے عبرتناک انجام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ۝ (احزاب:۲۶-۲۷)

Marfat.com

''اور جن اہلِ کتاب نے (یعنی بنوقریظہ نے) ان کی مدد کی تھی، انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا گیا اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا۔ بعض کو تم قتل کر رہے تھے اور بعض کو تم قید کر رہے تھے۔ (یعنی مردوں کو قتل اور بچوں کو قید کر رہے تھے) اور ان کی زمین اور انکے گھروں اور ان کے مالوں کا تمہیں وارث بنایا گیا اور ایسی زمین کا بھی جہاں تم نے قدم نہیں رکھا تھا۔ (یعنی خیبر) اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔''

(۲) سلام بن ابی الحُقَیق کا قتل

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حُیَی ابن اخطب کے ان ساتھیوں میں سلام بن ابی الحُقَیق بھی شامل تھا جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہمہ گیر تحریک چلائی تھی اور مختلف قبائل کی متحدہ فوج مدینے پر چڑھا لائے تھے۔ سلام بن ابی الحقیق کی کنیت ابو رافع تھی۔ یہ ایک نہایت مفسد اور کینہ پرور یہودی تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ سے خاص دشمنی تھی اور بعض موقعوں پر اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا بھی پہنچائی تھی۔ سلام بن ابی الحقیق خیبر کے ایک قلعے میں رہتا تھا۔

جب مسلمان بنوقریظہ کے فتنے کا استیصال کر کے فارغ ہوئے تو قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی انہیں سلام بن ابی الحقیق کو قتل کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس سے قبل قبیلہ اوس کے مجاہدین نے کعب بن اشرف کو جہنم رسید کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اب بنوخزرج بھی اسی طرح کا کوئی کارنامہ سرانجام دینا چاہتے تھے۔ سلام بن ابی الحقیق کی روز افزوں ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے پیش نظر حضور ﷺ نے اس کے قتل کی اجازت دے دی۔ خزرج کی شاخ بنوسلمہ کے پانچ صحابہ اس کام کے لیے منتخب کیے گئے۔ ابن عتیک مسعود بن سنان،

Marfat.com

عبداللہ بن انیس، ابو قتادہ، حارث بن ربعی اور خزاعی بن اسد۔ رسول اللہ ﷺ نے ابنِ عتیک کو اس جماعت کا امیر مقرر فرمایا اور سختی سے تاکید کی کسی عورت یا بچے کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ لوگ مدینے سے روانہ ہوئے اور خیبر پہنچ گئے۔ شام ہو رہی تھی۔ چرواہے اور دیگر لوگ اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر قلعے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ لوگ بھی ان میں شامل ہو کر اندر پہنچ گئے۔ کچھ دیر بعد قلعے کے پہریداروں نے داخلے کا پھاٹک بند کر دیا۔

ابو رافع یعنی ابی الحقیق کی رہائشی عمارت پھاٹک کے قریب ہی تھی۔ یہ دو منزلہ عمارت تھی اور متعدد کمروں پر مشتمل تھی۔ ابی الحقیق شب بسری کے لیے بالائی منزل پر چلا جاتا تھا۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں: ''ہم گھر کے اندر داخل ہوئے تو تمام دروازوں کو بند کرتے آئے تاکہ کوئی اندر سے نہ نکل سکے۔ ابی الحقیق کی خوابگاہ تک پہنچنے کے لیے کھجور کی ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ ہم اس پر چڑھ گئے اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ابی الحقیق کی بیوی نکلی۔ اس نے پوچھا 'کون ہے؟' ہم نے کہا: ہم عرب سے آئے ہوئے کچھ لوگ ہیں اور ہمیں بچے کھچے کھانے کی طلب ہے۔ اس کی بیوی نے کہا: صاحب خانہ اندر ہیں، تم لوگ بھی اندر ہی چلے آؤ۔ ہم نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ جونہی ہم نے دروازہ بند کیا اس کی بیوی چیخنے لگی۔ ابی الحقیق اگرچہ بستر پر سو رہا تھا، لیکن اندھیرے میں کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ بس سفید کپڑوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ ہم نے تلواریں بلند کیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یاد آئی اور سوچا کہ کوئی بچہ یا عورت قتل نہ ہو جائے۔ بالآخر ہم نے ابی الحقیق کی جگہ کا تعین کیا اور اس پر وار کیا۔ تلوار اس کے پیٹ میں گھس گئی اور وہ چلانے لگا: قطنی قطنی! (یہ میرے لیے کافی ہے۔'')(6)۔

ابن ہشام کہتا ہے کہ عبداللہ بن عتیکؓ کی نظر کچھ کمزور تھی۔ وہ سیڑھی سے گر گئے اور ان کے پاؤں میں موچ آ گئی۔ ان کے ساتھیوں نے انہیں اٹھایا اور لوگوں کی نظروں

سے بچا کر قلعے کی دیوار کے پاس اس جگہ تک لے آئے جہاں باہر سے پانی لانے کے لیے بڑا سا سوراخ کیا گیا تھا۔ یہاں سے سمٹ سمٹا کر سب لوگ قلعے سے باہر آ گئے۔ ابی الحقیق کی بیوی کی چیخ پکار سے لوگ جاگ پڑے اور قلعے کے اندر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ابن ابی الحقیق کی موت کی تصدیق کے لیے ایک صحابی سوراخ سے پھر اندر گیا اور چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سننے لگا۔ جب اسے یقینی طور پر علم ہو گیا کہ ابن ابی الحقیق جہنم رسید ہو چکا ہے، تو اس نے واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی۔

وہ لوگ اپنا مشن مکمل کر چکے تھے۔ لہذا فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور اپنی کامیابی کی خبر سنائی۔ عبداللہ بن عتیک سے حضور ﷺ نے فرمایا: اپنا پاؤں پھیلاؤ آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک پھیرا تو انہیں افاقہ ہو گیا۔ (7)

اس سریہ کی تاریخ روانگی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ھ بتائی جاتی ہے۔

(۳) سَرِیّہ محمد بن مُسلمہ:

۱۰ محرم ۶ھ بمطابق یکم جون ۶۲۷ء کو تیس مہاجرین پر مشتمل ایک دستہ نجد کے مقام قرطاء کی طرف بھیجا گیا۔ اس دستے کی قیادت حضرت محمد بن مسلمہ کر رہے تھے۔ قرطاء سات راتوں کی مسافت پر تھا۔ مجاہدین کا مقصد قبیلہ بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ کی سرکوبی تھا جو کہ سرکشی پر مائل تھی۔ یہ مجاہدین جب وہاں پہنچے تو وہ سب کے سب فرار ہو گئے۔ مجاہدین نے ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں قبضے میں کر لیں اور واپسی کی راہ لی کیونکہ محرم میں ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ راستے میں بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال ان کے ہاتھ لگا جو کہ مسیلمہ کذاب کے حکم پر بھیس بدل کر نبی ﷺ کے قتل کے ارادے سے نکلا تھا۔ مجاہدین

Marfat.com

نے اسے گرفتار کرلیا اور مدینے لاکر اسے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ ثمامہ تین دن تک قید رہا۔ پھر اسے آزاد کر دیا گیا۔ اس دوران وہ بغور مسلمانوں کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ وہ ان کے اخلاق اور تقویٰ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ رہا ہونے کے بعد وہ سیدھا ایک باغ میں گیا اور غسل کرنے کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

ثمامہؓ بن اثال حضور ﷺ کی اجازت سے عمرہ ادا کرنے مکہ گیا۔ وہاں قریشیوں نے اسے بے دین ہو جانے کا طعنہ دیا۔ ثمامہ نے کہا کہ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ گمراہی سے نکل کر راہِ راست پر آ گیا ہوں اور اب خدا کی قسم! میں ایک دانہ اناج کا بھی یمامہ سے تم تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ چنانچہ ثمامہؓ جب یمامہ پہنچے تو انہوں نے قریش کو غلّہ کی ترسیل بند کر دی۔ قریش کو اس سے سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ آپ ﷺ یمامہ سے غلّہ کی ترسیل بحال کرا دیں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور ثمامہؓ کو حکم دیا کہ وہ انہیں دوبارہ غلّہ بھیجنا شروع کر دیں۔

(۴) غزوۂ بنی لحیان:

بنی لحیان نے رجیع میں آٹھ صحابہ کو قتل کر دیا تھا اور دو کو مکے میں فروخت کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے دو سو صحابہ کو لے کر جمادی الاولیٰ ۶ھ میں نکلے۔ مدینے پر حضرت ابن امّ مکتومؓ کو عامل مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو غفلت میں رکھنے کے لیے شام کی طرف سفر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

ابنِ اسحاق کہتا ہے کہ مدینے کے نواح میں شمالی جانب شام کے راستے پر غراب

Marfat.com

نامی ایک پہاڑ ہے۔ آپ ﷺ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے محیص اور بترا پہنچے۔ یہاں سے آپ ﷺ بائیں جانب مڑ گئے۔ پھر آپ وادیٔ بین سے ہوتے ہوئے صخیرات الیمام تک جا پہنچے۔ یہاں سے مکے کی شاہراہ قریب تھی۔ آپ ﷺ نے اس شاہراہ پر تیزی سے سفر شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ ﷺ غران تک جا پہنچے جہاں بنولحیان کی بستیاں تھیں۔ بنولحیان خوفزدہ ہو کر بستیاں خالی کر گئے تھے اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے۔ آپ ﷺ نے بنولحیان کو جو مغالطہ دینا چاہا، اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مکہ یہاں سے قریب ہی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کتنا ہی اچھا ہو کہ ہم عسفان پر جا کر اتریں تا کہ اہلِ مکہ کو ہماری آمد کا پتہ چل جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ مجاہدین کو لے کر عسفان تک چلے آئے۔ یہاں سے آپ ﷺ نے دو سواروں کو کراع الغمیم کی وادی کی طرف بھیجا۔ کراع الغمیم عسفان سے آٹھ میل آگے ہے۔ دونوں سواروں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ اہلِ مکہ میں سے کوئی مقابلے کے لیے نہیں نکلا۔ چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے واپس مدینے تشریف لے آئے۔

(۵) غزوۂ ذی قرد:

نبی ﷺ کو بنی لحیان کی مہم سے واپس آئے چند روز ہی گزرے تھے کہ عُیَیْنَہ بن حِصْن نے غطفانی قبائلیوں کے ساتھ مدینے کے ایک شمالی مقام 'غابہ' پر چھاپہ مارا اور رسول اللہ ﷺ کے کچھ اونٹ ہانک کر لے گیا۔ جاتے ہوئے وہ اونٹوں کے محافظ کو جو کہ قبیلہ غفار کا ایک فرد تھا، قتل کر گیا اور اس کی بیوی کو اٹھا کر لے گیا۔ (8)

اس واقعہ کا علم سب سے پہلے مسلمہؓ بن عمرو بن الاکوع کو ہوا۔ وہ ایک ماہر تیر انداز تھے۔ انہوں نے جب دشمن کے گھوڑوں کو واپس لوٹتے دیکھا تو 'واصباحاہ' کا نعرہ لگایا

اور خود اکیلے ہی دشمنوں کے پیچھے دوڑ پڑے۔ وہ کسی غضبناک شیر کی طرح ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ جب دشمن ان کی زد میں آ گئے تو وہ ان پر تیر برسانے لگے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے "خُذْ هَا وَاَنا ابْنُ الاَكْوَعِ اَلْيَومَ يَو م الرُّضع" (یہ لو! میں ابن الکوع ہوں، آج کا دن کمینے انسان کی ہلاکت کا دن ہے!)

اتنے میں رسول اللہ ﷺ کو بھی حملے کی خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ نے با آواز بلند "الفزع الفزع" (خطرہ! خطرہ!) کا نعرہ لگایا۔ فوراً ہی کچھ صحابہ آپ ﷺ کی طرف لپکے! آپ ﷺ نے انہیں بغیر وقت ضائع کیے ابن الاکوع کی مدد کے لیے روانہ کر دیا اور کہا کہ میں خود بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے مدینے پر ابن ام مکتومؓ کو عامل مقرر کیا اور مزید نفری لے کر دشمن کے تعاقب میں نکل پڑے۔ عُیَینہ بن حصن قتل ہو گیا۔ اونٹوں کے مقتول چرواہے کی بیوی کو بھی چھڑا لیا گیا۔ غطفانیوں نے کچھ دیر تک مقابلہ کیا پھر کچھ اونٹنیاں لے کر بھاگ نکلے۔ ابن الاکوعؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ کچھ گھوڑ سوار بھیج دیئے جائیں تا کہ وہ بقیہ اونٹنیاں بھی چھڑا لائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اب ان اونٹنیوں کا دودھ بنو غطفان پئیں گے!"

اس غزوے میں بنی عبدالاشہل کا ایک فرد مُحرز مارا گیا (9)۔ نبی ﷺ ایک قریبی پہاڑ ذی قرد کے دامن میں فروکش ہو گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک دن اور ایک رات بسر کی، پھر مدینے لوٹ آئے۔

(٦) سریّہ غمر:

ربیع الآخر میں حضرت عکاشہؓ بن محصن کی سربراہی میں چالیس مجاہدین کو مقام غمر کی طرف بھیجا گیا تا کہ بنو اسد کی سرکوبی کی جا سکے۔ لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ

Marfat.com

فرار ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے ان کے دو سو اونٹ قبضے میں لے لئے اور مدینہ لوٹ آئے۔

(۷) سرِیّہ ذُوالقِصّہ (۱):

اس مہینے دس صحابہ حضرت محمد بن مسلمہؓ کی قیادت میں دیار بنو ثعلبہ میں مقام ذوالقصہ کی طرف روانہ کئے گئے۔ یہاں ایک سو کی تعداد میں دشمن قبائلی موجود تھے اور ارد گرد کی گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ مسلمان مجاہدین جب یہاں پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ قیام کے کچھ دیر بعد یہ مجاہدین سو گئے۔ دشمن نے شب خون مارا اور سوائے محمد بن مسلمہ کے سارے مسلمان شہید ہو گئے۔ محمد بن مسلمہؓ اگرچہ زخمی ہو گئے تھے، تاہم وہ کسی طرح جان بچا کر مدینے پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو اس حادثے کی اطلاع دی۔

(۸) سَرِیّہ ذُوالقِصّہ (۲):

اسی ماہ کے اواخر میں نبی ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر بنا کر چالیس آدمیوں کا ایک دستہ ذوالقصہ کی طرف دوبارہ روانہ کیا تاکہ بنو ثعلبہ کو سزا دی جا سکے۔ ابوعبیدہؓ بڑی احتیاط سے رات بھر سفر کر کے ذوالقصہ پہنچے اور علی الصبح انہوں نے چھاپہ مارا، لیکن دشمن قبائلی انتہائی تیز رفتاری سے فرار ہو گئے اور پہاڑیوں میں جا چھپے۔ ابوعبیدہؓ کے ہاتھ کچھ بھیڑ بکریاں آئیں اور ایک آدمی گرفتار ہوا جو کہ بعد ازاں مسلمان ہو گیا۔

(۹) سریۂ جموم:

ربیع الآخر ۶ھ میں حضرت زید بن حارثہؓ کی سربراہی میں ایک دستہ بنو سلیم کے علاقے میں جموم نامی مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔ زید بن حارثہ جب وہاں پہنچے تو وہاں

Marfat.com

قبیلہ مزینہ کی ایک عورت حلیمہ موجود تھی جسے گرفتار کر لیا گیا۔ حلیمہ نے ایک مقام کی نشاندہی کی جہاں بنو سلیم کے بہت سے افراد چھپے ہوئے تھے۔ زید بن حارثہؓ نے وہاں چھاپہ مارا اور بہت سے قبائلیوں کو گرفتار کر لیا۔ کافی تعداد میں بھیڑ بکریاں بھی ان کے ہاتھ لگیں۔ زید بن حارثہؓ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر مدینے واپس آ گئے۔ بعد ازاں حلیمہ کو رہا کر دیا گیا۔

(۱۰) سریۂ عِیص:

جمادی الاولیٰ ۶ھ میں زید بن حارثہؓ کی ہی سربراہی میں ایک سو ستر آدمیوں کا ایک دستہ مقام عیص کی طرف روانہ کیا گیا۔ پتہ چلا تھا کہ قریش کا ایک قافلہ تجارتی تا کہ بندی توڑنے کے لیے سفر کر رہا تھا۔ اس سریہ کا مقصد اس قافلے کو روکنا تھا۔ اس قافلے کے سربراہ حضرت ابوالعاص تھے جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اس قافلے کو بمع مال و اسباب کے پکڑ لیا اور مدینے لے آئے۔ ابوالعاص نے حضرت زینبؓ (دخترِ رسولؐ اور ابوالعاص کی زوجہ) کی پناہ لے لی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے کہا کہ قافلے کا مال واپس کر دیا جائے۔ ابوالعاص یہ مال لے کر مکہ گئے اور تمام لوگوں کی امانتیں ادا کر کے دوبارہ مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔

(۱۱) سَرِیّۂ طرف:

زید بن حارثہؓ ہی کی قیادت میں پندرہ صحابہ بنو ثعلبہ کے طرق یا طرف نامی مقام کی طرف روانہ کئے گئے۔ جب بدویوں کی سرکوبی کے لیے یہ سریہ روانہ کیا گیا، وہ خطرے کی بو سونگھ کر پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ حضرت زید بن حارثہؓ کو چار اونٹ ملے اور وہ چار دن بعد واپس آ گئے۔ یہ سریہ جمادی الآخر میں پیش آیا۔

Marfat.com

(۱۲) سریہ وادی القریٰ:

رجب ۶ھ میں بارہ آدمی وادی القریٰ کی طرف بھیجے گئے۔ اس دستے کے سالار بھی حضرت زید بن حارثہؓ ہی تھے۔ اس سریہ کا مقصد دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانا تھا۔ وادی القریٰ میں بنوفزارہ نے حملہ کر کے نو مجاہدین کو شہید کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کے دو ساتھی بمشکل جان بچا کر مدینے آ سکے۔

(۱۳) غزوۂ بنی مصطلق یا غزوۂ مُرَیسیع:

یہ غزوہ شعبان ۶ھ (دسمبر ۶۲۷ء) میں پیش آیا (10)۔ نبی کریم ﷺ بنوخزاعہ کی شاخ بنومصطلق سے جنگ کے لیے نکلے اور مدینے پر بقول ابن ہشام حضرت ابوذر غفاریؓ کو عامل مقرر فرمایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نمیلہ بن عبداللہ لیثی کو عامل بنایا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تھی کہ بنومصطلق کا سردار حارث بن ابوضرار آپ ﷺ سے جنگ کے لیے فوج اکٹھی کر رہا ہے۔ چنانچہ اس فتنے کو سر اٹھانے سے پہلے ہی فرو کر دینے کے لئے نبی ﷺ صحابہ کا لشکر لے کر نکلے۔ پورے لشکر کے علمبردار حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ خاص انصاریوں کا دستہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے زیر کمان تھا۔ اس مہم میں منافقین کی ایک ایسی جماعت بھی موجود تھی جس نے پہلے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ لوگ سفر کرتے ہوئے مُرَیسیع نامی چشمے پر جا پہنچے۔

یہاں مسلمان سپاہیوں نے بنومصطلق کے ایک جاسوس کو گرفتار کر لیا جو کہ ان کی ٹوہ لینے کے لیے آیا ہوا تھا۔ اسے پوچھ گچھ کے بعد قتل کر دیا گیا۔ بنومصطلق کو جب پتہ چلا کہ مسلمان سر پر آ پہنچے ہیں اور ان کا ایک جاسوس قتل کر دیا گیا ہے، تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے۔ عرب کے وہ بدوی جنہیں بنومصطلق نے ساتھ ملایا ہوا تھا ادھر ادھر بھاگ گئے۔

Marfat.com

تاہم بنو مصطلق نے مسلمانوں سے جنگ کی۔ بنو مصطلق کے بہت سے لوگ مارے گئے اور کچھ لوگ فرار ہو گئے۔ بہت سی عورتیں، بچے اور مال مویشی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ مسلمانوں کا صرف ایک سپاہی مارا گیا اور وہ بھی ایک انصاری کے ہاتھوں غلط فہمی کی بنا پر۔

قیدیوں میں سردار حارث بن ابوضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھی جو حضرت ثابت بن قیس کے حصے آئی۔ ثابت نے اسے ''مکاتب'' بنا لیا۔ یعنی اسے کوئی طے شدہ رقم ادا کر کے آزاد کرا سکتا تھا۔ عربوں میں اس طریقے کو ''کتابت'' کہا جاتا تھا۔ عرب کے قبائلی نظام میں غیر قبیلے کو اپنا حلیف بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اس کے ساتھ قرابت داری قائم کر لی جائے۔ جویریہ نہایت حسین و جمیل خاتون تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے قیمت ادا کر کے اپنی تحویل میں لے لیں کیونکہ وہ ثابت بن قیس کی غلامی میں نہیں رہنا چاہتی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طور پر جویریہ کی قیمت ادا کر دی اور اسے آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔ اس طرح حضرت جویریہؓ ام المومنین بن گئیں اور بنو مصطلق حضور ﷺ کے سسرال بن گئے۔ بنو مصطلق کے سو گھرانے مسلمان ہو گئے اور انہیں آزاد کر دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ جویریہؓ کے بارے میں کہتی ہیں کہ میری نظر سے کوئی ایسی عورت نہیں گزری جو اپنی قوم کے حق میں اتنی بابرکت ثابت ہوئی ہو جتنی جویریہؓ ثابت ہوئیں۔

اس غزوہ سے واپسی سفر کے دوران عبداللہ بن ابی نے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی اور مدینے سے ذلیل ترین آدمی کو نکال دینے کی بات کی۔ اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ''رئیس المنافقین'' کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ لیکن اس سفر کے دوران ایک اور واقعہ بھی رونما ہوا جسے عبداللہ بن ابی نے خوب اچھالا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جس سے رسول اللہ ﷺ کو انتہائی ذہنی و جذباتی اذیت سے گزرنا پڑا۔ یہ واقعہ

Marfat.com

کتابوں میں واقعۂ افک کے نام سے مذکور ہے۔ ذیل میں ہم اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(۱۴) واقعۂ اِفک:

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی غزوے پر تشریف لے جاتے تو پہلے ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے۔ جس اُمّ المومنین کا قرعہ نکل آتا وہ آپ ﷺ کی شریک سفر بنتیں۔ غزوہ بنو مصطلق پر جاتے ہوئے حضرت عائشہؓ کا قرعہ نکلا۔ چنانچہ اس غزوے میں وہ آپ ﷺ کے ساتھ گئیں۔ (11)

مُریسیع سے واپسی پر جب مدینہ کچھ دور رہ گیا تو حضور ﷺ نے قیام فرمایا اور رات کا کچھ حصہ گزار کر پھر روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے کچھ دور گئی ہوئی تھیں۔ واپس آئیں تو روانگی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہ کجاوے میں بیٹھ گئیں۔ دفعتاً انہوں نے ٹٹول کر دیکھا تو گلے سے ظفار کا ہار غائب تھا۔ وہ کجاوے اتریں اور ہار ڈھونڈنے چلی گئیں۔ ہار تو انہیں مل گیا لیکن جب وہ واپس لوٹیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی پکار کا جواب دینے والا۔ حضرت عائشہؓ کا دورانِ سفر یہ معمول تھا کہ وہ کجاوے میں بیٹھ جاتیں تو کجاوہ اٹھانے والے اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے اور رسیوں سے باندھ دیتے۔ کجاوہ اٹھانے والوں نے یہی خیال کیا کہ حضرت عائشہؓ کجاوے میں موجود ہیں۔ لہٰذا انہوں نے خالی کجاوہ ہی اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیا اور کسی کو خیال نہ گزرا کہ سواری تو اندر موجود ہی نہیں۔ عرب کی عورتوں کا دستور تھا کہ دورانِ سفر ہلکی غذا کھایا کرتی تھیں تاکہ بھاری نہ ہو جائیں اور نقل و حرکت میں دقت نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ تو ویسے ہی نوعمر اور ہلکی پھلکی تھیں۔ پھر کجاوہ اٹھانے والے بھی کئی آدمی تھے، انہوں نے یہی سمجھا ہوگا چونکہ سب نے مل کر کجاوہ اٹھایا ہوا ہے، اس لیے ہلکا لگ رہا ہے۔

Marfat.com

حضرت عائشہ اکیلی رہ گئیں۔ پریشانی کے عالم میں وہیں چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں۔ انہوں نے سوچا کہ جب قافلے والوں کو ان کی غیر موجودگی محسوس ہوگی تو لازماً پیچھے لوگوں کو بھیجا جائے گا۔

عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی لشکر سفر کرتا تو اس کے پیچھے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک آدمی آتا جو ان اشیاء کو اکٹھا کرتا جو کہ اٹھانے سے رہ جاتیں یا اتفاقاً گر جاتیں۔ ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ 'ساقۃ العسکر' پر متعین ہے۔ بعد ازاں یہ شخص تمام جمع شدہ اشیاء ان کے مالکوں تک پہنچا دیتا۔ اس سفر میں صفوان بن معطل سلمی 'ساقۃ العسکر' پر متعین تھے۔ کچھ دیر بعد جب ان کا لشکر گاہ سے گزر ہوا تو انہوں نے سفید کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی شئے دیکھی۔ وہ آگے بڑھے اور حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردے کے احکام سے پہلے حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ راجعون! "یہ تو رسول اللہ ﷺ کی اہلِ خانہ ہیں!'' حضرت عائشہؓ خاموش رہیں۔ صفوان نے پریشان ہو کر پوچھا: ''خدا خیر کرے! آپ کیوں پیچھے رہ گئی ہیں؟'' حضرت عائشہؓ پھر بھی خاموش رہیں۔ پھر صفوان نے اپنا اونٹ آگے بڑھایا اور کہا ''اس پر بیٹھ جائیں!'' اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عائشہؓ جب اونٹ پر بیٹھ گئیں تو انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی جانب پیدل ہی چل دیئے۔ صفوان نے قافلے کو پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اگلے دن دوپہر کے وقت صفوان حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی مہار تھامے مدینہ پہنچے تو لشکر شہر سے باہر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ حضرت عائشہؓ کے اس طرح پہنچنے پر لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ ہر طرف چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ عبداللہ بن ابی کو تو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کا نادر موقع ہاتھ لگا۔ لیکن حضرت عائشہؓ لوگوں کے ردِ عمل سے بالکل بے خبر اپنے گھر چلی گئیں اور اس کے بعد وہ بیمار پڑ گئیں۔ انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ مدینہ کے کوچہ و بازار

Marfat.com

میں افترا پردازی کا کیا طوفان برپا ہے۔

نبی ﷺ کو اس پروپیگنڈے سے بہت تکلیف پہنچی۔ جب حسان بن ثابت جیسے شاعر بھی منافقین کی بولی بولنے لگے تو آپ ﷺ کو بہت دکھ ہوا۔ بات ہی ایسی تھی آپ ﷺ خود بھی کوئی فیصلہ نہ کر پا رہے تھے۔ لیکن اتنا آپ ﷺ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ عبداللہ بن ابی ہی اس فتنے کا محرک ہے۔ آپ ﷺ نے علیؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بغیر کسی صراحت کے کہہ دیا: ''آپ ﷺ کو عورتوں کی کیا کمی ہے، آپ ﷺ عائشہؓ کو طلاق دے کر کسی اور عورت سے شادی کر لیں''۔ مورخین کہتے ہیں کہ اسی دن حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان رنجش کی بنا پڑ گئی تھی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کہا: ''یہ حضرت عائشہؓ پر بہتان ہے، آپ ﷺ نے ان لوگوں کی باتیں نہ سنیں! عائشہؓ میں سوائے، اس کے کوئی عیب نہیں کہ وہ گندھے ہوئے آٹے کی طرف سے غافل ہو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے''۔ پھر آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کی توجہ عبداللہ بن ابی کی ایذا رسانی کی طرف مبذول کرائی۔ لیکن یہاں بھی حضرت سعد بن عبادہ آڑے آئے۔ انہوں نے خزرجیوں کی طرف سے عبداللہ بن ابی کی وکالت کی۔ اوس والوں نے زور دیا کہ عبداللہ بن ابی کو ضرور سزا ملنا چاہیے۔ قریب تھا کہ دونوں قبیلوں میں عصبیت کی آگ بھڑک اٹھتی، لیکن رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔

ادھر حضرت عائشہؓ کو کچھ علم نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ تاہم وہ اپنی جگہ فکر مند تھیں کیونکہ خلافِ توقع رسول اللہ ﷺ کا رویہ بہت بدلا ہوا تھا۔ بیماری کی حالت میں تو بالخصوص رسول اللہ ﷺ کا ان سے التفات بڑھ جاتا تھا۔ لیکن اب حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ گھر تشریف لاتے تو ان کے ماں باپ سے بات کرتے اور عائشہؓ کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ ابوبکرؓ اور ان کی اہلیہ نے بھی عائشہؓ سے کوئی تذکرہ نہ کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی والدہ عیادت

Marfat.com

کی غرض سے عائشہؓ کے گھر ہی آئی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ بس انہی سے مخاطب ہوتے اور کہتے: ''کیف تیکم'' (یہ کیسی ہیں؟) عائشہؓ بہت دلبرداشتہ ہو چکی تھیں۔ ایک دن انہوں نے حضور ﷺ سے کہا: ''اجازت ہو تو اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''جیسے تمہاری مرضی!'' حضرت عائشہ مائکے آ گئیں۔ بیس روز گزر چکے تھے۔ ایک رات عائشہ امِ مسطح کے ساتھ باہر میدان میں حاجت کے لیے گئیں (12)۔ اُمِ مسطح کا پاؤں اپنی چادر میں الجھا اور وہ گر گئیں۔ انہوں نے کہا: مسطح تیرا برا ہو!'' عائشہؓ نے کہا: ''آپ نے بدر کے مجاہد کے لیے یہ الفاظ کیوں استعمال کئے ہیں؟'' (13) اُم مسطح نے کہا: ''اے بنت ابو بکرؓ! تجھے کچھ پتہ نہیں کہ لوگ کیا کہتے پھر رہے ہیں؟'' پھر انہوں نے افک کی تمام تفصیلات سے عائشہؓ کو آگاہ کیا۔ حضرت عائشہؓ پر تو قیامت ٹوٹ پڑی۔ وہ حاجت سے بھی فارغ نہ ہوئیں اور واپس آ کر مسلسل روتی رہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میرا جگر پھٹ گیا ہو۔ ماں سے گلہ کیا کہ آپ نے مجھے ذرا بھی خبر نہ کی جبکہ لوگوں نے میرے خلاف اتنا بڑا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ ماں بولیں: ''بیٹی! دل برا نہ کر! اپنے آپ کو سنبھال کر رکھ! خدا کی قسم بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت جو خوبصورت ہو اور اس کا شوہر بھی اس سے محبت کرتا ہو، اور اس کی سوکنیں بھی ہوں، پھر یہ سوکنیں اور دوسرے لوگ اس طرح کی باتیں نہ کریں!''

ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا: ''اگر تم اس برائی میں پڑی ہو جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں، تو توبہ کرو، اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے!''

عائشہؓ مسلسل روتی رہیں اور کوئی جواب نہ دے پائیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی طرف سے ان کے والدین جواب دیں گے۔ لیکن وہ بھی مہر بلب کھڑے رہے۔ عائشہؓ

کہتی ہیں کہ اس وقت میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھ رہی تھی اور خود اپنی نظروں میں گر چکی تھی۔

عائشہؓ سوچ رہی تھیں کہ اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہیں گی بھی تو کسی کو یقین نہیں آئے گا کیونکہ جھوٹ کو اتنا پھیلا دیا گیا ہے کہ وہ سچ لگنے لگا ہے اور یہ کہ وہ توبہ کیوں کریں جبکہ وہ بے گناہ ہیں۔ انہوں نے سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جو کہ ان کی بے گناہی کو خوب جانتا تھا۔ اس صورت حال میں انہیں حضرت یعقوبؑ کا خیال آیا۔ وہ کہتی ہیں کہ تب مجھے ان کا نام یاد نہیں آ رہا تھا، تاہم میں نے ابو یوسف کے حوالے سے سوچا کہ انہوں نے کہا تھا:

''وَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔'' (یوسف:۱۸)

''صبر ہی بہتر ہے! اور جو کچھ تم لوگ کہتے ہو، اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔''

اس کے بعد حضرت عائشہؓ چپ چاپ ایک طرف جا کر لیٹ گئیں۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی شروع ہو گیا۔ نزولِ وحی کے بعد آپ ﷺ نے عائشہؓ اور ان کی ماں کو مبارکباد دی اور فرمایا کہ اللہ نے عائشہؓ کو بری کر دیا ہے۔ عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب مجھے پتہ چلا کہ میرے بارے میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں جو کہ مساجد میں پڑھی جائیں گی تو وفورِ جذبات سے میں اور زیادہ رونے لگی۔ سورۂ نور کی دس آیات جو کہ ''اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ'' سے شروع ہوتی ہیں، اسی برأت سے متعلق ہیں۔

اس کے بعد ناموسِ رسالت کو داغدار کرنے کی کوشش کرنے والوں پر بہتان کی حد جاری کی گئی۔ ان لوگوں کو اسّی (۸۰) اسّی (۸۰) درّے مارے گئے جنہوں نے تہمت لگائی تھی۔ اس میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت، حمنہ بن جحش بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن اُبی اس دفعہ بھی بچ نکلا۔ شاید اس میں مصلحتِ خداوندی تھی کہ اس کے عذابِ آخرت میں تخفیف نہ ہو سکے۔ اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن اُبی ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو کر گوشۂ خمول

Marfat.com

میں جا گرا۔

غزوۂ مُریسیع کے بعد چند مزید مہمات اطرافِ مدینہ میں بھیجی گئیں جن کا ذکر حسب ذیل ہے:

(۱۵) سرِیّۂ دیارِ بنی کلاب یا سَرِیّۂ دُومۃ الجندل:

شعبان ۶ھ میں حضور ﷺ نے تیس مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ دُومۃ الجندل میں بنی کلاب کی طرف بھیجا۔ اس کے سربراہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے اور حضور ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی دستار بندی کی تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں کے عیسائیوں کو اچھے طریقے سے دعوتِ اسلام دیں اور اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے وہاں پہنچ کر تین دن تک انہیں تبلیغ کی جس کے نتیجے میں وہ مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ کے حسبِ ارشاد عبدالرحمٰن نے تماضر بنتِ اصبغ سے شادی کر لی۔ اصبغ وہاں کے سردار تھے۔ عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوسلمہ کی ماں تماضر بنتِ اصبغ ہی تھیں۔

(۱۶) سریّۂ فدک:

نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوسعد یہود کی مدد کے لیے ایک فوج تیار کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی قیادت میں دوسو مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ روانہ کیا۔ حضرت علیؓ تیزی سے سفر کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ایک شخص ان کے ہاتھ لگا۔ اس سے انہیں بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں اور اس مقام کا پتہ چل گیا جہاں بنوسعد اکٹھے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے اچانک دھاوا بولا تو بنوسعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ البتہ پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہاتھ لگیں۔ بنوسعد کا سربراہ دبر بن علیم تھا۔ یہ سریہ شعبان ۶ھ میں روانہ

Marfat.com

کیا گیا تھا۔

(۱۷) سریہ ءام قرفہ:

حضرت ابو بکرؓ یا زید بن حارثہؓ کی قیادت میں ایک دستہ بنی فزارہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ مسلمانوں کو خبر ملی تھی کہ بنی فزارہ نبی ﷺ کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حملہ کیا تو کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ قیدی بنا لئے گئے۔ قیدیوں میں ام قرفہ نامی ایک حرافہ عورت بھی تھی۔ یہی رسول اللہ ﷺ کے خلاف قتل کی سازش تیار کر رہی تھی۔ اس کی نوخیز بیٹی بھی گرفتار ہو گئی جو حضرت ابو بکرؓ نے ابن اکوع کو عطا کر دی۔ قرفہ نے اپنے خاندان کے تیس شہسوار مقابلے کے لیے تیار کئے تھے جو سب کے سب مارے گئے۔

ابن اکوع ام قرفہ کی بیٹی کو مدینہ لے آئے اور اسے حضور ﷺ کے حوالے کر دیا۔ حضور ﷺ نے اسے مکے بھجوا دیا جس کے بدلے میں متعدد مسلمان قیدیوں کو رہائی مل گئی۔ یہ سریہ ۶ھ کے رمضان میں روانہ کیا گیا تھا۔

(۱۸) سریہ کرز بن جابر الفہری رضی:

شوال ۶ھ میں حضرت کرز بن جابر الفہری رضی کی قیادت میں ایک سریہ روانہ کیا گیا۔ عکل اور عرینہ کے کچھ افراد مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ انہیں مدینے سے باہر سرکاری چراگاہوں میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ یہ مدینہ کے اندر رہنا نہیں چاہتے تھے۔ درحقیقت ان کی نیت میں کھوٹ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن اونٹوں کے ایک چرواہے کو قتل کر کے اس کی لاش کا مثلہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ ہانک کر لے گئے۔

کرز بن جابر الفہری (14) بیس مجاہدین کے ہمراہ ان کے تعاقب میں گئے۔

اتفاق سے عکل اور عرینہ کے یہ مرتدین راستہ بھول گئے اور مسلمان انہیں گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ یہاں انہیں چرواہے کے قتل اور بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

یہ وہ واقعات، سرایا اور غزوات ہیں جو احزاب کے بعد حدیبیہ تک پیش آئے یہ معمولی جھڑپیں تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی بڑی جنگ نہ تھی۔ یہ احد کے بعد جو قبائل سرکشی پر مائل ہو گئے تھے، ان کی سرکوبی کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس طرح اسلامی ریاست کا وقار بلند ہوا۔

تیئیسواں باب

مُعاہدۂ حدَیبیہ

اُحد میں مسلمانوں کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا تھا، اس کا بڑی حد تک ازالہ ہو چکا تھا۔ ریاستِ مدینہ کافی مستحکم ہو چکی تھی۔ پے در پے سرایا و غزوات سے اردگرد کے قبائل کو بھی مطیع کر لیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے شب و روز میں ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے والوں کے قلب و نظر میں بہت بڑا انقلاب آ چکا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی ایک جنبشِ ابرو پر آگ کے سمندر میں کودنے کو تیار تھے۔ اگرچہ سب مسلمان خوش و خرم تھے، تاہم بیت اللہ کی یاد انہیں ہر وقت مضطرب رکھتی۔ مہاجر تو خیر اپنی آبائی سرزمین، مال و جائیداد اور اعزہ و اقربا چھوڑ کر مدینے آئے تھے، ان کا حزن و ملال تو فطری تھا۔ لیکن انصار کے دل میں بھی کعبۃ اللہ کی زیارت کی خواہش اتنی ہی شدید تھی۔ کیونکہ کعبۃ اللہ سب کا ملجاء و ماویٰ تھا۔ تمام عرب قبائل بلا تخصیص مذہب و نسب اپنے جدِ اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ کا طواف کرنا اپنے لیے انتہائی شرف و برکت کا باعث سمجھتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کعبۃ اللہ سے گہری روحانی و جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔ یہ وہ گھر تھا جس کی تعمیرِ نو میں نبوت سے بہت پہلے آپ ﷺ نے بھرپور حصہ لیا تھا اور خود پتھر ڈھوئے تھے۔ مکہ سے ہجرت کرتے وقت آپ ﷺ نے اس پر حسرت بھری نگاہ ڈالی تھی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: ''اے کعبۃ اللہ! تو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے!''

قریش تو محض کعبہ کے متولّی تھے۔ کعبہ سب کا تھا۔ عرب کا کوئی بھی فرد

یہاں آ کر حج یا عمرہ ادا کر سکتا تھا۔ اصولی طور پر قریش کسی بھی زائر کی آمد پر معترض نہیں ہو سکتے تھے۔ حرمت کے چار مہینوں میں دور دراز کے علاقوں سے لوگ جوق در جوق آتے، بیت اللہ کا طواف کرتے، قربانیاں دیتے اور خرید و فروخت کرتے۔ اس دوران وہ اپنی دیرینہ دشمنیاں بھلا کر آپس میں گھل مل جاتے۔ قریش کے ذمہ حاجیوں کا قیام و طعام اور دیگر انتظامات تھے۔ بلاشبہ پورے عرب میں ان کا تفوق اور احترام اسی بنا پر تھا کہ وہ متولیانِ کعبہ تھے اور اسی سے ان کے مالی مفادات وابستہ تھے۔ لیکن بنو اسمٰعیل میں سے انہوں نے صرف مسلمانوں ہی کا مسجدِ حرام میں داخلہ بند کر رکھا تھا۔ ان کے اس فعل کو ہجرت کے فوراً بعد سے قرآنِ حکیم نے ہدفِ ملامت بنانا شروع کر دیا تھا۔ مثلاً:

''یسئلونك عن الشّهر الحرام قتالٍ فیه - قُل قِتَال" فِیهِ کَبِیر - وَ صد عن سبیل الله وکفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اکبر عند الله ۔'' (۲:۲۱۷)

''اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ جو مہینہ حرمت کا سمجھا جاتا ہے، اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو اس میں لڑائی کرنا بڑی برائی کی بات ہے مگر انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجدِ حرام میں نہ جانے دینا اور اہلِ مکہ کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑی برائی ہے۔''

''وَمَا لَهُم اَلّا یُعَذِّبهُمُ اللّٰه ُ وَ هُم یَصُدُّوْنَ عَنِ اَلْمَسْجِدِ اَلْحَرَامِ وَمَا کَانُوٓا اَوْلِیَآءَ ه ٗ ط اِنْ اَوْلِیَاءُ ه ٗ اِلّا اَلْمُتّقُوْنَ وَلٰکِنّ اَکْثَرَهُم لَا یَعلَمُونَ۔'' (انفال:۳۴)

''اور اب (کہ تم مکہ سے ہجرت کر کے چلے آئے) تو ان (کفارِ مکہ) کو کیا استحقاق رہا کہ یہ تو مسجدِ حرام سے (مسلمانوں کو)

Marfat.com

روکیں اور خدا ان کو عذاب نہ دے، حالانکہ یہ گو اس کے متولی ہونے کے مدعی ہیں مگر (از روے انصاف) یہ اس کے مستحق نہیں۔ اس کے مستحق تو بس پرہیز گار لوگ ہیں لیکن ان (کافروں) میں سے اکثر اس بات کو نہیں سمجھتے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ" (انفال:۳۵)

"اس میں شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال (اس لیئے) خرچ کرتے رہتے ہیں کہ (لوگوں کو) راہِ خدا سے روکیں۔ سو (یہ لوگ تو) مال کو (اسی طرح پر) خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ مگر پھر (آخر کار وہی مال) ان کے حق میں موجبِ حسرت ہوگیا۔ (خرچ بھی کریں گے اور) پھر مغلوب بھی ہونگے اور قیامت کے دن کافر (سب) جہنم کی طرف ہانکیں جائیں گے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کئے مسلمانوں کو چھ برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ انہی دنوں رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے کعبہ کی چابی حاصل کر لی ہے اور اپنے اصحاب کے ساتھ طواف کیا ہے اور بال کٹوائے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے صحابہ سے کیا تو ان کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ جلد ہی انہیں اس سعادت سے سرفراز کرنے والا ہے۔ کچھ ہی عرصے بعد ایک روز حضور ﷺ صبح کے وقت مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

"لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ" (فتح:۲۷)

لیکن حج یا عمرے کے لیے مکہ میں داخل ہونا آسان کام نہ تھا۔ قریش نے مصمم

Marfat.com

ارادہ کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر حدودِ حرم میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اس لیے ہر مسلمان یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہوگا۔

(۱) عمرہ کا اعلان اور روانگی:

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو عمرہ کی تیاری کا حکم دیا اور گردونواح کے علاقوں میں یہ بھی عام اعلان کروا دیا کہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ادائے عمرہ کے لیے چلیں۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ اگر آپ ﷺ کے ساتھ عمرہ کے لیے غیر مسلم قبائل بھی کثیر تعداد میں چلیں تو قریشی یقیناً جنگ سے گریز کریں گے اور حدودِ حرم میں ان کا داخلہ بند کرنا ان کے لیے مشکل ثابت ہوگا۔

ذی قعدہ ۶ھ (مارچ ۶۲۸ء) میں آپ ﷺ نے چودہ سو (1) مہاجرین کو ساتھ لیا، حضرت ابنِ امِّ مکتومؓ کو مدینے کا عامل بنایا اور اپنی قصواء نامی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ ازواجِ مطہرات میں سے حضرت امِّ سلمہؓ ساتھ تھیں۔ قربانی کے ستر اونٹ (جنہیں ھدی کہا جاتا تھا) قافلے کے ساتھ تھے۔ ان میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی کوشش کے باوجود غیر مسلم قبائل میں سے بہت کم افراد آپ ﷺ کے ہمراہ آئے تھے۔

آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر قیام کیا اور عمرے کے لئے احرام باندھا۔ اونٹوں کے کوہان چیرے گئے اور انہیں قلادے پہنائے گئے۔ اب وہ باقاعدہ قربانی کے جانور نظر آ رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ تلواریں بھی نیام میں تھیں۔ تلوار کے بغیر سفر کرنا عرب میں ناقابلِ تصور تھا۔ لہٰذا مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے بھی تلواریں ساتھ رکھنا عرب کے دستور کے خلاف نہ تھا۔

Marfat.com

(۲) قریش کا ردِ عمل:

ادھر قریش کو بھی علم ہو گیا کہ مسلمان عمرے کے لیے مدینے سے روانہ ہو چکے ہیں۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے پورے عرب میں اعلان کرا دیا تھا کہ مسلمان صرف دینی فریضے کی ادائیگی کے لیے مکہ جا رہے ہیں، لیکن قریش نے کسی طرح باور نہ کیا کہ مسلمانوں کی نیت صرف عمرے کی ہی ہے۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ مسلمان مکے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو ہر حال میں مکے سے باہر ہی روکا جائے۔ مکہ کے دفاع کے لیے انہوں نے اردگرد کے بعض حلیف قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ ان میں احابیش بھی شامل تھے۔ دو سو مسلح سواروں کا ایک دستہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں روانہ کیا گیا جس نے مقامِ ذی طویٰ پر پہنچ کر مکہ جانے کا راستہ بند کر دیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصادم سے گریز:

جب رسول اللہ ﷺ مقامِ عسفان (مکہ سے دو منزل) پر پہنچے تو یہاں بنو کعب کے بشر (2) بن سفیان سے ملاقات ہوئی۔ بشر نے بتایا کہ قریش چیتے کی کھالوں میں ملبوس مقابلے پر آ گئے ہیں اور مقام ذی طویٰ کے قریب کراع الغمیم میں جنگ کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ اس نے مزید بتایا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قریش کا برا ہو! انہیں تو جنگ کھا گئی ہے۔ اگر وہ اس معاملے کو مجھ پر اور عربوں پر چھوڑ دیں تو ان کا کیا بگڑتا ہے؟ اگر عرب مجھے ہلاک کر دیں گے تو قریش کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر اللہ مجھے عربوں پر غالب کر دے گا تو وہ

Marfat.com

جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اور اگر اسلام میں داخل نہیں ہوتے تو جب تک ان میں قوت ہے جنگ کریں گے۔ پھر قریش کس خیال میں ہیں؟ خدا کی قسم میں اس مقصد کے لیے برابر جہاد کرتا رہوں گا جس کے لیے اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے تا آنکہ ذات پاک اسے غالب کر دے یا میری موت آ جائے!'' (3)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو مجھے یہ راستہ چھوڑ کر جس پر کہ قریش ہیں، کسی اور راستے سے لے چلے؟'' قبیلہ اسلم کا ایک شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو ایک ایسے ہی راستے سے لے چلتا ہوں!'' مسلمانوں نے اس اسلمی شخص کی راہنمائی میں معروف راستہ چھوڑ کر حمش کی سنگلاخ پہاڑیوں کے درمیان ایک دشوار گزار راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ یہ راستہ مسلمانوں کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہوا۔ خدا خدا کر کے یہ راستہ ختم ہوا اور پھر وادی کی نرم ریت آ گئی جس پر وہ آسانی سے چل سکتے تھے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ " نستغفر الله ونتوبُ اليه " کا ورد شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہی حِطّہ (حطۃ عنا ذنوبنا) ہے جس کے ورد کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، لیکن انہوں نے تعمیل نہ کی تھی۔''

پھر آپ ﷺ نے سفر کرتے ہوئے ثنیۃ المرار تک آ پہنچے۔ یہاں آ کر آپ ﷺ کی ناقہ زمین پر بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا یہ اَڑ گئی ہے، اب اٹھے گی نہیں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اَڑ کر نہیں بیٹھی، بلکہ اللہ کے حکم سے بیٹھی ہے اور اب یہاں سے نہیں اٹھے گی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے حکم سے ابرہہ کا ہاتھی اپنی جگہ جم گیا تھا! چنانچہ سب لوگ یہاں ہی قیام کریں گے!'' قریب ہی حدیبیہ کا مقام تھا جو لشکر کی فرودگاہ بن سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے قصواء کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ آپ ﷺ اس پر حدیبیہ کی طرف بڑھے۔ مسلمان حدیبیہ میں خیمہ زن ہو گئے۔ یہاں سے مکہ بہت نزدیک تھا۔

Marfat.com

قریشیوں کا مسلح دستہ بائیں طرف رہ گیا تھا۔ انہوں نے جب گرد و غبار اڑتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ مسلمانوں کا لشکر راستہ بدل کر حدیبیہ تک آ پہنچا ہے۔ وہ اس غیر متوقع صورتحال کی اطلاع دینے مکے کی طرف دوڑے۔

حدیبیہ میں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بس ایک کنواں تھا جو مدت سے خشک پڑا تھا۔ اس صورتِ حال سے مسلمانوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے حضور ﷺ کو اس سے مطلع کیا تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو ایک تیر دیا اور کہا کہ اسے کنویں کی تہہ میں نصب کر دے۔ وہ شخص تیر لے کر کنویں میں اترا اور اسے خشک تہہ کے وسط میں نصب کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنویں میں پانی ابلنے لگا اور مسلمانوں نے ڈول بھر بھر کر پانی نکالنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ پورے لشکر کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی پانی میں کمی نہ آئی۔

(۴) قریش کی سفارتی مساعی:

قبیلہ خزاعہ کا بدیل بن ورقا اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ قریش نے عہد کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور وہ ہر حال میں آپ ﷺ سے جنگ کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے، بلکہ بیت اللہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ تاہم اگر ہمیں روکا گیا تو پھر ہم آخری سانس تک لڑیں گے۔''

بدیل واپس مکے آیا اور نبی ﷺ کی بات قریش کو بتائی۔ اس کے بعد قریش نے مکرز بن حفص اور بنو کنانہ کے حلیس بن علقمہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ مکرز کو آپ ﷺ نے وہی کچھ کہا جو بدیل سے کہہ چکے تھے۔ حلیس بن علقمہ قربانی کے جانور دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ جب یہ واپس آئے تو انہوں نے قریش کو رسول اللہ ﷺ کے موقف

Marfat.com

سے آگاہ کیا۔ حلیس بن علقمہ نے قریش کو صاف صاف کہہ دیا کہ انہیں کسی کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کا حق نہیں۔ قریش نے اسے سخت سست کہا اور وہ ان سے ناراض ہو کر اپنے لوگوں میں چلا گیا۔

اب قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بطور سفیر مسلمانوں کے پاس بھیجنا چاہا۔ لیکن پہلے تینوں سفیروں کے ساتھ قریش کی بدسلوکی کی وجہ سے عروہ مسلمانوں کے پاس جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ بالآخر قریش نے منت سماجت کر کے اسے تیار کر لیا۔ عروہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے کہا: ''محمد! تم نے ملے جلے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ پھر انہیں لے آئے ہو کہ اپنے قبیلے کو زک پہنچاؤ۔ سن لو! قریش مع اپنے بچوں اور عورتوں کے نکل آئے ہیں اور چیتے کی کھالوں میں ملبوس ہیں۔ اللہ سے انہوں نے عہد کیا ہے کہ وہ تمہیں بزور مکے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور خدا کی قسم! اگر لڑائی کا رخ بدلا تو یہ اوباش لوگ تمہیں چھوڑ جائیں گے۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے عقب میں کھڑے تھے۔ انہیں عروہ کے طرزِ تخاطب اور صحابہ کے بارے میں نازیبا الفاظ پر اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے عروہ کو گالی دی اور کہا: ''او بدبخت! جا! لات کی شرمگاہ چوس! کیا ہم لوگ آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

عروہ نے ابوبکرؓ کی طرف دیکھا اور پوچھا: ''یہ کون ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ ہیں!''

عروہ بولا: ان کا مجھ پر ایک احسان (4) ہے، ورنہ میں انہیں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا!''

Marfat.com

اس کے بعد عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو شروع کر دی۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ بات کرتے ہوئے اپنے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے تھے۔ عروہ نے بھی دورانِ گفتگو یہی حرکت کی اور نبی ﷺ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگایا۔ مغیرہ بن شعبہ خود پہنے شمشیر بدست نبی ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ جب عروہ حضور ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا دستہ ہاتھ سے کھٹکھٹاتے اور کہتے: ''عروہ! اپنا ہاتھ پرے رکھ ورنہ تیرا ہاتھ واپس نہ جائے گا!'' عروہ نے ان کی طرف دیکھا اور استفسار کیا: ''یہ کون ہے؟''

حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا: ''یہ تیرے عم زاد مغیرہ بن شعبہ ہیں!''

مغیرہ کو پہچان کر عروہ غصے سے بولا: ''او احسان فراموش! کیا میں نے تیری دغابازی درست کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہیں کر رہا؟'' (5)

عروہ نہایت زیرک اور معاملہ فہم انسان تھا۔ اگرچہ اس نے مسلمانوں سے کوئی معاملہ طے نہ کیا لیکن وہ اپنے دل و دماغ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی عقیدت و احترام کا گہرا تاثر لیے ہوئے مکے واپس آیا اور قریش سے کہنے لگا: ''میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں حاضری دی ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس سے اتنی عقیدت و محبت رکھتے ہوں جتنی کہ محمد سے اصحابِ محمد رکھتے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو لوگ خاموش ہو جاتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو پانی کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے، حتیٰ کہ جب وہ تھوک بھی پھینکتے ہیں تو لوگ اسے ہاتھوں پر روک لیتے ہیں اور اسے جسم پر مل لیتے ہیں۔ کوئی شخص بھی احترام سے ان کو نظر بھر کر نہیں دیکھتا۔ انہوں نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز رکھی ہے۔ تمہیں

Marfat.com

چاہیے کہ اسے قبول کرلو!''

عروہ کے جانے کے بعد قریش کی طرف سے خاموشی رہی تو رسول اللہ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی کو بھیجا کہ وہ قریش کا حتمی موقف معلوم کر کے آئے۔ خراش کو حضور ﷺ نے اپنا ایک اونٹ ''ثعلب'' نامی عطا کیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر مکہ جائیں۔ قریش نے بجائے کوئی بات چیت کرنے کے غصے میں خراش کے اونٹ کو مار ڈالا اور خراش کو بھی قتل کرنے کے لیے لپکے۔ لیکن وہ اتحادی قبائل جو قریش کی مدد کے لیے مکہ میں جمع تھے آڑے آئے اور خراش کی بمشکل واپسی ہوئی۔

(۵) قریش کی جارحیت:

قریش اپنے بغض میں اتنا آگے بڑھ چکے تھے کہ انہوں نے چالیس آدمیوں کا ایک دستہ بھیجا جس نے رات کی تاریکی میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ قریش کا خطرناک وار تھا۔ اگر اس دستے کے کچھ سپاہی قتل ہو جاتے یا مسلمانوں کے کچھ افراد مارے جاتے تو انتقامی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور قریش کو بھرپور حملے کا جواز مل جاتا۔

لیکن قریش کا یہ دستہ جب مسلمان کیمپ پر شبخون مارنے کے لیے آگے بڑھا تو مسلمان پہرے داروں کو پتہ چل گیا۔ انہوں نے پورے دستے کو نرغہ میں لے کر گرفتار کر لیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا اور بغیر فدیہ لیے ان کو واپسی کی اجازت دے دی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صلح اور امن کا واضح ثبوت تھا۔ اسی بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا:

''وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُم عَنكُم وَاَيْدِيَكُم عَنهُمْ بِبَطنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعدِ اَن اَظْفَرَ كُم عَلَيْهِم ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعمَلُونَ

Marfat.com

بصیراً۔" (فتح:۲۴)

"وہی ہے جس نے بطنِ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ وہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔ اور اللہ جو تم کرتے ہوئے، اسے دیکھنے والا ہے!"

(۶) سفارتِ عثمان اور بیعتِ رضوان:

خراش بن امیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کسی زیادہ ثقہ اور بااثر آدمی کو قریش کی طرف بھیجیں تاکہ وہ مسلمانوں کے موقف کو واضح اور موثر طور پر ان کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس کام کے لیے چنا۔ تاہم حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ مکہ میں ان کے قبیلے کا ایک آدمی بھی موجود نہ تھا جس کی حمایت اور ولایت میں وہ وہاں جا سکتے۔ انہوں نے تجویز پیش کی اس کام کے لیے حضرت عثمانؓ بن عفان کو بھیجا جائے کیونکہ ان کے قبیلے کے اکثر افراد مکہ میں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو ان کے ایک قریبی عزیز ابان بن سعید کی زیر حمایت مکہ بھیجا گیا۔ ابان بن سعید اشرافِ قریش میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ حضرت عثمانؓ نے قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ قریش نے کہا کہ ہم نے آپ کا پیغام سن لیا ہے، اب آپ جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ اگر آپ بذاتِ خود بیت اللہ کا طواف کرنا چاہیں تو شوق سے کریں۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی پیش کش مسترد کرتے ہوئے کہا: "جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب طواف نہ کر لیں، میں طواف نہ کروں گا۔"

حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ اپنی سفارت کی ناکامی کے بعد واپس چلے جائیں۔ لیکن قریش نے انہیں زبردستی روک لیا۔ ادھر مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کے واپس نہ آنے پر

Marfat.com

بڑی تشویش ہوئی۔ دریں اثنا افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ سنا تو فرمایا: ''اب ہم اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے، جب تک کہ قریش سے جنگ نہ کر لیں''۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ببول کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ حضرت معقل بن یسار نے درخت کی جھکی ہوئی شاخوں کو پرے ہٹایا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو تادمِ مرگ لڑنے کے لیے بیعت کی دعوت دی اور اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کا بازو تھام لیا اور لوگ باری باری آ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موت پر بیعت نہیں لی، بلکہ اس بات پر بیعت لی کہ لوگ بھاگیں گے نہیں۔ (6)

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو۔ بعض جوشیلے لوگوں نے تین تین دفعہ بیعت کی۔ آپ ﷺ نے اپنے بائیں دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور دائیں ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی۔ یہی وہ بیعت ہے جسے بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے۔ اسی بیعت کا اور اس درخت (7) کا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی، قرآنِ حکیم میں یوں ذکر آیا ہے:

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" (فتح:۱۸)

''اللہ مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''

بیعت مکمل ہوئی ہی تھی کہ حضرت عثمانؓ کی خیریت کی اطلاع آ گئی۔ کچھ دیر بعد حضرت عثمانؓ خود بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ قریش صلح پر تیار ہیں، تاہم وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اس سال واپس لوٹ جائیں اور اگلے سال آ کر عمرہ کر لیں۔

Marfat.com

(۷) سہیل بن عمرو کی آمد اور صلح کی پیشکش:

متولیان کعبہ کی حیثیت سے اہل قریش سخت پریشانی میں تھے۔ اصولاً وہ کسی عرب قبیلے کو بیت اللہ کی زیارت سے منع کرنے کے مجاز نہ تھے۔ لیکن اگر وہ مسلمانوں کو مکہ آنے اور عمرہ کرنے کی اجازت دے دیتے تو انہیں خدشہ تھا کہ تمام عرب قبائل انہیں بزدلی کا طعنہ دیں گے۔ ادھر ان کے حلیف قبائل کا رویہ بھی اس معاملے میں کافی بدل گیا تھا۔ ان کے بعض حلیف قبائل کھلم کھلا کہنے لگے تھے کہ قریش کو نہیں چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روکیں۔ حضرت عثمانؓ کی باتوں سے بھی انہیں یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان مکے میں فی الواقع عمرہ کی نیت سے ہی داخل ہونا چاہتے ہیں، اس پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں۔ چنانچہ قریش نے عرب کے ایک مشہور فصیح البیان شخص عمرو بن سہیل کو سفیر بنا کر مسلمانوں کے پاس شرائط صلح طے کرنے بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ اس سال عمرہ ادا کرنے پر وہ مسلمانوں سے کسی طور بھی معاہدہ نہ کرے۔

سہیل بن عمرو مذاکرات کے لیے مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچا تو اسے آتا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''خدا نے تمہارا کام سہل بنا دیا ہے۔ اس آدمی کو بھیج کر قریش نے ہم سے صلح کا ارادہ کر لیا ہے!'' سہیل نے دیر تک رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی۔ بالآخر معاہدہ طے پا گیا۔ حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ وہ معاہدے کو تحریری شکل دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ نے دستاویز کی پیشانی پر لکھا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''۔ اس پر سہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ عرب کے عام دستور کے مطابق ''باسمک اللّٰھم'' تحریر کیا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''یہی لکھ دو!'' اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق لکھا: ''ھذا مَا صَالَحَ عَلَیہِ محمّد" رّسوُل اللہ ''یعنی یہ ہے وہ بات جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی!'' اس پر سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم تو

Marfat.com

آپ (ﷺ) کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے، اس لیے محمد بن عبداللہ، لکھا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے تسلیم نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو بلاشبہ اللہ کا رسول ہوں۔''

تاہم آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ''رسول اللہ'' کے الفاظ قلم زد کر دیں اور ان کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ مٹاؤں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے قلم اپنے ہاتھ میں پکڑا اور حضرت علیؓ کی نشاندہی پر الفاظ ''رسول اللہ'' کاٹ دیئے۔ پھر حضرت علیؓ نے ان کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' تحریر کروا دیا۔ اس کے بعد معاہدہ مکمل ہو گیا۔

معاہدے کی دفعات حسب ذیل تھیں۔

۱۔ اس سال محمد ﷺ مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال مسلمان مکہ میں آ سکتے ہیں اور تین دن تک قیام کر سکتے ہیں۔ تاہم ان کے پاس کوئی ہتھیار (ماسوائے تلوار کے) نہیں ہوگا اور تلوار بھی نیام میں ہوگی۔

۲۔ فریقین دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔

۳۔ قریش کا جو شخص فرار ہو کر (یعنی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر) نبی ﷺ کے پاس آئے گا، آپ ﷺ اسے واپس لوٹا دیں گے۔ لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص بھاگ کر قریش کے پاس پناہ لے گا، وہ واپس نہ کیا جائے گا۔

۴۔ عرب قبائل میں سے جو بھی فریقین (اہلِ قریش اور اہل اسلام) میں سے کسی کے ساتھ معاہدہ کرے گا دوسرا فریق اس پر اعتراض نہیں کرے گا۔

اس موقع پر قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدۂ وفاداری کر لیا اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔

ابھی اس معاہدے کی نقول وغیرہ تیار کی جا رہی تھیں اور ان پر دستخط ہونا باقی تھے

Marfat.com

کہ ابو جندلؓ جو کہ قاصد قریش سہیل بن عمرو کے صاحبزادے تھے اور مشرف با اسلام ہو چکے تھے، قریش کی قید سے فرار ہو کر حدیبیہ میں آ پہنچے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور قید و بند کی صعوبتوں اور کافروں کی اذیتوں سے نہایت خستہ حال ہو چکے تھے۔ یہ آتے ہی سب کے سامنے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ سہیل نے جب بیٹے کو دیکھا تو ان کا گریبان پکڑ کر منہ پر طمانچے لگانے لگا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یہ معاہدے پر عمل کرنے کا پہلا موقع ہے، چنانچہ اسے واپس بھیج دیا جائے۔ ابو جندلؓ نے چلا کر کہا کہ اگر مجھے واپس بھیجا گیا تو مشرکین میرے دین کو برباد کر دیں گے یا مجھے اذیتیں دے دے کر مار ڈالیں گے۔ ابو جندلؓ کی حالتِ زار دیکھ کر سب مسلمان تڑپ اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بہت کوشش کی کہ ابو جندلؓ مسلمانوں کے پاس رہ جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے، لہٰذا ابو جندلؓ اگر مسلمانوں کے پاس رہ جاتے ہیں تو یہ معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ لیکن سہیل بن عمرو نے ایک نہ سنی اور ابو جندلؓ کو واپس بھیجنے پر مصر رہا۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ سے کہا ''ابو جندلؓ! صبر سے کام لو اور ثواب کا خیال رکھو۔ واپس مکے چلے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تمہارے لیے اور ان کمزور مسلمانوں کے لیے جو تمہارے ساتھ ہیں، کشادگی کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا!'' ابو جندلؓ نے فرمانِ رسول ﷺ سن کر سرِ تسلیم خم کر لیا اور واپس جانے کے لیے مڑ گئے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ اچھل کر کھڑے ہوئے اور ابو جندلؓ کے قریب پہنچ کر ان کے پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔ حضرت عمرؓ ان سے کہہ رہے تھے ''ابو جندلؓ! صبر سے کام لو اور اسے باعثِ ثواب سمجھ! اللہ تمہارے لیے اور تمہارے مسلمان ساتھیوں کے لیے کشادگی اور پناہ کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور اب اس سے پھر نہیں سکتے۔ اور کافر کا خون تو بس کتے کا خون ہے۔'' دورانِ گفتگو وہ اپنی تلوار کا دستہ ابو جندلؓ کے قریب کرتے جا

رہے تھے۔ وہ ابو جندلؓ کو ترغیب دے رہے تھے کہ وہ تلوار پکڑ کر اپنے باپ کا سر قلم کر دیں۔ لیکن ابو جندلؓ باپ کے قتل پر آمادہ نہ ہو سکے۔

معاہدۂ صلح تو تکمیل پا گیا اور نافذ بھی ہو گیا، مگر مسلمانوں کے دل اندر سے سلگ رہے تھے۔ معاہدے کی بعض دفعات ان کے لیے واضح طور پر توہین آمیز تھیں۔ تحریرِ معاہدہ کے دوران حضرت عمرؓ بہت مضطرب تھے۔ وہ اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جرح کر ڈالی۔ انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!''

عمرؓ نے کہا: ''کیا ہم مسلمان نہیں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔''

عمرؓ نے کہا: ''کیا وہ مشرک نہیں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں''

عمرؓ نے کہا: ''پھر ہمارے دین کے معاملے میں ہمیں کس بنا پر ذلت دی جا رہی ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی طرح نہیں کر سکتا۔ اور وہ مجھے کسی طرح ضائع نہیں کرے گا!''

حضرت عمرؓ جوش میں حضور ﷺ سے یہ مکالمہ تو کر بیٹھے، لیکن بعد ازاں جب انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا تو انہیں اپنی غلطی کا ادراک ہو گیا اور وہ بہت متاسف ہوئے۔ اپنی اس جسارت کے ازالے کے لیے وہ عرصے تک صدقے

Marfat.com

دیتے رہے، غلام آزاد کرتے رہے، نوافل پڑھتے رہے اور روزے رکھتے رہے۔ تب کہیں جا کر انہیں اطمینان ہوا کہ انجام بخیر ہوگا۔

اس معاہدے پر بقول ابن ہشام ان اصحاب نے دستخط کئے: ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن سہیلؓ، مکرز بن حفصؓ، محمودؓ بن مسلمہ۔

(۸) اونٹوں کی قربانی:

معاہدے کے نفاذ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سب لوگ اپنے قربانی کے اونٹ یہیں ذبح کر دیں۔ لیکن مسلمان معاہدے کی نوعیت سے اتنے دلگرفتہ تھے کہ کوئی شخص بھی نہ اٹھا۔ صحیح بخاری کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ یہ حکم دہرایا، لیکن کوئی نہ اٹھا۔ مسلمان اس امید پر بیٹھے تھے کہ شاید آخری لمحے فیصلہ تبدیل ہو جائے۔ آپ ﷺ اپنے خیمے میں تشریف لے آئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ پہلے آپ ﷺ اپنے اونٹ کی قربانی دے دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا اونٹ ذبح کر دیا۔ اب مسلمانوں کا یقین ہو گیا کہ فیصلہ تبدیل نہ ہوگا اور صلح نامہ برقرار رہے گا۔ لہذا سب نے قربانیاں دیں، بال کٹوائے یا سر منڈوائے اور احرام اتار دیئے۔

اس کے بعد کچھ مسلمان عورتیں مکہ سے وہاں پہنچیں۔ ان کے پیچھے قریش کے نمائندے بھی پہنچ گئے اور ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ معاہدے میں ''مرد'' کی واپسی کا ذکر ہے، لہذا عورتوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کے اس فیصلے کی توثیق قرآنِ حکیم نے بھی کر دی۔

(ملاحظہ ہو: ممتحنہ: ۱۰)

Marfat.com

(۹) واپسی:

آپ ﷺ نے معاہدے کے بعد تین دن تک حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر واپسی کا حکم دے دیا۔ راستے میں سورۂ فتح کا نزول ہوا:

''اِنَّا فَتَحنَا لَكَ فَتحاً مُّبِيناً'' (فتح:۱)

''ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے۔''

جس معاہدے کو مسلمان شکست اور تذلیل سمجھ رہے تھے، حق تعالیٰ نے اسے ''فتح مبین'' قرار دیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر یہ سورۂ سنائی۔ حضرت عمرؓ نے تعجب سے پوچھا:

''کیا یہ فتح ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے۔ صلح کے نتائج نے جلد ہی یہ ثابت کر دیا کہ یہ واقعی فتح مبین تھی۔

(۱۰) معاہدۂ حدیبیہ پر ایک نظر:

بظاہر معاہدۂ حدیبیہ کی بعض شرائط مسلمانوں کے لیے توہین آمیز تھیں، تاہم اس کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر جہاں تک پہنچ رہی تھی، وہاں تک عام مسلمانوں کے ذہن کی رسائی نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے فتحِ مبین قرار دیا تو اس پر بھی مسلمانوں کو بہت تعجب ہوا۔ بغیر طواف کے بیت اللہ سے واپسی اور عمرے کے لیے ایک سال کا انتظار مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ عرب وہ لوگ تھے جو جب کوئی ارادہ کر لیتے تو یا اسے پورا کر ڈالتے یا خود ہلاک ہو جاتے۔ ان کے سامنے کوئی تیسرا راستہ ہی

Marfat.com

نہیں ہوتا تھا۔ مصلحتوں اور سیاسی نشیب و فراز کے وہ قائل نہ تھے۔ بیعت رضوان سے ان کا جذبۂ جہاد پوری طرح بھڑک اٹھا تھا۔ انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ یا تو مکہ کے اندر داخل ہو کر عمرہ کی رسوم ادا کریں گے یا اس مقصد کے لیے لڑتے لڑتے ان کا آخری متنفس بھی جان دے دے گا۔ ابو جندلؓ کی حالت زار دیکھ کر عین ممکن تھا کہ معاہدے کی دھجیاں ہی اڑا دی جاتیں اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہی تھی جس کی موجودگی میں وہ اپنے غیظ و غضب کو اندر ہی اندر پی گئے۔ گویا یہ ضبط نفس کی انتہا تھی جس کا انہوں نے مظاہرہ کیا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ اس وقت بہت خوش ہوئے تھے جب صلح کے بعد سب نے اپنے قربانی کے اونٹ ذبح کیے۔ آپ ﷺ نے سب صحابہ کو اس اطاعت شعاری پر بہت دعائیں دی تھیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس معاہدے کی افادیت مسلمانوں پر عیاں ہوتی گئی اور کچھ ہی عرصے بعد انہیں احساس ہو گیا کہ یہ واقعی فتح مبین تھی۔ اگر مندرجہ ذیل نکات پر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ معاہدۂ حدیبیہ تحریر کرواتے ہوئے نبی ﷺ کے پیش نظر کون کون سی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں:

(۱) ابھی چند ہی برس پہلے قریش مسلمانوں کو مکے کے کوچہ و بازار میں رسوا کیا کرتے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ وہ خود کو اتنا برتر اور زور آور سمجھتے تھے کہ انہیں خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ ہجرت کے بعد چھ سال کے عرصے میں ان کا مسلمانوں سے متعدد مرتبہ تصادم ہوا اور متعدد بار انہوں نے مسلمانوں سے زک بھی اٹھائی، تاہم وہ انہیں اب بھی اپنا برابر کا فریق تسلیم کرنے سے گریزاں تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ تحریر کر کے گویا انہوں نے پہلی دفعہ اعلانیہ اور رسمی طور پر ریاستِ مدینہ کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ یوں نظر آتا ہے جیسے یہی وہ نکتہ تھا جس پر نبی ﷺ کی تمام مساعی مرکوز تھیں اور

اس میں آپ ﷺ کو واضح کامیابی حاصل ہوئی۔

(۲) اسلامی ریاست کا وجود تسلیم کروانے کے لیے نبی ﷺ نے ایک مخصوص موقع پر قریش کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ قریش کعبہ کی تولیت کی بنا پر ہی سارے عرب میں معزز و محترم تھے اور وہ اس معاملے میں انتہائی حساس تھے۔ مسلمانوں کو عمرے سے روکنے کا فیصلہ کئی قبائل عرب کے نزدیک ناپسندیدہ تھا۔ کچھ نے دبی زبان میں اور کچھ نے برملا اسے ہدفِ تنقید بنایا۔ نبی ﷺ نے حدیبیہ کی مہم کے دوران ہر مرحلے پر قولاً وفعلاً یہ تاثر عام کرنے کی کوشش کی کہ مسلمان صرف عمرہ کرنے کی نیت سے ہی آئے ہیں۔ لیکن قریش نے تصادم کو یقینی بنانے کے لیے انتہائی خطرناک چال چلی اور چالیس آدمیوں کو شب خون مارنے کے لیے بھیج دیا۔ اگر فریقین کے کچھ بندے مارے جاتے تو صورتِ حال الجھ جاتی اور صلح کے امکانات مفقود ہو جاتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے چالیس چھاپہ ماروں کو گرفتار کر لیا اور پھر بغیر فدیہ لیے چھوڑ دیا۔ اس طرح قریش کی یہ چال ناکام ہوگئی اور عام عربوں کے دل میں مسلمانوں کی امن پسندی کی وجہ سے ان کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگیا۔

(۳) ریاست مدینہ کے لیے اب وہ وقت آ گیا تھا کہ وہ اہلِ مکہ کو اپنا وجود تسلیم کرنے پر مجبور کر دے اور ان سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لے۔ مکہ والوں کا خیبر والوں سے معاہدہ تھا کہ اگر مسلمان کسی ایک فریق پر حملہ کریں، تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔ خیبر والوں کی طرف سے حضور ﷺ کو اطمینان نہیں تھا۔ چنانچہ مکے والوں سے آپ ﷺ نے صلح کر لی تاکہ جب خیبر کا رخ کیا جائے تو مکے کی طرف سے خطرہ لاحق نہ ہو۔ جنگِ خندق کے قبائلی اتحاد نے بھی مسلمانوں کے لیے یہ ضروری کر دیا تھا کہ عرب قبیلے دوبارہ یہودِ خیبر یا قریشِ مکہ کے ساتھ اتحاد نہ کر سکیں۔ مسلمانوں کے پاس ابھی اتنی قوت نہ تھی کہ وہ تنہا کسی متحدہ فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ عرب کے حلیف قبیلوں پر بھی انحصار نہ کیا جا سکتا تھا کیونکہ لوٹ مار

Marfat.com

کرنے والے بدوی کسی وقت بھی منحرف ہو سکتے تھے جیسے بنو غطفان وفزارہ مدینے کی کھجوروں کے لالچ میں قریش کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ خیبر کے یہودی تو ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کے ازلی دشمن تھے۔ بنو نظیر اور بنو قینقاع کے خروج اور بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کے بعد تو ان سے کسی بھلائی کی امید نہ تھی۔ بس ایک ہی راستہ تھا کہ اہل مکہ کو کسی طرح مجبور کر دیا جائے کہ مسلمانوں کے خلاف وہ نہ تو کسی سے گٹھ جوڑ کریں اور نہ ہی خود ان سے نبرد آزما ہوں۔ اس میں حضور ﷺ کامیاب ہو گئے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کا قریش پر دباؤ ڈالنے کے لیے وقت کا انتخاب بھی نہایت موزوں تھا۔ ۵ھ کے اواخر میں خشک سالی کے باعث مکہ میں قحط کی کیفیت تھی۔ آپ ﷺ نے پانچ سو درہم مکہ کے فقراء وغرباء کی امداد کے لیے بھیجے۔ مکے کے سردار ابوسفیان کی بیٹی امّ حبیبہؓ سے جو کہ حبشہ میں پناہ گزین تھی، عقد فرمایا اور بہت سی کھجوریں ابوسفیان کو بھجوائیں۔ مکہ والوں پر حضرت اثامہؓ بن اثال کا بھی دباؤ تھا۔ انہوں نے قریش کو غلہ کی ترسیل بند کر دی تھی۔ لیکن پھر حضور ﷺ کے حکم پر انہیں غلہ بھیجنے لگے تھے۔ اس طرح اہلِ مکہ پر جب کہ باہر سے بھی دباؤ تھا، مسلمانوں کی طرف سے عمرے کا دباؤ بھی پڑ گیا۔ چنانچہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لیتے۔ اگر وہ مسلمانوں سے صلح نہ کرتے تو ان کی نااہلیت ثابت ہو جاتی اور پورے عرب میں ان کی ہوا اکھڑ جاتی۔

(۵) نبی ﷺ کی نگاہ سرحدوں کی صورتِ حال پر بھی تھی۔ ایران اور روم مدت دراز سے آپس میں جنگ کرتے آ رہے تھے۔ بالآخر نینویٰ میں ایرانی فوجوں کو مکمل شکست ہو گئی۔ ایرانی حکام عرب میں اپنے مقبوضات خالی کروانے کے بارے میں کوئی کاروائی کر

Marfat.com

سکتے تھے۔ ادھر شمالی عرب میں رومیوں کے اثر ونفوذ کے بڑھنے کا خطرہ تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ عرب کی قدیم تجارتی شاہراہ پر اپنے قبضے کے دیرینہ خواب کو پورا کرنے کے لیے عرب پر حملہ کر دیتے۔ یمامہ کے قبائل کے قبولِ اسلام سے بحرین اور عمان تک اسلام کے اثرات پھیلنے کے امکانات پیدا ہو رہے تھے۔ اگر قریش بھی مشرف با اسلام ہو جاتے، تو اسلام کا یمن کی طرف بھی راستہ کھل جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش نے جو شرائط بھی پیش کیں حضور ﷺ نے بغیر ردوکد انہیں قبول کر لیا۔

(۶) معاہدے کی بعض شرائط بظاہر بڑی توہین آمیز تھیں اور مسلمانوں نے ان پر بڑی سبکی محسوس کی تھی۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ شرط وہ تھی جس کے تحت ابو جندل کو واپس مکہ بھیجا گیا تھا۔ اگر مکے کا کوئی مفرور مدینہ آئے تو اسے واپس کر دیا جائے، اور اگر مدینے کا کوئی باشندہ بھاگ کر مکہ جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں۔ یہ منطق مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور ان کے غم وغصہ کا باعث بنی تھی۔

حدیبیہ سے جب مسلمان مدینے واپس آ گئے تو ایک شخص جو کہ بنو ثقیف میں سے تھا اور مسلمان ہو چکا تھا اور قریش اس کے حلیف تھے، بھاگ کر حضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ ان کا نام ابو بصیرؓ تھا۔ قریش نے ان کی بازیابی کے لیے دو افراد بھیجے۔ معاہدے کا احترام کرتے ہوئے انہیں قریشی ہرکاروں کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ابو بصیرؓ کو لے کر یہ دونوں قریشی مکے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ابو بصیرؓ نے ایک قریشی ہرکارے کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ گیا۔ ابو بصیرؓ پھر مدینے واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: آپ ﷺ نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے، لیکن میں اب مدینے میں نہیں رہوں گا، کہیں اور چلا جاؤں گا۔ چنانچہ ابو بصیرؓ وہاں سے شاہراہِ شام پر مقام عیص کی طرف چلے گئے۔

ادھر مکہ میں ابو جندلؓ پر قریش نے جس شخص کو نگران مقرر کیا ہوا تھا، وہ مسلمان ہو

Marfat.com

گیا۔ انہوں نے ایک دوسرا نگران مقرر کیا، وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ مکہ میں جو بھی مسلمان موجود تھے ابو جندلؓ کی وجہ سے انہیں بڑی تقویت ملی۔ پھر کئی اور لوگ بھی ابو جندلؓ کی مظلومیت اور استقامت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد ابو جندلؓ قریش کی قید سے فرار ہو گئے اور بجائے مدینہ آنے کے ابو بصیرؓ کے پاس چلے گئے جنہوں نے ساحل سمندر پر ڈیرہ لگایا ہوا تھا۔ اب کئی مسلمان فرار ہو کر ابو بصیر اور ابو جندلؓ کے پاس پہنچنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کی وہاں اچھی خاصی جمعیت تیار ہو گئی۔ یہ لوگ شام جانے والے قریشی قافلوں کو روک لیتے اور لوٹ لیتے۔ قریشی ان سے عاجز آ گئے۔ بالآخر انہوں نے خود ہی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی مفرورین والی شق کو معاہدے سے خارج کر دیا جائے۔ اس شق کے ساقط ہوتے ہی ابو بصیرؓ اور ابو جندلؓ اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر مدینے آ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کو شروع ہی سے اندازہ تھا کہ اوّل تو مدینے سے کوئی مسلمان بھاگ کر مکے میں پناہ لے گا ہی نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی تو وہ شخص مرتد ہو کر ہی فرار ہو گا اور ایسے شخص سے چھٹکارا پا لینا ہی بہتر ہو گا۔ مزید برآں مکے سے بھاگ آنے والے مسلمان کو واپس کر دینے میں بھی مسلمانوں کا فائدہ تھا کیونکہ کفر و شرف کے گڑھ میں شمع توحید فروزاں رہتی۔

ایک سال عمرے کو موخر کر دینے میں بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، بلکہ فائدہ ہی ہوا تھا۔ اگلے دس سال جنگ بندی کے معاہدے کے تحت مسلمان اب بلا روک ٹوک مکہ میں اپنے اعزہ و اقرباء کے پاس آ جا سکتے تھے اور بیت اللہ کی زیارت کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ باقی شقیں ویسے ہی مسلمانوں کے حق میں تھیں۔

صلحِ حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی ملّی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے معاہدہ کر کے اس طرح کے فوجی اتحاد کا امکان ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جیسا کہ

Marfat.com

غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا تھا۔ غطفان اور فزارہ یا دیگر بدوی قبائل سے نمٹنا مسلمانوں کے لیے مشکل نہ تھا۔ قریش سے صلح ہو چکی تھی۔ اب صرف یہود رہ گئے تھے جن کی نفرت اور دشمنی کی آگ صرف ایک فیصلہ کن جنگ ہی ٹھنڈا کر سکتی تھی۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو جنگی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تبلیغی و سفارتی مساعی پر بھی خصوصی توجہ دینے کی سہولت میسر آ گئی۔

O

Marfat.com

چوبیسواں باب

حکمرانوں سے مرُاسلت

سلسلۂ نبوّت رسول اللہ ﷺ پر ختم ہونے والا تھا۔ اس لیے اسلام کو ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت حاصل ہے اور اس کے اساسی اصولوں کو آنے والے تمام زمانوں کے لیے راہنمائی کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ اسلام کی آفاقی اور عالمی حیثیت کا احساس نبی ﷺ سے زیادہ اور کسے ہو سکتا تھا۔ اس کا تذکرہ قرآن و حدیث میں بھی کئی انداز سے ہوا ہے۔ اللہ نے اپنے آپ کو ''رب العالمین'' کہا۔ نبی ﷺ کو تمام بنی نوع انسان (کافۃ للناس سبا: ۲۸) کے لئے بشیر و نذیر اور ''رحمت للعلمین'' قرار دیا گیا۔ (۲۱:۱۰۷) آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کو ''ذکر للّعلمین'' اور کعبہ کو ''مُبارکاً وَّ ھُدًی للّعلمین'' (۳:۹۵) کہا گیا۔ چنانچہ گزشتہ انبیاء کی طرح نبی ﷺ کا دائرہ کار جزوی اور مقامی نہ تھا، بلکہ آفاقی اور عالمی تھا۔ لیکن قریش نے اپنی ضد اور جہالت کی وجہ سے آپ ﷺ کو جھگڑوں اور لڑائیوں میں الجھائے رکھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ اپنے اصل فریضۂ تبلیغ سے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہوئے تھے۔ آپ ﷺ تبلیغ کو ہر کام پر ترجیح دیتے تھے۔ مختلف النوع سیاسی، سماجی، فوجی اور انتظامی سرگرمیوں سے آپ ﷺ نے نہایت قلیل مدت میں ریاستِ مدینہ کو مستحکم دینی بنیادوں پر استوار کر دیا۔ تاہم مسلسل غزوات و سرایا کی وجہ سے آپ ﷺ کو دعوتِ اسلام کو عالمی سطح پر پھیلانے کا موقع نہ مل سکا۔

Marfat.com

معاہدۂ حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو فراغت واطمینان کا ایک ایسا وقفہ میسر آیا جس میں وقتی طور پر آپ ﷺ قریش کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ آپ ﷺ کا اصل مقصد پیغامِ الٰہی کا ابلاغ اور نورِ ہدایت کا نفاذ تھا۔ وہ پیغام جو آپ ﷺ نے نبوت کے فوراً بعد اپنے اعزہ کو اپنے گھر دعوت پر بلا کر دیا تھا، اب عرب کی سرحدوں کے باہر گرد ونواح کی سلطنتوں کے فرمانرواؤں تک پہنچنے والا تھا۔ رسالت کا مہرِ درخشاں اب مہرِ نیمروز بن چکا تھا۔ لہٰذا اب وہ وقت قریب آ گیا تھا جب کہ تعلیماتِ اسلامی کی روشنی ہمسایہ شہنشاہوں کے شبستانوں تک پہنچتی۔

محرم ۶ھ کے اوائل میں آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ ہمسایہ حکمرانوں کو مکتوبات کے ذریعہ سے دعوتِ اسلام دی جائے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ بادشاہ صرف انہی خطوط کو پڑھتے اور ان کا جواب دیتے ہیں جن پر مراسلہ نگار کی مہر ثبت ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر چاندی کی ایک مہر تیار کی گئی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کندہ تھے۔ لیکن ان تین الفاظ کی ترتیب میں بھی شعورِ نبوت کی واضح جھلک موجود تھی۔ اپنا اسمِ گرامی ''محمد'' سب سے نیچے، اوپر ''رسول'' اور سب سے اوپر ''اللہ'' کا پاک نام کندہ کروایا۔ مہر کی شکل گول اور قطر ۳ سم تھا (1)۔

(مہر نبوی ﷺ)

ابتداءً چھ مکتوبات تیار کیے اور انہیں ایک ہی دن مختلف سفیروں کے ہاتھ روانہ کر دیا گیا۔ یہ چھ مکتوبات نبوی حسب ذیل تھے:

Marfat.com

(۱) شاہ حبش کے نام:

ایک مکتوب شاہ حبش کے نام بھیجا گیا۔ اس کا نام اصحمہ تھا اور لقب نجاشی تھا۔ اس خط کو عمرو بن امیہ ضمری لے کر روانہ ہوئے تھے۔ اس کا ترجمہ یوں ہے:

''یہ خط ہے محمد نبی کی طرف سے نجاشی اصحم شاہِ حبش کے نام!

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی لڑکا! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے، اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کیوں کہ میں اس کا رسول ہوں۔ پس اسلام لاؤ، اور سلامت رہو۔ اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک جیسی ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں اور اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے۔''

(مہر نبوی ﷺ)

کچھ عرصہ پہلے نجاشی کے نام حضور ﷺ کا ایک اور خط بھی دستیاب ہوا ہے اور صرف ایک لفظ کے اختلاف کے ساتھ اسی خط کی عبارت ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں بھی مندرج ہے۔

Marfat.com

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام!

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد، میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو قدوس اور سلام ہے، امن دینے والا محافظ و نگران ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے انہیں پاکیزہ اور پاکدامن بتول کی طرف ڈالا اور اس کی روح اور پھونک سے مریم عیسیٰ کے لیے حاملہ ہوئیں، جیسے اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف سے اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف (بلاتا ہوں) کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے، اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، اور میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی۔ لہذا میری نصیحت قبول کرو اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔

(مہر نبوی ﷺ)

ڈاکٹر حمید اللہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہی وہ خط ہے جو آپ ﷺ نے حدیبیہ کے بعد نجاشی کو بھجوایا تھا۔ (2)

جب یہ خط نجاشی تک پہنچا تو اس نے اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر وہ تخت سے نیچے اتر آیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس نے نبی ﷺ کے نامۂ مبارک کا جواب یوں تحریر کروایا:

Marfat.com

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے!

اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمت و برکت ہو، وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اما بعد: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپ نے عیسیٰ کے معاملے کا ذکر کیا ہے۔ خدائے ارض و سما کی قسم! آپ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰ اس سے ایک تنکا بڑھ کر نہ تھے۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے جو کچھ بھیجا ہے ہمارے پاس، ہم نے اسے جانا اور آپ کے چچیرے بھائی اور آپ کے صحابہ کی مہمان نوازی کی اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے اور پکے رسول ہیں۔ اور میں نے آپؐ سے بیعت کی اور آپ کے چچیرے بھائی سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کیا۔"

اصحمہ کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح اور صحابہ کی واپسی کی بھی ہدایت فرمائی تھی۔ اصحمہ نے اس پر عمل کیا اور حبشہ میں مقیم مسلمانوں کو اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ اصحمہ نے ۹ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا جانشین نجاشی بنا۔ حضور ﷺ نے اسے بھی ایک خط لکھا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ وہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔

(۲) مقوقس شاہِ مصر کے نام:

نبی ﷺ کا ایک نامہ مبارک جریج بن متی کی طرف جس کا لقب مقوقس تھا روانہ کیا

Marfat.com

گیا۔ یہ مصر اور اسکندریہ کا فرمانروا تھا۔ نامۂ مبارک حسب ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیمِ قبط کی طرف!

اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امّا بعد:

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے اور اسلام لاؤ، اللہ تمہیں دُہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قبط کا بھی گناہ ہو گا۔ اے اہلِ قبط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کی بجائے رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"

اس خط کو حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ لے کر روانہ ہوئے۔ اس خط کو لے کر جانے کے لیے حاطبؓ نے خود اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا "بارك الله فيه يا حاطب"! یعنی اے حاطب! اللہ تجھے اس کام میں برکت دے!

حضرت حاطبؓ جب مصر پہنچے تو مقوقس کشتی میں بیٹھا دریائے نیل کی سیر کر رہا تھا۔ حاطبؓ نے بھی ایک کشتی لی اور فوراً مقوقس کے پاس پہنچ گئے۔ مقوقس نے حضور ﷺ کا خط پڑھ کر کہا "اگر تمہارا نبی سچا ہے تو خدا سے یہ دعا کیوں نہیں کرتا کہ اس کے مخالفین ہلاک ہو جائیں؟" حاطبؓ نے برجستہ جواب دیا: "آپ کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے مصلوب کر دیا تھا، انہوں نے خدا سے دعا مانگ کر اپنے دشمنوں کو ہلاک کیوں نہیں کروا دیا تھا؟"

Marfat.com

مقوقس نے کہا: ''بلاشبہ تو دانا اور حکیم ہے۔ لازم ہے کہ تو جس کا سفیر ہے وہ بھی دانا اور حکیم ہو!'' پھر اس نے مکتوب نبوی کو ہاتھی دانت کی دو تختیوں کے درمیان رکھ کر محفوظ کر دیا اور اسے شاہی خزانے میں رکھوا دیا۔ مقوقس نے عربی زبان کے ایک عالم کو بلوایا اور اس سے نبی ﷺ کے نام ایک خط تحریر کروایا جو کہ حسب ذیل ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس عظیم قبط کی طرف سے!

آپ ﷺ پر سلام! امّا بعد:

میں نے آپ (ﷺ) کا خط پڑھا اور اس میں آپ (ﷺ) کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میں یہی سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا میں نے آپ ﷺ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپ (ﷺ) کی خدمت میں دو لڑکیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اور کپڑے بھیج رہا ہوں اور آپ (ﷺ) کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں۔ اور آپ (ﷺ) پر سلام!''

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا لیکن اس نے مکتوب نبوی اور قاصدِ نبوی کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور تحائف کے علاوہ دو معزز لڑکیاں (3) بھی بھیجیں۔ ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ دوسری سیرین تھیں جو کہ حضرت حسانؓ کو عطا ہوئیں۔ خچر کا نام دلدل تھا اور پورے عرب میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ ﷺ کے بعد یہ حضرت علیؓ کے تصرف میں آیا (4)۔ بعض روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقوقس نے ایک ہزار مثقال سونا بھی آپ ﷺ کی نذر کیا تھا۔

Marfat.com

(۳) شاہِ فارس خسرو پرویز کے نام:

ایک مکتوبِ نبوی ایران کے شہنشاہ کسریٰ یعنی خسرو پرویز کے نام بھیجا گیا۔ یہ نامہ مبارک لے کر عبداللہ بن حذافہ سہمی روانہ ہوئے۔ نبی ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ کو تاکید فرمائی تھی کہ یہ خط وہ حاکم بحرین کے توسط سے شاہِ ایران تک پہنچائیں۔ اس خط کا ترجمہ یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد کی طرف سے کسریٰ کے نام جو ایران کا حکمران ہے، سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں جسے پوری بنی نوع اسلام کے لیے اللہ کا فرستادہ بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ جو لوگ زندہ ہیں، انہیں بدانجام سے ڈرایا جائے اور کافر پر حق بات ثابت ہو جائے۔ پس تم اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ اور اگر انکار کرو گے، تو تم پر مجوس کا بھی بارِ گناہ ہوگا۔"

(مہر نبوی ﷺ)

جب یہ مکتوبِ نبوی خسرو کے دربار میں پیش کیا گیا تو وہ صرف اس بات پر مشتعل ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا اسمِ مبارک اس کے نام سے پہلے لکھا گیا تھا۔ ایرانیوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے شہنشاہ کا نام بالالتزام پہلے لکھتے تھے لیکن عربوں کا طریق یہ تھا کہ مراسلہ نگار مرسل الیہ سے پہلے اپنا نام لکھتا تھا۔ یہ دو قوموں کے رواج کا فرق تھا جسے خسرو نے اپنی توہین پر محمول کیا۔

Marfat.com

اس نے حالتِ اشتعال میں نامۂ مبارک چاک کر دیا۔ نبی ﷺ تک جب یہ اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس کی سلطنت اور اقتدار کو پارہ پارہ کر دے!'' خسرو نے یمن کے حاکم باذان کو فرمان بھیجا کہ وہ حجاز کے اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے دربار میں حاضر کرے۔ چنانچہ باذان نے دو آدمی نبی ﷺ کو گرفتار کرنے مدینے بھیجے۔ دریں اثنا ایران میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھی اور خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور خود زمامِ حکومت سنبھال لی۔

جب باذان کے دو فرستادہ آدمی مدینہ پہنچے تو انہوں نے باذان کا حکم نامہ حضور ﷺ تک پہنچایا۔ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی خسرو کے قتل کی اطلاع مل چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے صاحب (باذان) کو یہ خبر پہنچا دو کہ اس کے رب (خسرو) کو میرے رب (اللہ تعالیٰ) نے قتل کر دیا۔'' (5)

ایران پر سیہ بختی کے سائے منڈلانے لگے۔ شیرویہ نے رومیوں کی تمام شرائط مان کر صلح کر لی۔ پھر اس نے اپنے خاندان کے مردوں کو چن چن کر مروا دیا تا کہ بادشاہت کا کوئی مدعی باقی نہ رہے۔ اس دوران اس کی سلطنت بغاوتوں اور شورشوں کا شکار رہی۔ شیرویہ خود بھی چھ ماہ بعد مر گیا۔

(۴) شاہِ روم قیصر کے نام:

رسول اللہ ﷺ نے ایک خط ہرقل قیصر روم کے نام بھیجا۔ حضرت دحیہؓ بن خلیفة الکلبی یہ خط لے کر روانہ ہوئے۔ خط یہ ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف!

Marfat.com

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ اسلام لاؤ، اللہ تمہیں اس کا دوگنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر اَرِیسیُّوں (رعایا) کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کی بجائے ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں۔"

(مہر نبوی ﷺ)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کو ہدایت فرمائی تھی کہ یہ خط حاکم بصریٰ حارث غسانی کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اسے ہرقل تک پہنچا دے۔ دحیہ نے ایسا ہی کیا۔ حاکم بصریٰ حضور ﷺ کا نامۂ مبارک لے کر رومی بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ ان دنوں ہرقل بیت المقدس میں آیا ہوا تھا تاکہ اللہ کا شکر ادا کر سکے کہ اس نے رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو شکست فاش دی ہے۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے پوچھا کہ عرب کا کوئی شخص موجود ہو تو اسے پیش کیا جائے۔ اسے بتایا گیا کہ ابوسفیان اور دیگر عرب تاجر غزہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ انہیں غزہ سے بلوایا گیا اور دربار میں پیش کیا گیا۔ دربار میں امراء و روساء کے علاوہ مذہبی راہنما بھی موجود تھے۔ قیصر نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا: تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے۔ ابوسفیان نے اٹھ کر کہا کہ میں ان کا رشتہ دار ہوں۔ پھر ان کے درمیان جو بات چیت ہوئی وہ حسبِ ذیل ہے:

قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف اور عالی نسب ہے۔

قیصر: کیا اس خاندان میں اس سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحبِ اثر؟

ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے پیروکار بڑھتے جا رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جا رہے ہیں۔

قیصر: کیا اس دین میں کوئی داخل ہونے کے بعد اس سے برگشتہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا کبھی اس نے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ کی ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ!

قیصر: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو! پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو!

Marfat.com

اس کے بعد قیصر نے مترجم کے توسط سے ابوسفیان سے کہا: ''تم نے اسے شریف النسب بتایا ہے۔ پیغمبر ہمیشہ ایسے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں اس سے پہلے کسی نے دعوائے نبوت نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں یہ گمان کرتا کہ یہ اپنی خاندانی روایت کا اتباع کر رہا ہے۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں یہ خیال کرتا کہ یہ اپنی موروثی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تم نے اعتراف کیا ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ جو شخص بندوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ تم نے کہا کہ اس کے پیروکار اکثر غریب لوگ ہیں، تو پیغمبروں کے ابتدائی پیروکار غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب پھیلتا جا رہا ہے، تو سچا مذہب ہمیشہ بڑھتا اور پھیلتا ہے۔ تم نے مانا کہ وہ کبھی فریب نہیں دیتا تو اس سے بھی اس کی پیغمبری کا پتہ چلتا ہے کیونکہ پیغمبر کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز، تقویٰ اور عفو و درگزر کا حکم دیتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ تک قبضہ کر لے گا جہاں میرے قدم ہیں۔ مجھے یہ یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، مگر یہ پتہ نہ تھا کہ وہ عرب میں آئے گا۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا!''

اس کے بعد ہرقل کو رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا گیا۔ اس دوران وہاں کے بطریقوں اور راہبوں نے سخت غم و غصہ کا اظہار کیا اور اونچی آواز میں بولنے لگے۔ یہ دیکھ کر ہرقل نے عرب تاجروں کو دربار سے رخصت کر دیا۔ اگرچہ اس کے دل میں قبولِ اسلام کی خواہش پیدا ہوئی تھی، تاہم قوت و اقتدار کی خواہش اور پادریوں کے خوف نے اسے پنپنے نہ دیا۔ ہرقل نے حضرت دحیہؓ کو مال و دولت اور تحائف دے کر رخصت کیا۔ واپسی کے دوران حسمیٰ کے مقام پر قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈالا اور مال و اسباب چھین کر فرار ہو گئے۔ حضرت دحیہؓ نے مدینہ آ کر سارا ماجرا رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ

نے زید بن حارثہ کی قیادت میں پانچ سو صحابہ کا ایک سریہ روانہ کیا۔ انہوں نے قبیلہ جذام پر رات کے وقت چھاپہ مارا اور ان کے متعدد مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ ان کے ہاتھ ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑ بکریاں بھی آئیں۔ قیدی عورتیں ایک سو کی تعداد میں تھیں۔ بعد میں قبیلہ جذام کا سردار زید بن رفاعہ جذامی فریاد لے کر حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ زید بن رفاعہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے حضرت دحیہ کو بچانے کی کوشش بھی کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر قیدی عورتیں اور اونٹ بکریاں جذام والوں کو واپس کر دیں۔

(۵) منذر بن ساوی کے نام:

رسول اللہ ﷺ کا ایک خط علاء بن الحضرمی لے کر بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کی طرف روانہ ہوئے۔ منذر بن ساوی اس خط کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا اور اس کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ خط غالباً ۶ھ میں بھیجا گیا تھا (6)۔ اس کے بعد منذر نے اپنی سرزمین کے یہود و مجوس کے بارے میں استفسار کیا۔ حضورؐ نے اسے ایک خط اور بھیجا جس میں آپ ﷺ نے اسے بحرین کی گورنری پر بحال رکھا اور غیر مسلم باشندوں کے بارے میں کچھ ضروری ہدایات دیں۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ یہی وہ خط ہے جو زمانہ حال میں دستیاب ہوا ہے (7)۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام!

تم پر سلام ہو، میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول

Marfat.com

ہیں۔

امابعد: میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ یاد رہے کہ جو شخص بھلائی اور خیر خواہی کرے گا، وہ اپنے ہی لیے بھلائی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرے، اس نے میری اطاعت کی اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی کرے، اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے تیری اچھی تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تیری سفارش قبول کر لی ہے۔ لہذا مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں، انہیں اس پر چھوڑ دو اور میں نے خطا کاروں کو معاف کر دیا ہے، لہٰذا ان سے قبول کر لو۔ اور جب تک تم اصلاح کی راہ اختیار کئے رہو گے، ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، اس پر جزیہ ہے۔"

(مہر نبوی ﷺ)

(٦) ہوذہ بن علی حاکم یمامہ کے نام:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیط بن عمرو عامری کے ہاتھ مندرجہ ذیل مکتوب ہوذہ بن علی حاکمِ یمامہ کو بھیجا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام!

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا

Marfat.com

دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آ کر رہے گا۔ لہذا اسلام لاؤ، سلامت رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے، اسے تمہارے لیے برقرار رکھوں گا۔''

ہوذہ نے قاصدِ نبوی کی بڑی عزت وتکریم کی اور اسے تحفے تحائف سے نوازا۔ لیکن ساتھ ہی یہ درخواست کی اسے حکومت میں شریک کیا جائے۔ حضرت سلیط نے واپس آ کر نبی ﷺ کو جب اس کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے گا تو میں نہ دونگا۔ وہ خود بھی تباہ ہوگا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہوگا۔

کچھ ہی عرصے بعد ہوذہ وفات پا گیا۔

(۷) حارث بن ابی شمر غسانی والیٔ دمشق کے نام:

حضرت شجاعؓ بن وہب نبی ﷺ کا ایک مکتوب بنام حارث بن ابی شمر لے کر روانہ ہوئے۔ ترجمہ یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام!

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور تمہارے لیے تمہاری بادشاہت باقی رہے گی۔''

(مہر نبوی ﷺ)

جب حضرت شجاع بن وہب نے یہ مکتوب حارث کو دیا تو اس نے نہایت تکبر اور غرور سے کہا: میری بادشاہت مجھ سے کون چھین سکتا ہے اور میں عنقریب اس پر حملہ کرونگا!''

حارث بن ابی شمر اسلام نہ لایا۔(8)

(۸) جیفر اور عبد کے نام:

جیفر عمان کا بادشاہ تھا۔ عبد اس کا بھائی تھا جو بہت نیک اور راست باز تھا۔ ان بھائیوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ حضرت عمرو بن العاص ان کے نام نبی ﷺ کا ایک مکتوب لے کر روانہ ہوئے۔ خط یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد بن عبداللہ کی طرف سے جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے نام!

اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد: میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ کیونکہ میں تمام بنی نوع انسان کی طرف اللہ کا رسول ہوں، تاکہ جو زندہ ہے، اسے انجام کے خطرے سے آگاہ کروں اور کافروں پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام لے آؤ گے تو تم ہی دونوں کو حاکم اور والی بناؤ نگا۔ اور اگر تم دونوں نے اسلام لانے سے گریز کیا تو تمہاری بادشاہت ختم ہو جائے گی، تمہاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہو گی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آ جائے گی۔''

(مہر نبوی ﷺ)

جیفر نے شروع میں کچھ پس و پیش کی لیکن عبد کے سمجھانے سے اسلام لے آیا۔

Marfat.com

یہ خط غالباً فتح مکہ کے بعد لکھا گیا تھا۔

یہ چند خطوط ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایسے دو اڑھائی سو تبلیغی خطوط مختلف امراء، ورو ساء، کے نام بھجوائے تھے۔ یہاں ان کی تفصیلات میں جانے کا موقعہ نہیں تاہم کچھ مزید نام درج ذیل ہیں جنہیں مکتوبات نبوی بھیجے گئے تھے۔

۱۔ ہلال بن امیہ (بحرین کا ایک رئیس)

۲۔ امیر بصریٰ۔ (اس نامۂ مبارک کو لے کر حضرت حارثؓ بن عمیر جا رہے تھے، لیکن انہیں حاکم موتہ شرجیل نے راستے میں ہی قتل کر دیا۔ جنگِ موتہ انہی کی شہادت کی وجہ سے پیش آئی۔)

۳۔ اکیدر حاکم دومۃ الجندل۔

۴۔ قبیلہ بنی کلاب اور اس کے سردار اصبغ بن عمرو۔

۵۔ ذوکلاع اور ذوعمرو کے امراء۔

۶۔ حضرموت کے روساء۔

۷۔ سردار ازد۔

۸۔ ثمیرَ کے سردار۔

۹۔ حجر کا سردار ایلخت۔

۱۰۔ بنی حارثہ۔

۱۱۔ بنی عذرہ۔

۱۲۔ سماوہ کا بادشاہ۔

۱۳۔ بنی وائل کے امراء۔

Marfat.com

۱۴۔ بنی زہیر کے سردار۔

۱۵۔ اور مختلف سردارانِ عرب جن کی تعداد چوالیس اور پچاس کے درمیان ہے۔(10)

اوپر جن مکتوباتِ نبوی کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ حق کو بین الاقوامی سطح پر پھیلانے کے لیے کتنی مساعی فرمائیں۔ غزوات وسرایا کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن آپ ﷺ کی تبلیغی مراسلت نے بھی اسلام کی ترویج و اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے وطن اور آبائی ماحول میں دعوتِ حق کا آغاز نچلے طبقے کے کمزور عوام سے کیا تھا، لیکن عالمی سطح پر اسلام کو پھیلانے کے لیے امراء اور بادشاہوں سے تبلیغ کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ذرائع ابلاغ انتہائی پسماندہ اور ناکافی تھے۔ بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھنے میں یہ حکمت مضمر تھی کہ ان کا چرچا فوراً ہی ملک کے طول وعرض میں ہو جاتا۔ قطعِ نظر اس سے کہ متعلقہ حکمران اسلام لاتا ہے یا نہیں، دعوتِ اسلام کا شہرہ عوام الناس میں ہو جاتا اور لوگوں کے دلوں میں نئے دین کو جاننے کی خواہش پیدا ہو جاتی۔ مکتوباتِ نبوی کا انداز ایسا نہیں جیسے کہ ایک شہنشاہ دوسرے شہنشاہ کو مخاطب کر رہا ہو، بلکہ ایسا ہے جیسے خدا کا فرستادہ مخاطب کو راہِ ہدایت دکھا رہا ہو اور بارِ گناہ سے بچنے کی تلقین کر رہا ہو۔ نبی ﷺ کے مکتوبات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی نظر اندرونِ عرب اور بیرونِ عرب کی ریاستوں پر کس قدر گہری تھی۔ آپ ﷺ کا پیغام ایک تھا لیکن ہر حکمران کو اس کے مخصوص مذہبی و سماجی تناظر کی مناسبت سے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ تحریر کروایا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے سلاطین کے نام خطوط میں ان کے اسلام لانے کی صورت میں دہرے اجر کا ذکر ملتا ہے۔ یعنی ایک تو خود اسلام لانے کا اجر اور دوسرا اجر رعایا پر راہِ

ہدایت کھول دینے کا اجر۔ روگردانی کی صورت میں اس پر بارِ گناہ بھی دوہرا ہو جاتا۔ یعنی ایک اپنی روگردانی اور دوسرے رعایا پر راہِ حق بند کرنے کا!

O

Marfat.com

Marfat.com

پچیسواں باب

یَومِ خَیبر

حدیبیہ سے آپ ﷺ جب واپس مدینے تشریف لائے تو آپ ﷺ کو خیبر کے یہود کے بارے میں یہ اطلاعات ملیں کہ وہ مدینے پر حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور اس سلسلے میں بنو غطفان کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے خیبر روانہ کیا۔ وہاں ابو رافع سلام ابی الحقیق کے قتل کے بعد اس کا بیٹا اسیر بن زرام برسرِ اقتدار تھا۔ اس نے غطفان کے کئی قبائل کو ساتھ ملا کر بیس ہزار کے قریب فوج تیار کر لی تھی اور مدینے پر چڑھائی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ جب عبداللہؓ بن رواحہ خیبر پہنچے تو انہوں نے یہودیوں سے اسیر بن زرام کے منصوبے کے بارے میں تمام باتیں سن لیں۔ عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ مدینے سے تیس آدمی آئے تھے۔ وہ اسیر بن زرام سے ملے اور اسے سمجھایا کہ وہ جنگ سے باز رہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ خود چل کر مدینے میں رسول اللہ ﷺ سے مل لے تو آپ ﷺ اس کی حکومت برقرار رکھیں گے۔ شروع میں اس نے پس و پیش کی لیکن پھر مصالحت کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ جتنے مسلمان عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ آئے تھے، اس نے اتنے ہی یہودی ساتھ لیے اور ہر مسلمان کے ساتھ ایک ایک یہودی کو مقرر کر کے مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ قرقرہ کے مقام پر پہنچ کر اسیر بن زرام کی نیت بدل گئی اور اس نے عبداللہ بن رواحہ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بھی غافل نہ تھے۔ انہوں نے تلوار کا وار کر کے اسے شدید زخمی کر دیا، لیکن خود بھی بری طرح سے زخمی ہو گئے۔ پھر دوسرے مسلمانوں نے

Marfat.com

بھی تلواریں سونت لیں اور یہودیوں سے لڑنے لگے۔ بالآخر ایک یہودی کے سوا سارے یہودی مارے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مجلسِ مشاورت بلائی اور صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ سب کی رائے یہی تھی کہ یہود ناقابلِ اعتماد ہیں اور مدینہ میں بیٹھ کر دفاع کرنے کی بجائے بہتر یہ ہوگا کہ خیبر جا کر ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اب مکے والوں کی طرف سے یہ خطرہ نہ تھا کہ وہ اسلامی فوج کی عدم موجودگی میں مدینے پر حملہ کر دیں گے، لہذا خیبر کی طرف پیش قدمی کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔

(۱) جنگ کی تیاری اور سفرِ خیبر:

خیبر روانگی سے صرف تین دن پہلے واقعۂ ذی قرد (جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے) پیش آیا اور یہی غزوۂ خیبر کا فوری سبب بن گیا۔ آپ ﷺ نے اسلامی فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ لیکن بقول ابنِ سعد ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرما دیا: ''لا یخر جن معنا اِلّا رَا غب فی الجهاد۔'' یعنی ہمارے ساتھ وہی لوگ نکلیں جو فی الواقع جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت رکھتے ہوں۔ اس امتیاز کی ضرورت یوں پیش آئی کہ حدیبیہ کے بعد بہت سے لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے، تاہم ابھی وہ ایمان میں راسخ نہ ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر کے نزدیک قتال فی سبیل اللہ کا مطلب یہی تھا کہ مالِ غنیمت لوٹا جائے یا انتقام لیا جائے۔ خیبر کے یہود سے جنگ میں خوب مال و دولت ملنے کی توقع تھی۔ اس لیے بہت سے نومسلم اس لالچ میں ساتھ چلنے پر تیار تھے۔ لیکن نبی ﷺ نے انہی صحابہ کو ساتھ لے جانے کے لیے چُنا جو حدیبیہ میں بیعتِ رضوان میں شامل ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ دو سو صحابہ وہ تھے جو حبشہ سے مدینے واپس آ چکے تھے اور ان کے ایمان پر کسی کو شک و شبہ نہ تھا۔ خیبر پر حملہ کرنا ایک بڑا چیلنج تھا۔ وہاں کے یہود مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور غطفان و فزارہ اور دیگر قبائل کو ساتھ ملا کر انہوں نے بیس ہزار کا لشکر تیار کر رکھا تھا۔ وہاں کے غیر

Marfat.com

متوقع حالات کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے نہ تو غیر مسلموں کو اپنی فوج میں شمولیت کی اجازت دی اور نہ ہی مالِ غنیمت کا لالچ رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ آپ ﷺ کی فوج میں صرف آزمودہ اور ہر طرح سے قابلِ اعتماد ساتھی ہی تھے۔ فوج کی کل تعداد سولہ سو تھی جس میں صرف دو سو سوار تھے اور باقی پیدل تھے۔ امہات المومنین میں سے حضرت اُمّ سلمہؓ ساتھ تھیں۔ ان کے علاوہ کچھ خواتین بھی ساتھ تھیں جن کے ذمہ زخمیوں کی مرہم پٹی، تیر جمع کرنا اور دیگر چھوٹے موٹے کام تھے۔ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ گزشتہ جنگوں میں چھوٹی جھنڈیاں استعمال کی جاتی تھیں، لیکن اس دفعہ بڑے عَلم بنائے گئے۔ ایک عَلم حضرت حبابؓ بن منذر کو عطا ہوا۔ دوسرا حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ملا اور تیسرا خاص عَلم جو کہ ردائے عائشہؓ سے تیار ہوا تھا، حضرت علیؓ کو دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ یکم محرم ۷ھ کو مدینے سے روانہ ہوئے۔ مدینے پر حضرت سباع بن عُرفُطہ انصاری کو عامل مقرر کیا گیا۔

بقول ابنِ سعد سفر پر روانہ ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے عامر بن اکوع سے فرمایا کہ ہمیں کوئی حدی کا گیت سناؤ۔ چنانچہ ابن اکوع نے یہ شعر سنائے:

وَاللہ لَو لَا اللہُ مَا اھتَدَ ینَا وَلَا تَصَدَّ قنَاَ وَ لَا صَلَّینا

خدا کی قسم اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقات دیتے، نہ نماز پڑھتے۔

اِنَّا اِذَ قَوم" بَغَو ا عَلَیناَ وَاِن اَرَا دُو فِتنَۃً اَبینَا

جب کوئی قوم ہمارے لیے فتنہ اور بغاوت برپا کرتی ہے تو ہم اس سے اباء (نفرت وانکار) کرتے ہیں۔

Marfat.com

فَا نزِ لنَ سَكِينَةً عَلَينَا وَ ثَبِّتِ الاَ قدَامَ اِن لاَ قَينَا

پس اے اللہ! تو ہم پر سکینت وطمانیت نازل فرما اور دشمن سے مقابلہ آ پڑے تو ہمیں ثابت قدم رکھ!

رسول اللہ ﷺ نے یہ اشعار سنے تو فرمایا: ''یَرحَمکَ اللہ'' اللہ تجھ پر رحمت فرمائے۔ حضرت عمرؓ بولے اس پر تو شہادت لازم ہوگئی ہے، کاش مجھے بھی یہ مقام حاصل ہو جاتا۔ بعد ازاں جب ابن اکوع لڑ رہے تھے تو ان کی اپنی ہی تلوار پلٹ کر انہیں لگ گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ صحابہ کو ان کی شہادت کے بارے میں شبہ پیدا ہوا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں شہید قرار دیا۔

خیبر جاتے ہوئے آپ ﷺ نے عفر (1) پہاڑ کی جانب سے سفر کیا۔ پھر صہبا (2) نامی مقام پر پہنچے۔ وہاں سے آپ ﷺ وادیٔ رجیع (4) میں آئے اور یہاں قیام کیا۔ رجیع کی وادی خیبر اور غطفان کے درمیان تھی۔ اس وادی کو آپ ﷺ نے مستقل لشکر گاہ قرار دیا اور اس کا مرکزی نظام حضرت عثمانؓ کے سپرد کر دیا۔ وادیٔ رجیع کو لشکر گاہ بنانے سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ غطفان والے یہود کی مدد کے لیے خیبر کا رخ نہ کر سکیں۔ شروع میں اہلِ غطفان یہود کی مدد کے لیے نکلے لیکن مسلمانوں کے خوف سے واپس چلے گئے۔ سامانِ سفر یہاں اتار دیا گیا اور خواتین کو بھی یہاں ٹھہرا دیا گیا۔ (4)

خیبر پر حملے سے ایک رات پہلے رسول اللہ ﷺ رجیع سے روانہ ہو گئے اور رات آپ ﷺ نے خیبر کے قریب بسر کی۔ صبح سویرے جب خیبر کے مزدور اور کسان اپنے پھاوڑے اور کدالیں وغیرہ لے کر نکلے تو مسلمان مجاہدین کو دیکھ کر الٹے پاؤں بھاگے اور چیختے چلاتے قلعے کے اندر گھس گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی نظر جب خیبر پر پڑی تو آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا ''قِفُوا''

Marfat.com

ٹھہرو! پھر یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسئَلُکَ خَیرَ ھٰذِہِ القَریَۃِ و خَیرَ اَھلِھَا و خَیرَ مَا فِیھَا نَعُوذُ بِکَ مِن شَرِّ اَھلِھَا وَ شَرِّ مَا فِیھَا۔

اے اللہ ہم تجھ سے اس بستی کی، بستی والوں کی اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس بستی کی برائیوں، بستی والوں کی برائیوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائیوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

(۲) خیبر:

خیبر ایک نخلستانی علاقہ ہے جو کہ سطحِ سمندر سے ۲۸۰ فٹ بلند اور مدینے سے ۱۸۴ کلومیٹر شمالی شاہراہ پر واقع ہے۔ طبقاتِ ابنِ سعد میں اس کا مدینے سے فاصلہ آٹھ برید (بارہ میل فی برید کے حساب سے ۹۶ میل) (6) بتایا گیا ہے۔ خیبر کے گرد و نواح میں ہر طرف آتش فشانی لاوے سے سوختہ پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں اور مدینے سے آتے ہوئے تقریباً سو کلومیٹر کا راستہ تنگ اور پر پیچ درّوں میں سے گزرتا ہے جس کے دونوں طرف بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ مدینے سے خیبر تک بمشکل دو آبادیاں آتی ہیں۔ پہلی صلصال ہے اور دوسری ایک غیر معروف چھوٹی سی بستی۔

اگرچہ خیبر خود ایک حرہ ہے یعنی جمے ہوئے لاوے پر مشتمل علاقہ ہے، تاہم وہ وادی جس میں شہر خیبر واقع ہے، نخلستانوں سے اس قدر معمور ہے کہ اگر بلندی سے اس پر نگاہ ڈالی جائے تو شہر کے خط و خال نظر نہیں آتے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ عرب میں جہاں کہیں حرے پائے جاتے ہیں، وہیں سرسبز و شاداب قطعات بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ مثلاً شہر مدینہ میں جو کہ حرتین کے درمیان واقع تھا، متعدد نخلستان پائے جاتے تھے۔

خیبر میں سات وادیاں ہیں اور ان میں سو سے زائد چشمے اور کنویں پائے جاتے

Marfat.com

تھے۔ اس لیے یہاں کھجور، لیموں، انگور اور انجیر وغیرہ کے درخت بکثرت پائے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہاں کے صرف ایک محلّہ ''الکُتیبہ'' میں چوبیس ہزار کھجور کے درختوں کا تذکرہ ملتا ہے۔(6)

''خیبر'' عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ''قلعہ'' ہے۔لیکن البکری کے بقول اس بستی کو بسانے والا خیبر بن قانیہ مہلا ئیل تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ سوال اٹھایا ہے ''کہیں ایسا تو نہیں کہ اسباطِ یہود کے گم گشتہ قبائل نے یہاں اور پشاور سے آگے درّہ خیبر میں بھی اپنی نشاندہی کے لیے یہ نام رکھا ہو؟''

خیبر دس قلعوں پر مشتمل تھا۔لیکن بقول یعقوبی یہ قلعے چھ تھے۔ سب قلعے تین حلقوں میں منقسم تھے:

(۱)حلقۂ نطاۃ: اس میں چار قلعے تھے، قلعۂ ناعم، قلعہ نطاۃ، قلعہ صعب بن معاذ اور قلعہ زبیر۔

(۲)حلقۂ شق: اس میں تین قلعے تھے، قلعہ شق، قلعہ نزار اور قلعہ ابی۔ یہ حصونِ شق کہلاتے تھے۔

(۳)حلقۂ کتیبہ: یہ تین قلعے تھے، قلعہ قموص، قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم ۔ یہ حصون کتیبہ کہلاتے تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے ایک یورپی دوست کا تیار کردہ نقشہ بھی دیا ہے جس سے ان قلعوں کے محلِ وقوع کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قلعوں کے یہ حلقے کسی دفاعی نقطۂ نظر سے بنائے گئے تھے۔ غالب خیال یہی ہے کہ یہ حلقہ ہائے حصون کسی جنگی نقطۂ نظر سے تعمیر نہیں کیئے گئے تھے۔ یہ متفرق وادیوں کی بکھری ہوئی آبادیوں میں مخصوص بستیاں تھیں جنہیں حفاظت کے لیے قلعوں کی صورت میں تعمیر کیا گیا تھا۔(8)

بہر حال ان قلعوں کے بارے میں جو کچھ بھی تاریخی مواد موجود ہے اس سے ہمیں جنگِ خیبر کی تفصیلات مرتب کرنے میں زیادہ مدد نہیں ملتی۔

اسی زمانے میں خیبر عرب کا نہایت اہم تجارتی مرکز تھا۔ خیبر کے یہودی غلّہ اور اجناس کے بیوپار کے ساتھ ساتھ زرگری اور جواہر فروشی کے لیے بھی مشہور تھے۔ عرب کے دور دراز علاقوں سے لوگ شادی بیاہ کیلئے سونے چاندی کے ظروف اور زیورات کرائے پر لینے کیلئے یہاں آیا کرتے تھے۔ یہودی تاجر انہیں کسی معتبر شخص کی ضمانت پر وثیقہ تحریر کر کے برتن اور زیورات وغیرہ کرایے پر دیتے تھے۔

اہم تجارتی مرکز ہونے کے باوجود صحرا نشین عرب یہاں لمبے عرصے کیلئے قیام کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پانی اور سبزے کی فراوانی اور مرطوب موسم کی وجہ سے یہاں ملیریا اور آشوبِ چشم کی بیماریاں عام تھیں۔ مقامی باشندوں کو ملیریا کے مچھر کا تو علم نہ تھا، لیکن اس سے پھیلنے والے بخار کو وہ پانی کے بخارات کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس بیماری کو وہ ''مرضِ آب'' کہتے تھے۔ اسی لیے وہ ٹھہرے ہوئے پانی کو پینے اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ مزید برآں وہ لہسن کا کثرت سے استعمال کرتے تھے اور رات کو بلند جگہوں پر سوتے تھے۔ صاحبِ استطاعت لوگ موسم بہار کے ابتدائی مہینے کسی اور جگہ چلے جاتے اور پھر سردیوں میں لوٹ آتے۔ اسطرح وہ ملیریا اور آشوبِ چشم سے محفوظ رہتے تھے۔

(۳) خیبر کے قلعوں کی تسخیر:

سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا گیا۔ یہ قلعہ یہودِ خیبر کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا اور مَرحَب نامی سورما کی ملکیت تھا۔ مَرحَب کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ

Marfat.com

ایک ہزار آدمیوں پر اکیلا بھاری پڑتا تھا۔ حضرت علیؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ حضرت علیؓ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ سردار مرحب نے مسلمانوں میں سے کسی کو دعوتِ مبارزت دی۔ عامرؓ بن اکوع مرحب سے نبرد آزما ہوئے۔ لیکن ان کی تلوار پلٹ کر انہیں کو آ لگی۔ وہ زخمی ہونے کے بعد وفات پا گئے۔ پھر حضرت علیؓ نے مرحب سے مبارزت کی اور مرحب کو قتل کر دیا۔ کئی دنوں کی شدید جنگ کے بعد بالآخر یہ قلعہ فتح ہو گیا اور یہاں کے متعدد یہودی فرار ہو کر قلعۂ صعب میں جا چھپے۔

قلعۂ صعب یہودیوں کا بڑا مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ تین روز تک مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس دوران مسلمان سپاہ میں اشیائے خورد و نوش کی شدید قلت پیدا ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قلعہ کی فتح کیلئے خصوصی دعا فرمائی۔ بالآخر سخت جدّ و جہد کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کو یہاں کھانے پینے کی اشیاء کا وافر ذخیرہ ملا۔ مسلمان مجاہدین اتنے فاقہ زدہ تھے کہ انہوں نے گھریلو گدھوں کو بھی ذبح کر کے کھانا شروع کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے گھریلو استعمال کے گدھوں کو ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی۔

اس قلعہ میں مسلمانوں کو کچھ منجنیقیں اور دبابے بھی ملے۔ یہ آلاتِ حرب مسلمانوں کیلئے نئے تھے۔

جب ناعم اور صعب کے قلعے تسخیر ہو گئے تو یہود حلقۂ نطاۃ کے سارے قلعے خالی کر کے قلعۂ زبیر میں منتقل ہو گئے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنا ہوا تھا اور اس تک پہنچنا بڑا دشوار تھا۔ اس لیئے نبی ﷺ نے کچھ فاصلے سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن گزر گئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک زمین دوز چشمہ ہے جہاں سے یہو

Marfat.com

رات کے وقت پانی حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فوراً اس چشمے پر قبضہ کر لیا۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ ان کا پانی بند کر دیا گیا ہے، تو قلعے سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ فریقین کا بھاری جانی نقصان ہوا، تاہم مسلمانوں نے یہ قلعہ بھی فتح کر لیا۔

قلعہ زبیر کے مفرورین قلعۂ اُبی میں اکٹھے ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ دو یہودی مبارزت کیلئے باہر نکلے۔ حضرت ابو دجانہؓ سماک ایک اور صحابی کو لے کر مقابلے کے لیئے گئے۔ دونوں یہودی مارے گئے۔ پھر مسلمان زبردست جدوجہد کے بعد قلعے میں داخل ہو گئے اور یہودیوں سے دست بدست لڑنے لگے۔ یہودیوں نے بتدریج فرار ہو کر قلعہ خالی کر دیا اور خود قلعۂ نزار میں جا چھپے۔

قلعۂ نزار یہودیوں کا مضبوط ترین قلعہ تھا۔ یہاں یہودیوں نے اپنی عوتوں اور بچوں کو بھی ٹھہرایا ہوا تھا۔ بلند مقام پر واقع ہونے کی وجہ سے بھی یہ خاصا محفوظ تھا۔ یہودیوں میں سے کوئی بھی سورما مبارزت کے لیئے باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم وہ اندر سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ محض محاصرے سے اس قلعے کی تسخیر مشکل کام ہے تو آپ ﷺ نے منجنیقیں اور دبابے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ تھوڑی دیر کی سنگباری سے قلعے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے اور مسلمان با آسانی اندر داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے سخت مزاحمت کی اور شدید لڑائی کے بعد انہیں بری طرح سے شکست ہوئی۔ وہ اتنی بدحواسی کے عالم میں یہاں سے فرار ہوئے کہ انہیں اپنی عوتوں اور بچوں کا بھی ہوش نہ رہا۔

اسطرح حصونِ خیبر کے دو حلقے نطاۃ اور شق مسخر ہو گئے۔ یہاں چند ایک گڑھیاں اور بھی تھیں جو بغیر کسی مزاحمت کے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں۔ نطاۃ اور شق

کا علاقہ خالی کر کے تمام یہودی تیسرے حلقہ حصون یعنی کتیبہ کی طرف چلے گئے۔

کتیبہ کے حلقے میں تین قلعے تھے، قموص، وطیح اور سلالم! سلالم ابی الحقیق کا قلعہ تھا۔ قلعہ قموص کے محاصرے کے دوران نبی ﷺ کی طبع مبارک ناساز ہوگئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس قلعے کی تسخیر پر مامور کیا۔ حضرت علیؓ خود بھی آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اس مہم کے لیئے آمادہ ہوگئے۔ بیس روز کی سخت جدّ وجہد کے بعد یہ قلعہ بھی تسخیر ہوگیا۔ اس قلعے کے بعد باقی قلعے باآسانی مسخر ہوگئے کیونکہ یہود کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ مصالحت پر آمادہ ہوگئے۔ نبی ﷺ نے اس شرط پر انہیں جان کی امان دے دی کہ وہ مال واسباب، سامانِ حرب اور زیورات وغیرہ وہیں چھوڑ کر علاقہ خالی کر دیں۔ تاہم ضروریات کی اتنی اشیاء جنکی گٹھری وہ پشت پر لاد سکتے تھے، لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ انہیں متنبہ کر دیا گیا کہ وہ کوئی چیز چھپائیں نہیں ورنہ امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

خیبر کے معرکے میں ۹۳ یہودی مارے گئے جبکہ ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ خیبر کے باشندوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کی زمینیں انکے پاس ہی رہنے دی جائیں، تاہم وہ زرعی پیداوار کا آدھا حصہ مسلمانوں کو ادا کر دیا کریں گے۔ حضور ﷺ نے انکی یہ درخواست منظور فرمالی۔ زرعی پیداوار کی بٹائی کا کام حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے سپرد کیا گیا۔ عبداللہؓ اجناس کو دو ڈھیروں میں تقسیم کر کے یہود کو کہتے: جو حصہ چاہو لے لو! یہود اس عادلانہ تقسیم پر بہت حیران ہوتے اور مسلمانوں کے انصاف سے متاثر ہوتے۔

(۴) کنانہ کو سزا:

ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بہت

Marfat.com

سامال و دولت چھپا دیا۔ ایک ایسی کھال غائب کردی جس میں حی ابن اخطب نے زیورات اور جواہرات سی کر محفوظ کیئے ہوئے تھے۔ یہ مال ودولت حی ابن اخطب اس وقت اپنے ساتھ لایا تھا جب بنونضیر کا مدینے سے خروج ہوا تھا۔

ابوالحقیق کے بیٹے کنانہ کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے بنونضیر کے خزانے کے بارے میں دریافت کیا۔ کنانہ نے کہا: ''مجھے علم نہیں کہ وہ خزانہ کہاں ہے!'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ خزانہ تمہارے پاس سے برآمد ہوگیا تو تم قتل کر دیئے جاؤ گے!'' کنانہ نے کہا: ''بے شک! اگر خزانہ میرے پاس سے برآمد ہوگیا تو مجھے قتل کر دیا جائے!'' حضور ﷺ کو ایک یہودی نے اطلاع دی کہ کنانہ ہر روز صبح کے وقت ویرانے کے چکر لگاتا ہے۔ ویرانے میں جب کھدائی کی گئی تو خزانہ مل گیا۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق کنانہ کو گرفتار کرلیا۔ پھر اسے تفتیش کیلئے حضرت زبیرؓ کے سپرد کر دیا گیا۔ بعدازاں نبی ﷺ نے محمود بن مسلمہ کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے اسے محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اسکی گردن مار دیں۔ محمودؓ بن سلمہ جنگ میں قلعہ ناعم کی دیوار کے نیچے تھک کر بیٹھے آرام کر رہے تھے کہ کنانہ نے اوپر دیوار سے ان پر چکی کا وزنی پاٹ پھینکا تھا جس سے وہ شہید ہوگئے تھے۔ کنانہ اور اسکے بھائی کی گردن ماردی گئی۔

(۵) حضرت صفیہؓ سے نکاح:

کنانہ کی شادی حی ابن اخطب کی بیٹی صفیہ سے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے۔ جب قلعہ قموص فتح ہوا تو صفیہؓ کو حضور ﷺ کے پاس لایا گیا۔ قبل ازیں صفیہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ ایک چاند انکی گود میں آ گرا ہے۔ صفیہ نے یہ خواب کنانہ کو سنایا تھا تو اس نے زور سے انکے منہ پر طمانچہ مار کر کہا تھا کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد کی تمنا کرتی ہے۔ طمانچے سے صفیہ کی آنکھ نیلی ہوگئی تھی۔ حضور ﷺ کے استفسار پر صفیہ نے سارا واقعہ بیان کیا۔

Marfat.com

حضور ﷺ نے انہیں دعوتِ اسلام دی۔ صفیہ نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی جس کا مطلب تھا کہ حرمِ نبوی میں داخلے کے لیئے ان کا انتخاب ہوگیا ہے۔ (9) آپ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا اور انکی آزادی کو ہی مہر قرار دیا۔

شادی کی رات حضرت ابوایوب خالد انصاری ننگی تلوار ہاتھ میں لیئے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ مسلمان یہودیوں سے خطرہ محسوس کرتے تھے کہ وہ بے خبری میں انکے خلاف کوئی سازش نہ کردیں۔ اگلے دن صبح آنحضرت ﷺ نے ابوایوب کو پہرہ دیتے دیکھا تو اظہار تعجب فرمایا اور اسکی وجہ پوچھی۔ حضرت ابوایوب نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے امّ المومنین صفیہؓ کے باپ، خاوند اور برادری کے لوگوں کو قتل کرادیا ہے۔ شاید ان میں کفر کے اثرات پوری طرح مندمل نہ ہوئے ہوں۔ مجھے بی بی سے آپ ﷺ کے متعلق یہی خدشہ تھا۔"

(٦) مالِ غنیمت کی تقسیم:

رسول اللہ ﷺ نے تمام اموال وغنائم کو دو حصّوں میں تقسیم فرمایا اور پھر ایک حصے کو اٹھارہ حصّوں میں تقسیم کردیا۔ ان میں سے ایک ایک حصہ پیدل مجاہدین کا تھا جو کہ سولہ سو تھے۔ لیکن سواروں کو ایک ایک حصہ زائد ملا تاکہ گھوڑوں اور انٹوں کے اخراجات پورے کر سکیں۔ اس طرح اٹھارہ سو حصوں کی تقسیم مکمل ہوگئی۔ حضور ﷺ نے خود اپنا حصہ ایک عام سپاہی جتنا ہی رکھا۔ غنائم کا باقی نصف آپ ﷺ نے جہاد اور ریاست کے دیگر مصارف کے لیئے وقف کردیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنا حصہ اسلام کے لیئے وقف کردیا۔ تاریخ اسلام میں وقف کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

غطفان کے قبائلی جو خیبر کے مال و دولت کو ہمیشہ للچائی نظروں سے دیکھتے آ

Marfat.com

تھے، تسخیر خیبر کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور جنگ میں غیر جانبدار رہنے کی وجہ سے مالِ غنیمت سے کچھ حصہ پانے کے خواستگار ہوئے۔ آپ ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خوف سے یہود کی مدد سے گریزاں رہے تھے۔ لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے کمال ہمدردی سے ان کی درخواست قبول کر لی اور ذرالرّقیہ کا پہاڑی علاقہ ان کے نام کر دیا۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد انکی تالیفِ قلوب تھا اور اسلام کی طرف انہیں راغب کرنا تھا۔

ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ خیبر کے گیہوں سے ازواجِ مطہرات کیلئے ایک حصہ یعنی ایک سو اسی وسق (10) مختص کیا گیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کیلئے پچاس وسق رکھے گئے تھے۔ اس دستاویز کے گواہ حضرت عثمانؓ تھے اور اسے حضرت عباس نے تحریر کیا تھا۔

فدک والوں پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہوگئی تھی۔ وہ خود ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو گئے اور اپنی کل پیداوار کے نصف پر مصالحت کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے یہ درخواست منظور کر لی اور فدک کی آمدنی کو عام پیداوار سے علیحدہ قرار دے کر اپنے لیئے مختص کر لیا، کیونکہ یہ بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ خاص رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھی، تاہم آپ ﷺ نے اسے ذاتی جائیداد نہیں بنایا بلکہ انفاق فی سبیل اللہ کے لیئے ہی مختص رکھا۔ (11)

(۷) زہر آلود گوشت کی دعوت:

نبی ﷺ کو بکری کی بھنی ہوئی دستی بہت مرغوب تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی بھنی ہوئی دستی کی دعوت دے تو میں قبول کرونگا۔ چنانچہ ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے جو کہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی حضور ﷺ کو بھنی ہوئی بکری بھجوائی۔

Marfat.com

یوں تو ساری بکری زہر آلود تھی لیکن دستی میں اس نے زیادہ زہر شامل کیا تھا۔آپ ﷺ نے بشیرؓ بن براء معرور کے ساتھ کھانا شروع کیا۔ابھی آپ ﷺ نے نوالہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ آپ ﷺ کو گوشت کے زہر آلود ہونے کا ادراک ہو گیا۔آپ ﷺ نے نوالہ فوراً نکال دیا اور فرمایا:''ان هذا الغط ليخبرنى انه مسموم'' گوشت کے اس ٹکڑے نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ مسموم ہے۔آپ ﷺ نے بشیرؓ کو بھی یہ گوشت کھانے سے روک دیا۔لیکن دریں اثناوہ نوالہ چبا کر نگل چکے تھے۔بشیرؓ بن براء معرور پر زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا۔

آپ ﷺ نے فوراً زینب کو طلب کیا اور اس سے پوچھا: ''ماحملک علی هذا؟'' یعنی تجھ کو اس کام پر کسی چیز نے آمادہ کیا؟۔زینب نے کہا: آپ ﷺ میری قوم کے سلسلے میں جس حد تک پہنچ گئے ہیں، وہ آپ (ﷺ) سے چھپا ہوا نہیں! میں نے سوچا کہ اگر آپ (ﷺ) بادشاہ ہیں تو آپ (ﷺ) کو زہر سے مار کر مجھے سکون ملے گا۔اور اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو آپ (ﷺ) کو بہر حال اسکا پتہ چل جائے گا۔''

آپ ﷺ نے درگزر سے کام لیتے ہوئے زینب کو چھوڑ دیا۔لیکن بشیرؓ اس زہر آلود لقمے کی وجہ سے جو وہ نگل گئے تھے، وفات پا گئے۔ان کی وفات کے بعد زینب کو انکے قصاص میں قتل کر دیا گیا۔

اگر چہ نبی ﷺ نے بغیر چبائے نوالہ اگل دیا تھا، تاہم زہر کا کچھ نہ کچھ اثر آپ ﷺ پر ہوا ضرور تھا۔چنانچہ آپ ﷺ اکثر اس کی تکلیف محسوس فرماتے۔بقول ابن اسحاق آپ ﷺ نے مرض الموت کی حالت میں فرمایا''اس زہر کی وجہ سے مجھے اپنے دل کی رگِ ابہر (13) پھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔''اکثر مسلمان اسی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جہاں مقامِ رسالت و نبوّت پر فائز تھے، وہیں درجۂ شہادت پر بھی فائز ہو گئے تھے۔

Marfat.com

(۸) چند متفرق واقعاتِ خیبر:

(۱) تسخیرِ خیبر کے موقع پر مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ایمان لائے اور مدینے میں آ کر حضرت غفارؓ سے ملے۔ ان سے انہیں پتہ چلا کہ مسلمان مجاہدین خیبر کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ ابو ہریرہؓ بھی خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ جب وہاں پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا اور انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔

(۲) آپ ﷺ ابھی خیبر میں ہی تھے کہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حبشہ سے لوٹ آئے اور خیبر میں آ کر آپ ﷺ سے ملے۔ آنحضرت ﷺ انکی آمد پر بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں گلے لگایا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما ادری بایھما انا اسر ،بفتح خیبر ام بقدومِ جعفر!'' یعنی میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تسخیرِ خیبر کی زیادہ خوشی ہوئی ہے یا آمدِ جعفر کی!

(۳) ابن اسحاق نے عبداللہ بن مغفل مزنی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ خیبر کے مالِ غنیمت سے چربی کا ایک توشہ دان لے کر اپنے ساتھیوں کی طرف جا رہے تھے۔ مالِ غنیمت کی نگرانی کرنے والے نے انہیں دیکھ لیا اور انہیں روک کر کہنے لگا '' یہ تمام مسلمانوں پر برابر تقسیم ہوگا۔'' عبداللہ بن مغفل نے یہ توشہ دان دینے سے انکار کر دیا۔ دونوں میں تکرار شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کھینچا تانی کرتے دیکھا تو وہاں تشریف لے آئے۔ صورتِ حال جان کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اسے جانے دو۔ عبداللہ بن مغفل توشہ دان لے کر اپنے ساتھیوں کی طرف گئے اور سب نے مل کر خوب چربی استعمال کی۔

(۴) اسود راعی ایک چرواہا تھا جو اجرت پر ایک یہودی کی بکریاں چرایا

کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا، اسود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور اسلام لے آیا۔ پھر اسودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ بکریاں ایک یہودی کی ملکیت ہیں، میں امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہتا!'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان کے منہ پر مارو، یہ اپنے مالک کے پاس لوٹ جائیں گی۔'' اسودؓ نے کچھ کنکریاں اٹھائیں اور بکریوں کے منہ پر دے ماریں۔ بکریاں پلٹ کر یوں چلنے لگیں جیسے کوئی انہیں ہانک کر لے جا رہا ہو، حتیٰ کہ یہ قلعے کے اندر داخل ہو گئیں۔ پھر اسودؓ راہی یہودیوں سے لڑنے کیلئے قلعے کی طرف چلے گئے۔ کچھ دیر بعد ہی انہیں ایک بھاری پتھر آ کر لگا اور یہ اسکی ضرب سے شہید ہو گئے۔ ایمان لانے کے بعد ابھی اسودؓ اپنی پہلی نماز بھی ادا نہ کر پائے تھے۔ انکی میت حضور ﷺ کے قریب لا کر رکھی گئی اور اسے کپڑے سے ڈھانک دیا گیا۔ حضور ﷺ نے میت کی طرف دیکھا اور فوراً چہرہ پھیر لیا۔ قریب بیٹھے صحابہ کو تعجب ہوا۔ انہوں نے استفسار کیا کہ آپ ﷺ نے فوراً چہرہ کیوں پھیر لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسود کی میت کے قریب بڑی آنکھوں والی دو حوریں کھڑی ہیں اور اس کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی ہیں۔''

(۵) جب خیبر فتح ہو چکا تو حجاج بن علاط سلمی نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میری عورت اُمّ شیبہ اپنے بیٹے معرض بن حجاج کے ساتھ مکے میں ہے۔ میرا کافی مال مکے میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ ﷺ مکے جانے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ تاکہ میں اپنے مال کی قیمت وصول کر سکوں۔'' آپ ﷺ نے حجاج کو جانے کی اجازت دے دی۔ حجاج نے پھر کہا: ''اس سلسلے میں شاید مجھے کچھ غلط باتیں بھی کہنا پڑیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہہ دینا!'' حجاج حضور ﷺ سے اجازت لے کر چل پڑے۔ جب وہ مکے کے نواح میں تنعیم کی گھاٹی پر پہنچے تو وہاں قریش کے کچھ افراد کو کھڑے پایا۔ انہیں

Marfat.com

خیبر کی خبروں کی جستجو تھی۔ اہل مکہ توقع کر رہے تھے کہ مسلمان خیبر کے یہود سے بری طرح شکست کھائیں گے۔ وہ کسی ایسی ہی خبر کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے حجاج کو پہچان لیا اور ان کے گرد اکٹھے ہو کر خیبر کے حالات پوچھنے لگے۔ حجاج نے کہا کہ مسلمانوں کو خیبر میں شکست فاش ہوئی ہے۔ محمد اور انکے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے، عنقریب یہود انہیں مکے والوں کے حوالے کر دیں گے تا کہ وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق قتل کر سکیں۔ قریش کو حجاج کو اسلام لانے کی خبر نہ تھی اور نہ ہی انہوں نے بتایا۔ چنانچہ انہوں نے حجاج کی بات کا یقین کر لیا اور اور مکے کے طول و عرض میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حجاج نے موقع غنیمت جان کر انہیں کہا کہ میرے واجبات جلد ادا کر دو تا کہ میں خیبر واپس جا کر مسلمانوں کی شکست کا بھی کچھ فائدہ اٹھا سکوں۔ حجاج نے کہا کہ پھر قریشیوں نے اتنی تیزی سے میرا مال وصول کرایا کہ میں نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ کچھ دیر بعد عباسؓ ابن عبدالمطلب وہاں پہنچے اور انہوں نے حجاج سے اس خبر کے بارے میں پوچھا۔ حجاج عباس کو ایک طرف لے گئے اور کہا کہ یہ تو میں نے اپنا مال وصول کرنے کیلئے چال چلی ہے، اصل صورت حال یہ ہے کہ محمد ﷺ خیبر فتح کر چکے ہیں۔ جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو اس کے تین دن بعد آپ انہیں اصل بات بتائیں ورنہ وہ مجھے راستے میں ہی پکڑ کر قتل کر دیں گے۔ حضرت عباسؓ نے حامی بھر لی۔ حجاج نے اپنا مال سمیٹا اور بیوی بچوں کو لے کر چلے گئے۔ عباسؓ نے تین دن بعد کعبہ میں جا کر قریش کو اکٹھا کیا اور اصل بات بتائی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ خیبر فتح کر چکے ہیں۔ حجاج آپ ﷺ کو وہاں کی شاہزادی کے ساتھ شادی کی حالت میں چھوڑ کر آیا تھا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ حجاج اسلام قبول کر چکے ہیں اور انہوں نے تم سے مال وصول کرنے کیلئے چال چلی تھی۔ یہ سن کر قریش کو بہت طیش آیا۔ انہوں نے حجاج کا تعاقب کرنا چاہا۔ لیکن وہ ان کی دسترس سے دور جا چکے تھے۔

Marfat.com

پھر جلد ہی عباسؓ کے بیان کی تصدیق دیگر ذرائع سے بھی ہوگئی اور اہلِ مکہ منہ لٹکا کر بیٹھ گئے۔(13)

(۶) ابن اسحاق نے کہا کہ خیبر میں عبداللہ بن سہل کو پراسرار انداز میں قتل کر دیا گیا۔ وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ خیبر گئے تھے۔ آخری مرتبہ انہیں ایک جگہ کھجوریں اتارتے دیکھا گیا۔ پھر ان کی لاش ایک چشمے میں پائی گئی۔ ان کی گردن توڑ دی گئی تھی۔ ان کے ساتھیوں نے انہیں نکالا اور دفن کر دیا۔ اسکے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور شکایت کی کہ یہودیوں کے گھروں کے بیچ میں ان کی لاش پائی گئی ہے، لہذا ان سے دیت لی جائے۔ یہودیوں نے کہا کہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ قتل ہم نے نہیں کیا اور نہ ہمیں قاتل کا پتہ ہے۔ قاتل کا سراغ نہ مل سکا۔ یہودیوں کے قسم کھانے کی وجہ سے ابن سہل کا الزام ان پر نہ لگایا جا سکا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹ اپنے پاس سے بطور خوں بہا ادا کر دیئے۔

(۹) واپسی:

پھر رسول اللہ ﷺ خیبر سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے واپسی پر چند روز وادی القریٰ کا محاصرہ کیا۔ وادی القریٰ میں بھی کچھ یہود آباد تھے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو وہاں کے یہودی پہلے ہی سے آمادۂ پیکار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تیر برسائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام تیر لگنے سے ہلاک ہوگیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو جنت کا حقدار ہوگیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! اس نے خیبر کے مالِ غنیمت سے ایک چادر چرائی تھی جو اب اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔'' یہ سن کر ایک شخص حاضر ہوا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس نے بھی مالِ غنیمت میں سے تسمے چرائے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تسمے بھی آگ کے ہیں!''(14)۔

Marfat.com

اسکے بعد وادی القریٰ کے یہودیوں سے جنگ شروع ہوگئی۔ لشکر کا ایک علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا، دوسرا حبابؓ بن منذر اور تیسرا عبادہؓ بن بشیر کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے یہودیوں کو دعوت اسلام دی۔ لیکن انہوں نے اسے رد کر دیا اور جنگ کرنے لگے۔ وہ مسلسل مبارزت کیلئے اپنے آدمی بھیجتے رہے۔ یکے بعد دیگرے ان کے گیارہ جیالے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ہر مبارزت کے بعد آپ ﷺ یہودیوں کو دعوت اسلام دیتے، لیکن یہودی جنگ سے باز نہ آتے تھے۔ اگلے روز یہودیوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ ﷺ نے وادی القریٰ کو فتح کرلیا اور اموال وغنائم کو حسب دستور تقسیم کیا۔ باغات اور اراضی یہودیوں کے قبضے میں رہنے دی گئیں اور اس معاملے میں اہلِ خیبر جیسا ہی معاہدہ کیا گیا۔ (15)

آپ ﷺ نے تین دن وہاں قیام فرمایا۔ پھر آپ ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک جگہ آپ ﷺ نے قیام کیا اور رات سونے سے پہلے حضرت بلالؓ کو بلا کر کہا کہ وہ رات جاگتے رہیں اور صبح سویرے سب کو نماز کیلئے اٹھا دیں۔ اتفاق سے بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی اور وہ جب جاگے تو دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ کچھ دور جا کر آپ ﷺ رکے اور نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسی صورتِ حال میں جب موقع ملے نماز پڑھ لینی چاہیئے کیونکہ نماز کا اصل مقصد تو یادِ الٰہی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے ''اقم الصلوٰۃ لذکری'' (مجھے یاد کرنے کیلئے نماز پڑھو!)'' (16)۔

آپ ﷺ ۷ھ کے ماہ صفر کے آخر یا ربیع الاوّل کے شروع میں واپس مدینہ پہنچے۔

(۱۰) یومِ خیبر پر ایک نظر:

یومِ خیبر کے واقعات پر غور کرنے سے کئی ایسے پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں جو

Marfat.com

ترویج و اشاعت اسلام کے حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ذیل میں ہم ایسے چند پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) قرآن حکیم میں اگرچہ تفصیلی طور پر اس غزوے کا ذکر نہیں ملتا لیکن دوسرے واقعات کے ضمن میں اسکی طرف اہم اشارے موجود ہیں مثلاً سورۂ الفتح میں کہا گیا:

''(یہ پیچھے رہ جانے والے) منافقین عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ ہولیں۔'' (الفتح:۱۵)

''اللہ نے ان لوگوں میں اطمینان پیدا کر دیا اور انہیں قریب ہی کی ایک فتح دے دی اور ایسی غنیمتیں بھی دے دیں جنہیں یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ بڑا زبردست، بڑا حکمت والا ہے'' (الفتح:۱۸)

''اللہ نے تم سے بڑی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم انہیں لو گے۔ سو سر دست تمہیں یہ فتح دے دی ہے۔'' (الفتح:۲۰)

اس غزوے میں حاصل ہونے والے اموال وغنائم اور منافقین کے طرزِ عمل کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے، مورخین کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں جتنی کثیر مقدار میں اموال وغنائم ملے پہلے کبھی نہ ملے تھے۔

(۲) جب رسول اللہ ﷺ نے (صلح حدیبیہ کے) عمرے کا اعلان کیا تھا اور مختلف قبائل پر زور دیا تھا کہ وہ عمرے کے لیئے ساتھ چلیں تو بہت سے لوگ اس لیئے پہلو تہی کر گئے تھے کہ انہیں اموال وغنائم کی توقع نہ تھی۔ اب تک آپ ﷺ نے جتنی بھی فوجی مہمیں بھیجی تھیں ان میں منافقین یا غیر مسلموں کی شمولیت پر پابندی نہیں لگائی تھی کیونکہ یہ مہمات ایک طرح سے دفاعی حیثیت رکھتی تھیں اور مختلف معاہدوں کی رو سے حلیف قبائل

Marfat.com

ان میں شامل ہونے کے پابند ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ایسے عناصر بھی جنگ کیلئے نکل کھڑے ہوتے تھے جن کا مطمح نظر صرف مالِ غنیمت سمیٹنا یا انتقام لینا ہوتا تھا۔ چونکہ حدیبیہ کے سفر میں مالِ غنیمت کا امکان نہ تھا۔ اس لیئے آپ ﷺ کی دعوت کے باوجود غیر مسلم قبائل اور منافقین نے ساتھ دینے سے کنی کترائی۔ جب آپ ﷺ نے خیبر کا قصد فرمایا تو آپ ﷺ کے پیش نظر دفاع نہ تھا بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیئے پیش قدمی کرکے ایک دوسری ریاست پر حملہ آور ہونا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں واضح کردیا کہ اس مہم میں صرف وہی لوگ شامل ہوں جو خالصۃً جہاد فی سبیل اللہ کی نیت رکھتے ہوں۔

(۳) غیر مسلموں، منافقوں اور لالچی عناصر کو آپ ﷺ نے اس لیئے بھی ساتھ رکھنے سے اجتناب فرمایا کہ خیبر کی مہم نہایت پرخطر تھی اور وہاں غیر متوقع حالات پیش آنے کا قوی امکان تھا۔ یہود نہ صرف عددی طور پر بہت زیادہ تھے بلکہ اپنی حفاظت کے لیے بہترین سامانِ حرب اور مضبوط قلعے بھی رکھتے تھے۔ شام فلسطین کی رومی حکومت سے گہرے ربط وضبط کے باعث ان کا طریق جنگ بھی ترقی یافتہ تھا۔ یہ بھی خدشہ تھا کہ غیر مسلم عرب قبائل بھی ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اگر ان حالات میں عین وقت پر اُحد کی طرح منافقین یا غیر مسلموں کا کوئی گروہ ساتھ چھوڑ جاتا یا دشمنوں سے ساز باز کرلیتا تو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس مہم میں ان لوگوں کا ساتھ ہی بہتر تھا جن کی وفاداریاں شک وشبہ سے بالاتر تھیں، خواہ وہ تعداد میں کم ہی تھے۔

(۴) اس جنگ میں مسلمانوں نے پہلی دفعہ ایک ملک کو باقاعدہ طور پر فتح کیا اور اسکے عوام کو یہ حق دیا کہ یا تو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوکر ان جیسے ہوجائیں یا مملکت اسلامیہ کی رعایا بن جائیں۔ رعایا بن جانے کی صورت میں انہیں برائے نام جزیہ (ٹیکس) ادا کرنا پڑتا جس کے عوض مملکت انکے جان ومال، عزت وآبرو، مذہب اور مقدس مقامات

Marfat.com

کی حفاظت کی ذمہ دار ٹھہرتی ۔اس لیئے انہیں (کفار ومشرکین واہلِ کتاب) کو ''ذمّی'' کہا جاتا ہے۔ ذمّی فوجی خدمات سے بھی مستثنیٰ تھے۔یعنی قتال فی سبیل اللہ اگر ہر بالغ اور صحتمند مرد پر لازم تھا تو ذمیوں کو یہ رعایت حاصل تھی کہ وہ جہاد میں شرکت کریں یا نہ کریں۔ قرآن حکیم کی سورۂ توبہ (۹:۲۹) میں جزیہ کے بارے میں حکم دیا گیا۔ جزیہ کی عام شرح تین روپے اور چھ روپے فی کس سالانہ تھی اور زیادہ سے زیادہ بیس روپے سالانہ تھی۔ پچاس برس سے اوپر کے لوگ، نابینا، اپاہج، تمام خواتین اور ایسے لوگ جو فوجی خدمات کیلئے رضا کارانہ طور پر خود کو پیش کریں، جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ اتنے تھوڑے ٹیکس میں رعایا کو اتنے زیادہ تحفظات فراہم کرنا اسلامی ریاست کا ہی امتیازی وصف ہے۔ اس معاملے میں اسلامی ریاست نے اتنی پابندیٔ عہد کی کہ بعد ازاں مسلمانوں نے شام کی رعایا سے سال بھر کا جزیہ وصول کیا۔ لیکن جب ہرقل نے دوبارہ اس علاقے پر قبضہ کرلیا تو مسلمانوں کو وہاں سے اپنی فوجوں کا انخلاء کرنا پڑا۔ واپس جاتے ہوئے مسلمانوں نے ٹیکس کی تمام رقم عیسائی رعایا کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ یہ تمہاری حفاظت کے سلسلے میں لی گئی تھی۔ عیسائی رعایا حسرت سے مسلمانوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی کیونکہ ہرقل کے سپاہیوں نے جو انکا حال کرنا تھا، وہ انہیں صاف نظر آ رہا تھا۔

(۵) اس جنگ میں مسلمان پہلی دفعہ دبابوں اور منجنیقوں کے استعمال سے آشنا ہوئے۔ دبابے لکڑی کے وہ متحرک برج تھے جن کی پناہ میں قلعوں کی دیواروں تک پہنچتے ہوئے تیروں اور پتھروں کی برسات سے محفوظ رہا جا سکتا تھا۔ دورِ جدید کی بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک دبابوں کی ہی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ منجنیقیں بھاری پتھر پھینکنے کے کام آتی تھیں۔

(۶) یومِ خیبر کے بعد عرب میں یہودیوں کی عظمت وشوکت کا سحر ٹوٹ گیا۔

یہود نے سادہ لوح اور جفاکش عربوں کو صدیوں سے استحصالی ہتھکنڈوں اور سود کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ خیبر کے بعد انکی معیشت آزاد ہوگئی۔ مزید برآں عرب عوام انکی علمیت اور انکے اہل کتاب ہونے کے رعب سے بھی نجات پا گئے۔ قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی راہنمائی میں شاندار فتوحات کے سلسلے نے ان میں غایت درجہ خود اعتمادی اور خود انحصاری پیدا کر دی۔

شکست کے بعد متعدد یہودی خیبر چھوڑ کر چلے گئے۔ جو رہ گئے وہ مسلمانوں کی رعایا بن گئے۔ یمن، یمامہ اور دیگر علاقوں کی یہودی اقلیتوں نے مسلمانوں سے صلح کے معاہدے کر لیے۔ صلح حدیبہ سے اہلِ مکہ پہلے ہی جنگ بندی کے پابند ہو چکے تھے۔ اب خیبر کے بعد یہود کی قوت بھی پارہ پارہ ہوگئی تھی۔ چنانچہ مستقبل میں یہود اور عرب قبائل کے گٹھ جوڑ کا امکان ختم ہوگیا۔

(۷) یومِ خیبر کے موقع پر بعض فقہی احکام جاری کیے گئے جن کی رو سے:

(۱) پنجوں والے جانور حرام قرار دیئے گئے۔

(۲) درندے حرام قرار دیئے گئے۔

(۳) گدھے اور خچر حرام قرار دیئے گئے۔

(۴) لونڈیوں سے فوری تمتع کو ممنوع قرار دیا گیا اور استبراء کی قدغن لگا دی گئی، یعنی ایک مہینہ تمتع سے باز رہا جائے اور اگر لونڈی حاملہ ہے تو وضع حمل تک تمتع سے احتراز کیا جائے۔

(۵) سونے چاندی کا بہ تفاضل خریدنا حرام کر دیا گیا۔

(۶) بعض روایات کی رو سے مُتعہ بھی اسی موقع پر ممنوع کر دیا گیا۔(17)

O

Marfat.com

Marfat.com

چھبیسواں باب

۶ھ کے چند مزید واقعات

خیبر سے واپسی کے بعد تمام مسلمان مدینے میں آ کر سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ خیبر سے انہیں اتنے زیادہ اموال و غنائم حاصل ہوئے تھے کہ پہلے کسی غزوے میں اتنے حاصل نہ ہو سکے تھے۔ فتح خیبر سے جہاں مسلمانوں کی پورے علاقے میں دھاک بیٹھ گئی، وہیں انکی معاشی حالت بھی بہت بہتر ہوگئی۔ اب انکی تمام تر توجہ وقت مقررہ پر عمرہ ادا کرنے پر مرکوز تھی۔ وہ ایک ایک دن گن گن کر گزار رہے تھے کہ کب ذی قعدہ کا مہینہ آئے اور وہ عمرے کیلئے روانہ ہوں۔ لیکن اس دوران کچھ اہم واقعات رونما ہوئے اور کچھ سرایا بھی روانہ کیئے گئے۔ ان کا مختصر ذکر حسب ذیل ہے۔

(۱) خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص کا قبولِ اسلام:

اس دوران دو اہم شخصیتیں مشرّف بااسلام ہوئیں۔ ایک خالدؓ بن ولید اور دوسرے عمروؓ بن العاص۔ قریش کی فوجی قوت کا دارومدار بہت کچھ خالدؓ بن ولید کی جنگی مہارت اور بے مثال شجاعت پر تھا۔ وہ قریش کے گھوڑسوار فوج کے قائد تھے۔ وہ قریش کی طرف سے اُحد اور حدیبیہ میں اپنا موثر کردار ادا کر چکے تھے۔ عرصے سے اسلام کی صداقت انکے دل میں گھر کر رہی تھی۔ اب وہ وقت آ چکا تھا جب وہ اس سچائی کو اعلانیہ طور پر قبول کر لیتے۔ چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کے کچھ عرصے بعد وہ گھر سے نکلے اور عازمِ مدینہ ہوئے۔ راستے میں انہیں عمرو بن العاص مل گئے۔ انکے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ اسلام قبول

Marfat.com

کرنے مدینے جا رہے ہیں۔ عمروؓ بن العاص بھی انکے ہمراہ ہو لیئے۔ دونوں اصحاب مدینے پہنچے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسلام کی عسکری قوت میں ان دو اصحاب کی شمولیت سے جو اضافہ ہوا، وہ تاریخ کے طلبہ سے ڈھکا چھپا نہیں۔ خالدؓ بن ولید نے جنگ موتہ میں عدیم المثال جنگی مہارت کا ثبوت دیا اور نہایت ہنرمندی سے اسلامی فوج کو بچا کر واپس لے آئے۔ پھر فتح شام کا سہرا بھی انہی کے سر بندھا۔ عمروؓ بن العاص تاریخ میں فاتح مصر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

(۲) سریہ قدید (صفر یا ربیع الاوّل ۷ھ):

قدید کے علاقے میں بشیر بن سوید کے رفقاء کو قتل کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا قبیلہ بنی ملوح کی سرکوبی کیلئے حضرت غالبؓ بن عبداللہ لیثی کی سربراہی میں ایک سریہ وہاں بھیجا گیا۔ انہوں نے رات کے وقت ان پر چھاپہ مارا اور بہت سے افراد کو قتل کر کے ان کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان اس سریہ سے واپس آ رہے تھے کہ بنی ملوح ایک بڑے لشکر کو لے کر تعاقب میں آئے۔ لیکن اچانک بارش کی وجہ سے زبردست سیلاب آ گیا۔ اسطرح بنی ملوح مسلمانوں کا پیچھا نہ کر سکے اور واپس لوٹ گئے۔ مسلمان بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ (1)

(۳) سریہ تربہ (شعبان ۷ھ):

یہ سریہ بنو ہوازن کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ جب تیس آدمیوں کو لے کر وہاں پہنچے تو وہ وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جنگ کیئے بغیر واپس آ گئے۔

Marfat.com

(۴) سریہ اطرافِ فدک (شعبان ۷ھ):

بنو مرّہ کی سرکوبی کیلئے تیس آدمی بشیر بن سعد انصاری کی سربراہی میں روانہ کیے گئے۔ یہ جب انکے علاقہ میں پہنچے تو وہاں کوئی نہ تھا۔ لہٰذا یہ واپس روانہ ہو گئے۔ لیکن رات کو بنو مرّہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ سوائے بشیر کے سارے مجاہدین شہید ہو گئے۔ بشیر کسی طرح فدک کے یہود کے پاس پہنچ گئے۔ یہ وہاں اس وقت تک ٹھہرے رہے جب تک کہ ان کے زخم نہ بھر گئے۔ بعد ازاں وہ مدینہ لوٹ آئے۔

(۵) سریہ میفعہ (رمضان ۷ھ):

یہ سریہ قبیلہ جُہینہ کی شاخ حرفات کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا گیا تھا۔ اس میں ایک سو تیس مجاہدین شامل تھے۔ غالبؓ بن عبداللہ لیثی قیادت کر رہے تھے۔ غالبؓ نے دشمن پر سخت حملہ کیا اور انکے متعدّد افراد قتل کر دیئے۔ ان کا ایک فرد کلمہ پڑھنے کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس پر بعد ازاں نبی ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ دشمن کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں لے کر مدینہ آ گئے۔

(۶) سریہ یمن وجبّار (شوال ۷ھ):

تین سو مسلمان حضرت بشیرؓ انصاری کی قیادت میں بنو غطفان کے علاقے کی طرف روانہ کیئے گئے کیونکہ پتہ چلا تھا کہ وہ لڑائی کے لیئے فوج اکٹھی کر رہے ہیں۔ لیکن وہ مسلمان فوج کی آمد کی خبر سن کر فرار ہو گئے۔ اور مسلمان ان کے اموال و غنائم سمیٹ کر مدینے لوٹ آئے۔

Marfat.com

(۷) سریہ غابہ:

صرف دو آدمی حضرت ابو حَدْرَدؓ کی سربراہی میں بنو قیس کے علاقے غابہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں وہ اطلاعات کے مطابق فوج اکٹھی کر رہے تھے۔ ابو حَدرَدؓ نے کچھ ایسی جنگی حکمت عملی اختیار کی کہ دشمن کو شکست ہو گئی اور وہ انکے مویشی ہانک لائے۔(2)

(۸) عمرۂ قضاء (ذی قعدہ) سنہ ۷ھ :

ذی قعدہ میں صلح حدیبیہ کو ایک سال پورا ہو گیا تو نبی ﷺ نے مسلمانوں کو عمرہ کی تیاری کا حکم دیا۔ جو مسلمان حدیبیہ میں موجود تھے انہیں بالخصوص اور باقی مسلمانوں کو بالعموم ساتھ چلنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ ذی قعدہ سنہ ۷ھ میں دو ہزار مسلمان ادائے عمرہ کیلئے مدینے سے روانہ ہوئے۔ ابو رہم غفاریؓ مدینے پر عامل مقرر کیے گئے۔ قربانی کے ساٹھ اونٹ ساتھ رکھے گئے جو کہ ناجیہ بن جندب اسلمی کی نگرانی میں تھے۔(3)

جب مسلمان مکہ سے آٹھ میل ادھر مقام بطن یاجج پر پہنچے تو یہاں تمام اسلحہ وغیرہ رکھ دیا گیا۔ دوسو سواروں کا ایک دستہ اسلحے کے ذخیرے کی حفاظت کیلئے متعین کر دیا گیا۔ تاہم مسلمانوں کی تلواریں انکے پاس تھیں۔

نبی ﷺ کی ناقہ کی مہار حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے تھامی ہوئی تھی اور وہ یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے:

خَلُّوا بَنِي الكُفّارِ عَن سَبِيلِهِ　　خَلُّوا فَكُلّ الخَيرِ في رَسوُلِهِ

يَا رَبِّ اِنِّى مُو مِن بقِيلِهِ　　اَعرِفُ حَقّ اللهِ في قَبُولِهِ

''منکرین توحید و رسالت کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ خالی کر دو اور الگ

ہٹ جاؤ! دنیا کی ساری خیر و فلاح رسول اللہ ﷺ ہی کے ہی ساتھ ہے۔ اے پروردگار! میں انکے تمام اقوال پر یقین رکھتا ہوں اور انہیں مان کر ہی اللہ کا حق پہچانتا ہوں۔

صحابہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے حلقہ میں لیا ہوا تھا۔ جب مسلمان مکے میں داخل ہوئے تو کفار شہر خالی کر کے قریبی پہاڑی قیعقان کی گھاٹیوں میں چلے گئے تھے۔ وہ وہاں سے مسلمانوں کو مناسک عمرہ ادا کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یثرب کے بخار اور وہاں کی آب و ہوا نے مسلمانوں کی صحت برباد کر دی ہو گی۔ مسلمان مسلسل غزوات و سرایا کی وجہ سے کسی حد تک کمزور بھی ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے حوصلے بلند تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ طواف کے پہلے تین پھیرے دوڑ کر لگائیں تا کہ کفار کی غلط فہمی دور ہو سکے کہ مسلمان ناتواں ہو چکے ہیں۔ اسے عربی میں ''رمل'' کہتے ہیں۔ (یہ رسم آج تک جاری ہے)

رسول اللہ ﷺ نے ''اضطباع'' فرمایا۔ یعنی احرام کی چادر دائیں بغل میں سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈال لی، اسطرح دایاں کندھا کھلا رہا۔ حضور ﷺ کے اتباع میں صحابہ نے بھی اضطباع کیا۔ طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے مروہ کے قریب قربان گاہ پر ہدی (قربانی کے جانور) ذبح کیئے اور فرمایا: آج مکے کی ہر گلی قربان گاہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سر کے بال منڈوائے۔ کچھ مسلمانوں کو حج کے مقام پر بھیج دیا گیا تا کہ وہ وہاں متعین مجاہدین کی جگہ لے لیں اور انہیں ادائے عمرہ کیلئے بھیج دیں۔

آپ ﷺ نے مکے میں تین روز تک قیام فرمایا۔ چوتھے روز مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ معاہدے کی رو سے آپ ﷺ کے قیام کی مدت پوری ہو چکی ہے

Marfat.com

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ فوراً شہر چھوڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات مان لی اور اسی وقت شہر خالی کر دیا۔ مکہ سے نکل کر آپ ﷺ نے مقام ''سرف'' پر قیام فرمایا۔ عمرۂ قضاء کو عمرۂ قضیہ، عمرۂ قصاص اور عمرۂ صلح کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ (4)

جب آپ ﷺ مکے سے روانہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ کے پیچھے حضرت حمزہؓ کی چھوٹی بیٹی ''چچا چچا!'' پکارتی دوڑیں تھی۔ اسے حضرت علیؓ نے لے لیا۔ لیکن حضرت جعفرؓ کہنے لگے کہ اس پر انکا زیادہ حق ہے اور وہی اسکی پرورش کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا کیونکہ جعفرؓ کی زوجہ بچی کی خالہ تھیں۔

اس سفرِ عمرہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت میمونہؓ سے ہوا۔ حضرت عباسؓ نے نکاح پڑھوایا۔

سنہ ۷ھ میں کچھ اور سرایا بھی مختلف سمتوں میں بھیجے گئے۔ حضرت ابوالعوجاؓ کو بنو سلیم کی طرف بھیجا گیا جہاں سخت لڑائی ہوئی اور ابوالعوجاؓ شدید زخمی ہوئے۔ تاہم وہ دشمن کے دو تین آدمی قیدی بنا کر مدینے لے آئے۔ بشیر بن سعد کے ساتھیوں کو فدک کی اطراف میں قتل کر دیا گیا۔ ان کا بدلہ لینے دو سو مجاہدین روانہ کئے گئے۔ وہ دشمن کے کئی افراد قتل کر کے اور انکے مویشی لے کر مدینے آ گئے۔ کعبؓ بن عمیر پندرہ مجاہدین کو لے کر بنو قضاعہ کی طرف گئے، لیکن ماسوائے ایک کے سب شہید ہو گئے۔ اس طرح بنو ہوازن کی سرکوبی کے لیے حضرت شجاعؓ بن وہب پچیس مجاہدین کو لے کر گئے۔ لیکن وہاں کسی سے مقابلہ نہ ہوا اور یہ واپس آ گئے۔ (5)

Marfat.com

ستائیسواں باب

یومِ مُوتہ

عرب کا شمالی علاقہ عرصۂ دراز سے ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کی کشمکش کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی زندگی میں ایرانیوں کو عروج حاصل تھا اور انہوں نے ایک بار قسطنطنیہ پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کی حیات اقدس کے آخری سالوں میں رومی طاقتور ہو گئے تھے۔ ۵۲۶ء میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ طاقت کا توازن بدل گیا اور رومیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ عرب کے شمالی علاقوں میں بھی رومیوں کا اثر نفوذ بڑھ گیا۔ اگر یہ علاقے اسلام کے زیر نگیں آجاتے تو نبی ﷺ کا اقتدار اتنا مستحکم ہو جاتا کہ آپ ﷺ نہ صرف رومیوں سے نمٹ سکتے تھے بلکہ ایرانیوں کو بھی چیلنج کر سکتے تھے۔

اکثر یہود سقوطِ خیبر کے بعد فلسطین اور شام کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ اس علاقے کے یہودیوں اور عیسائیوں کے خیبر والوں کے ساتھ گہرے معاشی اور سماجی روابط تھے۔ نبی ﷺ کو جب جنوبی اطراف سے اطمینان ملا تو آپ ﷺ نے شمال کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ خیبر کے بعد آپ ﷺ نے شمال کی طرف ایک اور فوجی مہم بھیجی۔ اردن کے مقام بلقاء کے نواح میں موتہ کی بستی کے قریب مسلمانوں کا بازنطینی عساکر سے خونریز تصادم ہوا۔ یہ مسلمانوں کا کسی بیرونی طاقت سے پہلا معرکہ تھا۔ اس میں اگرچہ مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا، تاہم یہی معرکہ بعدازاں عیسائی ممالک کی تسخیر کا دیباچہ بنا۔

Marfat.com

(۱) یوم موتہ کا فوری سبب:

اگر چہ نبی ﷺ کے آئندہ منصوبے میں شمالی علاقوں میں تبلیغ اسلام بہت اہمیت رکھتی تھی، تاہم آپ ﷺ کو اس علاقے پر لشکر کشی کی جلدی نہ تھی۔ جو واقعہ معرکہء موتہ کا فوری سبب بنا وہ یہ تھا آپ ﷺ نے حارثؓ بن عمیر ازدی کو اپنا ایک خط دے کر حاکم بُصریٰ شرجیل بن عمرو کے پاس روانہ کیا۔ شرجیل آل غسان کا سردار تھا اور اس علاقے میں بازنطینی حکومت کا مقرر کردہ گورنر تھا اس نے حارثؓ کو قتل کروا دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس مذموم سفارتی خلاف ورزی کا پتہ چلا تو آپ ﷺ کو بہت افسوس ہوا۔ اسلام عرب کے طول وعرض میں بتدریج مقبول ہو رہا تھا۔ اگر اس واقعے پر درگزر اور چشم پوشی سے کام لیا جاتا تو اسلام کی مقبولیت اور ترویج واشاعت پر منفی اثر پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے شمالی علاقے پر تاخت کیلئے ایک لشکر ترتیب دیا جو تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اس سے قبل کسی سریہ یا غزوہ میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں اکٹھے نہ ہوئے تھے۔

(۲) لشکر کی روانگی:

نبی ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اسلامی لشکر کا سربراہ بنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ سپہ سالار ہونگے اور اگر جعفرؓ بھی شہادت پا جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ قیادت کریں، اور اگر عبداللہ بھی شہید ہو جائیں تو مجاہدین اپنے طور پر سپہ سالار کا انتخاب کر لیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک سفید پرچم تیار کروایا اور حضرت زیدؓ کو عطا کیا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو تاکید فرمائی کہ جب وہ حارثؓ بن عمیر کی شہادت گاہ پر پہنچیں تو وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جنگ کرو اور دیکھو بدعہدی نہ کرنا، کسی عورت،

بچے یا سن رسیدہ کو قتل نہ کرنا، کسی گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا اور نہ ہی عمارات منہدم کرنا۔ (1)

نبی ﷺ ثنیۃ الوداع تک لشکر کے ساتھ گئے۔ روانگی کے وقت جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے نامزد کردہ امراء کو الوداع کہا تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ رونے لگے۔ مسلمانوں نے انکے گریہ کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا: ''مجھے نہ تو دنیا سے کوئی محبت ہے اور نہ ہی میں تمہاری جدائی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے یہ آیت قرآنی سنی ہے جس میں دوزخ کا ذکر ہے۔'' وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ''(۱۹:۷۱) (یعنی تم میں سے ہر شخص جہنم میں وارد ہونے والا ہے، یہ تمہارے ربّ پر ایک لازمی اور فیصلہ کی ہوئی بات ہے) مجھے نہیں معلوم ہے جہنم میں جا کر نکلنا بھی نصیب ہوگا یا نہیں۔''

پھر عبداللہؓ بن رواحہ نے یہ شعر پڑھے:

وَلٰكِنَّنِيْ اَسْاَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

اَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً بِحَرْبَةٍ تُنْفِذُ الْاَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا

حَتّٰى يُقَالُوْا اِذَا مَرُّوْا عَلٰى جَدَثِيْ اَرْشَدَهُ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا

''لیکن میں خدائے رحمٰن سے عفو و مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور تلوار کا ایک ایسا گھاؤ کھانے کی دعا کرتا ہوں جو خون کی جھاگ ڈال رہا ہو، ایسے نیزے کا زخم کھانے کی، جسے کوئی خون کا پیاسا (کافر) اپنے دونوں ہاتھوں پر پورا زور دے کر مارے، جو نہایت تیزی سے قتل کر دے، جگر اور انتڑیوں میں نفوذ کرتا چلا جائے اور پھر میرے مزار پر لوگ گزریں تو یہ کہتے گزریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مجاہد کو صحیح راستہ دکھایا اور اسنے وہی راستہ اختیار بھی کر لیا۔''

Marfat.com

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر انہیں دعا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ ''صبحکم اللہ ودفع عنکم ورد کم الینا المسلمین ''یعنی اللہ تمہاری مدد کرے اور تم سے ضرر دور رکھے اور تمہیں صحیح سالم واپس لے آئے۔ پھر تین ہزار مجاہدین کا یہ لشکر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

(۳) غیر متوقع صورتِ حال اور دشمن کا لشکرِ عظیم:

مسلمانوں کا منصوبہ تھا کہ اہلِ شام پر اچانک دھاوا بول کر انہیں مغلوب کر لیا جائے۔ لیکن جب یہ شام کے مقامِ معان پر پہنچے تو انہیں غیر متوقع طور پر یہ خبر ملی کہ حاکم بصریٰ شرجیل بہت بڑے لشکر کے ساتھ انکا مقابلہ کرنے آ رہا ہے۔ شرجیل کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ اس نے بھاگ دوڑ کر کے ان اطراف کے متعدد قبائل کو ساتھ ملا لیا اور لشکرِ جرار تیار کر لیا۔ شرجیل کے لشکر میں لخم، جذام، بہرا، بلقین وغیرہ کے جنگجو شامل تھے۔ مزید برآں ہرقل نے یونانی اور رومی فوجی بھی فراہم کر دیئے تھے۔ اسطرح اس لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی۔ بعض روایات کی رو سے ہرقل شرجیل کی مدد کیلئے ایک لاکھ رومی فوج لے کر آیا تھا۔ اسطرح دشمن سپاہ کی کل تعداد دو لاکھ تک پہنچ گئی تھی جس کی قیادت خود ہرقل کر رہا تھ۔ بعض دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ہرقل کی بجائے اس کا بھائی تیودور دو لاکھ کے لشکر کی کمان کر رہا تھا۔ بہر حال اس بڈی دَل لشکر نے بلقاء کے مقام مآب پر ڈیرے ڈال دیئے۔

اسلامی لشکر مقامِ معان پر فروکش تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اتنا بڑا لشکر ان کے مقابل ہے اور اس سے جنگ صریحاً خودکشی کے مترادف ہے تو وہ دو روز تک غور کرتے رہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ انکو اپنی روانگی سے پہلے رومی فوج کے بارے میں جو خبریں ملی ہونگی وہ یقیناً صحیح نہ ہونگی اور انہیں اتنے بڑے لشکر کی آمد کی توقع بھی نہ ہوگی۔ مجاہدین کے

ایک گروہ نے رائے دی کہ کہ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال کی اطلاع دی جائے۔ پھر یا تو آپ ﷺ کمک بھیجیں یا جو مناسب سمجھیں حکم دے دیں۔

لیکن اس تذبذب اور اضطراب کی کیفیت کو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی تقریر نے ختم کر دیا۔ عبداللہ نے اٹھ کر کہا: ''دوستو! یہ ایک عجیب بات ہے کہ آپ لوگ شہادت کی جستجو میں یہاں تک آئے ہیں، اور اب اسی سے دور بھاگ رہے ہیں۔ دوستو! ہم تعداد اور قوت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کرتے۔ ہم تو اس دین کے لیئے لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں سرفراز کیا ہے۔ اٹھو! اور دشمن پر ہلّہ بول دو! فتح نہ ہوگی تو شہادت ہی کیا کم نعمت ہے!''

عبداللہ بن رواحہ کی پر جوش اور پر ایمان تقریر نے مسلمانوں میں تازہ ولولہ پیدا کر دیا اور انکی گومگو کی کیفیت ختم ہوگئی۔ سب نے یک جان ہو کر دشمن سے جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔

(۴) جنگ اور پسپائی:

دو دن بعد اسلامی لشکر دشمن کی طرف بڑھا اور بحر مردار کے کنارے مشارف نامی بستی کے قریب وہ دشمن کے مقابل آ گیا۔ رومی فوج نے کچھ پیش قدمی کی تو مسلمان ''موتہ'' کی جانب ہٹ گئے۔ یہاں انہوں نے اپنی عسکری ترتیب قائم کی۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری مقرر تھے۔

اسکے بعد دونوں فوجوں کا تصادم شروع ہوا۔ یہ جنگ درحقیقت مولے اور شہباز کی لڑائی تھی۔ ایک لاکھ یا دو لاکھ رومی فوجیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور مسلمان مجاہدین کی محض تین ہزار فوج! اتنی مختصر فوج کا اتنی بڑی فوج کے مقابل آ جانا ہی محیّر العقول تھا۔

Marfat.com

چند روز تک حضرت زیدؓ بن حارثہ اپنی فوج کو قدیم بدویوں کے انداز میں لڑاتے رہے۔ یعنی وہ کسی مستقل جگہ پر جم کر مقابلہ نہیں کرتے تھے بلکہ رومیوں اور انکے حلیف بدویوں کے پھیلے ہوئے عساکر کے مختلف مقامات پر اچانک نمودار ہو کر کاری وار لگاتے اور پھر سرعت سے فرار ہو جاتے۔ یہ ضرب و فرار (Hit and Escape) کا طریقہ رومیوں کے بھاری لشکر کیلئے نہایت پریشان کن تھا کیونکہ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ تیزی سے حرکت کرتے ہوئے مجاہدین کا تعاقب نہ کر سکتے تھے۔ اور اگر وہ تعاقب کرتے بھی تھے تو مسلمان صحرا کی مہربان آغوش میں جا چھپتے تھے۔

ساتویں روز مسلمان فوجیوں نے یوں حملہ کیا جیسے وہ جم کر مقابلہ کرنے کی نیت رکھتے ہوں۔ رومی عساکر دائیں بائیں سے آگے بڑھنے لگے۔ لیکن مسلمانوں نے اچانک پسپا ہونا شروع کر دیا۔ رومی سمجھے کہ مسلمان بھاگ نکلے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سرعت کے ساتھ پیش قدمی کی جس کے نتیجے میں انکی جنگی ترتیب قائم نہ رہ سکی اور جونہی رومی فوج کا اگلا حصہ مسلمانوں کے مقابل آیا، زیدؓ بن حارثہ نے بھرپور حملے کا حکم دے دیا۔ مقامِ موتہ پر مسلمانوں کا ان سے خوفناک تصادم ہوا۔ رومیوں نے مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن فوج کی اتنی کثرت تھی کہ انکی پسپائی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ان کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ وہ پسپائی کی کوشش بھی کرتے رہے اور مجبوراً لڑتے بھی رہے۔ ادھر پیچھے سے آنے والے رومی سامنے والے حصے کے فوجیوں کو روندتے ہوئے چاروں طرف پھیل گئے۔ مسلمان مجاہدین نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے اور رومیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی بے مثال بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ان پر چاروں طرف سے وار ہو رہے تھے۔ ان کے زخموں سے اتنا خون بہہ چکا تھا کہ بالآخر وہ نیچے گر

Marfat.com

گئے اور شہید ہو گئے۔ ان کے نیچے گرتے ہی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آگے بڑھے اور جھنڈا اُٹھالیا۔ وہ اپنے سیاہ اور سرخ گھوڑے پر سوار تھے۔ جھنڈا اُٹھاتے ہی انہوں نے اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگادی اور اور پیدل لڑنے لگے۔ کسی فوجی کی تلوار لگنے سے ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر انکا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ انہوں نے کٹے ہوئے بازوؤں کے باقی حصوں سے ہی جھنڈے کو سینے کے ساتھ لگا لیا۔ پھر یہ بھی نیچے گر گئے اور شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر ستر سے زائد زخم آئے تھے۔ اب حضرت عبداللہؓ بن رواحہ آگے بڑھے اور فوراً علم تھام لیا اور رجز پڑھتے ہوئے رومیوں پر پل پڑے۔ بالآخر یہ شاعر مجاہد بھی رجز پڑھتے اور لڑتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے ساتھ ہی حضرت ثابتؓ بن اقرم نے آگے بڑھ کر جھنڈا اٹھالیا۔ بے ہنگم جنگ جاری تھی۔ رومی عساکر کا جو حصہ مسلمانوں سے لڑ رہا تھا۔ انہیں مسلمان بری طرح کاٹ رہے تھے اور پیچھے دھکیل رہے تھے۔ لیکن دشمن فوج کے کئی حصوں میں یہ پتہ بھی نہ تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ جہاں کسی رومی کو موقع ملتا وہ مسلمان مجاہد پر وار کرتا اور بھاگ کھڑا ہوتا۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق مجاہدین نے زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہؓ کی شہادت کے بعد اپنا نیا سردار چنا۔ یہ حضرت خالدؓ بن ولید تھے۔ خالدؓ کے سپہ سالار بنتے ہی جنگ میں شدت آ گئی۔ اس دن حضرت خالدؓ کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ (2)

خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ لڑتے ہوئے منظم طور پر پسپا ہوتے جائیں۔ اس دن کی جنگ تمام ہو چکی تھی۔ مجاہدین اپنے کیمپ میں واپس آ گئے۔ خالدؓ بن ولید کو نظر آ رہا تھا کہ اتنی بڑی فوج سے لڑائی جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ مسلمانوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا تھا۔ اور پہلے کی نسبت انکی تعداد بھی کم ہو گئی تھی۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اگر

Marfat.com

سارے مسلمان لڑتے لڑتے شہید بھی ہو جاتے تو رومی عساکر کو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لیئے خالدؓ نے پسپا ہو کر مدینے مراجعت کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں خطرہ تھا کہ رومی تعاقب کریں گے اور ان کے پیچھے پیچھے مدینہ پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ انہیں دھوکا دینے کیلئے انہوں نے ایک چال چلی۔

اگلے دن مسلمان میدانِ جنگ میں نئی عسکری ترتیب سے نمودار ہوئے۔ خالدؓ بن ولید نے اگلی صفوں کو پیچھے اور پچھلی صفوں کو آگے کر دیا تھا اور میمنہ کی جگہ میسرہ اور میسرہ کی جگہ میمنہ لے آئے تھے۔ مجاہدین کی بدلی ہوئی ہیت اور ترتیب سے دشمن پر یہ تاثر قائم ہو گیا کہ انہیں کمک پہنچ چکی ہے۔ مجاہدین دشمنوں سے ہلکی پھلکی جھڑپیں کرتے رہے۔ وہ ساتھ ساتھ پسپا بھی ہوتے جا رہے تھے۔ رومیوں نے یہ گمان کیا کہ وہ انہیں فرار کا دھوکا دے کر صحرا میں لے جانا چاہتے ہیں جہاں انکی تباہی لازمی ہو گی۔ اسطرح رومی مسلمانوں کے تعاقب سے باز رہے۔ واپس لوٹتے ہوئے قطبہ بن قتادہ نے جو مسلم فوج کے میمنہ کے سردار تھے نیزہ مار کر مالک بن زافلہ کو ہلاک کر دیا۔ مالک بن زافلہ رومی فوج کے میسرہ کا عرب کمانڈر تھا۔ مسلمان بعافیت مدینہ پہنچ گئے اور رومی بھی واپس لوٹ گئے۔

مجاہدین کی واپسی کی اطلاع پا کر نبی ﷺ نے دیگر مسلمانوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔ بعض مسلمانوں نے مجاہدین کی پسپائی کو انکی بزدلی پر محمول کیا تھا۔ چنانچہ کچھ افراد نے ان پر مٹی پھینکی اور کہا: ''یا فرّارُ فَرَرتم فی سبیل الله'' یعنی بھگوڑو! تم اللہ کی راہ سے فرار ہوئے ہو! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَیسُوا بِالفرّارِ وَلٰکِنّھُم الکَرّار اِن شاء الله تعالیٰ'' یعنی یہ بھگوڑے نہیں، بلکہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں، انشاءاللہ تعالیٰ۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے عزیز صحابہ کی شہادت پر بڑا صدمہ ہوا۔ حضرت جعفرؓ کے

گھر جا کر آپ ﷺ نے تعزیت کی۔ جعفرؓ کی اہلیہ کو آپ ﷺ نے بتایا کہ جنت میں جعفرؓ کو دو پروں والے بازو عطا کیے گئے ہیں جن سے وہ وہاں محو پرواز ہیں۔ تب سے ہی جعفر کو جعفر طیار (اڑنے والا جعفر) کہا جانے لگا۔

بعض سیرت نگاروں کے بقول شہدائے موتہ کی تعداد نو تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جنگ میں بارہ یا سترہ مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے تھے۔ دراصل جنگِ موتہ کے بارے میں بہت کم تفصیلات ملتی ہیں۔ رومی مقتولین کی تعداد کا بھی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ غالب گمان یہی ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا ہوگا۔

شہدائے موتہ کے حزن و غم میں کئی شعراء نے پر درد مرثیے کہے (3)۔ حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر ہے۔

قد اتانا من قتلهم ما كفانا　　فبحزنٍ نبيتُ غير سرور

''ان لوگوں کے قتل و شہادت کی جو خبریں ہمارے پاس آئیں، انہوں نے ہماری کمر توڑ دی اب ہم حزن و ملال سے راتیں گزارتے ہیں، خوشی کا نام نہیں!''

جنگِ موتہ میں اگرچہ مسلمان مجاہدین نے رومیوں کو بھاری جانی نقصان پہنچایا تھا، تاہم شمالی سرحد پر امن و امان قائم نہ ہو سکا۔ بلکہ شورش میں اضافہ ہو گیا۔ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ بنو قضاعہ مدینے پر حملے کیلئے فوج اکٹھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جمادی الآخر ۸ھ میں حضرت عمروؓ بن العاص کی سرکردگی میں ایک سریہ روانہ کیا تا کہ ان کی سرکوبی کی جا سکے۔ اس سریہ میں مہاجرین و انصار کے تین سو مجاہدین شامل تھے۔ تیس گھوڑوں کا رسالہ بھی تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی نفری کافی زیادہ ہے۔ انہوں نے کمک کے لیئے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے حضرت عبیدہؓ کو مزید دوسو مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا۔ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ان سب نے مل کر اس علاقے کے شوریدہ سر قبائل کی سرکوبی کی اور انہیں منتشر کر دیا۔ اس مہم کو سریہ ذات السّلاسل کہا جاتا ہے۔ ذات السّلاسل وادی القریٰ سے کچھ دور ایک مقام ہے جو کہ مدینہ سے دس میل دور ہے۔

حضور ﷺ نے مزید ایک سریّہ نجد کے اندر بھی بھیجا جس کا مقصد محارب کے علاقہ خضرہ میں بنو غطفان کو سزا دینا تھا۔اس سریّہ میں پندرہ مجاہدین شامل تھے اور حضرت ابوقتادہؓ سربراہ تھے۔ابوقتادہ موثر کاروائی کر کے پندرہ دن بعد مدینے لوٹ آئے۔(4)

(۵) یومِ مُوتہ پر ایک نظر:

موتہ کی جنگ تاریخِ اسلام میں کئی لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے۔ذیل میں چند اہم نکات پر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مورخین کے لیئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی یا شکست! ابن سعد کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا کیونکہ کچھ روایات کی رو سے واپسی پر مسلمان مجاہدین کو بعض لوگوں نے ''فراری'' جیسے الفاظ سے یاد کیا تھا اور ان پر خاک اور کنکریاں پھینکی تھیں۔ابن قیم بخاری کے حوالے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی (5)۔لیکن ابن اسحاق کی رائے زیادہ موزوں نظر آتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں کسی کو بھی فتح یا شکست نہ ہو سکی کیونکہ دونوں لشکر پیچھے ہٹ گئے تھے۔جنگوں میں حکمتِ عملی کے تحت پسپائی کو شکست نہیں قرار دیا جا سکتا۔اگر مسلمانوں کو فی الواقع شکست ہوئی ہوتی تو فاتح فوج مدینے تک ان کا تعاقب کرتی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ دونوں فوجیں ''توازنِ دہشت'' (Balance of

Marfat.com

Terror) کے تحت پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ لیکن اگر فریقین کی تعداد کے پیش نظر دیکھا جائے تو مسلمانوں کا اتنی بڑی فوج سے ٹکرا جانا بذات خود ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی سنگلاخ اور مضبوط چٹان کو توڑنے کیلئے پہلے ضرب لگائی جائے تو یہ اچٹ جائے، لیکن چٹان کو بالآخر ریزہ ریزہ کرنے میں یہ پہلی ضرب ہی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کا کسی بیرونی طاقت سے تصادم ہوا تھا۔ رومی اپنی تہذیب، ثقافت اور عسکری قوت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی مملکت تصور کیئے جاتے تھے۔ ان سے ٹکرا کر ایک طرف تو مسلمانوں کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف ان کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ یہی جنگ بعد میں ہونے والے متعدد معرکوں کا پیش خیمہ بنی جن کے نتیجے میں رومی قوت پارہ پارہ ہوگئی۔

(۳) مسلمانوں نے اپنے ایک سفیر کے قتل ناحق کا بدلہ لینے کے لیئے جس طرح جاں کی بازی لگادی، اس سے نہ صرف تاریخ میں سنہری باب کا اضافہ ہوا، بلکہ تمام عرب میں مسلمانوں کی توقیر بھی بڑھ گئی۔

(۴) جنگِ موتہ کے بعد شمالی سرحد پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ غطفان، فزارہ، اشجع، ذبیان اور بنو سلیم جیسے قبائل اسلام کی طرف راغب ہو گئے۔

(۵)۔ مسلمانوں کو ترقی یافتہ اقوام کے طریقِ جنگ سے واقفیت حاصل ہوگئی۔

(۶)۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنے صحابہ کی تربیت کی تھی اور ان میں مقصد کی لگن پیدا کی تھی، یہ جنگ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اپنے نظریہ و ایمان کیلئے آگ کے سمندر میں کود جانے کا جذبہ وہ اکسیرِ اعظم تھا جس نے ذراتِ خاک کو ایسے درخشندہ ستارے بنا دیا جن کی تابندگی رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

○

Marfat.com

اٹھائیسواں باب

یومِ فتحِ مکہ

رسالت کے مہر درخشاں کو سرزمین عرب پر جلوہ ریز ہوئے اکیس برس گزر چکے تھے۔ اگرچہ اسلام کی حیثیت عرب میں بڑی مستحکم ہو چکی تھی۔ تاہم بعض گوشے ایسے بھی تھے جہاں کفر و شرک کی ظلمت بدستور قائم تھی۔ اب وقت آ گیا تھا کہ مہر درخشاں ان تمام حجابات ظلمت کو تار تار کر دے۔

قریش نے حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں سے جنگ بندی کا دس سالہ معاہدہ کیا تھا۔ معرکۂ موتہ تک وہ اس معاہدے کی پابندی کرتے رہے تاہم انکے دل نفرت اور بغض و عناد سے لبریز تھے۔ موتہ سے مسلمانوں کی پسپائی کو انہوں نے انکی شکست پر محمول کیا اور اپنے طور پر سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی قوت بری طرح سے متاثر ہوئی ہے اور اب دوبارہ ان کا اٹھنا محال ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کا احترام انکے دل سے نکل گیا اور وہ اس کی خلاف ورزی پر تل گئے۔

(ا) قریش کی بدعہدی:

معاہدہ حدیبیہ کی ایک شق کی رو سے عرب قبائل کو یہ اختیار حاصل تھا کہ مسلمانوں یا قریش میں سے کسی ایک فریق کے حلیف ہونے کا معاہدہ کر سکتے تھے، دوسرا فریق اس تحالف میں حائل نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر بنی خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے حلیف بن گئے اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ بنو خزاعہ اور

بنو بکر کے درمیان دیرینہ عداوت تھی۔ لیکن معاہدہ حدیبیہ سے یہ عداوت وقتی طور پر دب گئی تھی۔ جنگ موتہ کے بعد قریش اور بنو بکر یہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کو شدید زک پہنچی ہے اور اب وہ کسی سے جنگ کیلئے نہیں اٹھ سکتے۔ چنانچہ بنوخزاعہ کے خلاف بنو بکر کے بظاہر دبے ہوئے جذبات مشتعل ہونے لگے۔ قریش نے انہیں ہر طرح سے مدد دینے کا یقین دلایا۔ چنانچہ بنو بکر کی ذیلی شاخ بنی وائل نے شعبان ۸ھ میں بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ بنوخزاعہ ایک رات وتیر نامی چشمے کے قریب سوئے ہوئے تھے کہ نوفل بن معاویہ دیلی نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر دیا اور انکے کئی افراد کو قتل کر دیا۔ قریش نے نہ صرف بنو بکر کو ہتھیار فراہم کیے بلکہ ان کے بعض افراد (مثلاً عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ) بھیس بدل کر ان میں شامل ہو گئے اور بنوخزاعہ کو مارتے دھکیلتے حرم تک لے آئے۔ بنوخزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی، لیکن قریش کے ایماء پر بنو بکر نے بنوخزاعہ کے کئی لوگوں کو عین حدودِ حرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم فریادی بن کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور نہایت پر درد اشعار میں اپنے قبیلے پر ہونے والے ظلم وستم کی داستان سنائی۔ رسول اللہ ﷺ کو بنوخزاعہ پر ہونے والی زیادتی اور بنو بکر اور قریش کی بدعہدی پر بہت افسوس ہوا۔ آپ ﷺ نے عمرو بن سالم کو یقین دلایا کہ اس کی مدد کی جائے گی۔

نبی ﷺ نے مکے والوں کو پیغام بھیجا کہ وہ تین صورتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں۔

(۱) بنوخزاعہ کو مقتولین کی دِیت بنو بکر اور قریش مل کر ادا کریں۔

(۲) بنو بکر سے قطع تعلق کر لیں۔

(۳) معاہدۂ حدیبیہ کو منسوخ کر دیں۔

Marfat.com

قریش نے ناعاقبت اندیشی اور جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے پہلی دونوں صورتوں کو رد کر دیا اور تیسری صورت کو قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اسکی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ اور حلفاء کو خفیہ طور پر جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں لیکن کسی کو کچھ علم نہ تھا کہ جنگ کہاں، کیسے اور کب کی جائے گی۔ اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے منصوبے کو مکمل طور پر صیغۂ راز میں رکھا (1)۔

(۲) ابوسفیان کی مدینہ آمد:۔

قریش نے اپنے زعم باطل میں نبی ﷺ کی پیش کردہ شرائط میں سے پہلی دو کو رد کر کے تیسری کو قبول تو کر لیا، لیکن بعد ازاں جب انہوں نے ٹھنڈے دل سے غور کیا تو انہیں صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشاورت کے بعد ابوسفیان کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے گفت وشنید کر سکے۔ ابوسفیان مدینہ میں سیدھا اپنی بیٹی حضرت امّ حبیبہؓ کے گھر پہنچا اور وہاں بچھے ہوئے بستر پر بیٹھنے لگا۔ امّ حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ ابوسفیان نے اسکی وجہ پوچھی تو امّ حبیبہؓ نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے! اس پر میں کسی ناپاک مشرک کو بیٹھنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہوں؟'' ابوسفیان بیٹی کے اس جواب اور رسول اللہ ﷺ کے لیئے انکے اس جذبۂ تعظیم پر بہت تلملایا اور کہنے لگا: ''بیٹی! نہ تو تجھے اپنے بڑوں کا پاس رہ گیا ہے اور نہ اپنے خاندان کا لحاظ! مجھے پتہ نہیں تھا کہ تو اتنی بدل چکی ہے!''

ابوسفیان یہاں سے نکل کر سیدھا بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے تجدیدِ معاہدہ کے بارے میں بات کرنا چاہی، لیکن آپ ﷺ نے اسکی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ لیکن ان حضرات نے اسکی سفارش کرنے

Marfat.com

سے صاف انکار کر دیا۔ یہاں سے مایوس ہو کر ابو سفیان حضرت علیؓ کے پاس گیا۔ وہاں حضرت فاطمہؓ اپنے بچے حسینؓ کے ساتھ موجود تھیں۔ حضرت علیؓ نے بھی اسکی حوصلہ شکنی کی۔ پھر ابو سفیان حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر بولا: ''محمد کی بیٹی! کیا تم اپنے اس چھوٹے بیٹے کو نہیں کہو گی کہ وہ دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دے۔ اسطرح یہ ہمیشہ عرب کا سردار کہلائے گا!''

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! یہ ابھی بچہ ہے اور اس قابل نہیں کہ لوگوں میں بیچ بچاؤ کرا سکے! دراصل اس وقت کوئی بھی بیچ بچاؤ نہیں کرا سکتا۔'' ابو سفیان دوبارہ حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر بولا: ''میں سمجھتا ہوں کہ میرے معاملات بہت بگڑ گئے ہیں، اس لیئے مجھے خیر خواہانہ مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟''

حضرت علیؓ نے کہا: ''خدا کی قسم! میں تمہیں فائدہ پہنچانے کیلئے کوئی مشورہ نہیں دے سکتا! لیکن تم بنو کنانہ کے سردار ہو، اس لیئے سب لوگوں کے سامنے جا کر معاہدہ کی تجدید کا اعلان کر دو اور مکے کی راہ لو!''

ابو سفیان نے پوچھا: ''کیا اس سے مجھے کوئی فائدہ ہوگا؟''

حضرت علیؓ نے کہا: ''نہیں! خدا کی قسم میں ایسا نہیں سمجھتا! لیکن اس کے سوا اور کوئی صورت بھی نہیں!''

وہاں سے ابو سفیان مسجدِ نبوی کی طرف گیا اور صحن میں کھڑے ہو کر کہنے لگا: ''لوگو! میں سب کے سامنے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کرتا ہوں!''

یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور مکے کی طرف روانہ ہو گیا۔ مکے پہنچ کر ابو سفیان نے لوگوں کو ساری بات بتائی۔ انہوں نے پوچھا: ''کیا محمد نے تمہاری بات کی تصدیق کی؟''

Marfat.com

ابو سفیان نے کہا: ''نہیں!''

اب قریش کو بہت تشویش ہوئی۔ انہوں نے ابو سفیان سے کہا: ''جو تم کہہ آئے ہو، اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا! علی نے تو تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے!'' (2)

(۳) جہاد کی تیاری کا حکم:

رسول اللہ ﷺ نے اب یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ قریش کو ان کی بدعہدی کی سزا دی جائے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجاہدین کو تیار ہونے کا حکم دیا اور خود بھی تیاری کرنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کے گھر آئے تو انہیں سفر کیلئے سامان باندھتے دیکھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا: ''کیا تم رسول ﷺ کے حکم سے تیاری کر رہی ہو؟'' حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: ''جی ہاں! رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہی تیاری کر رہی ہوں!'' ابو بکرؓ نے استفسار کیا: ''کہاں کا قصد ہے؟ عائشہ نے جواب دیا: ''واللہ مجھے علم نہیں!''

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو بتایا کہ مکہ کا ارادہ ہے، لیکن اسے اخفاء میں رکھا جائے۔ پھر فرمایا: '' اَللّٰھُمَّ خُذِ الْعُیُونَ وَ الاَخبَارَ عَنْ قُرَیش حَتّیٰ نَبتَغُھَا فِی بَلَا دِھَا ''یعنی اے اللہ! آنکھوں کو اور خبروں کو قریش سے پکڑ لے، یعنی نہ تو وہ ہماری تیاری دیکھ سکیں اور نہ ہی اسکی انہیں خبر ہو حتیٰ کہ ان بستیوں پر ہم اچانک حملہ کر دیں۔

(۴) حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی لغزش:

حاطبؓ بن ابی بلتعہ رسول اللہ ﷺ کے وفادار صحابہ میں سے تھے۔ ان کے اہل وعیال مکے میں تھے۔ جب مکہ پر چڑھائی کا ارادہ ہوا تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ قریش انکے بال بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے قریش کے نام ایک خط تحریر کیا

Marfat.com

جس میں انہیں مسلمانوں کے حملے کی اطلاع دی گئی تھی۔ یہ خط انہوں نے سارہ نامی ایک کنیز کے حوالے کیا۔ سارہ بنو عبدالمطلب کے خاندان میں کسی کی لونڈی تھی۔ سارہ نے یہ خط اپنے سر کی مینڈھیوں میں چھپایا اور خفیہ طور پر مکے کی طرف روانہ ہوگئی۔ حاطب نے سارہ کو اس کام کا معاوضہ بھی دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کی اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ بن عوام کو اس عورت کے پیچھے دوڑایا کہ وہ اسے پکڑ لیں اور اس سے خط برآمد کرلیں۔ دونوں اصحاب نے تیزی سے اس عورت کا تعاقب کیا اور مقام خلیفہ بن ابی احمد (مدینے سے بارہ میل دور) پر اسے جا کر پکڑ لیا۔ انہوں نے اسکے سامان کی تلاشی لی لیکن خط برآمد نہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کو غلط خبر نہیں ملی!'' پھر انہوں نے سارا کو سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ وہ خط نکال دے ورنہ وہ اسے برہنہ کرنے اور جامہ تلاشی لینے پر مجبور ہوجائیں گے۔ سارہ خوفزدہ ہوگئی۔ اس نے ان سے کہا: ''ذرا پرے ہٹ کر کھڑے ہوجائیں!'' پھر اس نے اپنا رخ بدل کر مینڈھیاں کھولنی شروع کردیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر کے بالوں سے ایک خط نکال کر ان کے حوالے کردیا۔

علیؓ اور زبیرؓ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور خط آپ ﷺ کے حوالے کردیا۔ آپ ﷺ کو جب خط کے مندرجات سے آگاہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فوراً حاطب کو طلب کیا اور پوچھا ''یَا حَاطِب ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذا؟ '' یعنی اے حاطب تمہیں اس امر پر کسی نے مجبور کیا؟

حاطبؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! میرے ایمان میں ذرہ برابر بھی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ بات صرف اتنی ہے کہ میرے اہل وعیال مکے میں ہیں اور میں خود ایک بے

اصل اور بے قبیلہ شخص ہوں۔ اس لیئے میں نے اپنے بال بچوں کی عافیت کیلئے قریش سے یہ معاملہ کرنا چاہا تھا۔''

حضرت عمرؓ قریب ہی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ اس منافق کی گردن اڑا دیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! اللہ نے بدر کے مجاہدین کے گناہوں اور لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے، ممکن ہے حاطب کی اس لغزش کو بھی اللہ نے معاف فرما دیا ہو!'' یہ سن کر حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور وہ آبدیدہ ہو گئے۔

حاطبؓ کی لغزش اگرچہ نہایت خوفناک تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے بشری کمزوری سمجھ کر معاف فرما دیا اور حاطبؓ کے ایمان پر شک نہ کیا۔ اس بارے میں سورۂ ممتحنہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ آئندہ اس طرح کی حرکت نہ ہونی چاہیئے ورنہ ایسے شخص کو دشمنانِ خدا کا ساتھی تصور کیا جائے گا۔

(۵) روانگی اور سفر:

۸ھ کے اوائلِ رمضان میں نبی ﷺ نے آٹھ مجاہدین پر مشتمل ایک سریہ حضرت ابو قتادہؓ کی زیرِ قیادت ''بطنِ اضم'' کی طرف روانہ فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ جب خود سفر کیلئے نکلیں تو عام لوگ یہی گمان کریں کہ آپ ﷺ بطنِ اضم کی طرف ہی جائیں گے۔ اس طرح مکے کی طرف جانے کا ارادہ اخفاء میں رہے گا۔

آپ ﷺ نے مدینے پر ابو رھمؓ غفاری کو عامل بنایا اور مکہ سے کوچ کر دیا۔ حضرت زبیرؓ دو سو سواروں کا دستہ لے کر آگے جا رہے تھے۔ جحفہ کے قریب آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب آ کر آپ ﷺ سے مل گئے۔ (3) یہ ابھی تک بعض مصلحتوں کے تحت مکے میں ہی مقیم تھے۔ لیکن اب ان پر واضح ہو چکا تھا کہ مزید

Marfat.com

کے میں قیام مناسب نہیں۔ مقام ابوا پر ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن اُمیہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ابوسفیان بن حارث حضور ﷺ کے چچیرے بھائی تھے اور عبداللہ پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ابوسفیان بن حارث آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ آپ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو منہ پھیر لیا کیونکہ یہ دونوں مکے میں آپ ﷺ کو اذیت دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ہجو کہا کرتے تھے۔ ابوسفیان اتنا نادم تھا کہ اس نے کہا کہ اگر مجھے معافی نہ ملی تو میں اپنے بال بچوں کو لے کر صحرا کی طرف نکل جاؤں گا اور وہیں بھوک پیاس سے مر کھپ جاؤں گا۔ حضرت علیؓ نے ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ تم حضور ﷺ کے پاس جا کر وہی بات کہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہی تھی یعنی ''اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے'' (یوسف:۹۱) ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: '' لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ '' (یوسف:۹۲)۔ یعنی آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، اللہ تمہاری بخشش کر دے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔ بعد ازاں آپ ﷺ ان سے نہایت لطف و کرم اور خاص محبت سے پیش آنے لگے۔ انہیں اپنے کیئے پر اتنی ندامت محسوس ہوتی تھی کہ وہ سر اٹھا کر حضور ﷺ کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔

(۶) ابوسفیان بن حرب کا قبولِ اسلام:

نبی ﷺ سفر کرتے ہوئے عُسفان اور قُدَید کے درمیان کدید کے چشمے پر پہنچے۔ آپ ﷺ روزے سے تھے۔ یہاں آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا۔ آپ ﷺ کی تقلید میں صحابہ نے بھی روزہ توڑ دیا۔ یہاں کچھ دیر رکنے کے بعد آپ ﷺ نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ پھر رات کے پہلے پہر آپ ﷺ وادیٔ فاطمہ کے مقام مرّ الظہران آ پہنچے۔ دورانِ سفر مختلف قبائل آ کر اسلامی لشکر میں شامل ہوتے رہے تھے اور اب مجاہدین کی تعداد دس ہزار

Marfat.com

تک پہنچ چکی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ فاصلے فاصلے پر آگ کے بڑے بڑے ۱۱۱ الاؤ روشن کریں۔ اسطرح مرّ الظہران کی سرزمین پر ۱۱۱ الاؤ جلنے لگے جو دور سے دیکھنے والے کو ایک عظیم الشان لشکر کا تاثر دیتے تھے۔

حضرت عباسؓ کو تشویش تھی کہ اگر مکے والوں نے مسلمانوں سے تصادم کا راستہ اپنایا تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ اگر جنگ شروع ہوگئی تو مسلمان اپنے مقابل آنے والوں سے کوئی رعایت نہیں برتیں گے۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اگر مکے والے امان طلب کرلیں؟'' آنحضرت ﷺ خود بھی یہ غور فرما رہے تھے کس طرح اس مقدس شہر کو جس میں اللہ کا حرمت والا گھر ہے، کشت وخون سے بچایا جائے۔ عباسؓ کی تشویش کا اندازہ کر کے آپ ﷺ نے انہیں ہی قریش کی طرف بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تا کہ وہ انہیں مسلمانوں کی قوت وشوکت سے مرعوب کر کے انہیں طالب امان ہونے کا مشورہ دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سفید خچر پر سوار ہو کر مکے کی راہ ''اراک'' پر چلنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ اس راہ پر شاید کوئی گذریا، لکڑہارا یا دودھ بیچنے والا مل جائے۔۔۔۔۔ اسکے ذریعہ وہ مکے والوں کو یہ پیغام بھجوا سکتے تھے کہ وہ آکر حضور ﷺ سے امان کی درخواست کریں۔

ادھر مکے والوں کا یہ حال تھا کہ ان تک ہر قسم کی خبروں کی آمد بند ہو چکی تھی۔ انہیں اڑتی اڑتی خبریں تو ملی تھیں کہ مسلمان مدینے سے کہیں روانہ ہوئے ہیں، لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ سیلاب بلاخیز انکے دروازوں تک پہنچ چکا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ مرّ الظہران میں مسلمانوں کی آمد کا پتہ لگنے پر وہ مسلمانوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگاتے اور مقابلے پر اتر آتے۔ حضرت عباسؓ کو یہی فکر تھی کہ اگر ایک بار جنگ شروع ہوگئی تو پھر تیر کمان سے نکل جائے گا اور مصالحت کی کوششیں بے کار ہونگی۔

Marfat.com

مکے والوں نے جب دور سے بے شمار الاؤ جلتے دیکھے تو تشویش واضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل صورت حال کا جائزہ لینے کیلئے شہر سے باہر نکلے۔ یہ تینوں خبروں کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ابوسفیان آگ کے بے شمار الاؤ دیکھ کر تعجب کا اظہار کر رہا تھا۔ بدیل نے کہا ''شاید بنوخزاعہ ہیں جو انتقام لینے آئے ہیں!'' ابوسفیان نے بدیل کے خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا: ''بنوخزاعہ اتنی کثیر تعداد میں الاؤ روشن نہیں کر سکتے، وہ اتنی طاقت اور عزت والے نہیں!'' حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ادھر ہی سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے انکی باتیں سن لیں اور قریب آ گئے۔ ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں نے عباسؓ کو پہچان لیا اور ان سے صورتِ حال کے بارے میں استفسار کیا۔ عباسؓ نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے۔۔۔۔۔۔ اب قریش کی تباہی سر پر آ پہنچی ہے۔ اگر تم کو مسلمانوں نے دیکھ لیا تو تمہاری گردنیں اڑا دیں گے!'' انہوں نے ابوسفیان کو کہا کہ وہ ان کے پیچھے خچر پر بیٹھ جائے تا کہ وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جائیں اور امن دلوا دیں۔ ابوسفیان عباسؓ کے ساتھ خچر پر بیٹھ گیا۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء واپس چلے گئے۔

حضرت عباسؓ جس الاؤ پر سے گزرتے مجاہدین انہیں پہچان کر سلام کرتے۔ وہ جب حضرت عمرؓ کے الاؤ پر سے گزر رہے تو انہوں نے بھی انہیں پہچان کر سلام کیا۔ پھر جب انہوں نے انکے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو بلند آواز میں بولے ''یہ تو دشمنِ خدا ہے! شکر ہے کہ اللہ نے بغیر عہد و پیمان کے اسے ہمارے قابو میں دے دیا ہے!'' حضرت عمرؓ تیزی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ عباسؓ نے بھی خچر کو ایڑ لگائی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ ابوسفیان کی گردن مار دیں۔ لیکن عباسؓ نے کہا: ''میں نے ابوسفیان

Marfat.com

کو پناہ دے دی ہے!'' حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کے قتل پر اصرار کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جائیں اور صبح اسے پیش کریں۔

اگلے دن ابوسفیان کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ابوسفیان! کیا اب بھی تمہارے لیئے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں؟''

ابوسفیان نے کہا: ''واقعی! اگر اللہ کے سوا کوئی اور اللہ ہوتا تو آج میرے کچھ کام آتا!''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''ابوسفیان تم پر افسوس! کیا اب بھی تمہارے لیئے وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ ابوسفیان نے کہا: ''آپ ﷺ کے حلم، کرم اور صلہ رحمی کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں، مگر اس بات کے بارے میں جو آپ ﷺ نے فرمائی ہے، ابھی میرا ذہن صاف نہیں!''

حضرت عباسؓ نے فوراً مداخلت کی اور کہا: ''ابوسفیان! قبل اس کے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے، یہ اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں!''

پھر ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ابوسفیان اعزازات کو پسند کرتا ہے، اس لیئے اسے کسی اعزاز سے نوازا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے! جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ مامون ہوگا! جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے گا، مامون ہوگا!''

پھر ابوسفیان نے اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا

Marfat.com

کہ وہ اسے پہاڑ کے تا کہ (یعنی وادی کی تنگ جگہ) پر لے جائیں اور خدائی لشکر کے گزرنے کا منظر دکھائیں۔ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اسی جگہ لے گئے۔

(۷) مکہ کی جانب پیش قدمی:

اسی روز یعنی منگل ۱۷ رمضان ۸ھ کو نبی ﷺ نے مرّ الظہران سے مکے کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ وادی کے تنگ راستے سے مختلف قبائلی دستے اپنے اپنے پرچم لہراتے گزرتے تو حضرت عباسؓ ابوسفیان کو بتاتے کہ کون سا قبیلہ گزر رہا ہے۔ ابوسفیانؓ پر مسلمانوں کی دہشت طاری تھی۔ جب حضرت سعدؓ بن عبادہ اپنا پرچم لہراتے اور انصاری فوج کی قیادت کرتے قریب سے گزرے تو ابوسفیانؓ کو دیکھ کر کہنے لگے:

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الکعبة

آج کا دن خونریزی اور معرکے کا دن ہے! آج کے دن کعبہ کی حرمت حلال کر دی جائے گی۔

نبی ﷺ کو جب علم ہوا کہ سعدؓ نے یہ بات کہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"کذبَ سَعد "ولکنّ هذا الیَوم یُعَظّم الله فِیهِ الکَعبَةَ وَیَومُ تُکسَیٰ فیه الکعبَة."

یعنی سعد نے غلط کہا یہ تو ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت بڑھائے گا، اس دن کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا۔ (4)

یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پرچم حضرت سعدؓ سے لے کر ان کے بیٹے حضرت قیسؓ کے سپرد کر دیا۔ (5)

ابوسفیانؓ لشکرِ اسلام کی قوت و شوکت کا مشاہدہ کرنے کے بعد تیزی سے مکہ کی

Marfat.com

طرف روانہ ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد قریش کو صورت حال سے آگاہ کر سکیں۔ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنی بیوی ہند کو بتایا کہ مسلمان پہنچ گئے ہیں اور انکا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، البتہ جو ہمارے گھر میں پناہ لے لے گا، مامون رہے گا!''

ہند نے غصے میں ابو سفیان کی مونچھیں پکڑ کر کھینچیں اور قریش کو پکارنے لگی:

''اے بنو کنانہ! اس شخص کو قتل کر دو! مار ڈالو اس شخص کو جو چربی چڑھنے سے مشک کی طرح پھولا ہوا ہے اور جس کی پنڈلیاں پتلی ہیں! برا ہو اس پیش رو خبر رساں کا!''

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں قریش کا ہجوم ہو گیا۔ ابو سفیانؓ نے کہا: ''تمہاری بربادی ہو! تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔ محمد ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ البتہ جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے گا مامون رہے گا!''

لوگوں نے کہا: ''تیرا برا ہو! تیرے گھر میں کتنے لوگ سما سکیں گے؟''

ابو سفیان نے کہا: ''جو اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے گا یا مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا، مامون رہے گا!'' یہ سنتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگے، کچھ نے مسجدِ حرام کی راہ لی۔

البتہ کچھ جوشیلے اور شر پسند عناصر ایسے بھی تھے جنہوں نے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ مل کر جبلِ خندمہ میں مورچہ لگا لیا اور جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔

(۸) مکہ میں اسلامی افواج کا داخلہ:

مرّ الظہران سے اسلامی لشکر نے کوچ کیا تو وادیٔ ذی طویٰ میں آ کر قیام کیا۔

Marfat.com

یہاں آپ ﷺ نے اپنی افواج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مُزینہ، جُہینہ، سُلیم، اَسلم اور غفار کے قبائل کو حضرت خالدؓ بن ولید کی کمان میں دے کر فرمایا کہ مکے میں زیریں راستے داخل ہوں اور صفا پر آ کر آپ ﷺ سے ملیں۔ آپ ﷺ نے انہیں تاکید فرمائی کہ مزاحمت کرنے والے کو کاٹ کر رکھ دیں۔

حضرت عبیدہؓ پیادہ دستے پر متعین تھے۔ انہیں حکم ہوا کہ بطنِ وادی کے مشرقی راستے سے روانہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے آگے مکے میں جا کر اتریں۔

حضرت قیسؓ بن سعد کو مغربی سمت سے مکے میں داخل ہونے کا حکم ہوا۔

حضرت زبیرؓ بن عوام کو جو کہ حضور ﷺ کے علمبردار تھے، حکم ہوا کہ اپنے دستے کے ساتھ مکے کے بالائی راستے ''کدا'' کی طرف سے داخل ہوں اور مقامِ حجون پر آپ ﷺ کا پرچم نصب کر کے تاحکم ثانی وہاں ٹھہریں۔

رسول اللہ ﷺ ناقہ پر سوار تھے۔ آپ ﷺ نے اس روز سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ پر اللہ کے لطف و کرم کا گہرا تاثر چھایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اظہارِ نیاز و تشکر کے طور پر اپنا سر مبارک اتنا جھکایا ہوا تھا کہ وہ اونٹ کے کجاوے سے چھو رہا تھا۔ آپ ﷺ اس شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو رہے تھے جس کے فرزندوں نے کچھ سال پہلے آپ ﷺ کو وہاں سے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ آج اس شہر کا ذرّہ ذرّہ آپ ﷺ کو خوش آمدید کہہ رہا تھا اور دشمنانِ خدا گھروں کے اندر منہ چھپائے پڑے تھے۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید مکے میں جنوبی راستے سے داخل ہوئے تو کرزؓ بن جابر الفہری اور خنیسؓ بن خالد ان سے بچھڑ کر کسی اور راستے پر چلنے لگے۔ انہیں مشرکین نے موقع پا کر شہید کر دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید جب جبلِ خندمہ کے قریب سے گزرے تو یہاں عکرمہ بن ابی جہل اور اسکے ناعاقبت اندیش جوانوں نے اپنے مورچے سے ان پر تیر

Marfat.com

برسانے شروع کر دیئے۔ خالدؓ نے بڑی سختی سے جوابی حملہ کیا اور بارہ مشرکین قتل ہو گئے اور باقی فرار ہو گئے۔ حماس بن قیس مشرکین کے ہتھیار مرمت کیا کرتا تھا، وہ بھی بھاگ کر اپنے گھر کے اندر گھس گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید اس جھڑپ کے بعد مقام صفا پر پہنچ کر رک گئے۔

حضرت زبیرؓ بھی مقام حجون پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ہدایت کے مطابق حضور ﷺ کا جھنڈا یہاں نصب کر دیا۔

نبی ﷺ کے آگے ابو عبیدہؓ مکے میں اترے۔ خود نبی ﷺ اذاخر (6) سے داخل ہوئے۔ ''اعلیٰ مکہ'' کے مقام پر آپ ﷺ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ آپ ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا کہ اگر اپنے آبائی مکان میں قیام کا ارادہ ہو تو اس کا انتظام کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نہ ہی اپنے آبائی مکان میں اترنا چاہتا ہوں نہ ہی میرے قدر دانوں نے اسے میرے لیئے باقی رہنے دیا ہے!'' پھر آپ ﷺ نے اپنی مختصر سی خیمہ گاہ میں ہی نزول اجلال فرمایا۔ آپ ﷺ نے مکے کی جنوبی سمت میں تلواروں کی چمک دیکھ لی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے پوچھا!'' کیا میں نے حکم نہیں دیا تھا کہ لڑائی نہ کی جائے؟'' حضرت خالدؓ بن ولید نے جبلِ خندمہ پر ہونے والے واقعہ کی تفصیل بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مشیت الٰہی میں یقیناً بہتری ہے!''

(۹) تطہیرِ کعبہ اور خطبۂ فتح:

پھر رسول اللہ ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ صحابہ نے آپ ﷺ کو حلقے میں لیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں خمیدہ دستے والی چھڑی (مِحجن) (7) تھی۔ احرام زیبِ تن نہ تھا، اس لیئے آپ ﷺ نے اونٹنی پر بیٹھے

Marfat.com

ہوئے ہی طواف فرمایا اور چھڑی سے ہی حجرِ اسود کو چھو کر استلام (بوسہ دہی) کی رسم ادا کی۔ کعبے کے اردگرد اور چھت پر متعدد بت موجود تھے۔ آپ ﷺ چھڑی سے انہیں گراتے جاتے اور فرماتے:

جآء الحقّ وزھق الباطلُ انّ الباطِلَ کان زھوقا ○ (بنی اسرائیل ۸۱)

حق آ گیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل چلی جانے والی چیز ہے۔

جاء الحقّ و یُبدیٔ الباطلُ و مَا یُعِیدُ ○ (سبا ۴۹)

جس وقت آپ ﷺ طواف فرما رہے تھے تو کفار کا ایک جیالا فضالہ بن عمیر قتل کے ارادے سے آپ ﷺ کی طرف بڑھا۔ آپ ﷺ نے اسکے سینے پر ہاتھ پھیرا اور اسے بتایا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ فضالہ وہیں مسلمان ہو گیا۔

پھر آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی کنجی طلب کی اور درِ کعبہ کھلوایا۔ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دیواروں پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو ازلام (فال کے تیر) پکڑے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''براہو ان کافروں کا! انبیاء نے تو کبھی فال کے تیر استعمال نہیں کیئے تھے!'' اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی موجود تھی۔ آپ ﷺ نے اسے توڑ دیا اور دیواروں کو بھی صاف کروا دیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ نے سامنے والی دیوار کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی اور پھر باہر تشریف لے آئے۔ مسجدِ حرام کے احاطے میں قریش ہجوم کیئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کعبے کے دروازے کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کعبہ کا دروازہ بلند جگہ پر تھا اور قریش نیچے صحن میں تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ ان کی تقدیر کا کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے خطبۂ فتح ارشاد فرمایا:

ذاتِ واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ آج اس نے اپنا وعدہ پورا کر

Marfat.com

دکھایا۔اس نے اپنے بندے (جناب رسالتمآب ﷺ) کو فتح مند کر دیا اور دوسرے گروہوں کو تنہا شکست دے دی۔ ہاں سنو! بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجیوں کو پانی پلانے کے علاوہ سارا اعزاز، کمال یا خون میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ یاد رکھو قتل خطا شبہ عمد میں، جو کوڑے اور ڈنڈے سے ہو، مغلظ دیت ہے، یعنی سو اونٹ جن میں سے چالیس اونٹنیوں کے شکم میں ہوں۔ اے قریش کے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے۔ سارے لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے!'' (8)

پھر آپ ﷺ نے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت فرمائی:

(ترجمہ) ''لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (ورنہ) اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہی ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا اور خبردار ہے!! (الحجرات:۱۳)

پھر آپ ﷺ نے قریش سے پوچھا: یامعشر قریش ما ترون انی فاعل بکم؟ یعنی اے گروہ قریش! تم کیا توقع کرتے ہو کہ میں تم سے کیسا سلوک کروں گا؟

قریش کی طرف سے وکیل حدیبیہ سہیل بن عمر نے کہا: خیر "! اخ کریم وابن اخ کریم !'' یعنی آپ ﷺ ہمارے شفیق برادر اور مہربان برادر کے فرزند ہیں! ہمیں آپ ﷺ سے بھلائی کی توقع ہے!

ارشاد ہوا: فاذھبو اوانتم الطلقاء : جاؤ تم لوگ آزاد ہو!

اس کے بعد آپ ﷺ نے کعبہ کی کلید عثمان بن طلحہ کے حوالے کر دی اور انہیں مستقل کلید بردار بنا دیا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت

Marfat.com

پر چڑھ کر اذان دیں۔ آپ ﷺ کی اقتداء میں صحابہ نے نماز ادا کی۔ پھر آپ ﷺ اُم ہانی بنت ابی طالب کے گھر گئے، غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز بطور شکرانہ ادا کی۔ بعض نے اسے چاشت کی نماز کہا اور بعض نے نمازِ فتح! (9)

(۱۰) بعض بڑے مجرموں کا فرمانِ قتل:

فتح مکہ کے بعد فاتح فوجیوں نے نہ کسی کو لوٹا اور نہ کسی کو ایذا پہنچائی۔ عوام الناس کو عام معافی دے دی گئی تھی۔ تاہم آپ ﷺ نے چند اشخاص کو عفوِ عام سے مستثنیٰ رکھا کیونکہ یہ سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ نے حکم جاری فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی کعبہ کے پردے میں بھی چھپا ہو تو اسکی وہیں گردن ماردی جائے۔ یہ مجرم مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ عبدالعزیٰ بن خطل: اس نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے صدقات کی وصولی پر مقرر فرمایا تھا مگر یہ اپنے انصاری ساتھی کو قتل کر کے فرار ہو گیا تھا۔ اس لئے اسکا فرمان قتل جاری کیا گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کو کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا ملا۔ اسے وہاں سے گرفتار کر لیا گیا اور اسکی گردن ماردی گئی۔

۲۔ صفون بن امیہ الجمحی: اس شخص کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ یوم فتح مکہ پر یہ جبلِ خندمہ پر دیگر غنڈوں کے ساتھ مورچہ بند تھا اور خالد کے دستے پر تیر اندازی کرنے والوں میں شامل تھا۔ پھر یہ وہاں سے فرار ہو کر جدہ پہنچ گیا۔ لیکن عمیر بن وہب کی سفارش پر اسکی جاں بخشی کر دی گئی اور اسے حضور ﷺ نے معافی کی نشانی کے طور پر اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن سر پر باندھا ہوا تھا۔

۳۔ عکرمہ بن ابی جہل: یہ بھی ان سرکشوں میں شامل تھا جنہوں نے جبلِ خندمہ سے خالدؓ

Marfat.com

کے دستے پر تیر برسائے تھے۔ یہ اسلام دشمنی میں حد سے گزر چکا تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ بھاگ کر یمن چلا گیا۔ لیکن اسے اسکی بیوی اُمّ حکیم بنت حارث کی سفارش پر معافی مل گئی۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور مجاہدین کے ساتھ مل کر غزوات میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ جنگ یرموک میں یہ شہید ہو گئے۔

۴۔ عبداللہ بن سعد ابی سرح: یہ حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا۔ مسلمان ہو کر کاتب وحی بنا۔ لیکن مرتد ہو گیا اور قریش کی پناہ میں آ گیا۔ یہ قریش سے کہتا تھا کہ میں قرآن میں اپنی مرضی سے ردّ و بدل کر دیتا تھا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے پاس پناہ لی تھی اور انہی کی سفارش پر اسے معافی مل گئی۔ پھر بقیہ زندگی انہوں نے سچے مسلمان کی حیثیت سے بسر کی۔

۵۔ ھبار بن الاسود: یہ وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو بہت اذیت پہنچائی تھی۔ فتح مکہ کے بعد یہ روپوش ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے کیئے پر ندامت کا اظہار کیا۔ اسے بھی معافی مل گئی۔

۶۔ کعب بن زہیر: زہیر بن ابی سلمٰی کا بیٹا اور عرب کا نامور شاعر تھا۔ قریش کے کہنے پر حضورؐ کی ہجو کہا کرتا تھا۔ فرمانِ قتل جاری ہونے کے بعد یہ فرار ہو گیا۔ لیکن فتح مکہ کے ایک سال بعد یہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں قصیدہ ''بانت سعاد'' پیش کیا۔ حضور ﷺ نے خوش ہو کر اسے اپنی دھاری دار یمنی چادر عطا کی۔ اسی مناسبت سے کعبؓ بن زہیر کا قصیدہ 'قصیدہ بردہ' بھی کہلاتا ہے۔ (اسکا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔)

۷۔ وحشی: حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی بھی حاضرِ خدمت ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ حضور ﷺ نے اسکا اسلام تو قبول کر لیا لیکن اسے حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کی نظروں سے دور رہا کرے۔

Marfat.com

۸۔ عبداللہ بن زبعریٰ: انہیں بھی معافی مل گئی اور یہ مسلمان ہو گئے۔

بعض روایات میں ان مجرمین کی تعداد زیادہ بتائی گئی ہے۔ مثلاً ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان) کو معافی مل گئی اور یہ مسلمان ہو گئیں۔ بنو عبدالمطلب کی لونڈی سارہ جو حاطب کا خط لا رہی تھی، اسے بھی معافی مل گئی اور یہ مسلمان ہو گئی۔ ابن خطل کی لونڈی ارنب ماردی گئی۔

بقول حافظ ابن حجر اس موقع پر مارے جانے والوں میں سے آٹھ مرد اور چھ عورتیں تھیں۔ (10) لیکن مولانا ابوالکلام آزاد ان روایات کو درست نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک شخص عبدالعزیٰ بن اخطل قتل ہوا تھا، باقی مجرموں کو معاف کر دیا گیا۔ (11)

(۱۱) نبی ﷺ کا دوسرا خطبہ:

فتح مکہ کے اگلے دن بنو خزاعہ کے کسی آدمی نے قبیلۂ بدیل کے ایک مشرک کو قتل کر دیا۔ قتل کی وجہ پرانی عداوت تھی۔ آپ ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے پھر لوگوں کو بلایا اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! اللہ نے جس دن زمین و آسمان کو تخلیق کیا، اس دن سے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دے دیا ہے۔ یہ روزِ قیامت تک یونہی حرمت والا رہے گا۔ کوئی شخص جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس میں خون ریزی کرے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ مجھ سے قبل یا میرے بعد، کسی کے لیئے یہ حرمت ختم کرنا حلال نہیں۔ اور میرے لیئے بھی ایک ہی ساعت کیلئے روا ہوئی ہے۔ وہ بھی اہلِ مکہ نے خود پر خدا کو ناراض کر دیا۔ تو

Marfat.com

فقط اس برہمی کی بنا پر اور اتنی ہی دیر کیلئے جس کے بعد یہ حرمت پہلے ہی کی طرح لوٹ آئی ہے۔ لہذا تمہیں چاہیئے کہ جو بھی یہاں موجود ہے (اور میری بات سن رہا ہے) وہ حقیقت کو ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔ پس تم میں سے جو یہ کہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے مکہ میں قتال کیا تھا اس سے کہہ دو کہ اللہ نے صرف اپنے رسول کے لیئے اسے حلال کیا تھا۔ اے گروہ خزاعہ! اب قتل سے اپنا ہاتھ اٹھالو۔ قتل بہت ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی نفع نہیں۔ تم نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے۔ میں اس کی دیت دونگا۔ میرے اس قیام کے بعد جو قتل کیا جائے تو مقتول کے ورثاء کو دو چیزوں میں اختیار ہوگا۔ اگر وہ چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو خوں بہا لے لیں!''

اس خطبے کے بعد نبی ﷺ نے اپنی طرف سے قبیلہ بدیل کے مقتول کا خوں بہا ادا کر دیا۔

(۱۲) فتح کے بعد:

رسول اللہ ﷺ کی بے پایاں محبت و شفقت اور لطف و کرم نے اہل مکہ کی ذہنی و جذباتی قلب ماہیت کر دی۔ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ﷺ پر جان فدا کرنے لگے۔ زندگی میں پہلی دفعہ انہیں احساس ہوا کہ کعبہ کی حرمت و تقدیس کیسے قائم کی جاتی ہے۔ قتل و غارت اور کشت و خون کے رسیا معاشرے پر ایسی بادِ رحمت چلی کہ سب امن پسند اور نرم خو ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہالت کی ظلمت چھٹ گئی اور پورا مکہ اسلام کی تابانی سے جگمگا اٹھا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم جاری کر دیا جس کسی کے گھر میں کوئی بت موجود ہو، اسے فوراً توڑ دیا جائے۔ بنو خزاعہ کو مکے کے سنگ ہائے میل درست کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ کعبہ کے خزانہ کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے، یہ صرف کعبہ

Marfat.com

کے تصرف میں رہے گا۔ کعبہ کے صرف دو منصب برقرار رکھے گئے، کلید برداری جو کہ عثمان بن طلحہ کے پاس تھی اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کا عہدہ جو کہ خاندانِ عباس کے پاس تھا۔

آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر بیٹھ کو لوگوں سے بیعت لی۔ حضرت عمرؓ اس کام میں آپ ﷺ کی مدد کر رہے تھے۔ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تعلیماتِ اسلامی پر کاربند رہنے کا پیمان کرتے۔ مردوں کے بعد عورتوں نے بیعت کی۔ اس مقصد کے لیئے آپ ﷺ نے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ ہر عورت اپنی باری پر آتی اور تعلیماتِ اسلامی پر کاربند رہنے کا عہد کرتی۔ پھر رسول اللہ ﷺ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈال کر نکال لیتے۔ اس کے بعد وہ عورت پانی میں ہاتھ ڈالتی۔ اس طرح یہ عہد پختہ ہو جاتا۔

اس موقع پر ہند بھی نقاب لگا کر آئی۔ اسکے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو مکالمہ ہوا وہ درجِ ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ: ''خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا!''

ھند: ''یہ اقرار آپ ﷺ نے مردوں سے تو نہیں لیا! لیکن بہر حال مجھے منظور ہے!''

رسول اللہ ﷺ: ''چوری نہ کرنا!''

ہند: ''میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے کچھ کبھی لے لیا کرتی ہوں، پتہ نہیں یہ جائز بھی ہے یا نہیں!''

رسول اللہ ﷺ: ''اولاد کو قتل نہ کرنا!''

ہند: ''ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا، بڑے ہوئے تو جنگِ بدر میں آپ ﷺ

Marfat.com

نے انہیں مارڈالا، اب آپ ﷺ اور وہ باہم سمجھ لیں!'' (12)

اس دوران حضرت ابوبکرؓ اپنے ضعیف اور نابینا باپ ابوقحافہ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! اس مرد پیر کو ناحق تکلیف دی، میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا'' حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! یہ تو ان کا فرض تھا!'' پھر آپ ﷺ نے ابوقحافہ کو اپنے پاس بٹھایا اور انکے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یا شیخ! کہیئے لا الہ الا اللہ' محمدرّ سول اللہ!'' ابوقحافہ نے اسلام قبول کرلیا اور جب تک زندہ رہے خلوص کے ساتھ تعلیمات اسلامی پر کاربند رہے۔

فتح مکہ کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت عام اور غیر اہم سا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ صفحات تاریخ پر رسول اللہ ﷺ کی صداقت و عظمت کا انمٹ نقش ثبت کر گیا ہے۔ ہوا یوں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچتے ہی آپ ﷺ کی ہیبت اور رعب سے کانپنے لگا اور اسکے منہ سے بات بھی نہ نکل سکی۔ آپ ﷺ نے جب اسکی یہ حالت دیکھی تو نہایت شفقت اور محبت سے پیش آئے اور فرمایا:

''ھون علیك وانیّ لست بملك انّما انا ابن امراۃ قریش ، تاکل القدید!''

کچھ پرواہ نہ کر! میں بادشاہ نہیں ہوں، قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ (13)

مکہ میں چند روز قیام کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تیس مجاہدین کا ایک دستہ دے کر نخلہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ عزیٰ کے معبد کو منہدم کردیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے بآسانی یہ ذمہ داری نبھائی۔

عمروؓ بن العاص کو مکے سے تین میل دور رہاوا کی طرف روانہ کیا گیا تاکہ وہ

بنو بدیل کے بت ''سواع'' کو ڈھا دیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی یہ کام بحسن وخوبی انجام دے دیا۔

سعدؓ بن زید اشہل کو قدید کی طرف بھیجا گیا جہاں مناۃ کی عبادت گاہ تھی۔ سعدؓ بیس سواروں کے ساتھ گئے اور مناۃ کا معبد ڈھا آئے۔

عزیٰ کی مہم کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خالدؓ بن ولید کو اسلام کی تبلیغ کیلئے بنو خزاعہ کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ کی کمان میں انصار و مہاجرین کے تین سو مجاہدین تھے۔ وہاں خالدؓ کے ہاتھوں بنو جزیمہ کے کچھ افراد قتل ہو گئے۔ واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بہت اظہارِ تاسف کیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر فرمایا: "اللّٰھم انیّ ابراء من صنع خالد بن ولید!" یعنی اے اللہ! جو خالد بن ولید نے کیا میں اس سے بری ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اپنے قیام کے دوران اس حرمت والے شہر کو صحیح معنوں میں امن و عافیت کا گہوارہ بنا دیا۔ انصار کو خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں رسالتمآب ﷺ اپنے آبائی وطن میں ہی مستقل قیام کا فیصلہ نہ کر لیں۔ جب انہوں نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی پناہ! اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے!'' آپ ﷺ پندرہ روز تک (اور بعض روایات کے مطابق انیس روز تک) مکہ میں قیام پذیر رہے۔

(۱۲) فتح مکہ پر ایک نظر:

فتح مکہ کے واقعات اپنے اندر اہل تحقیق کیلئے غور و فکر کے متعدد پہلو رکھتے ہیں۔ سیاسی، سماجی، اخلاقی اور روحانی نقطہائے نظر سے انکا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ آج سے ڈیڑھ

Marfat.com

ہزار سال پہلے عرب کی سرزمین پر رونما ہونے والا یہ انقلاب اتنا عجیب وغریب اور کثیر الجہت تھا کہ دور جدید کا مؤرخ فلپ ہٹی بھی اسے عدیم المثال قرار دیتا ہے اور اسے ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ سمجھتا ہے (14)۔ ذیل میں ہم اسکے چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(۱) فتح مکہ رسول اللہ ﷺ کی اس جدوجہد کا نقطۂ عروج ہے جو قم فانذر سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے اخلاقی وروحانی تربیت کے مختلف مراحل ہجرت، سیاسی، سماجی، معاشی اور فوجی تنظیم کی مساعی، غزوات وسرایا اور عالمی سطح پر رشد وہدایت کے مختلف واقعات کا ایک لمبا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

(۲) کعبہ روزِ اوّل سے توحید الٰہی کی علامت تھا۔ لیکن اس کے ناعاقبت اندیش متولیان نے اسے کفر وشرک سے آلودہ کر رکھا تھا۔ اس کی اصل حرمت وتقدیس بحال کرنا رسول اللہ ﷺ کا بنیادی مقصد تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہمیشہ کیلئے مرکز رشد وہدایت اور سرچشمۂ فیوض وبرکات بن گیا۔

(۳) حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا واقعہ بھی اپنے اندر بصیرت وعبرت کے کئی پہلو رکھتا ہے۔ حاطبؓ کی غلطی اتنی خوفناک تھی کہ پوری مہم ہی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اس پر دنیا کی کوئی عدالت بھی انہیں سزائے موت کو حکم سنا سکتی تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ حاطبؓ باقاعدہ سازش کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ یہ حرکت ان سے بال بچوں کی محبت میں سرزد ہوگئی ہے اور ان کی کیفیت ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس لیئے آپ ﷺ نے انہیں معافی دے دی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیشِ نظر اصل اہمیت اصلاحِ احوال اور مثبت طرزِ عمل کی تھی اور آپ ﷺ تعزیری اور انتظامی تقاضوں کو ثانوی حیثیت دیتے تھے۔ اس میں ایک منصف کے لیئے یہ ہدایت مضمر ہے کہ وہ فیصلہ کرتے ہوئے

Marfat.com

صرف خارجی حالات وشواہد کو ہی پیشِ نظر نہ رکھے بلکہ ملزم کی داخلی نفسی کیفیت اور ہیجانی محرکات کو بھی سامنے رکھے۔ حاطبؓ ایک ثقہ صحابی تھے اور جنگِ بدر میں اپنی وفاداری ثابت کر چکے تھے۔لہذا قرآن کی نظر میں اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہوئی تو وہ عمل صالح کو عمل بد سے ملانے کی لغزش تھی۔ اس لیئے حضور ﷺ نے انھیں سرزنش کر کے چھوڑ دیا اور حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر صحابی نے بھی اسے بسر وچشم قبول کرلیا۔

(۴) آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی تیاریوں کو صیغہ راز میں رکھنے کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا۔مقصد یہ تھا کہ قریش کو جنگ کیلئے تیار ہونے کا موقع نہ مل سکے اور مسلمان افواج انکی بے خبری میں ان کے سر پر پہنچ جائیں۔اس سے بھی مقصود یہ نہ تھا کہ اہلِ مکہ کو غفلت میں تہس نہس کر دیا جائے۔ نبی ﷺ کی ہمیشہ کوشش یہ رہی تھی کہ دشمن کو بجائے تباہ و برباد کرنے کے اسے بے بس اور لاچار کر دیا جائے تا کہ وہ اصلاح کے راستے پر آ سکے۔ چنانچہ مرّ الظہران اچانک پہنچ جانے کے بعد آپ ﷺ نے یہ اہتمام فرمایا کہ اسلامی عساکر کی قوت وشوکت کا کفار پر گہرا تاثر قائم ہو جائے۔آپ ﷺ دل سے یہ چاہتے تھے کہ اہلِ مکہ مرعوب ہو کر مزاحمت سے باز رہیں تا کہ اس شہر کی تقدیس وتحریم متاثر نہ ہو۔جبلِ خندمہ پر بھی جو واقعہ پیش آیا، اسے آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا، لیکن اسے تقدیرِ الٰہی سمجھ کر قبول کرلیا۔کعبہ کی حرمت ختم ہونے کے بارے میں سعدؓ بن عبادہ نے جو بات کہی تھی، اس پر آپ ﷺ نے انہیں معزول کر دیا تھا۔ اپنے دوسرے خطبے میں آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں یہ بتا دیا تھا کہ ایک ساعت کیلئے جو کعبہ کی حرمت معطل کی گئی ہے وہ اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے ہے ورنہ یہ بدستور حرمت والا شہر رہے گا۔ چنانچہ قصاص کیلئے صرف ایک فرد قتل کیا گیا جو کعبہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کو کعبہ کی حرمت کا کتنا پاس تھا اور انسانی خون کی ارزانی سے آپ ﷺ کتنا

Marfat.com

اجتناب فرماتے تھے۔

(۵) فتح مکہ کے دوران آپ ﷺ نے مختلف حیثیات میں فیصلے صادر فرمائے۔ فوجی، انتظامی، سیاسی، معاشی، غرضیکہ کئی قسم کے معاملات میں آپ ﷺ نے فیصلے دیئے۔ لیکن آپ ﷺ کی بنیادی حیثیت پیغمبر کی رہی۔ چنانچہ ان فیصلوں کے تجزیہ سے ہر شخص منشاء الٰہی کی بصیرت اور اپنی مخصوص صورت حال کیلئے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

(۶) فتح مکہ پوری تاریخ میں ایک بے نظیر انقلاب ہے۔ اس میں انسانیت دوستی، صلہ رحمی، عفو عام، بے لوث خدمت اور اس کے ساتھ ساتھ قوت قاہرہ کے محتاط اور مناسب استعمال کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ اکھڑ، ناقابل اصلاح، مغلوب الغضب، درشت مزاج اور انتہا درجے کے سنگدل اور متعصب لوگوں کی ایک ہی دن میں قلب ماہیت کر دینا، انقلاب مکہ کا سب سے درخشندہ پہلو ہے۔

(۷) بخاری میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول نقل ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔ ''حضرت عبیدؒ نے حضرت عائشہؓ سے ہجرت کا مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا کہ اب ہجرت نہیں رہی۔ ہجرت تو یہ تھی کہ آدمی اپنا دین بچانے کیلئے آنحضرت ﷺ کے پاس بھاگ آتا تھا۔ اس کو یہ ڈر ہوتا تھا کہ آفت میں نہ پڑ جائے (کافر اس کو نہ ستائیں)۔ اب آج تو اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے اور مسلمان جہاں چاہے (وہاں رہ کر) اپنے پروردگار کی عبادت کر سکتا ہے۔ البتہ جہاد اور جہاد کی نیت کا ثواب باقی ہے۔'' (15)

O

Marfat.com

Marfat.com

انتیسواں باب

یومِ حنین

مکہ پر مسلمانوں کے قبضے سے پورے عرب کا مرکز انکے زیر نگین آ گیا تھا۔ جزیرۃ العرب کے تمام سیاسی، مذہبی اور تجارتی معاملات کی باگ ڈور مشرکین مکہ کے ہاتھ سے نکل کر رسول اللہ کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ مکہ اب کفر و شرک کا گڑھ نہیں رہا تھا، بلکہ مرکز توحید و رسالت بن چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اطراف مدینہ میں جہاں کہیں بت پرستی کے مراکز تھے، منہدم کیئے جا چکے تھے۔ نخلہ کے مقام پر عزیٰ کا بت کدہ بھی گرا دیا گیا تھا۔ عزیٰ کی پوجا دیگر عربوں کی طرح ثقیف اور ہوازن بھی کیا کرتے تھے۔ بنو ثقیف طائف میں رہتے تھے اور بنو ہوازن اطراف طائف میں آباد تھے۔ بنو ہوازن کے کئی ذیلی قبیلے اور بطون تھے جو مکہ کی جنوب مشرقی اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سب قبائل بہترین جنگجو اور اعلیٰ درجے کے قدر انداز تھے۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ کو یہ شروع سے ہی تشویش کی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور حدیبیہ کے بعد سے ہی انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اب فتح مکہ کے بعد ان میں شدید اضطراب اور بے چینی پھیل گئی۔ جب مسلمانوں نے ان کے صنم کدوں کو بھی ڈھانا شروع کر دیا تو ان کی آتشِ غضب پوری طرح بھڑک اٹھی۔ چنانچہ بنو ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے تمام قبائل کو اپنے پرچم تلے متحد کر لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود بڑھ کر مکے پر حملہ کریں گے اور مسلمانوں کو وہیں عبرتناک سزا دیں گے۔ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ قریش کی مدد کریں گے۔ قریش سے تو وہ خود کئی بار لڑائیاں کر چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عنفوانِ

شباب میں وہ عین حرمت کے مہینوں میں قریش سے حرب الفجار میں لڑائی کر چکے تھے۔انکا مکہ پر حملہ آور ہونے کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ وہ قریش کے اموال واملاک پر قابض ہوکر عربوں کی سیادت خود سنبھال لینا چاہتے تھے۔(1)

(ا) بنو ہوازن کا لشکر:

بنو ہوازن کا سردار مالک بن عوف النصری تیس سالہ جوشیلا جوان تھا اور ہوازن کے عسکرِ متحدہ کا سالارِ اعظم تھا۔ ہوازن کے لشکر میں ثقیف، بنونصر، جشم، بنوسعد، بنوبکر، بنووائل وغیرہ جیسے بطون وقبائل شامل تھے۔عرب کے مشہور جنگجواور بنوجشم کے سردار دُرَید بن صمہ کولشکر میں خصوصی طور پر شریک کیا گیا تھا۔اس کی عمر سو برس سے متجاوز ہوچکی تھی۔وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔اسکی بینائی بھی ضائع ہو چکی تھی۔لیکن اسکی جنگی مہارت اور حربی بصیرت کا سب لوہا مانتے تھے۔لہذا اسکو چارپائی پر ڈال کر لشکر کے ساتھ رکھا گیا۔

مالک بن عوف نے حکم دے رکھا تھا کہ تمام لوگ اپنی عورتوں، بچوں اور بھیڑ بکریوں کو بھی جنگ میں ساتھ لے کر آئیں تا کہ انکی حفاظت کے خیال سے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نہ سکیں۔ چار ہزار کا یہ لشکر طائف کی ایک نواحی وادی اوطاس میں جا کر اترا۔ لشکر جب یہاں پہنچا تو دُرَید بن صمہ نے پوچھا: ''یہ کونسا مقام ہے؟'' اسے بتایا گیا کہ یہ وادیٔ اوطاس ہے۔اس نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا اور کہا: ''یہ جگہ جنگ کیلئے مناسب ہے۔ یہاں کی زمین نہ تو اتنی نرم ہے کہ لڑنے والوں کے پاؤں اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنی پتھریلی ہے کہ اس پر سپاہیوں کے تلوے زخمی ہو جائیں۔'' پھر بولا: ''یہ میں آوازیں کیسی سن رہا ہوں؟ کہیں اونٹ بلبلا رہے ہیں، کہیں گدھے ڈھینچوں ڈھینچوں کر رہے ہیں، کہیں بکریاں ممیا رہی ہیں اور کہیں بچے رو رہے ہیں۔'' اسے بتایا گیا کہ مالک بن عوف

Marfat.com

کے حکم پر بھیڑ بکریوں اور عورتوں بچوں وغیرہ سب کو ساتھ لایا گیا ہے تا کہ ان کی حفاظت کے خیال سے کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ نہ سکے۔ درید بن صمہ نے مالک بن عوف کو بلایا اور اسے ڈانٹ کر کہا: ''تو نے یہ حماقت کی کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے آیا؟ شکست کھا کر بھاگنے والوں کو بھلا کوئی چیز روک سکتی ہے؟ جنگ میں سوائے اپنی تلوار اور نیزے کے کوئی شئے کسی لڑنے والے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ جنگ میں اگر تم ہار گئے تو اپنے مال و متاع کے زیاں کے ساتھ ساتھ تمہیں اپنی عورتوں اور بچوں کیلئے بھی رسوا ہونا پڑے گا۔'' پھر اس نے قبیلہ کعب اور کلاب کے بارے میں پوچھا کہ ان کے کتنے لوگ آئے ہیں۔ مالک نے اسے بتایا کہ ان کا ایک آدمی بھی شریک نہیں ہوا۔ دُرید نے کہا: ''اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے!''

کعب بن مالک نے درید بن صمہ کے مشورے کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا: ''خدا کی قسم! تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ہے!'' اسکے بعد اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہ بھی دے تو میں اس وقت تک تنہا لڑتا رہوں گا جب تک کہ میرے ہاتھ سے تلوار نہ نکل جائے۔ اسکی قوم نے اسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ درید بن صمہ نے کہا کہ یہ وہ جنگ ہے جس میں میں نہ شریک ہوا ہوں اور نہ اس سے بچ سکتا ہوں (2)۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

يَا لَيْتَنِى فِيهَا جَذَعْ أَخُبُّ فِيهَا وَأَضَعْ

أَقُودُ وَطفَاءَ الزُّمَعْ كَأَنَّهَا شَاةٌ صَدَعْ

''کاش اس جنگ میں میں نوجوان ہوتا، بھاگتا اور دوڑتا پھرتا۔ پہاڑی بکرے کے مانند لمبے لمبے بالوں والے گھوڑے پر بیٹھ کر مقابلہ کرتا!''

Marfat.com

(۲) مسلمانوں کی تیاری اور روانگی:

مکے میں رسول اللہ ﷺ تک بھی یہ خبر پہنچ گئی کہ ہوازن ثقیف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حدرد اسلمی کو روانہ فرمایا کہ وہ انکے لشکر میں گھل مل جائیں اور تفصیلی معلومات فراہم کریں۔ رسول اللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ کشت وخون کا بازار گرم ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے عبداللہ بن حدرد کو تاکید فرمائی کہ وہ ہوازن وثقیف کے لشکر کی اصل صورت حال اور انکے عزائم کا پتہ چلائیں۔ ان معلومات کی روشنی میں ہی آپ ﷺ یہ فیصلہ فرما سکتے تھے کہ جنگ کی جائے یا مفاہمت! عبداللہ بن حدرد اپنے مشن پر روانہ ہو گئے اور پوری معلومات فراہم کر کے آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہوازن وثقیف ہر حال میں جنگ پر تلے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ہوازن و ثقیف کے لشکر کا ان کے علاقے میں جا کر مقابلہ کیا جائے تا کہ حرمت والے شہر کے اندر قتل و غارت نہ ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکے سے روانہ ہو گئے۔ دو ہزار وہ نو مسلم بھی شامل ہو گئے جنہیں فتح مکہ کے موقع پر امان مل گئی تھی اور یہ ''طلقاء'' کہلاتے تھے۔ اس طرح لشکرِ اسلام کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔

آپ ﷺ نے عتابؓ بن اُسید کو مکے کا عامل مقرر فرمایا۔ مجاہدین کیلئے سامانِ حرب کم پڑ گیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ابوجہل کے سوتیلے بھائی عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم جنگی اخراجات کیلئے قرض لیئے اور صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہیں مستعار لیں۔

آپ ﷺ ۶ شوال ۸ھ (۲۷ جنوری ۶۳۰ء) کو بنو ہوازن اور ثقیف کے

Marfat.com

علاقے کی طرف روانہ ہو گئے اور ۱۰ شوال ۶ھ (۳۱ جنوری ۶۳۰ء) کو وہاں پہنچ گئے (3)۔

(۳) حُنَین:

حنین مکے اور طائف کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی ہے۔ یہاں ہوازن وثقیف کے لشکر سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی۔ سورہ توبہ میں اس غزوہ کا ذکر اسی نام (یوم حنین) کے ساتھ آیا ہے۔ (توبہ: ۲۵) یہ مقام زمانہ ماقبل اسلام سے ہی غیر آباد تھا اور بعدازاں بھی بے آباد ہی رہا۔ اس لیئے مورخین کو اس مقام کے تعین میں دشواریاں پیش آتی رہی ہیں۔ کوئی اسے مکے سے تین میل کے فاصلے پر بتاتا ہے، کسی نے اسے مکے سے اونٹ کی ایک روز کی مسافت اور کسی نے تین یا چار روز کی مسافت بتایا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسے اپنی تحقیق کی رو سے اوطاس یا حنین کو طائف سے ایک سو میل کے فاصلے پر بتایا ہے (4)۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں (5)۔

حنین کی طرف سفر کرتے ہوئے مجاہدین کو ایک ہرا بھرا درخت ''ذات انواط'' نظر آیا۔ ایامِ جاہلیت میں عرب یہاں اپنے ہتھیار وغیرہ لٹکایا کرتے تھے اور اسکے نیچے قربانیاں دیتے تھے۔ وہ اسے مقدس سمجھ کر ایک دن اسکے نیچے قیام کیا کرتے تھے۔ بعض نو مسلموں نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بھی ذاتِ انواط کی طرح کسی درخت کو ماننے کی اجازت دی جائے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! یہ تو ایسے ہی ہے جیسے قوم موسیٰ نے موسیٰ سے کہا تھا اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلِھَۃ (ہمارے لیئے بھی ایسا معبود بنا دیجئے جیسے کافروں کے معبود ہیں) اس پر موسیٰ نے بنی اسرائیل کو جاہل قوم قرار دیا تھا۔''

مسلمان اپنے بارہ ہزار کے لشکر پر بہت فخر کر رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے

Marfat.com

کہا: ''آج تو فتح ہماری ہے اور ہم ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے۔'' یہ اندازِ تفاخر رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ آیا۔

(۴) دشمنِ اسلام کا اچانک حملہ اور لشکرِ اسلام کی ابتری:

مجاہدین نے رات حنین کے باہر کھلے میدان میں بسر کی اور اگلے دن صبح سویرے حنین کی گھاٹی میں داخل ہوئے۔ مالک بن عوف نے رات کو ہی اپنے لشکر کو پہاڑ کی چوٹی، تنگ درّوں اور وادی کے اہم مقامات میں چھپا دیا تھا۔ اس نے انہیں ہدایت کر رکھی تھی کہ جونہی مسلمان نشانے پر آئیں وہ پوری شدت سے یکبارگی ان پر تیر برسانا شروع کر دیں اور پھر موقع پاتے ہی ان پر یلغار کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سب سے آگے تھے۔ آپ ﷺ کے پیچھے بنو سلیم کا مقدمۃ الجیش تھا جس کی کمان حضرت خالدؓ بن ولید کر رہے تھے۔ ہر ایک قبیلے نے اپنا اپنا پرچم بلند کیا ہوا تھا۔ جونہی نو مسلموں کا دستہ گھاٹی میں داخل ہوا اچانک پہاڑ کے بالائی کناروں سے تیروں کی برسات شروع ہو گئی۔ ہوازن و ثقیف کے بہترین قدر انداز تیروں کی باڑھ پر باڑھ مار رہے تھے۔ مقدمۃ الجیش کے سردار گھبرا کر الٹے پاؤں پھرے اور جدھر سینگ سمائے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کی بدحواسی دیکھ کر ابوسفیان نے کہا'' لگتا ہے یہ ساحلِ سمندر کے ادھر نہیں رکیں گے۔'' اس بھگدڑ میں پیچھے آنے والے مجاہدین میں بھی بے ترتیبی اور ابتری پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکر راہِ فرار اختیار کر گیا۔(6)

رسول اللہ ﷺ یکہ و تنہا میدانِ جنگ میں کوہِ استقامت بن کر ایستادہ تھے۔ یہ آپ ﷺ کے لیئے انتہائی نازک لمحہ تھا۔ بیس سالوں کی محنتِ شاقہ لمحوں میں نقش برآب

ہوتی نظر آ رہی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کیلئے کڑا اور نازک ترین امتحان تھا۔ آپ ﷺ جس حوصلے اور عزیمت سے اس امتحان پر پورا اترے، اسکے بعد آپ ﷺ کی تصدیق صداقت کے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔

نا تجربہ کار نو مسلموں کے بھاگنے سے سارے لشکر میں افراتفری پھیل گئی تھی۔ بھاگنے والوں نے پچھلی صفوں کے مجاہدین کی ترتیب بھی درہم برہم کر دی۔ ایسے میں رسول اللہ ﷺ چھلانگ لگا کر اپنے سفید خچر سے نیچے اتر آئے اور بلند آواز میں پکارنے لگے۔

انا النبی لا کذب انا عبدالمطلب

''میں اللہ کا نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں! میں فرزند عبدالمطلب ہوں!''

پھر آپ ﷺ نے پکارا ''یامعشر الاِ نصار!'' آپ ﷺ کی آواز جس جس انصاری کے بھی کانوں میں پڑی اسکے قدم رک گئے اور وہ ''لبیک یارسول اللہ!'' کہتا ہوا آپ ﷺ کی طرف لپکا۔ پھر آپ ﷺ نے قریش کو پکارا اور وہ بھی حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو جو کہ بھاری اور بلند آواز والے تھے، حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بلائیں۔ عباسؓ نے پاٹ دار آواز میں پکارا ''یَا مَعشرَ الاَ نصار.....یا اَصحَاب الشَّجرہ!'' یہ آواز سنتے ہی بھاگتے ہوئے مجاہدین کو گویا ہوش آ گیا اور وہ پلٹنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لشکرِ اسلام ایک دفعہ پھر متحد و منظم ہو گیا۔ انہوں نے اب جو جم کر مقابلہ کیا تو ہوازن و ثقیف کے جیالوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ انکا علمبردار عبداللہ بن عثمان قتل ہو گیا۔ جھنڈے کے زمین بوس ہوتے ہی انہوں نے میدان چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ مالک بن عوف طائف کے قلعے میں گھس گیا۔ بقیہ لوگ عورتوں، بچوں اور دُرَید بن صمہ کے ساتھ میدان اوطاس میں جمع ہو گئے۔ ثقیف کے تقریباً ستر آدمی قتل ہو گئے تھے۔

نبی ﷺ نے فوراً ایک دستہ حضرت ابو عامرؓ اشعری کی قیادت میں میدانِ

Marfat.com

اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں ایک بار پھر جنگ شروع ہوگئی۔ ابو عامرؓ اشعری دُرَید کے بیٹے سلمہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ سلمہ نے مسلمانوں کا جھنڈا اٹھا لیا۔ لیکن ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر وار کیا اور سلمہ کو قتل کر دیا۔ اب اسلامی پرچم انکے قبضے میں تھا۔ کچھ دیر جنگ جاری رہی، لیکن بالآخر مسلمانوں نے مشرکین پر غلبہ پالیا۔

میدان اوطاس سے مسلمانوں کے ہاتھ ثقیف کے چھ ہزار بچے اور عورتیں، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی لگی۔ قیدی عورتوں میں شیما بنت حارث بھی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی شناخت کرائی۔ آپ ﷺ نے اسکی بڑی عزت کی اور کچھ بکریاں اور اونٹ دے کر جہاں وہ جانا چاہتی تھی اسے وہاں بھجوا دیا۔ تمام حاصل شدہ اموال و غنائم آپ ﷺ نے جعرانہ کے مقام پر روانہ فرما دیئے اور انکی حفاظت کی غرض سے وہاں ایک دستہ متعین کر دیا۔

(۵) محاصرۂ طائف:

آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں ایک ہزار مجاہدین کا ہراول دستہ طائف کی طرف روانہ کیا اور بعد ازاں خود بھی طائف کی طرف چل پڑے۔ آپ ﷺ نخلہ، یمانیہ، قرن اور ملیح کی منازل سے ہوتے ہوئے لیّہ کے مقام ''کرۃ الرّغا'' تک پہنچے۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک مسجد تعمیر کروائی اور اس میں نمازیں ادا کیں۔ یہیں آپ ﷺ نے قبیلہ بدیل کے ایک شخص کے قتل کا حکم جاری کیا جو کہ قبیلہ لیث کے ایک آدمی کے قتل کے سلسلے میں ماخوذ تھا۔ لیّہ میں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا جسے آپ ﷺ نے منہدم کروا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ضیقہ نامی راستے پر سفر شروع کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام پوچھا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اسے ضیقہ یعنی ''تنگ'' کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بل ھي الیسر یٰ'' یعنی یہ تنگ نہیں بلکہ آسان ہے۔ پھر آپ ﷺ نخب سے

Marfat.com

ہوتے ہوئے طائف آ پہنچے (7)۔

پہلے نبی ﷺ نے طائف کی فصیل کے قریب قیام فرمایا۔ لیکن جب اہل طائف کی تیر اندازی سے آپ ﷺ کے چند رفقاء شہید ہو گئے تو آپ ﷺ کچھ دور ہٹ گئے تا کہ فصیل سے برسنے والے تیروں سے محفوظ رہا جا سکے۔ اس مقام پر بعد ازاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی جو آج بھی موجود ہے۔

جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور اہل طائف کی مزاحمت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تو آپ ﷺ نے منجنیقوں سے پتھر برسانے کا حکم دیا۔ مجاہدین نے یہ کوشش بھی کی کہ دبابوں کے ذریعے سے فصیل تک پہنچ کر اس میں شگاف کر دیں۔ لیکن اوپر سے مشرکین نے لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جن سے دبابوں پر منڈھا ہوا چمڑہ جل گیا اور مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اہلِ طائف کے انگور اور دیگر پھلوں کے باغات کاٹ دیئے گئے۔ اہلِ طائف کے پاس شہر کے اندر کھانے پینے کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور وہ طویل عرصے تک محاصرے کی سختی برداشت کر سکتے تھے۔

انہی دنوں رسول اللہ ﷺ نے رویا میں دیکھا کہ آپ ﷺ کو مکھن کا ایک بھرا ہوا پیالہ پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اچانک ایک مرغ نے اس میں چونچ ماردی جس سے پیالہ ٹیڑھا ہو گیا اور سارا مکھن بہہ گیا۔ آپ ﷺ نے یہ خواب حضرت ابو بکرؓ کو سنایا تو انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اس مرتبہ آپ ﷺ جنگ میں ثقیف سے جو چاہتے ہیں، وہ شاید حاصل نہ ہو!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں!''

پھر آپ ﷺ نے محاصرۂ طائف کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ نوفل بن معاویہ نے کہا: ''اگر محاصرہ جاری رکھا جائے تو بالآخر ہم ان پر غلبہ پالیں گے، لیکن اگر محاصرہ اٹھالیا جائے تو بھی اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں!'' حضور ﷺ نے اس رائے کو

Marfat.com

پسند فرمایا۔ چنانچہ محاصرہ اٹھالیا گیا۔ کسی نے حضور ﷺ سے کہا کہ اہل طائف کے لیئے بد دعا کریں۔ لیکن آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ''اللّٰھم اھدِ ثقیف وأتِ بھم!'' اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں توفیق دے کہ وہ ہمارے پاس حاضر ہو جائیں۔ حضور ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور بعد ازاں ثقیف حضور ﷺ کے پاس آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے کارنامے تاریخ اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ عظیم جرنیل محمد بن قاسم کا تعلق بھی ثقیف سے ہی تھا۔ معرکۂ حنین اور محاصرۂ طائف کے دوران تقریباً سترہ مسلمان شہید ہوئے۔

(٦) اموال وغنائم کی تقسیم:

رسول اللہ ﷺ طائف سے محاصرہ اٹھانے کے بعد جعرانہ میں تشریف لائے اور کئی روز تک یہاں قیام پذیر رہے۔ لیکن آپ ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم نہ فرمایا۔ دراصل آپ ﷺ انتظار کر رہے تھے کہ شاید بنو ہوازن مفاہمت کی راہ پر آجائیں اور انکی آمد پر انکے اموال انہیں لوٹا دیئے جائیں۔ اشرافِ مکہ اور نومسلم بے تابی سے تقسیم غنائم کے منتظر تھے۔ اس لیئے نبی ﷺ نے ہوازن کا مزید انتظار نہ کیا اور غنائم تقسیم فرما دیئے۔

کل اموال وغنائم کے پانچ حصے کیئے گئے۔ چار حصے فوجیوں کیلئے مختص کیئے گئے اور ایک حصہ خُمس کے طور پر رکھا گیا۔ اس فتح میں تقسیم غنائم کے پرانے قاعدے میں ترمیم کر دی گئی جس کی رو سے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملنا تھا۔ اب سواروں کو تین گنا حصہ دیا گیا۔ اسطرح ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں (8)۔

مکے کے وہ اشراف جنہیں اسلام قبول کیئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، انہیں مولفۃ القلوب کے طور پر نہایت فیاضانہ طریقے سے نوازا گیا۔ ابوسفیان کو تین سو اونٹ اور

Marfat.com

ایک سو بیس اوقیہ چاندی ملی۔ حکیم بن حزام کو دو سو اونٹ ملے۔ اسی طرح نضیر بن حارث، صفوان بن امیہ، قیس بن عدی، سہیل بن عمر، حویطب بن عبدالعزیٰ وغیرہ کو سو سو اونٹ ملے۔

دراصل رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک وسیع تر مقصد تھا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے مکہ کے ان مقتدر لوگوں اور عام بدویوں کے مفادات اسلامی ریاست سے پوری طرح وابستہ ہو جائیں جن کی زندگیوں کا مرکز و محور ہی دولت تھا۔ لہذا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد کے برابر بھی جانور ہوں تو میں انہیں تم سب میں تقسیم کر دونگا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کے کچھ بال چٹکی میں لے کر اکھاڑے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! واللہ! میرے لیئے تمہارے مالِ فے میں سے کچھ بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اتنے بال بھی نہیں۔ صرف خُمس ہے اور میں وہ بھی تم پر ہی لوٹا رہا ہوں۔''

اہلِ مکہ اور نو مسلموں کو نہایت فیاضی سے نوازنے کی وجہ سے انصار میں احساس محرومی پیدا ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے رسول اللہ ﷺ کی اس تقسیم کو غیر منصفانہ قرار دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہاں آ کر اپنی قوم سے مل گئے ہیں۔ انصار کی چہ میگوئیوں کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی ہو گئی۔ آپ ﷺ نے انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں انصار کا اجتماع ہوا۔ آپ ﷺ نے انصار سے مخاطب ہو کر پوچھا:

''اے گروہِ انصار! یہ کیا چہ میگوئیاں ہیں جو مجھ تک پہنچ رہی ہیں؟ اور تمہارے دلوں میں یہ غم و غصہ کیسا ہے جو تم نے مجھ پر کیا ہے؟ کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم گمراہ تھے، پھر اللہ نے تمہیں ہدایت دی؟ تم محتاج و قلاش تھے، پھر اللہ نے تمہیں مستغنی اور مالدار کر دیا؟ باہم ایکدوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا؟''

Marfat.com

انصار نے کہا:

"بلی اللہ ورسولہ امنّ وافضل" یعنی بے شک اللہ اور اسکے رسول کا احسان اور فضل وکرم سب سے بڑھ کر ہے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الا تجیبوننی یامعشر الانصار ؟" اے گروہِ انصار! کیا تم مجھے جواب نہ دو گے؟

انصار نے کہا:

"بما ذا نجیبک یارسول اللہ؟ للہ ولرسولہِ المنّ والفضل!"

یعنی یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دیں گے؟ اللہ اور اسکے رسول کا ہی احسان اور فضل ہے! اسپر آپ ﷺ نے بات کا رخ بدل دیا اور فرمایا:

"نہیں خدا کی قسم تم چاہتے تو جواب دیتے۔ پھر تم اپنی بات میں بالکل سچے ہوتے اور تمہاری سچائی کو مانا بھی جاتا۔ (تم کہہ سکتے تھے) کہ تو ہمارے پاس اسی حالت میں آیا کہ لوگوں نے تمہیں جھٹلایا تھا۔ ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ لوگوں نے تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، ہم نے تیری مدد کی۔ گروہِ انصار! تم دنیا کی حقیر شے کیلئے غمگین و رنجیدہ ہو گئے۔ اس سے میں نے کچھ لوگوں کی دلداری کرنا چاہی ہے تا کہ وہ اسلام لے آئیں۔ جب کہ میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔ گروہِ انصار! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے جائیں اور تم اپنے کجاووں میں اللہ کے رسول کو لوٹا کر لے جاؤ؟ پھر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہء قدرت میں محمد کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اور اگر

Marfat.com

لوگ ایک گھاٹی میں اور انصار دوسری گھاٹی میں چلتے تو میں انصار کی گھاٹی میں چلتا۔ اے خدا! انصار پر اور ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔"

بقول ابو سعید خدری انصار رسول اللہ کا یہ خطاب سن کر اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو تقسیم فرمائی ہے ہم اس پر راضی ہیں۔

(۷) ہوازن کا وفد:

قیام جعرانہ کے ابتدائی دنوں میں آپ ﷺ کو ہوازن کے جن لوگوں کا انتظار تھا کہ وہ اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں آئیں گے، وہ پہنچ گئے۔ ان کی ایک شاخ سے حضور ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ بھی جنگی قیدیوں میں شامل تھیں۔ ہوازن کے سردار نے بتایا کہ رضاعت کے حوالے سے آپ ﷺ کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی قید میں ہیں۔ اس نے ان کی رہائی کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاندان عبدالمطلب کا حصہ تو میں چھوڑ سکتا ہوں لیکن عام رہائی کیلئے تمہیں چاہئے کہ نماز کے بعد آؤ اور اسکی درخواست پیش کرو!

نماز کے بعد ہوازن کے نمائندے پیش ہوئے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کیلئے استدعا کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں اپنے خاندان کی طرف سے قیدیوں کو رہا کرتا ہوں اور عام مسلمانوں سے یہ سفارش کرتا ہوں کہ وہ بھی اپنے حصے کے اسیران جنگ کو چھوڑ دیں"۔

آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق تمام انصار و مہاجرین نے اپنے حصے کے قیدی چھوڑ دیئے۔

Marfat.com

(۸) عُمرہ اور واپسی:

اموال وغنائم کی تقسیم سے فارغ ہوکر آپؐ نے مقام جعرانہ سے ہی احرام باندھا اور عمرے کیلئے روانہ ہوگئے۔ مکہ میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد آپؐ نے عتاب بن اسید کو امیر مکہ نامزد کیا اور ۲۴ ذیقعدہ ۸ھ کو مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

(۹) یوم حنین اور محاصرۂ طائف پر ایک نظر:

(۱) جب مسلمان مجاہدین بنو ہوازن اور ثقیف سے جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو انکی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس کثرت نے انہیں غرور میں مبتلا کر دیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا: ''آج ہم پر کون فتح پا سکتا ہے؟'' یہ تفاخر نہ اللہ کو پسند آیا اور نہ اس کے رسول ﷺ کو! اللہ کی طرف سے انکے اس رویہ پر تنبیہ ضروری تھی کیونکہ اگر یہ رویہ مسلمانوں میں راسخ ہوجاتا تو وہ بتدریج تائید ایزدی کی طرف سے بے نیاز ہوکر دنیاوی سہاروں اور مادّی سروسامان پر انحصار کرنے کے عادی بن سکتے تھے۔ سچے مسلمان کی حیثیت سے انکا ایک رویہ وہ تھا جب جنگِ خندق میں انہوں نے دشمن کی ٹڈی دل افواج دیکھیں تھیں تو پکار اٹھے تھے کہ اس کا تو اللہ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے آزمائش کی گھڑی کو پہچان لیا تھا۔ وہ اللہ کی نصرت پر پورا یقین رکھتے تھے اور اپنی قلت کے باوجود اپنی حفاظت کے بارے میں مطمئن تھے۔ لیکن اب وہ اللہ کی مدد کی بجائے اپنی کثرت پر ناز کرنے لگے تھے۔ لہذا پہلے ہی ہلّے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ قرآن حکیم میں جس طرح اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے لیئے یہ ٹھوکر ضروری تھی تاکہ ان میں غلط رویہ جڑیں نہ پکڑ سکے۔

(۲) مقدمۃ الجیش میں نومسلموں کو نہیں رکھنا چاہیئے تھا۔ تنگ وادی میں

انکے الٹے پھرنے سے سارے اسلامی لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ ان کی جگہ اگر آزمودہ فوجی ہوتے تو ادھر ادھر پتھروں کی آڑ لے کر مقابلے پر ڈٹ جاتے۔

(۳) اس غزوہ میں ابتداء میں ہی وہ صورت حال پیدا ہوگئی تھی جو غزوہ احد میں پیدا ہوئی تھی۔ افراتفری اور بدحواسی میں مجاہدین بکھر گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے۔ لیکن احد میں بھی آپ ﷺ نے کمال عزیمت اور استقامت کا مظاہرہ کیا تھا اور اس جنگ میں بھی آپ ﷺ نے عزم و استقلال کا دامن نہیں چھوڑا اور منتشر ہوتی ہوئی طاقت کو پھر جمع کر لیا۔ بحران کا ایسا لمحہ دراصل بڑی شخصیت کیلئے آزمائش کا لمحہ ہوتا ہے۔ اگر راہنما اس نازک لمحے کو اپنی گرفت میں لے لے تو حالات کو قابو میں کر لیتا ہے۔ تاریخ میں کئی بڑی شخصیتوں پر ایسے لمحے آئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اس کریٹیکل لمحے کو اپنی گرفت میں لیا، اسکی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے وہ یہ تھے: ''میں اللہ کا نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں ہے! میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں!'' یہ الفاظ سنتے ہی مسلمانوں کو گویا وہ سبق یاد آ گیا جو اس سنگین افتاد نے اضطراری طور پر ان کے ذہنوں سے محو کر دیا تھا، یعنی جینا اور مرنا تو بس اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے لیئے ہی ہے!

(۴) محاصرۂ طائف کو منطقی نتیجہ تک پہنچائے بغیر ترک کر دینے سے ابتداء کئی مجاہدین کو جذباتی جھٹکا لگا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ اس میں مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ تھا۔ آپ ﷺ نے یہ بہتر سمجھا کہ بجائے وہاں وقت ضائع کرنے کے دیگر اہم امور کی طرف توجہ دیں۔ اہل طائف اب مسلمانوں کیلئے خطرہ نہیں بن سکتے تھے۔ انہیں جلد یا بدیر اسلام کی طرف رجوع کرنا ہی تھا۔ حضور ﷺ سے جب یہ کہا گیا کہ آپ ﷺ ان کے لیئے بددعا کریں تو آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے پیش نظر ان سے انتقام لینا نہیں تھا بلکہ انہیں راہ راست پر لانا تھا۔

(۵) اموال وغنائم کی تقسیم بھی نبی ﷺ کی بالغ نظری اور معاملہ فہمی کا بیّن ثبوت ہے۔ تاجر پیشہ اہلِ مکہ کو جن کی زندگیاں عرصہ دراز سے مالی مفادات کے گرد گھومتی رہی تھیں، اموال وغنائم سے فیاضانہ طور پر نواز کر آپ ﷺ نے انہیں مستقلاً اسلامی ریاست سے جوڑ دیا۔ اس پر انصار کا احساسِ محرومی فطری ردِ عمل تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو جس طرح یہ احساس دلایا کہ وہ تو دین و دنیا کے سرچشمہ خیر و برکت کو اپنے ساتھ لیئے جا رہیں، وہ بھی تاریخ میں ایک عدیم المثال واقعہ ہے، ورنہ اس قسم کی صورتِ حال میں رنجیدہ اور شاکی گروہوں میں یوں تفرقہ پڑتا ہے کہ پوری تحریک ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔

اس سال حضرت ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ اور اسی سال آپ ﷺ کی صاحبزادی اور ابو العاصؓ کی زوجہ سیدہ زینبؓ فوت ہو گئیں۔

O

Marfat.com

تیسواں باب

۹ھ کے اہم واقعات

فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔ اب پورے عرب میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کے مقابل آنے کی ہمت کر سکتی۔ تطہیر کعبہ کے ساتھ ہی بت پرستی زوال پذیر ہوگئی تھی اور اصل دین ابراہیمی فروغ پانے لگا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جہاں کہیں کفر و شرک کے آثار پاتے انہیں فرو کرنے کا اہتمام فرماتے۔ نزدیک و دور سے قبائلی وفود قبول اسلام کے لیئے مدینہ آنے لگے۔ اطمینان و فراغت کے ان دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے تندہی سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ امور مملکت اب کافی پھیل گئے تھے۔ اس لیئے آپ ﷺ کو ریاست کے انتظام و انصرام کیلئے بھی وقت نکالنا پڑتا۔ چنانچہ اس تیسرے اور آخری دور میں جو فتح مکہ کے بعد شروع ہوتا ہے، نبی ﷺ کی مصروفیات دو طرح کی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک انتظامی و تبلیغی اور دوسرے فوجی و تادیبی۔ اوّل الذکر امور میں آپ ﷺ نے تعلیم و تربیت کے علاوہ وصولی زکوٰۃ پر خصوصی توجہ دی۔ موخر الذکر میں آپ ﷺ نے ان اطراف میں جہاں سے شورش یا سرکشی کی اطلاعات ملتی تھیں، فوجی مہمات یا سرایا روانہ فرمائے۔

(۱) وصولیٔ زکوٰۃ:

۹ھ کے آغاز میں ہی آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی وصولی کیلئے مختلف صحابہ کو روانہ فرمانا شروع کر دیا تھا۔ مندرجہ ذیل فہرست سے زکوٰۃ کی وصولی اور اسلامی ریاست کے

Marfat.com

معاشی نظام کا اندازہ ہوتا ہے۔

	وصولیٔ زکوٰۃ کے مجاز افسر	وہ قبیلے جن سے زکوٰۃ لینا تھی
(۱)	عیینہ بن حصن	بنو تمیم
(۲)	یزید بن الحصین	اسلم اور غفار
(۳)	عباد بن بشیر اشہلی	سلیم اور مزینہ
(۴)	رافع بن مکیث	جہینہ
(۵)	عمرو بن العاص	بنو فزارہ
(۶)	ضحاک بن سفیان	بنو کلاب
(۷)	بشیر بن سفیان	بنو کعب
(۸)	ابن اللتبیہ ازدی	بنو ذبیان
(۹)	مہاجر بن امیہ	صنعاء
(۱۰)	زیاد بن لبید	حضرموت
(۱۱)	عدی بن حاتم	طے اور بنو اسد
(۱۲)	مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ
(۱۳)	زبرقان بن بدر	بنو سعد (ایک شاخ)
(۱۴)	قیس بن عاصم	بنو سعد (دوسری شاخ)
(۱۵)	علاء بن حضرمی	علاقہ بحرین
(۱۶)	علی بن طالب	نجران (زکوٰۃ اور جزیہ دونوں کی وصولی)

(۲) سرایا:

Marfat.com

سنہ ۹ ھ میں تادیبی کاروائیوں اور امن وامان کی بحالی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سرایا روانہ کیے گئے۔

(۱) سریۂ عُیَینہ بن حصن فزاری (محرم سنہ ۹ ھ): عیینہ پچاس سواروں کی قیادت کرتے ہوئے بنوتمیم کی طرف گئے۔ بنوتمیم جزیہ کی ادائیگی سے بعض قبائل کو روک رہے تھے۔ عیینہ نے جب حملہ کیا تو بنوتمیم بھاگ کھڑے ہوئے۔ انکے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے۔ بعد ازاں مدینہ میں بنوتمیم کے سردار اپنے قیدیوں کی رہائی کیلئے آئے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف انکے قیدی رہا کردیئے۔ بلکہ انعام واکرام سے بھی نوازا۔

(۲) سریہ قطبہ بن عامر (صفر سنہ ۹ ھ): قبیلہ خثعم کی ایک شاخ کی طرف قطبہ بن عامر کی سربراہی میں ایک سریہ قربہ کے علاقے تبالہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ قطبہ کے ساتھ بیس سپاہی تھے۔ وہاں سخت لڑائی ہوئی۔ قطبہ اور کچھ مسلمان شہید ہوگئے۔ لیکن مجاہدین نے ان پر غلبہ پالیا اور انکے مال مویشی مدینہ لے آئے۔

(۳) سریہ ضحاک بن سفیان کلبی (ربیع الاوّل سنہ ۹ ھ): یہ سریہ تبلیغ کے لیئے بنوکلاب کی طرف بھیجا گیا تھا۔ لیکن وہ جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ مجاہدین نے ان کی سرکوبی کی مدینہ واپس آگئے۔

(۴) سریۂ علقمہ بن مُجزز مدلجی (ربیع الآخر سنہ ۹ ھ): جدہ کے سامنے بحر احمر کے ایک جزیرے پر بحری قزاقوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ نبی ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت علقمہ بن مُجزز المدلجی کو تین سو آدمی دے کر وہاں روانہ فرمایا۔ علقمہ نے وہاں پہنچ کر موثر کاروائی کی اور بحری قزاق فرار ہوگئے۔

(۵) سریہ علی ابن طالب (ربیع الاوّل سنہ ۹ ھ): ڈیڑھ سو آدمیوں کو حضرت علیؓ کی

Marfat.com

کمان میں قبیلہ طے کی طرف روانہ کیا گیا۔ حضرت علی وہاں صبح سویرے پہنچے اور حملہ کر کے قبیلہ طے کے لوگوں کو منتشر کر دیا۔ انہوں نے ان کے بتکدے کو بھی منہدم کر دیا۔ طے کے کچھ افراد گرفتار ہو گئے۔ انہی میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حضرت علی مدینے پہنچے تو انہوں نے حاتم کی بیٹی کو دربار رسالت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بڑی عزت افزائی کی اور تحفے تحائف دے کر واپس بھیج دیا۔ پھر اس نے اپنے بھائی عدی بن حاتم کو جو کہ شام کی طرف بھاگ گیا تھا خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے دربار سے دور رہنا بڑی کوتاہ اندیشی ہے۔ اس پر عدی مدینہ حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اسکے قبیلہ کی سرداری پر فائز کیا۔ عدی بن حاتم بعد ازاں مسلمانوں کی طرف سے کئی جنگوں میں لڑا (1)۔

(۳) کعبؓ بن زہیر اور قصیدہ بانت سعاد:

کعب عرب کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سُلمٰی کے صاحبزادے تھے۔ زہیر بن ابی سُلمٰی کا شمار عرب کے ان سات بڑے شاعروں میں ہوتا تھا جن کے سبع معلقات کا شہرہ پورے عرب میں تھا۔ زہیر کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وجودِ باری تعالیٰ اور حشر نشر کا قائل تھا، تاہم وہ اسلام لانے کی سعادت حاصل نہ کر سکا اور بعثتِ نبوی ﷺ سے کچھ عرصہ پہلے ہی وفات پا گیا۔ قبیلہ مضر جسکی ذیلی شاخ مزینہ سے کعب تعلق رکھتے تھے شعر و سخن کے لیئے بہت مشہور تھا۔ انکے دادا ابو سُلمٰی ربیعہ اور نانا بشامہ بن الغدیر بھی شاعر تھے۔ مشہور شاعرہ الخنسا کعبؓ کی پھوپھی تھیں۔ کعبؓ کو بچپن سے ہی شعر و شاعری کا شوق تھا۔ سن بلوغ کو پہنچتے ہوئے وہ قادر الکلام شاعر بن چکے تھے۔ باپ کی وفات پر انہوں نے اتنا پُرسوز مرثیہ کہا کہ وہ ادب کا شاہ پارہ بن گیا اور اسے ابو تمام طائی نے اپنے دیوان الحماسہ کی زینت بنایا۔

Marfat.com

شروع میں کعب اسلام کے مخالفین میں سے تھے۔ قریش مکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کیلئے استعمال کرتے تھے اور ان سے آپ ﷺ کی ہجو کہلواتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن افراد کے قتل کا فرمان جاری کیا، ان میں کعب کا نام بھی شامل تھا۔ تاہم کعب وہاں سے فرار ہو گئے اور مختلف مقامات پر چھپتے پھرے۔ ان کے بھائی بجیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے کعب کو خط لکھا کہ وہ مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگ لے۔ بجیر دل سے چاہتے تھے کہ کعب مسلمان ہو جائے اور سزائے موت سے بچ جائے۔ چنانچہ وہ مسلسل کعب کو مسلمان ہو جانے کی ترغیب دیتے رہے اور اس سلسلے میں انہوں نے کعب کو انکے ہم نام یہودی کعب بن اشرف کے انجام سے عبرت پکڑنے کا مشورہ بھی دیا۔ لیکن کعب پر اس کا الٹا اثر ہوا اور اس نے بجیر کو ہجویہ اشعار لکھ بھیجے جن میں کہا گیا تھا کہ میں اپنے باپ دادا کے مسلک سے کیوں کر پھر سکتا ہوں اور مزید یہ کہا گیا تھا کہ ابوبکرؓ نے بجیر کو نشے سے بھرا ہوا پیالہ پلا دیا ہے۔

حضور ﷺ کے جاری کردہ فرمانِ قتل سے کعب پر زمین تنگ ہو گئی۔ وہ جلا وطنی کی زندگی بسر کرتے رہے اور روپوشی کے عالم میں پھرتے رہے۔ بجیر کو ان سے بہت محبت تھی۔ لہٰذا انہیں جب موقع ملتا وہ اپنے بھائی کو اسلام لا کر مامون ہو جانے کی نصیحت کرتے۔ بالآخر کعب نے اسلام قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک رات کعب مدینہ پہنچے اور بجیر کے ہاں قیام کیا۔ فجر کی نماز کے بعد یہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اصحاب سے گفتگو کر رہے تھے۔ کعب اپنے چہرے کو کپڑے میں چھپائے مسجد کے اندر آئے۔ انہوں نے خاص علامات سے نبی ﷺ کو پہچانا اور آپ ﷺ کے قریب آ کر کہنے لگے: ''یا رسول اللہ ﷺ! اگر کوئی خطا کار اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو کیا آپ ﷺ اسے معاف فرما دیں گے؟''

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ضرور! پھر کعبؓ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر رکھا اور اسلام قبول کر لیا۔ جب کعبؓ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو بعض صحابہ نے انہیں پہچان کر کہا'' یہ تو کعب ہے!'' کئی ہاتھ تلواروں کے دستوں پر گئے۔ ایک انصاری نے تو آگے بڑھ کر کعب پر حملہ بھی کر دیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر سب کو منع کر دیا اور فرمایا: ''ایسا نہ کرو! یہ تائب ہو کر آیا ہے! اب اسکی خطائیں معاف ہیں!''

پھر کعبؓ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مدح میں قصیدہ پیش کیا۔ سب لوگ غور سے سنتے رہے۔ کعبؓ کے قصیدے سے حضور ﷺ بھی بہت خوش ہوئے۔ جب کعبؓ نے قصیدہ ختم کر لیا تو آپ ﷺ نے اٹھ کر اپنی دھاری دار یمنی چادر کعبؓ کے شانوں پر ڈال دی۔ عربی میں بردہ چادر کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہ قصیدہ تاریخ میں قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہوا (2)۔

قصیدہ بُردہ کے علاوہ اسے 'قصیدۂ بانت سعاد' بھی کہا جاتا ہے۔ عربوں کی یہ پرانی روایت تھی کہ وہ اپنے قصیدے کا آغاز عشقیہ اشعار سے کرتے تھے جنہیں ''تشبیب'' کہا جاتا تھا۔ کعبؓ نے بھی اپنے قصیدے کا آغاز غزل کی طرح کے اشعار سے کیا جو اس کی بیوی کے ہجر و فراق کی کیفیات کے غماز تھے۔ سعاد کعبؓ کی بیوی تھی۔ اسکے والدین کعبؓ کی آوارہ گردی اور در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرنے سے سخت نالاں تھے۔ تنگ آ کر وہ سعاد کو ساتھ لے گئے۔ چنانچہ قصیدے کا پہلا شعر ہی بیوی کی جدائی کا دردناک منظر پیش کرتا ہے:

بَانَت سُعَاد فَقَلبِی اليَومَ المَبتُولُ

مُتَيَّم" اِثرَهَا لَم يُفدَ مَكبُول

''میری سعاد مجھ سے جدا ہو گئی، پس میرا دل آج (صبر آزما اور جاں گسل فراق کے باعث) خستہ حال ہے اور مارا مارا پھرنے ولا ہے، اسکے پیچھے، ایسے قیدی کی طرح جس

کا فدیہ نہ دیا گیا ہو۔"

اس قصیدے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا اور اسکی مقبولیت پر بطور سند شاعر کو یمنی چادر عطا کی گئی۔ ابتدائی اشعار میں بیوی کے جدا ہونے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔" فقلبی الیوم مبتول " کہہ کر شاعر نے اپنے دل کی سقیم حالت کو بڑے پر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔ پھر سعاد کی صورت و سیرت کو نہایت دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ وقتِ وداع سعاد کی شرم و حیا سے جھکی ہوئی نگاہیں، موتیوں کی طرح آب دار دانت سرگیں آنکھیں گویا کعبؓ کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھیں۔ تشبیب کے اشعار کے بعد کعبؓ کا ذہن اپنی ہمسفر ناقہ کی طرف مڑتا ہے اور وہ اسکی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ ضمناً عرب کی نوحہ گر عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے۔ پھر دفعتہً ان کا ذہن اپنی مخدوش صورتِ حال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح فرمانِ قتل کے بعد جان بچانے کیلئے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مصیبت کے اس مشکل وقت میں اپنے بھی بیگانے بن گئے ہیں:

تَسعَی الوَ شَاۃُ وقَو لُھُم اِنَّکَ یابنَ اَبِی سُلمَی لَمقتُولُ

یعنی چغل خور ہر طرف چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ابی سُلمی کے بیٹے تو ضرور مارا جائے گا۔

وَقَالَ کُلُّ خَلِیلٍ کُنتُ اٰمُلُہٗ لَا اُلھِیَنَّکَ اِنِّیَ عَنکَ مَشغُولُ

اور ہر دوست نے جس سے مجھے امید تھی کہا کہ میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ بے شک میں تجھ سے الگ ہوں۔

اپنے مصائب و آلام کا ذکر کرتے ہوئے کعب جگہ جگہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو اپنے باپ زہیر کی طرح امثال و حِکم میں بیان کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اس قطعی فیصلے کا ذکر

Marfat.com

کرتے ہیں کہ میں نے اب اپنی ساری امیدیں بارگاہ رسالت سے وابستہ کر لی ہیں:

نبئت ان رسول الله اوعدنی والعفو عند رسول الله مامول

"مجھے پتہ چلا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے، لیکن اسکے باوجود انکی ذات اقدس سے سب کو عفو و درگزر کی امید ہے۔"

قصیدہ بانت سعاد حضرت کعبؓ کی نفسیاتی کیفیتوں کا غماز ہے۔ ایک طرف بیوی کی جدائی کا درد بیان ہوا ہے تو دوسری طرف اعزہ و اقربا کی بے مروتی اور بے اعتنائی کا ذکر ہے۔ پھر نبی ﷺ کی ہیبت و دبدبہ کا اظہار ہے جن کی نبی الملاحم کی حیثیت سے پورا عرب تھرا رہا تھا۔ موت کے خوف اور بیم و رجا کی کیفیت میں جب وہ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو خوف و دہشت سے انکار برا حال ہے (3)۔ وہ کہتے ہیں کہ بارگاہ رسول اللہ ﷺ میں کھڑا میں جو کچھ دیکھ اور سن رہا تھا، اگر ہاتھی بھی دیکھ اور سن لیتا تو تھر تھر کانپنے لگتا:

لقد اقوم مقاما لو یقوم به اری واسمع ما لو یسمع الفیل

لظل یرعد الا ان یکون له من الرسول باذن الله تنویل

"خدا کی قسم! میں آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوں اور سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں، اگر ہاتھی بھی اس مجلس میں حاضر ہو کر یہ سب باتیں سنتا تو وہ بھی کانپنے لگتا، سوا اس صورت کے اس کے لیئے بحکم باری تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عفو و درگزر کی بخشش ہو جاتی۔

پھر وہ کہتے ہیں:

لذاک اهیب عندی اذ کلمه وقیل انک منسوب و مسئول

من حادر من لیوث الاسد مسکنة من بطن عثر غیل دونه غیل

Marfat.com

"جب میں رسول اللہ ﷺ سے بات کر رہا تھا اور مجھ سے کہا جا رہا تھا کہ تمہاری طرف یہ اقوال منسوب ہیں لہذا تم ان کے جواب دہ ہو تو اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے لیئے گھنے جنگل کے اس شیر سے بھی زیادہ ہیبت ناک تھے جس کا کچھار بطن عثر میں ہو (جہاں کے درندے مشہور ہیں) جس میں درختوں کی جھاڑیاں ایک دوسرے کے بالکل قریب اور متصل ہیں۔"

اپنے پیش کردہ قصیدے میں کعبؓ نے انصار کا ذکر نہیں کیا تھا۔ حضور ﷺ نے انکی توجہ اس طرف دلائی تو انہوں نے بعد ازاں انصار کی تعریف میں کچھ اشعار شامل کر دیئے۔

قصیدہ بانت سعاد میں جاہلی ادبی روایت اور اسلامی تعلیمات کا دلآویز امتزاج ملتا ہے۔ گوناگوں خصوصیات کے حاصل ہونے کے علاوہ یہ مترادف و متضاد الفاظ کی فراوانی کے اعتبار سے بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسکے تراجم دنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ جتنے تراجم اور شرحیں اس قصیدے کی ہوئی ہیں، سوائے امام بوصیریؒ کے قصیدے کے اور کسی کی نہیں ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کعبؓ کافی عرصہ تک زندہ رہے۔ آپ ﷺ کی عطا کردہ بردہ کو انہوں نے ہمیشہ سینے سے لگائے رکھا۔ امیر معاویہؓ نے ایک دفعہ انہیں بردہ شریف کے عوض دس ہزار درہم کی پیش کش کی۔ لیکن کعبؓ نے باوجود اپنی غربت و افلاس کے، صاف انکار کر دیا۔

کعبؓ کی وفات کے بعد بردہ شریف انکے بیٹے کو منتقل ہو گئی۔ انہوں نے بیس ہزار درہم میں یہ امیر معاویہ کو بیچ دی۔ پھر یہ مختلف سلاطین و خلفاء کے قبضے میں رہی۔ بالآخر یہ سلطنتِ عثمانیہ کے سلیم اوّل (۱۵۱۲-۱۵۲۰) کے قبضے میں آ گئی جس نے اسے شاہی

Marfat.com

خزانے میں محفوظ کر دیا۔ وہاں سے ترکی کے سلطان عبدالحمید نے اسے استنبول کی ایک مسجد میں رکھوا دیا۔ یہ مسجد اسی مناسبت سے خرقہ شریف کہلانے لگی۔ اس وقت بردہ شریف کی باقیات سلطان محمد فاتح کے تعمیر کردہ محل 'طوپ قپو' کے کمرہ نمبر ۱۳ میں ایک طلائی صندوق کے اندر محفوظ ہیں (4)۔

(۴) واقعہ ایلاءٔ وتخییر :

اسلامی فقہ میں ایلاء (5) کی اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیئے بغیر قسم کھا کر اس سے قطعِ علائق کر لے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۶ میں یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ چار ماہ کے اندر اندر ایلاء کرنے والا شخص اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، البتہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ تاہم اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ چار ماہ کی مدت گزر جانے کے بعد از خود طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں۔ حنفی علماء کہتے ہیں کہ مدتِ معینہ پوری ہوتے ہی طلاقِ بائنہ ہو جاتی ہے۔ لیکن احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مدتِ معینہ کے پوری ہونے کے بعد بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، تاہم زن و شوہر کا رشتہ معلق حالت میں رہتا ہے۔ تخییر کا مطلب ہے کسی کو حقِ انتخاب دینا کہ وہ جو چاہے چن لے (6)۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی ایک دفعہ ایلاء وتخییر کا واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ غزوۂ تبوک سے پہلے ۹ھ (اوائل اپریل ۶۳۰ء) کا ہے۔ آپ ﷺ فتح مکہ کے بعد مدینہ میں تشریف لا چکے تھے۔ اب آپ ﷺ کی حیثیت ایسے حکمران کی تھی جس کے سامنے عرب کی تمام طاقتیں سرِ تسلیم خم کر چکی تھیں۔ مختلف غزوات و سرایا سے حاصل ہونے والے اموال و غنائم سے عام مسلمانوں کی مالی حالت بہت اچھی ہو چکی تھی۔ لیکن عرب کے بادشاہ بننے کے باوجود آپ ﷺ کے گھر کی حالت یہ تھی کہ روزمرہ کے استعمال کی

Marfat.com

اشیاء بھی حسب ضرورت نہ تھیں۔ آپ ﷺ دو وقت کا کھانا بھی شکم سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے۔ آپ ﷺ فقر و فاقہ کی زندگی پسند فرماتے اور فارغ اوقات میں ذکر و فکر اور استغراق میں مشغول رہتے۔ آپ ﷺ کا یہ فقر اضطراری نہ تھا۔ آپ ﷺ چاہتے تو آپ ﷺ کے ایک اشارے پر وہ تمام سامانِ عیش و نشاط فراہم ہو سکتا تھا جو صرف شہنشاہوں کو نصیب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔ فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی آپ ﷺ نے اپنی رضا سے چنی تھی۔

آپ ﷺ کی زاہدانہ اور فقیرانہ طرزِ زندگی کا اثر آپ ﷺ کے اہل و عیال پر پڑ رہا تھا اور وہ بھی غربت و افلاس اور تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اگرچہ اُمہات المومنین کی حیثیت سے اسلامی معاشرے میں نہایت بلند درجے پر فائز تھیں، لیکن وہ انتہائی ناداری اور تنگدستی کا شکار تھیں۔ ازواجِ نبی ﷺ ہونے کے ناتے وہ کڑے امتحان سے گزر رہی تھیں۔ لیکن آخر وہ انسان تھیں اور زندگی کے تقاضے ان کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ دیکھتی تھیں کہ عام مسلمان خواتین نہایت آسائش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور انہیں خانۂ نبی ﷺ میں ضروریاتِ زندگی بھی پوری طرح نصیب نہیں ہو رہیں۔ ان میں سے بیشتر انتہائی متموّل گھرانوں سے آئی تھیں۔ حضرت صفیہؓ خیبر کے رئیس کی صاحبزادی تھیں۔ اُمّ حبیبہؓ کا باپ ابوسفیان مکے کا سردار تھا۔ حضرت جویریہؓ بنو مصطلق کے سردار کی صاحبزادی تھی۔ حضرت ماریہؓ کا تعلق مصر کے متموّل طبقے سے تھا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ بھی خوشحال اور بااثر خاندانوں سے آئی تھیں۔ لہٰذا نبی ﷺ کے گھر میں تنگدستی کا شکار ہونے پر ان کا شاکی اور نالاں ہونا غیر فطری نہ تھا۔

ان سب ازواج نے مل کر یہ سوچا کہ آپ ﷺ سے نفقہ میں توسیع و اضافہ کا

مطالبہ کیا جائے۔ان کی نمائندگی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کی۔اسی لیئے سورۂ تحریم میں ان کا حوالہ دیتے ہوئے تثنیہ (7) کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝
(تحریم:۴)

''اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو یہ تمہارے لیئے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے باہم جتھہ بندی کی تو یاد رکھو کہ اللہ اسکا مولیٰ ہے اور اسکے بعد جبریل اور تمام صالح اہلِ ایمان اور سب ملائکہ اسکے ساتھی اور مددگار ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا بحیثیت نبی جو طریقِ زندگی تھا اس میں مادّی آسائشوں اور لذائذ دنیوی کا کوئی تصور نہ تھا۔اس کا اثر ازواج پر بھی پڑا۔انہیں بھی ناز ونعم اور آسائش کی زندگی گزارنے کی اجازت نہ تھی۔ نبی کی بیوی بننا اگر ایک بڑا اعزاز تھا تو اسکی آزمائش بھی اتنی ہی سخت تھی۔اس لیئے نبی ﷺ کی طبع مبارک پر ازواج کا یہ مطالبہ کہ انکے نفقہ میں توسیع کی جائے، بڑا گراں گزرا۔

اسی دوران ایک اور واقعہ جس کا ابتداءً توسیع نفقہ کے مطالبے سے کوئی تعلق نہ تھا، رونما ہوا اور پھر وہ بھی اس کے ساتھ نتھی ہو گیا اور صورتِ حال کے گھمبیر بن جانے کا باعث بنا۔آنحضرت ﷺ کو شیرینی بہت پسند تھی۔امّ المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے پاس کہیں سے شہد آ گیا۔چنانچہ وہ آپ ﷺ کی تواضع کیلئے شہد کا شربت تیار کیا کرتی تھیں۔اس طرح آپ ﷺ انکے ہاں معمول سے زیادہ ٹھہرنے لگے۔اسپر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے دل میں جذبۂ رقابت پیدا ہو گیا۔انہوں نے دیگر ازواج سے مشورہ

Marfat.com

کیا۔ آخر کار آنحضرت ﷺ کو زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر تک قیام سے روکنے کیلئے انہوں نے ایک اسکیم تیار کی۔ اسکیم یہ تھی کہ حضور ﷺ جس بی بی کے پاس تشریف لے جائیں وہ آپ ﷺ سے مغافیر کی بو کی شکایت کرے۔

مغافیر عرب کا ایک درخت ہے جس کا پھل اگرچہ لوگ کھاتے ہیں، تاہم اس کی بُو ناگوار ہوتی ہے۔ شہد کی مکھیاں اگر مغافیر کے پھلوں سے رس چوسیں تو اس سے تیار شدہ شہد سے بھی مغافیر کی بو آنے لگتی ہے۔ آپ ﷺ جب حفصہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے استفسار کیا ''کیا آپ ﷺ نے مغافیر کھایا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں!'' حفصہؓ نے کہا ''آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے!''

نبی ﷺ کے یہ امر نہایت ناگوار تھا کہ کوئی آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کسی قسم کی بو محسوس کرے اور آپ ﷺ کے قرب سے گریزاں ہو! اس لیئے آپ ﷺ کوئی ایسی غذا تناول نہ فرماتے تھے جس کے بعد سانس سے بو آئے۔ جب دیگر ازواج نے بھی یہی بات کہی تو آپ ﷺ نے قسم کھائی کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔ سورۂ تحریم کی افتتاحی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: ''اے نبی! تم اپنی بیویوں کی خوشی کیلئے اپنے اوپر اس شئے کو کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تم پر حلال کر دی ہے؟'' (تحریم:۱)

ابھی حالات اس ڈگر پر چل رہے تھے کہ ایک تیسرا واقعہ رونما ہو گیا جس سے نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی میں ایسی کشیدگی پیدا ہو گئی جو واقعۂ ایلاء پر منتج ہوئی۔ ہوا یہ کہ نبی ﷺ نے اپنی ایک زوجہ کو راز کی کوئی بات بتائی اور تاکید فرما دی کہ اس کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ لیکن وہ راز کو چھپا نہ سکیں اور اسے دوسری زوجہ پر ظاہر کر دیا (8)۔

قرآن حکیم میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"وَ اِذِا اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثاً فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْھَرَہُ

Marfat.com

اللّٰہُ عَلَیۡہِ عَرَّفَ بَعۡضَہٗ وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَکَ ہٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ۝ (تحریم:۳)

''اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے راز کی ایک بات کہی اور اس نے اسے فاش کر دیا اور خدا نے نبی کو اس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی تو نبی نے (اس بیوی) سے کچھ حصہ بیان کیا اور کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ یہ سن کر اس کی بیوی نے پوچھا آپ ﷺ کو کس نے اسکی خبر کی؟ فرمایا: اس کی مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا اور خوب باخبر ہے!''

جب صورت حال نے یہ رخ اختیار کر لیا، یعنی نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ، مغافیر کا شاخسانہ اور پھر افشائے راز کا معاملہ، تو حضور ﷺ کی طبع مبارک پر اسقدر بوجھ پڑا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج سے ایک ماہ کیلئے علیٰحدگی (ایلاء) کا عہد کر لیا اور مسجد نبوی سے متصل بالاخانے میں عزلت گزیں ہو گئے۔ جب کئی روز تک آپ ﷺ ازواج کے پاس تشریف نہ لے گئے تو آپ ﷺ کے اصحاب کو تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں آپ ﷺ نے ازواج کو طلاق نہ دے دی ہو۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ آپ ﷺ سے کچھ پوچھ سکتا۔ انہی دنوں گھوڑے سے گرنے سے آپ ﷺ کی پنڈلی پر زخم آ گیا۔ کچھ اس وجہ سے بھی آپ ﷺ کو بالاخانے تک ہی محدود رہنا پڑا۔

دریں اثنا حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جس کی بنا پر انہوں نے آپ ﷺ سے اصل صورتِ حال جاننے کا ارادہ کیا۔ ہوا یوں کہ حضرت عمرؓ کی اپنی زوجہ سے کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ انکی زوجہ نے انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ حیران ہو کر بولے ''تم مجھے اسطرح جواب دے رہی ہو؟'' بیوی نے کہا ''جواب کیوں نہ دوں؟ تمہاری بیٹی حفصہ تو خود رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہے! پورا پورا دن روٹھی رہتی ہے۔''

Marfat.com

یہ سن کر حضرت عمرؓ سیدھے حفصہؓ کے پاس گئے اور پوچھا ''بیٹی! کیا یہ سچ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو اور سارا دن روٹھی رہتی ہو؟'' حفصہؓ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے مزید پوچھا'' کیا دیگر ازواج بھی ایسا کرتی ہیں؟'' حفصہؓ نے کہا'' جی ہاں! ہم سب ایسا ہی کرتی ہیں کیونکہ ہم نفقہ میں اضافہ چاہتی ہیں!'' اسپر حضرت عمرؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں حفصہؓ کو ڈانٹا اور کہا: ''بیٹی کچھ خدا کا خوف کرو! رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرنا اچھا نہیں! واللہ! رسول اللہ کو اگر میرا خیال نہ ہوتا تو تمہیں طلاق دے چکے ہوتے! تو جو کچھ لینا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے۔ رسول اللہ ﷺ کو کیوں تکلیف دیتی ہے؟''

پھر حضرت عمرؓ ام المومنین حضرت اُمِ سلمہ کے پاس گئے۔ انکی حضرت عمرؓ سے رشتے داری تھی۔ اسی لیئے حضرت عمرؓ نے ان سے یہ ذاتی قسم کا سوال پوچھ لیا۔ ام سلمہؓ نے ان پر طنز کی اور کہا'' اے خطاب کے بیٹے! اب نوبت یہ آ گئی ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ اور انکی ازواج کے معاملات میں بھی ٹانگ اڑانے لگے ہو!'' حضرت عمرؓ چپ چاپ وہاں سے چلے آئے۔

اسکے بعد رات کے وقت ایک انصاری حضرت عمرؓ کے گھر آیا۔ اس نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت عمرؓ گھبرا گئے۔ انہیں گمان ہوا کہ شاید غسانیوں نے حملہ کر دیا ہے۔ ان دنوں مدینے میں رومیوں کے حملے کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو ایک انصاری کو وہاں موجود پایا۔ اس نے عمرؓ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔

اب حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں گئے۔ پتہ چلا کہ نبی ﷺ فجر کی نماز کے بعد بالا خانے میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ ایک حبشی غلام زینوں پر پہرہ دے رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے غلام

Marfat.com

سے کہا کہ وہ حضور کو انکے آنے کی اطلاع دے۔ غلام گیا لیکن انہیں باریابی کی اجازت نہ ملی۔ اسپر حضرت عمرؓ نے بلند آواز میں کہا ''شاید رسول اللہ ﷺ یہ خیال فرما رہے ہیں کہ میں حفصہؓ کی سفارش کیلئے آیا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے تو صرف رسول اللہ ﷺ کی رضا مطلوب ہے! اگر حکم ہو تو اپنے ہاتھ سے حفصہؓ کا سر کاٹ کر پیش کر دوں!''

حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر نبی ﷺ نے انہیں آنے کی اجازت دے دی۔

حضرت عمرؓ جب بالا خانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال بچھی ہے اور ایک کھال دیوار پر لٹکی ہوئی ہے۔ ایک کونے میں تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ بان کی ایک کھری چارپائی تھی جس پر لیٹنے سے حضور ﷺ کی کمر پر نشان پڑے ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ رونے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا ''عمر! روتے کیوں ہو؟'' عمرؓ بولے ''اس سے زیادہ رونے کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ قیصر و کسریٰ تو عیش و آرام میں رہیں حالانکہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ سرورِ دو جہاں ہو کر اس حال میں ہیں کہ ایک چیز بھی آرام کی نہیں اور کھری چارپائی کے نشانات جسم مبارک پر نمایاں ہیں۔''

حضور ﷺ نے فرمایا ''عمر! کیا تم اسی بات پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہمیں آخرت نصیب ہو؟'' پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا ''کیا حضور ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا ''نہیں!''

یہ سن کر حضرت عمرؓ خوش ہو گئے۔ آپ ﷺ کی تفریح کے لیئے انہوں نے کہا:

''ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے، لیکن یہاں آ کر دیکھا ہے کہ رنگ دوسرا ہے!''

اس پر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ پھر عمرؓ نے حفصہؓ اور ام سلمہؓ سے ملاقات کا حال

Marfat.com

بیان کیا۔ اس پر آپ ﷺ دوبارہ متبسم ہوئے۔

حضرت عمرؓ وہاں سے مسجد میں آئے اور تشویش زدہ اصحاب میں یہ اعلان کیا کہ انکا طلاق کا خیال صحیح نہیں۔

اسکے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ''آپ ﷺ نے ایک مہینے تک ایلاء کا عہد کیا تھا۔ ابھی مہینہ پورا ہونے میں ایک دن باقی ہے!''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''انتیس دن کا بھی مہینہ ہوتا ہے'' (9)

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے عائشہؓ کے پاس آئے تھے کیونکہ یہ اور حفصہؓ ہی نفقہ میں اضافے کے مطالبے میں پیش پیش تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اس بارے میں اللہ کے حکم یعنی آیۂ تخییر (احزاب ۲۷:۲۸) سے مطلع کیا جس میں صاف کہا گیا تھا کہ اے نبی اگر آپ کی بیویاں دنیا کی زینت چاہتی ہیں تو صاف صاف کہہ دو کہ یہ ممکن نہیں اور انہیں احسن طریقے سے رخصت کردو اور اگر وہ آخرت کا اجر چاہتی ہیں تو وہ اللہ اور اسکے رسول کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ آپ ﷺ نے عائشہ سے یہ بھی کہا کہ وہ اس معاملے میں اپنے والد سے بھی مشورہ کرلیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ کے لیئے اتنا ہی کافی تھا۔ انہوں نے صدقِ دل سے آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ دیگر ازواج کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور ان سب نے توبہ کی اور عائشہؓ کی طرح حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق چلنے کا عہد کیا۔

بعض روایات میں ماریہ قبطیہ کا بھی حوالہ آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی خاطر دوسری بیویوں کو خود پر حرام کرلیا تھا۔ لیکن یہ ضعیف روایات ہیں اور فنِ درایت کے تقاضے بھی ان کی نفی کرتے ہیں۔

Marfat.com

واقعۂ ایلاء وتخییر کے حوالے سے کئی فقہی وشرعی احکام صادر ہوئے ہیں جو عام مسلمانوں کی زندگی میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اس ضمن میں سورۂ تحریم کی تفسیر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ کی آخری فوجی مہم:

رجب میں نبی ﷺ اپنی حیاتِ اقدس کی آخری فوجی مہم پر روانہ ہوئے۔اسکے تفصیلی حالات اگلے باب ''یومِ تبوک'' میں بیان کیئے جائیں گے۔

(۶) وفاتِ ابراہیم:

نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کا تولد فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔یہ سولہ یا اٹھارہ ماہ زندہ رہنے کے بعد وفات پاگئے۔

ابراہیم کی شکل وشباہت رسول اللہ ﷺ جیسی تھی۔آپ ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی۔آپ ﷺ نے انکی آیا امّ سیف کو کچھ بکریاں دے رکھی تھیں اور وہ انہیں انکا دودھ پلایا کرتی تھیں۔

یوں تو آپ ﷺ کو اپنی تمام اولاد سے بڑی محبت تھی،لیکن ابراہیم سے آپ ﷺ کو خاص لگاؤ تھا۔عرب معاشرے میں اولادِ نرینہ کا ہونا ایک خاص اعزاز تھا اور عرب اپنے بیٹے کے باپ کی حیثیت سے پکارے جانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔جسکا کوئی بیٹا نہ ہوتا اسے عرب طعنہ دیتے اور ''اَبتر''یعنی ''بے اصل'' یا ''جڑ کٹا'' کہتے تھے۔فطری طور پر رسول اللہ ﷺ کے دل میں بھی اولادِ نرینہ کی خواہش تھی۔یہ اس صورت میں شدید تر ہوگئی کیونکہ کفار آپ ﷺ کو اولادِ نرینہ سے محرومی کا طعنہ دیا کرتے تھے۔قبل ازیں آپ ﷺ قاسم وطاہر (خدیجہؓ سے دو بیٹوں) کی جدائی کا صدمہ سہہ چکے تھے۔پھر آپ ﷺ کی تین

صاحبزادیاں بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ اب صرف فاطمہؓ رہ گئی تھیں۔ بیٹیوں اور بیٹوں کی وفات کا آپ ﷺ کے دل پر گہرا اثر ہوا تھا۔ چنانچہ جب ابراہیم پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کو ان سے خاص انسیت اور لگاؤ ہو گیا۔ جب بھی آپ ﷺ کو امور مملکت اور تبلیغی فرائض سے فرصت ملتی، آپ ﷺ اپنے فرزند سے دل بہلاتے۔

جب ابراہیم بھی مختصر علالت کے بعد فوت ہو گئے تو آپ ﷺ نے گہرا صدمہ محسوس کیا۔ جب انکی وفات کی خبر آپ ﷺ تک پہنچائی گئی، تو اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی میں لوگوں سے بعض معاملات پر گفتگو کر رہے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی آپ ﷺ نڈھال سے ہو گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے کندھے کا سہارا لے کر گھر تشریف لائے۔ ابراہیم کو گود میں اُٹھا کر پیار کیا اور فرمایا:

انّا یا ابراھیم لَا تغنِی عَنکَ من اللہِ شَیئاً

''اے ابراہیم! میں قضائے الٰہی کو تجھ سے روک نہیں سکتا۔''

ابراہیم کی جدائی میں آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ابراہیم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''چشم اشک بار اور دل غمزدہ ہے، لیکن زبان سے ہم ایسا کلمہ نکالیں گے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ اے ابراہیم! میں تیری موت پر بے حد مغموم ہوں۔''

آپ ﷺ کو روتے دیکھ کر سب صحابہ غمزدہ ہو گئے۔ ایک صحابی نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو لوگوں کو مرنے والوں پر رونے سے منع فرمایا کرتے ہیں!''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں نے حزن و ملال سے کسی کو نہیں روکا، صرف بین اور نوحہ سے منع کیا ہے!'' پھر آپ ﷺ نے خود کو سنبھالا اور سیّدہ ماریہؓ کی طرف متوجہ ہوئے جو صدمے سے نڈھال تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں تسلی دے اور ابراہیم کی تجہیز و تدفین میں

Marfat.com

مصروف ہو گئے۔

اتفاق سے جس روز ابراہیم کی وفات ہوئی، اسی روز سورج کو گرہن لگ گیا۔ بعض لوگوں نے اسے معجزہ قرار دیا اور کہا کہ ابراہیم کی وفات پر سورج بھی سوگ منا رہا ہے۔ نبی ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کا اجتماع طلب کیا اور انہیں خطاب فرمایا:

''سورج اور چاند تو وجودِ باری تعالیٰ کی دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت اور زندگی سے انکا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ! جب تم سورج گرہن کو دیکھو تو نماز ادا کر کے اللہ کو یاد کیا کرو!''

(۷) حجِ اکبر:

اسلامی تاریخ میں پہلا باقاعدہ حج سنہ ۹ ھ کو ادا کیا گیا۔ تین سو مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں حج کیلئے روانہ ہوئے۔ قافلۂ حجاج روانہ ہو چکا تھا کہ سورۂ برأت نازل ہوئی۔ اس میں مشرکوں کے ساتھ معاہدوں کو ختم کر دیا گیا تھا۔ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو مامور کیا کہ وہ یہ سورہ لے کر جائیں اور اس کا اعلان کر دیں (10)۔ حضرت علیؓ یہ سورت لے کر روانہ ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ''عرج'' یا ''وادی ضجنان'' میں جا کر مل گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا اب وہ امیر ہونگے؟ اس پر حضرت علیؓ نے کہا ''نہیں! امیرِ حج آپ ہی ہیں، میں صرف مامور ہوں!'' چنانچہ یہ حج حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں ہی ادا کیا گیا۔ البتہ حضرت علیؓ نے دسویں روز (یعنی قربانی کے دن) اپنے خطبے میں سورۂ برأت کے حوالے سے احکام خداوندی کا اعلان کر دیا۔ اس کی رو سے مشرکین کے معاہدے خود انکے نقضِ عہد کی وجہ سے منسوخ قرار دے دیئے گئے:

Marfat.com

براٰءۃ من اللّٰہ ورسولہ الی الذین عھدتم من المشرکین ○ (توبہ ۱)

اسی اعلان برأت کے حوالے سے سورۂ توبہ کو سورۂ برأت بھی کہا جاتا ہے۔ اسکا پہلا حصہ جو کہ پانچویں رکوع کے آخر تک ہے اس حج کے موقع پر نازل ہوا اور اسے لے کر حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے روانہ ہوئے تھے۔

مشرکین کے ساتھ کئے گئے معاہدوں سے اعلان برأت کر کے انہیں چار ماہ کی مہلت دے دی گئی۔ مزید برآں مشرکوں کا خانہ کعبہ میں داخلہ بند کر دیا گیا اور برہنہ طواف کی بھی ممانعت کر دی گئی۔

سورۂ توبہ میں اس حج کو "یوم الحج الاکبر" قرار دیا گیا ہے۔ اسے حج اکبر اس لیئے کہا گیا کہ یہ ذی الحجہ کی مقررہ تاریخوں میں پورے مناسک کی ادائیگی کے ساتھ کیا گیا۔ عرب عمرہ کو حج اصغر یعنی چھوٹا حج کہتے ہیں اور جو حج باقاعدہ مقررہ تاریخوں میں ادا کیا جائے حج اکبر کہلاتا ہے۔

اس حج کے بعد مشرکین نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیا اور مختلف اطراف عرب سے مدینہ آنے والے وفود کا تانتا بندھ گیا۔

(۸) نجاشی کی وفات:

حبشہ کے نجاشی اصحمہ بن ابجر نے بھی ۹ھ میں وفات پائی۔ اسکا غائبانہ جنازہ حضور ﷺ نے پڑھایا۔

○

Marfat.com

اکتیسواں باب

یوم تبوک

فتح مکہ اور غزوۂ حنین و طائف کے بعد اب پورے عرب میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ رہی تھی جو مسلمانوں سے ٹکر لے سکتی۔ البتہ رومی حکمران اور انکے ماتحت عرب حکمران اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ جنگِ موتہ میں انہیں مسلمانوں سے تصادم کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ ادھر مسلمان بھی بازنطینی فوج کے طریق جنگ اور قوت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ مسلمانوں کو اب اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف رومی حملے کا تھا۔ آلِ غسان شامی سرحد کے قریب آباد تھے اور رومیوں کی نمائندگی کرتے تھے۔

جنگِ مُوتہ میں مسلمانوں نے جس بہادری اور بے جگری کا ثبوت دیا تھا، اسکا شہرہ پورے عرب میں پھیل چکا تھا۔ ادھر حیرہ میں ایرانیوں نے عیسائیوں پر کاری ضرب لگائی تھی۔ چنانچہ ہرقل روم نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ ایرانیوں اور مسلمانوں دونوں کو کچل کر رکھ دے گا تاکہ رومی سلطنت کا رعب و دبدبہ پورے علاقے میں پھیل جائے۔ اس مقصد کے لیئے اس نے رومی فوج اور اپنے ماتحت عرب قبائل کو جنگ کے لیئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

شام سے آنے والے تاجر مدینے میں یہ خبریں متواتر لا رہے تھے کہ آلِ غسان عنقریب رومی سپاہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر یلغار کرنے والے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی رومی افواج کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

Marfat.com

(۱) تیاری اور روانگی:

رسول اللہ ﷺ نے خلاف معمول اس مہم کو صیغۂ راز میں نہ رکھا بلکہ صاف طور پر لوگوں میں اعلان فرما دیا کہ تبوک کی طرف یلغار کا ارادہ ہے۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس سال ملک میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ گرمی اپنے عروج پر تھی۔ مدینے سے تبوک تک کی مسافت بھی طویل اور کٹھن تھی۔ اس لیئے آپ ﷺ نے منزلِ مقصود کے بارے میں ''توریہ'' اختیار نہ فرمایا تا کہ مجاہدین غلط فہمی میں نہ رہیں اور جس حد تک ممکن ہو، مکمل تیاری کے ساتھ جہاد کیلئے نکلیں۔

مجاہدین کے لیئے سواری کے جانور اور آلاتِ حرب بہت کم تھے۔ آپ ﷺ نے صدقات و عطیات کا عام اعلان فرما دیا۔ آپ ﷺ کے حکم کے بموجب مدینہ اور اطراف مدینہ سے مجاہدین جوق در جوق اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ لوگوں نے جنگ کے مصارف کیلئے دل کھول کر چندہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ (پالان اور کجاووں سمیت)، ایک سو گھوڑے، دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی اور ایک ہزار دینار عطیہ دیئے۔ حضرت عبدالرحمن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی نذر کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا کل اندوختہ جو چار ہزار درہم کے قریب تھا لا کر پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال دے دیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور دیگر کئی اصحاب نے بڑھ چڑھ کر عطیات دیئے۔ البتہ منافقین کا ایک گروہ تھا جو خیرات سے پہلو بچا رہا تھا اور جنگ سے بھی کترا رہا تھا۔ یہ لوگ طرح طرح کے بہانے بناتے اور لوگوں کو جنگ سے برگشتہ کرنے کی باتیں کرتے۔

نبی ﷺ کی مسلسل ترغیب و دعوت اور تگ و دو سے بالآخر لشکرِ اسلام تشکیل

Marfat.com

پا گیا۔ مجاہدین کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دس ہزار گھوڑے تھے اور اونٹ اتنے کم تھے کہ ہر اٹھارہ آدمیوں کے لیئے محض ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہو سکتے تھے۔ اشیائے خورد و نوش کی بھی بہت قلت تھی اور بعض اوقات مجاہدین درختوں کی پتیاں وغیرہ کھانے پر بھی مجبور ہو جاتے تھے یا نہ چاہتے ہوئے بھی اونٹ ذبح کر دیتے تھے۔ اسی لیئے اس لشکر کو ''جیش عُسرت'' (بے سروسامانی کا لشکر) بھی کہا گیا۔

جب لشکر روانہ ہونے لگا تو کچھ افلاس زدہ مسلمان حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے غزوے میں شرکت کی استدعا کی۔ لیکن حضور ﷺ نے انہیں اونٹوں کی قلت کے پیش نظر شامل نہ کیا۔ یہ لوگ روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ بقول ابن ہشام یہ بنو عمرو بن عوف کے سات لوگ تھے۔ چند مسلمان بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر شریک نہ ہو سکے اور انہیں متہم بھی نہ کیا گیا۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر غزوے کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نام بذریعہ قرعہ نکالا کرتے تھے۔ لیکن اس غزوہ میں آپ ﷺ نے کسی زوجہ کو ساتھ نہ لیا۔ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کی غرض سے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے رہیں اور حضور ﷺ کی نیابت کریں (1)۔

آپ ﷺ نے مدینہ پر حضرت محمد بن مسلمہ یا سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر فرمایا۔ حضور ﷺ کا لشکر ثنیۃ الوداع سے رجب ۹ ھ کو تبوک کیلئے روانہ ہوا۔

(۲) سفرِ تبوک:

لشکرِ اسلام نے ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ مقامِ حجر (2) آ گیا۔ یہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو تاکید فرمائی کہ یہاں کا پانی

Marfat.com

بالکل نہ پئیں اور نماز کیلئے بھی یہاں کا پانی استعمال نہ کریں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے یہ بھی کہہ دیا کہ جو آٹا بھی اس پانی سے گوندھا گیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے مزید تاکید فرمائی کہ رات کو کوئی شخص اکیلا لشکر سے زیادہ دور نہ جائے۔ اگر کسی کو مجبوراً باہر جانا بھی پڑے تو وہ اپنے ساتھ کسی دوسرے آدمی کو رکھے۔ حضور ﷺ کے اس حکم کی بنو ساعدہ کے دو آدمیوں کے علاوہ سب نے تعمیل کی۔ پہلا آدمی رفعِ حاجت کیلئے اکیلا ہی کافی دور نکل گیا۔ اسے راستے میں خناق ہو گیا۔ دوسرا آدمی اپنے اونٹ کی تلاش میں لشکر سے دور چلا گیا۔ اسے تیز ہواؤں نے اٹھا کر طے کی پہاڑیوں میں پھینک دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا کہ اپنے ساتھ کوئی آدمی لیئے بغیر کوئی باہر نہ نکلے؟'' پھر رسول اللہ ﷺ نے خناق میں مبتلا شخص کیلئے دعا فرمائی اور وہ تندرست ہو گیا۔ جو آدمی طے کی پہاڑیوں میں جا گرا تھا اسے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی کے بعد طے کے قبائل لے کر حاضر ہوئے تھے۔

قیامِ حجر کی روایت کو زہری نے یوں بیان کیا ہے۔ ''جب رسول اللہ ﷺ مقامِ حجر سے گزرے تو آپ ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک کپڑے سے ڈھانپ لیا اور اپنی اونٹنی کو تیز کر دیا۔ پھر فرمایا: ''ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں جنہوں نے ظلم کیئے، داخل نہ ہونا، مگر یہ کہ تم روتے ہوئے داخل ہو، اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ جو مصیبت ان ظالموں پر آئی کہیں وہ تم پر بھی نہ آ جائے۔'' جب صبح ہوئی تو پانی عنقا تھا۔ لوگوں نے اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ کچھ دیر بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ بالکل بے موسمی بارش تھی۔ لوگ سیراب ہو گئے اور پانی بھی ذخیرہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہوئے تو ایک شخص پیچھے رہ گیا۔ صحابہ نے حضور ﷺ کو بتایا کہ ایک شخص پیچھے رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو! اگر اس میں کوئی

Marfat.com

اکتیسواں باب

یوم تبوک

فتح مکہ اور غزوۂ حنین و طائف کے بعد اب پورے عرب میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ رہی تھی جو مسلمانوں سے ٹکر لے سکتی۔ البتہ رومی حکمران اور انکے ماتحت عرب حکمران اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ جنگ موتہ میں انہیں مسلمانوں سے تصادم کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ ادھر مسلمان بھی بازنطینی فوج کے طریق جنگ اور قوت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ مسلمانوں کو اب اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف رومی حملے کا تھا۔ آلِ غسان شامی سرحد کے قریب آباد تھے اور رومیوں کی نمائندگی کرتے تھے۔

جنگ مُوتہ میں مسلمانوں نے جس بہادری اور بے جگری کا ثبوت دیا تھا، اسکا شہرہ پورے عرب میں پھیل چکا تھا۔ ادھر حیرہ میں ایرانیوں نے عیسائیوں پر کاری ضرب لگائی تھی۔ چنانچہ ہرقل روم نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ ایرانیوں اور مسلمانوں دونوں کو کچل کر رکھ دے گا تاکہ رومی سلطنت کا رعب و دبدبہ پورے علاقے میں پھیل جائے۔ اس مقصد کے لیئے اس نے رومی فوج اور اپنے ماتحت عرب قبائل کو جنگ کے لیئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

شام سے آنے والے تاجر مدینے میں یہ خبریں متواتر لا رہے تھے کہ آلِ غسان عنقریب رومی سپاہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر یلغار کرنے والے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی رومی افواج کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

Marfat.com

(۱) تیاری اور روانگی:

رسول اللہ ﷺ نے خلاف معمول اس مہم کو صیغۂ راز میں نہ رکھا بلکہ صاف طور پر لوگوں میں اعلان فرما دیا کہ تبوک کی طرف یلغار کا ارادہ ہے۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس سال ملک میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ گرمی اپنے عروج پر تھی۔ مدینے سے تبوک تک کی مسافت بھی طویل اور کٹھن تھی۔ اس لیئے آپ ﷺ نے منزلِ مقصود کے بارے میں ''توریہ'' اختیار نہ فرمایا تا کہ مجاہدین غلط فہمی میں نہ رہیں اور جس حد تک ممکن ہو، مکمل تیاری کے ساتھ جہاد کیلئے نکلیں۔

مجاہدین کے لیئے سواری کے جانور اور آلاتِ حرب بہت کم تھے۔ آپ ﷺ نے صدقات و عطیات کا عام اعلان فرما دیا۔ آپ ﷺ کے حکم کے بموجب مدینہ اور اطراف مدینہ سے مجاہدین جوق در جوق اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ لوگوں نے جنگ کے مصارف کیلئے دل کھول کر چندہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ (پالان اور کجاووں سمیت)، ایک سو گھوڑے، دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی اور ایک ہزار دینار عطیہ دیئے۔ حضرت عبدالرحمن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی نذر کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا کل اندوختہ جو چار ہزار درہم کے قریب تھا لا کر پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال دے دیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور دیگر کئی اصحاب نے بڑھ چڑھ کر عطیات دیئے۔ البتہ منافقین کا ایک گروہ تھا جو خیرات سے پہلو بچا رہا تھا اور جنگ سے بھی کترا رہا تھا۔ یہ لوگ طرح طرح کے بہانے بناتے اور لوگوں کو جنگ سے برگشتہ کرنے کی باتیں کرتے۔

نبی ﷺ کی مسلسل ترغیب و دعوت اور تگ و دو سے بالآخر لشکرِ اسلام تشکیل

پا گیا۔ مجاہدین کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دس ہزار گھوڑے تھے اور اونٹ اتنے کم تھے کہ ہر اٹھارہ آدمیوں کے لیئے محض ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہو سکتے تھے۔ اشیائے خورد و نوش کی بھی بہت قلت تھی اور بعض اوقات مجاہدین درختوں کی پتیاں وغیرہ کھانے پر بھی مجبور ہو جاتے تھے یا نہ چاہتے ہوئے بھی اونٹ ذبح کر دیتے تھے۔ اسی لیئے اس لشکر کو ''جیش عسرت'' (بے سروسامانی کا لشکر) بھی کہا گیا۔

جب لشکر روانہ ہونے لگا تو کچھ افلاس زدہ مسلمان حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے غزوے میں شرکت کی استدعا کی۔ لیکن حضور ﷺ نے انہیں اونٹوں کی قلت کے پیش نظر شامل نہ کیا۔ یہ لوگ روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ بقول ابن ہشام یہ بنو عمرو بن عوف کے سات لوگ تھے۔ چند مسلمان بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر شریک نہ ہو سکے اور انہیں متہم بھی نہ کیا گیا۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر غزوے کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نام بذریعہ قرعہ نکالا کرتے تھے۔ لیکن اس غزوہ میں آپ ﷺ نے کسی زوجہ کو ساتھ نہ لیا۔ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کی غرض سے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے رہیں اور حضور ﷺ کی نیابت کریں (1)۔

آپ ﷺ نے مدینہ پر حضرت محمد بن مسلمہ یا سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر فرمایا۔ حضور ﷺ کا لشکر ثنیۃ الوداع سے رجب ۹ ھ کو تبوک کیلئے روانہ ہوا۔

(۲) سفرِ تبوک:

لشکرِ اسلام نے ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ مقامِ حجر (2) آ گیا۔ یہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو تاکید فرمائی کہ یہاں کا پانی

بالکل نہ پئیں اور نماز کیلئے بھی یہاں کا پانی استعمال نہ کریں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے یہ بھی کہہ دیا کہ جو آٹا بھی اس پانی سے گوندھا گیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے مزید تاکید فرمائی کہ رات کو کوئی شخص اکیلا لشکر سے زیادہ دور نہ جائے۔ اگر کسی کو مجبوراً باہر جانا بھی پڑے تو وہ اپنے ساتھ کسی دوسرے آدمی کو رکھے۔ حضور ﷺ کے اس حکم کی بنو ساعدہ کے دو آدمیوں کے علاوہ سب نے تعمیل کی۔ پہلا آدمی رفعِ حاجت کیلئے اکیلا ہی کافی دور نکل گیا۔ اسے راستے میں خناق ہو گیا۔ دوسرا آدمی اپنے اونٹ کی تلاش میں لشکر سے دور چلا گیا۔ اسے تیز ہواؤں نے اٹھا کر طے کی پہاڑیوں میں پھینک دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا کہ اپنے ساتھ کوئی آدمی لیئے بغیر کوئی باہر نہ نکلے؟'' پھر رسول اللہ ﷺ نے خناق میں مبتلا شخص کیلئے دعا فرمائی اور وہ تندرست ہو گیا۔ جو آدمی طے کی پہاڑیوں میں جا گرا تھا اسے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی کے بعد طے کے قبائل لے کر حاضر ہوئے تھے۔

قیامِ حجر کی روایت کو زہری نے یوں بیان کیا ہے۔ ''جب رسول اللہ ﷺ مقامِ حجر سے گزرے تو آپ ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک کپڑے سے ڈھانپ لیا اور اپنی اونٹنی کو تیز کر دیا۔ پھر فرمایا: ''ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں جنہوں نے ظلم کیئے، داخل نہ ہونا، مگر یہ کہ تم روتے ہوئے داخل ہو، اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ جو مصیبت ان ظالموں پر آئی کہیں وہ تم پر بھی نہ آ جائے۔'' جب صبح ہوئی تو پانی عنقا تھا۔ لوگوں نے اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ کچھ دیر بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ بالکل بے موسمی بارش تھی۔ لوگ سیراب ہو گئے اور پانی بھی ذخیرہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہوئے تو ایک شخص پیچھے رہ گیا۔ صحابہ نے حضور ﷺ کو بتایا کہ ایک شخص پیچھے رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو! اگر اس میں کوئی

خیر ہے تو وہ تم سے آ ملے گا اور اگر اس میں کوئی شر ہے تو اللہ نے تمہیں اس سے نجات دے دی!'' یہ پیچھے رہ جانے والے حضرت ابوذر غفاری تھے۔ انکا اونٹ اڑنے لگا تھا۔ انہوں نے کچھ دیر تو اونٹ کو چلانے کی کوشش کی، پھر اپنا سامان اٹھا کر اپنی پشت پر رکھا اور پیدل ہی لشکر کے پیچھے چلنے لگے۔ اگلی منزل پر لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے ایک شخص کو تنہا آتے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' دیکھو! کہیں ابوذر نہ ہو!'' صحابہ نے غور سے دیکھا تو ابوذر کو پہچان لیا اور رسول اللہ ﷺ سے کہا'' یہ واقعی ابوذر ہی ہیں!'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ ابوذر کے حال پر رحم کرے! یہ شخص تنہا چلے گا، تنہا مرے گا اور حشر کے روز بھی تنہا ہی اُٹھایا جائے گا!'' (3)

دوران سفر ایک رات کچھ صحابہ نے لشکر کے کنارے پر روشنی دیکھی۔ یہ مجتسس ہو کر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کچھ رفقاء کے ساتھ ایک میت کے پاس تشریف فرما ہیں۔ یہ میت حضرت عبداللہ ذوالبجادین کی تھی۔ عبداللہ مدینہ کے مضافات میں رہتے تھے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ لیکن ان کا ظالم چچا انہیں اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کرتا اور ان پر بہت تشدد کرتا تھا۔ ایک دن عبداللہ گھر سے بھاگ گئے۔ اس وقت انکے تن پر صرف ایک چادر تھی۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے پہنچے تو انہوں نے چادر کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو تہمبند کی طرح باندھ لیا اور دوسرے کو جسم پر اوڑھ لیا۔ '' بجاد'' موٹی اور کھردری چادر کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں '' ذوالبجادین'' یعنی دو چادروں والا کہا جانے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اصحاب صفہ میں شامل کر لیا تھا۔ غزوہ تبوک میں یہ بھی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا '' عبداللہ! اگر تم تبوک نہ بھی پہنچ سکو اور راستے میں ہی فوت ہو جاؤ، تب بھی شہید کہلاؤ گے!'' خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہیں راستے میں سخت بخار ہو گیا اور یہ وفات

Marfat.com

پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھیوں نے ان کی قبر کھودی۔ حضور ﷺ قبر میں اترے اور کچھ دیر کے لیئے قبر میں لیٹے۔ پھر آپ ﷺ نے میت کو خود اٹھایا اور بڑی محبت اور آہستگی کے ساتھ قبر میں اتارا۔ پھر آپ ﷺ نے عبداللہ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ عبداللہ کی اس عزت افزائی پر اکابر صحابہ نے بے اختیار کہا:

یٰلَیتَنِی کُنتُ صَاحِبَ الحُفرَۃَ ''کاش اس قبر میں میں ہوتا۔''

ابو خثیمہؓ گرمی کی شدت کی وجہ سے لشکر کے ساتھ نہ آئے تھے۔ جب مسلمان روانہ ہو چکے تو یہ اپنے باغ میں گئے جہاں ان کی دو خوبصورت بیویوں نے سائبان لگا رکھا تھا اور چھڑکاؤ وغیرہ کر کے کھانے پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ جب وہاں پہنچے تو اچانک ان کے دل میں خیال آیا کہ نبی ﷺ تو دھوپ اور سفر کی سختیاں برداشت کر رہے ہیں اور میں یہاں عیش کر رہا ہوں۔ اسی وقت انہوں نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ وہ زادِ راہ تیار کریں۔ پھر انہوں نے کجاوہ کسا اور روانہ ہو گئے۔ جب یہ لشکرِ اسلام سے جا کر ملے تو حضور ﷺ تبوک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو سارا قصہ بیان کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔ اپنی اس کیفیت کو انہوں نے مندرجہ ذیل شعر میں بیان کیا:

تَرَکتُ خِضیاَ فِی العَرِیشِ وَ صِرمَۃً صَفَایَا کِرَاماً بُسرُ ھَا قَد تَحَمَّما

''میں نے عریش میں خوبصورت بیوی کو چھوڑا اور کھجوروں سے لدے ہوئے بہترین درخت چھوڑے جن کے پھل پک کر سیاہ ہو چکے تھے۔''

(۳) تبوک میں:

تبوک مدینے سے ڈیڑھ سو میل دور ایک مقام ہے اور مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے نماز کے بعد ایک مختصر اور جامع خطبہ ارشاد

Marfat.com

فرمایا (4)۔ اسلامی لشکر کی آمد سے ان اطراف کے قبائل ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے۔ رومی افواج ہمیشہ سے صحرا میں جنگ کرنے سے خائف تھی۔ انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیئے زیادہ تر انحصار عرب قبائل پر کیا ہوا تھا۔ جب یہ قبائل ہی مسلمانوں کی آہٹ سے تتر بتر ہو گئے تو انہیں بھی مسلمانوں کے مقابل آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ابھی مُوتہ کے معرکے کو پورا سال نہیں گزرا تھا۔ تین ہزار کی مختصر فوج نے انہیں جو چرکے لگائے تھے انہیں ابھی وہ نہیں بھولے تھے۔ اور اب تو تیس ہزار کی سپاہ اپنے سالارِ اعظم ﷺ کے زیر کمان یہاں پہنچی تھی۔ الغرض شام کی سرحد پر نبی ﷺ نے بیس روز تک رومی افواج کا انتظار کیا لیکن ان کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ حضور ﷺ کی اس مہم کے نہ صرف اندرونِ عرب بلکہ بیرونی قوتوں پر بھی بڑے دوررس نتائج مرتب ہوئے۔

ایلہ کے بادشاہ یحنہ بن رویہ کو حضور ﷺ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے صلح کا معاہدہ کیا اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ حضور ﷺ نے ایلہ کے حاکم سے صلح کا معاہدہ تحریری طور پر کیا تھا اور معاہدے کی نشانی کے طور پر اسے اپنی یمنی چادر عطا کی تھی۔ جربا اور ازرح کے حکمرانوں نے بھی جزیہ دینا قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو بیس سواروں کا دستہ دے کر اکیدر کی طرف روانہ کیا۔ اکیدر دُومتہ الجندل کا حاکم تھا۔ خالدؓ نے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ اس نے بھی معافی مانگ لی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اکیدر (5) نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے نذر کیئے۔ ان حکمرانوں کی دیکھا دیکھی متعدد قبائل نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اسطرح تقریباً وہ تمام قبائل اور گروہ جنہیں رومی سلطنت اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتی آئی تھی، اب رسول اللہ ﷺ کے تابعِ فرمان بن گئے۔ عرب کا شمالی سرحدی علاقہ جو عرصے سے شورشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، اب سلطنتِ

Marfat.com

اسلامیہ کا حصہ بن گیا اور اسلامی ریاست کی سرحد براہ راست بازنطینی سلطنت کی سرحد سے ملنے لگی۔

(۴) واپسی کا سفر:

آپ ﷺ نے بیس دن تک رومیوں کا انتظار کیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے اردگرد کے قبائل سے صلح کے معاہدے کیئے۔ پھر آپ ﷺ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ راستے میں ایک چشمہ پڑتا تھا۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جو لوگ پہلے وہاں پہنچ جائیں، وہ اس کا پانی نہ پئیں اور آپ ﷺ کے آنے کا انتظار کریں۔ یہ چشمہ وادی مشقق میں تھا اور اس کا پانی اتنا کم نکلتا تھا کہ ایک وقت میں محض چند افراد ہی سیراب ہو سکتے تھے۔ کچھ منافقین رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہی چشمے پر پہنچ گئے اور اس کا جتنا پانی تھا پی گئے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو پانی ختم ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کے استفسار پر صحابہ نے بتایا کہ فلاں فلاں لوگ پانی پی گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی۔ پھر آپ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور اس پتھر پر اپنا دست مبارک رکھا جہاں سے پانی قطرہ قطرہ نکل رہا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پانی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بہنے لگا۔ آپ ﷺ نے چلو میں پانی بھر کے چٹان پر چھڑک دیا اور دعا فرمائی۔ چند لمحوں بعد بادل کی گرج جیسی آواز سنائی دی اور چشمے سے پانی تیزی کے ساتھ ابلنے لگا۔ لوگوں نے جی بھر کر پانی پیا اور سفر کیلئے محفوظ کر لیا (6)۔

واپسی سفر میں ایک گھاٹی سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ تھوڑی دیر کیلئے اپنے لشکر سے الگ ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ صرف دو اصحاب تھے۔ ایک حضرت عمارؓ جو ناقہ کی مہار تھامے آگے چل رہے تھے اور دوسرے حضرت حذیفہؓ جو اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ آپ ﷺ کا لشکر دوسری وادی کے نشیبی حصے سے گزر رہا تھا۔ اس موقع پر بارہ منافقین نے

Marfat.com

کوشش کی کہ آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے ۔ یہ چہروں کو چھپائے ہوئے عقب سے آپ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ نے انکے قدموں کی آواز سن لی اور حضرت حذیفہؓ کو ان کی طرف بھیجا۔ حضرت حذیفہ نے اپنی ڈھال سے انکے چہروں پر ضربات لگانا شروع کر دیں۔ پھر یہ لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ رسول اللہ ﷺ نے حذیفہؓ کو انکے نام بتائے (7)۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وھموا بما لم ینالوا (توبہ ۷۴)

جب مدینہ تھوڑی دور رہ گیا تو آپ ﷺ نے مقام "ذی اوان" میں پڑاؤ ڈالا۔ یہیں خذام بن خالد اور اسکے ساتھیوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔ حضور ﷺ جب تبوک جا رہے تھے تو اس نے آ کر آپ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ﷺ اس مسجد میں نماز پڑھائیں جو بقول انکے انہوں نے سردی کی راتوں سے بچنے اور معذوروں کیلئے بنائی تھی۔ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا کہ ابھی جلدی میں ہوں، واپسی پر نماز پڑھاؤنگا۔

مسجد ضرار مسجد قبا سے تھوڑے فاصلے پر ہی مشرقی سمت میں بنائی گئی تھی۔ بظاہر مسجد قبا کے ہوتے ہوئے اس مسجد کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن منافقین نے یہ جواز پیش کیا کہ یہ مسجد محتاجوں، ضعیفوں اور سردی کی راتوں کے لیئے بنائی گئی ہے۔ لہذا کسی کو اس پر اعتراض نہ ہوا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ اسکی تعمیر کے پس پردہ کون سے مذموم محرکات کارفرما ہیں۔ دراصل جب آپ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو منافقین کو یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان رومیوں سے ٹکرا کر فنا ہو جائیں گے۔ انہوں نے سوچا کہ رومی جب عرب کے اندر آئیں گے تو مسجد ضرار انکے لیئے مرکز کا کام دے گی۔ اسی لیئے بقول حافظ ابن کثیر یہ بظاہر مسجد تھی لیکن بباطن دارالحرب تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ وہ جا کر اس مسجد

Marfat.com

کو نذر آتش کر دیں۔ چنانچہ یہ اصحاب گئے اور انہوں نے مسجد ضرار کو جلا دیا (8)۔

(۵) مخلّفین کا معاملہ:

یہ غزوہ مسلمانوں کیلئے سخت آزمائش تھا۔ جو لوگ بغیر کسی جائز عذر کے اس میں شریک نہ ہوئے، منافق قرار دیئے گئے۔ مدینہ واپسی کے بعد مسلمان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے پاس اپنے تخلّف کا کوئی معقول عذر نہ تھا، تاہم یہ سچے مسلمان تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیّہ تھے۔ انہوں نے حیلے بہانے بنانے کی بجائے صاف صاف یہ اعتراف کر لیا کہ وہ اپنی سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے حکم دے دیا کہ ان سے بات چیت بند کر دی جائے۔ چنانچہ ان کا مقاطعہ کر دیا گیا۔ ان کی زندگیاں انتہائی تلخ ہو گئیں۔ چالیس روز گزرنے کے بعد حکم ہوا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں۔ اس عذاب کی حالت میں انہیں پچاس روز گزر گئے۔ پھر اللہ کی طرف سے انہیں معافی مل گئی (جس کا ذکر سورۂ توبہ: ۱۱۸ میں ہے۔) (9)

(٦) یومِ تبوک پر ایک نظر:

(۱) غزوۂ تبوک رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔ آپ ﷺ نے کل پچاس روز اس میں بسر کیئے۔ بیس روز آپ ﷺ نے تبوک میں قیام فرمایا اور پندرہ پندرہ دن آنے جانے میں لگے۔ اس غزوے کے بارے میں قرآن حکیم کی متعدد آیات نازل ہوئیں، کچھ پہلے اور کچھ بعد میں۔ (ملاحظہ فرمایئے سورۂ توبہ!)

(۲) تبوک کی مہم ایک نہایت کٹھن، صبر آزما اور خطرناک مہم تھی۔ اس سال گرمی نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔ پھل پک کر تیار ہو چکے تھے۔ ایسے میں گھروں سے دور جانے کا فیصلہ نہایت صبر آزما تھا۔ قحط کے دنوں میں صدقہ و خیرات کی اپیل پر لبیک کہنا

بڑے دل گردے کا کام تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دور دراز کا بے سروسامانی کے عالم میں یہ صعوبت سفر اور وہ بھی دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت سے ٹکرانے کے لیئے! ان سب عوامل نے مل کر مومنین اور منافقین کی پہچان کرادی۔ چنانچہ غزوے کے بعد مسلمانوں نے منافقوں کے ساتھ سخت رویہ اپنایا اور انکی ریشہ دوانیوں سے مصلحتاً درگزر کرنے کی روش ترک کردی یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کا جنازہ نہ پڑھایں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی اولاد کی دلدہی کیلئے اسکی نماز جنازہ پڑھا دی۔ لیکن بعدازاں قرآن حکیم میں حضرت عمرؓ کے موقف کی تائید کردی گئی اور منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کردیا گیا۔

(۳) جنگ موتہ اور فتح مکہ کے بعد عرب اور بالخصوص مدینہ میں رومی حملے کی افواہیں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں۔ عرب قبائل رومیوں کی متوقع یلغار سے بہت خوفزدہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے مدینے میں بیٹھ کر رومیوں کا انتظار کرنے کے، انکی سرحد پر جاکر مقابلہ کرنے کا جو تاریخی فیصلہ کیا، اس سے عرب قبائل پر نہایت خوشگوار اور مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ متفرق اور متنوع عرب قبائل میں بیرونی جارحیت کے خلاف یکجہتی کا احساس پیدا ہوا۔ شمالی سرحد پر جو عرب قبائل مدتوں سے رومیوں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے، وہ بھی عرب اتحاد میں شریک ہوگئے۔ اب پورے عرب میں ایک ہی طاقت تھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی طاقت۔

(۴) رومیوں نے جس زوروشور سے جنگ کی تیاریاں شروع کی تھیں اور پھر جسطرح مقابلے سے گریز کیا تھا، اس سے انکی عالمی ساکھ کو سخت دھچکا لگا۔ غسانی قبائل ان سے بددل ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرنگین آ گئے۔ نئے دین میں داخل ہونے کیلئے وفود کی آمد کا سلسلہ تو فتح مکہ کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا، لیکن غزوۂ تبوک کے بعد تو وفود کا تانتا بندھ گیا۔

Marfat.com

اردگرد کی ریاستوں پر بھی مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

(۵) غزوۂ تبوک سے واپسی پر بعض لوگ مایوس تھے کہ انکی تلواریں نیاموں میں ہی بند رہ گئیں اور وہ مال غنیمت سے محروم رہ گئے۔ لیکن جب حضرت خالدؓ بن ولید وہ مال و غنائم لے کر مدینے پہنچے جو مسلمانوں کو شمالی قبائل سے معاہدات کے تحت حاصل ہوئے تھے تو انکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ایسے لوگوں کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ یہ غزوہ اپنے دامن میں اہل عرب کیلئے کتنے فیوض و برکات لایا ہے۔

O

Marfat.com

بتیسواں باب

قبولِ اسلام کی ملک گیر لہر

ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ پورے عرب میں اہل قریش سیاسی، مذہبی اور سماجی طور پر مقتدر حیثیت رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد انکی یہ مقتدر حیثیت رسول اللہ ﷺ کو منتقل ہوگئی۔ اب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس جزیرۃ العرب کا مرکز بن چکی تھی۔ ایسے میں سیاسی و سماجی سطح پر دو متخالف قوتوں نے زبردست تحرک وتموج پیدا کیا۔ مختلف قبائل عرب کی ہمہ گیر لہر مرکز مائل قوت (Centripetal Force) کی حیثیت سے حضور ﷺ کی طرف کھینچنے لگی۔ اسکے ساتھ ساتھ غیر مسلم اور مشرک قبائل مرکز گریز قوت (Centrifugal Force) کی حیثیت سے خود ہی عرب سے نکل گئے یا نکال دیئے گئے (1)۔

یوں تو ہجرت کے بعد سے ہی مختلف قبائل اسلام قبول کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، لیکن ہجرت کے نویں اور دسویں سال تو اطراف عرب سے قبول اسلام کے لیئے آنے والے وفود کا تانتا بندھ گیا۔ ان وفود کی صحیح تعداد اور کیفیات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ سیرتِ شامی میں ان کی تعداد ایک سو چار تک پہنچ گئی ہے۔ ابن سعد ستر کی تعداد بتاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ چونتیس وفود کا ذکر کرتے ہیں۔ ''اصح السیر'' میں انتیس یا تیس کا ذکر ملتا ہے۔ سلمان منصور پوری نے چھبیس وفود کے حالات درج کئے ہیں (2)۔ اس میں شک نہیں کہ ان وفود کی تعداد اور کیفیات کے تذکرے میں بعض جگہوں پر مبالغہ آرائی بھی ہوئی ہے، تاہم ملک عرب کی وسعت اور اس میں آباد مختلف قبائل وبطون

Marfat.com

کی کثرت کے پیشِ نظر ایک سو چار کی تعداد بھی کم معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے لیئے یہ سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ عربوں کی بڑی بڑی آبادیاں اور قبائل بھاری تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے۔ قرآن حکیم کے بقول لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو رہے تھے۔ اب اسلام عرب کا سرکاری دین بن چکا تھا۔

اگر چہ یہ چنداں ضروری نہیں کہ یہاں تمام وفود کا تفصیلی ذکر کیا جائے، تاہم ذیل میں ہم کچھ اہم وفود کا مختصراً ذکر کرتے ہیں تا کہ اسلام کی توسیع اور فروغ کا اندازہ ہو سکے۔ آغاز میں ان وفود کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے جو ہجرت کے بعد سے وقتاً فوقتاً قبولِ اسلام کیلئے آتے رہے۔

(۱) وفد مُزَینہ:

یہ غالباً پہلا وفد تھا جو ۵ھ میں مدینہ حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ یہ وفد چار سو افراد پر مشتمل تھا۔ مُزینہ کا قبیلہ دراصل قبیلہ مضر کی ایک ذیلی شاخ تھا اور اسکا سلسلہ قریش سے جا ملتا تھا۔ یہ قبیلہ مدینہ اور وادی القریٰ کی درمیانی سرزمین پر آباد تھا۔

جب یہ لوگ مدینے آئے تو حضور ﷺ نے انکی ہجرت قبول کر لی، تاہم انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: تم جہاں بھی جا کر رہو، مہاجر رہو گے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں رخصت کرتے ہوئے کھجوریں زادِ راہ کے طور پر دیں۔

(۲) وفد بنو تمیم:

بنو تمیم کا وفد بھی ہجرت کے بعد ہی مدینہ آیا تھا۔ اس وفد میں بنو تمیم کے کئی روساء بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اگر چہ گھروں سے قبولِ اسلام کیلئے نکلے تھے تاہم ان میں عرب

قبائلیوں کا روایتی اکھڑ پن بدستور موجود تھا۔ چنانچہ مسجد نبوی میں پہنچ کر ایک شخص نے اونچی آواز میں پکارا ''محمد (ﷺ) باہر آؤ!'' رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے مفاخرہ کیا۔ بنوتمیم کے نامور خطیبوں نے تقریریں کیں۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی اسکا جواب دیا گیا۔ پھر شعرا کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت حسانؓ بن ثابت نے اپنا کلام پیش کیا۔ بنوتمیم کی سفارت بالآخر قائل ہوگئی کہ مسلمانوں کی خطابت اور شاعری کا معیار ان سے بلند ہے۔ ان سب نے اسلام قبول کرلیا۔

(۳) وفد بنی عبدالقیس:

بنی عبدالقیس بحرین کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس کا ایک شخص بغرض تجارت مدینہ آیا کرتا تھا۔ نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس شخص منقذ بن حیان نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور مسلمان ہوگیا۔ پھر یہ نبی ﷺ کا ایک دعوتی خط لے کر اپنے قبیلے میں گیا۔ منقذ بن حیان کی کوششوں سے ۱۳ یا ۱۴ اشخاص ایمان لے آئے۔ یہ لوگ منقذ اور عبداللہ بن عوف الاشج کے ساتھ مدینہ آئے۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں کی دور اندیشی اور بردباری کی تعریف کی۔

پھر یہ قبیلہ ۹ھ میں مدینے آیا اور مشرف با اسلام ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی تعلیمات اور مختلف اوامر ونواہی سے آگاہ کیا۔ ان کے ساتھ کچھ عیسائی بھی آئے تھے، وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی جب کہ کئی قبائل مرتد ہوگئے تھے، اسلام پر سختی سے قائم رہے۔

(۴) وفد بنوسعد بن بکر:

بنوسعد کے قبیلے کی طرف سے ضمام بن ثعلبہ سفیر بن کر ۵ھ میں مدینہ پہنچا۔

Marfat.com

بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت کی گئی ہے۔ بقول حضرت انسؓ ''ہم لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص اونٹنی پر سوار وہاں پہنچا۔ یہ ضمام بن ثعلبہ تھا۔ اس نے اونٹنی کو باندھا اور پھر لوگوں سے پوچھا'' محمد (ﷺ) کون ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ ہم نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ ضمام نے حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے ابن عبدالمطلب! میں آپ (ﷺ) سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن ذرا سختی سے پوچھوں گا۔ اس پر ناراض نہ ہوں!'' آپ ﷺ نے فرمایا'' جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو!'' اس نے استفسار کیا: '' میں آپ (ﷺ) کے اور آپ (ﷺ) سے پہلے کے لوگوں کے پروردگار کی قسم کھا کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ (ﷺ) تمام دنیا کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ گواہ ہے! ہاں''۔ پھر اس نے کہا'' میں آپ (ﷺ) کو پروردگار کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ (ﷺ) کو دن رات میں پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے؟'' ارشاد ہوا'' اللہ گواہ ہے! ہاں!'' اس نے پھر پوچھا: '' میں آپ (ﷺ) کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ'' کیا اللہ نے سال بھر میں رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا'' اللہ گواہ ہے! ہاں!'' ضمام نے پھر پوچھا: '' میں آپ (ﷺ) کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے حکم دیا ہے کہ مالداروں سے صدقہ و زکوٰۃ لے کر ہم محتاجوں میں تقسیم کر دیں؟'' فرمایا: ''اللہ گواہ ہے، ہاں!''

ضمام اس مکالمے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: '' میں آپ ﷺ کا پیغام لے کر اپنے قبیلے میں جاؤں گا اور اس میں ایک ذرہ کی بھی کمی بیشی نہ کرونگا۔'' اس کے جانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ سچ کہتا ہے کہ اس نے فلاح پائی۔''

ضمامؓ نے اپنے قبیلے کو اسلام کی باتیں بتائیں۔ سارا قبیلہ بت پرستی سے تائب ہو

Marfat.com

کر مسلمان ہو گیا۔

(۵) اشعریین:

اشعریین یمن کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ ابو موسیٰ اشعری کا تعلق اس قبیلہ سے تھا۔ ان تک جب حضور ﷺ کی بعثت اور اسلام کی خبریں پہنچیں تو انکا ایک وفد جو کہ ۵۳ نفوس پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلا۔ یہ لوگ بحری راستے سے آ رہے تھے۔ اتفاق سے بادِ مخالف انکی کشتی کو دھکیل کر حبشہ کے ساحل کی طرف لے گئی۔ ان دنوں حضرت جعفرؓ اور انکے رفقاء حبشہ میں مقیم تھے۔ یہ لوگ ان سے جا کر ملے اور مشرف با اسلام ہو گئے۔ پھر یہ فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ یمن کے لوگ بڑے رقیق القلب اور نرم دل ہوتے ہیں۔

(۶) دوس:

۷ھ میں دوس کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ طفیلؓ دوسی مکی دور میں ہی حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہی کی کوششوں سے قبیلہ دوس میں اسلام کی روشنی پھیل۔ چنانچہ اسی خاندان ہجرت کے مدینہ آ گئے اور مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی مہاجرین میں تھے (3)۔

(۷) قبیلہ طَے:

طے کا قبیلہ بھی بہت مشہور اور طاقتور قبیلہ تھا۔ اسکی دو شاخوں کے سردار زید الخیل اور عدی ابن حاتم طائی تھے۔ زید الخیل ۹ھ میں مدینے آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

Marfat.com

زید الخیل نہایت بہادر اور فیاض تھے۔ شہ سوار ہونے کی وجہ سے انہیں الخیل کہا جاتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ نے اس لقب کو الخیر سے بدل دیا۔

اسی طرح عدی بن حاتم بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ایک دفعہ ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینے آئی تھیں اور یہ خود شام کی طرف فرار ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کی بہن کی بڑی عزت کی تھی اور اسے واپس بھیج دیا تھا۔ پھر بہن نے عدی کو خط لکھا تھا کہ وہ مدینہ حاضر ہو کر دربارِ رسالت سے وابستہ ہو جائے۔ چنانچہ یہ مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

(۸) بنو حرث بن کعب:

۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے نجران کے ایک معزز قبیلے بنو حرث بن کعب کی طرف حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تا کہ وہ انہیں اسلام کی تبلیغ کریں۔ یہ لوگ اسلام کی تعلیمات سے بڑے متاثر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ قیس بن الحصین اور یزید عبدالمدان حضور ﷺ کے پاس مدینے میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے قیس کو ان کا سردار مقرر کیا اور انکے اتحاد اور شجاعت کو سراہا۔

(۹) وفدِ ثقیف:

جب آپ ﷺ نے محاصرۂ طائف کو بغیر کسی منطق انجام تک پہنچائے ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو بعض صحابہ کو بڑی مایوسی ہوئی تھی اور انہوں نے اہل طائف پر بددعا کرنے کی درخواست کی تھی۔ لیکن حضور ﷺ نے انکے لیئے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں سیدھا رستہ دکھائے اور انہیں آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے۔ اللہ نے آپ ﷺ کی یہ دعا قبول فرمائی اور کچھ عرصے بعد ہی اہلِ طائف میں اسلام کی روشنی پھیلنے لگی۔

طائف کے دو بڑے سردار تھے جن میں سے ایک عروہ بن مسعود تھا۔ یہ وہی عروہ تھا جس نے صلح حدیبیہ میں قریش کی نمائندگی کی تھی اور اپنے بیٹے ابو جندلؓ کو پابہ زنجیر قریش کی طرف لوٹ جانے پر مجبور کیا تھا۔ عروہ نہایت زیرک، دور اندیش اور فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ اس کے بارے میں ہی کہا جاتا تھا کہ اگر کلام الٰہی کسی دوسرے شخص پر اترتا تو وہ یقیناً عروہ ہی ہوتا۔ حضور جب طائف سے محاصرہ اٹھا کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے عروہ بن مسعود بھی پہنچ گیا۔ اس نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور پھر طائف لوٹ گیا۔ واپس جاتے ہوئے عروہؓ نے حضور ﷺ سے تبلیغ اسلام کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ کو اہل طائف کی ہٹ دھرمی کا پورا اندازہ تھا۔ آپ ﷺ نے عروہؓ سے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں اہلِ طائف انہیں ہلاک ہی نہ کر دیں۔ لیکن عروہؓ نے اس خطرے کو خارج از امکان قرار دیا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میری قوم مجھ سے ایسے محبت کرتی ہے جیسے والدین اپنی اکلوتی اولاد سے کرتے ہیں۔

عروہؓ نے واپس آتے ہی اپنی قوم میں تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ اس پر قوم نے اپنے سردار کی محبت و عزت کو بالائے طاق رکھا اور انہیں لعن طعن کرنے لگی۔ عروہؓ نے اپنے بالا خانے کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ ثقیف کے لوگوں نے غیظ و غضب میں عروہؓ پر حملہ کر دیا۔ اوس بن مالک نے تیر مارا جس سے عروہؓ شہید ہو گئے۔ لیکن مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے قاتل کا خون معاف کر دیا۔ انہیں ان شہدا کے قریب دفن کر دیا گیا جو محاصرۂ طائف کے دوران کام آئے تھے۔

اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ احمس کا رئیس صخر بن عیلہ اپنے فوجی لے کر طائف آ پہنچا۔ اس کو خبر ملی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ وہ حضور کی مدد کرنے یہاں آیا تھا لیکن آپ ﷺ محاصرہ اٹھا کر جا چکے تھے۔ صخر بن عیلہ نے قسم کھائی

کہ جب تک ثقیف آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول نہیں کرتے، وہ انکا محاصرہ نہیں چھوڑے گا۔ کچھ عرصے کے محاصرے کے بعد اہل طائف نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کر لی۔ صخر نے اس کی اطلاع حضور ﷺ کو مدینہ بھجوائی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مسجدِ نبوی میں جمع کیا اور اُحمس کے لیئے دس مرتبہ دعا فرمائی (4)۔

اب ثقیف کے لوگوں کو عقل آ چکی تھی۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کی حیثیت سے عرب میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چند سفیر بارگاہِ نبوی میں روانہ کیئے۔ جب یہ لوگ مدینے پہنچے تو مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان لوگوں کو حضور ﷺ نے مسلمان ہو جانے کی دعوت دی تو انہوں نے اپنی کچھ شرائط پیش کیں جن میں سود، زنا اور شراب کی اجازت، لات کے معبد کو برقرار رکھنا وغیرہ شامل تھیں (5)۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی۔ البتہ بعض معاملات مثلاً زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ میں شرائط نرم کر دیں۔ آنحضرت ﷺ کا خیال تھا کہ جب یہ لوگ اسلام میں پختہ ہو جائیں گے تو پھر فرائض کی طرح واجبات بھی پورے کرنے لگ جائیں گے (6)۔

ثقیف کی سفارت واپس چلی گئی تو آپ ﷺ نے ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا تا کہ وہ معبد اللات کو منہدم کر آئیں۔ انہوں نے طائف پہنچ کر لات کا معبد ڈھانا شروع کر دیا۔ عورتیں نوحہ کرتی نکل آئیں۔ لیکن شرک کا یہ بڑا مرکز بھی ختم ہو گیا۔

دو سال کے اندر اندر اسلام نے طائف میں جڑیں پکڑ لیں۔ لہذا حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً تمام ثقفی مسلمان ہو چکے تھے۔

Marfat.com

(۱۰) وفد نجران:

نجران کا علاقہ مکہ سے یمن کی جانب سات مرحلوں پر واقع تھا۔ یہاں تقریباً ایک لاکھ عیسائی عرب بستے تھے جو ماہرِ حرب وضرب تھے۔ یہاں انہوں نے حرم کعبہ کے مقابلے میں ایک بہت بڑا گرجا تعمیر کر رکھا تھا اور اسے سرزمینِ عرب پر عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ عیسائیوں کا یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ جو شخص اسکی حدود میں آجاتا محفوظ و مامون ہو جاتا۔ اسکی سالانہ آمدنی دو لاکھ درہم کے قریب تھی (7)۔

رسول اللہ ﷺ نے ۹ھ میں انہیں ایک خط بھیجا جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس خط کے جواب میں نجران کے ساٹھ سرکردہ لوگ اور مذہبی پیشوا مدینہ میں حاضر ہوئے۔ چند روز تک انکے رسول اللہ سے مذاکرات اور سوال جواب ہوتے رہے۔ آپ ﷺ نے قرآن حکیم کے حوالے سے انہیں حضرت مسیح کے بارے میں اپنے موقف سے آگاہ فرمایا اور انکے کئی سوالات کے جواب دیئے۔ تاہم یہ لوگ اسلام نہ لائے۔ بالآخر آپ ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی۔ لیکن اس پر مسیحی مبلغین اور دیگر ارکانِ وفد متذبذب ہو گئے۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد انہوں نے مباہلے سے اعراض کیا تاہم جزیہ دینا قبول کر لیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو دو ہزار جوڑے کپڑے اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام) چاندی دینا قبول کر لیا۔ اسکے بدلے انہیں ذمیوں کے حقوق اور مذہبی آزادی دے دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدے کے سلسلے میں انہیں ایک تحریر دے دی۔

اسکے بعد نجران کے عیسائیوں میں بتدریج اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور کچھ

Marfat.com

عرصے بعد ہی ان کے کافی لوگ مسلمان ہو گئے۔

(۱۱) وفد بنو اسد:

۹ھ میں بنو اسد کے دس افراد وفد کی صورت میں مدینے آئے۔ یہ ایک بہت بڑا عدنانی قبیلہ تھا جس کی متعدد شاخیں تھیں۔ انکے وفد میں حضرمی بن عامر ضرار بن الازد وابصہ بن معبد اور طلحہ بن خویلد جیسے اشخاص بھی شامل تھے۔

حضرمی نے مدینہ پہنچ کر یہ احسان جتلایا کہ یہ لوگ اندھیری راتوں اور قحط کے زمانے میں سفر کی صعوبتیں سہہ کر قبول اسلام کے لیے آئے ہیں حالانکہ ان پر لشکر کشی نہیں کی گئی۔ سورہ حجرات میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ پیغمبر ﷺ پر احسان دھرتے ہیں کہ اسلام لے آئے حالانکہ ان پر خدا کا احسان ہے کہ اس نے انہیں ایمان کی راہ دکھائی۔

(۱۲) وفد بنو فزارہ:

بنو فزارہ کا وفد ۹ھ میں تبوک سے واپسی پر مدینہ آیا۔ اس میں دس سے کچھ زائد افراد تھے اور سب مسلمان ہو چکے تھے۔ عُیَینہ بن حصن اسی قبیلے سے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ خشک سالی اور قحط سے نجات کیلئے بارش کی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اس نو مسلم قبیلے کے حق میں دعا فرمائی۔

(۱۳) وفد بنی کندہ:

کندۃ الملوک کا علاقہ حضرموت (یمن) میں تھا۔ اس زمانے میں اشعث بن قیس انکا حاکم تھا۔ اس قبیلے کے اسّی افراد گھوڑوں پر سوار حریری چادریں پہنے نہایت شان

Marfat.com

وشوکت سے مدینے آئے۔ یہ لوگ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم اسلام نہیں لائے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اسلام لا چکے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ حریر کی چادریں کیسی ہیں؟ ان لوگوں نے اسی وقت یہ چادریں اتار کر پھینک دیں۔

(۱۴) وفد بنو عامر:

بنو عامر قبیلہ قیس میلان کی ذیلی شاخ تھے۔ عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی ان کے بڑے سردار تھے جن کی قیادت میں ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سرداروں کی نیت میں کھوٹ تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی فتوحات کو محض دنیاوی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے کوشش کی انہیں بھی امور مملکت میں شامل کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے مشروط تعاون کی پیش کش کی۔ ان کا ارادہ تھا کہ دورانِ گفتگو موقعہ پا کر حضور ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن ان پر رسول اللہ ﷺ کی اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ یہ یہاں سے ناکام واپس لوٹ گئے۔ رسول ﷺ ان کے دل کے کھوٹ سے آگاہ ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ سے ان کے شر سے بچنے کی دعا کی۔ کچھ ہی عرصے بعد عامر طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا اور اربد بن قیس پر آسمانی بجلی گری اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔

(۱۵) وفد عذرہ:

۹ھ میں اس قبیلے کے نو افراد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ عذرہ کی اولاد ہیں جس کا سلسلہ ماں کے توسط سے قصی سے ملتا تھا۔ حضور ﷺ نے انکا استقبال کیا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے

Marfat.com

انہیں زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔

(۱۶) وفدِ بلیِ:

قبیلہ بلی سیاسی طور پر ایک اہم قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ۹ھ میں مدینے آئے اور اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص رُویفع بن ثابت بلوی کے ہاں مقیم ہوئے۔ انہیں بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ کی دعوت پر یہ اسلام لے آئے اور تین دن تک مدینہ میں رہے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں کھجوریں زادِ راہ کے طور پر عطا کیں اور نہایت محبت و شفقت کے ساتھ رخصت کیا۔

(۱۷) وفدِ ازدُ:

ازد کا قبیلہ یمن میں آباد تھا۔ ان کا ایک وفد صرد بن عبداللہ ازدی کی قیادت میں مدینہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے صرد بن عبداللہ کو رئیسِ قبیلہ نامزد کیا۔

(۱۸) وفدِ جرش:

جرش یمن کا ایک شہر تھا جس میں ایسے لوگ آباد تھے جو نہایت سرکش اور تند خو تھے۔ صرد بن عبداللہ نے ان کے شہر کا محاصرہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد انہیں شکست دے دی۔ اسکے بعد جرش والوں کا ایک وفد مدینہ حاضر ہوا اور مشرف با اسلام ہو گیا۔

(۱۹) وفد ہمدان:

مالک بن نمط کی سربراہی میں ہمدان کا ایک وفد جو کہ سو سے زائد افراد پر مشتمل تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مالک بن نمط نے اپنے قبیلے کی طرف سے یہ درخواست کی کہ انہیں مسلمانوں کی برادری میں شامل کر لیا جائے۔ حضور ﷺ نے ان کا

اسلام منظور فرمایا اور مالک بن نمط کو ہی قبیلے کی سرداری پر فائز رکھا۔ حضرت علیؓ اس وفد کے ساتھ ہمدان گئے اور وہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ وہاں کے سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کو اس کامیابی پر ایک خط لکھا۔ حضور ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور فرمایا السلام علیٰ ہمدان!

(۲۰) فَرْوَۃ الجذامی کا قاصد:

فروۃ کو رومی حکومت نے معان کا حاکم مقرر کر رکھا تھا۔ معان میں شام اور عرب دونوں کے علاقے شامل تھے۔ فروۃ اسلام کی سچائی کے قائل ہو چکے تھے لہذا انہوں نے اپنے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے معان سے ایک قاصد روانہ کیا جس کے ہاتھ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے قبول اسلام کی اطلاع بھیجی۔ انہوں نے ایک قیمتی سفید خچر بھی بطور ہدیہ بھیجا۔ رومی حکومت کو جب ان کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

(۲۱) وفد تجیب:

یمن کے قبیلہ کندہ کا ہی ایک ذیلی وفد جو کہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا، مدینہ حاضر ہوا۔ یہ سب لوگ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور مزید راہنمائی اور ہدایت کے لیئے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ اپنے ساتھ اموال، زکوٰۃ اور مویشی وغیرہ بھی لائے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ سب کچھ واپس لے جاؤ اور وہاں کے مستحق افراد میں تقسیم کر دو۔ انہوں نے کہا ہم مقامی مستحقین کو دے دلا کر یہ اموال آپ ﷺ کی نذر کر رہے ہیں!

ان لوگوں نے حضور ﷺ سے ضروری استفسارات کیئے اور معلومات و ہدایات کو

Marfat.com

تحریری صورت میں محفوظ کر لیا۔ واپسی پر حضور ﷺ نے انہیں کھجوریں بطور زادِراہ عطا کیں۔

(۲۲) وفد بنی سعد ہذیم:۔

قضاعہ کے قبیلہ بنو سعد ہذیم کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان میں سے بعض نے صدقِ دل سے اسلام قبول کرلیا،لیکن کچھ نے بعض سیاسی مصلحتوں کے تحت صرف اطاعت قبول کی۔واپسی پر آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے انہیں زادِراہ کے طور پر کچھ چاندی دی۔اس وفد کی کوششوں سے پورا قبیلہ ایمان لے آیا۔

(۲۳) وفدِ بہرا:

بہرا بھی یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ان کے تیرہ آدمی مدینے میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں اسلام کی تعلیمات اور حقوق وفرائض سے آگاہ کیا۔کچھ دن قیام کرنے کے بعد یہ لوگ واپس چلے تو حضور ﷺ نے حسبِ معمول انہیں بھی زادِراہ عطا کیا۔

(۲۴) وفدِ ذی مرّہ:

اس قبیلے کے تیرہ افراد حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔انہوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ لوئی بن غالب کی اولاد ہونے کے ناتے ان کا حضور ﷺ سے نسبی تعلق ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے سردار حارث بن عوف سے ان کے علاقے کے حالات پوچھے تو اس نے بتایا کہ خشک سالی اور قحط سے لوگ وہاں بھوکوں مر رہے ہیں۔حضور ﷺ ان کیلئے بارش کی دعا فرمائی۔یہ لوگ جب اپنے علاقے میں واپس پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ عین اسی روز

Marfat.com

وہاں موسلا دھار بارش ہوئی تھی جس روز حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ حضور ﷺ نے انہیں بھی زادِ راہ دے کر روانہ فرمایا تھا۔

(۲۵) وفدِ خولان:

خولان کے دس آدمی حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ لوگ 'عم انس' نامی بت کے پجاری تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنے قبیلے میں اسلام کی روشنی پھیلائی اور بت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ جب یہ مدینے سے روانہ ہوئے تو انہیں بھی زادِ راہ عطا ہوا تھا۔

(۲۶) وفدِ محارب:

یہ عرب کا ایک نہایت اکھڑ اور بداطوار قبیلہ تھا۔ مکی دور میں جب آپ ﷺ مختلف قبائل میں جا کر اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے تو ایک دفعہ اس قبیلہ میں بھی گئے تھے۔ لیکن اس قبیلے کے لوگ نہایت بے ادبی اور بدتمیزی سے پیش آئے تھے۔ اب انکا دس افراد کا ایک وفد قبولِ اسلام کیلئے حاضر ہوا۔ دورانِ گفتگو آپ ﷺ نے ایک شخص کو غور سے دیکھا تو وہ گھبرا گیا اور خود ہی کہنے لگا ''حضور ﷺ شاید میرے بارے میں کچھ خیال فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ مجھ سے ایک بار عکاظ میں ملے تھے اور میں نے آپ ﷺ سے بڑی گھٹیا گفتگو کی تھی اور آپ ﷺ کے پیغام کو نہایت بھونڈے طریقے سے ردّ کر دیا تھا۔ یارسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی مجھ سے زیادہ آپ ﷺ کا اور اسلام کا دشمن نہ تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایمان و اطاعت کی توفیق دی۔'' پھر اس نے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور دعائے مغفرت کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور فرمایا اسلام لانے کے بعد ان کے گزشتہ گناہ مٹا دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

(۲۷) وفد غسّان:

غسّانیوں کا قبیلہ اگر چہ عرب سے ہی تعلق رکھتا تھا تاہم رومیوں کے زیرِ نگین رہنے کی وجہ سے یہ اپنی اصل بھلا بیٹھے تھے اور ان پر عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ ان کے تین افراد مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ تاہم انہوں نے بتایا کہ غسانیوں کا اسلام کی طرف راغب ہونا مشکل ہے۔ جاتے ہوئے حضور ﷺ نے انہیں بھی زادِ راہ عطا کیا۔ ان لوگوں نے غسّانیوں میں جا کر اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ ان میں سے دو فوت ہو گئے اور تیسرے جنگ یرموک میں مسلمانوں کے پاس آ گئے۔

(۲۸) وفدِ سلامان:

یہ سات نفوس پر مشتمل وفد تھا جو حبیب بن عمر کی معیت میں مدینے آیا۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ سے اسلام کے بارے مین تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے قحط اور خشک سالی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے ان کے لیئے بھی دعا فرمائی اور ان کے علاقے بارش سے جل تھل ہو گئے۔

(۲۹) وفدِ بنی عیس:

۱۰ھ میں بنی عیس کا وفد یمن سے مدینہ پہنچا۔ یہ لوگ خاص طور پر ہجرت کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے کہ اگر یہ اسلام لانے کے لیئے ضروری ہے تو وہ اپنی املاک واموال فروخت کر کے مدینے آ جائیں۔ حضور ﷺ نے انہیں بتایا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بلاشبہ ہجرت ضروری تھی لیکن اب اسکی ضرورت نہیں رہی اور وہ لوگ جہاں چاہے رہیں اور اسلام کے اصولوں کی پابندی کریں۔ حضور ﷺ نے انہیں بھی زادِ راہ دے کر دعاؤں

Marfat.com

کے ساتھ رخصت کیا۔

(۳۰) وفدِ غامد:

یہ وفد ۱۰ھ میں مدینہ پہنچا۔ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ ابی بن کعب نے انہیں اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ چند دن قیام کے بعد یہ رخصت ہو گئے۔ انہیں بھی زادراہ عطا کیا گیا۔

(۳۱) وفد بنی المُنتفق:

اس قبیلے کے دو افراد نہیک بن عاصم اور لقیط بن عامر نمائندہ حیثیت میں مدینہ آئے۔ ان لوگوں نے نبی ﷺ سے قیامت، جنت، دوزخ اور دیگر مسائل کے بارے سوالات کیے۔ حضور ﷺ نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ پھر انہوں نے براہ راست یہ سوال پوچھا کہ آپ ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ اس کا جواب حضور ﷺ نے یہ دیا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہیں۔

(۳۲) وفد عبدالقیس ۲:

عبدالقیس قبیلے کا پہلا وفد ۵ھ میں آیا تھا۔ اب ۱۰ھ میں انکا بڑا وفد آیا جس میں دس نفوس شامل تھے۔

(۳۳) وفد بنی زُبَید:

بنی زبید کا سردار عمرو بن معدی یکرب مدینے آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسکی وجہ سے اسکے قبیلے والے بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن حضور ﷺ کے وصال کے بعد یہ مرتد ہو گیا۔

Marfat.com

(۳۴) شاہانِ یمن کے سفیر:

جب نبی ﷺ تبوک سے واپس آئے تو شاہانِ حمیرؔ یعنی حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور رعین، مغافر اور ہمدان کے حاکم نعمان بن قیل کا خط لے کر مالک بن مرہ رہادی مدینے آیا۔ ان بادشاہوں نے خط میں حضور ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی تھی۔ آپ ﷺ نے واپسی خط میں انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ مزید برآں آپ ﷺ نے معاذ بن جبل کی سربراہی میں صحابہ کی ایک جماعت بھی یمن کی طرف روانہ فرمائی۔

(۳۵) وفد بنو حنیفہ:

۹ھ میں سترہ افراد پر مشتمل ایک وفد مدینہ آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا (8)۔ یہ لوگ مدینے میں ایک انصاری صحابی کے مکان میں ٹھہرے تھے۔ پھر یہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ تاہم مسیلمہ کذاب کے پر رعونت رویے سے نبی ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ اس شخص کے اندر شر ہے۔ مسیلمہ کذاب چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اپنے بعد زمام حکومت اس کے سپرد کر دیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجور کی شاخ اسے دکھلا کر کہا کہ تجھے یہ بھی نہیں مل سکتی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے اسکے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا۔

مسیلمہ یمامہ لوٹ گیا اور وہاں اس نے مشہور کر دیا کہ نبی ﷺ نے اسے نبوت میں حصہ دار بنا لیا ہے۔ اس نے اپنے علاقے میں زنا شراب اور جوئے کو حلال کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ ﷺ کی رسالت کا پرچار بھی کرتا رہا۔ اس نے سچ جھوٹ کو ملا کر وہاں کے لوگوں کو خوب گمراہ کیا۔ اسے حضرت ابو بکرؓ صدیق کے دور میں سزا دی گئی۔ اسے

Marfat.com

حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے پکڑ کر قتل کر دیا۔

(۳۶) وفدِ نخع:

قبیلہ نخع کا تعلق بھی یمن سے تھا۔ یہ آخری وفد ۱۱ھ میں مدینے آیا۔ یہ دو سو نفوس پر مشتمل تھا۔ یہ حضرت معاذؓ بن جبل کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے ہی وہاں سے چلے تھے۔ اس وفد کو دار الضیافہ میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ان میں ایک شخص زرارہ بن عمرو تھا۔ اس نے اپنے کچھ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیئے اور انکی تعبیر پوچھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکے خوابوں کی تعبیریں اسے بتائیں۔ زرارہ نے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے کہا "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب میں ایک بڑھیا کو دیکھا ہے جس کے کچھ بال سفید ہیں اور کچھ سیاہ اور وہ زمین سے باہر نکلی ہوئی ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ دنیا ہے جو کسی قدر باقی رہ گئی ہے۔" بقول اصحاب سیر اس وفد کے بعد کوئی اور وفد نہ آیا (9)۔

متذکرہ بالا وفود کے علاوہ کئی اور وفود بھی آئے تھے جن میں کچھ اہم وفود کے نام درج ذیل ہیں۔

بجیلہ، مہرہ، جعفی، ثعلبہ، کلاب، کنانہ، مذحج، اشجع، شیبان، خثعم، صدف، جذام، جرم، سعد العشیرہ، صداء، عنس وغیرہ۔

Marfat.com

Marfat.com

کے ساتھ رخصت کیا۔

(۳۰) وفدِ غامد:

یہ وفد ۱۰ھ میں مدینہ پہنچا۔ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ ابی بن کعب نے انہیں اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ چند دن قیام کے بعد یہ رخصت ہو گئے۔ انہیں بھی زادِ راہ عطا کیا گیا۔

(۳۱) وفد بنی المُنتفق:

اس قبیلے کے دو افراد نہیک بن عاصم اور لقیط بن عامر نمائندہ حیثیت میں مدینہ آئے۔ ان لوگوں نے نبی ﷺ سے قیامت، جنت، دوزخ اور دیگر مسائل کے بارے سوالات کیئے۔ حضور ﷺ نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ پھر انہوں نے براہِ راست یہ سوال پوچھا کہ آپ ﷺ کو علم غیب حاصل ہے۔ اس کا جواب حضور ﷺ نے یہ دیا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہیں۔

(۳۲) وفد عبدالقیس ۲:

عبدالقیس قبیلے کا پہلا وفد ۵ھ میں آیا تھا۔ اب ۱۰ھ میں انکا بڑا وفد آیا جس میں دس نفوس شامل تھے۔

(۳۳) وفد بنی زُبَید:

بنی زبید کا سردار عمرو بن معدی یکرب مدینے آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسکی وجہ سے اسکے قبیلے والے بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن حضور ﷺ کے وصال کے بعد یہ مرتد ہو گیا۔

Marfat.com

(۳۴) شاہانِ یمن کے سفیر:

جب نبی ﷺ تبوک سے واپس آئے تو شاہانِ حمیرؔ یعنی حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور رعین، مغافر اور ہمدان کے حاکم نعمان بن قیل کا خط لے کر مالک بن مرہ رہاوی مدینے آیا۔ ان بادشاہوں نے خط میں حضور ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی تھی۔ آپ ﷺ نے واپسی خط میں انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ مزید برآں آپ ﷺ نے معاذ بن جبل کی سربراہی میں صحابہ کی ایک جماعت بھی یمن کی طرف روانہ فرمائی۔

(۳۵) وفد بنو حنیفہ:

۹ھ میں سترہ افراد پر مشتمل ایک وفد مدینہ آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا (8)۔ یہ لوگ مدینے میں ایک انصاری صحابی کے مکان میں ٹھہرے تھے۔ پھر یہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ تاہم مسیلمہ کذاب کے پر رعونت رویے سے نبی ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ اس شخص کے اندر شر ہے۔ مسیلمہ کذاب چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اپنے بعد زمام حکومت اس کے سپرد کر دیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجور کی شاخ اسے دکھلا کر کہا کہ تجھے یہ بھی نہیں مل سکتی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے اسکے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا۔

مسیلمہ یمامہ لوٹ گیا اور وہاں اس نے مشہور کر دیا کہ نبی ﷺ نے اسے نبوت میں حصہ دار بنا لیا ہے۔ اس نے اپنے علاقے میں زنا شراب اور جوئے کو حلال کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ ﷺ کی رسالت کا پرچار بھی کرتا رہا۔ اس نے سچ جھوٹ کو ملا کر وہاں کے لوگوں کو خوب گمراہ کیا۔ اسے حضرت ابو بکرؓ صدیق کے دور میں سزا دی گئی۔ اسے

Marfat.com

حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے پکڑ کر قتل کر دیا۔

(۳۶) وفدِ نخع :

قبیلۂ نخع کا تعلق بھی یمن سے تھا۔ یہ آخری وفد ۱۱ھ میں مدینے آیا۔ یہ دوسو نفوس پر مشتمل تھا۔ یہ حضرت معاذؓ بن جبل کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے ہی وہاں سے چلے تھے۔ اس وفد کو دارالضیافہ میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ان میں ایک شخص زرارہ بن عمرو تھا۔ اس نے اپنے کچھ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیئے اور انکی تعبیر پوچھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکے خوابوں کی تعبیریں اسے بتائیں۔ زرارہ نے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب میں ایک بڑھیا کو دیکھا ہے جس کے کچھ بال سفید ہیں اور کچھ سیاہ اور وہ زمین سے باہر نکلی ہوئی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ دنیا ہے جو کسی قدر باقی رہ گئی ہے۔'' بقول اصحاب سیر اس وفد کے بعد کوئی اور وفد نہ آیا (9)۔

متذکرہ بالا وفود کے علاوہ کئی اور وفود بھی آئے تھے جن میں کچھ اہم وفود کے نام درج ذیل ہیں۔

بجیلہ، مہرہ، جعفی، ثعلبہ، کلاب، کنانہ، مذحج، اشجع، شیبان، خثعم، صَدف، جذام، جَرم، سعدالعشیرہ، صدا، عنس وغیرہ۔

O

تینتیسواں باب

انقلابِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نظر

نویں اور دسویں ہجری کے دوران عرب کے تقریباً تمام بڑے بڑے قبائل امت اسلامیہ میں شامل ہو گئے تھے۔ رسالت کے مہرِ درخشاں کی ضوفشانی سے پورا جزیرۃ العرب جگمگا اٹھا تھا۔ وہ مخالفین جو اسلام سے مفاہمت نہ کر پائے، یا تو عرب چھوڑ کر چلے گئے یا انکی مختصر سی آبادیوں نے جزیہ ادا کر کے اسلامی مملکت کی اطاعت قبول کر لی۔ اب تمام جزیرۃ العرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھی میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف متحارب و متخاصم قبائل و شعوب کو قبائلی و نسلی جکڑ بندیوں سے آزاد کر کے اُمّتِ مسلمہ کی وحدت میں ضم کر دیا تھا۔ ایک ایسی قوم کو جس میں دنیا بھر کی برائیاں راسخ ہو چکی تھیں، تیئس سالوں کی مختصر سی مدت میں ایک ایسی امت بنا دینا جس پر انسانیت ہمیشہ فخر کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ کارنامہ تھا جسکی کوئی توجیہہ سوائے اسکے ممکن نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص تائیدِ ایزدی حاصل تھی۔

انقلابِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انسان کی انفرادی سطح پر اخلاقی و روحانی قلب ماہیت کی اور اسے یہ درس دیا کہ وہ اپنے مالکِ حقیقی کو پہچانے اور اس سے اپنا رشتۂ عبودیت استوار کرے۔ اسلام کی مخصوص اخلاقی و روحانی بصیرت نے اسے اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا اور اسے بالکل نیا انسان بنا دیا۔ اسکے اندر جہاں روحانی و اخلاقی طور پر بہتر بننے کا جذبہ پیدا کیا وہیں اسکی سیرت و کردار میں نئی راہیں تراشنے، آگے بڑھنے اور تحصیلِ علم کے لیئے تگ و دو کرنے کے رویّوں کو بھی راسخ

کیا۔ انفرادی اصلاح و تربیت کے بعد تمام افراد کو ایک ایسی معاشرتی وحدت میں ضم کر دیا جس کا سرچشمۂ ہدایت نسل، قبیلہ یا زمین سے وابستگی نہ تھی بلکہ توحیدِ الٰہیہ کا خالصۃً روحانی اصول تھا۔

انبیاء علیہم السّلام کا اصل فریضہ رشد و ہدایت تھا۔ سیاسی اقتدار اور حاکمانہ اختیار کارِ نبوت کیلئے اساسی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم گزشتہ امتوں میں ایسے انبیاء بھی گزرے تھے جنہیں حکومت کی شان و شوکت بھی عطا کی گئی تھی۔ جیسے داؤدؑ، سلیمانؑ اور موسیٰؑ اور ایسے انبیاء کا ذکر بھی ملتا ہے جو صرف دعوت و ارشاد کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تھے اور انہیں حکومت کا اقتدار و اختیار نہ ملا تھا، جیسے عیسیٰؑ اور یحییٰؑ۔ چونکہ نبی ﷺ پر سلسلۂ نبوت اختتام پذیر ہو رہا تھا، اس لیئے آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب میں تمام انبیائے سلف کی خصوصیات اکٹھی کر دی گئیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں داؤدؑ و موسیٰؑ کی طرح زمامِ اقتدار و اختیار بھی تھی اور یحییٰؑ و عیسیٰؑ کی طرح آپ ﷺ لوگوں کی اخلاقی و روحانی تربیت بھی کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے منصبِ رسالت میں حکومت و ہدایت، جہانداری اور تزکیہ نفس، فقر و استغناء اور استخلاف فی الارض باہم گھل مل گئے تھے۔ شہنشاہِ عرب ہونے کے باوجود نہ آپ ﷺ نے کوئی محل تعمیر کرایا، نہ خدام کی فوج بھرتی کی اور نہ تخت و تاج کی ضرورت محسوس کی۔ بلکہ جیسے جیسے آپ ﷺ کے اقتدار و اختیار میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے دنیا کی طرف آپ ﷺ کا عدم التفات بھی بڑھتا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا برپا کیا ہوا انقلاب ایک ایسی سماجی تبدیلی نہ تھی جو تاریخ کے ایک مخصوص عہد اور دنیا کے ایک مخصوص خطے سے ہی متعلق تھی۔ آپ ﷺ کو شروع سے ہی اپنے نبی آخر الزماں ہونے اور اسلام کے آفاقی اور عالمگیر مذہب ہونے کا شعور عطا کیا گیا تھا۔ اسلام یک خاص خطۂ زمین اور ایک خاص عہد کے لیئے ہی نہ تھا، بلکہ تمام انسانوں اور

Marfat.com

تمام زمانوں کا مذہب تھا۔ اسی لیئے اس کا ظہور تاریخ کے ایک ایسے دور میں ہوا جب کہ انسانیت آنے والے علمی و سائنسی دور کے استقبال کیلئے نئی کروٹ لے رہی تھی۔ اسی طرح خطۂ عرب جغرافیائی لحاظ سے ایسی عالمگیر تحریک کیلئے موزوں ترین تھا کیونکہ یہ دنیا کے بڑے بڑے براعظموں کے درمیان میں واقع تھا۔ مزید برآں صحرانشینوں کی فطرت ابھی بیرونی ثقافتوں کے اثرات سے محفوظ ایسی لوحِ غیر منقوش تھی جس پر پیغام الٰہی بہترین انداز میں ثبت ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے توسط سے ایسی تمام اقدار اور ایسے تمام اصول و مبادی کو محفوظ و مدوّن کر دیا جو تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لیئے ہدایت و راہنمائی کا سرچشمہ تھے اور زمان و مکان کی حد بندیوں سے ماوراء تھے۔

عربوں کا بین القبائلی اتحاد رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسا سماجی کارنامہ تھا جو تاریخی تجزیہ نگاروں کو آج بھی ایک معجزہ نظر آتا ہے۔ لیکن عرب اتحاد فی نفسہ منزل نہ تھا۔ یہ تو محض وحدتِ بشری کے عظیم مقصد کا ایک ابتدائی مرحلہ تھا۔ عالمی سطح پر پیغام الٰہی کی اشاعت کیلئے یہ ضروری تھا کہ پہلے عرب شعوب و قبائل ایک یک رنگ امت کی صورت میں متحد و منظم ہو جائیں۔ یہ ہدف نبی ﷺ نے تیئس برس کی مختصر مدت میں بطریق احسن پورا کیا۔ اس ضمن میں بلاشبہ آپ ﷺ کے پیغام کی باطنی صداقت نے کلیدی کردار ادا کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور کلامِ الٰہی کی تاثیر و اعجاز کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عرب وہ قوم تھے جس پر صرف زبان حکومت کرتی تھی۔ سرکش سے سرکش عرب کی بھی گردن فصیح و بلیغ اور پر اثر کلام کے آگے جھک جاتی تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کی ذاتی فصاحت و بلاغت اور کلامِ الٰہی کے حکیمانہ اسلوب اور باطنی حسن و اعجاز نے بھی عربوں کے اتحاد و تنظیم میں بڑا موثر کردار ادا کیا۔

انقلاب مصطفوی ﷺ کی تکمیل کے ساتھ ہی جزیرۃ العرب کی طرزِ معیشت میں

Marfat.com

بہت بڑا تغیُّر رونما ہو گیا۔ عرب کی سرحدی پٹی پر جہاں کہ آب و ہوا معتدل تھی اور وسائل حیات کی فراوانی تھی، بڑی بڑی تہذیبیں وجود پذیر ہو چکی تھیں۔ یہاں کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی اور صنعت و حرفت بھی عروج پر تھی۔ مزید برآں تجارتی میلوں اور تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت نے بھی ان علاقوں کو معاشی طور پر بہت مستحکم بنایا ہوا تھا۔ لیکن عام عرب جو صحراؤں اور بنجر علاقوں میں رہتے تھے، ہمیشہ سے غربت و افلاس کا شکار تھے۔ ان کا طریقِ معیشت نلہ بانی، بھیڑوں بکریوں کی پرورش اور لوٹ مار تھا۔ لیکن جب یہ سارے مفلوک الحال اور راہزن قبائل اسلام کے پرچم تلے متحد ہو گئے تو نبی ﷺ نے انکی طرز معیشت میں بنیادی تبدیلی لانے کیلئے متعدد اقدامات کیئے۔ بہت سی جگہیں غیر قوموں کے انخلا سے متروک پڑی تھیں، ان پر قبائل عرب کو آباد کیا۔ جو بے آباد اور افتادہ زمینیں تھیں، انہیں آباد کرنے کیلئے عام ترغیب دی۔ آپ ﷺ نے حکم جاری فرمایا کہ جو شخص جتنی بے آباد زمین گھیر لے وہ اسکی ملکیت ہے اور وہ اسے آباد کرے۔ فرمایا:

من احیا ارضاً میتته فهی له من احاط حائطاً علی ارض فهی له۔

''جس شخص نے افتادہ زمین کو آباد کیا، وہ اسکی ملک ہے اور جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اسکی ملک ہے'' (1) البتہ ایسے مقامات جن کی حیثیت عوامی اور رفاہی تھی (مثلاً چراگاہیں اور چشمے وغیرہ) وہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا دوسرا انقلابی قدم یہ تھا کہ مختلف مدوں سے حاصل ہونے والی رقوم کو مرکزی نظامِ معیشت سے منسلک کر دیا۔ اسلامی ریاست کو پانچ بڑے ذریعوں سے آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ غنیمت، فَے، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج! غنیمت اور فے تو جنگوں کی صورت میں حاصل ہوتے تھے۔ لیکن زکوٰۃ، جزیہ اور خراج سالانہ بنیادوں پر وصول کیئے جاتے تھے۔ زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی۔ جزیہ کی برائے نام رقم غیر مسلموں سے

وصول کی جاتی تھی۔ خراج کاشتکاروں کو انہیں زمین کے مالکانہ حقوق دینے کے عوض وصول کیا جاتا۔ فدک، تیماء، خیبر اور وادی القریٰ کے یہودی کاشتکاروں سے فصلوں اور باغات کی پیداوار کا نصف وصول کیا جاتا تھا۔ جزیہ اور خراج کی آمدنی سے سپاہیوں اور عمال کو تنخواہیں ادا کی جاتیں۔

نبی ﷺ نے وصولیٔ زکوٰۃ و جزیہ کا بڑا سخت نظام وضع کیا تھا۔ لیکن محصلین زکوٰۃ و جزیہ کو اس سے بھی زیادہ سخت ہدایات دی تھیں کہ وہ ٹیکس ادا کرنے والوں پر زیادتی نہ کریں۔ جزیہ و خراج وصول کرنے والوں کو واضح الفاظ میں بتا دیا گیا تھا کہ وہ کونسی اشیاء وصول کر سکتے ہیں اور کونسی نہیں۔ مقررہ حد سے زیادہ وصولی کی قطعاً اجازت نہ تھی (2)۔ اسطرح آپ ﷺ نے استحصال، رشوت اور اقرباء پروری کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ جو وفود آپ ﷺ سے ملنے مدینے آتے، آپ ﷺ انہیں مالی امداد دینے اور زادِ راہ عطا کرنے کا خاص اہتمام فرماتے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے یہ وصیت بھی فرما دی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد بھی آنے والے وفود کو عطیات اور زادِ راہ سے نوازا جائے (3)۔

ان اقدامات کا مقصد یہ تھا کہ بدوی قبائل بتدریج اپنی طرزِ معیشت تبدیل کر دیں اور ریاست کے عمومی معاشی نظام کا حصہ بن جائیں۔ اب چونکہ تمام جزیرۃ العرب کے ذرائعِ پیداوار اور محاصل و مخارج ایک مرکزی نظامِ معیشت کے تحت آ چکے تھے۔ اس لیئے غریب عرب قبائل کو بھی ان میں سے حصہ ملنے لگا۔ صحرانشینوں کو اب خطرہ نہ تھا کہ قحط اور خشک سالی سے وہ بھوکوں مرنے لگیں گے۔ ایک باقاعدہ نظامِ حکومت کی داغ بیل پڑتے ہی ریاست کے ضروری شعبے اور محکمے از خود وجود میں آ گئے۔ (4) عرب عوام کیلئے ملازمتوں اور کاروبار کے بے شمار مواقع پیدا ہو گئے۔ ملک کے اندر ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت ترقی کا عمل شروع ہوا اور صدیوں سے غربت و افلاس کی چکی میں پستے ہوئے عرب عوام

Marfat.com

خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

نبی ﷺ کی مساعی اور کارناموں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کا برپا کیا ہوا انقلاب ایک انتہائی مربوط اور منظم ذہنی و سیاسی انقلاب تھا۔ اس کا ہر مرحلہ منطقی طور پر دوسرے مرحلے سے جڑا ہوا تھا۔ ہر کڑی دوسری کڑی سے منسلک تھی۔ ہمیں اس میں نہ کہیں خلا نظر آتا ہے اور نہ کوئی جھول ملتا ہے۔ یہ بات سیاسیات اور تاریخ کے طالبعلم کے لیئے خاص طور پر دلچسپی اور غور و فکر کا سامان فراہم کرتی ہے کیونکہ دنیا میں جتنے بھی نظریاتی انقلابات آئے ہیں ان میں ہمیں کہیں بھی اتنا ارتباط اور ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک نظریہ کو لے کر چلنے والے لوگ کچھ ہی عرصہ بعد اپنے مسلک سے ہٹ گئے۔ انکا انقلاب منزل تک پہنچتے پہنچتے اپنے ابتدائی فکری و نظریاتی ڈھانچے سے محروم ہو گیا۔ لیکن انقلابِ مصطفوی ﷺ کا یہ ایک امتیازی وصف ہے کہ 'قم فانذر' سے شروع ہونے والی جدوجہد 'الیوم اکملت لکم دینکم' تک فکری اور عملی دونوں سطحوں پر ایک مربوط اور ہم آہنگ جدوجہد رہی۔ اسکی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بیج کونپل کی صورت میں زمین سے اگتا ہے پھر نشو و ارتقاء کے منازل طے کرتا ہوا تناور درخت بن جاتا ہے اور برگ و بار لاتا ہے۔ اسکے ارتقائی عمل میں کسی قسم کا انحراف یا خلا پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح انقلاب مصطفوی ﷺ بھی نامیاتی طور پر تکمیل پذیر ہوا۔ نظریاتی اساس یا عملی جدوجہد کے حوالے سے اس میں کسی بھی قسم کے سقم کی نشاندہی کرنا ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان درخت تھا جسکی آسمان میں پھیلی ہوئی شاخیں زمین میں پیوستہ جڑ کے ساتھ عضویاتی طور پر جڑی ہوئی تھی۔ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء۔

O

Marfat.com

منزلِ مہرِ درخشاں

Marfat.com

چونتیسواں باب

حجۃ الوداع

غزوۂ تبوک کے بعد نبی ﷺ کی مصروفیات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ صرف وفود کا استقبال اور ان سے گفت وشنید ہی اتنا اہم اور توجہ طلب کام تھا کہ آپ ﷺ کا بیشتر وقت اس میں صرف ہو جاتا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ مختلف النوع فرائض کو سرانجام دینے میں مشغول رہتے۔ مختلف علاقوں میں دعاۃ اور ولاۃ کی تقرری، محصلین زکوٰۃ وجزیہ کی کارگردگی کا جائزہ، عمال ومجاہدین کے لیئے ہدایات، لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ، غیر قوموں سے معاملت، احتساب، تعزیر اور افتاء کے علاوہ تعلیم وتبلیغ کے متعدد ایسے امور تھے جن میں آنحضرت ﷺ ہمہ وقت مصروف رہتے۔ دور دراز کے علاقوں کے لیئے آپ ﷺ نے اپنے نائبین اور ولاۃ مقرر کر دیئے تھے، لیکن مدینہ اور اس کے گردونواح کے انتظامات آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں تھے۔ اگر چہ آپ ﷺ نے مختلف محکموں اور شعبوں کی داغ بیل ڈال کر کچھ ذمہ داریں اپنے خاص اصحاب کو بھی سونپ دی تھیں، تاہم ہر شخص قدم قدم پر آپ ﷺ کی راہنمائی اور ہدایت کا محتاج تھا۔ ایک عظیم الشان ریاست اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ تشکیل پا رہی تھی اور تمام شعبے ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھے۔ آپ ﷺ سارے دن کے تھکے ہارے گھر آتے تو وہاں خواتین کا ہجوم آپ ﷺ کا منتظر ہوتا۔ یہ خواتین مختلف معاملات میں آپ ﷺ کی اعانت اور راہنمائی کی خواستگار ہوتیں۔ عمر شریف بھی باسٹھ برس ہو چکی تھی۔ چنانچہ کبھی کبھی آپ ﷺ تھکن سے چور چور ہو جاتے اور نماز بھی بیٹھ کر ادا فرماتے (1)۔

Marfat.com

آپ ﷺ کی شبانہ روز محنت اور انتھک جدوجہد سے جلد ہی اسلامی ریاست کے خدوخال نکھر آئے اور مختلف محکمے اپنے مخصوص ضابطوں کے تحت کام کرنے لگے۔ انفرادی اصلاح وتزکیہ سے لے کر قومی اور بین الاقوامی معاملات تک آپ ﷺ نے تمام امور کو مرتب اور مدون کر دیا۔ اصلاح وہدایت اور تبلیغ وتعمیر کے تقریباً سارے تقاضے پورے ہو چکے تھے۔ البتہ ایک فرض رہ گیا تھا اور وہ تھا فریضۂ حج۔ حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ کسی سال بھی حج کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو حج اکبر میں حضرت ابو بکرؓ کی بجائے خود بھی امامت کر سکتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ مصلحتاً اس فرض کی ادائیگی کو موخر کرتے آرہے تھے۔ شاید اس لیئے کہ اسے آپ ﷺ سب سے آخر میں ادا فرمانا چاہتے تھے۔ بہر حال آپ ﷺ نے ۱۰ھ میں حج کیلئے جانے کا ارادہ فرمایا۔

جونہی آپ ﷺ کے ارادۂ حج کا اعلان ہوا، تمام لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ نزدیک ودور سے لوگ نہایت ذوق وشوق سے آپ ﷺ کے قافلۂ حج میں شرکت کیلئے جمع ہونے لگے۔

(۱) حج کے لیئے روانگی:

۲۶، ذوقعدہ بروز سنیچر آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیبِ تن کیا۔ پھر قربانی کے جانور ساتھ لیئے اور ظہر کے بعد مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ مدینہ پر ابو دجانہؓ ساعدی یا سباع بن غرفطہؓ غفاری کو عامل مقرر فرمایا (2)۔ تمام ازواجِ مطہرات ساتھ تھیں۔ عصر کے وقت مدینہ سے چھ میل دور میقاتِ اہلِ مدینہ (3) یعنی مقامِ ذوالحلیفہ تک آپہنچے۔ رات آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں بسر کی۔ اگلے دن آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا اور احرام باندھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے خوشبو لگائی۔ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی اور تلبیہ کے کلمات پڑھتے باہر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار

Marfat.com

ہو گئے۔ وقفے وقفے سے آپ ﷺ لبیک کی صدا بلند کرتے جاتے تھے۔ میدان میں ستر یا اسی ہزار (اور بعض روایات کی رو سے ایک لاکھ) مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ آپ ﷺ کی صدائے تہلیل پر سب مسلمان بھی اونچی آواز میں لبیک پکارنے لگتے۔ ساری فضا تکبیر و تہلیل کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں دائیں بائیں، آگے پیچھے جدھر نظر ڈالتا تھا، مجھے ہر طرف آدمیوں کا جنگل دکھائی دیتا تھا۔

(۲) مکہ میں:

ذوالحلیفہ سے یہ قافلۂ حجاج حضور ﷺ کی قیادت میں روانہ ہوا اور تکبیرات حج بلند کرتا تقریباً آٹھ دن بعد مکہ کے نواح میں پہنچ گیا۔ یہاں آپ ﷺ نے مقام سرف میں پڑاؤ ڈال دیا۔ دن ڈھل چکا تھا۔ آپ ﷺ نے رات یہیں بسر کی۔ اگلے دن آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی اور غسل فرمایا۔ پھر آپ ﷺ مکہ میں داخل ہو گئے۔ یہ اتوار ۴ ذوالحجہ ۱۰ھ کا دن تھا۔ خانہ کعبہ میں آ کر آپ ﷺ نے طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ چونکہ آپ ﷺ نے حج اور عمرہ کا احرام اکٹھا ہی باندھا ہوا تھا اور ہدی (قربانی کے جانور) بھی ساتھ لائے تھے، اس لیئے آپ ﷺ نے احرام نہیں کھولا۔ البتہ آپ ﷺ نے ان مسلمانوں کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہ تھے، عمرہ ادا کرنے اور پھر احرام اتار دینے کا حکم دیا۔ بعض مسلمانوں کو ماضی کی رسوم کی بنا پر اس حکم کی تعمیل میں تامُل ہوا۔ جس پر آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اگر مجھے حج کی مشکلات کا اندازہ ہوتا تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا اور پھر احرام بھی کھول دیتا۔ بہر حال ان مسلمانوں کو بہت ندامت ہوئی جو تذبذب کا شکار تھے اور انہوں نے عمرہ تمام کر کے احرام کھول دیئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ ﷺ مکہ کے بالائی مقام حجون کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا۔

Marfat.com

دریں اثناء حضرت علیؓ بھی یمنی حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ انہیں حج سے کچھ عرصہ قبل یمن بھیجا گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کو یمن کے حالات سے آگاہ کیا۔ چونکہ حضرت علیؓ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیئے انہوں نے احرام نہ اتارا۔

(۳) مناسکِ حج:

۸ ذوالحجہ ترویہ کا دن تھا۔ اس روز آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے ۹ ذوالحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ میدانِ عرفات میں تشریف لائے۔ قریش کے تمام افراد کے لیئے یہ خصوصی حکم تھا کہ وہ بھی میدانِ عرفات میں حاضر ہوں۔ قریش عرفات کے میدان میں قیام کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور حدودِ حرم کے اندر مزدلفہ میں ہی قیام پذیر رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا:

قفوا علی فشاعر کم فانکم علیٰ ارث من ارث ابیکم ابراھیم

''اپنے مقدس مقامات پر ٹھہرے رہو، کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی وراثت پر ہو!''

عرفات کے میدان میں نمرہ کے مقام پر آپ ﷺ کیلئے ایک قبہ تیار کیا گیا تھا۔ اسی میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ جب دن ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے قصواء پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا۔ اس پر بیٹھ کر آپ ﷺ بطنِ وادی میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے اردگرد کم و بیش ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا عظیم الشّان سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس تاریخی اجتماع میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

(4) خطبۂ حجّۃُ الوداع:

''لوگو! میری بات سن لو! میں نہیں جانتا، شاید اپنے اس سال کے بعد اس

Marfat.com

Marfat.com

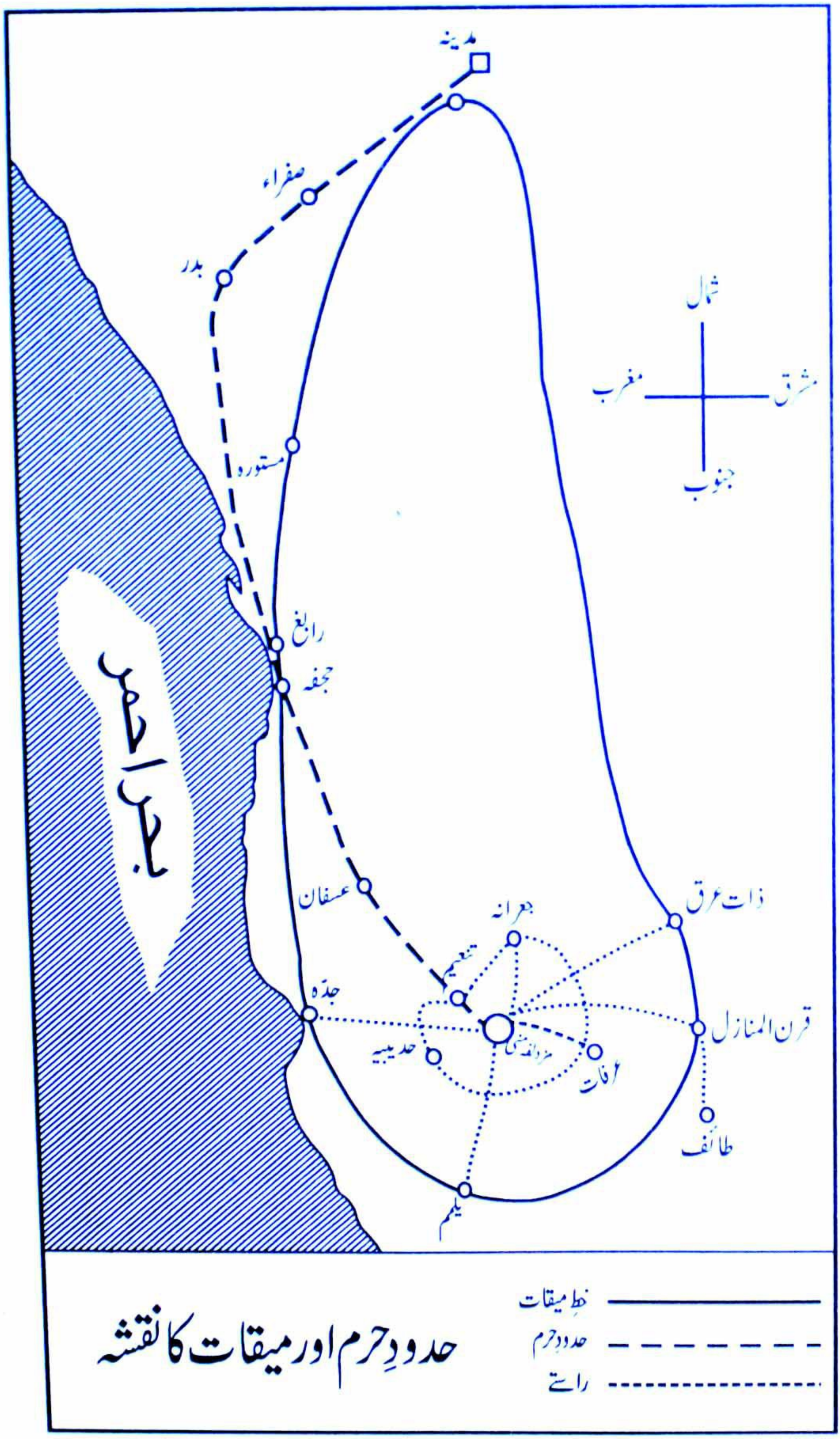

حدودِ حرم اور میقات کا نقشہ

Marfat.com

مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں گا۔

تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔۔۔۔ یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انہی ایام میں قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔۔۔۔ اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا، اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے اللہ سے ڈرو! کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو۔ لیکن سخت مار نہ مارنا، اور تم پر انکا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اور وہ ہے اللہ کی کتاب!

لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمت نہیں! لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے!'' (4)

Marfat.com

اسکے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سوال کیا:

''تم سے میرے متعلق (خدا کے ہاں) پوچھا جانے والا ہے! تم کیا جواب دو گے؟'' (5)

صحابہؓ نے کہا:

''ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام دیا، اور اپنا فرض ادا کر دیا!''

اس پر نبی ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف بلند کی اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین دفعہ فرمایا:

"اللّٰھمّ اشھد!" اے اللہ گواہ رہنا!

آپ ﷺ کی باتیں ربیعہ بن امیہ بن خلف با آواز بلند لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔

(۵) آیۂ تکمیلِ دین اور گریۂ ابوبکرؓ:

مجمع سے خطاب کے بعد آپ ﷺ ناقہ سے نیچے اترے اور کچھ دور تک پیدل چلے۔ اسکے بعد آپ ﷺ ناقہ پر سوار ہوکر مقامِ صحرات کی طرف چلے گئے۔ یہاں آپ ﷺ پر تکمیل دین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (۵:۳)

''آج میں نے تمہارے لیئے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیئے اسلام کو بحیثیتِ دین پسند کر لیا ہے۔'' یہ آیت سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ اس میں مضمر اشارۂ الٰہی کو سمجھ گئے

Marfat.com

اور رونے لگے۔

اسکے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ اپنی قیامگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ وہاں قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک آپ ﷺ دعاؤں میں مصروف رہے پھر ناقہ پر سوار ہوئے، حضرت اسامہؓ کو ساتھ بٹھایا اور مزدلفہ کی طرف واپس آئے۔ یہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی (ایک اذان اور دو اقامت سے) ادا کیں اور درمیان میں نفل وغیرہ نہ پڑھے۔ پھر آپ ﷺ نے رات وہیں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کی حیات اقدس میں یہی رات تھی جب آپ ﷺ تہجد کیلئے نہیں اٹھے تھے۔

(٦) بقیہ مناسکِ حج کی ادائیگی:

اگلے دن آپ ﷺ صبح الصبح بیدار ہوئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے کوچ کر دیا۔ ایام جاہلیت میں قریش سورج نکلنے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی اس رسم کو منسوخ کر دیا اور سورج نکلنے سے پہلے ہی منیٰ کیلئے روانہ ہو گئے۔ اس دفعہ حضرت فضلؓ بن عباس جو کہ ابھی کمسن تھے، آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ راستے میں آپ ﷺ لوگوں کو با آواز بلند حج کے بارے میں ہدایت دیتے جاتے۔ وادیٔ محسر سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ مقام جمرہ پر پہنچے۔ فضلؓ بن عباس نے کنکریاں چن کر حضور ﷺ کو دیں اور آپ ﷺ نے بطن وادی میں کھڑے ہو کر کنکریاں پھینکنے کی رسم ادا کی۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطاب فرمایا:

اياكم الغلوفى الدين فانما اهلك قبلكم الغلو فى الدين

دین میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس سے برباد ہوئی تھیں۔

Marfat.com

لتاخذوا مناسككم فانی لاادری لعلی لا حج بعد حجتی هذه

(میں سے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے (6)۔

پھر آپ ﷺ میدان منیٰ میں آ گئے۔ انصار و مہاجرین نے اپنی اپنی صفیں بنائی ہوئی تھیں۔ ایک اکائی کے قریب مسلمان میدان میں جمع تھے۔ حضرت بلالؓ آپ ﷺ کی اونٹنی مبارکہ کو آگے آگے چل رہے تھے۔ پیچھے حضرت اسامہؓ چادر تان کر سایہ کیے ہوئے تھے۔ بیت اللہ بتوں سے پاک ہو چکا تھا۔ کفر و شرک کے تمام آثار مٹ چکے تھے۔ بیت اللہ کی وہ حیثیت بحال ہو چکی تھی جس میں کہ اسے سیدنا ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ ہر طرف رب واحد لایزال کے ترانے گونج رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی بائیس سالہ جدوجہد کی تکمیل کا منظر دیکھا تو رب عظیم کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

"ان الزمان قد استدار کھیئة یوم خلق الله السموٰت والارض"

"شروع شروع میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو جس ہیئت پر پیدا کیا تھا، زمانہ گھوم پھر کر اسی پر آ گیا ہے۔"

آج یوم النحر تھا۔ قربان گاہ پر پہنچ کر آپ ﷺ نے قربانی کی رسم ادا کی۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے۔ تریسٹھ اونٹ آپ ﷺ نے (اپنی عمر شریف کے سالوں کے حساب سے) اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور بقیہ سینتیس اونٹ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حوالے کر دیئے کہ وہ انہیں ذبح کریں۔ اسطرح آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھی اپنی ھدی میں شامل کر لیا اور سو اونٹوں کی تعداد پوری ہو گئی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کیلئے منیٰ کی تخصیص نہیں۔ منیٰ اور مکہ کی ہر گلی میں قربانی دی جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ کے حکم پر ہر مذبوحہ اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور

Marfat.com

ایک ہانڈی میں پکایا گیا۔ اس میں سے آپ ﷺ نے اور حضرت علیؓ نے کچھ تناول فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے حکم کے بموجب قربانی کا تمام گوشت خیرات کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ قصابوں کی اجرت بھی علیحدہ سے ادا کی گئی۔

قربانی کے بعد آپ ﷺ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈے۔ اترے ہوئے تمام بال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے جو انہوں نے اپنے پاس بطور تبرک محفوظ کر لیئے۔

اسکے بعد آپ ﷺ ناقہ پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف آئے اور طواف فرمایا۔ اسے طواف افاضہ کہا جاتا ہے۔ نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ چاہ زمزم کی طرف آئے اور تھوڑا سا پانی نوش فرمایا۔ یہاں سے آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے۔

ایام تشریق یعنی ۱۱ ذوالحجہ تک آپ ﷺ منیٰ میں ہی قیام پذیر رہے۔ روزانہ دن ڈھلے آپ ﷺ رمی جمار کیلئے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ ۱۳ ذوالحجہ زوال کے بعد آپ ﷺ وادی محصب میں آئے اور رات یہیں قیام فرمایا۔ پچھلے پہر اٹھے اور مکہ تشریف لے آئے۔ یہاں فجر کی نماز ادا کی اور اسکے فوراً بعد اپنے قافلے کو لے کر مدینہ کی طرف کوچ فرما دیا۔

(۸) واپسی اور خطبۂ غدیر خم:

جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام خم آیا۔ یہاں ایک تالاب تھا جو 'غدیر خم' (7) کہلاتا تھا۔ یہاں آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

''حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت کو!) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے

Marfat.com

جارہا ہوں۔ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں!''

آخری فقرہ آپ ﷺ نے تین بار ادا کیا۔کچھ روایات کی رو سے آپ ﷺ نے کچھ فقرے اور بھی ادا کیئے۔ان میں سے ایک فقرہ تمام روایات میں مشترک ہے:

''جس کو میں محبوب ہوں، علیؑ بھی اسکو محبوب ہونا چاہیئے، الٰہی! جو علی کو محبوب رکھے تو بھی اسے محبوب رکھ، جو علیؑ سے عداوت رکھے، تو بھی اس سے عداوت رکھ!'' (8)

مقام خم سے روانہ ہو کر آپ ﷺ سفر کرتے ہوئے مقامِ ذوالحلیفہ پر آ کر رکے۔یہاں آپ ﷺ نے رات بسر کی۔اگلے دن آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے لبوں پر یہ کلمات تھے۔

اللہ اکبر! اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لیئے مدح وستائش ہے۔وہ ہر شئے پر قادر ہے۔واپس آ رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، فرمانبردارنہ، زمین پر پیشانی رکھ کر اپنے پروردگار کی مدح وستائش میں مصروف ہو کر۔خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا۔اپنے بندے کی مدد کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی!''

O

پینتیسواں باب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور رحلت

ابو مسلم نے ابو موسیٰؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی اُمت پر رحمت کا دروازہ کھولتا ہے تو وہ اس کے پیغمبر کو پہلے ہی موت دے دیتا ہے تاکہ وہ اس امت کے آگے بطور میر سامان وسلف روانہ ہو جائے۔ اور جس امت کی ہلاکت و بربادی منظور ہوتی ہے، اسکے پیغمبر کو اس امت سے علیحدہ کر دیتا ہے اور اسے دیر تک زندہ رکھتا ہے تاکہ وہ اپنی نافرمان امت کی موت و ہلاکت کا منظر دیکھ سکے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدت العمر تو اپنی امت کیلئے باعث رحمت بنے ہی رہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی امت کیلئے رحمت کی علامت ثابت ہوئی۔

سورہ فتح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض کے مکمل ہونے اور نعمت کے تمام ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی گئی تھی اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا وقت زیادہ سے زیادہ یاد الٰہی میں بسر کریں۔ چنانچہ ۱۰ھ کے رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیس دن تک اعتکاف میں بیٹھے تھے ورنہ اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دس دن تک ہی اعتکاف میں بیٹھتے تھے۔ ہر رمضان میں حضرت جبریل صرف ایک بار ہی دورۂ قرآن کروایا کرتے تھے، لیکن اس سال دو دفعہ دورۂ قرآن کروایا گیا۔ شہدائے احد کو ایسی افراتفری کس مپرسی کے عالم میں دفن کیا گیا تھا کہ ان کی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھائی جا سکی تھی۔ اب جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو شرفِ دیدار و ملاقات بخش رہے تھے اور انہیں اپنی دعاؤں سے نواز رہے تھے،

Marfat.com

آپ ﷺ نے اپنے ان وفادار ساتھیوں کو فراموش نہ کیا جنہوں نے احد کی خوفناک جنگ میں پروانہ وار آپ ﷺ پر اپنی جانیں نثار کردی تھیں۔ آپ ﷺ نے دیر تک احد میں ان کیلئے دعائیں فرمائیں۔ اور انہیں یوں الوداع کہا جیسے کوئی مرنے والا اپنے زندہ ساتھیوں کو الوداع کہتا ہے (1)۔ پھر آپ ﷺ نے وہیں ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

''میں تم سے پہلے حوض پر جارہا ہوں جسکی وسعت اتنی ہے جتنی جحفہ سے ایلہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے۔ لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا میں نہ پڑ جاؤ اور اسکے لئے تم آپس میں کشت وخون نہ کرنے لگو اور اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔''

عرب کے اندر تو صورت حال کافی حد تک مسلمانوں کے قابو میں تھی، تاہم شامی سرحدات پر ابھی خطرے کے بادل منڈلا رہے تھے۔ رومی کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتے تھے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ شام کے سرحدی عربوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ ان کے خون کا قصاص لینا بھی باقی تھا۔ چنانچہ آغازِ مرض سے ایک روز پہلے آپ ﷺ نے ایک لشکر اسامہؓ بن زید کی سربراہی میں تیار کیا اور اسامہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے والد کا انتقام لینے کے لئے شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔

(۱) اہل بقیع کیلئے دعائے مغفرت:

حج سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کو مدینہ میں تقریباً دو ماہ گزر چکے تھے۔ ۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کی رات آپ ﷺ استراحت فرما رہے تھے۔ نصف شب کے قریب آپ ﷺ اچانک بستر سے اٹھے اور اپنے خادم ابومویہبہ کو جگا کر فرمایا: ''ابومویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ کی

طرف سے حکم ملا ہے کہ میں بقیع کے لوگوں کیلئے دعائے مغفرت کروں۔اس لئے تم میرے ساتھ چلو!'' نبی ﷺ ابو مویہبہ کو لے کر بقیع کے قبرستان کی طرف روانہ ہو گئے جو کہ مدینہ کی مشرقی جانب آبادی سے بالکل متصل واقع تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر دعا فرمائی:

" اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْمَقَابِرِ اَلْهَنِئَ لَكُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ بِمَا اَصْبَحَ النَّاسُ فِيْه ، اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يَتْبَعُ اٰخِرُ هَا اَوَّلُهَا الْاٰخِرَةُ اشَرُّ مِنَ لْاُوْلٰى "

''اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو! جس حالت میں لوگ ہیں، اسکے مقابلے میں تمہیں وہ حالت مبارک ہو جس میں تم ہو! فتنے اسطرح سامنے آ گئے ہیں جسطرح تاریک رات کے ٹکڑے کہ ہر ٹکڑا پہلے ٹکڑے کے پیچھے چلا آ رہا ہے اور جو دوسرا ٹکڑا ہے وہ پہلے ٹکڑے سے زیادہ فتنہ انگیز ہے!''

پھر آپ ﷺ ابو مویہبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اِنِّیْ قَدْ اوتِیْتُ مَفَا تِیْحَ خَزَائِنَ الدُّنْیَا وَالْخُلْدَ فِیْهَا، ثُمَّ الْجَنَّةَ فَخَیَّرْتُ بَیْنَ ذَالِكَ وَبَیْنَ لِقَاءِ رَبِّیْ وَ الْجَنَّةَ "

''ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں اور ان میں ہمیشہ کے لیئے رہنا بھی مجھے دیا گیا ہے (اور دوسری طرف) جنت دی گئی ہے اور اس کے بعد دنیا کے خزانوں اور لقاءِ رب نیز جنت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے (کہ میں ان دونوں میں سے جو چاہے اختیار کرلوں)''

ابو مویہبہؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور اس میں ہمیشہ رہنا بھی لے لیں اور جنت بھی لے لیں!''

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں ابو مویہبہ! خدا کی قسم! میں لقائے رب اور جنت چن چکا ہوں!'' اس کے بعد آپ ﷺ نے بقیع کے مرحومین کیلئے دعائے مغفرت فرمائی اور واپس تشریف لے آئے۔(2)

(۲) مرض الوفات کا آغاز:

جنت البقیع سے واپسی پر نبی ﷺ نے سر میں ہلکا سا درد محسوس کیا۔ یہ چہار شنبہ کا دن تھا اور آپ ﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر مقیم تھے۔ مرض الوفات کا آغاز ہو چکا تھا۔ بیماری میں افاقہ نہ ہوا بلکہ دھیرے دھیرے یہ بڑھتی گئی۔ تاہم پانچ روز تک آپ ﷺ باری باری مختلف ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے رہے اور نمازیں بھی پڑھاتے رہے۔ دوشنبہ کو مرض میں خاصی شدت آ گئی۔ آپ ﷺ نے ازواج سے حضرت عائشہؓ کے گھر منتقل ہونے کی اجازت لے لی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کو دونوں بازوؤں سے تھاما ہوا تھا۔ پھر بھی آپ ﷺ بمشکل لڑکھڑاتے قدموں سے چلتے حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچ سکے۔ آخری ہفتہ آپ ﷺ نے یہاں گزارا۔ اس دوران حضرت عائشہؓ معوذتین اور آپ ﷺ سے سیکھی ہوئی دیگر دعائیں پڑھ پڑھ کر آپ ﷺ پر پھونکتی رہیں۔

ابتدائے مرض میں جب تک آپ ﷺ میں ہمت تھی نمازیں خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ پھر مرض کی شدت سے اس میں تعطل آ گیا۔ آپ ﷺ کل تیرہ یا چودہ دن بیمار رہے۔

(۳) آخری خطبہ:

وفات سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ کا جسم اطہر بخار سے پھنکنے لگا۔ بار بار غشی طاری ہو جاتی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مدینے کے سات کنوؤں سے سات مشکیں پانی کی

لائی جائیں اور آپ ﷺ کے اوپر انڈیلی جائیں، تاکہ وہ اس قابل ہوسکیں کہ لوگوں کے پاس آخری مرتبہ جاسکیں اور انہیں وصیت کرسکیں۔ سات مشکیزوں میں پانی لایا گیا اور آپ ﷺ کو ایک ٹب میں بٹھا کر پانی انڈیلا گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے مزید پانی انڈیلنے سے منع فرمادیا۔

جسم پر پانی انڈیلنے کی وجہ سے بخار کی شدّت میں فوری طور پر کمی واقع ہوگئی اور آپ ﷺ نے اتنا افاقہ محسوس کیا کہ اٹھ کر مسجد میں جاسکیں۔ آپ ﷺ اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے مسجد میں تشریف لائے۔ تکلیف کی وجہ سے سر پر رومال بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت! کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بناڈالا۔ تم لوگ ہرگز میری قبر کو بت بنا کر نہ پوجنا!''

پھر آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کیلئے پیش فرمایا اور کہا:

''میں نے کسی کی پشت پر کوڑا مارا ہو، تو میری کمر حاضر ہے، وہ بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو بے آبرو کیا ہو تو میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے!''

پھر آپ ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے اور نمازِ ظہر پڑھائی۔ اسکے بعد لوگوں کو وصیتیں اور نصیحتیں کیں اور اعلان فرمایا اگر کسی کا میرے ذمّہ کچھ واجب الادا ہو تو بتادے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا'' آپ ﷺ کے ذمّہ میرے تین درہم واجب الادا ہیں!'' آپ ﷺ نے فضلؓ بن عباس کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو تین درہم ادا کردیں۔

پھر اُحد کے شہیدوں کو یاد کر کے دیر تک ان کے لیئے دعائے مغفرت کرتے

رہے۔ اسکے بعد ارشاد فرمایا:

''اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا میں رہنے یا اس کے پاس چلے آنے کا اختیار دیا ہے تو اس بندے نے خدا کے پاس چلنے کو ترجیح دی ہے!''

صحابہ اس اشارے کو نہ سمجھ سکے۔ تاہم حضرت ابو بکرؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور بے اختیار رونے لگے۔ انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں!'' آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا:

''میں رفاقت اور مال میں ابو بکرؓ کا سب سے زیادہ احسان مند ہوں، اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو دوست بناتا تو ابو بکر کو ہی بناتا۔ لیکن میرا ان کے ساتھ اسلام کی اخوت و محبت کا تعلق ہی کافی ہے! مسجد کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں، لیکن ابو بکر کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔''(3)

پھر انصار کے بارے میں فرمایا:

''انہوں نے عمدہ طور پر ہماری نصرت و اعانت کی۔ پس جو نفع و نقصان کا متولّی ہو (یعنی خلیفہ ہو) ان کے نیکوکاروں سے حسنِ سلوک کرے۔ اور انکے خطاکاروں سے درگزر کرے!''(4)

اسکے بعد آپ ﷺ حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمۃؓ الزہرا کے کان میں کوئی بات کی۔ وہ رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے پھر سرگوشی میں ان سے کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔ بعد ازاں حضرت فاطمہؓ نے حضرت عائشہؓ کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے پہلی دفعہ اپنی وفات کے بارے میں بات کی تھی لہذا میں رو پڑی تھی۔ دوسری دفعہ یہ خبر دی تھی کہ میں ہی سب سے پہلے انہیں ملوں گی، اس پر میں خوش ہو گئی

تھی۔

(۴) مرضُ الوفات کی شدّت:

اب تک نمازیں آپ ﷺ خود ہی پڑھاتے تھے۔ اس دن بھی نمازِ مغرب آپ ﷺ نے خود پڑھائی تھی اور اس میں سورہ الٓمر سلات عرفا تلاوت فرمائی تھی۔ لیکن عشاء کا وقت ہوا تو استفسار فرمایا: ''کیا نماز ہو چکی؟'' عرض کیا گیا: ''آپ ﷺ کا انتظار ہو رہا ہے۔'' آپ ﷺ نے لگن میں پانی منگوا کر غسل فرمایا۔ لیکن جب اٹھنے لگے تو غش آ گیا۔ کچھ دیر بعد طبیعت سنبھلی تو پوچھا: ''کیا نماز ہو چکی؟'' لوگوں نے وہی جواب دیا: ''آپ ﷺ کا انتظار ہو رہا ہے!'' پھر اٹھنا چاہا لیکن پھر غشی طاری ہو گئی۔ تین دفعہ یہی صورتِ حال پیش آئی۔ پھر حکم دیا: ''مروا ابابکر فلیُصَلّ بِالنّاس'' کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ ''ابا جان بڑے رقیق القلب ہیں، آپ ﷺ کی جگہ ان کا کھڑا ہونا مشکل ہوگا!'' لیکن حضور ﷺ نے پھر حکم دیا کہ ابو بکرؓ ہی نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کی حیاتِ اقدس میں آپ ﷺ ہی کے حکم پر کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔ (5)

آپ ﷺ کے دروازے کے باہر تیمارداروں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کاغذ قلم لایا جائے تاکہ میں ایسی تحریر لکھوا دوں جس سے تم گمراہی سے بچے رہو۔ کسی نے کہا (بعض روایات کی رو سے یہ حضرت عمرؓ تھے) کہ اس وقت نبی ﷺ تکلیف میں ہیں اور بار بار آپ ﷺ پر غشی طاری ہو جاتی ہے، اس لیئے آپ ﷺ کو زحمت دینا مناسب نہیں، تمہارے گھروں میں قرآن موجود ہے جو تمہارے لئے کافی ہے! لیکن کچھ لوگوں نے کاغذ قلم لانے اور تحریر حاصل کرنے پر زور دیا۔ جب لوگ آپس میں جھگڑنے لگے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ (6)

Marfat.com

اس دوران حضرت اسامہؓ آ گئے۔ وہ مقام جرف پر اپنا لشکر لے کر رکے ہوئے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شدید علالت کی خبر ملی تھی۔ حضرت اسامہؓ حضور ﷺ کی خیریت معلوم کرنے آئے۔ حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا، پھر اسامہؓ کے سر پر ہاتھ رکھا، گویا انہیں دعا دے رہے تھے۔

مرض کی شدّت کو دیکھ کر گھر کے بعض افراد نے آپ ﷺ کو دوا پلا دی۔ یہ دراصل ایک شربت تھا جو ذات الجنب (نمونیا) کے مریضوں کو دیا جاتا تھا اور اسکی ترکیب حضرت میمونہؓ کی قرابت دار حضرت اسماءؓ نے حبشہ کی ہجرت کے دوران سیکھی تھی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ مجھے یہ دوا کیوں پلائی گئی ہے؟ حضرت عباسؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ دوا ذات الجنب میں فائدہ دیتی ہے۔ اس کے بس چند قطرے آپ ﷺ کے دہن مبارک میں ٹپکائے گئے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن مجھے تو ذات الجنب نہیں!'' پھر آپؐ نے حکم دیا یہ دوا ان تمام افراد کو پلائی جائے جن کے مشورے سے یہ حضور ﷺ کو دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عباس کے سوا تمام افرادِ خانہ کو یہ تلخ اور بد ذائقہ شربت پینا پڑا۔ حتیٰ کہ حضرت میمونہؓ کو اپنا روزہ بھی توڑنا پڑا۔ (7) یہ دراصل کوئی سزا نہ تھی بلکہ آپ ﷺ کا اپنے اہل خانہ سے ایک اندازِ مزاح تھا۔

آپ ﷺ نے اپنی علالت کے دوران یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ پر اس زہر کا اثر نمایاں ہو گیا ہے جو کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو دیا تھا۔ (8)

(۵) افاقۃُ المَوت:

وفات سے ایک یا دو روز قبل آپ ﷺ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ گھر والوں نے سمجھا کہ شاید اس دوا کا اثر ہے جو آپ ﷺ کو پلائی گئی تھی۔ فجر کی نماز شروع ہو چکی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ امامت کر رہے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ اس دفعہ بھی

حضرت عباسؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ نے آپ ﷺ کی آمد کو محسوس کر کے آپ ﷺ کے مصلّٰی تک راستہ چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو اشارہ کیا کہ نماز میں خلل نہ آنے دیں۔ ادھر حضرت ابو بکرؓ بھی سمجھ گئے کہ نبی ﷺ تشریف لائے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کا مصلّٰی چھوڑ کر پیچھے مقتدیوں کی صف میں آنے لگے تو حضور ﷺ نے انکی پشت پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے فرمایا: ''صل بالناس'' یعنی ابو بکرؓ! آپ ﷺ ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ لیکن ابو بکرؓ پھر قدرے پیچھے ہٹ آئے۔ لانے والوں نے حضور ﷺ کو ابو بکرؓ کے بائیں پہلو میں بٹھا دیا۔ آپ ﷺ نے بیٹھے ہوئے امامت فرمائی۔ حضرت ابو بکرؓ تکبیر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بقول ابن سعد حضور ﷺ نے ایک رکعت ابو بکرؓ کی اقتداء میں ادا کی۔ حضور ﷺ کی طرح ابو بکرؓ نے بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھی۔ (9)

بعد از نماز آپ ﷺ نے اپنا رخ مقتدیوں کی طرف پھیرا اور یوں کلام فرمایا

"شعرت النار و اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم و انی و الله ! ما تمسکون علی لشیٍ ! انی و الله لم احل الا ما احل القرآن وما احرم الا ما حرم القرآن و لعن قوماً اتخذوا قبور انبیاء هم مساجداً"

''آگ بھڑک اٹھی ہے۔ اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے امنڈتے چلے آرہے ہیں۔ خدا کی قسم! میرے فرمان کے علاوہ تمہیں کسی چیز سے تمسک نہیں کرنا چاہیئے۔ میں اس پر بھی خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے وہی سب کچھ حلال کیا ہے جو کچھ قرآن نے حلال کیا ہے۔ اور وہی کچھ حرام کیا ہے جو قرآن نے حرام کیا ہے۔ اس قوم پر خدا کی لعنت جس نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا ڈالا۔'' (10)

حضور ﷺ کے اسطرح مسجد میں آنے، نماز پڑھانے اور بات چیت کرنے سے

Marfat.com

تمام مسلمانوں میں یہ تاثر پھیل گیا کہ اب آپ ﷺ کی صحت بہتر ہو گئی ہے۔ چنانچہ ہر طرف خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ اپنے کام کاج میں لگ گئے۔

لیکن یہ تو افاقۃ الموت تھا۔ شام تک حضور ﷺ کی طبع مبارک بہت زیادہ ناساز ہو گئی۔ پیر کی صبح تک آپ ﷺ باہر نہ آئے۔ پیر کی صبح نماز ہو رہی تھی کہ آپ ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا۔ لوگوں کو انہماک اور خضوع و خشوع سے نماز پڑھتے دیکھ کر آپ ﷺ کو نہایت مسرت ہوئی اور آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر بے قرار ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے انہیں نماز جاری رکھنے کا ارشارہ فرمایا اور پردہ گرا دیا۔ اس وقت تک ابو بکرؓ سترہ نمازیں پڑھا چکے تھے۔ حضور ﷺ پر اس کے بعد نماز کا وقت نہیں آیا۔

(۶) سکراتُ المَوت اور یومِ وفات:

تکلیف لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ سارا بدن بخار میں پھنک رہا تھا۔ چہرہ مبارک کبھی زرد پڑ جاتا اور کبھی سرخ ہو جاتا۔ آپ ﷺ کے قریب پانی ایک برتن رکھا تھا۔ آپ ﷺ بار بار اس میں ہاتھ بھگو کر چہرے پر پھیرتے۔ حضرت فاطمہؓ کا کلیجہ آپ ﷺ کی تکلیف کو دیکھ کر کٹنے لگا۔ وہ کہنے لگیں: ''واکرب واباتاہ!'' یعنی آہ! میرے باپ کی جان پر کیا بیت رہی ہے! حضور ﷺ نے بیٹی کی آواز سن لی اور فرمایا: ''بیٹی! آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی جسمانی سختی نہ رہے گی!''

اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی۔ فاطمہؓ نے چونک کر پوچھا: ''کون ہے؟'' حضور ﷺ بولے ''یہ وہ ہے جس کے آنے سے بچے یتیم ہو جاتے ہیں، عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور جماعتیں پراگندہ ہو جاتی ہیں۔ یہ تمناؤں کا خون کرنے والا فرشتۂ اجل ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے!'' پھر آپ نے حسنین کو بلا کر پیار کیا۔ پھر تمام ازواج کو بلایا اور

Marfat.com

پھر علیؓ کو بلایا۔ علیؓ نے حضور ﷺ کا سر گود میں رکھ لیا۔

کچھ دیر بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر حضور ﷺ کی خیریت دریافت کرنے آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ آپ ﷺ کی نظریں مسواک پر جم گئیں۔ حضرت عائشہؓ نے منشاء نبوی بھانپ لیا اور عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر پہلے خود اچھی طرح چبا کر نرم کی اور پھر حضور ﷺ کو دے دی۔ حضور ﷺ نے دانت صاف کرنے کے بعد مسواک عائشہؓ کو لوٹا دی۔ اتنے میں عائشہؓ نے آپ ﷺ کے سینے سے گڑگڑاہٹ کی آواز بلند ہوتی سنی۔ وہ فوراً آگے بڑھیں اور حضور ﷺ کا سر مبارک اپنی گود میں لے لیا۔ کان لگا کر سنا تو نہایت مدہم آواز میں فرما رہے تھے ''اللّٰھمّ اعنی علیٰ سکرات الموت!'' یعنی اے اللہ! اس جان کنی کے عالم میں میری مدد فرما!'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''الصّلوۃ! الصّلوۃ وما ملکت ایمانکم'' یعنی نماز! نماز! اور تمہارے لونڈی غلام (یعنی تمہارے زیردست!) پھر آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''الرّفیق الاعلیٰ'' یعنی ''اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس! پھر آواز بتدریج معدوم ہوگئی اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ انسان رخصت ہو چکا تھا جس نے اس دنیا سے لیا بہت ہی کم، لیکن اسے دیا اتنا زیادہ کہ نہ کوئی انسان آج تک اسے دے سکا اور نہ کبھی دے سکے گا۔ نبی ﷺ کو اس دنیا میں ہی حیاتِ جاوداں کا اختیار دیا گیا تھا، لیکن آپ ﷺ تو ساری عمر رضائے الٰہی کی تکمیل میں مصروف رہے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے فانی انسانوں کی طرح نذرانہ جاں پیش کر کے مشیتِ الٰہیہ کا آخری تقاضا بھی پورا کر دیا۔ یہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ پیر کا دن تھا۔ اس وقت جناب رسالتمآب ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔

اللّٰھم صلی علی سیدنا و مولانا محمد عبدك و رسولك
النّبی الامّی وعلیٰ اٰلِهٖ و اصحابِهٖ و سلّم.

Marfat.com

(۷) تکفین وتدفین:

جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہؓ کو آپ ﷺ کا سر مبارک اپنی گود میں قدرے بھاری محسوس اور انہوں نے آہستگی سے اسے تکیہ پر رکھ دیا۔ انہیں احساس نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ دارِ فانی کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ انہیں دوسری عورتوں کی آہ و بکا اور گریہ زاری سے حضور ﷺ کی وفات کا اندازہ ہوا۔ پھر وہ بھی ماتم کرنے والی عورتوں کے ہجوم میں شامل ہو گئیں۔

وہ لوگ جو نبی ﷺ کو چلتے پھرتے اور کام کاج کرتے دیکھتے آئے تھے، انہوں نے یکلخت یہ محسوس کیا کہ جیسے ایک بہت بڑا سہارا ان سے چھن گیا ہو۔ خیر و برکت اور انوارِ الٰہیہ کا وہ لمس جسے حضور ﷺ کی قربت کی وجہ سے وہ اپنے قلب و روح پر محسوس کرتے رہے تھے، اچانک معدوم ہو گیا۔ کچھ تو ایسے تھے جن کا اس عظیم صدمہ سے کلیجہ شق ہو گیا۔ ان کی گریہ وزاری تھمتی نہ تھی۔ کچھ ایسے تھے جو اس جانکسل حادثہ کی شدت سے پتھر ہو کر رہ گئے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس دن سے روشن تر اور مبارک تر دن نہیں دیکھا جب کہ آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے اور اس دن سے اقبح اور تاریک تر دن نہیں دیکھا جس دن کہ آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔

حضرت عمرؓ جیسے صحابی اس صدمے سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور نیام سے تلوار نکال کر مسجد میں ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ وہ کہتے جا رہے تھے کہ اگر کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں تو میں اس کا سر اڑا دونگا، آپ ﷺ تو اللہ سے ملنے گئے ہیں اور کچھ دیر بعد تشریف لے آئیں گے۔

حضرت ابو بکر حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنی اہلیہ سے ملنے سخ (11) گئے

ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر فوراً واپس آئے۔ حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو ایک ردا سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ انہوں نے چہرے سے چادر کا کونا اٹھایا اور آپ ﷺ کی پیشانی کو چوما اور پھر کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! بے شک آپ ﷺ پر موت آ چکی ہے اور اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا۔''

پھر حضرت ابوبکرؓ مسجد میں آئے جو ماتم کدہ بنی ہوئی تھی۔ وہاں آپؓ نے ایک بلیغ خطبہ دیا:

"ایھالنّاس من کان منکم یعبد محمداًفانّہ قدمات و من کان یعبد اللہ فانّہ حیّ لایموت (قال اللہ تعالیٰ) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ افائنْ مَاتَ او قُتِلَ انقلبتم علیٰ اعقابکُم وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلیٰ عَقِبَیْهِ فلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئاًوَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ۔" (آل عمران: ۱۴۴)

''اے لوگو! تم میں سے جو محمد کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو اللہ اب بھی زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں (اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے) کہ محمد فقط ایک رسول ہیں، بہت سے رسول ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر وہ (محمد) مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھر جاؤ گے؟ (یاد رکھو!) جو شخص بھی اسطرح مرتد ہوگا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ قدردانوں کو جزا دیتا ہے۔''

عجیب بات ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے صحابی نے جو کہ بہت رقیق القلب تھے، ایسے موقع پر ہوش وحواس قائم رکھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی سنبھالا۔ انکے خطاب کے بعد

Marfat.com

مسجد میں سناٹا چھا گیا۔ حضرت عمرؓ کو بھی ہوش آ گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایسے لگا جیسے یہ آیۂ قرآنی میں نے پہلی دفعہ سنی ہو۔ پھر تمام مسلمانوں نے صبر کی سِل اپنے سینے پر رکھی اور رحلتِ نبوی ﷺ کو اٹل حقیقت سمجھ کر قبول کرلیا۔ انا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔

اسکے بعد نبی ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سقیفہ بن ساعدہ میں انصار اور مہاجرین کے مابین اس مسئلہ پر زبردست اختلاف رائے اور بحث ومباحثہ ہوا۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ متفقہ طور پر خلیفہ بنا دیئے گئے۔ (12) یہ رات اسی طرح مختلف قسم کے کاموں میں گزر گئی۔ نبی ﷺ کے جسمِ اطہر کو ایک یمنی چادر میں ڈھانپا ہوا تھا اور حجرے کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

اگلے روز منگل تھا۔ آپ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ یہ کام حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت عباسؓ کے دونوں بیٹوں نے مل کر سرانجام دیا۔ اسکے بعد آپ ﷺ کو تین یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔

جائے تدفین کے بارے میں کئی آراء سامنے آئیں۔ کسی نے کہا کہ منبر کے قریب دفن کر دیا جائے۔، کسی نے مشورہ دیا کہ یروشلم میں دفنایا جائے کہ اکثر انبیاء وہیں مدفون ہیں، کسی نے کہا کہ منبر کے قریب دفن کر دیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کی جائے تدفین وہی ہوتی ہے جہاں کہ وہ فوت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اس بستر کو اٹھایا جس پر آپ ﷺ فوت ہوئے تھے اور اس جگہ قبر کھودنا شروع کر دی۔

اس کے بعد دس دس صحابہ کرام اندر داخل ہوتے اور بغیر امام کے ہی نمازِ جنازہ پڑھتے۔ پھر بنو ہاشم اور پھر مہاجرین وانصار نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اسکے بعد عورتوں اور بچوں کی باری آئی۔ سارا دن نماز جنازہ پڑھنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ ۱۴ ربیع الاوّل بدھ

Marfat.com

کی رات (وفات کے دو روز بعد) حضور ﷺ کی تدفین کر دی گئی۔

تمام انبیاء علیہم السلام میں صرف نبی ﷺ کی قبر شریف کے بارے میں ہی حتمی اور یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ اس میں مدفون ہیں، ورنہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبور کا حتمی اور یقینی تعین کرنا مشکل ہے۔

----------O----------

Marfat.com

Marfat.com

حواشی

پہلا باب محلِ وقوع اور جغرافیہ

۱۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ 119/1

۲۔ ایسی ڈھلوان دار تلیٹی (Cuestas) کو جو کسی پہاڑ کے ساتھ نشیب کی طرف جاتی ہو، عرب وادی کا نام دیتے تھے۔ طوفانی بارشوں سے ان وادیوں میں اٹھا ہونے والا پانی سیلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لبید کا یہ خوبصورت شعر انہیں سیلابوں کا حوالہ رکھتا ہے

و جَلا السُّیُولُ عن الطَّلول کانّها

زُبُرٌ تُجِدُّ متونَها اقلامُها

(اور سیلابوں نے کھنڈروں سے ریت وغیرہ کو صاف کر دیا اور انہیں ایسے روشن کر دیا جیسے (مٹے ہوئے حروف کی) کتابوں کی عبارتوں کو (کاتبوں کے) قلم (نو بارہ) نئے کر دیتے ہیں۔)

۳۔ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۳ ص ۵۸

۴۔ معجم البلدان

۵۔ ہِتّی، عربوں کی تاریخ (انگریزی) ص ۱۷۔

۶۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھیئے: دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/ ۶۲، ۶۳

۷۔ علی بلگرامی، تمدّنِ عرب ص ۱۲۵

۸۔ غلام مرتضیٰ، تاریخ اقوام عالم ص ۶۶

۹۔ علی بلگرامی، کتاب مذکور ص ۱۱۶۔

دوسرا باب موسم، پیداوار اور نباتیہ وحیوانیہ

۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ: ۵۸/۱۳

۲۔ ایضاً

۳۔ علی بلگرامی، کتاب مذکور ص ۱۰۹۔۱۱۰

۴۔ ہٹی، کتاب مذکور ص ۱۹

۵۔ دائرہ معارف اسلامیہ: ۵۸/۱۳

۶۔ ایضاً ص ۶۴

۷۔ علی بلگرامی، کتاب مذکور ص ص ۱۰۹۔۱۱۰

۸۔ ایضاً ص ۱۱۳

۹۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے دائرہ معارف اسلامیہ ص ۶۷

۱۰۔ ہٹی، کتاب مذکور ص ۲۰

تیسرا باب قدیم عرب نسلیں

۱۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے: سرسید احمد خان، خطبات الاحمدیہ ص ص ۵۶۔۵۷

۲۔ ایضاً ص ۶۴

۳۔ مزید تحقیق کیلئے مندرجہ ذیل مآخذ دیکھئے:

(الف)۔ محاضراتِ تاریخ الامم للخضری باب ۱۱، ۱۲

(ب)۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم ص ص ۴۲۔۴۵

(ج) سرسید احمد خان، کتاب مذکور ص ص ۶۶، ۶۹

۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ: ۶۷/۱۳

۵۔ سلیمان ندوی تاریخ ارض القرآن ص ۲۹۳

۶۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے علامہ سلمان منصور پوری، رحمۃ للعلمین ص ۱۹ (شجر طیبہ)

چوتھا باب قدیم عرب ریاستیں

۱۔ بحوالہ سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن ص ص ۱۹۹۔۲۰۰

۲۔ حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن ص ۳۰۲

۳۔ سد مآرب کا اکثر حصہ پانی میں بہہ گیا تھا۔ لیکن اس کا کچھ حصہ آج بھی باقی ہے جس کے مشاہدے سے اس بند کی تعمیر کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مزید برآں وہاں سے کچھ ایسی الواح بھی برآمد ہوئی ہیں جن پر کندہ عبارات اس دور کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ علامہ سلیمان ندوی نے بڑی تفصیل سے قوم سبا کا ذکر کیا ہے اور سد مآرب کی وضاحت نقشوں سے کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ارض القرآن ۱/۱۸۸

۴۔ رومیوں نے ۲۴ ق م میں دس ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک لشکر یمن پر چڑھائی کیلئے بھیجا تھا۔ یہ آگسٹس سیزر کا زمانہ تھا۔ اہل یمن نے رومیوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے قلعہ بند ہو جانے کو ترجیح دی۔ رومی فوجی چھ عرصہ تو وہاں محاصرہ کیئے پڑے رہے، لیکن جلد ہی موسم کی شدت سے عاجز آ گئے۔ محصورین کے پاس خوراک اور پانی کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ تھا۔ لیکن محاصرین کو خوراک اور پانی کی فراہمی میں شدید مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ مشہور مورخ اسٹرابو رومی لشکر کی ناکامی کے کئی بہانے تراشتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پانی کی کم یابی اور خوراک کی قلت کی وجہ سے ہی بیرونی حملہ آور سرزمین عرب پر حملہ کرنے سے گریز کرتے رہے تھے۔ رومی بھی موسم کی شدت اور خوراک کی قلت سے پریشان ہو کر واپس چلے گئے۔ بہت سے راستے میں مرکھپ گئے۔ جو بچ گئے، وہ بمشکل واپس وطن پہنچ

Marfat.com

سکے۔بعض فوجیوں نے سمندر کے راستے واپسی کا سفر کیا۔عرب سے انکا انخلا ساٹھ دن میں مکمل ہو سکا۔اس طرح اہل یورپ کی عرب فتح کرنے کی یہ پہلی اور آخری کوشش بھی بری طرح ناکام ہوگئی۔مزید تشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیے۔ھٹی کتاب مذکور ص۴۶ (Roman Expedition)

۵۔سلیمان ندوی، کتاب مذکور:۱/۱۷۰۔۱۷۱

۶۔ایضاً ص ۱۸۵

۷۔ایضاً

۸۔حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کتاب مذکور۳/۲۷۵

۹۔ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن ج ۲ ص ۳۹۳

۱۰۔سلیمان ندوی، کتاب مذکور:۲/۳۰۵

۱۱۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذنوبیا نے اپنی انگوٹھی میں چھپایا ہوا زہر چاٹ کر خودکشی کر لی تھی۔

۱۲۔کہا جاتا ہے کہ ابجد کی ابتدا جزیرہ نمائے سینا میں ہوئی۔شروع شروع میں مصری تصویری زبان میں لکھا کرتے تھے۔انکے ہاں بیل کے جو سینگ بنائے جاتے تھے اس سے آرامی زبان کا ''الف'' بنا۔اس طرح چار دیواری کے آگے دروازہ ◻ گھر (بیت) کی علامت تھا۔اس سے حرف ''ب'' بنا۔اونٹ کی کوہان میں بیٹھا ہوا آدمی ''ج'' (جمل) بنا۔یہیں سے عربی اور عبرانی کے حروفِ تہجی بنے۔یونان کے لوگوں نے بھی یہ حروف تہجی اپنائے لیکن قدرے اختلاف کے ساتھ اور وہاں سے یوروپی زبانوں کا آغاز ہوا۔مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے،ھٹیؔ، کتاب مذکور ص ص ۷۰۔۷۱۔

۱۳۔ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ:۱/۳۷۔

۱۴۔ دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۷/۱۷۴

۱۵۔ ھتی، کتاب مذکور ص ۸۶

پانچواں باب قدیم عرب بدویت اور مدنیت

۱۔ مولانا حنیف ندوی، افکار ابن خلدون ص ۳۷۔

۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ ۲۵/۴

۳۔ ھتی، کتاب مذکور ۲۵

۴۔ غَزْوٌ اَ وغَزْوٌ وَاناً و غَزْاوَ ۃً کا معنی ہے لڑنے کیلئے نکلنا، لوٹ مار کے کیلئے حملہ کرنا۔ غازی جنگ کرنے والا اور مُغزِیہ وہ عورت ہے جس کا خاوند جنگ میں ہو۔ المغازی، غازیوں کے کارناموں کے مناقب۔ قبل اسلام ہر قسم کی جنگی مہم غزوہ کہلاتی تھی۔ بعد ازاں یہ اصطلاح ان جنگوں کیلئے مخصوص ہوگئی جن میں رسول ﷺ نے شمولیت کی تھی۔ وہ فوجی مہم بھی غزوہ کہلانے لگی جس میں آپ ﷺ تشریف لے گئے ہوں اور جنگ نہ ہوئی ہو۔ سریّہ وہ فوجی مہم کہلائی جس میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت نہ فرمائی ہو۔ غزوہ کی جمع غزوات اور سُریہ کی سرایا ہے۔

۵۔ علی بلگرامی، کتاب مذکور ص ۱۶۲

۶۔ سلیمان ندوی، ارض القرآن۔ ۳۴۰/۲

۷۔ ایضاً ص ص ۳۴۱۔۳۴۲

۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ ۳۵/۸

۹۔ قاضی ظفر الدین، علق نفیس (سبعہ مُعَلقات) ص ۱۹۰۔ علامہ اقبال نے بھی عنترہ کے اس شعر کا حوالہ دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس شعر میں عنترہ رات بھر سخت محنت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی عزت کی روزی کا ذکر کرتا ہے، تو دراصل زندگی کی مثبت اقدار کی تائید کرتا ہے۔ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے اس شعر کو اس لیے پسند فرمایا تھا کہ اس سے عربوں کے ''مُرُوءۃ'' کے آئیڈیل کا اثبات ہوتا تھا اور اسکے ساتھ اسلامی تعلیمات کی تائید بھی ہوئی تھی۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے۔

" Speaches , Writings and Statements of Iqbal" Compiled and edited by Latif Ahmad Shirwani, Iqbal Accademy Lahore 1877 pp. 124-125.

۱۰۔ علی بلگرامی، کتاب مذکور ص ص ۱۴۳۔۱۴۴

چھٹا باب جاہلیت کی سماجی، اخلاقی و مذہبی زندگی

۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ: ۷/۸۰

۲۔ ایضاً ص ۸۱

۳۔ ایضاً

۴۔ الکشّاف بذیل تفسیر (۳۳:۳۳)

۵۔ دائرہ معارف اسلامیہ ۱۴/۱۔ص ۲۱۲

۶۔ ابن عبدربیہ، العقد الفرید ۳/۱۰۸ بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۱ ص ۲۲۶

۷۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری، کتاب مذکور ص ۸۳

۸۔ بعض اہل علم کے بقول ایک شخص عمرو ابن لحی شام سے بت لے کر اندرونِ عرب آیا تھا۔ ابن ہشام ۱/۱۰۸

۹۔ سر سید احمد خان، کتاب مذکور ص ۱۵۵

۱۰۔ سلیمان ندوی، ارض القرآن ص ۴۱۴

Marfat.com

۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ ''اُر'' میں پیدا ہوئے تھے۔ صابیت کا بڑا مرکز ''حران'' تھا۔ یہ ''اُر'' دراصل ''حران'' ہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ بت پرستی اور ستارہ پرستی کے رجحانات سے لبریز تھا۔ سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کے عرفان حقیقت کو تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیئے انہوں نے عوام کے اعتقادات کو رد کرنے کیلیئے وہ اسلوب اختیار کیا جو اہل مناظرہ کے ہاں رائج ہے۔

مزید تشریح کیلیئے دیکھئے۔

(الف) سلیمان ندوی، ارض القرآن ص ۳۴۶ (صابیت)

(ب) سرسید احمد خان، کتاب مذکور ص ۱۶۷

۱۲۔ سلیمان ندوی، کتاب مذکور ص ۱۱۲

۱۳۔ ھٹی، کتاب مذکور ص ۱۰۷

ساتواں باب حضرت اسمٰعیلؑ اور مکہ معظّمہ

۱۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ جھوٹ بولا تھا کہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو توڑا ہے۔ یہ اعتراض قطعی بے بنیاد ہے کیونکہ یہ استدلال کا ایک خاص انداز ہے جس میں کوئی شخص اپنے مخالف کے منہ سے وہ بات کہلواتا ہے جس پر کہ وہ خود یقین رکھتا ہے۔ مزید برآں حضرت ابراہیمؑ نے بیماری کا جو عذر پیش کیا تھا۔ (انی سقیم) تو عین ممکن ہے کہ ان کی طبیعت واقعی ناساز ہو۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے خوامخواہ جھوٹ قرار دے دے۔

۲۔ حضرت ہاجرہ دراصل شاہِ مصر کی بیٹی تھیں۔ انہیں شاہ مصر نے حضرت ابراہیمؑ کے عقد میں دے دیا تھا تاکہ وہ اس دور کے دستور کے مطابق ابراہیمؑ کی پہلی بیوی (سارہ) کی

Marfat.com

خدمت کریں۔ اسی وجہ سے اسرائیلی مفسّرین نے انہیں شاہزادی کی بجائے لونڈی قرار دے کران کا مرتبہ کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بنوسارہ یا بنواسرائیل حضرت ابراہیمؑ کی اصل اولاد ہیں جبکہ اسمٰعیل لونڈی کے بیٹے تھے۔ اسطرح وہ عرب مستعربہ کو حقیر ثابت کرتے ہیں۔ حضرت ہاجرہ اصلاً شاہی خاندان سے تھیں۔ بات صرف اتنی تھی کہ چھوٹی بیگم ہونے کے ناتے ان پر سارہ کی خدمت فرض تھی۔ اس لیئے توریت میں انہیں لونڈی یا 'امۃ' (خدمتگزار) کہا گیا ہے۔ تفصیلی مطالعہ کیلیئے ملاحظہ کیجئے: مولوی عنایت رسول، چڑیا کوٹی کا مقالہ النصوص الباہرہ فی حریۃ الھاجرہ" درسیرت احمدیہ، سرسید احمد خاں ص ۳۱۵۔

۳۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاجرہ کو مکہ چھوڑ آنے سے بہت پہلے جبکہ حضرت ہاجرہ بچے کی ماں نہیں بنی تھی۔، وہ ایک دفعہ سارہ کے طعنوں اور توہین آمیز سلوک سے تنگ آ کر گھر چھوڑ گئی تھیں۔ توریت میں ہے۔

"سارہ اس پر (ہاجرہؑ) سختی کرنے لگی اور وہ اس کے پاس سے بھاگ گئی اور وہ خداوند کے ایک فرشتے کو بیاباں میں ایک چشمہ کے پاس ملی جو کہ شور کی راہ پر ہے۔ اس نے کہا اے سارہ کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی ہے اور کہاں جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں اپنی بی بی سارہ کے پاس سے بھاگ آئی ہوں۔ خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے پاس لوٹ جا اور اپنے کو اس کے قبضہ میں کر دے۔ اور خداوند کے فرشتے نے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اسکا شمار نہ ہو سکے گا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اور اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ کیونکہ خدا نے تیری سن لی ہے" (پیدائش باب ۶۔ ۲:۱۷) واضح رہے کہ

اضحٰق یا اسحٰق کا مطلب ہنسنا ہے اور ایل کا معنی ہے اللہ۔

۴۔ سلیمان ندوی، ارض القرآن ج ۲ ص ۲۸۵۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ پنجاب کے علاقے میں نہری نظام سے پہلے غیر مزروعہ زمین کو ''بار'' کہا جاتا تھا۔ مثلاً ستلج کا غیر مزروعہ علاقہ ''نیلی بار'' کہلاتا تھا۔ ستلج کا پانی چونکہ گہرا نیلا تھا، اسی لیے یہ نیلی بار کے نام سے مشہور ہوا۔ نہری نظام سے پہلے راوی اور ستلج کا درمیانی علاقہ بھی بنجر اور غیر مزروعہ تھا۔ اسے بار کی دوآب کہا جاتا تھا۔ کاشتکاروں نے اسے چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ راوی بار، بیاس بار، گنجی بار اور نیلی بار۔

۵۔ توریت کی رو سے حضرت ہاجرہ جب پہلی بار گھر چھوڑ کر چلی گئی تھیں تو پھر اسمٰعیل کی پیدائش کی بشارت پا کر لوٹ آئی تھیں۔ لیکن سارہ نے پھر انہیں گھر سے نکال دیا۔ اب کی دفعہ حضرت ابراہیم کی مرضی بھی اس میں شامل ہو گئی۔ اس وقت اسمٰعیل کے بعد اسحٰق کی پیدائش ہو چکی تھی۔ توریت میں ہے:

''اور جب اس کا بیٹا اسحٰق پیدا ہوا تو ابرام سو برس کا تھا۔ وہ لڑکا بڑا ہوا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا۔ اور اسحٰق کے دودھ چھڑانے کے دن ابرام نے زبردست ضیافت کی۔ سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اسکے ابرام سے ہوا تھا، ٹھٹھے مارتا ہے، تب اس نے کہا اس لونڈی کو اور اسکے بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے اسحٰق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر ابرام کو اپنے بیٹے کے بارے میں یہ بات بری محسوس ہوئی۔ اور خدا وند نے کہا تجھے اس لڑکے اور لونڈی کے باعث برا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھے کہتی ہے، مان لے۔ کیونکہ اسحٰق سے تیرا نام چلے گا اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا، اس لیئے کہ وہ تیری نسل

Marfat.com

ہے۔ تب ابرام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا۔ بلکہ اسے اسکے کاندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بئر سبع کے ویرانے میں آوارہ پھرنے لگی'' (پیدائش ۱۶:۱۰)

۶۔ ایک روایت کی رو سے حضرت اسمٰعیلؑ جہاں پڑے رو رہے تھے اور بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے، وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔

۷۔ توریت کے بیان کے مطابق 'ذبحِ عظیم' کا واقعہ حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ پیش آیا۔ توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسحٰقؑ کو قربان کرنے لگے تو حکم الٰہی نے انہیں روک دیا اور جب انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک مینڈھا کھڑا تھا جس کے سینگ جھاڑیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حکم خداوندی سے اسحٰقؑ کی جگہ مینڈھے کو ذبح کر دیا اور پھر اسے جلا دیا۔ لیکن قرآن حکیم اس واقعہ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف منسوب کرتا ہے اور مینڈھے کی سوختنی قربانی کا ذکر نہیں کرتا، صرف اسے ذبح کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔ مزید تشریح کیلئے دیکھیئے: حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کتاب مذکور ج ا ص ۲۳۵۔

۸۔ بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں یہ طویل روایت حضرت عبداللہ عباس سے منسوب ہے۔

۹۔ مزید مطالعہ کیلئے دیکھیئے: محمد حسین ہیکل، حیات محمد ص ۹۹

۱۰۔ صحف ابراہیمؑ کا ذکر قرآن حکیم میں بھی آتا ہے (النجم: ۳۶:۳۷۔ الاعلیٰ: ۱۹) کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے کئی صحیفے موجود تھے۔ لیکن یہ سارے ناپید ہو گئے، سوائے ایک صحیفے کے جو کہ ۱۹۲۷ء میں لندن (Testament of Ibraham-GHBOX) کے نام سے شائع ہو

Marfat.com

ہو چکا ہے۔ دیکھئے دائرہ معارف اسلامیہ بذیل "ابراہیم"

۱۱۔ صدیوں بعد ایسا طرز استدلال افلاطون نے اختیار کیا اور اپنے مخالفین کی زبان سے وہ کچھ کہلوایا جو وہ خود کہنا چاہتا تھا۔ مثلاً وہ پروٹاگورس کے اس نظریہ کو باطل ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ذاتی رائے اور محسوسات علم کا درجہ رکھتے ہیں اور جو کچھ انسان محسوس کرتا ہے وہ درست ہوتا ہے۔ اس نظریہ کا رد اس نے بڑے خوبصورت انداز میں یوں کیا ہے

پروٹاگورس "جو تمہارے لیے سچ ہے وہ تمہارے لیے سچ ہے اور جو میرے لیے سچ ہے وہ میرے لیے سچ ہے۔"

افلاطون "تمہارا کیا مطلب ہے کہ میری ذاتی رائے سچ ہے۔"

پروٹاگورس "یقیناً میرا یہی مطلب ہے۔"

افلاطون "لیکن میرے عزیز پروٹاگورس! میری رائے یہ ہے کہ صداقت اضافی نہیں، یہ مطلق اور معروضی حیثیت رکھتی ہے۔ مزید برآں میری رائے یہ ہے کہ تمہارا صداقت کے بارے میں یہ نظریہ کہ وہ اضافی ہے، سراسر غلط ہے اور اسکو ترک کر دینا چاہیئے۔ کیا تمہارا اب بھی یہ نظریہ ہے کہ میری رائے سچی ہے؟"

پروٹاگورس: "ہاں! تم بالکل درست کہتے ہو!" (مکالمہ تھیاٹیٹس)

۱۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب "کذبات ثلاث" کی حقیقت جاننے کیلئے ملاحظہ کیجئے: حفظ الرحمن سیوہاروی، کتاب مذکور ج ۱ ص ۱۹۸۔

۱۳۔ سلمان ندوی، کتاب مذکور: ج ۲ ص ۱۸۵

۱۴۔ سرسید احمد خان، کتاب مذکور ص ۳۸۰

۱۵۔ سلمان ندوی، کتاب مذکور ج ۲ ص ۲۸۳

Marfat.com

آٹھواں باب عامُ الفیل

۱۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کتاب مذکور ج ۳ ص ۳۶۱

۲۔ ابن ہشام: ۱/ ۶۳

۳۔ مولانا مودودی، تفہیم القرآن ج ۶ ص ۴۶۲

۴۔ ابن ہشام: ۱/ ۷۵

۵۔ مودودی، کتاب مذکور ص ۴۶۲

۶۔ ابن ہشام: ۱/ ۸۰

۷۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کتاب مذکور ج ۳۔۴/ ص ۳۶۸

۸۔ ابن ہشام: ۱/ ۸۱

۹۔ ان تمام مفسّرین کے نقطہائے نظر کو جنہوں نے کوشش کی ہے کہ سورہ فیل میں کوئی اچنبھایا اعجوبہ پن نظر نہ آئے، حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور ایک ایک نکتہ کی تشریح کے بعد مسکت جواب دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کتاب مذکور ص ۳۶۳۔

۱۰۔ مزید تشریح کیلئے ملاحظہ فرمایئے ابوالاعلیٰ مودودی، کتاب مذکور ج ۶ بذیل سورہ فیل ص ۴۶۴۔

نواں باب ولادت مبارکہ

۱۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی: ۴/ ۱۲

۲۔ یونانیوں اور مصریوں کو زمانۂ قدیم سے ہی فنِ سنگتراشی میں کمال حاصل تھا۔

جب یہاں مسیحیت کا غلبہ ہوا تو یہ ایک فطری امر تھا کہ وہ مسیحی تعلیمات کو مقامی رنگ میں رنگ دیتے۔

۳۔ اس آیۂ شریفہ میں رومیوں اور ایرانیوں کی مخاصمت کا خصوصی حوالہ ہے۔ لیکن عمومی حوالہ پوری دنیا کی طرف ہے۔ ''ہاتھوں کی کمائی'' سے مراد وہ فسق و فجور اور ظلم و جور ہے جو شرک یا دہریت کا عقیدہ اختیار کرنے اور آخرت کو نظر انداز کر دینے سے لازماً انسانی اخلاق و کردار میں رونما ہوتا ہے۔ ''شاید کہ وہ باز آ جائیں۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا سے پہلے اس دنیا میں انسانوں کو ان کے تمام اعمال کا نہیں، بلکہ بعض اعمال کا برا نتیجہ اس لیے دکھاتا ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں اور اپنے تخیلات کی غلطی کو محسوس کر کے انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ عقائد صالحہ کی طرف رجوع کر سکیں۔ تفہیم القرآن ۷۶۱/۳۔

۴۔ سعید شیخ، مولف، ری کنسٹرکشن (انگریزی) ص ۱۱۶ (اصل انگریزی متن کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔)

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ ابن ہشام: ۲۷/۳

۸۔ شبلی نعمانی: ۵۰/۱

۹۔ ایضاً ص ص ۳۸۔۳۹

۱۰۔ درایت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کا استعمال کر کے یہ فیصلہ کرے کہ متعلقہ روایت صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس اصول کی تعیین بھی خود قرآن حکیم نے سورہ نور

میں کردی ہے: ولولا اذ سمعتموہ قلتم مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحنک ھذا بھتان عظیم (نور:۱۶) ''اور جب تو نے سنا تو یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔'' اس آیت میں حضرت عائشہؓ کی عصمت مآبی کی تصدیق کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس الزام کو سنتے ہی اسکی تردید کر دینی چاہیئے تھی۔ اس میں روایت کے تسلسل کو قائم کرنے اور صحتِ روایت کا تعین کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ جیسے 'مواہب لدنیہ'' میں مندرج واقعۂ غرانیق ہے۔ سورہ نجم میں جب لاۃ، عزیٰ اور مناۃ کا ذکر آیا تو لوگوں نے مشہور کر دیا کہ حضور ﷺ کی زبان سے شیطان نے یہ فقرہ ادا کروادیا ہے کہ ''تلك غرانيق العلى و شفا عتھن لترتجى'' (نعوذ باللہ) اور یہ سن کر کافروں اور مشرکوں نے حضور ﷺ کے ساتھ سجدہ کر دیا تھا۔ (واقعہ غرانیق کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے: سرسید احمد خان، خطباتِ احمدیہ، ص ۲۸۸)۔ ایسے بیانات اور روایت جو اسلام کے بدیہی اصولوں سے متصادم ہوں، انکے لیئے فنِ روایت کی ضرورت نہیں۔ انہیں اپنی عقل استعمال کرتے ہوئے رد کر دینا چاہیئے۔ اور اگر کوئی صحیح حدیث ایسی ہو جسے رد کرنا آسان نہ ہو اور اسے درایتاً صحیح تسلیم کرنا بھی ممکن نہ ہو، تو وہاں یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ واقعہ کو سمجھنے اور اسے بیان کرنے میں کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کے ''کذبات ثلاث'' کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ روایت کے موضوع پر تفصیلی مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے شبلی سیرۃ النبی ﷺ: ۶۶/۱ (مقدمہ)

۱۱۔ اسی طرح کی مزید روایات موضوعہ کے مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔ طٰہٰ حسین، نقوش سیرت: ۱۹۷/۱

۱۲۔ شبلی، کتاب مذکور: ۶۷/۱

۱۳۔ مولانا غلام رسول مہر (مرتب) رسولؐ رحمت ص ۴۵

Marfat.com

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ''سحر'' کا معنی دھوکا بھی ہوتا ہے۔ یہاں اس سے یہی مراد ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ تفہیم القرآن بذیل تفسیر سورہ یوسف (آیہ نمبر ۶)

۱۶۔ سرسید احمد خان، کتاب مذکور ص ۴۱۴

۱۷۔ ایضاً ص ۴۳۳

۱۸۔ ایضاً ص ۴۵۲

۱۹۔ ابن ہشام: ۱/۲۲۸۔۲۲۹

۲۰۔ شیخ عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس فرزند ہونگے تو وہ ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ عبدالمطلب نے تیروں سے فال نکالی۔ تینوں دفعہ حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے فیصلہ کرلیا کہ وہ عبداللہ کو قربان کر دیں گے۔ لیکن کاہنوں اور بعض سرداروں کے کہنے پر انہوں نے ذبح فرزند کے عوض سو اونٹ قربان کر دیئے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے ابن ہشام: ۱/۱۷۷

۲۱۔ طٰہٰ حسین، کتاب مذکور: ۱/ ۲۰۴

۲۲۔ دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۹/ ۱۴

۲۳۔ تفہیم القرآن: ۵/۴۶۱

۲۴۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ ۱۹/ ۱۲ و علامہ منصور پوری، کتاب مذکور ص ۔۳۵۔

دسواں باب چالیس برس

۱۔ گیورگیو گونسٹن ویژریل (مترجم عبدالصمد صارم الازہری، ''محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''،

Marfat.com

ص ۲۲۔

۲۔ سر سید احمد خاں، کتاب مذکور ص ۴۶۶

۳۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص ۵۹۷

۴۔ ابن ہشام: ۱/۱۸۷

۵۔ محمد طفیل، مدیر، نقوش رسول نمبر: ۲۰/۲

۶۔ ابن ہشام: ۱/۱۹۰

۷۔ ایضاً

۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۹/ ۲۴

۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۵۹

۱۰۔ دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۹/۲۶

۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ۶۱

۱۲۔ گیورگیو، کتاب مذکور ص ۴۰

۱۳۔ بعض محققین کے نزدیک حضور ﷺ کے تین اور بعض کے نزدیک چار بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن یہ سب کے سب شیر خوارگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ دیکھئے محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۱۳۹

۱۴۔ حافظ ابن قیم، مترجم عبدلعزیز آفندی، ھدی الرسول اختصار زاد المعاد ص ۴۸

۱۵۔ شبلی، کتاب مذکور: ۱/۱۹۲

۱۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ۶۳ (نمبر ۱۵۸) اور منصور پوری، کتاب مذکور: ۱/۸۳

Marfat.com

۱۷۔ منصور پوری، کتاب مذکور ۱/ ۸۳

۱۸۔ المواہب اللدنیہ: ۱/ ۳۲۔۳۳

۱۹۔ اس موضع پر مزید مطالعہ کیلئے ملاحظہ کیجئے:

(الف) نقوش، رسول نمبر: ۱/ ۴۰

(ب) دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۹/ ۸۹

(ج) مسلم، شمائل نبوی

۲۰۔ ابن ہشام: ۱/ ۲۶۱

۲۱۔ حنفیوں کے بارے میں مزید معلومات کیلئے دیکھئے، مودودی، سیرت سرورِ عالم ص ۵۹۷

۲۲۔ گیورگیو، کتاب مذکور ص ۲۲

۲۳۔ شبلی، کتاب مذکور: ۱/ ۱۴۷

۲۴۔ ابن ہشام: ۱/ ۲۶۲

۲۶۔ ''ناموس'' (Namos) یونانی لفظ ہے جس کا معنی ہے، قانون اور لفظ تورات کا ترجمہ یونانی میں اسی لفظ سے کیا جاتا ہے۔ ''توریت'' (عبرانی) اور ''ناموس'' (یونانی) ہم معنی الفاظ ہیں۔ دیکھئے:

(الف) دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۹/ ۲۹

(ب) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ۹۷

کئی سیرت نگاروں نے ''ناموسِ اعظم'' سے مراد حضرت جبرائیل فرشتہ لی ہے۔

Marfat.com

۲۸۔ابن ہشام:۱/ ۲۶۴

۲۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ۷۹

۳۰۔ایضاً ص ۸۰

۳۱۔ ان آیات کے مطالب اور تشریح کیلئے ملاحظہ فرمایئے: مودودی تفہیم القرآن ج ۶ بذیل تفسیر سورہ مدثر ص ۱۴۲

۳۲۔مولانا غلام رسول مہر (مرتب)، رسولِ رحمت ص ۹۶

۳۳۔ایضاً ص ۸۹

۳۴۔ایضاً ص ۱۰۲

گیارہواں باب وحی اور صاحب وحی

۱۔مزید تشریح کیلئے ملاحظہ فرمایئے: ''لغات القرآن'' جلد چہارم مرتبہ غلام احمد پرویز ص ص ۲۱۔۲۲

۲۔مولانا سعید احمد اکبر آبادی، وحی الٰہی ۱۲۵

۳۔ایضاً

۴۔ شاہ ولی اللہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' ص ۴۴ نیز اس آیت کی دلچسپ اور فکر انگیز تشریح کیلئے ملاحظہ فرمایئے ''تفہیم القرآن'' ج ۴ ص ص ۱۳۵۔۱۳۷۔

۶۔علامہ محمد اقبال، ری کنسٹرکشن (انگریزی) ص ۱۲۔

۷۔معتزلہ عقل کو معتبر اور قابلِ اعتماد راہنما کہتے ہیں۔لہذا ان کا موقف یہ ہے کہ جہاں عقل اور وحی کے مابین تضاد نظر آئے وہاں وحی کی ایسی عقلی تاویل کرنا چاہیے جس سے تضاد ختم

ہو جائے۔ روایت پسند علماء اس کے برعکس عقل کو ناکافی ذریعہ علم قرار دیتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک بعض حالات میں عقل گمراہ کن ثابت ہوتی ہے۔ علامہ اشعری ان دونوں انتہاؤں کے بین بین چلتے ہیں

۸۔ نعیم احمد، تاریخ فلسفۂ جدید ص ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

۹۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی، کتاب مذکور، ص ۳۲

۱۰۔ شاہ ولی اللہ، کتاب مذکور، ص ۴۵

۱۱۔ اس نکتہ کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ کیجئے: مولانا سعید احمد اکبرآبادی، کتاب مذکور ص ۵۴ بذیل ''آنحضرت اور رویتِ باری''

۱۲۔ خلیفہ عبدالحکیم، حکمتِ رومی، ص ۹۰

۱۳۔ ایضاً ص ۸۶

۱۴۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی، کتاب مذکور ص ۱۵۶۔

۱۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے جس طرح چاند، تاروں اور سورج کے طلوع وغروب سے تصور باری تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ہے، وہ دراصل انہوں نے اپنی قوم کو سمجھانے کیلئے بطور ایک طریقِ استدلال اختیار کیا ہے۔ یہ کہنا کہ وہ خود چاند، تاروں اور سورج کے مشاہدے سے اللہ تعالیٰ کے اصل تصور کی طرف مائل ہوئے تھے، درست نہیں، انبیاء علیہم السلام کا ایقان عقلی واستقرائی براہین پر قائم نہیں ہوتا، بلکہ باری تعالیٰ سے ذاتی تعلق کی وجہ سے انہیں غیر متزلزل اور یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (انبیاء: ۵۱)

''اور بلاشبہ ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت عطا کر رکھی تھی اور ہم بھی اس

Marfat.com

کے واقف کار ہیں۔''

یہاں یہ سوال بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر انہیں پہلے ہی ہدایت دی جا چکی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ کیوں تقاضا کیا کہ حیات بعد الموت کے بارے میں انہیں کوئی ٹھوس ثبوت دکھایا جائے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کی طبیعت میں حقائق کی کُنہ اور اشیاء کی ماہیت جاننے کا ذوق وشوق بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو کچھ حاصل ہوا اس کی بنا پر وہ ''علم الیقین'' کی سطح پر تھے۔ لیکن اپنے میلانِ طبع کی وجہ سے وہ ''حق الیقین'' کی سطح تک رسائی چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ استفسار فرمایا کہ وہ کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے پوچھا: ''کیا تم اے ابراہیم! اس بارے میں یقین وایمان نہیں رکھتے؟'' حضرت ابراہیم نے فوراً کہا: ''کیوں نہیں! میں بلاتوقف اس پر ایمان رکھتا ہوں، لیکن میرا یہ سوال ایمان ویقین کے خلاف نہیں، میں تو صرف یقین کی اگلی منزل یعنی حق الیقین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ صرف اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی کیفیت کیا ہوگی!'' اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ پرندے لینے اور ان کا قیمہ کر کے مختلف ٹیلوں پر بکھیر دینے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ اب تم انہیں بلاؤ۔ ابراہیمؑ نے ایسا کیا تو وہ پرندے اڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے۔ اس واقعہ کو قرآن حکیم میں نہایت بلیغ وجمیل انداز میں بیان کیا گیا ہے (دیکھئے سورہ بقرہ: ع ۳۵) مزید مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے: حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کتاب مذکور: ۲۵۲/۱۔

۱۶۔ یہاں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نبی ﷺ سے خدانخواستہ کوئی بڑی اجتہادی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے مزاجِ گرامی کی مناسبت سے کسی امر کو ترجیح دی، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کسی اور طرح کا صادر ہوا۔ یہ بھی گنی چنی اور چند مثالیں ہی ہیں

جن میں نبی ﷺ کو احسن سے ''احسن ترین'' فیصلے کی طرف لے جایا گیا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان چند ایک مثالوں کے علاوہ باقی تمام معاملات میں نبی ﷺ کی اجتہادی آراء کو حق تعالیٰ کی مکمل تائید و پسندیدگی حاصل تھی۔

۱۷۔ مولانا حنیف ندوی، مسئلۂ اجتہاد، ص ۱۲۶ بذیل تفسیر سورہ عبس

۱۸۔ مزید مطالعہ کیلئے دیکھئے: تفہیم القرآن: ۴/ ۱۳۴

۱۹۔ علامہ اقبال، کتاب مذکور (انگریزی)، ص ۱۱۰

۲۰۔ مزید تشریح ملاحظہ فرمایئے: مولانا شبیر احمد عثمانی، اعجاز القرآن (سلسلۂ تقاریر)

۲۱۔ علامہ اقبال، کتاب مذکور ص ص۔ ۲۱۔۲۲

بارہواں باب تیرہ برس

۱۔ ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا۔ اسے ابولہب اس لیئے کہتے تھے کہ اس کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ ''لہب'' شعلے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس کا چہرہ شعلے کی طرح دہکتا تھا اس لیئے اسے ''ابولہب'' کہا جاتا تھا جیسے ہم اردو میں سرخ چہرے والے کو ''شعلہ رو'' کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اور آپ ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ حریص اور لالچی اتنا تھا کہ ایک دفعہ اس نے کعبہ کے خزانے سے سونے کا ایک ہرن چرا کر بیچ دیا۔ اس نے بہت مال وزر اکٹھا کر رکھا تھا۔ ایک روایت کے مطابق قریش کے ان چار متمول ترین آدمیوں میں سے تھا جن کے پاس ایک ایک قنطار سونا تھا۔ ایک قنطار دو سو اوقیہ کے برابر ہوتا ہے اور ایک اوقیہ میں سوا تین تولے سونا ہوتا ہے۔ ابولہب جنگِ بدر میں کفار کی طرف سے خود شریک نہ ہوا تھا۔ اس نے عاص ابن ہشام کو اپنا نمائندہ بنا کر جنگ میں بھیج دیا تھا اور کہا تھا کہ تم میری

Marfat.com

طرف سے وہاں لڑوا اور اس کے بدلے میں وہ چار ہزار درہم معاف کر دوں گا جو تم نے مجھے ادا کرنے ہیں۔ اس سے اسکی خست طبع اور بزدلی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب بدر میں کفار کو شکست ہوگئی تو اس کے کچھ دنوں بعد ہی اسے چھوت کی بیماری لگ گئی۔ اسکی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ کوئی اسکے قریب نہیں پھٹکتا تھا۔ یہ ایک کوٹھڑی میں ایڑیاں رگڑ تا مر گیا۔ کوٹھڑی کی دیواروں کو اسکے اوپر ڈھا کر مٹی ڈال دی گئی۔ ایک روایت کی رو سے اسکی کوٹھڑی کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اسطرح یہ نزول سورۂ لہب کے کچھ سالوں بعد ہی اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ گیا۔

۲۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے، صفی الرحمٰن مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۱۴۳۔

۳۔ دائرہ معاف اسلامیہ ۳۱/۱۹۔۲۳

۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور (تاریخ قرآن) ص ص ۱۳۔۱۴

۵۔ حنیف ندوی مطالعۂ حدیث ص ۶۶

۶۔ محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۱۷۴

۷۔ منصور پوری، کتاب مذکور ج ۱ ص ۶۱

۸۔ سر سید احمد خان، کتاب مذکور ص ۱۸۵

۹۔ محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۱۸۵

۱۰۔ ایضاً ص ۱۸۶

۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ۱۲۶

۱۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ: ۷۳/۱۹

Marfat.com

۱۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ص ۱۲۹۔۱۳۰

۱۴۔ ایضاً ص ۱۲۴

۱۵۔ ایذا رسانی کے واقعات کو الگ عنوان کے تحت اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ قریش کی شقاوت اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کی استقامت اور صبر و تحمل کا اندازہ ہو سکے۔ ورنہ ان واقعات میں کوئی زمانی تسلسل نہیں۔ یہ پورے مکی دور میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۶۔ جعفر پھلواروی، پیغمبر انسانیت، ص ۱۲۲

۱۷۔ ایضاً ص ۱۳۷

۱۸۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۲۲۳

۱۹۔ معراج کا واقعہ مسلمانوں کی مذہبی و علمی روایت میں مخصوص اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا کی تمام مسلم اقوام میں معراج نامے موجود ہیں مسئلۂ معراج نے مسلمانوں کی سیاست پر بھی اثر ڈالا ہے اور اسکے جسمانی یا روحانی ہونے کے بارے میں لڑائیوں تک بھی نوبت پہنچ گئی۔ معراجِ محمدی ﷺ سے متاثر ہو کر بعض صوفیاء نے بھی اپنی سیاحتِ علوی اور مشاہدۂ تجلّیات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً محی الدین ابن العربیؒ نے ''فتوحات مکیہ'' میں دو افراد کو اپنا راہنما بنایا ہے جن میں ایک فلسفی ہے دوسرا عالم دین، سیرِ افلاک کے دوران ان دو افراد کی زبانی اسرار و حقائق معراج پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ابن عربی کا انداز مذہبی اور فلسفیانہ ہے۔ بایزید بسطامی نے بھی اپنے معراج کی کیفیات بیان کی تھیں جو کہ اپنے اندر عارفانہ اور متصوفانہ انداز لیے ہوئے تھیں، لیکن ان کے وارداتِ روحانی قلمبند نہ ہو سکے۔ اسی طرح ابوالعلا معری نے بھی اپنے ''رسالہ غفران'' میں اپنی سیرِ افلاک کا ذکر کیا ہے۔ لیکن معرّی کا بیان ادبی ہے۔ ۱۵۵۲ء میں دانتے (Dante) نے ''کامیڈیا'' لکھی جو کہ

Marfat.com

بنیادی طور پر معراج کے بارے میں احادیثِ نبوی اور روایات وغیرہ کا چربہ ہے اور مسلم صوفیاء کا بھی اسپر اثر نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ بعد ازاں اسکی ''کامیڈیا'' کے ساتھ ''ڈیوائن'' کا لاحقہ بھی لگا دیا گیا۔ علامہ اقبالؒ کا بھی یہ ارادہ تھا کہ وہ معراج محمدی ﷺ کے اسرار و غوامض پر کوئی کتاب لکھیں گے۔ یہ شاید نثر کی کتاب ہوتی۔ لیکن ان کی شاعرانہ عبقریت نے بعد ازاں اس خیال کو نظم کے روپ میں پیش کیا اور انہوں نے اسے معراج نامہ کی بجائے ''جاوید نامہ'' کا نام دیا۔ یہ آسمانی ڈرامہ دراصل اسلامی روایت کے تناظر میں ہی پیش کیا گیا ہے۔ اگر احادیث نبوی ﷺ، فتوحات مکیہ، رسالہ غفران، ڈیوائن کامیڈی اور جاوید نامہ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ تو پیغمبر صوفی، فلسفی اور شاعر کا فرق نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے: مقالہ ''جاوید نامہ'' از چودہری در مجلہ نیرنگ خیال اقبال نمبر ستمبر اکتوبر ۱۹۳۳ء

۲۰۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۶۴ بذیل تفسیرِ سورہ بنی اسرائیل

۲۱۔ مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۲۳۷

۲۲۔ رویتِ باری تعالیٰ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ دیدارِ الٰہی مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑا انعام ہے جو کہ مومنین کو مل سکتا ہے۔ یہی اعمالِ صالحہ کا سب سے بڑا اجر ہے۔ اس لحاظ سے یہ ام الفضائل (Summum Bonum) ہے۔ لیکن مسلمان مفکرین کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جسمانی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جا سکتا، نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں! کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سمع و بصر سے ماوراء ہے۔ اس موقف کے حامی معتزلہ ہیں۔ مشہور معتزلی ابوالہذیل کہتا ہے کہ ہم خدا کو جسم کی آنکھ سے نہیں بلکہ روح اور قلب کی ''آنکھ'' سے دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ رویتِ باری کے بارے میں جو آیات قرانی ملتی ہیں، معتزلہ انہیں لغوی مفہوم میں نہیں لیتے اور نہ ہی ان احادیث کو جو رویت باری کے

Marfat.com

بارے میں موجود ہیں، مستند مانتے ہیں۔ اس کے برعکس اشاعرہ کے نزدیک رویت باری تعالیٰ ممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وہ شئے دکھا سکتا ہے جو کہ موجود ہے۔ اللہ بھی موجود ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو ہمیں دکھا سکتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ اگر ہمارے اندر دیدار الٰہی کی صلاحیت ہی نہیں تو اس نے ہمارے اندر یہ تمنا ہی کیوں رکھی ہے اور سب سے بڑے انعام کو ناممکن الحصول کیوں بنا دیا ہے؟ چنانچہ اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنتیوں کو ضرور ہوگا جیسا کہ آیۂ شریفہ "وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (۷۵:۲۲۔۲۳) سے پتہ چلتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اگر جنت میں مومن دیدارِ الٰہی سے فیضیاب ہو سکتے ہیں تو نبی ﷺ اس دنیا میں کیوں نہیں ہو سکتے تھے۔

۲۳۔ بعض معترضین یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابھی نہ تو قیامت بپا ہوئی ہے اور نہ حساب کتاب ہوا ہے، تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ سزا و جزا سے پہلے ہی لوگوں کو اس عمل سے گزرتے ہوئے دکھایا جائے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو یہ تمام مناظر اللہ نے تمثیلاً دکھائے تھے۔ گناہگاروں کو جس طرح سزا ملے گی اسے مثل کر کے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

۲۴۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص ۱۶۰

۲۵۔ اوس و خزرج یثرب کے دو بڑے اور اہم قبیلے تھے۔ ایک دفعہ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں ایک گھوڑا دوسرے سے آگے نکل گیا۔ اس سے دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی جو ایک سو بیس سال تک جاری رہی۔ شروع میں خزرج کا پلہ بھاری رہا، لیکن بعد ازاں انہیں بری طرح ہزیمت ہوئی۔ یہ جنگ یثرب کے قریب "بعاث" کے میدان میں لڑی گئی۔ خزرج پے در پے ناکامیوں کے بعد مکہ اس لیے آئے تھے کہ اہل قریش سے اس جنگ میں

Marfat.com

حلیف بننے کی درخواست کریں۔ اوس اور خزرج آپس کی لڑائی کے علاوہ یہود سے بھی لڑتے جھگڑتے رہے تھے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے جب انہیں دعوتِ اسلام دی تو انہیں آپ ﷺ کی ذات اقدس میں اپنے تمام دکھوں اور مصیبتوں کا علاج نظر آیا۔

۲۶۔ مزید تفصیل کیلئے، جعفر پھلواری، کتاب مذکور ص ۱۵۶ تا ۱۶۰۔

۲۷۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۲۶۷۔

۸۲۔ ابن سعد کے بقول آنحضرت ﷺ کی ایک معمر رشتہ دار خاتون رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم نے آپ ﷺ کو قریش کی اس سازش کی اطلاع دی تھی کہ وہ یکبارگی آپ ﷺ پر قاتلانہ حملے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (دائرہ معارف اسلامیہ: ۴۲/۱۹) ایک روایت کے حوالے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کو اس سازش سے جبریل نے مطلع کیا تھا۔

تیرہواں باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

۱۔ حضرت عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں بڑی تقویت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ بعض حالات میں کفار اگر کسی مسلمان کو مارتے تو وہ بھی انہیں مارتا۔ امام جوزی نے حضرت عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ اسے زدوکوب کرتے تو وہ بھی انہیں مارتا۔

جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معمر جمحی نے نہایت اونچی آواز میں چلّا کر کہا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہوگیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں میں مسلمان ہوا ہوں۔ اس پر کئی لوگ حضرت عمرؓ پر پل پڑے۔ وہ بھی حضرت عمرؓ کو مارتے اور حضرت عمرؓ بھی انہیں مارتے رہے۔ یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور

کہنے لگے تم سے جو بن پڑتا ہے کرلو، اگر ہم تین سو کی تعداد میں ہوتے تو مکے میں تم رہتے یا ہم۔

بقول حضرت صہیب بن سنان رومیؓ، حضرت عمرؓ کے آنے سے گویا اسلام پردے سے باہر آ گیا، اسکی اعلانیہ دعوت دی جانے لگی، ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے اور جو ہم پر سختی کرتا، اس سے انتقام لیتے۔ (صحیح بخاری: ۵۴۵/۱ باب اسلام عمرؓ) لیکن ابھی مزاحمت ہی شروع ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو باقاعدہ قتال کا حکم نہیں ملا تھا۔ جوابی کاروائیوں کے اکا دکا واقعات کے علاوہ مسلمان مجموعی طور پر مظلوم ہی تھے۔ ادھر کفار بھی انہیں قتل کرنے کی حد تک نہیں جاتے تھے کیوں اسطرح قبائلی عداوتوں کی آگ بھڑک اٹھتی۔

۲۔ متعاقبین کی آمد پر اچانک مکڑی کا جالا تان دینا اور کہیں سے کبوتروں کے جوڑے کا آ کر انڈے دینا ایک ایسا معجزہ ہے جسے مواہب لدنیہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی روایت کی رو سے حرم کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔ لیکن اس روایت کو کئی بن معین مستند تسلیم نہیں کرتے۔ (شبلی، سیرۃ النبی ﷺ: ۲۶۳/۱) اس روایت سے انکار کا ایک محرک اسکا معجزاتی اور خارقِ عادت ہونا بھی ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے درجہ استناد سے صرف نظر کر لیں تو ہمیں اس میں خارقِ عادت کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ویرانے میں مکڑی کا جالا تن دینا یا کبوتروں کا انڈے دے دینا بقول مشہور مستشرق منٹگمری کوئی ایسی بات نہیں جسے خارق العادت کہا جائے (محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۲۵۱) مزید برآں یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مکڑی کا جالا اور کبوتروں کا گھونسلا پہلے سے ہی موجود تھا اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت محمد ﷺ پہلو بچا کر تھوڑی سی جگہ میں سے غار کے اندر داخل ہوئے تھے۔ جھاڑیوں میں وقتی طور پر تھوڑی بہت بے ترتیبی یا ہلچل پیدا ہوئی ہوگی جس سے مکڑی کا جالا اور گھونسلا

Marfat.com

متاثر نہ ہوئے ہونگے۔ (واللہ اعلم) اس موضوع پر مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے شبلی، کتاب مذکور ج ۳۔ بذیل معجزات)

۳۔ مولانا پھلواروی، کتاب مذکور ص ص ۱۹۲۔۱۹۳

۴۔ سلمان منصور پوری، کتاب مذکور ص ۴۷

۵۔ عسفان مکے سے مدینہ جاتے ہوئے اونٹوں کے قافلوں کی دوسری منزل ہے۔

۶۔ تمام مقاماتِ سفر کی تفصیلات کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ بیشتر مقامات کا تو آج پتہ بھی نہیں چلتا۔ تفصیلات کے لیے یاقوت کی کتاب کی طرف رجوع فرمایئے۔

۷۔ سنین وتواریخ کی اہمیت اور افادیت پر مفصل مطالعہ کیلئے ملاحظہ کیجئے البیرونی کی کتاب ''آثار الباقیہ'' جو اس نے خاص اس مقصد کیلئے تحریر کی ہے۔ مزید برآں اس موضوع پر مولانا آزاد کے افادات بھی بہت وقیع اور فکر انگیز ہیں۔ دیکھئے رسول رحمت ﷺ، باب، ہجرت اور سنہ ہجری کا آغاز، ص ۱۹۵۔

۸۔ البیرونی نے ایسے دس سنین گنوائے ہیں مثلاً سِنة التّمحیص، سنة الزلزال، سنة الاستیناس، وغیرہ بحوالہ رسول رحمت ﷺ ص ۱۹۸

چودھواں باب عہدِ نو کی تاسیس

۱۔ بحوالہ علامہ اقبال، ری کنسٹرکشن (انگریزی) ص ۱۱۶

۲۔ شبلی، کتاب مذکور ج ا ص ۲۶۷

۳۔ معارف اسلامیہ: ۲۲۹/۲۰

۴۔ صحیح بخاری ۵۸۸/۱۔۵۸۹

Marfat.com

۵۔ وادی رانونا مدینے کی ایک وادی ہے جو جبلِ عیر (جنوب) سے شروع ہو کر شمال کی طرف بڑھتی چلی گئی ہے۔ آبادی سے باہر وادیٔ بطحان آ کر اس سے ملتی ہے جو خود وادیوں سے مل کر بنی ہے۔ یہ عوالی کی جانب سے آتی ہے۔ پھر یہ آبادی کے مغربی کنارے سے گزرتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے اور اُحد کے قریب وادیٔ تناق میں شامل ہو جاتی ہے۔ ان سب کا پانی زغابہ میں جا گرتا ہے جو مدینے سے شمال مغربی سمت میں کچھ فاصلے پر ہے۔

ابن ہشام: ۵۴۴/۱

۶۔ بعد ازاں ان حجروں کی تعداد میں اُمہات المومنین کی تعداد کی مناسبت سے اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ ان کی تعداد نو ہو گئی۔

۷۔ ابن ہشام: ۵۴۸/۱

۸۔ حضرت ابوایوبؓ بڑے شریف النفس انسان تھے۔ اللہ نے میزبانِ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے انکا شرف بہت بڑھایا تھا۔ حضرت علیؓ کے دور میں جب ابوایوبؓ بصرہ گئے تو حضرت ابن عباس وہاں کے گورنر تھے۔ انہوں نے اپنا پورا مکان ان کے قیام کے لیے خالی کر دیا اور خود کہیں اور منتقل ہو گئے۔ جب حضرت ابوایوبؓ واپس آنے لگے تو ابن عباسؓ نے بیس ہزار اشرفیاں نذر کیں۔ امیر معاویہؓ کے دور میں جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو ابوایوبؓ بھی مجاہدین میں شامل تھے۔ قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران انہوں نے وفات پائی۔ انکی وصیت کے مطابق انہیں فصیل شہر کے بالکل قریب دفن کیا گیا۔ ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح نے انکے مزار پر عالیشان مقبرہ تعمیر کروایا اور ساتھ ہی ایک وسیع و عریض مسجد بھی بنوائی۔ عثمانی سلاطین کی تخت نشینی کی رسم اس مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔ وہ مکان جس میں رسول اللہ ﷺ ابو ایوبؓ کے مہمان رہے تھے، مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن حارث نے ایک ہزار دینار میں خریدا اور اسے مدینے کا دارالفقراء بنا دیا۔

Marfat.com

۹۔ جعفر پھلواردی، کتاب مذکور ص ۲۲۲

۱۰۔ مثلاً ہابس، لاک اور روسو! ان کے نظریات اور اسلامی نظریہ کے تقابلی مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے راقم کا مقالہ ''معاہدئ عمرانی اور اسلام کا تصورِ اقتدارِ اعلیٰ'' در ''فلسفہ کی ماہیت'' ص ۹۳۔

۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی ص ۳۵

۱۲۔ معارف اسلامیہ: ۱۲۵/۱۹

۱۳۔ بقول نپولین عربوں کی جدل پسندی نے ان میں بعض اوصاف بہت پختہ کر دیئے تھے اور اس وجہ سے مسلمان بہادر اور سخت کوش قوم کی حیثیت سے ابھرے تھے۔ ملاحظہ کیجئے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کتاب مذکور ص ۱۸۔

۱۴۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ معراج کے موقع پر حضور ﷺ کو اذان کا طریقہ سکھایا گیا تھا اور معراج کے دوران آپ ﷺ نے جو نماز بھی ادا کی اس کے لیئے جبریل نے اذان دی۔ دیکھئے معارف اسلامیہ: ۲۷۶/۲

۱۵۔ صفہ اور اصحابِ صفہ کے تفصیلی مطالعہ کیلئے مندرجہ ذیل مآخذ دیکھئے:۔

(الف)۔ زرقانی: ۴۷/۱۔ مصر

(ب)۔ مسند ابن حنبل: ۱۳۷/۳

(ج)۔ شبلی، کتاب مذکور: ۲۸۱/۱

پندرہواں باب نوزائیدہ شہری ریاست کا منظرنامہ

۱۔ عرب یہودیوں کی روحانیت اور علمیت سے اتنے مرعوب تھے کہ ان کے پاس جا کر اولادِ

Marfat.com

نرینہ کی منتیں مانا کرتے تھے اور یہ عہد کیا کرتے تھے کہ وہ اپنے پہلوٹھی کے بچے کو یہودی بنا دیں گے۔

۲۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: تفہیم القرآن ج ا ص ۱۴۱ تا ۱۴۷

۳۔ ایضاً

۴۔ سلول عبداللہ بن ابی کی ماں کا نام تھا۔

۵۔ تفہیم القرآن: ۴۸/۱

۶۔ ابن ہشام: ۴۸/۱

۷۔ منافقین اور یہود کی سازشوں کے تفصیلی مطالعہ کیلئے دیکھئے:

(الف)۔ ابن ہشام: ۱/ابواب ۷۹، ۰۸، تا ۸۹

(ب)۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۲۲۸ تا ۳۳۸

(ج)۔ محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور، ص ۲۷۷ تا ۲۸۷

سولہواں باب دفاعی انتظامات اور سرحدی مہمّات

۱۔ ابتداء میں حرمِ مدینہ کی حد چار میل (جبلِ عیر اور جبلِ سلع کے درمیان) تھیں۔ فتحِ مکہ کے بعد یہ عیر اور ثور تک پھیل گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگِ اُحد اور جنگ خندق میں کفار نے جب اطرافِ مدینہ میں تاخت کی، تو وہ حرمِ مدینہ کی حدود میں داخل نہ ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس حکم سے بھی پتہ چلتا کہ حرمِ مدینہ کی حدود شروع میں چار میل تھیں کہ چار میل کے رقبے میں کھیتی باڑی نہ کی جائے۔ اسطرح بقول ڈاکٹر حمید اللہ مدینہ کی ریاست دنیا کی سب سے چھوٹی ریاست تھی۔

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد حرم مدینہ کی حدود کا ازسرِ نو تعین کیا گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت کعبؓ بن مالک کے زیرِ نگرانی برجیاں تعمیر کروائیں۔ ذات الجیش، مشیرب، مخیص، خفیاء، ذی العشیرہ اور قیم کے ٹیلوں پر یہ برجیاں تعمیر کروائی گئیں تھیں۔ ان میں سے ہر مقام دوسرے مقام سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ اسطرح حرمِ مدینہ کی سرحدات چار میل سے بڑھ کر بارہ میل تک ہوگئیں تھیں جو کہ جبلِ عیر سے جبلِ ثور تک معتد تھیں۔ ان میں سے جبلِ قیم پر آنحضرت ﷺ کے تعمیر کرائے ہوئے منارے یا برجی کی باقیات اب بھی موجود ہیں۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

(الف)۔ محمد اسلم ملک، مدینہ کی قدیم تاریخ در نقوش رسول ﷺ نمبر: ۴۴۳/۲

(ب)۔ ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدان جنگ ص ۱۸

۲۔ غزوۂ بدر کے بعد بھی قریش نے اسی طرح کا ایک خط منافقینِ مدینہ کو لکھا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن ابی بظاہر خاموش ہوگیا تھا، لیکن در پردہ قریش سے گٹھ جوڑ کرتا رہا تھا۔

۳۔ شبلی، کتاب مذکور: ۵۲۶/۱

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی مہموں کے بارے میں یہ تاثر کہ یہ قافلے لوٹنے کے لیئے ترتیب دی جاتی تھیں اس لیے بھی غلط ہے کہ بعض منازلِ نبوی ﷺ قریش کی شاہراہِ تجارت سے قطعی مختلف سمتوں میں ہوتی تھیں اور آپ ﷺ نے وہاں قیام بھی طویل عرصے کیلئے فرمایا۔ مثلاً ودان میں آپ ﷺ کے مہموں کے اصل مقاصد تبلیغ دین اور قبائلی اتحاد سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر یہ قافلے لوٹنے کیلئے چھاپہ مار مہمیں ہوتیں تو وہاں اتنا عرصہ قیام قطعی غیر ضروری تھا۔

۵۔شبلی، کتاب مذکور:۱/ ۳۷۳تا۳۷۶

۶۔ سرِیّہ کی جمع سرایا ہے۔ یہ مادہ سری، سریٰ و سریۃ و سرایۃ و سریاناً سے مشتق ہے جس کا معنی ہے رات کا چلنا۔ اس میں خفیہ طور پر چلنے کا مفہوم بھی ہے اور ''بعث'' بھی اسکے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۷۔اس موضوع پر مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: مولانا مظہر یٰسین ''عہد نبوی تنظیم ریاست و حکومت'' درنقوش رسول نمبر:۵/ ۳۶تا۳۷۷

۸۔ابن ہشام:۲/ ۲۵۲

سترہواں باب یومِ بدر

۱۔شبلی، کتاب مذکور:۱/ ۳۳۷

۲۔ابن سعد نے ابوسفیان کا یہ قول نقل کیا ہے: والله ماليكة من قريشٍ ولا قرشية له فش" وصاعداً الاّ بعث به منا۔ بحوالہ شبلی، کتاب مذکور ج ا ص ۳۹۹۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قریش مسلمانوں پر بھرپور حملے کی تیاری کا فیصلہ کر چکے تھے۔

۳۔مولانا شبلی کی تحقیق کی رو سے نبی ﷺ مدینے سے قافلہ روکنے کے لیے نہیں نکلے تھے، بلکہ شروع سے ہی آپ ﷺ کا ارادہ قریش کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا تھا۔ اپنے موقف کو انہوں نے قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے شبلی کی کتاب مذکور:۱/ ۳۲۳ ''غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر''

۴۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان دونوں کو حضور ﷺ نے مدینے سے ہی اس مقصد کیلئے روانہ فرمایا تھا۔

Marfat.com

۵۔ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے عمداً لمبا اور پر پیچ راستہ اختیار کیا تھا، تا کہ ابوسفیان کے قافلے کو بچ نکلنے کا موقع مل جائے۔ آپ ﷺ کا اصل مقصد قریش کے لشکر کا مقابلہ کرنا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے، جعفر پھلواردی، کتاب مذکور ص ۲۶۸۔۲۶۹۔ لشکر اور قافلے کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ انفال میں آیا ہے۔

۶۔ برک الغماد، یمن کا ایک مقام ہے اور مکہ سے پانچ منزل کی مسافت پر ہے۔ اس زمانے میں اسے مکے سے بعید ترین جگہ سمجھا جاتا تھا۔ بعض محققین کے نزدیک یہ حبشہ کا ایک مقام ہے۔ بہر حال اس سے یہاں مراد دور دراز کا مقام ہے۔

۷۔ اذ انتم بالعدوۃ الدنیا وھم بالعدوۃِ القصویٰ (الانفال:۴۲)

۸۔ اس ٹیلے پر بعد ازاں ایک جامع مسجد تعمیر کر دی گئی جو آج تک موجود ہے اور اس کا نام ''مسجد عریش'' ہے۔

۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدان جنگ، ص ۳۶

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے: شبلی، کتاب مذکور: ۱/ ص ۳۱۲۔۳۱۳

۱۲۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: تفہیم القرآن، ج ۲ بذیل تفسیر سورہ انفال ص ۱۶۱

۱۳۔ جعفر پھلواردی، کتاب مذکور ص ۲۹۰

۱۴۔ کیرن آرمسٹرانگ، اے بائیوگرافی آف پرافٹ محمدؐ (انگریزی) ص ۱۷۸

۱۵۔ ایضاً

Marfat.com

اٹھارہواں باب بدر سے احد تک

۱۔ 'عدسہ' ایک قسم کی چیچک کی بیماری ہے جس سے سارے بدن پر دانے نکل آتے ہیں۔ اسے عرب میں نہایت خطرناک اور مہلک سمجھا جاتا تھا۔ ابولہب کو شہری آبادی سے دور ایک کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہیں وہ مر گیا اور لوگوں نے کوٹھڑی کو اس کی لاش پر گرا دیا اور اسکے اوپر پتھر ڈال دیئے۔ ایک روایت کی رو اس کی کوٹھڑی کو نذرِ آتش کر دیا گیا تھا تاکہ بیماری کے جراثیم نہ پھیل سکیں۔ اس طرح ابولہب اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا۔

۲۔ ابن ہشام: ۲۱/۲

۳۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۳۴۳ باب ''بدر کے بعد کی سرگرمیاں''

۴۔ ابن ہشام: ۲۹/۲ تا ۳۷

۵۔ ایضاً ص ۲۱

۶۔ ایضاً ص ۲۳

۷۔ محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۳۴۶، ۳۴۷

انیسواں باب یومِ اُحد

۱۔ طبری: ۳۸۶/۳

۲۔ ابن ہشام: ۴۳/۲

۳۔ پچاس گھوڑوں کی بات ابن قیم نے زاد المعاد: ۹۲/۲ میں کی ہے۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ کے بقول مسلمانوں کے پاس سرے سے کوئی گھوڑا تھا ہی نہیں۔ واقدی کہتا ہے کہ صرف دو

گھوڑے تھے، ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس اور ایک ابو بردہؓ کے پاس۔

۴۔ اس میدان میں آج بھی اہل مدینہ تفریح کیلئے آتے ہیں اور تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ معارف اسلامیہ: ۴۳/۲۔

۵۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمایئے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ ص ص ۴۶۔ ۴۷

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً ص ۴۸

۸۔ معارف اسلامیہ: ۳۶/۲

۹۔ صحیح بخاری: ۵۷۹/۱

۱۰۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر علیہ السلام اعظم وآخر ص ص ۵۱۰۔ ۵۱۱

۱۱۔ ابن قمئہ نے وار کرتے ہوئے کہا: ''میں قمئہ یعنی توڑنے والے کا بیٹا ہوں''! ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تجھے توڑے!'' کہتے ہیں کہ جنگ کے بعد جب ابن قمئہ گھر واپس آیا تو ایک دن بکریاں چرانے کیلئے قریبی چراگاہ میں گیا۔ اس کے ریوڑ سے ایک بکرا پہاڑی پر جا چڑھا۔ ابن قمئہ اسے واپس لانے کیلئے اسکے پیچھے پہاڑی پر چڑھا۔ مگر اچانک بکرے نے مشتعل ہو کر اس پر حملہ کر دیا اور ٹکریں مار مار کر اسے لہولہان کر دیا۔ پھر ایک زبردست ٹکر سے اسے گہری گھاٹی میں گرا دیا۔ ابن قمئہ کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔

۱۲۔ یہ ایسے الفاظ تھے جو حضور ﷺ نے کبھی کسی سے نہ کہے تھے۔ بعد میں سعدؓ بن ابی وقاص فخر سے بتایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ انہیں اتنی بڑی سعادت بخشی۔

۱۳۔ عرب طویل سفر کیلئے اونٹ استعمال کرتے تھے اور سرعت سے حملے کیلئے گھوڑے۔

Marfat.com

لمبے سفر کے دوران وہ گھوڑوں کو ''کوتل'' بنا لیتے تھے۔یعنی نہ تو ان پر سوار ہوتے تھے اور نہ ہی ان پر کسی قسم کا سامان لادتے تھے۔

۱۴۔ابن قیم نے بڑی تفصیل سے اس قرآنی تبصرے پر بحث کی ہے اور اس کے لیئے پورا ایک باب وقف کر دیا ہے۔ملاحظہ فرمایئے زادلمعاد:۲/۲۴۸تا۲۶۵

بیسواں باب اُحد کے اثراتِ مابعد

۱۔عرب میں یہ دستور تھا کہ عورتیں مرنے والوں کا کئی دنوں تک ماتم کیا کرتی تھیں۔ ماتم کرتے ہوئے وہ اپنے بال بکھیر لیتیں،منہ پیٹتیں،سینہ کوبی کرتیں اور دلدوز چیخیں مارتیں۔

۲۔زادلمعاد:۲/۱۰۹

۳۔ایضاً ص۱۰۹

۴۔ابن ہشام کی روایت کے مطابق یہ صحابہ چھ تھے،لیکن صحیح بخاری میں ان کی تعداد دس بتائی گئی ہے۔

۵۔ابن ہشام:۲/۱۹۱

۶۔صحیح بخاری:۲/۵۸۶

۷۔بقول واقدی حضور ﷺ کو رجیع اور معونہ کے المیوں کی خبریں ایک ہی رات ملی تھیں۔

۸۔رقاع،رقعہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے پیوند۔ذات الرقاع کا مطلب ہے ''پیوندوں والا''۔ایک روایت کے مطابق اس غزوے میں جھنڈیوں میں پیوند لگائے گئے تھے،اس لیے اسے ذات الرقاع کہا گیا۔ایک دوسری روایت یہ ہے کہ اکثر صحابہ کے پاؤں پیدل چلنے سے چھل گئے تھے،اس لیئے انہوں نے اپنے پاؤں پر رنگ برنگی پٹیاں باندھ رکھی

Marfat.com

کھیں۔ ابن ہشام: ۲۳۵/۲

۹۔ صلوٰۃِ خوف اس لیئے ادا کی کہ خطرہ تھا کہ نماز پڑھتے ہوئے دشمن حملہ نہ کر دے۔ چنانچہ فوج کے ایک حصے نے پہلے دو رکعت نماز ادا کی اور دوسرا حصہ نگرانی کرتا رہا۔ پھر دوسرے نے دو رکعت نماز ادا کی اور پہلا نگرانی کرتا رہا۔ صلوٰۃِ خوف حالتِ جنگ میں اس طرح ادا کی جاتی ہے۔

اکیسواں باب یومِ خندق یا غزوۂ احزاب

۱۔ ۴ھ نسئ یعنی لوند کا سال تھا۔ اس لیئے اس میں ایک ماہ کا اضافہ ہو گیا۔ ۵ھ کا شوال ایک ماہ تاخیر سے شروع ہوا۔ اسطرح اگر جنگِ اُحد کے موقع پر فصلیں تیار کھڑی تھیں جن کا کفار نے صفایا کر دیا تھا، تو ۵ھ (غزوۂ خندق کے موقع پر) فصلوں کو کٹے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔

۲۔ فتح الباری، ج ۷ ص ۱۰۷

۳۔ ابن سعد، طبقات: ۱/ قسم اوّل ص ۴۷۔

۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۶۰

۵۔ مغازی واقدی ص ۱۰۲

ابن ہشام، ۶۷۱/۲

۷۔ حضرت سعدؓ بن معاذ بنو قریظہ کے خاتمے تک زندہ رہے۔ صحیح بخاری: ۵۹۱/۲۔ تفصیل آگے آئے گی۔

۸۔ ابن ہشام: ۲۵۶/۲

Marfat.com

۹۔ ایضاً

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ اور قبیلہ غطفان کے نمائندوں کے درمیان ہونے والی بات چیت کا یہ بیان ابن ہشام کی روایت پر مبنی ہے (ابن ہشام ۲/۲۵۷)۔ لیکن محمد حسین ہیکل نے طبرانی کا حوالہ دیتے ہوئے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ اس سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ مدینے کے پھلوں کا ایک تہائی دینے کے وعدہ پر غطفانیوں کو جنگ سے علیحدہ کرنے کی کوشش رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوئی تھی۔ ہیکل نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ محاصرے کے طول کھینچ جانے کی وجہ سے غطفانی خود پریشان ہو گئے تھے اور جنگ سے دستبردار ہو جانا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ انہیں اس انحراف کا کچھ فائدہ بھی ہو جائے۔ چنانچہ عُیینہ اور حارث کی سربراہی میں انہوں نے مذکورہ سفارت خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ چونکہ مدینے کے اکثر باغات اوس اور خزرج کی ملکیت میں تھے، اس لیئے رسول اللہ نے یہ تجویز سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ کے سامنے رکھنا ضروری سمجھی۔ پھر ان اصحاب کے انکار پر رسول اللہ ﷺ نے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہ فرمایا۔ ہیکل کے بقول جو دانائی سعدین کو گوارہ نہ تھی، اسے رسول اللہ ﷺ کیسے گوارہ کر سکتے تھے۔

دیکھئے محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۴۲۰

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خندق۔

بائیسواں باب خندق اور حدیبیہ کا درمیانی وقفہ

۱۔ ابن ہشام: ۲/۲۷۷

۲۔ ایضاً

Marfat.com

ایضاً ص ۲۸۲

۴۔ ایضاً

۵۔ ابن حزم، جوامع السّیر ص ۲۹۳

۶۔ ابن ہشام: ۳۲۸/۲

۷۔ صحیح بخاری: ۵۷۷/۲

۸۔ بقول ابن سعد یہ شخص حضرت ابوذرؓ غفاری کا بیٹا تھا۔

۹۔ ابن ہشام: ۳۳۷/۲

۱۰۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ ۶ھ میں ہوا۔ لیکن بعض مورخین اسے ۵ھ کا بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جنگ خندق و بنو قریظہ سے پہلے وقوع پذیر ہوا تھا۔ مولانا شبلی نے اسے ۵ھ کا ہی بتایا ہے۔

۱۱۔ ابن ہشام: ۲۵۴/۲

۱۲۔ اس زمانے میں لوگ رفعِ حاجت کیلئے باہر کھلے میدانوں یا کھیتوں میں جایا کرتے تھے۔

۱۳۔ مِسطَح بھی مہاجر تھے۔ ان کا اصل نام عوف تھا۔ واقعۂ افک کو اچھالنے میں یہ بھی منافقین کے ہم نوا تھے۔

۱۴۔ یہ کرز بن جابر الفہری وہی ہیں جنہوں نے ایک دفعہ خود مدینے کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن پھر یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر یہ شہید ہوئے تھے۔

Marfat.com

تئیسواں باب مُعاہدۂ حُدَیبیہ

۱۔غزوۂ احزاب کے موقع پر جو مسلمان دفاعِ مدینہ پر مقرر تھے، انکی تعداد تین ہزار کے قریب تھی۔ چونکہ تمام ایسے مرد جو جنگ کر سکتے تھے، اس وقت حاضر تھے، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ کے کل فوجیوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ اب جبکہ چودہ سو مجاہدین عمرے کیلئے روانہ ہوئے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تقریباً نصف آبادی کو شہر کی حفاظت کیلئے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

۲۔ابن ہشام نے اس شخص کا نام ''بسر'' لکھا ہے۔

۳۔ابن ہشام: ۳۶۱/۲

۴۔دورِ جاہلیت میں عروہ کو ایک دیت کے سلسلے میں دس جوان گائیں مطلوب تھیں جو کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسے بطور امداد عطا کر دی تھیں۔

۵۔دورِ جاہلیت میں ایک دفعہ اہل مکہ کا ایک وفد مقوقس کے دربار میں گیا تھا۔ مغیرہ بھی اس میں شامل تھے۔ مقوقس نے مغیرہ کی بجائے ان کے ساتھیوں کی زیادہ عزت افزائی اور مدارات کی، جس کا مغیرہ کو بہت رنج ہوا۔ واپسی سفر میں نشے کی حالت میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مغیرہ! میں تیرا اسلام تو قبول کرتا ہوں، لیکن تیرے مال کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں!'' عروہ نے مغیرہ کی طرف سے مقتولین کا خون بہا خود ہی ادا کر دیا۔

۶۔ابن ہشام: ۳۷۶/۲

۷۔قرآن حکیم میں مذکور ہونے کی وجہ سے بیعت کے ساتھ ساتھ درخت بھی مشہور ہو گیا۔

پھر رفتہ رفتہ اسے تقدس حاصل ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اسے کٹوا دیا کہ کہیں لوگ اسے شرک کا مرکز نہ بنالیں۔ ترکوں کے زمانے میں یہاں ایک مسجد بنادی گئی۔

۸۔ صحیح بخاری، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع الحرب وکتابۃ الشروط۔ ص ۷۔

۹۔ رملہ بنت ابوسفیان اپنے صاحبزادی حبیبہ کے حوالے سے امّ حبیبہ کہلاتی تھیں۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ چلی گئیں تھی۔ عبیداللہ عبداللہ بن جحش کے بھائی تھے، لیکن بعد ازاں مرتد ہو گئے، اور حبشہ میں ہی وفات پا گئے۔ حضور ﷺ کو احساس تھا کہ انکی ایک پیروکار مومنہ بیوہ ہو گئی ہیں۔ اس لیئے آپ ﷺ نے ام حبیبہؓ کو بیوگی کی بے چارگی سے بچانے کیلئے اپنے عقد میں لے لیا۔ یہ نکاح آپ ﷺ کے کہنے پر نجاشی نے خود پڑھوایا اور حضور ﷺ کی طرف سے تین سو درہم مہر بھی ادا کر دیا۔ اس نکاح سے حضور ﷺ کا ایک مقصد ابوسفیان کی تالیف قلب بھی تھا جو بیٹی کے بیوہ ہونے پر پریشان تھا۔

۱۰۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہونا شروع ہو گئے تھے۔

چوبیسواں باب حکمرانوں سے مراسلت

۱۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے جو بھی مکتوبات تحریر کروائے ان پر یہ مہر ثبت کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کے بعد یہ مہر حضرت ابوبکرؓ صدیق کی تحویل میں آ گئی۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ کی طرف منتقل ہو گئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے یہ ایک کنویں میں گر گئی اور تلاشِ بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکی۔

۲۔ اگرچہ ڈاکٹر حمید اللہ نے بڑے مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ وہی خط ہے جو حضور ﷺ نے حدیبیہ کے بعد نجاشی کو بھیجا تھا، لیکن یہ درست نہیں

Marfat.com

معلوم ہوتا۔ کیونکہ پہلے خط پر اصحمہ کا نام درج ہے اور اس میں صرف نجاشی لکھا ہوا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: صفی الرحمٰن مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۵۶۹۔

۳۔ مقوقس نے اپنے خط میں ماریہ اور سیرین (جو کہ سگی بہنوں تھیں) کے لئے جاریتین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مولانا شبلی نے اس کا ترجمہ ''دو لڑکیاں'' کیا ہے۔ لیکن جاریہ کا معنی چونکہ عربی میں لونڈی بھی ہوتا ہے، اس لئے اکثر سیرت نگاروں نے ماریہ اور سیرین کو ''دو لونڈیاں'' لکھا ہے۔ لیکن لونڈیوں کے ساتھ مقوقس کے یہ الفاظ کہ یہ مصر میں بڑی عزت رکھتی ہیں، عجیب سے لگتے ہیں۔ اس لئے مولانا شبلی لکھتے ہیں: ''یہ لونڈیاں نہ تھیں، بلکہ حضرت حاطبؓ کی تعلیم سے خدمتِ نبوی ﷺ میں پہنچنے سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔۔۔۔۔اس لیئے آنحضرت ﷺ نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ وہ لونڈی کی حیثیت سے آپ ﷺ کے حرم میں آئیں۔'' مولانا شبلی نعمانی کتاب مذکور ج ۱/۴۳۹۔

۴۔ زاد المعاد، ۳/۶۱

۵۔ ابن سعد، طبقات، ۱/۲۶۰

۶۔ بلاذری، فتوح البلدان ص ۷۹

۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۱۶۵۔

۸۔ حارث غسانی چونکہ مسلمانوں پر حملے کی تیاری کرنے لگا تھا، اس لئے مسلمان بھی تیار رہنے لگے تھے۔ موتہ اور تبوک کی جنگیں اسی سلسلے میں پیش آئیں۔

۹۔ زاد المعاد، ۳/۶۳

۱۰۔ رسولؐ رحمت ص ۳۹۸۔ مکتوبات نبوی ﷺ کے بارے میں مزید مطالعہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، "الوثائق السیاسته للعهد النبوی و الخلافته

الرّاشدہ "بیروت ۱۹۶۷ء۔

پچیسواں باب یوم خیبر

۱۔ ''عفر'' مدینہ اور وادی الفرع کے درمیان ایک پہاڑ ہے، یہاں آپ ﷺ کے لئے ایک مسجد بھی بنائی گئی تھی۔

۲۔ صہبا مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک مقام ہے اور خیبر سے قریب تر ہے۔

۳۔ رجیع خیبر کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ اسی نام کی ایک وادی اور بھی ہے جہاں آٹھ قاری دھوکے سے شہید کر دیئے گئے تھے۔

۴۔ معجم البلدان، ۲۲۹/۴ درذکرِ رجیع

۵۔ ابن سعد، طبقات ۱۰۶/۲

۶۔ ابن الاثیر، البدایہ ۲۰۲/۴

۷۔ معارفِ اسلامیہ ۶۷/۹

۸۔ رسولِ رحمت ص ۴۰۶

۹۔ حضرت صفیہؓ کی شادی کے بارے میں کئی ایسی روایات پائی جاتی ہیں جن سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے انکے حسن کی تعریف سن کر انہیں اپنے لئے منتخب کیا تھا۔ لیکن شبلیؒ نے بڑی تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ صفیہؓ سے شادی کا اصل محرک یہ تھا کہ قبیلہ بنونضیر کی رئیس زادی کو ادنیٰ درجے کی کنیز بننے کی ذلت سے بچایا جائے۔ مزید برآں یہ بھی مقصود تھا کہ یہودیوں کے جذبۂ عداوت میں تخفیف کی جائے اور تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کی جائے۔ دیکھئے، شبلیؒ، کتاب مذکور ۲۵۶/۱۔

Marfat.com

۱۰۔ وسق ایک اونٹ کا بوجھ ہوتا ہے جو تقریباً ساٹھ ساع کے برابر ہوتا ہے۔

۱۱۔ خمس اور فے کے فرق کو سمجھنے کے لیئے دیکھئے، مولانا جعفر پھلواروی، کتاب مذکور ص ۴۴۹۔

۱۲۔ دل کی بڑی رگ جس سے باقی شریانیں پھوٹتی ہیں۔

۱۳۔ ابن ہشام، ۴۱۲/۲

۱۴۔ بخاری، ۶۰۸

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً ص ۲۰۸

۱۷۔ شبلیؒ، کتاب مذکور ۱/ ۴۶۴۔

چھبیسواں باب ۷ھ کے مزید واقعات

۱۔ واقدی ۵۱/۲ ۷

۲۔ مندرجہ بالا سرایا کی تفصیل کیلئے یہ ماخذ دیکھئے:

(الف) مبارکپوری، ۶۲۳

(ب) معارف اسلامیہ ۱۹/ ۲۰۴ تا ۲۰۶

(ج) ابنِ سعد ۱۱۹/۲ تا ۱۲۳

۳۔ ابن ہشام، ۴۳۳/۲

۴۔ فتح الباری، ۵۰۰/۷

۵۔ مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمایئے: منصور پوری، کتاب مذکور ۲۳۱/۲ اور معارف اسلامیہ ۱۹/ ۲۰۴ تا ۲۰۶

ستائیسواں باب یومِ مُوتہ

۱۔ علامہ منصور پوری، کتاب مذکور ج ۲ ص ۲۷۱

۲۔ بخاری ۶۷۷/۲

۳۔ موتہ کے بارے میں اشعار کیلئے ملاحظہ فرمایئے ابن ہشام ۴۴۹/۲

۴۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۶۳۳

۵۔ اصح السیر ص ۲۳۸

اٹھائیسواں باب یومِ فتحِ مکہ

۱۔ ابن ہشام، ۴۶۹/۲

۲۔ ایضاً

۳۔ حضرت عباسؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں مورخین کی دو مختلف آرا ہیں۔ ایک گروہ کے بقول حضرت عباسؓ نے مکہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن اسے خفیہ رکھا ہوا تھا اور وہ وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ کو قریش کے منصوبوں سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب وہ جحفہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے لشکر سے آکر ملے تھے۔ دیکھئے محمد حسین ہیکل، کتاب مذکور ص ۲۰

Marfat.com

۴۔ بخاری، ۲/ ۶۸۳

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر چہ سعدؓ کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا، لیکن انصار کی قیادت انکے بیٹے کے سپرد کر دی، تا کہ سعدؓ کی سرزنش بھی ہو جائے اور انکی دلآزاری بھی نہ ہو۔

۶۔ مکہ کی ایک گھاٹی کا نام ہے۔

۷۔ مجن' اس چھڑی یا لکڑی کو کہتے ہیں جس کی موٹھ مڑی ہوتی ہے اور عرب شتر سوار سفر کرتے ہوئے اسے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔

۸۔ بحوالہ صفی الرحمن مبارک پوری، کتاب مذکور ص ۶۵۳

۹۔ ایضاً ص ۶۵۵

۱۰۔ فتح الباری ۸/ ۱۱، ۱۲

۱۱۔ رسولِ رحمت، ص ۴۴۹

۱۲۔ طبری ۳/ ۱۶۴۴ بحوالہ شبلی، کتاب مذکور ۱/ ۴۸۱

۱۳۔ بخاری بحوالہ رسول رحمت ص ۴۴۰۔ عرب میں اتنی غربت تھی کہ ہر روز گوشت کھانا عوام کے لیئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب کبھی انہیں وافر مقدار میں گوشت میسر آتا تو عرب خواتین اسے نمک لگا کر خشک کر لیتی تھیں اور کافی عرصے تک استعمال کرتی تھیں۔

۱۴۔ فلپ ہٹی، کتاب مذکور (انگریزی) ص ۱۴۶

۱۵۔ بخاری ۲/ ۶۹۳

انتیسواں باب یوم حنین

۱۔ واضح رہے کہ قریش کی طائف میں بھی املاک اور باغات وغیرہ تھے۔

۲۔تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمایئے: طبری ۱۶۵۵/۳

۳۔البدایہ والنہایہ ۳۲۲/۴

۴۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ ص ۸۱۔

۵۔اکثر سیرت نگاروں نے اسے مکہ اور طائف کی درمیانی مسافت بتایا ہے۔مقامِ حنین کے تعین کی تفصیلی بحث کے لیئے ملاحظہ فرمایئے: رسولِ رحمت ﷺ ص ۴۵۵، ۴۵۶۔

۶۔اس افراتفری کا نقشہ قرآنِ حکیم نے سورہ توبہ کی آیت ۲۵ میں پیش کیا ہے۔(یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم)

۷۔ابن ہشام، ۵۸۴/۲

۸۔ابن سعد، طبقات باب ''مغازی'' ص ۱۰

۹۔ابن ہشام، ۶۰۱/۲ تا ۶۰۳

تیسواں باب ۹ھ کے اہم واقعات

۱۔ابن سعد، ۱۶۳/۳

۲۔کعبؓ بن زہیر کے قصیدے سے تحریک پا کر امام بوصیریؒ نے اپنی بیماری کی حالت میں ایک قصیدہ کہا جس پر حضور ﷺ نے انہیں خواب میں اپنی چادر عطا فرمائی۔ یہ قصیدہ بھی قصیدہ بردہ کہلاتا ہے اور بہت مشہور ہے۔اس کا ورد بیماری اور مصیبت سے نجات کیلئے بڑا مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اسکا چار زبانوں فارسی، سرائیکی اور اردو (منظوم) اور انگریزی (نثر) میں کیا ہے۔دیکھئے: ڈاکٹر مہر عبدالحق ''قصیدۂ بردہ'' فاروقی کتب خانہ، سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۱۹۸۹ء

Marfat.com

۳۔ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کو پہلی بار دیکھتا، تو اس پر آپ ﷺ کا رعب اور دبدبہ چھا جاتا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ ''من رٰہ بدھۃ ھابہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ'' یعنی جو شخص بادی النظر میں حضور ﷺ کو دیکھتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور ڈرنے لگتا اور جو شخص آپ ﷺ سے متعارف ہو کر گھل مل جاتا وہ بے اختیار آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

۴۔ مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے (۱) علامہ فضل احمد عارف، شرح قصیدہ بانت سعاد، سعید کمپنی کراچی۔ اور (۲) ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ جلد دوم باب قصیدہ بانت سعاد۔

۵۔ اَلَا یَالُوْ اَلْوًّ و اَلِیاً کا معنی ہے باز رہنا، سستی کرنا، کوتاہی کرنا۔ ایلاء کا مطلب فقہ میں ہے باز رہنا، عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا۔ تاج ومحیط بحوالہ پرویز لغات القرآن ۲۵/۱

۶۔ تخییر مادّہ خ ی ر سے باب تفعیل ہے۔ قرآن حکیم میں خیر کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اچھے اور پسندیدہ کاموں کے لیئے بھی اسے استعمال کیا گیا ہے اور اختیار وانتخاب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کائنات میں جو انتخاب طبعی کا عمل جاری ہے اس کے لیئے یَختارُ کا لفظ آیا ہے۔ (۳۶:۳۳) حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد ہوا اَنَا اخْتَرْتُکَ (۶۸:۲۸) یعنی ''میں نے تمہیں چن لیا ہے!'' یہاں تخییر کا معنی عورت کو حق انتخاب واختیار دینا ہے کہ وہ چاہے تو طلاق لے لے۔

۷۔ بخاری میں حضرت عباسؓ کے حوالے سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں حج سے واپسی کے دوران حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ وہ بیبیاں کون ہیں جن کا حوالہ سورہ تحریم میں آیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فوراً کہا: ''حفصہؓ اور عائشہؓ''

۸۔ بخاری ومسلم کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ پر یہ راز ظاہر کیا۔ لیکن فتح الباری ۳۹۹/۹ میں دیگر ازواج کے حوالے سے بھی بحث کی گئی۔

Marfat.com

۹۔ حالات و مکالمات کا یہ بیان بخاری کی ایک طویل حدیث سے ماخوذ ہے (دیکھئے بخاری تفسیر سورۂ تحریم) مسلم میں بھی یہ حدیث جزئیات کے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

۱۰۔ حضرت علیؓ کو بھیجنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ خون اور مال کے معاہدوں میں عربوں کا یہ پرانا دستور تھا کہ متعلقہ شخص یا تو خود ان کے بارے میں کوئی اعلان کرتا تھا یا پھر اسکا کوئی نسبی قرابتدار اسکی جگہ اعلان کرتا تھا۔ خاندان کے باہر کے کسی شخص کے اعلان کو تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

اکتیسواں باب یومِ تبوک

۱۔ منافقین نے حضرت علیؓ کو طعنہ دیا کہ حضور ﷺ نے انہیں ایک بوجھ سمجھ کر غزوے میں شرکت سے روک دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ فوراً مسلح ہوئے اور حضور ﷺ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ وہ آپ ﷺ سے مقام جرف میں جا ملے۔ حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ واپس بھیج دیا اور فرمایا: ''کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ میرے اہل و عیال میں میری نیابت کرو؟ تم میرے لیئے اس مقام پر ہو جس مقام پر ہارونؑ موسیٰؑ کے لیئے تھے۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔''

۲۔ حجر قومِ ثمود کا مشہور شہر تھا۔ ثمود کی ہدایت کیلئے حضرت صالحؑ مبعوث ہوئے تھے۔ یہ شہر مدائن صالح کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

۳۔ روایت ہے کہ ابوذرؓ کو جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ربذہ کے علاقے میں جلاوطن کر دیا گیا تو ان کے ساتھ بیوی اور غلام کے سوا کوئی نہ تھا۔ یہیں ان کی وفات ہو گئی۔ مرنے سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ ان کی میت سرِ راہ رکھ دی جائے اور جو لوگ بھی سب سے پہلے ادھر سے گزریں انہیں بتایا جائے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذرؓ کی

Marfat.com

میت ہے۔ بیوی اور غلام نے ایسا ہی کیا۔ اتفاق سے عبداللہ بن مسعود عراق سے ایک قافلہ لے کر آ رہے تھے۔ قریب تھا کہ ابوذرؓ کی میت اونٹوں کے قدموں تلے روندی جاتی کہ عبداللہ بن مسعود نے اسے دیکھ لیا۔ انہوں نے سواری سے اتر کر پوچھا ''یہ کس کا جنازہ ہے؟'' غلام نے آگے بڑھ کر کہا'' یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذرؓ ہیں۔ آپ انکی تدفین میں ہماری مدد کریں۔'' عبداللہ بن مسعود نے یہ سن کر زار و قطار رونے لگے اور کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر! تم تنہا چلو گے، تنہا مرو گے اور حشر کے دن تنہا اُٹھائے جاؤ گے!'' پھر انہوں نے نہایت عزت کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں دفن کیا۔ ابن ہشام ۶۲۹/۲۔

۴۔ خطبے کے متن کیلئے دیکھئے: علامہ منصور پوری، کتاب مذکور ۱۳۱/۱

۵۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اُکیدر نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن پھر مرتد ہو گیا تھا۔

۶۔ ابن ہشام ۶۳۳/۲

۷۔ مبارکپوری، کتاب مذکور ص ۶۹۷۔

۸۔ مسجد ضرار کا ذکر سورہ توبہ کی آیات ۱۰۷۔۱۱۰ میں آیا ہے۔ تفصیلات کیلئے سورہ مذکور کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

۹۔ فتح الباری ۱۱۹/۸

بتیسواں باب قبول اسلام کی ملک گیر لہر

۱۔ واخر جو اهم من جزيرة العرب

Marfat.com

۲۔ سیرت شامی اور طبقات ۲۹۱/۱ بحوالہ رسول رحمت ﷺ ص ۵۵۸

۳۔ زادالمعاد، باب وفود

۴۔ شبلی، کتاب مذکور ۴۷/۲

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ فتح الباری ۹۴/۸

۸۔ ایضاً ص ۸۷

۹۔ زادالمعاد ۵۱۸ اور منصور پوری، کتاب مذکور ۱۸۵

تینتیسواں باب انقلاب مصطفوی ﷺ پر ایک نظر

۱۔ شبلی، کتاب مذکور ۸۱/۲

۲۔ ایضاً ص ۸۱

۳۔ ایضاً ص ۶۳

۴۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے شبلی کتاب مذکور و مولانا مظہر یٰسین، عہد نبوی میں نظام حکومت۔

چونتیسواں باب حَجَّۃ الوداع

۱۔ عن عبدالله بن شقيق قال سألت عائشه افكان يصلّى قاعداً قالت

Marfat.com

حین حطمه النّاس " ''عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپ ﷺ کو چور چور کر دیا ہوتا تھا۔'' ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ۔

۲۔ ابن ہشام ۲/۴۰۷

۳۔ میقات مادہ وقت سے باب مفعال کے وزن پر اسم آلہ ہے۔ وقت کا اطلاق مقررہ مدت پر ہوتا ہے۔ اسے بے اندازہ زمانے کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ توقیت کا مطلب ہے وقت مقرر کرنا۔ استعارۃً وہ مقام ہے جہاں اکٹھے ہونے کیلئے وقت دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ''میقات'' زمانی اور مکانی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے: الاعراف: ۱۵۵، الشعراء: ۳۸، الواقعہ: ۵۰، الدّخان: ۴۰ اور النبأ: ۱۷) مواقیت حج وہ مقامات ہیں جہاں جمع ہو کر احرام باندھے جاتے ہیں۔ ذوالحلیفہ اہلِ مدینہ اور تبوک کے راستے آنے والے شامی و مصری زائرین کیلئے میقاتِ حج مقرر کیا گیا تھا۔ دیکھئے: نقشہ حدودِ حرم و میقات حج''

۴۔ خطبۂ حجۃ الوداع کا ترجمہ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی رحیق المختوم سے لیا گیا ہے۔

۵۔ فانتم مسئلون عنی فما انتم قائلون۔ صحیح مسلم و ابوداؤد۔

۶۔ ابن ماجہ، نسائی بحوالہ شبلی، کتاب مذکور ۲/۱۵۰

۷۔ 'غدیر' عربی میں تالاب کو کہتے ہیں۔

۸۔ یمن میں حضرت علیؓ سے انکے بعض ساتھیوں کا مالِ غنیمت کے معاملے پر اختلاف ہو گیا تھا۔ انہوں نے بجائے حضرت علیؓ کے موقف کو سمجھنے اور ان سے مفاہمت کرنے کے رنجش دل میں رکھی اور حضور ﷺ سے اسکی شکایت کی۔ حضور ﷺ کو حضرت علیؓ کی بصیرت اور

Marfat.com

معاملہ فہمی پر پورا اعتماد تھا۔ لہذا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ ان کے فیصلے اور موقف کی تائید فرمادیں۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے شبلی ۱۵۶/۲۔

پینتیسواں باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور رحلت

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز

۲۔ ابن ہشام ۷۸۸/۲۔

۳۔ بخاری ۵۱۶/۱

۴۔ اکثر راویوں کا خیال ہے کہ یہ حضور ﷺ کا آخری خطبہ تھا۔ تاہم بعض روایات کی رو سے آپ ﷺ اسکے بعد بھی ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے تھے اور لوگوں سے آپ ﷺ نے خطاب فرمایا تھا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

۵۔ بخاری ۱۷۵/۱

۶۔ شاید آپ ﷺ نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ ﷺ کے بعد لوگ خود ہی اپنے معاملات جمہوری انداز میں طے کرلیا کریں گے۔

۷۔ حضرت میمونہؓ نے نفلی روزہ رکھا ہوا تھا۔ وہ یہ روزہ بعد میں بھی رکھ سکتی تھیں۔

۸۔ اس واقعہ کا ذکر غزوہ خیبر کے باب میں ہو چکا ہے۔

۹۔ ابن سعد، طبقات ۲/ ۲۲۳

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ 'سخ' مدینے سے کچھ دور ہی ایک مقام ہے۔

۱۲۔ اگر رسول اللہ ﷺ خود حضرت ابو بکرؓ کو نامزد فرماتے تو ممکن تھا کہ انصار کے دل میں خیال پیدا ہوتا کہ حضور ﷺ نے اپنی قوم کا خیال فرمایا ہے۔ آنے والے مورّخ بھی شاید اس معاملے کو کسی اور زاویۂ نگاہ سے دیکھتے۔ بستر مرگ پر آپ ﷺ نے جو یہ فیصلہ فرمایا کہ اس مسئلہ کو ان لوگوں پر ہی چھوڑ دیا جائے، بہترین ثابت ہوا۔ ہوا وہی جو حضور ﷺ نے چاہا کہ لیکن یہ خود لوگوں کا اپنا فیصلہ تھا۔ ا

Marfat.com

منتخب کتابیات

1- ابوالکلام احمد آزاد، ترجمان القرآن، دو جلدیں شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۸۰ء

2- ابوالکلام آزاد مرتب غلام رسول مہر، رسولِ رحمت، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۰ء

3- ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالمؐ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۸۰ء

4- ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، (چھ جلدیں)، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۴۷ء

5- ابن ہشام، سیرت النبی کامل ترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور سنہ ندارد

6- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۴ء

7- ابن منظور، لسان العرب، بیروت ۱۹۵۶ء

8- الکتانی الشیخ عبدالحی، نظام الحکومۃ النبویہؐ، احیاء التراث الاسلامی بیروت

9- احمد بن حنبلؒ، مسند احمد، دارالمعارف مصر

10- الترمذی محمد بن عیسیٰ، جامع السنن، مطبع السعادہ مصر ۱۹۵۰ء

11- سرسید احمد خان، خطبات احمدیہ، نفیس اکیڈیمی، کراچی ۱۹۶۴ء

12- صحیح بخاری شریف، ترجمہ علامہ وحیدالزماں، جہانگیر بکڈپو، لاہور، سنہ ندارد

13- غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۹۶ء

14- ڈاکٹر ظہ حسین مصری، نقوش سیرت مترجم حافظ سید رشید احمد رشید نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۷۵ء

15- گونسٹن ویرژیل گیورگیو، محمد رسول اللہؐ، ترجمہ عبدالصمد صارم الازہری مکتبہ معین الادب، لاہور ۱۹۷۴ء

16- قاضی محمد سلمان منصور پوری، رحمۃ اللعلمینؐ، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۹۴ء

Marfat.com

17- مولانا عبدالماجد دریا آبادی، سیرت نبوی قرآنی، مکتبہ بکس لاہور ۱۹۸۵ء

18- مرتضیٰ احمد خان، تاریخ اقوام عالم، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸ء

19- مولانا اشرف علی تھانوی، حبیب خدا، ایم ثنا، اللہ خان پبلشرز لاہور ۱۹۴۰ء

20- ابن منظور، لسان العرب، طبع بیروت ۱۹۵۲ء

21- محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن، ادارہ اشاعت دینیات لاہور سنہ ندارد

22- محمد حسین ہیکل، مترجم ابوتکی امام خان، حیات محمدؐ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۰ء

23- مولانا شاہ جعفر پھلواروی، پیغمبر انسانیتؐ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۵ء

24- مولانا سید سلمان ندوی، تاریخ ارض القرآن ادارہ اشاعت کراچی سنہ ندارد

25- مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ لاہور ۱۹۹۵ء

26- مولانا سعید احمد اکبرآبادی، وحی الٰہی، سعید احمد اکبرآبادی اکیڈمی کراچی سنہ ندارد

27- مولانا شبیر احمد عثمانی، اعجاز القرآن (سلسلہ تقاریر) مطبع دیوبند ۱۳۴۲ء

28- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۰ء

29- الجاحظ عمر بن بحر، البیان والتبیین، دارالاستقامہ قاہرہ ۱۹۵۶ء

30- ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، پیغمبر اعظم وآخر، فیروز سنز لاہور سنہ ندارد

31- نعیم صدیقی، محسن انسانیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۴ء

32- پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبویؐ کا نظام حکومت، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۱۹۹۵ء

33- راغب الاصفہانی، مفردات القرآن، مکتبہ القاسمیہ لاہور

34- زرقانی، شرح المواہب الدینیہ، مطبعۃ الازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

35- عیاض بن موسیٰ القاضی، الشفاء، مصطفےٰ البابی الحلبی مصر

Marfat.com

36- بلاذری احمد بن یحیٰی ،فتوح البلدان، مطبع الموسوصات مصر ۱۳۱۹ھ

37- زمخشری جاراللہ، الکشاف، مطبعۃ الاستقامہ مصر ۱۹۴۶ھ

38- طبقات، محمد بن سعد، مطبعۃ بریل لیڈن ۱۳۲۲ھ

39- Abdul Hakim Khalifa,
The Prophet and His Message
Institute of Islamic Culture, Lahore 1972

40- Armstrong Karen
Muhammad-A Biography of the Prophet.
Harper San Francisco. 1992

41- Hitti, Philip K.
History of the Arabs
St. Martin's Press New York, USA 1977

42- Iqbal Allama Mohammad
The Reconstruction of Religious Thought in Islam
Edited by: M. Saeed Sheikh
Institute of Islamic Culture, Lahore 1986

43- Montgomery Wat
(i) Mohammad at Mecca, (ii) Muhammad At Madina
Oxford 1953

44- Nicholson
A Literary History of the Arabs
(2nd Ed.) Cambridge, 1930

45- William Muir,
Life of Mohammad

46- Siddiqui Abul Hameed,
The Life of Muhammad (PBUH)
Islamic Publications (Pvt.) Ltd.
Lahore, 1995

47- Yousaf Ali Abdullah
The Holy Quran,
Text Translation and Commentary, 3 volumes,
Sheikh Muhammad Ashraf, Lahore.

Marfat.com

DATA ENTERED

ایامِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف

ڈاکٹر نعیم احمد

شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com